معاشی تاریخ انگلستان

حصۂ دوم

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

نشان (۳۴۹)

معاشی تاریخ انگلستان

حصۂ دوم

۱۷۶۰ء تا حال

مصنفہ

ملٹن برگس

ایم اے۔ بی ایس سی (لندن)

اور

پرسی جارڈن

پی ایچ ڈی۔ بی ایس سی (لندن)

اشاعت چہارم ۱۹۳۹ء

ترجمہ

مولوی محمد عاقل صاحب ایم اے

استاذ معاشیات۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

۱۳۶۴ھ م ۱۳۵۴ف م ۱۹۴۵ء

مطبوعہ

ادارۂ طبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن

فہرست مضامین

معاشی تاریخ انگلستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاشی تاریخ انگلستان

باب (۱)

صنعتی انقلاب کا ابتدائی جایزہ

۱۔ مقدمہ

صنعتی انقلاب ایک ایسی اصطلاح ہے جس کی تعبیر و تفسیر کئی طرح پر کی گئی ہے۔ ابھی تک لوگ، غالباً آرنلڈ ٹائن بی کی تقلید میں یہ سمجھتے تھے کہ صنعتی انقلاب اس تبدیلی کا نام ہے جو ۱۷۶۰ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیانی زمانے میں یکبارگی بڑے زور شور کے ساتھ ہوئی اور جس کا سہرا ان چند اشخاص کے سر ہے جن میں ایجاد و اختراع کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ لیکن اب اس نظریے کو ترک کر دیا گیا ہے (اس انقلاب کا نیا اور ہنگامی پہلو صرف ایک تھا یعنی مشینوں سے اشیاء کے

تیار کرنے میں بھاپ کی طاقت کا استعمال۔ باقی اور جتنے پہلو تھے وہ نئے اور ہنگامی نہیں تھے بلکہ ان کا سلسلہ تو سولھویں صدی سے شروع ہو چکا تھا۔

ان میں سے بہت سی چیزیں ۱۷۶۰ء تک خاصی نشوونما پا چکی تھیں اور ان میں پختگی پیدا ہو گئی تھی۔ اکثر صنعتوں میں خانگی سرمایہ داری بڑے پیمانے کی پیدائش حتیٰ کہ مقابلے نے بھی خوب ترقی کر لی تھی کچھ صنعتوں مثلاً کوئلے کی کان کنی اور فولاد سازی میں تو ابتدا ہی سے بڑے پیمانے کی سرمایہ داری کا رواج ہو گیا تھا۔ اسی طرح ذاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کی جگہ بازار میں بیچنے کے لئے اشیاء تیار کرنا بھی سولھویں صدی سے شروع ہو چکا تھا اور کاریگروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس کی روزی تمام تر صنعتی اجرتوں پر موقوف تھی اور جس کو نہ تو پیدائش دولت کے آلات کی ملکیت حاصل تھی اور نہ نگرانی۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ انگلستان ۱۷۶۰ء تک ایک صنعتی ملک بن چکا تھا کیونکہ ایسا کہنا انتہائی مبالغہ ہوگا۔ انگلستان میں ۱۷۶۰ء تک، تو دیہی زندگی ہی کو غلبہ حاصل رہا۔ اس کی آبادی جو ابھی تک کم تھی، دیہاتی علاقوں یا پھر ایسے قصبوں میں پھیلی ہوئی تھی جنھیں بہت بڑے گاؤں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ صنعت ابھی تک ایک مرکز پر مجتمع نہیں ہوئی تھی۔ کپڑا بننے کا کام اور لوہے کی سلاخوں اور فولاد سے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بنانے کا کام ابھی تک کاریگر اپنے گھر ہی پر انجام دیا کرتے تھے۔ ابھی تک نہروں اور ریلوں وغیرہ کے ذریعے نقل وحمل کے کام نے ترقی نہیں پائی تھی جس سے وزنی چیزیں بہت کم خرچ پر تیزی کے ساتھ منتقل ہو سکتی ہیں اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مزدور ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے ہیں اور ان میں طبقہ واری شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض، لوگوں کی معاشی زندگی اور حیثیت میں کسی بنیادی تبدیلی کا پیدا ہونا ابھی دور کی بات تھی۔

صنعتی انقلاب نے یہ نہیں کیا کہ پرانے سلسلے کو توڑ کر دفعتہً کوئی نئی چیز شروع کر دی ہو بلکہ اس نے پہلے پارچہ بافی اور پھر دوسری صنعتوں میں بھاپ کی طاقت سے کام لے کر، ان قوتوں کی رفتار میں جو پہلے سے کام کر رہی تھیں غیر معمولی تیزی پیدا کر دی اور شاید انھیں ایک نئی راہ پر لگا دیا۔ پیدائش کا یہ طریقہ خانگی صنعت کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لئے صنعتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کرنا پڑا اور طاقت کے

سرچشموں کے قریب لاکر بڑے بڑے کارخانے قائم کرنا پڑے جن کے گرد نئے شہر بہت تیزی کے ساتھ آباد ہوگئے۔

لیکن اگر ۱۷۶۰ء کو عہد وسطیٰ اور عہد جدید کی صنعت کے درمیان ایک قطعی حد فاصل قرار نہیں دیا جاسکتا تو اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ صنعت کی مشینی ترقی سے، اٹھارویں صدی کے آخری چالیس سال میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا ہوئی اور نئے شہروں میں فیکٹری کا نظام قائم ہوجانے کی وجہ سے دولت کی شرح پیدائش اور عوام کی معاشی حالت پر ایسے اہم اثرات پڑے کہ ایک لحاظ سے اس زمانے کے لئے صنعتی انقلاب کی اصطلاح کا استعمال کرنا کچھ بیجا نہیں ہے۔

۲- صنعتی انقلاب کے اسباب

اٹھارھویں صدی کے آخر میں صنعتی اور مشینی ترقی کی رفتار کیوں اسقدر تیز ہوگئی اس سوال کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ ۱۶۵۰ء سے ۱۷۵۰ء تک کا زمانہ طبیعی علوم کی ترقی کیلئے خاص طور پر سازگار ثابت ہوا۔ سولھویں صدی میں احیاء علوم کی تحریک سے، عہد وسطیٰ کی متکلمانہ مابعد الطبیعیات کا دور دورہ ختم ہوگیا۔ بیکن نے تجربی فلسفے میں نئے سرے سے جان ڈال دی اور اس کی وجہ سے سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں لوگوں کی دلچسپی میکانی علوم اور ریاضیات کے ساتھ بڑھ گئی۔ یہ سچ ہے کہ واٹ کے سوا، ابتدائی عہد کے اور جتنے موجد تھے وہ سائنس کے کسی بہت بڑی ایجاد کے مالک نہ تھے لیکن انھیں ایک ایسا زمانہ ملا جو تاریخ میں شاید پہلی مرتبہ مشینوں کی ایجاد کے لئے واقعی سازگار تھا۔ یونانیوں کا ذہن جو نظری علوم میں بہت تیز تھا عمل کے میدان میں کچھ نہ کرسکا اس لئے کہ یونانی فلسفی کاریگر کے کام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے عہد وسطیٰ میں، فلسفیانہ فکر ہمیشہ دینیات کی تابع سمجھی جاتی تھی، اور ظاہر ہے کہ ایک ایسا زمانہ جس میں تاریخی واقعات کی تعبیر اس طرح کی جاتی تھی کہ مشیت الٰہی رفتہ رفتہ پوری ہورہی ہے، وہ معاشرتی اور صنعتی ترقیوں کے لحاظ سے کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن ۱۶۵۰ء کے بعد ایک نیا دور شروع ہوا۔ اونچے طبقے جس حقارت سے صنعت اور تجارت کو ہمیشہ دیکھتے آئے تھے وہ اب کم ہونے لگی۔ زمینداروں اور تاجروں میں جو تفریق پرانے زمانے سے چلی آتی تھی وہ

مٹنے لگی۔ اس کے علاوہ نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے بعد تنقید اور تجسس کی روح، جس نے پہلے مذہب کی طرف اور پھر ریاضی اور طبیعی علوم کی طرف رخ کیا تھا، اب ان سے کم درجے کی چیز یعنی صنعت کی طرف جھک پڑی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخری حصے میں بہت سی قوتیں ایک نقطے پر جمع ہوگئیں۔ ایک لحاظ سے دیکھئے تو ان قوتوں کی اہمیت بس اتنی ہے کہ انھوں نے نئی ایجادوں میں مدد دی اور دوسرے لحاظ سے اصل اہمیت خود ان قوتوں کی ہے اور نئی ایجادیں محض ان کا ایک ضمنی نتیجہ ہیں۔ یہ قوتیں تھیں:۔ زاید محنت، زاید سرمایہ خام اشیاء کی رسد کا آسانی سے فراہم ہونا اور نئے بازار۔ ان عوامل کی اہمیت مجموعی طور پر بہت زیادہ تھی۔ پہلے تین عوامل کی وجہ سے صنعت کو اتنی ترقی ہوئی کہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی اور نئے بازار کی وجہ سے اس صنعت کی پیداوار کی نکاسی کا راستہ مل گیا۔

زاید محنت اور زاید سرمایہ، سترھویں صدی سے آہستہ آہستہ جمع ہو رہا تھا۔ نوآبادیوں اور سمندر پار کے مزرعوں کی ترقی نے خام اشیاء کی وافر رسد مہیا کر دی تھی۔ اسپین اور ہالینڈ کی تجارت کے زوال اور وولف اور کلائیو کی فتوحات کی وجہ سے، انگلستان کی سیدھی سادی اور سستی چیزوں کے لئے وسیع بازار کھل گئے تھے کیونکہ یورپ کی اس زمانے میں جو سیاسی حالت تھی اس کی وجہ سے ان چیزوں کے پیدا کرنے میں انگلستان کا کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں تھا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں کئی مرتبہ اس بات کا اشارہ کیا جاچکا ہے کہ اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں جو صنعتی تبدیلیاں ہوئیں ان کے پیدا کرنے میں نوآبادیوں کی ترقی اور خارجی تجارت کو کس حد تک دخل ہے۔ یہاں مناسب ہوگا کہ سیاسی حالات کا بھی ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ سنہ ۱۶۸۸ء کے اس انقلاب کے بعد جس کی محرک وھگ پارٹی تھی، انگلستان کے اندر برابر امن رہا اور کچھ تو جزیرہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ اپنے بحری اقتدار کی بدولت اس زمانے میں بیرونی حملوں کی زد سے باہر رہا۔ گو یہ صحیح ہے کہ وال پول کی امن کی پالیسی کے باوجود اس ملک کو بین الاقوامی جھگڑوں سے بچ نکلنے میں کامیابی نہیں ہوئی، لیکن قومی قرض کے تدریجی اضافے کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو ان جھگڑوں کا قومی زندگی پر کوئی فوری

خراب اثر نہیں پڑا بلکہ یہ صنعتی ترقی میں معاون ثابت ہوئے کیونکہ انگلستان کو ان جنگوں کی وجہ سے ہر مرتبہ نئے بازار ہاتھ آئے۔

ظاہر ہے، یورپ کے دوسرے ملکوں میں یہ صورت نہیں تھی۔ ان ملکوں کے لئے سترھویں اور اٹھارویں صدی کا زمانہ اول سے آخر تک شاہی خاندانوں کی باہمی جنگوں کا زمانہ تھا۔ فرانس، بلجیم، ہالینڈ، جرمنی اور وسطی یورپ، آپس کے مذہبی جھگڑوں یا بیرونی حملہ آوروں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوتے رہے۔ اٹلی اور اسپین پادریوں کے ایک زوال پذیر طبقے کے پنجے میں گرفتار تھے۔ انگلستان میں اس وقت تک اس پارلیمنٹ کی حکومت تھی جس کی ابھی تک اصلاح نہیں ہوئی تھی اور وہاں حقیقی آزادی کی جگہ محض نام کی آزادی پائی جاتی تھی۔ لیکن پرانی دنیا کے کسی ملک میں بھی (اور نئی دنیا کا معاملہ ابھی تک مستقبل کی گود میں تھا) سیاسی اور سماجی حالات، صنعت کی ترقی کے لئے اتنے سازگار نہیں تھے، جتنے یہاں تھے، جیساکہ والٹیر اور مانٹسکو نے اپنی وقت نظر سے سمجھ لیا تھا۔

۳۔ انفرادیت

لیکن ان اسباب کے ساتھ ساتھ اور ان کی تہ میں ایک فلسفیانہ تحریک تھی یعنی انفرادیت۔ اس لئے جب تک انفرادیت کے مفہوم اور اس کی اہمیت کو صاف طور پر نہ سمجھ لیا جائے اس وقت تک سنہ ۱۷۶۰ء اور سنہ ۱۸۵۰ء کے زمانے کا مطالعہ صحیح نقطۂ نظر سے نہیں کیا جا سکتا۔

تجاریت[۱] بحیثیت سماجی فلسفے کے محض ایک مرکب تھا قرون وسطیٰ کے عام سماجی نظریوں اور قومیت کے اصولوں کا۔ قرون وسطیٰ[۱] کے فلسفے کی بنیادی خصوصیت اس کی عالمگیری تھی۔ اس کے اہم ترین تصورات دو تھے۔ ایک عالمگیر کلیسا اور دوسرے نظری حیثیت سے ایک عالمگیر سلطنت "تجارتیت" جو کہ سیاسی اور معاشی مرکز گیر قومیت پر مبنی تھی، کسی عالمگیر نظام کی کوئی خصوصیت نہیں رکھتی تھی۔ پھر بھی اس نے اپنے بعض بنیادی خیالات، قرون وسطیٰ[۱] کے فلسفے سے اخذ کئے۔ اس نے جماعت کو ایک عضویے کے مماثل سمجھا جو ایک کل کی حیثیت سے، اپنے جز سے مقدم اور بڑا ہوتا ہے اور جس کی مجموعی تندرستی کا دارومدار اس کے اعضاء کے وظائف کی ہم آہنگی پر ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ قرون وسطیٰ[۱]

---

[۱] حصۂ اول، باب چہارم و پنجم۔

کی سماج کا یہ تصور کہ اس کے جملہ طبقے حقوق و فرائض کے باہمی رشتے میں مضبوطی کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں "تجاریت" کے آخری زمانے میں پورے طور پر نہ پائے جاتے ہوں لیکن اس کے آثار اٹھارویں صدی کے نصف اول تک بھی بالکل مفقود نہ ہوئے تھے۔

انفرادیت کو اُسی تحریک اصلاح مذہبی کی ایک شاخ سمجھنا چاہیے جو پروٹسٹنٹ فرقے نے سولھویں صدی میں شروع کی تھی۔ فرد کا فلسفیانہ تصور اس وقت پیدا ہوا جب لوگوں نے پوپ کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے اور خدا اور بندوں کے درمیان پادریوں کو ایک ناگزیر واسطہ سمجھنے سے انکار کیا۔ پروٹسٹنٹ فرقے کے نظریے کے مطابق جب عیسائیوں کی جماعت کا ہر رکن اپنے خالق کے سامنے براہ راست جواب دہ ہو گیا تو فرد کی حیثیت بالکل ایک نئی روشنی میں نظر آنے لگی۔ اور اس طرح فرد کا اپنے ذاتی مقام پر واپس آجانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک جداگانہ اور مستقل ہستی سمجھا جانے لگا اور اصلاح یافتہ مذہبی حلقوں میں یا کم سے کم پیوریٹین انتہا پسندوں میں اب یہ ناممکن ہو گیا کہ فرد محض جماعت کا ایک رکن سمجھا جائے یہ ذہنیت کی ایک بنیادی تبدیلی تھی جس سے بعد میں نہایت اہم عملی نتائج نکلے

۴۔ فطری حقوق

فرد کے تصور کا پیدا ہونا تھا کہ فلسفے نے اس کو رفتہ رفتہ چند فطری لازمی اور لازوال حقوق بھی بخشنے شروع کر دیے۔ ہالینڈ کے رہنے والے ایک شخص ہوگرو ٹیس نے سترھویں صدی کے شروع میں ان فطری حقوق کو سیاسی فلسفے میں بھی داخل کر دیا اور اس تحریک کو پیوفن ڈورف، لاک اور بہت سے بعد کے مصنفوں نے بھی جاری رکھا۔

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں اول سے آخر تک مملکت کی مخالفت اور فرد کی حمایت میں ہر موقع پر ان ہی فطری حقوق کا حوالہ دیا جاتا تھا۔ مملکت کے بارے میں یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ یہ رضاکارانہ شراکت ہے، آزاد اور مستقل افراد کی، جو اس معاہدے کے ذریعے سے ایک دوسرے سے وابستہ ہیں کہ ہر فرد کے فطری حق آزادی کی حفاظت کی جائے گی جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے اس انفرادی فلسفے کو مکمل نشو و نما جان لاک کی تصنیفوں میں حاصل ہوئی جس کے نزدیک عقل اور ذاتی مفاد انسان کے عمل کے

دو ابتدائی محرک ہیں۔ لاک کا اثر بعد کے انگریز مصنفوں پر بھی بہت زیادہ پڑا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ لاک کے ذہن میں فرد عقلی کا جو مجرد تصور تھا وہی معاشی انسان کے اس تصور کا پیشرو تھا جسے رکارڈو اور اس کے حلقے کے مفکروں نے انیسویں صدی کی ابتدا میں رائج کیا۔ لاک کا اثر فرانس کی فلسفیانہ فکر پر بھی بہت پڑا۔ چنانچہ اٹھارویں صدی میں ہیل وی ٹیس، ڈیڈرو اور کونڈیاک کی مادیت انہی کے نظریوں سے ماخوذ تھی۔

انفرادیت کے اس فلسفے سے بہت سے ایسے مسائل پیدا ہوئے جو زیر دست معاشری اہمیت رکھتے تھے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ معاشرے کی اصلی ماہیت کیا ہے؟ آیا معاشرہ ایک عضویے کی طرح ہے جو محض مختلف اعضا کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ برتر وحدت رکھتا ہے یا وہ محض ایک مجموعہ ہے مستقل افراد کا جن میں سے ہر رکن ایک قائم بالذات وجود رکھتا ہے اور جس کے اجزا مل کر محض ایک میکانکی اجتماع پیدا کرتے ہیں۔

کلاسکی یونانی عہد سے لے کر، عہد وسطیٰ اور اس کے بعد سترھویں صدی تک معاشرے کی حقیقی وحدت کا نظریہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ سولھویں اور سترھویں صدی میں "تجارتیت" بھی جہاں تک کہ اس سے ایک نظریے کی حیثیت سے شعوری طور پر کام لیا گیا اسی نظریے پر مبنی تھی۔ لیکن مذہبی اصلاح کی تحریک کے بعد جب انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں میں مطلق العنانی کا رجحان پیدا ہوا تو اس وقت دینوی حکمرانوں کی اس من مانی حکومت کی مخالفت کو جائز قرار دینے کے لئے انفرادیت کا نظریہ مذہب سے سیاسیات میں لے لیا گیا۔

غرض، اس طرح فرد اور مملکت میں ایک تضاد پیدا ہو گیا۔ مگر آزادی کا مفہوم ابھی تک بہت تنگ اور محض منفی تھا۔ چنانچہ اس دور کے مفکروں کے نزدیک انفرادی آزادی صرف اسی طرح ترقی پا سکتی تھی کہ مملکت کے کاروبار کو قیام امن کے سادہ اور معینہ عمل تک محدود رکھا جائے یا یوں کہئے کہ اسے محض ایک ایسے دائرے کے اندر ہی رکھا جائے جس میں ہر فرد کو آزادی ہو کہ اپنی قوتوں کو جس سمت میں چاہے نشو و نما دے سکے بشرطیکہ دوسرے افراد سے ٹکرانے کی نوبت نہ آئے۔

۵۔ قطر آئینین	انفرادیت کو سیاسیات سے معاشیات میں منتقل کرنے کا کام زیادہ تر فرانس کے معاشیین کے اس دبستان نے انجام دیا جسے

فطرآئینین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے خیالات، سترھویں صدی کے انگریز مفکروں کے ہاں بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے خود اپنے طور پر یہ نظریہ قایم کیا تھا۔ لیکن معاشی انفرادیت کو ایک فلسفیانہ نظام کے بلند مرتبے تک پہنچانے کا سہرا انھی فطرآئینین کے سر ہے۔

فطرآئینیوں کا قول تھا کہ سب آدمی اور سب انسانی قوتیں قادر مطلق کے بنائے ہوئے اخلاقی اور طبعی قوانین کی مطیع اور پابند ہیں اور اس مذہب کے قائد یعنی کوئینے کے قول کے مطابق یہ قوانین بہتر سے بہتر ہیں۔ ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور انھی پر مکمل ترین حکومت کی بنیاد قایم ہے۔ حکمرانوں کے لئے ان قوانین میں ردوبدل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسی ہستی کے بنائے ہوئے ہیں جو عقل، قوت اور حکمت میں سب سے برتر ہے۔ اس لئے ان میں ہر طبقے کا مفاد مساوی طور پر مدنظر رکھا گیا ہے۔ انھی طبعی قوانین میں محنت کا قانون بھی داخل ہے۔ انسان اپنے خارجی ماحول کا لازمی طور پر پابند ہے۔ یہ ماحول ایک مقررہ جدوجہد کے بدلے میں اس کیلئے بقائے زندگی کے ضروری سامان مہیا کرتا لیکن چونکہ ہر فرد پر بقائے حیات کا فرض عاید ہوتا ہے اس لئے اس کا یہ حق بھی ہے کہ وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے تمام کاموں کو دوسروں کی مداخلت کے بغیر پورا کر سکے۔ اسی طرح اُسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اپنی محنت کے ماحصل کا مالک ہو، اُسے محفوظ رکھ سکے اُسے فروخت کر سکے اور اس کا مبادلہ دوسری ایسی چیزوں سے کر سکے جو اسکی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہوں۔ چونکہ یہ حقوق خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس لئے حکومت وقت کو چاہئے کہ وہ اس بات کی پوری ضمانت کرے کہ افراد اپنے حقوق سے آزادی کے ساتھ فائدہ اُٹھا سکیں۔ حکمران کو اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ جس وقت جیسا جی چاہا ویسا قانون بنا دیا۔ اس کا صرف ایک فرض ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی رعایا کو یہ بتائے کہ اس قسم کے فطری قوانین موجود ہیں اور ان رکاوٹوں کو دور کرے جو قوانین کی راہ میں حایل ہوں اور ایسی مناسب تدابیر اختیار کرے جن سے یہ قوانین بے تکلف عمل میں آسکیں۔

فطرآئینیوں نے اپنے فلسفے کی ابتدا اس اصول سے کی تھی کہ اگر یہ فطری

قوانین نافذ ہوں تو فرد اور مملکت دونوں کے مفاد کا بہ ایک وقت تحفظ کیا جا سکے گا۔ ان دونوں کے مفاد میں فطرت نے پہلے ہی سے ایک ہم آہنگی قایم کر رکھی ہے اور اس میں صرف اُسی وقت خلل پڑتا ہے جب ان فطری قوانین کے عمل درآمد میں رُکاوٹ پیش آتی ہے۔ فطر آئینیوں کے نزدیک یہ ناقابل تبدیل فطری قوانین زمان و مکاں کی قیود سے آزاد سمجھے جاتے تھے معاشرے کے وجود سے پہلے بھی آدمی ان کا پابند تھا اور معاشرے میں داخل ہو جانے کے بعد آج بھی وہ اسی طرح اُن کا پابند ہے۔

فطری قانون کا یہ عقیدہ کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ یہ رواقیین کے فلسفے کا ایک لازمی جزو تھا لیکن عہد وسطیٰ میں الوہیت کے ایک زیادہ قطعی تصور کی وجہ سے یہ کچھ ماند سا پڑ گیا تھا مگر نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے زمانے میں جب قدیم خیالوں کو دوبارہ زندگی ملی تو یورپ کی فکر میں قانون فطرت کا تصور بھی دوبارہ داخل ہو گیا اور مذہبی اور سیاسی اقلیتیں، مطلق العنان حکومت کی مقاومت کرنے کے سلسلے میں اکثر اس کی سند پیش کرتی رہیں۔ فطر آئینیوں نے اس کے ذریعے جو خاص کام لیا وہ یہ کہ انھوں نے معاشی نظام کو انسان کی شعوری رہنمائی کی دسترس سے باہر قرار دیا اور یہ کہا کہ دنیا کا موجودہ نظام نہ صرف مشیت الٰہی کے مطابق ہے بلکہ ناگزیر ہے۔

۱-۶ انگلستان کے معاشیین

ایک قرن کے بعد فطر آئینیوں کے ان نظریوں کو انگلستان میں آدم اسمتھ نے اور آگے بڑھایا۔ یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ اسمتھ نے اپنے خیالات فطر آئینیوں سے اخذ کئے یا بغیر ان سے متاثر ہوئے اپنے طور پر سوچے۔ اس سلسلے میں جو بات اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ انفرادیت اور قانون فطرت کے بارے میں اس کا جو خاص نقطۂ نگاہ تھا وہ فطر آئینیوں کے مشابہ تھا اور اس کے ان خیالات کا انگلستان پر بہت زیادہ اثر پڑا۔

اسمتھ کو ان معاشیین کا معنوی باپ سمجھنا چاہئے جنھوں نے انگلستان میں معاشیات کے استادی دبستان کی بنیاد رکھی۔ اس دبستان کے دو نہایت با اثر

ابتدائی رکن مالتس اور رکارڈو تھے۔ ان دونوں نے اور خاصکر رکارڈو نے اپنا فلسفیانہ نقطۂ نگاہ آدم اسمتھ سے اور اس کے ذریعے بالواسطہ طور پر فطرآئینوں سے حاصل کیا۔ کوئینے کی طرح رکارڈو اور مالتس بھی قانون فطرت کو ناقابل تبدیل مانتے تھے دوسرے فطرآئینوں کی طرح رکارڈو بھی سختی کے ساتھ اس نظریہ کا قائل تھا کہ فرد اور جماعت کے مفاد کے درمیان ایک ہم آہنگی موجود ہے جو مشیت الٰہی کی قایم کی ہوئی ہے اور اس لئے معاشرے کی ماہیت کے بارے میں بھی غالباً غیر شعوری طور پر انفرادیت کے نظریے کو قبول کر لیا تھا۔

اس کے علاوہ ایک اور دوسرے معاملے میں بھی انگریزی معاشیین اور فطرآئینوں میں اشتراک خیال نظر آتا ہے۔ جس طرح صرف ایک مانٹسکو کو چھوڑ کر سترھویں اور اٹھارویں صدی کے سب مفکر، اپنے نظام کو زمان اور مکان کی قیود سے آزاد رکھتے تھے، اسی طرح فطرآئینوں نے بھی رکھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فطری قوانین معاشی، سماجی، اور سیاسی تمدن کی تمام منزلوں میں اور ہر قسم کے طبعی ماحول اور آب وہوا میں موثر طریقے پر کام کرتے ہیں اور ان میں کبھی کبھی ترمیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس نقطۂ نگاہ کا بنیادی نقص یہ ہے کہ یہ متحرک دنیا، ہمارے ذہن میں ایک ساکت حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ ہر نظام چاہے وہ سیاسی ہو یا معاشی ایک مجرد چیز بنکر رہ جاتا ہے اور ٹھوس حقیقتوں سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ عارضی واقعات جو مقامی یا اتفاقی حالات کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں عالمگیر اور دائمی سمجھ لئے جاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ مسائل کو ضرورت سے زیادہ سادہ سمجھ لیا جاتا ہے اور انھیں معاشری مظاہر کے دوسرے پہلوؤں سے جو تعلق ہے وہ جاتا رہتا ہے۔

جہاں تک طریقے کا تعلق ہے رکارڈو اور مالتس نے فطرآئینوں کے مقابلے میں کوئی ترقی نہیں کی، گو آدم اسمتھ مانٹسکو کی کتاب "روح قوانین" کے مطالعہ کرنے کی وجہ سے بہت سی انتہا پسندیوں اور مبالغہ آمیزیوں سے محفوظ رہا۔ اگرچہ اس کی کتاب "دولت اقوام" پر بھی اس بنا پر اعتراض کئے گئے ہیں کہ اس کے اندر معاشی اداروں کی قدر و قیمت کے اضافی اور اعتباری ہونے پر جتنا زور دیا جانا چاہئے تھا نہیں دیا گیا ہے۔

رکارڈو اور مالتس سے نہایت قریبی تعلق رکھنے والا ایک اور فلسفی بھی ایسا ہے جس نے اس زمانے کی رائے عامہ کی تشکیل میں بہت حصہ لیا یعنی فلسفۂ سیاست اور فلسفۂ قانون کا ماہر جرمی بنتھم۔ بنتھم بہت سی باتوں میں لاک اور فطر آئینوں سے مختلف تھا۔ اس نے قانون فطری اور حقوق فطری کے نظریے کو رد کر کے افادیت کا نظریہ اختیار کیا تھا۔ اس کے خیالات بھی اتنے ہی مجرد اور تجربے سے اتنے ہی دور تھے جتنے کہ ان مفکرین کے جن کے اصولوں کی وہ تردید کرنا چاہتا تھا۔ فطری حق کے مسلک کے پیرؤں کی طرح وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ معاشرہ مستقل افراد کا ایک مصنوعی اور میکانکی مجموعہ ہے اور اس کے اندر کسی قسم کی فطری یا عضوی وحدت نہیں پائی جاتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کا قایم کیا ہوا فرد کا تصور بھی جس کے اعمال و افعال کا محرک افادیت کا اندازہ ہوا کرتا تھا (یعنی رکارڈو کا "معاشی انسان") وہ بھی حقیقت سے اتنا ہی دور تھا جتنا کہ لاک کا قبل معاشری انسان۔

۷۔ صنعتی انقلاب پر انفرادیت کے اثرات

غرض، یہ تھا معاشی، اور معاشری فلسفہ جس کی فضا میں صنعتی انقلاب نے ترقی پائی۔ اس فلسفے کو صنعتی انقلاب کا ایک سبب یا کم سے کم اس کی ایک معاون شرط ثابت کر دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے اس باب کی ابتدا میں کہا گیا تھا کہ صنعتی انقلاب کے بارے میں یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ اس نے دفعتہً پرانے سلسلے کو توڑ کر بالکل نئی چیز شروع کر دی بلکہ اصل میں یہ انھی قوتوں کی غیر معمولی سرگرمی کا زمانہ تھا جو صدیوں سے رفتہ رفتہ نشو ونما پا رہی تھیں۔ لیکن اٹھارویں صدی کے وسط تک ان قوتوں کی راہ میں جہاں اور چیزیں حایل ہوئیں وہاں عہد وسطیٰ کی معیشت کے نصب العین یعنی خود کفایتی اور پائیداری کا شوق، رسم و رواج کی عملداری اور معاشرہ کی عضویاتی نوعیت کا احساس بھی اس میں حایل ہوئے۔ چنانچہ آخر الذکر کی بنا پر پلانٹیجنیسٹ خاندان کے حکمرانوں نے فرد کی آزادی کے خلاف بہت سے قوانین بنائے اور ٹیوڈر بادشاہوں نے زراعت کے زوال، مشین کے استعمال اور اُون کی تجارت میں سرمایہ داری کے ابتدائی دخل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔

لیکن انفرادیت نے آزاد اور مستقل افراد کو معاشرے کی اکائی بنا کر مملکت کی اہمیت کو کم کر دیا۔ اس نے افراد کو جدوجہد کا غیر محدود موقع دیا۔ انفرادی زندگی کی برائیوں کو پبلک لائف میں مستحسن قرار دیا اور نام نہاد فطری قوانین کے عمل کو مشیت الٰہی کا کا لباس پہنا دیا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد وسطیٰ کی حد بندیاں ٹوٹ گئیں اور ایک ایسی ذہنی فضا پیدا ہوگئی جس میں انفرادی اقدام، فطرت کی قوتوں سے کام لے کر بین الاقوامی اور تخمینی منڈیوں کے لئے چیزوں کو بڑی تعداد میں تیار کرانے لگا۔

جہاں تک انفرادیت نے ترقی کے راستے سے ان رکاوٹوں کو ہٹایا اس حد تک تو انفرادیت سے معاشیات میں بھی ایسے ہی اچھے نتائج نکلے جیسے انفرادیت سے سیاسیات میں نکلے تھے لیکن قانونی اور سیاسی اداروں کی طرح معاشی اداروں کی بھی اہمیت اور ان کا فایدہ مطلق نہیں بلکہ اضافی ہوتا ہے۔ یہ معاشی ادارے از خود پیدا نہیں ہو جاتے بلکہ خاص ضرورتوں کی بناء پر بنتے ہیں جو پھر نتیجہ ہوتے ہیں خاص خاص حالات کا۔ چنانچہ اگر ان میں بدلتے ہوئے ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی فطری صلاحیت نہ ہو تو پھر وقت گزرنے پر یہ ادارے فرسودہ ہو جاتے ہیں اور ترقی کے راستے میں ایک روڑا بن جاتے ہیں، جیسا کہ "تجارتیت" کی منزلوں میں یکے بعد دیگرے دیکھا گیا اور جب ایک مرتبہ ایک قوم ایک پامال راستے پر لگ جاتی ہے تو پھر اس ڈھرے سے اُسے نکالنے کے لئے کوئی دوسری قوت انفرادی اقدام اور آزادی کے برابر موثر ثابت نہیں ہوتی۔

لیکن راہ ترقی کی اُن رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش میں انفرادیت نے دو قرنوں کے لئے معاشرے کے اس نظریے کو بھی منسوخ کر دیا جس سے کمزور اور خستہ حال طبقوں کو کچھ نہ کچھ پناہ مل جایا کرتی تھی۔ کیونکہ جب تک معاشرے کو ایک عضویے کے مماثل مانا جاتا ہے اس وقت تک ایک عضو کی فلاح کو ہرگز دوسرے اعضا کی فلاح سے جدا نہیں سمجھا جا سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک منظم معاشرے کے نصب العین کی جگہ جس کا ہر عضو مفاد عامہ کے لئے کام کرتا ہو، غیر محدود مقابلہ اور بقائے اصلاح کا وہ نصب العین اختیار کیا گیا جسے ڈاروِن نے نظریہ ارتقا کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیئے۔ غرض، ذاتی مفاد اور مفاد عامہ کو ایک سمجھنا جس پر کہ "عدم مداخلت" کا نظریہ مبنی تھا

اور فطرت کے ان اٹل قوانین پر اعتقاد رکھنا جنھیں بہت سے لوگ قوانین الٰہی سے جدا نہیں سمجھتے۔ ان دونوں چیزوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ مفاد ذاتی کو بنیادی طور پر ضروری اور مفید سمجھا جانے لگا اور معاشی معاشرے میں جو عدم مساوات پائی جاتی تھی اس کے لئے جواز کی ایک صورت نکل آئی۔

بدقسمتی سے انفرادیت کے جو منطقی نتائج پیدا ہوئے وہ صرف فلسفے کی خیالی دنیا تک محدود نہیں رہے بلکہ مدبروں اور منتظموں نے انھیں عملی دنیا میں بھی برتنا شروع کر دیا۔ یہ سمجھا جانے لگا کہ جب عوام کی غربت اور معاشی محرومی کو دور کرنے کے لئے طاقتور لوگوں کو روکا جاتا ہے کہ وہ کمزور لوگوں سے ناجائز طریقے پر فائدہ نہ اٹھائیں تو گویا مشیت الٰہی سے سرتابی کی جاتی ہے۔ کیونکہ مالتھس کے استدلال کے بموجب، مزدوروں کی زندگی آبادی اور تقلیل حاصل کے قوانین کی پابند اور کمترین وسایل بقا پر قناعت کرنے کے لئے مجبور تھی اور رکارڈو کے نظریۂ شرح لگان سے بھی اسی مایوسانہ عقیدے کی تائید ہوتی تھی۔

مزدور طبقے کی حالت کا ذکر بعد کے کسی باب میں کیا جائے گا۔ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں مزدوروں میں جو عام افلاس اور خستہ حالی پائی جاتی تھی اس کے اسباب بہت سے ہیں: صنعت کا خانگی نظام سے فیکٹری نظام میں تبدیل ہونا اور اس زمانے میں فطری قوتوں کو اپنی کارفرمائیوں کے لئے پوری آزادی مل جانا۔ مزدور کے کاموں میں نہایت محدود تخصیص کار کا پیدا ہو جانا۔ ایک ایسے بازار کے لئے جو ملکی حدود سے متجاوز ہو گیا تھا اور جو روز بروز زیادہ وسیع ہوتا جا رہا تھا چیزوں کی طلب میں نئے نئے اُتار چڑھاؤ کا پیدا ہو جانا۔ مزدوروں کا ایسی فیکٹریوں میں جمع ہونا جن میں کام کرنے کے بعد نہ تو انھیں اس کا وقت ملتا تھا نہ ان میں اتنی طاقت رہتی تھی کہ وہ کسی اور ضمنی کام کو بھی ساتھ ہی ساتھ کر سکیں۔ لیکن جب ان سب اسباب کی اہمیت کو پوری طرح ملحوظ رکھا جاتا ہے تب بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانے کی مصیبت کا بیشتر حصہ انفرادیت کے فلسفے ہی کا ایک منطقی نتیجہ تھا جس پر اس زمانے کے آجروں اور حکمرانوں کی جماعت اعتقاد رکھتی اور عمل کرتی تھی۔

سنہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے ایسی صنعتی تبدیلیاں برابر ہو رہی ہیں جن کو سنہ ۱۷۶۰ء تا

۱۸۳۰ء کے زمانے کی تبدیلیوں سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ جنگ کی وجہ سے صنعت میں ایسی مشینوں کا رواج بہت زیادہ بڑھ گیا جو مزدوروں کی محنت کو بچاتی اور انسان کی امداد کے بغیر خود بخود چلتی رہتی ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قریب کے پچھلے سالوں میں بیروزگاری میں اتنا اضافہ ہو گیا جس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی لیکن جن بدنصیب مزدوروں کی مشین نے جگہ لی انھیں جماعت نے فطری قوتوں کی آزادانہ کارفرمائیوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب انفرادیت کے فلسفے کا زوال ہو چکا ہے اور معاشرے کی ماہیت کے بارے میں ایک صحیح تر تصور دوبارہ قائم ہو گیا ہے۔

مشین سازی اور تخصیص محنت کے علاوہ صنعتی انقلاب کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ عہد وسطیٰ کے جماعتی تنظیم کے نصب العین کی جگہ آزاد مقابلے کا نصب العین اختیار کر لیا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ۱۷۶۰ء سے پہلے آزاد مقابلے سے لوگ ناواقف تھے۔ جیسا کہ صنعتی انقلاب کی دوسری تبدیلیوں کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے اس تبدیلی کی ابتدا ابھی بہت پہلے ہو چکی تھی اور اٹھارویں صدی کے آخر تک یہ چیز بہت پرانی ہو چکی تھی۔ لیکن جو چیز ۱۷۶۰ء سے پہلے کبھی کبھی اور کہیں کہیں نظر آتی تھی وہ ۱۸۶۰ء تک ایک ہمہ گیر نظام کی صورت میں رائج ہو گئی اور اپنے جواز کے لئے اُسے ایک فلسفہ بھی مل گیا۔ ۱۷۷۶ء سے (جب آدم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" شائع ہوئی) لیکر ۱۸۴۸ء تک جب جان اسٹوارٹ مل کی "اصول معاشیات" شائع ہوئی، معاشی خیالات کی پوری تاریخ ایک سلسلہ ہے اس کوشش کا کہ غیر مقید مقابلے کی حمایت کی جائے اور اُسے صنعتی معاشرے کی بنیاد قرار دیا جائے۔ پہلے تو آدم اسمتھ نے عوام کی توجہ اس امکان کی طرف مبذول کرائی کہ آزاد مقابلے کے نظام کے تحت اتنی دولت پیدا کی جا سکتی ہے جو لالچی لوگوں کے خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتی پھر ریکارڈو نے یہ ثابت کیا کہ مکمل مقابلے کی صورت میں دولت کی تقسیم بالکل فطری اور اٹل قوانین کے ماتحت ہوتی ہے۔

۸۔ مقابلے کی خرابیاں

اسمتھ کو عام خوش حالی کی بشارت دیے چوتھائی صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ناخوشگوار حالات نے مالتس کو دولت

کے اسباب نہیں بلکہ افلاس کے اسباب کی جستجو پر مجبور کر دیا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ افلاس کے اسباب خود مقابلے کے اندر پوشیدہ پاتا لیکن فطری اور اٹل قانون کا اثر اس قدر زبردست تھا کہ اس کی توجہ اس طرف مایل نہیں ہوئی بلکہ وہ غذائی پیداوار اور آبادی کے مفروضہ فطری حقائق کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس طرح اس نے ایک قرن تک معاشری ترقی کی راہ میں رُکاوٹ ڈال دی۔

"عدم مداخلت" کی پالیسی ایک نظریے کی حیثیت سے مندرجۂ ذیل مفروضات پر مبنی تھی:- (۱) یہ کہ تمام معاشری مظاہر، فطری قوانین کے پابند ہیں اس لئے انسان کے بنائے ہوئے وضعی قوانین غیر ضروری ہیں۔ (۲) یہ کہ افراد کی دانشمندانہ خود غرضی اور رفاہ عامہ میں ایک فطری ہم آہنگی پائی جاتی ہے (۳) یہ کہ تمام آدمی فطری طور پر کم و بیش مساوی ہوتے ہیں۔

ایک حد تک تو یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ معاشری مظاہر ضرور فطری قوانین کے پابند ہیں، کیونکہ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ہمیں ان دو متبادل مفروضات میں سے کسی ایک کو تسلیم کرنا پڑے گا یا تو اسے کہ ہمارا معاشری نظام مشیت الٰہی کا ایک مسلسل اور بلا واسطہ اظہار ہے یا یہ کہ یہ پورا نظام معقولیت سے خالی ہے۔ جب فطر آئینیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ معاشی واقعات فطری قوانین کے پابند ہیں تو انھوں نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ انھوں نے صرف اس اصول کو معاشیات پر بھی منطبق کر دیا جسے مانٹسکو سیاسیات میں استعمال کر رہا تھا اور جس پر ڈیکارٹ نے طبعی علوم کے نظریے کی عمارت کو کھڑا کیا تھا۔

لیکن یہ کہنا بلاشبہ غلط ہے کہ یہ معاشی قوانین اسی طرح اٹل، غیر متغیر اور مستقل ہیں جیسے کہ ریاضیات یا طبیعیات کے قوانین ہوتے ہیں کیونکہ یہ حالات کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور ان میں انسانی ارادے سے ترمیم کی جا سکتی ہے۔ وضعی قوانین کا بنانا ضروری ہے کیونکہ ہماری دنیا جیسا کہ فطر آئینیوں کا خیال تھا بہترین دنیا نہیں ہے اور نہ انسان رکارڈو اور مالتس کے فلسفے کے مطابق فطری قوتوں کے ہاتھ میں محض ایک کٹ پتلی ہے۔ مل نے جب ۱۸۴۸ء میں اپنی کتاب لکھی اس وقت اس کے پیش نظر صنعتی انقلاب کی پوری تاریخ تھی۔ اسی لئے اس نے یہ ضروری سمجھا

کہ اُٹل قوانین کو صرف پیدائش دولت تک محدود رکھے اور تسلیم کیا کہ تقسیم دولت کے قوانین جماعتی نظام کے ساتھ بدل سکتے ہیں۔

دوسرا مفروضہ یعنی خانگی اور عام مفاد میں قدرتی ہم آہنگی، انسانی فطرت کے اس تصور سے اخذ کیا گیا تھا جسے اب بہت کمزور اور بے بنیاد سمجھا جانے لگا ہے۔ سترھویں صدی میں ہابس اور لاک کے نظریہ معاہدے پر اعتقاد رکھنے والوں کے نزدیک انسان ذی عقل مخلوق تھا جسے اپنے حقیقی مفاد کا علم ہوتا ہے اور وہ ہر حال میں اس کا طلبگار رہتا ہے۔ لیکن یہ بات واقعات کے خلاف تھی جس کی وجہ سے روسو انسان کے حقیقی اور غیر حقیقی ذات میں فرق کرنے پر مجبور ہوا لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی ہمیشہ یہ جانتا ہو کہ اس کا فایدہ کس چیز کے ساتھ وابستہ ہے اور جب وہ یہ جانتا بھی ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے حاصل کرنے میں بھی مصروف رہے۔ نہ یہ بات صحیح ہے کہ آدمی کے اعمال و افعال کی واحد محرک ہمیشہ اس کی ذاتی غرض یا افادہ ہوتا ہے۔ پھر تجربہ ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ جب ذاتی مفاد کو بے قید چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس سے بیشتر صورتوں میں مفاد عامہ کو نقصان ہی پہنچتا ہے۔

تیسرا مفروضہ یعنی انسانوں میں ایک فطری مساوات کے موجود ہونے کی ایک طویل تاریخ ہے۔ یہ قدرتی قانون ہی کا ایک ضمنی نتیجہ ہے۔ اس کو قدیم زمانے کے رواقیین اور ابتدائی آبائے کلیسا صحیح مانتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانے میں جس شکل میں یہ نظریہ پایا جاتا ہے اس کا ماخذ جان لاک کا وہ نظریہ ہے جو اس نے انسانی ذہن کے بارے میں پیش کیا تھا۔ اس کو اس بات کی بہت فکر تھی کہ وہ کسی طرح ڈیکارٹ کے خلقی تصورات کے نظریے کی تردید کر دے۔ چنانچہ اس نے انسانی ذہن کو پیدائش کے وقت ایک سادے کاغذ سے مشابہ قرار دیا۔ لیکن اس نے اس طرح بالکل غیر ارادی طور پر اس نظریے پر بھی ایک کاری ضرب لگا دی جس کی بنیاد پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ مختلف خاندانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے افراد میں فطری عدم مساوات ہوتی ہے۔ انسانی ذہن کے بارے میں اس کا یہ نظریہ "انفرادیت" کے نقطۂ نگاہ کو جائز قرار دینے کے لئے نہایت ضروری تھا۔ افراد کے مابین

[1] فطرآئینین، معاشی معاملات میں قدرتی مساوات کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ فرد کو ملکیت کا غیر محدود حق دیتے تھے۔

غیر محدود مقابلے کو اخلاقی لحاظ سے اسی وقت جائز سمجھا جاسکتا ہے جب مقابلہ کرنے والے لوگ ہر اعتبار سے باہم مساوی ہوں لیکن لاک کا یہ نظریہ عرصہ ہوا مسترد کیا جاچکا ہے۔ افراد طبعی طور پر مساوی نہیں ہوتے مختلف افراد کی ذہانت اور قابلیت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس لئے جب تمام لوگوں کو غیر مقید مقابلے میں شریک ہونے کے لئے مجبور کردیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے جیسا کہ انیسویں صدی کے تجربے سے ثابت ہوا طاقتور لوگ کمزوروں سے ناجایز فائدہ اٹھانا شروع کردیتے ہیں۔ اس عہد میں بھی جب کہ لوگوں نے صرف دولت ہی کو اپنا کعبۂ مقصود بنالیا تھا لوگوں کے اندر انسانی ہمدردی کا جذبہ بالکل دبایا نہیں جاسکتا تھا بچوں کی مخصوص حیثیت کو عقلی طور پر بھی تسلیم کرنا پڑا۔ فیکٹری کے پہلے قوانین نے "عدم مداخلت" کے اصول کی عین اس وقت جڑ کھودنا شروع کردی جب کہ اُسے مکمل کامیابی کی منزل بالکل سامنے نظر آتی تھی۔

انیسویں صدی میں مقابلے کی وجہ سے جو واقعات رونما ہوئے وہ اس بات کی نہایت نمایاں طور پر وضاحت کرتے ہیں کہ معاشی مسائل کو ضرورت سے زیادہ سادا بنا دینے سے کیا خطرات پیدا ہوسکتے ہیں "عدم مداخلت" کا نظریہ سراسر غلط تو نہیں تھا۔ لیکن وحشیانہ زندگی کا اخلاقی اصول بغیر ترمیم کے مہذب معاشروں کی زندگی کا قانون نہیں قرار دیا جاسکتا۔ انسانی فطرت اپنی زندگی کی ایک خاص منزل میں خود غرض ہوتی ہے اور اس کے لئے ایسا ہونا شاید ضروری بھی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر ہمدردی اور جماعت پسندی بھی پائی جاتی ہے اور یہ جبلتیں اخلاق کی ایک بلند تر سطح سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ اصولوں کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی ان اداروں کی قدر و قیمت کی طرح جو مادی صورت میں موجود ہوتے ہیں اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب انھیں مخصوص حالات کے اندر دیکھا جائے صنعتی انقلاب کے عہد کے فلسفیوں اور معاشی مفکروں کا بنیادی نقص یہ تھا کہ انھوں نے یہ فرض کرلیا تھا کہ فطری قوتوں کی آزادانہ کارفرمائیاں جماعت کی ہر منزل میں یکساں طور پر مفید ہوتی ہیں۔

۹۔ اشتراکیوں کا ردعمل

اشتراکیت کی ابتدا اس وقت ہوئی جب انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں لوگوں کی مصیبت اور خستہ حالی

میں بہت اضافہ ہوگیا۔ جب رکارڈو نے اپنی ”اصول معاشیات“ اور مالتھس نے اپنے ”مقالہ در بحث آبادی“ کو ختم کیا تو اس وقت اس نظریے کے افسوس ناک نتائج ہر جگہ نظر آرہے تھے کہ دولت بجائے خود ایک مقصد ہے۔ فطرت پر انسان نے جو نئی فتوحات حاصل کی تھیں، ان سے محنت کش عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا تھا اگرچہ دولت کی پیدائش اتنی بڑھ گئی تھی جسے صرف ایک اعجاز ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ افلاس و مصیبت ایک افسوس ناک حد تک پہنچ گئی تھی۔ پھر لطف یہ ہے کہ لاک، اسمتھ اور رکارڈو نے ملکیت کے حق کی بنیاد، محنت کو قرار دے رکھا تھا۔ ان متضاد حالات میں ہمیں اس بات پر تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ اشتراکیت نے کیوں انفرادیت اور مقابلے کے نظریوں کو مکمل طور پر مسترد کر دیا اور ان کے بالکل مخالف نظریوں یعنی عالم گیریت اور امداد باہمی کو اُن کی جگہ دے دی۔ ان کے نزدیک عقل نہیں بلکہ ہمدردی وہ قوت تھی جو افراد جماعت کے درمیان باہمی ربط پیدا کرتی ہے۔

انیسویں صدی کے وسطی زمانہ تک اشتراکی نظریے نے جرمنی اور فرانس میں ایک مستقل جگہ حاصل کر لی تھی۔ لیکن انگلستان میں اشتراکیت کی ترقی اتنی تیزی سے نہیں ہوئی کیونکہ یہ ملک ۱۸۷۰ء تک دنیا بھر کے لئے چیزیں تیار کرتا رہا اور یہاں سستی غذا کی درآمد کی وجہ سے کشمکش معاش میں کسی قدر سکون رہا۔ لیکن ۱۸۸۰ء کے بعد سے انگلستان میں بھی بے روک مقابلے کو ترمیم کے بغیر قبول کرنا ترک کر دیا گیا۔

۱۰۔ انفرادیت کا زوال۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ انیسویں صدی میں مملکت کا نظریہ بالکل بدل گیا۔ اس کے اسباب مختلف تھے۔ عملی خرابیوں کو دور کرنے کی ضرورت نے مجبور کیا کہ فیکٹری کے قوانین میں مسلسل توسیع ہوتی رہے پھر رائے دہندوں کے حلقے کی تدریجی توسیع سے جو اس صدی میں برابر ہوتی رہی، عوام کے جائز مطالبوں کو ٹالنا روز بروز مشکل ہوتا گیا۔ لیکن ان عملی اثرات کی تہ میں وہ ردعمل تھا جو مملکت اور سماج کے انفرادی نظریے کے خلاف پیدا ہوا۔ ابنس کروسو کی زندگی کو بنیاد بنا کر معاشرے کا تصور کرنا، جس کا ابتدائی معاشیین کو بہت شوق تھا ۱۸۸۰ء سے پہلے چاہے ممکن رہا ہو لیکن اس کے بعد بالکل ممکن نہیں رہا۔ صنعتی انقلاب نے کچھ اور چاہے کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن ایک بات اس نے ضرور کی اور وہ یہ کہ اس نے

مختلف طبقوں کو معاشی معاملات میں ایک دوسرے کا پابند بنا دیا۔ جب زندگی کی ابتدائی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے فرد اپنے بنی نوع کے ایک عالمگیر حلقے کا محتاج ہو گیا تو پھر اس کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ وہ ایک مستقل اور خود مکتفی وجود ہے منطقی طور پر ناممکن ہو گیا۔ پھر اسی زمانے میں یونیورسٹیوں میں بھی مملکت کی ماہیت کے بارے میں وہ تصور دوبارہ پیدا ہو گیا جو قدیم یونان کے مملکت کے تصور سے مشابہ تھا۔ ارسطو کے نزدیک مملکت اگرچہ فرد کے بعد وجود میں آئی ہے لیکن پھر بھی منطقی طور پر وہ فرد سے مقدم ہے۔ کیونکہ انسان مملکت کے اندر اور اس کے وسیلے ہی سے اپنی فطرت کی ان اعلیٰ قوتوں کو ترقی دے سکتا ہے جو اُسے وحشی جانوروں سے ممیز کرتی ہیں۔ مملکت کا یہ نظریہ اٹھارویں صدی کی منفی انفرادیت سے بہت مختلف ہے اور اس سے بہت اہم عملی نتائج پیدا ہوئے۔ اس نے مملکت کو یہ مثبت کام تفویض کیا کہ ایسے حالات پیدا کرے جن میں سب کے لئے صحیح معنی میں مکمل زندگی بسر کرنا ممکن ہو۔ اور اس طرح اس نے مملکت کو ایک نئی عظمت بخش دی۔ اس کے علاوہ اس نے یہ اصول پیش کیا کہ آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فرد کو اپنی حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کا حق بغیر کسی قید کے دے دیا جائے بلکہ آزادی کے معنی یہ ہیں کہ اُسے ایک مشترک مقصد یعنی فلاح عامہ کے لئے دوسروں کے ساتھ اشتراک عمل کا حق حاصل ہو۔

ہم نے اس کتاب میں، اِن نظریوں کی بحث میں اُس سے زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے جتنی معاشی تاریخ کی کتابوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اِن نظریوں کی اہمیت کو واضح طور پر نہ سمجھ لیا جائے اُس وقت تک انیسویں صدی کے بہت سے معاشی مظاہر کا سمجھنا ناممکن ہے۔

۱۱۔ آبادی کی از سرِ نو تقسیم

پارچہ بافی اور دوسری صنعتوں میں جو فنی تبدیلیاں ہوئیں اُن کا تذکرہ شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کچھ اور ایسے امور کی بھی تنقیح کر لی جائے جو عام اہمیت رکھتے ہیں۔ سنہ ۱۷۶۰ء تا ۱۸۳۰ء کے درمیانی دور کی ایک نہایت نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس زمانے میں آبادی میں نہایت تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا۔ اس اضافے کو بجائے خود انقلاب کا ایک سبب بھی کہا جا سکتا ہے اور اس کا ایک نتیجہ بھی۔ اس

زمانے میں آبادی کے اضافے کی ٹھیک ٹھیک شرح کیا رہی اس کا تعین کرنا تو مشکل ہے۔ قابل وثوق اعداد وشمار آسانی سے نہیں ملتے۔ آرنلڈ ٹائن بی کے بیان کے مطابق ۱۷۶۰ء سے پہلے کے عشروں میں اضافے کی زیادہ سے زیادہ شرح تین فی صد تھی۔ لیکن ۱۷۷۱ء اور ۱۷۸۱ء کے درمیان یہ شرح بڑھ کر چھ فی صد ہو گئی اور ۱۷۸۱ء اور ۱۷۹۱ء کے درمیان نو فی صد، ۱۷۹۱ء اور ۱۸۰۱ء کے درمیان گیارہ فی صد، ۱۸۰۱ء اور ۱۸۱۱ء کے درمیان چودہ فی صد اور ۱۸۱۱ء اور ۱۸۲۱ء کے درمیان اٹھارہ فی صد ان اعداد کے بارے میں اختلاف رائے ہے لیکن اگر انھیں محض تخمینی طور پر صحیح مان لیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اسی غیر معمولی اضافے پر ٹامس مالتھس کے نظریۂ آبادی کی بنیاد قایم ہوئی ہوگی۔

آبادی کے اس اضافے کے ساتھ ساتھ ان مرکزوں میں بھی ایک خاصی تبدیلی ہو گئی جن کی طرف آبادی چاروں طرف سے کھنچ کر جمع ہوا کرتی تھی۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں آبادی اس خط کے جنوب میں مجتمع تھی جو دریائے ہمبر اور دریائے سیورن کے دہانوں کو ملاتا ہے۔ خاص طور پر اس رقبے میں جس کی حدود جنوب میں سامرسٹ اور ولٹس کے اضلاع تھے اور شمال میں وارک، ووسٹر اور رٹ لینڈ کے اضلاع مڈل سکس اور سرے کے اضلاع کی آبادی سب سے زیادہ تھی اور سفوک کی آبادی بھی خوب گنجان تھی۔ شمال مغربی مڈلینڈس اور دریائے ہمبر کے شمالی اضلاع ابھی تک کھلے ہوئے جنگلوں بنجر چراگاہوں اور ایسی دلدلی زمینوں پر مشتمل تھے جن کی پانی کی نکاسی کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔

لیکن ۱۷۶۰ء تک آبادی نے واضح طور پر شمال اور شمال مغرب میں ترقی کرنا شروع کر دیا اور اس صدی کے خاتمے پر جنوبی لنکاشائر کی آبادی کی گنجانی بس ایک مڈل سکس سے تو کم تھی ورنہ سرے کے برابر اور دوسرے شہروں سے زیادہ ہو گئی تھی۔ دریائے ٹائن کی وادی اور مغربی یارک شائر، چیشائر، ڈربی اور اسٹیفورڈ شائر بھی آباد علاقے بن گئے تھے پورے ملک کی اور الگ الگ اضلاع کی آبادی میں اس قدر تیزی سے جو اضافہ ہوا اس کے اسباب کے بارے میں زیادہ تر قیاس سے کام لیا جاتا ہے۔ سترھویں صدی کے آخر تک آبادی کی ترقی جو رکی رہی اس کی وجہ

کچھ تو وہ کمی تھی جو غذا کی رسد میں بعض موسموں، خاص کر سردی کے مہینوں میں ہو جاتی تھی اور کچھ وہ ہلاکت و تباہی تھی جو پلیگ، ہیضہ اور ٹائفس اور دوسری وباؤں کی وجہ سے پھیلتی تھی۔ اٹھارویں صدی میں ان بیماریوں کی تباہ کاری کچھ کم ہو گئی تھی۔ ایک حد تک اس کی وجہ ان زراعتی تبدیلیوں کو قرار دیا جا سکتا ہے جن کا ذکر پہلے حصے میں کیا جا چکا ہے، جن پودوں کی جڑیں کام میں آتی ہیں ان کی اور خصوصاً شلجم کی کاشت کی بدولت، مویشی کو سردیوں میں بھی چارہ ملنے لگا اور اس طرح لوگوں کو تازہ گوشت اور دودھ سال بھر برابر دستیاب ہونے لگا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جوان اور بوڑھے دونوں بیماریوں کی تباہ کاری سے محفوظ ہو گئے۔

جن اضلاع میں پہلے پہل فیکٹری کا نظام مستحکم بنیاد پر قایم ہوا ان کے بارے میں اس زمانے کے لوگوں کا یہ ایک عام خیال تھا کہ یہ نظام آبادی کے اضافے کے لئے خصوصیت کے ساتھ سازگار ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نئی مشینوں کی بدولت مزدوری کے لئے بچوں کی زبردست مانگ پیدا ہو گئی تھی اور چونکہ یہ بچے کم عمری ہی میں نہ صرف اپنا پورا خرچ نکالنے کے قابل ہو جاتے تھے بلکہ خاندان کی مشترکہ آمدنی میں بھی اضافہ کرتے تھے اس لئے یہ سمجھا گیا کہ شادیوں اور کثیر العیال خاندانوں میں مصنوعی طور پر اضافہ ہوا۔ نہروں کے نکلنے کی وجہ سے تعمیر کے وزنی سامان کو پہلی مرتبہ آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جانے لگا۔ کچھ تو اس کی وجہ سے اور کچھ نئی فیکٹریوں کے اس مطالبے کی وجہ سے کہ مزدور فیکٹری کے قریب ہی آباد ہوں مکان زیادہ تعداد میں تعمیر ہونے لگے۔ جب مزدوروں کو رہنے کے لئے مکان ملے تو وہ شادیاں بھی پہلے کے مقابلے میں جلدی کرنے لگے۔ عہد وسطیٰ میں آبادی جو ایک خاص تعداد پر قایم رہتی تھی اس کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں برابر مکانوں کی سخت قلت رہی۔ جنوبی انگلستان میں ۱۷۹۵ء کے بعد غریبوں کی امداد کے لئے جو اسپین ہم لینڈ نظام جاری کیا گیا اس کو بھی بعض لوگوں نے شرح پیدائش کے بڑھنے کا محرک قرار دیا ہے۔ اب رہے شمال کے صنعتی اضلاع خصوصاً لنکاشائر تو یہاں ۱۷۶۰ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیانی زمانے میں اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے لوگ بڑی تعداد میں ترک وطن کر کے

مسلسل آتے رہے۔

لیکن خاص خاص اضلاع مثلاً شمال مغربی مڈلینڈس، لنکا شائر اور مغربی یارک شائر جہاں غیر معمولی طور پر آبادی میں اضافہ ہوا اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ لوگ اطراف کے دیہاتوں کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے۔ ٹیوڈر خاندان کے بادشاہوں کے زمانے کی طرح، اٹھارویں صدی کا نصف آخر بھی ایسا زمانہ نہ تھا جس میں شاملات کی بنجر زمینوں اور کھیتوں کی احاطہ بندی کی گئی۔ اس احاطہ بندی کی وجہ سے جو ہزاروں خاندان اپنے قدیم پیشوں سے محروم ہوئے ان کے لئے ان نئے صنعتی اضلاع کے علاوہ پناہ کی کوئی دوسری جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ اسی طرح منتشر اراضی کی چک بندی اور کاشت کے سرمایہ دارانہ انتظام کی وجہ سے بھی بہت سے مزدور بیکار ہو گئے۔ جنگلوں اور بنجر زمینوں میں جو حقوق لوگوں کو قدیم زمانے سے حاصل تھے ان سے محروم ہو جانے کے بعد ان لوگوں کے لئے جو پہلے کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی گزار لیتے تھے زمین کے ساتھ وابستہ رہنا ممکن نہیں رہا چنانچہ دریائے ٹیمس کے جنوب کے زراعتی اضلاع اور ان کے آس پاس کے دیہی اضلاع سے شمال کے صنعتی اضلاع کی طرف مزدوروں کی مسلسل ہجرت شروع ہو گئی۔

مزدوروں کے علاوہ چھوٹے معافی دار کاشتکار بھی دیہاتی اضلاع سے رخصت ہو گئے۔ اس افسوس ناک واقعے کے معاشی اسباب کا ذکر کرنا اس باب کے حدود سے باہر ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہزاروں چھوٹے چھوٹے معافی داروں نے اپنی جائدادوں کو فروخت کر کے صنعت کے میدان میں قسمت آزمائی شروع کر دی۔ ان میں سے ایک مختصر تعداد آجروں کے طبقے میں شامل ہونے میں بھی کامیاب ہو گئی۔ لیکن ان کی بڑی اکثریت جلد ہی اجرت پر کام کرنے پر مجبور ہو گئی اور صنعتی مزدوروں کے طبقے میں جذب کر لی گئی۔

دیہی علاقوں سے قریب کے شہروں کی طرف جو ہجرت کی گئی اس کا زیادہ مشاہدہ سوتی اور اونی پارچہ بافی کے اضلاع اور کان کنی کے اضلاع میں کیا جا سکتا تھا۔ اسٹالی برج میں (جو ان شہروں میں سے ایک تھا جنھیں صنعتی انقلاب نے برساتی مینڈکوں کی طرح پیدا کیا تھا) خانگی کام کرنے والے لوگ، چیشائر اور جنوبی لنکا شائر کے تمام حصوں سے آتے تھے۔ ساؤتھ ویلز میں کارڈف کے اردگرد ایسے اضلاع تھے جن میں

کان کنی اور دھاتوں کو سود ھنے[1] کا کام کیا جاتا تھا۔ ان میں مغربی انگلستان کے ان گاؤں کے زائد مزدوروں خصوصاً نوجوانوں کی کھپت ہوگئی، جہاں پارچہ بافی کا کام ہوتا تھا۔ اسی قسم کی مثالیں لنکاشائر، مغربی رائیڈنگ اور دریائے ٹائن کی وادی میں بھی عام تھیں۔ اس فصل کے شروع میں اس لکیر کا ذکر کیا تھا جو دریائے ہمبر اور دریائے سیورن کے دہانوں کو ملاتی ہے۔ یہ لکیر جن اضلاع کی حدبندی کرتی ہے ان کی اضافی اہمیت آبادی کی گنجانی کے لحاظ سے اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں بالکل برعکس ہوگئی تھی۔

۱۲۔ بھاپ، کوئلہ اور انقلاب

وہ چیز جسے صنعتی انقلاب کی اصل قرار دیا جاسکتا ہے، فیکٹری کا نظام بجائے خود نہیں ہے بلکہ چیزوں کے تیار کرنے میں بھاپ کی طاقت کا استعمال کرنا ہے۔ یہی تبدیلی بنیادی اور انقلابی تھی ورنہ ایسی فیکٹریوں کو جن میں مزدور ہاتھ سے کام کرتے تھے ٹیوڈر بادشاہوں کے زمانے میں "جیک آف نیوبری" اور بہت سے دوسرے لوگ قایم کرچکے تھے اسی طرح سترھویں صدی میں مختلف صنعتوں میں بڑے پیمانے کی پیدائش کی مثالیں بھی عام ہوچکی تھیں۔ چیزوں کو قوت محرکہ سے تیار کرنا۔ یہی صنعتی انقلاب کا مرکز و مدار تھا۔ صنعتی طریق کار کی تاریخ میں، آرک رائٹ کے واٹر فریم (پانی کی قوت سے کاتنے والی مشین) کو جو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ بھی اسی وجہ سے ہے۔ یہ مشین اس مقصد کو سامنے رکھ کر بنائی گئی تھی کہ اس کے ذریعے سے، غیر انسانی قوتوں سے کام لیا جاسکے گا۔ جب یہ ایجاد ہوگئی تو صنعت نے پہلی مرتبہ موجودہ مفہوم کے اعتبار سے فیکٹری کے نظام کو اختیار کرلیا۔

پانی سے چلنے والی مشینیں جن ابتدائی فیکٹریوں میں لگائی گئیں ان کو کوہ پنائن کے ڈھال کے دونوں جانب تیز رفتار ندیوں کے کنارے پر قایم کیا گیا۔ لیکن یہ طریقہ زیادہ نہیں پھیل سکا۔ پانی کی قوت کے استعمال کرنے کی وجہ سے ان کو مقررہ حدود کے اندر ہی وسعت دی جاسکتی تھی۔ جہاں پانی کا بہاؤ تیز اور مسلسل ہوتا تھا

[1] پگھلا کر صاف کرنا۔ دیکھو لفظ (Smelt) کے معنی Standerd Engr Urdm Dictianary شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔

وہیں فیکٹریاں قایم کی جا سکتی تھیں۔ سردی کے مہینوں میں، سیلاب کے بار بار آنے کی وجہ سے پن چرخی اپنا کام نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے برعکس گرمی کے مہینوں میں قوت محرکہ اکثر نہایت ناکافی ثابت ہوتی تھی۔ اس کی ایک دوسری خرابی یہ تھی کہ جن جگہوں میں پانی کی قوت موزوں اور مناسب ہوتی تھی وہاں قرب وجوار کے اضلاع کی جغرافی ساخت کی وجہ سے چیزوں کے نقل وحمل کا کام مشکل اور مہنگا ہوتا تھا۔ غرض، ان تمام وجوہ کی بنا پر محض پانی کی قوت صنعتی انقلاب کو پیدا نہیں کر سکی۔

جس بنیادی واقعے نے، صنعتی انقلاب کی رفتار میں زبردست تبدیلی پیدا کی وہ ۱۷۸۲ء میں جیمس واٹ کی ایجاد تھی جس کے ذریعے سے بھاپ کے انجن سے گردش محوری پیدا کی جانے لگی اور جس کا بعد میں مشینوں کے چلانے کے لئے استعمال کیا گیا بھاپ سے چلنے والی مشینیں پانی سے چلنے والی مشینوں کی تمام خامیوں سے پاک تھیں۔ موسم کے تغیرات کا ان پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ ان میں تسلسل پایا جاتا تھا اور اُن کو اپنے قابو میں رکھا جا سکتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کا استعمال زیادہ وسیع رقبے میں ممکن تھا۔ بھاپ سے چلنے والی فیکٹریوں کو ان مقامات پر قایم کیا جا سکتا تھا جو کچے مال اور مصنوعات کے نقل وحمل کے لئے خاص طور پر موزوں تھے۔

لیکن جہاں فیکٹریوں کے یہ فایدے تھے وہاں ان کا نقصان یہ تھا کہ انھوں نے آجروں اور مزدوروں کے درمیانی خلیج کو اور بھی بڑھا دیا۔ جتھے کے نظام اور خانگی نظام میں ملازم کاریگر اور استاد کاریگر کے درمیان کوئی بہت گہرا اور قطعی فرق نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی کی وجہ سے ملازم کاریگر کا استاد کاریگر بن جانا آہستہ آہستہ زیادہ مشکل ہوتا جاتا تھا اور اس کی مثالیں روز بروز کم ہو رہی تھیں۔ ظاہر ہے اس کی وجہ یہی تھی کہ جب تک چیزوں کے تیار کرنے کا کام ہاتھ سے یا ہاتھ سے چلنے والی مشینوں سے کیا جاتا رہا اس وقت تک کاروبار کو شروع کرنے کے لئے بہت کم سرمائے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کوہ پنائن کی مرتفع وادیوں میں پانی کی قوت کو استعمال کرنے والی جن فیکٹریوں کو قایم کیا گیا۔ وہ بھی آسان کام تھا اس لئے کہ ان میں جو مشین نصب کی گئی وہ بڑی نہ تھی اور ان کے لئے جس قدر سرمائے کی ضرورت تھی وہ بھی بہ آسانی دستیاب ہو سکتا تھا۔ لیکن ۱۷۸۳ء کے بعد سے نئے نمونے کی فیکٹریاں

قایم ہونا شروع ہوئیں۔ انجن اور اس کے سامان کے وزن اور ان کی اہتزازی حرکت کی وجہ سے زیادہ بڑی اور زیادہ مضبوط عمارتیں بنانا ضروری ہوگیا اور مشینوں میں لکڑی کی جگہ لوہے کا استعمال کیا جانے لگا۔ صرف یہی نہیں بلکہ بھاپ کی قوت کے استعمال میں فایدہ اسی صورت میں ہوتا تھا جب مشینوں کو بڑی تعداد میں چلایا جاتا تھا۔ اس قسم کی فیکٹریوں کو ایک نئے قسم کے سرمایہ دار ہی قایم کرسکتے اور چلا سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ آجر اور مزدور دو بالکل علیحدہ طبقوں میں منقسم ہوگئے

بھاپ کی قوت کے استعمال کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے صنعت کو کوئلے کی کانوں کے پاس مجتمع کردیا۔ یہی وجہ تھی کہ دریائے ٹائن کی وادی، جنوبی لنکاشائر، مغربی یارک شائر، اور اسٹیفورڈ شائر کے "سیاہ علاقہ" کے اضلاع نے نہایت غیر معمولی تیزی کے ساتھ ترقی کرنا شروع کردیا۔ یہاں ہم یہ بھی کہہ دیں کہ اسی بات کو ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان، انگلستان کی صنعتی اور تجارتی ترقی کا بھی ایک اہم سبب قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ جب تک ریاستہائے متحدۂ امریکہ میں، اپالیچین کے علاقے کے کوئلے کے وسیع ذخیروں سے انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں فائدہ اٹھانا شروع نہیں کیا گیا، اس وقت تک انگلستان ہی دنیا میں سب سے زیادہ کوئلہ پیدا کیا کرتا تھا۔

انگلستان کی صنعتی ترقی میں کوئلے کو جو اہمیت حاصل ہے اس پر جتنا بھی زور دیا جائے وہ کم ہے۔ کوئلے سے صرف قوت محرکہ کے پیدا کرنے ہی کا کام نہیں لیا جاتا تھا۔ بلکہ اس سے لوہے کو بھی پگھلایا جاتا تھا اور انیسویں صدی میں ریلوں اور بعد میں دخانی جہازوں کے چلانے کے لئے بھی اس کا استعمال نہایت ضروری ہوگیا تھا۔

کوئلے اور لوہے کی صنعتیں ایک دوسرے سے لازمی طور پر وابستہ ہیں۔ ایک کا دوسرے پر مختلف طریقوں سے عمل اور ردعمل ہوتا رہا۔ کوئلے کی کان کنی میں جتنی ترقی ہوئی اتنا ہی خام لوہے کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ اسی طرح لوہے کی صنعت میں جو بھی ترقی ہوئی اس کی وجہ سے کوئلے کے نکالنے کی رفتار بڑھتی گئی اور ان ترقیوں سے جو ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی تھیں اکثر صنعتیں جو ۱۸۵۰ء سے پہلے انگلستان میں قایم ہوئی تھیں وجود میں آئیں۔ ان نئی صنعتوں میں کیمیاوی صنعت

کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کپڑے کا رنگ اڑانے، رنگنے اور چھاپ لینے کے جو پرانے طریقے تھے ان کے ذریعے پارچہ بافی کی صنعت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ لیکن نئے نظام کی وجہ سے کپڑے کی پیداوار اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان سست طریقوں سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ صنعت میں بحیثیت مجموعی توازن کہیں اس وقت جاکر پیدا ہوا جب اٹھارویں صدی کے خاتمے پر صنعتی کیمیا کی ترقی شروع ہوئی۔

غرض، انجنیری، لوہے کی صفائی، مشین سازی اور صنعتی کیمیا کے وہ کام جو ہمارے صنعتی نظام کے بنیادی عناصر ہیں، ان سب کا دارومدار کوئلے ہی پر تھا اور ان میں سے ہر صنعت دوسری صنعتوں کی ترقی ہی کی وجہ سے برابر آگے بڑھتی رہی۔

۱۳۔ صنعتی انقلاب کی سست رفتار

خانگی نظام کی جگہ فیکٹری کے نظام اور ہاتھ کے کام کی جگہ مشین کی پیدائش کے رواج پانے کی رفتار سست تھی اور اس قدر سست کہ اس کے لئے انقلاب کے لفظ کو استعمال کرنا ہی غلط ہے۔ پارچہ بافی کی صنعت کو فیکٹری نظام کے دائرے میں داخل ہونے میں ستر سال لگ گئے۔ اور بعض دوسری صنعتوں میں تبدیلی کی رفتار اس سے بھی زیادہ سست رہی۔

اس کے مختلف اسباب تھے۔ پہلا سبب تو یہ تھا کہ پارچہ بافی کی خانگی صنعتوں میں جو کاریگر کام کرتے تھے وہ ان نئی فیکٹریوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے گھر پر کام کرنے والے کاریگروں کا اکثر درمیانی اشخاص کے ہاتھوں اس بے دردی سے استحصال ہوتا تھا کہ بعض لحاظ سے شاید نئے قسم کے کارخانوں کے مالک بھی اس طرح کا استحصال نہیں کرتے تھے۔ کاریگر کو زیادہ دیر تک کام کرنا پڑتا تھا اس کے کام کے گھنٹے مقرر کئے ہوئے نہیں ہوتے تھے اور اکثر ان کو اجرتیں بھی دی جاتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک حد تک وہ اپنی آزادی کو برقرار رکھ سکتا تھا اور گھر پر وہ اپنی سہولت کو دیکھ کر کام کر سکتا تھا۔ لیکن ایک دفعہ فیکٹری میں داخل ہو جانے کے بعد اس کے کام کے اوقات کا تعین انجن کرنے لگتا تھا اور کام کی رفتار کا ایک بے جان مشین۔ اس کے علاوہ، گھر کے کم و بیش آزاد کام کے مقابلے میں فیکٹری میں کام کرنا زیادہ باوقعت بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے کاریگر اس پورے نظام کو ملکۂ الزبتھ

کے اصلاح خانوں یا خیراتی کارگاہوں سے کچھ ہی بہتر سمجھتے تھے۔ خانگی صنعتوں میں کام کرنے والے کاریگروں کے دلوں میں، فیکٹری کی زندگی کے ساتھ، نفرت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر آئرستان اور انگلستان کے زراعتی مزدور جو رسم و رواج کے اتنے پابند نہ تھے، ان نئے شہروں میں برابر نہ آتے رہتے تو فیکٹریوں کے لئے اس ابتدائی زمانے میں عملے کا بھرتی کرنا ناممکن ہو جاتا۔

لیکن ایک اہم معاشی وجہ بھی ایسی تھی جو خانگی کاریگر کو فیکٹری میں داخل ہونے سے روکتی تھی۔ خانگی نظام میں نہ صرف بیوی بلکہ بچے بھی جیسے ہی وہ چلنا پھرنا شروع کرتے تھے خاندان کی ضرورتوں کے فراہم کرنے کے کام میں شریک ہو جاتے تھے۔ پھر بہت سے کاریگر کوئی نہ کوئی ضمنی کام بھی زمین پر یا کہیں اور کرتے رہتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ فیکٹری میں داخل ہو جانے کے بعد مقررہ اوقات کی وجہ سے ضمنی کاموں کا کرنا ناممکن ہو جاتا تھا اور شوہر اپنی اجرت کے ان اضافوں سے محروم ہو جاتا تھا جو خاندان کے دوسرے افراد کی شرکت سے حاصل ہوا کرتے تھے۔ اس لئے جب تک مشین کے اندر آہستہ آہستہ وہ ترقیاں نہیں ہوئیں جن سے خاندان کے دوسرے افراد کے لئے بھی فیکٹری میں کام نکل آیا اس وقت تک خانگی کاریگر نے نئے نظام کو پوری طرح قبول نہیں کیا۔

سب صناعوں نے بھی فیکٹری کے نظام کو فوراً قبول نہیں کر لیا۔ اس سے یہ امید تو ضرور تھی کہ مال کو غیر محدود مقداروں میں تیار کیا جا سکے گا اور آدمی بہت جلد دولت مند بن جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی مخصوص خرابیاں بھی تھیں۔ خانگی نظام میں پیدائش بہ پیمانہ کبیر کے تحت بھی صنعتوں کو خطروں کا سامنا نسبتہً کم کرنا پڑتا تھا۔ صناع کا ایسا سرمایہ جس پر اُسے دوسروں کو سود ادا کرنا ضروری ہو عمارتوں اور مشینوں میں بہت کم پھنسا ہوتا تھا۔ اس لئے بازار میں جو اُتار چڑھاؤ ہوتے رہتے تھے ان کے مضر اثرات سے وہ ایک حد تک بچا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز جو صناعوں کو مہنگی مشینوں کے اختیار کرنے سے روکتی تھی وہ یہ تھی کہ اٹھارویں صدی میں آبادی میں اضافہ اور زراعت میں تبدیلیاں ہو جانے سے بہت سے زاید مزدور پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کی اجرت کی شرح کمی کی طرف مائل تھی۔

لیکن جب ذرائع نقل و حمل اور وسائل خبر رسانی کو ترقی ہوئی اور اوزار دل کو مشین سے بنایا جانے لگا تو رنگ بالکل بدل گیا

یہ بات کہ طریقۂ کار کی تبدیلیوں کا دارومدار، نقل وحمل کے سستے اور تیز رفتار ذرائع پر تھا، بالکل صاف اور بدیہی ہے۔ لوہے اور کوئلے کو صنعتی انقلاب کے پیدا کرنے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن دونوں وزنی چیزیں ہیں اور زیادہ جگہ کو گھیرتی ہیں انھیں خراب سڑکوں پر گھوڑا گاڑیوں کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بہت مہنگا پڑتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ صنعتی انقلاب کی ترقی نقل وحمل کے مسئلے کو حل کرنے کے ساتھ وابستہ تھی۔ صنعت میں غیر محدود وسعت اسی وقت پیدا ہوسکتی تھی جب کہ کچے مال اور مصنوعات کے بڑے بڑے ذخیروں کو باقاعدگی اور آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا انتظام کرلیا جائے۔ یعنی کوئلے کو مرتفع وادیوں سے پارچہ بافی اور لوہے کے کارخانوں تک، لوہے کی سلاخوں کو، بھٹیوں سے جو باہر اضلاع میں واقع تھیں شہروں تک، چینی مٹی کو کارنوال سے ظروف سازی کے کارخانوں تک اور جب مال بن جائے تو جنوب میں لندن اور شمال میں مانچسٹر تک۔ خام روئی کو لورپول سے مانچسٹر کے علاقے تک اور عمارتی سامان کو نئے صنعتی اضلاع کے تمام حصوں تک۔ لیکن یہ نقل وحرکت ناممکن ہوتی اگر نہریں اور ریلیں نہ نکل چکی ہوتیں۔ کیونکہ ان کی وجہ سے مال کے تقسیم کرنے کی مدت خاصی مختصر ہوگئی اور مصارف منتقلی اور بھی زیادہ گھٹ گئے۔

لیکن چند وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر کسی دوسرے باب میں کیا جائے گا نہر کا نظام صنعتی انقلاب کی صرف ابتدائی منزلوں کے لئے موزوں ثابت ہوا۔ نہریں ہر جگہ نہیں نکالی جاسکتی تھیں۔ ملک کی جغرافی ساخت کی وجہ سے یہ بعض مخصوص علاقوں تک ہی محدود تھیں پھر ان کے نکالنے میں آئندہ ترقیوں کو مدنظر نہیں رکھا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب صنعت کے لئے زیادہ تیز نقل وحمل کے ذرائع ناگزیر ہوگئے تو اس وقت انجن سے چلنے والی کشتیاں گھوڑوں سے کھینچی جانے والی کشتیوں کی جگہ نہیں لے سکیں۔ لیکن جب اسٹیفن سن نے انگلستان میں پہلی ریل گاڑی چلائی تو اس وقت صنعتی انقلاب کی ترقی کو شروع ہوئے نصف صدی گزر چکی تھی۔ باوجود اس کے ریلوں کی اہمیت ملک کی صنعتی ترقی میں اس قدر زیادہ ہے کہ بعض باتوں کے لحاظ سے ۱۷۶۰ء کے مقابلے میں ۱۸۲۰ء کا سال زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔

ریلوں کا جو اثر صنعتی انقلاب پر پڑا اس کو جتنی اہمیت بھی دی جائے کم ہے۔ گزشتہ زمانے کے مقابلے میں دیکھا جائے تو ریل نے زمان ومکاں کے فصل کو بالکل مٹا دیا۔ اس نے صرف

یہی نہیں کیا کہ آدمیوں اور چیزوں کے لئے ملک کے تمام حصوں میں تیزی سے گھومنے پھرنے کا موقع پیدا کر دیا بلکہ نقل و حمل کے مصارف کو بھی بے حد کم کر دیا۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ ریل کی وجہ سے کھانے پینے کی جلد خراب ہو جانے والی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے آنے لگیں اور ان کی وجہ سے شہروں کی روز افزوں آبادی کے لئے غذا مہیا کی جاسکی اور مزدوروں کو ایک مرکز پر جمع کیا جا سکا جو صنعتی توسیع کے لئے لازمی تھا

ریلوں کی ایجاد ہی کے تقریباً ساتھ ساتھ ایک اور چیز بھی رونما ہوئی جس کی اہمیت ان سے کم نہیں تھی یعنی مشین سے بنائے ہوئے اوزاروں کی ایجاد۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر مشین سے بنائے ہوئے اوزار نہ ہوتے تو ریل کا انجن کبھی نہ بن سکتا۔ انجن کا نمونہ تیار کر دینا تو آسان کام تھا لیکن پہلے پہل اس نمونے کے مطابق بھاپ کے انجن بنانے میں قدم قدم پر مشکلوں کا سامنا تھا ابتدائی انجنوں اور مشینوں کو لوہار یعنی دستی کاریگر بنایا کرتے تھے۔ یہ چیزیں بڑی مہنگی ہوتی تھیں اور ان کے بنانے میں بہت دیر لگتی تھی اور بڑی مشکلیں پیش آتی تھیں۔ انجن کے تمام پرزے کسی معیاری نمونے کے مطابق نہیں ہوتے تھے اس لئے جب کبھی پرزوں کے بدلنے یا مرمت کرنے کی ضرورت ہوتی تھی تو کام آسانی سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بڑی مقدار میں سستی چیزیں بنانے کی جو لازمی شرط ہے اور جس کی وجہ سے ہمارے زمانے میں موٹر کی صنعت کو ترقی مل سکی ہے وہ بالکل مفقود تھی۔ یہی نہیں بلکہ اٹھارویں صدی کے لوہار مشین کے جن پرزوں کو بناتے تھے وہ بہت بھدے ہوتے تھے۔ ابتدائی مشین یا بھاپ کے انجن کو جب بنا کر کھڑا کیا جاتا تھا تو یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ چلے گا بھی یا نہیں۔ زیادہ تر ایسا ہی ہوتا تھا کہ وہ بالکل نہیں چلتا تھا یا کم سے کم بغیر ترمیم کے جس میں بعض اوقات بہت وقت لگتا تھا نہیں چل سکتا تھا۔ اس پر بھی اس کا ہمواری کے ساتھ کام کو جاری رکھنا یقینی نہیں تھا۔ ٹوٹ پھوٹ اکثر ہوتی رہتی تھی اور انجینیری کی پوری صنعت کی حالت کچھ قابل اعتبار نہیں تھی۔ مشین سے بنے ہوئے پرزوں کی ایجاد اور تربیت یافتہ ماہر مشین سازوں سے پہلے ایک موجد کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس کا اندازہ جیمس واٹ کے حالات زندگی کے سرسری مطالعے سے کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ واٹ کو بولٹن سے بہت کچھ مدد ملی جسے اپنے عہد کے اکثر دوسرے آدمیوں کے مقابلے میں انجن

کے بنانے کی زیادہ سہولتیں حاصل تھیں۔ غرض، ان حالات کی وجہ سے جن پر موجدوں کو کوئی قابو نہیں تھا، ۱۸۲۰ء تک بھاپ کے انجن اور قوت محرکہ سے چلنے والی مشینوں کا استعمال بہت محدود رہا۔ لیکن جب ۱۸۲۰ء کے بعد مشین سے بنائے ہوئے پرزوں کو ایجاد کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ انجن سے چلنے والے ذرائع نقل وحمل کو استعمال کیا جانے لگا تو اس وقت صنعتی انقلاب نے ایک زندہ تحریک کی حیثیت سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

۱۴۔ صنعتی انقلاب کے نتائج

صنعتی انقلاب کے نتائج بہت اہم ثابت ہوئے۔ لیکن اس کے جو اثرات ابتدا میں رونما ہوئے ان میں اور بعد کے اثرات میں فرق کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے، دولت کو جتنی مقدار میں پیدا کیا گیا وہ سراسر اعجاز معلوم ہوتا تھا، لیکن ان خیالات کی بنا پر جن کے فلسفے کو اس بات کے شروع میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے اس کے منافع سے صرف ایک محدود طبقہ ہی نے فایدہ اٹھایا۔ سماج میں ایک نیا طبقہ پیدا ہو گیا جو صرف ایک قرن میں نہایت زبردست دولت کا مالک بن گیا۔ طبقۂ عوام کے ان افراد نے جن میں خوش تدبیری، خود اعتمادی، مستعدی اور کاروباری فہم وذکاوت پائی جاتی تھی اور جو اخلاقی اصول کی نزاکتوں کے پابند نہیں تھے اس دور کے انفرادی فلسفے سے فائدہ اٹھا کر اس طرح آگے بڑھنا شروع کیا کہ کسی دوسرے عہد میں ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ پریسٹن کا ایک نائی آرک رائٹ جو ایک غریب گھر میں پیدا ہوا تھا جب مرا تو پانچ لاکھ پاؤنڈ کی جائداد چھوڑ گیا۔ اوتھرہم کے واکر نے ایک ایسے سائبان میں اپنا کاروبار شروع کیا جس میں صرف ایک کمرہ تھا لیکن ترکے میں اس نے بہت بڑی دولت چھوڑی۔ اس قسم کی مثالیں غیر محدود تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں کسانوں کے خاندان مثلاً بری کا پیل خاندان، ترقی کر کے زمینداروں کے اعلیٰ ترین طبقے میں شامل ہو گئے۔ اس زمانے میں مہم جوئی کے جذبے نے خوب ترقی پائی۔ جن لوگوں میں اقدام اور قوت عمل پائی جاتی تھی ان کے سامنے غیر محدود امکانات تھے جن سے وہ فایدہ اٹھا سکتے تھے۔ معاشی اقتدار کا اور بعد میں سیاسی اقتدار کا مرکز ثقل پرانے زمینداروں کے طبقۂ امرا سے ان نئے امیروں کی طرف منتقل ہو گیا جو لوہے اور روئی کے کارخانوں کے مالک تھے۔ اس نئے طبقے کے عروج پانے سے بعد میں بہت اچھے

نتائج برآمد ہوئے کیونکہ جب سیاسی اور معاشی اقتدار پر زمیندار طبقوں کا اجارہ نہیں رہا اور نسل و خاندان کا رعب جاتا رہا تو پھر جمہوریت کی کامیابی کا دروازہ کھل گیا۔

انگلستان کی آبادی کی نہ صرف علاقے کے لحاظ سے بلکہ پیشے کے لحاظ سے بھی از سر نو تقسیم ہوگئی۔ صنعتی کام کرنے والوں کی تعداد بے حد بڑھ گئی اور زراعتی آبادی نسبتہً گھٹ گئی۔ نئے پیشوں نے ترقی کی نئے نئے کاروبار اور تاجروں اور نقل و حمل وغیرہ کا کام کرنے والوں کے نئے طبقے پیدا ہوئے اور مزدور تخصیص کار کے بہت تنگ حلقوں میں بٹ گئے۔ گھر اور کام کرنے کی جگہ کے جدا جدا ہو جانے کی وجہ سے عورتوں کی حیثیت پر بہت گہرا اثر پڑا اور عورت شوہر کی دست نگر ہونے پر مجبور ہو گئی گو بعد میں پارچہ سازی کی صنعت میں اس صورت حال کی کچھ اصلاح ہو گئی۔

مرسی اور ہمبر کے شمال میں اور جنوبی ویلز کی وادیوں اور شمال مغربی مڈلینڈس میں جو بنجر زمینیں پڑی ہوئی تھیں ان میں نئے صنعتی علاقے بن گئے اور ان میں دولت کی ریل پیل ہوگئی۔ برمنگھم، لورپول، مانچسٹر، گلاسگو اور لیڈس کے مقابلے میں جو اٹھارویں صدی کے نصف اول میں محض بڑے گاؤں تھے، صنعت کے پرانے مرکزوں کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔

صنعتی انقلاب کے بعض فوری اثرات اچھے نہیں تھے۔ عہد وسطیٰ کی معیشت کے ٹوٹ جانے سے مزدوروں کو عین اس وقت ایک تخمینی اور تغیر پسند بازار کا پابند ہونا پڑا جب کہ دولت مند طبقے نے اپنے آپ کو معاشری فرائض سے آزاد سمجھ کر دولت اندوزی ہی کو بجائے خود ایک مقصد زندگی بنا لیا تھا اور ملکیت ذاتی کے غیر محدود حق کو مروجہ فلسفے کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ برائیوں کا جو ترکہ فطر آئینیوں نے چھوڑا تھا ان میں ملکیت ذاتی کے غیر محدود ہونے کا نظریہ سب سے بڑی چیز تھی۔ اس کو نہ تو قدیم کلاسیکی خیالات سے کوئی لگاؤ تھا نہ عہد وسطیٰ کے خیالات سے اور نہ اٹھارویں صدی کے مانتسکو اور روسو کے خیالات سے۔ لیکن فطر آئینیوں نے ملکیت ذاتی کو قانون فطری اور مفاد عامہ پر مبنی کر کے اس کے حقوق کو غیر محدود وسعت دے دی تھی اور دلیل یہ پیش کی تھی کہ اس کی وجہ سے جو عدم مساوات پیدا ہوتی ہے وہ طبعی نظام اور انسانی فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔ دولت کی افراط و تفریط ضروری

ہے کیونکہ ان کی دلیل کے مطابق اس سے ایک تو انسانی سعی کو تحریک ملتی ہے اور دوسرے بڑی جایداد سے مفاد عامہ کا کام زیادہ بہتر طریقے پر کیا جاسکتا ہے۔ انیسویں صدی کا معاشری مسئلہ، فطر آئینوں کے اسی نظریے کے عملی نتائج کی وجہ سے پیدا ہوا۔

دوسری طرف اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گو ابتدا میں مزدوروں کی بسر اوقات کے یقینی اور مستقل طریقوں کی جگہ غیر یقینی اور غیر مستقل طریقوں نے لے لی اور مشین کے ذریعے جو دولت پیدا کی گئی تھی اسے بہت غیر مساوی اور خراب طریقے پر تقسیم کیا گیا تاہم آخر میں مزدوروں کو بھی اس نئے صنعتی نظام سے بہت فایدہ پہنچا۔ پرانے زمانے میں جن چیزوں کا شمار بادشاہوں کے تعیشات میں کیا جاتا تھا وہ اب مزدوروں کے گھروں میں معمولی آسایش کی چیزیں سمجھی جانے لگیں۔ سترھویں صدی کی ابتدا میں مزدوروں کے طبقے کے بہت کم لوگ موزے پہنتے تھے لیکن انیسویں صدی کے وسطی زمانے میں ان ان کا شمار بھی ضروریات میں کیا جانے لگا تھا اور موزے کی طرح ایسی درجنوں اشیا ہیں جن کا شمار اب عام ضروریات زندگی میں ہونے لگا۔ انفرادیت کا فلسفہ یوں تو کئی اعتبار سے مزدوروں کے لئے نقصان رساں تھا لیکن اس کا ایک اثر ان کے لئے ضرور فائدہ مند ثابت ہوا۔ اس نے آجروں کے درمیان غیر محدود مقابلے کو خوب ترقی دی۔ یوں تو سترھویں صدی میں بھی اس کی مثالیں معدوم نہیں ہیں کہ کوئلے اور لوہے کی صنعتوں میں آجر آپس میں ملکر پیداوار کو محدود رکھتے تھے تاکہ قیمتیں مصارف پیدائشی سے بہت زیادہ مقرر کی جاسکیں۔ پھر بھی ۱۸۵۰ء تک ایسی مثالیں مستثنیات میں داخل تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کپڑا اور دوسری ضروریات زندگی جنھیں مشین کے ذریعے تیار کرنا ممکن تھا سستی اور وافر ہوگئی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ محنت میں وہ یکسانی پیدا ہوگئی تھی جس سے دل اُکتا جاتا ہے لیکن اسی کے ساتھ مشینوں نے بہت سے مشقت کے کاموں سے نجات دلا دی تھی۔

کم سے کم سعی سے زندگی کی ابتدائی ضرورتوں کو پورا کر لینا، انسان کے لئے بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے، یہ تہذیب کی ترقی کی سب سے پہلی شرط ہے۔ افسوس ہے کہ انیسویں صدی کے آخری زمانے تک جب کہ جمہوریت کا آغاز ہوا، مزدوروں کو اس تعلیم اور فرصت سے جو تمدنی ترقی کے لئے ضروری ہے محروم رکھا گیا لیکن اگر صنعتی

انقلاب نہ ہوتا تو شاید جمہوریت کی کبھی ابتداہی نہ ہوسکتی۔ کیونکہ جب آبادی صنعتی شہروں میں کثیر تعداد میں جمع ہوئی اسی وقت طبقہ وارانہ بیداری کا وہ جذبہ پیدا ہوا جس نے انیسویں صدی کے آخری زمانے میں جمہوریت کے پیدا کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ صنعتی انقلاب کی جو سب سے بڑی خرابیاں بیان کی جاتی ہیں یعنی فیکٹریوں میں افسوس ناک حالات کے ماتحت پیدائش کا کام کرایا جانا، شہروں کی غیر صحت بخش فضا، کم اجرتیں، طویل اوقات کار، روزگار کے اُتار چڑھاؤ کی وجہ سے مجبوری اور بے بسی۔ یہ سب عارضی چیزیں تھیں اور اس نظام کا لازمی جزو نہیں تھیں بلکہ ان کی ذمہ داری اس عہد کے ناقص سماجی خیالات پر عاید کی جاسکتی ہے۔ لیکن دوسری طرف اس کے فائدے جو ارزانی اور بہتات کی صورت میں ظاہر ہوئے وہ مستقل حیثیت رکھتے تھے اگرچہ ان کے پورے اثرات خاصی طویل مدت کے گزرنے کے بعد ظاہر ہوئے۔

انفرادیت کے فلسفے کے ماتحت بھی مزدوروں کے طبقے کو نسبتہً زیادہ تعداد میں اور فوری طور پر فایدے حاصل ہوسکتے تھے۔ لیکن طریقہ کار کی تبدیلیوں کا بنیادی اثر ان کی زندگی کی دو اولین ضرورتوں، یعنی غذا اور مکان پر، بہت بعد میں ظاہر ہوا۔ بڑے پیمانے کی کاشت، انجن کے ذریعے نقل وحمل اور آزاد تجارت کی وجہ سے غذا ضرور سستی ہوئی اور قحط سالی کی مصیبت بھی غائب ہوگئی۔ لیکن غذا پر آزاد تجارت کے مکمل اثرات سنہ ۱۸۶۰ء سے پہلے ظاہر نہیں ہوسکے اور غذا کی پیدائش میں مشین کے استعمال کی زیادہ ترقی تو ابھی چند ہی سال پہلے شروع ہوئی ہے۔ یہ بات مکانوں کی تعمیر پر اس سے زیادہ نہیں تو اسی حد تک صادق آتی ہے۔ سنہ ۱۸۷۰ء سے اگرچہ ان مشینوں نے جو لکڑی کا کام کرتی ہیں بہت ترقی کرلی ہے لیکن اس کے باوجود آج بھی مکانات ہاتھ سے بنتے ہیں۔ مزدوروں کے اخراجات میں ابھی تک مکان کے کرایے کا تناسب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اسی قسم کی باتیں ہیں جن کی وجہ سے بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک مزدوروں کے طبقے کا تعلق ہے، صنعتی انقلاب کے فواید میں بہت مبالغہ کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اس بات میں بھی شبہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انگلستان میں جس طریقے پر بے اعتدالی کے ساتھ صنعتی نظام کو ترقی دی گئی اور تخصیص کار کو محدود کیا گیا۔ وہ

ہر طرح کے نقصان سے بری تھا۔ یورپ کے اکثر ملکوں نے ایسی تدبیریں اختیار کیں جن سے ان کے کسانوں کا طبقہ تباہ ہونے سے بچ گیا۔ لیکن انگلستان میں خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمیندار انیسویں صدی کی ابتدا میں بالکل فنا ہو گئے۔ ان کے فنا ہونے کا کسی نے ماتم نہیں کیا کیونکہ اسمتھ اور ریکارڈو یہ اصول بنا چکے تھے کہ قوموں کو اپنی پیدائش کو صرف اس چیز یا انھی چیزوں تک محدود رکھنا چاہئے جن کے پیدا کرنے سے انھیں مقابلۃً زیادہ سے زیادہ فایدہ حاصل ہوتا ہو۔ اس اصول پر جس کا ایک زمانے میں قانون فطرت کی حیثیت سے احترام کیا جاتا تھا اب ایک نہایت وسیع نقطۂ نظر یعنی قومی تہذیب کے نقطۂ نظر سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ جس طرح بہت زیادہ تخصیص کار، فرد کے ذہن کے لئے مضر ہوتی ہے، اسی طرح قوم کے ذہن کے لئے بھی مضر ہوتی ہے۔ لسٹ کا کہنا یہ تھا کہ تمدنی نقطۂ نگاہ سے پیدائشی دولت کی قوتوں کو محض مبادلے کی قوتوں کے مقابلے میں زیادہ قومی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے اس بیان کے محرک بلاشبہ مانٹسکو کے وہ چند تبصرے تھے جو اس نے اٹھارویں صدی کی پولینڈ کی حالت پر کئے تھے۔ یہ جو ایک صدا عام طور پر بلند کی جاتی ہے "شہروں سے بھاگو اور کھیتوں کی طرف واپس جاؤ" اس کی تہ میں صرف یہی اصول کام نہیں کر رہا ہے کہ اس سے جنگ کے زمانے میں غذا کی رسد زیادہ یقینی ہو جائے گی بلکہ اس کے اسباب اور زیادہ گہرے ہیں۔

ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو صنعتی انقلاب کا ایک جمہوری پہلو بھی تھا۔ لیکن یہ بات صرف اس کی ابتدائی منزلوں پر صادق آتی ہے۔ ۱۸۲۰ء کے بعد سے آرک رائٹ جیسے شخص کا صنعت کے ادنیٰ درجے سے ترقی کر کے، بڑے پیمانے کے آجروں کے زمرے میں داخل ہونا روز بروز اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا گیا۔ صنعتی انقلاب کی ابتدائی منزلوں میں کاروبار کو، خاص کر پارچہ بافی کے کاروبار کو، بہت کم سرمائے سے شروع کیا جا سکتا تھا۔ بس ایک کمرے میں کچھ مشینیں لگا کر ایک شخص کام شروع کر دیتا تھا اور اس کے لئے یہ ناممکن نہیں تھا کہ چند سال تک کفایت شعاری سے کام کرنے کے بعد اپنے کاروبار کے منافع سے، انجن سے چلنے والی مشین خریدے۔ لیکن جب نفع کمانے کے لئے کاروبار کے پیمانے کو بڑھانا ضروری ہو گیا، اور مشینوں اور قوت محرکہ کی لاگت

میں روز بروز اضافہ ہونے لگا، تو دُخانی انجنوں کے لئے بڑی اور زیادہ مضبوط فیکٹریوں کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اسی طرح کاروبار کے روزمرہ کے اخراجات چلانے کے لئے بھی کثیر سرمایے کی ضرورت ہونے لگی۔ غرض، جب انقلاب خاصا آگے بڑھ چکا تو ان سب اسباب نے مل کر آجروں اور مزدوروں کے طبقوں کو ایک دوسرے سے بالکل الگ کر دیا۔ ۱۸۲۰ء کے بعد سے تو یقیناً لیکن شاید اس سے پہلے بھی بڑے پیمانے کی صنعت ایک نئے طبقۂ امرا کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ اس کی وجہ سے جو معاشرتی مسئلے پیدا ہوئے اُن کا ذکر بعد کے بابوں میں کیا جائے گا۔

۱۵۔ بعد کی تبدیلیاں

صنعتی انقلاب نے ۱۸۵۰ء تک اپنا دور ختم کر دیا۔ اس وقت سے تبدیلیوں نے کوئی ایسا رُخ اختیار نہیں کیا جسے بنیادی طور پر نیا کہا جا سکے۔ البتہ تنظیم پر یہ بات پوری طرح صادق نہیں آتی۔ ایجادیں اس کے بعد بھی ہوئی ہیں اور ہوتی رہیں گی لیکن ان میں سے کسی کا ایسا حیرت انگیز اثر نہیں ہوا جیسا کہ صنعتی انقلاب کا ہوا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ بجلی کی دریافت ایک حیرت انگیز ترقی تھی لیکن یہ بھاپ کی قوت ہی کے مماثل تھی۔ البتہ بھاپ کی قوت، حیوانی قوت سے ایک بالکل ہی مختلف چیز تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر، ایجاد و اختراع کی زیادہ تر کاروباری حیثیت رہ جائے گی جیسا کہ سونے کے ٹکڑوں کی تلاش میں مارے مارے پھرنے کی جگہ اب سونا نکالنے کے زیادہ محفوظ صنعتی طریقوں سے کام لیا جاتا ہے۔ آج کل ہر بڑا کارخانہ سائنس دانوں کو ملازم رکھتا ہے۔ یہ لوگ ہر وقت مستند طریقوں سے علمی تحقیقات کو جاری رکھتے اور کچھ نہ کچھ ترقی کرتے رہتے ہیں۔ گرچہ یہ بات انگلستان کے مقابلے میں جرمنی پر کہیں زیادہ صادق آتی ہے۔ نئے کچے مالوں کا پتا برابر لگایا جا رہا ہے۔ روئی کے کپڑے کی تیاری کے جو طریقے ہیں ان میں تو بمشکل کوئی تبدیلی ہو رہی ہے لیکن روئی کی نئی قسموں کا پتا چلایا جا رہا ہے۔ چنانچہ روئی کو اب ریشم کے بدل کی صورت میں استعمال کیا جانے لگا ہے۔ (مرسرائز روئی) اور بہت سے "اونی" کپڑوں میں بھی روئی سے کام لیا جانے لگا ہے۔ اس کے مقابلے میں ریشمی صنعت یہاں پیچھے رہ گئی ہے لیکن میلان اور لیاں کی ریشم کی صنعت نے ایک ایسی حیثیت اختیار

کرلی ہے جس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اُون کی قسموں میں حیرت انگیز تنوع پایا جاتا ہے ایک طرف ہڈرزفیلڈ کا اعلیٰ درجے کا مال ہے تو دوسری طرف باٹلے کی گھٹیا اون ہے جو پرانے کپڑے سے بنائی جاتی ہے، اگرچہ یہاں اس طریقے سے بھی کبھی کبھی بہت اچھی قسم کا کپڑا تیار کیا جاتا ہے۔

لوہے اور کوئلے کی صنعتوں میں قدامت پرستی کی طرف رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ دولتمند لوگوں کے ہاتھ میں رہی ہیں اور اکثر صورتوں میں ان میں ترقی کرنے کے لئے کوئی موثر محرک موجود نہیں تھا۔ لیکن لوہے وغیرہ کے سامان کی صنعت خاص کر "سیاہ علاقہ" میں ترقی کررہی ہے۔ اسی طرح مٹی کے برتنوں کی صنعت بھی ترقی کررہی ہے اگرچہ اب وہ مقامی مٹی کے استعمال کی پابند نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کی اتنی قدر ہوئی۔ انجینیری کی مختلف شاخوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اگر ان کی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ اس قدر نامکمل ہوگی کہ لوگ ہنسی اڑائیں گے۔

ایک لحاظ سے البتہ بنیادی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ انفرادیت کے فلسفے کی جگہ جس کی آغوش میں صنعتی انقلاب پیدا ہوا اور پھلا پھولا تھا اب جماعت کے بارے میں ایک بالکل مختلف تصور پیدا ہوگیا ہے۔ اس سلسلے میں خیالات میں مختلف مدارج پائے جاتے ہیں۔ کچھ مفکر مثلاً انتہا پسند عین پرست جنہیں انگلستان میں ہیگل کی روایت کا وارث سمجھنا چاہئے فرد کو پوری طرح مملکت میں مدغم کردینے کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ جو زیادہ اعتدال پسند ہیں اس کے لئے کچھ آزادی کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر بھی سب اس بات پر متفق ہیں کہ جماعت صرف مجرد افراد کا ایک میکانکی مجموعہ نہیں ہے جو محض مفاد ذاتی یا ضرورت تحفظ کے کمزور رشتے میں مربوط ہو۔ سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسپنسر کے خیال کے مطابق اگر معاشرہ ایک عضویہ نہ سہی لیکن اس میں ایک عضویاتی خصوصیت ضرور پائی جاتی ہے۔ اس لئے اب حصول دولت کو بجائے خود ایک مقصد نہیں سمجھا جاتا بلکہ انسانی بہبود کی ترقی کا ایک ذریعہ مانا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے آدم اسمتھ سے لیکر مل تک، انگلستان میں جتنے بھی معاشی فلاسفہ گزرے ان کے اور ہمارے خیالات کے درمیان زمین اور آسمان کا فرق پیدا ہوگیا ہے ۱۸۷۰ء سے ہم نے غیر محدود اور بے روک مقابلے کے نصب العین

کو ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ سب کی بھلائی کے لئے جماعت کے تمام طبقوں کے درمیان ہمدردانہ اشتراک عمل کا فلسفہ اختیار کر لیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ ابھی تک ہم نے مکمل طور پر ایک فلسفے کو چھوڑ کر دوسرے فلسفے کو اختیار نہیں کیا ہے۔ اب بھی پرانی بے رحمانہ انفرادیت کے آثار ہمیں روزمرہ کی زندگی میں نظر آتے ہیں لیکن پھر بھی موجودہ زمانے کے انگریزوں کے خیالات میں ۱۸۰۰ء کے مقابلے میں بہت زبردست فرق پیدا ہو گیا ہے۔ اس بات کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہر شخص کو اس اعلیٰ مفہوم کے مطابق جو ارسطو کے ذہن میں تھا "اچھی زندگی" بسر کرنے کا حق حاصل ہے۔ صنعت و تجارت میں انسانیت کے جذبے سے زیادہ کام لیا جانے لگا ہے۔ فیکٹری نظام کے ابتدائی زمانے میں مزدوروں کی جو افسوناک حالت تھی وہ اب بدل گئی ہے۔ معاشری زندگی کی عام آسائشیں مثلاً صحت عامہ، صحت بخش مکانات، تعلیم اور فرصت سے ہر شخص فائدہ اٹھانے لگا ہے اور بوڑھوں اور معذوروں کی دیکھ بھال کا ذمہ مملکت نے لے لیا ہے۔

باب (۲)

کوئلہ اور لوہے کی صنعتیں

ایھاپ کا انجن

صنعتی انقلاب کا محور بھاپ کی قوت تھی۔ جس چیز نے پارچہ بافی کی صنعت تک کو اس پر مجبور کر دیا کہ کارخانوں کی شکل اختیار کرے، وہ ابتدائی ایجاد میں نہیں بلکہ ان مشینوں کی ایجاد تھی جن کے چلانے کے لئے انسانی ہاتھوں کے علاوہ کسی دوسری قوت محرکہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ مگر جب تک پانی کی قوت کی جگہ بھاپ کی قوت کا استعمال نہیں کیا گیا، توسیع کا دائرہ بہت محدود رہا۔ کیونکہ پانی کی قوت، برف اور خشک سالی کے وقت رک جاتی تھی۔ اس کے علاوہ، پانی کی قوت عام طور پر ایسی جگہوں میں دستیاب ہوتی تھی جہاں نقل و حمل کے کام میں دشواری تھی۔ رہی گھوڑے کی قوت تو اس میں مصارف اتنے زیادہ تھے کہ وہ عام طور پر استعمال نہیں کی جاسکتی تھی۔

اس لئے یہ مسئلہ دراصل بھاپ کے انجن ہی کی بدولت حل ہوا۔ اس ایجاد کی وجہ سے کوئلے کی کانوں کو زیادہ گہرائی تک کھودنا ممکن ہوگیا اور اس کے لئے اور زیادہ مشینوں کی ضرورت ہوئی جس کا بالواسطہ اثر صنعت کے تمام شعبوں پر پڑا۔ لوہے

کی صنعت نے بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لی۔ پھر چونکہ کچے لوہے کا بیشتر حصہ کوئلے کے نزدیک پایا جاتا تھا، اس لئے صنعت کو کوئلے کے علاقوں میں یا ان کے نزدیک منتقل ہونا پڑا۔ کوئلے کا علاقہ ایک نعل کی صورت میں واقع ہے اور اس کا سلسلہ جابجا ٹوٹا ہوا ہے۔ یہ کمبرلینڈ سے شروع ہوتا ہے اور لنکا شائر سے مڈلینڈ ہوتا ہوا یارک شائر اور درہم تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اُون کی صنعت جو صدیوں سے تمام صنعتوں پر غالب تھی اس مرتبے سے گر گئی۔ حتیٰ کہ پارچہ بافی کے کام میں بھی روئی کی صنعت نے اُسے آسانی سے شکست دے دی۔

۲۔ ابتدائی موجد: ساوری، نیوکومن، واٹ

غرض، بھاپ کا انجن صنعتی انقلاب کی کنجی ہے۔ پہلی جلد میں ابتدائی موجدوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ مارکوئس آف ووسٹر (سنہ ۱۶۶۳ء) نے غالباً سب سے پہلا کارآمد دخانی انجن بنایا تھا، لیکن اس کا استعمال بہت کم کیا گیا۔ پاپن نے بھی جو پانی کو ہوا دباؤ کے ذریعے اُبالنے والے "ڈائی جیسٹر" (یخنی کے برتن) کا موجد ہے ایک انجن بنایا تھا لیکن اس کی اہمیت نظری تھی، عملی نہیں۔ اس نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ بھاپ کے پھیلاؤ سے فشارہ (پسٹن) کے متحرک کرنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ جب بھاپ پانی بنے گی تو اس کی وجہ سے جزوی خلا پیدا ہو جائے گا اور فشارہ اپنی جگہ واپس آ جائے گا۔ اس کے خیال کا کمزور پہلو یہ تھا کہ اس نے ایک ہی برتن سے بھاپ بنانے کے لئے جوشدان (بائلر) اور پانی بنانے کے لئے مکثفہ (کنڈنسر) کا کام بھی لینا چاہا۔ اس نے یہ بھونڈا طریقہ اختیار کیا کہ اپنے جوشدان کے نیچے آگ جلائی اور جب بھاپ کا پھیلاؤ کافی ہو گیا تو اس کے نیچے سے آگ کو ہٹا لیا تاکہ بھاپ خود بخود پانی بن جائے۔ اس نے اپنے اس انجن کو سنہ ۱۶۹۰ء میں ایجاد کیا تھا۔

ساوری (سنہ ۱۶۹۸ء) پہلا شخص تھا جس نے عملی کاموں کے لئے انجن کو استعمال کیا۔ اس نے پاپن کے خلا کے نظریے کو تسلیم کر لیا اور اُسے ترقی دی۔ اس نے انجن کا استعمال پانی کو کانوں سے پمپ کے ذریعے اوپر چڑھانے کے لئے کیا۔ جب تک واٹ کی ایجاد خوب مشہور نہیں ہوئی، بھاپ کے انجن سے صرف یہی ایک کام لیا جاتا رہا۔

واٹ کے پیشرووؤں میں نیوکومن کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے اس نے جوش دان اور اسطوانے کو جدا جدا کر دیا جوش دان کو ایک بڑی آگ پر رکھا گیا۔ اس کا اوپر کی طرف ایک تنگ کھلا ہوا دہانہ تھا جو ایک ٹونٹی کے ذریعے بند کیا جا سکتا تھا۔ یہ ایک اسطوانہ (سلنڈر) میں داخل ہوتا تھا جس میں فشارہ لگا ہوا تھا، جو پانی کے رساؤ کی وجہ سے ہر طرف سے کسا ہوا رہتا تھا۔ فشارے کا تعلق ایک فشارہ گز (پسٹن راڈ) سے تھا جو ایک "دو شہتیر" سے ملا ہوا تھا جسے درمیان سے حرکت دی جا سکتی تھی اور جس کے دوسرے سرے پر ایک وزن رکھا ہوتا تھا۔ جب وزن گرتا تھا تو فشارہ اوپر اٹھ جاتا تھا اور جب فشارہ نیچے آتا تھا تو وزن اوپر چلا جاتا تھا۔ جوش دان سے بھاپ نکلتی تھی اور اسطوانے میں اوپر اٹھتی تھی اور جب دباؤ زیادہ ہوتا تھا تو اپنے ساتھ فشارے کو بھی اوپر اٹھا دیتی تھی۔ پھر بھاپ کی مصنوعی طور پر تکثیف کی جاتی تھی۔ ابتدا میں اسطوانے کے بیرونی حصے کو ٹھنڈا کر کے اور بعد میں پانی کی پھوار کو اندر پہنچا کر جب یہ کیا جاتا تھا تو جوشدان کے دہانے کی ٹونٹی کو بند کر دیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے جزوی خلا ہو جاتا تھا اور فشارہ گر جاتا تھا اور دوبارہ اس وقت اٹھتا تھا جب ٹونٹی کھولی جاتی تھی۔ فشارے کو دھکے تو آہستہ آہستہ لگتے تھے لیکن اس کے لئے بھاپ کے زیادہ دباؤ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہوا کے دباؤ سے بس تھوڑا ہی زیادہ دباؤ کافی ہوتا تھا نیوکومن کے انجن پر حقیقی اعتراض صرف ایک ہی تھا۔ خرچ کی زیادتی یعنی بہت زیادہ ایندھن کا استعمال۔

گو اسمیٹن نے نیوکومن کے کام کو بہتر صورت دی لیکن ترقی کی طرف دوسرا زبردست قدم دراصل واٹ نے اٹھایا جتھے[1] نے تو اس کی مخالفت کی لیکن گلاسگو یونیورسٹی نے تحقیقات کے کام میں اس کو مدد دی۔ آخر میں اُسے نیوکومن کے ایک انجن کی مرمت کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مطالعہ اور تجربہ کیا۔ چند عام اصول دریافت کئے اور انھیں نیوکومن کے انجن پر منطبق کیا۔ پھر اس نے بعض اصلاحیں تجویز کیں اور ان کے مطابق ایک نمونے کا انجن تیار کیا۔ آخر کار ۱۷۶۳ء اور ۱۷۶۹ء کے درمیان اس کا مشہور و معروف انجن مکمل ہو گیا۔

اس نے کچھ ایسے اصول وضع کر دیے جو بھاپ کے سب انجنوں پر منطبق

[1] ہم پیشہ لوگوں کی انجمن یا برادری Gild مترجم۔

ہوتے تھے اور جن کی آج تک پیروی کی جاتی ہے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ اسطوانے کو کم سے کم اتنا گرم ہونا چاہئے جتنی اس کے اندر کی بھاپ ہو ورنہ تکثیف کا عمل اس وقت ہو جائے گا جب اس کی ضرورت نہ ہوگی۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جس برتن میں خلا پیدا کرنے کے لئے ضروری تکثیف کی جائے اسے کم سے کم اتنا ہی ٹھنڈا ہونا چاہئے جتنی اس کے اردگرد کی ہوا ہے ورنہ تکثیف کا عمل مکمل نہ ہوگا۔ آخری اصول یہ ہے کہ مکثفہ کے اندر دباؤ جتنا کم ہو سکے اچھا ہے۔ یعنی ایسی اشیاء کو جن کی تکثیف ممکن نہیں ہے مثلاً ہوا کو پمپ کے ذریعے خارج کر دینا چاہئے۔

ان اصولوں کی پیروی اسی وقت کی جا سکتی تھی جب مکثفہ کو اسطوانے سے جدا کر دیا جاتا جیسا نیوکومن نے اسے جوش دان سے جدا کیا تھا۔ اس کے بعد اسطوانہ اور مکثفے کو مختلف درجہ ہائے حرارت پر رکھا جا سکتا تھا۔ موخر الذکر کو ہواکش کے ذریعے جو انجن سے چلتا تھا ہوا سے خالی کیا جا سکتا تھا۔ اسطوانے کو گرم رکھا جا سکتا تھا کیونکہ وہ مکثفے سے دور رہتا تھا اور اس کے اندر تکثیف کے ہونے سے جو حرارت ضائع ہوتی وہ اب نہیں ہو سکتی تھی۔ اسطوانہ ڈھکا رہتا تھا اور اس پر بھاپ کا ایک غلاف چڑھا ہوتا تھا۔ فشارے کے اوپر کی بھاپ اسے نیچے ڈھکیلتی تھی۔ جب اسطوانے کے نیچے اور اوپر کے حصے منسلک ہو جاتے تھے تو بھاپ نیچے سے نکل جاتی تھی اور مکثفے میں پہنچ جاتی تھی اور فشارہ، "شہتیر" کے وزن کی وجہ سے اوپر اٹھ جاتا تھا۔ جس طرح نیوکومن کے انجن میں کھل مندن خود بخود کھلتے اور بند ہوتے تھے، یہی صورت اس انجن میں بھی تھی۔ اس کا قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک لڑکا ایک ابتدائی قسم کے انجن کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے اپنا کام بچانے کے لئے کھل مندن کو "شہتیر" سے منسلک کر دیا تھا۔ واٹ کے اس کام کا عملی نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ فشارے کی حرکت تیز ہو گئی حالانکہ اس کے لئے بھاپ کے دباؤ کو بڑھانے کی ضرورت نہیں پڑی اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ خرچ بہت کم ہو گیا۔

اس کے بعد کی منزلوں کو مختصر طور پر بیان کر دینا کافی ہے۔ بعد کی کسی ترقی سے ویسا نتیجہ برآمد نہیں ہوا جیسا ان ابتدائی ایجادوں سے ہوا تھا۔

۳۔ بعد کی ترقی: ٹریوتھک۔ بولٹن۔ واٹ اور مرڈاک

۱۸۰۲ء میں ٹریوتھک نے ایک ایسے بڑے دباؤ والا انجن ایجاد کیا جس میں بھاپ کی تکثیف نہیں

ہوتی تھی۔ اس سے قبل ہارن بلوئر نے ۱۷۸۱ء میں ایک دوہرے اسطوانے کے انجن کو استعمال کیا تھا۔ اس میں دو اسطوانے تھے جن میں دباؤ کے درجے مختلف تھے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان دونوں اسطوانوں کے مختلف حصوں میں درجۂ حرارت کی تبدیلیاں کم ہوتی تھیں۔ درجۂ حرارت کی ہر تبدیلی سوا اس تبدیلی کے جو تکثیف کے دوران میں ہوتی ہے، تضییع کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے ہر چند اس ایجاد سے فوری نتیجہ بہت کم نکلا، لیکن ۱۸۴۵ء میں میک ناٹ نے اس سے فایدہ اٹھایا اور اس زمانے کے ترقی یافتہ انجن اس کی وجہ سے اور بہتر ہو گئے۔ ایک بڑے دباؤ والا اسطوانہ جب اپنا عمل "شہتیر" پر کر چکتا تھا تو بھاپ اس میں سے نکل کر دوسرے کم دباؤ کے اسطوانے میں پہنچ جاتی تھی۔

واٹ کے زمانے کے بعد سب سے اہم ایجاد بھاپ کے چرخ (اسٹیم ٹربائن) کی ہوئی ہے۔ بھاپ کو جب از خود پھیلنے کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ کیتلی کے ڈھکنے کی طرح، پھیلاؤ کے وقت بہت کچھ کام کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر بھاپ تیز رفتار سے حرکت کر رہی ہو تو اور بھی اچھا نتیجہ نکلتا ہے اور بعض صورتوں میں تو اتنا زبردست اثر ہوتا ہے کہ محض پھیلاؤ کا اثر اس کے آگے کوئی چیز نہیں بھاپ کا چرخ بھاپ کے انجن اور پن چکی سے مل کر بنا ہے۔ بھاپ کی ایک دھار جو ایک چھوٹے سے دہانے سے نکلتی ہے ایک چپٹی حرکت پذیر سطح سے ٹکراتی ہے۔ اس ایجاد کی (۱۸۸۴ء) تیز رفتار جہازوں کے لئے جو اہمیت ہے اس کی طرف صرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔

اب ہم دوبارہ واٹ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کی ایجاد، صنعتی اور تجارتی لحاظ سے زیادہ تر اس وجہ سے کامیاب ہوئی کہ اُسے کیرن کے جان روبک اور سوہو برمنگھم کے میتھیو بولٹن جیسے شریک کار مل گئے تھے۔ روبک ہی کی مالی امداد کا یہ نتیجہ تھا کہ واٹ اپنا پہلا بھاپ کا انجن اڈنبرا کے قریب لگا سکا۔ لیکن اس انجن کا کام اتنا ناقص رہا کہ واٹ کو اس سے دستکش ہونا پڑا۔ ۱۷۷۳ء میں روبک کا دیوالہ نکل گیا۔ اس کے کچھ سال بعد، واٹ پھرتا پھراتا، برمنگھم پہنچ گیا اور یہاں بولٹن کی شرکت میں کام کرنے لگا۔ ان دونوں کے اشتراک عمل سے نہایت اہم نتائج رونما ہوئے۔ اس لئے کہ ایک تو بولٹن کے پاس روپئے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ دوسرے اس کو اس زمانے کے بہترین فنی وسائل میسر تھے پہلے بھاپ کے انجن نے، جو سوہو میں بنا تھا، بلوم فیلڈ کی

کوئلے کی کانوں سے پمپ کے ذریعے پانی کھینچنا شروع کیا۔ پانی کھینچنے کے علاوہ اس ایجاد سے جو فایدے اٹھائے گئے تھے ان میں پہلا فایدہ ایک انجن کی تعمیر تھی جو بروسلے میں، ولکنسن، لوہے کے کارخانہ دار کی بھٹیوں کو دھونکتا تھا۔ ۱۷۷۷ء میں ان شرکائے کار نے ایسے انجن بنانا شروع کر دئیے جو کارن وال کی ٹین کی کانوں سے پمپ کے ذریعے پانی کو کھینچ کر باہر پھینکتے تھے۔ ان انجنوں کی ساخت میں جو نقایص تھے ان کی وجہ سے بڑی بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب تک اوزاروں کو مشین سے بنانا شروع نہیں ہوا موجد کو کن کن آزمائشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ بولٹن اور واٹ کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں ولیم مرڈاک جیسا بے مثل مستری مل گیا تھا۔ یہ بہت غیر معمولی آدمی تھا جس نے ۱۷۸۴ء میں بھاپ کی قابل استعمال ریل گاڑی بنا دی اور ۱۷۹۸ء میں سوہو کے کارخانے کو کوئلے کی گیس سے روشن کر دیا۔

واٹ کا دوسرا حق ایجاد (پیٹنٹ) جو گردشی حرکت سے متعلق تھا وہ بھی دراصل مرڈاک ہی کے مشورے کا نتیجہ تھا۔ واٹ کی غیر فانی شہرت، اسی حق ایجاد پر مبنی ہے کیونکہ اس سے پہلے اس نے صرف دوسروں کی ایجادوں کو ترقی دی تھی۔ گردشی حرکت کی ایجاد کے بعد، بھاپ کا انجن کچھ اور ہی چیز ہو گیا۔ وہ محض ایک ترقی یافتہ پانی کھینچنے والا پمپ نہیں رہا بلکہ قوت محرکہ کا ایک ایسا خزانہ بن گیا جس سے مشین کے پرزوں کو حرکت دی جا سکتی تھی۔ اسی طرح یہ صنعتی کاروبار میں انقلاب کا ایک سبب بن گیا۔ دونوں شریکوں نے مل کر سوہو کے صفار خانہ (فاؤنڈری) میں اس کا استعمال، ہتوڑے مارنے، گرنی گھمانے، دھونکنی چلانے کے لئے کیا اور مڈلینڈ کے لوہے کے کارخانہ داروں نے بھی فوراً اس سے کام لینا شروع کر دیا۔ دوسری صنعتیں جن میں اس کا استعمال ابتدا ہی میں کرنا شروع کر دیا تھا، لندن اور اسٹیفورڈشائر کی آٹے کی چکیاں اور چقماق کا چورا کرنے والی گرنیاں تھیں۔

۱۷۸۵ء میں جب رابنسن نے پےپل وک میں ایک بھاپ سے چلنے والی کاتنے کی گرنی کھولی تو بھاپ کا انجن پارچہ بافی کی صنعت میں بھی داخل ہو گیا۔ دوسرے مشہور سوت کاتنے والے جنھوں نے اس مثال کی پیروی کی رابرٹ پیل

ڈرنک واٹر، سیموئل اولڈ نو اور رچرڈ آرک رائٹ تھے۔ یارک شائر کی اون کی صنعت میں بھاپ کے انجن کا خیر مقدم نہیں ہوا۔ بلکلے نے بریڈ فورڈ میں اس کے جاری کرنے کی ایک قبل از وقت کوشش سنہ ۱۷۹۳ء میں کی، جو ناکام رہی لیکن مخالفت کے باوجود آخر کار سنہ ۱۸۰۰ء میں لیڈز کے ضلع میں اس نے اپنا قدم جما ہی لیا۔ نپولیانی جنگوں کے خاتمے پر قوت محرکہ کے حاصل کرنے کے لئے بھاپ کا استعمال عام طور پر کیا جانے لگا۔ لیکن ایک مدت تک یعنی سنہ ۱۸۳۰ء تک غالباً پارچہ بافی کی آدھی گرنیاں پانی ہی کی قوت محرکہ کے استعمال پر اکتفا کرتی رہیں۔

۴۔ کوئلہ

وادی ٹائن کی کوئلے کی صنعت الزبتھ کے عہد میں شروع ہوئی اور سترھویں صدی کے دوران اور اٹھارویں صدی کے اوائل میں پتھر کے کوئلے کا استعمال ایندھن کی حیثیت سے لندن میں عام طور پر ہونے لگا تھا۔ بھاپ کے انجن کی ایجاد نے اس صنعت کی ترقی کی رفتار کو دو طرح سے تیز کر دیا۔ ایک تو اس کی بدولت یہ ممکن ہو گیا کہ کانیں بہت گہری کھودی جاسکیں اور دوسرے ایندھن کے لئے پتھر کے کوئلے کی طلب بے انتہا بڑھ گئی۔

کوئلہ یا اس کے کسی بدل کے بغیر اچھے سے اچھا انجن بھی عملاً بے کار رہتا ہے۔ بھاپ کے انجن کی ترقی ایندھن کی موجودگی پر منحصر تھی۔ مگر ہمارے ملک میں جنگلات محدود تھے اور معدنی تیل اور گیس کا کسی نے نام بھی نہیں سنا تھا اس لئے ہمارا دارومدار کوئلے ہی پر تھا۔

انگلستان کا بیشتر کوئلہ پہاڑی علاقے میں پایا جاتا ہے اور یہاں اس کی تہیں پتلی ہیں۔ کہیں بھی ان کی دبازت چند فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ کچھ دور تک تو یہ تقریباً مسلسل چلی جاتی ہیں صرف کہیں کہیں "رخنے" ملتے ہیں جہاں یہ سلسلہ یکبارگی ٹوٹ جاتا ہے اور پھر یا تو پہلے سے زیادہ بلند یا زیادہ پست سطح پر نئے سرے سے شروع ہوتا ہے۔ آج کل اس کی وجہ سے کوئی دقت نہیں ہوتی کیونکہ پرتوں اور طبقوں کی ترتیب کے بارے میں اتنا اچھا علم حاصل ہو گیا ہے اور رخنے اس قدر باقاعدگی سے ظاہر ہوتے ہیں کہ ہر کان کن جانتا ہے کہ اب اسے کس سمت میں کھودنا چاہئے۔ کوئلہ اکثر ایک وادی کے دونوں مقابل پہلوؤں میں ملتا ہے۔ کہیں رخنے زیادہ وسیع بھی ہوتے ہیں مثلاً وگین (لنکا شائر) اور بارنسلے

(یارک شائر) جو ایک دوسرے سے بہت دور ہیں کوئلے کی تہ کے ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ سنہ ۱۷۶۰ء سے ایک صدی پہلے کان کنی میں کچھ ترقی شروع ہوگئی تھی۔ پہلے سطح کا کوئلہ نکالا جاتا تھا۔ پھر سرنگیں کھودی جاتی تھیں۔ جب ایک تہ ختم ہوجاتی تھی تو اس کے نیچے دوسری تہ کو کھولا جاتا تھا۔ عام طور پر یہ سلسلہ پہاڑی کے ڈھال کے ایک جانب اسی کے ساتھ ساتھ چلا جاتا تھا یا نرم سلیٹی چٹانوں میں ایک چھوٹا سا کٹاؤ بنا لیا جاتا تھا۔

اس طرح ایک تہ کے بعد دوسری تہ تک پہنچتے رہتے تھے اور پانی کھلی ہوئی جگہوں میں سے بہ بہ کر نکلتا رہتا تھا یا بہ حالت مجبوری زیادہ بلند سطح تک پمپ کے ذریعے اوپر کھینچا جاسکتا تھا۔ جب ایسی تہ آتی تھی جہاں سے کھلی جگہ تک پہنچنا ناممکن تھا تو کام کو بند کرنا پڑتا تھا، کچھ تو اس لئے کہ کوئلے کا اوپر پہنچانا مشکل ہوتا تھا لیکن زیادہ تر اس لیے کہ کان کی تہ اوپر کی چٹانوں کے رِسنے کی وجہ سے بھر جاتی تھی۔

۵۔ بھاپ کا انجن اور کوئلہ۔

یہی مشکل تھی جس کی وجہ سے بھاپ کا انجن ایجاد کرنے کی ضرورت پیش آئی اور جیسا کہ اکثر ہوتا رہا ہے یہاں بھی ایک ایسی ایجاد نے جو ایک معمولی مقصد کے لئے کی گئی تھی درحقیقت عظیم الشان نتائج پیدا کئے۔ بھاپ کی بدولت ریل چلنے لگی اور وہ لوہا اور کوئلہ بھی جس پر ریل کا دار و مدار ہے پہلے بھاپ کے انجن ہی کی مدد سے حاصل کیا جاسکا۔ ابتدا میں انجن کا استعمال صرف پمپ کے ذریعے پانی کو اوپر کھینچنے کے لئے کیا جاتا تھا اور معدنیات کو اٹھانے کا کام اس سے بہت کم لیا جاتا تھا۔ پانی آہستہ آہستہ غیر مسلسل طور پر جمع ہوتا رہتا تھا اس لئے جلد کام کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ابتدا میں ایک آہستہ آہستہ کام کرنے والے انجن ہی کا مطالبہ کیا گیا اور بہت سی صورتوں میں کان کو پانی سے صاف رکھنے کی ضرورت اتنی شدید تھی کہ مصارف کی کمی کا مقصد پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی انجنوں کو بھی عملی زندگی میں اہمیت حاصل ہوگئی۔

کوئلے کی طلب یکبارگی پیدا ہوئی اور کوہ پنایین نے باوجود یکہ اس کی زمین غیر زرخیز تھی، کوئلہ، عمارتی پتھر اور اگن مٹی کی وجہ سے ایک نئی اہمیت حاصل کرلی چنانچہ اس علاقے کی زمینوں کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی یا یوں کہئے کہ اوپر کی زمین کی قیمت تو برائے نام رہ گئی مگر زمین کے نیچے کے معدنی حقوق جن کی قیمت علیحدہ طور پر لگائی جاتی تھی

بڑی رقموں کے معاوضے میں فروخت کئے جانے لگے اور ان سے خوب دولت کمائی جانے لگی۔ بریڈ فورڈ کے قریب لوہور کی مشہور کانوں کی وجہ سے جن میں خالص ترین کوئلہ اور خالص چونے کا پتھر یکجا ملتے ہیں دولت کی ریل پیل ہوگئی اور اس خوشحالی میں کانوں کے مالک بھی شریک تھے۔

۹- کان کنی میں ترقیاں: تنظیم

۱۸۳۰ء تک کان کنی کی انجینیری بہت ابتدائی حالت میں رہی ۱۸۱۰ء تک کوئلے کے ستون، کان کی چھت کو سہارا دینے کے لئے چھوڑ دیے جاتے تھے۔ لیکن اس کے بعد لکڑی کے سہاروں کے بتدریج استعمال سے کوئلے کی خاصی کفایت ہونے لگی۔ ۱۸۱۴ء میں بھاپ کی قوت سے چلنے والے برموں کو پہلے پہل استعمال کیا گیا اور ۱۸۱۵ء میں ڈیوی کے سیفٹی لیمپ کو ایجاد کیا گیا جس سے گہری کھدائی سے فائدہ اٹھانے کا امکان پیدا ہوا۔ ۱۸۲۰ء کے بعد زمین دوز نقل وحمل کے انتظامات شروع کئے گئے اور ایک ہزار فٹ سے زیادہ گہرے غار کھودے جانے لگے۔

لیکن بہت سے اضلاع میں ۱۸۴۰ء تک اُتھلی کھدائی عام طور پر جاری رہی جنوبی ویلز کی بعض کانیں پتھر کی کانوں جیسی معلوم ہوتی تھیں، اور اُتھلے کوئیں جیسے گڑھے جن کا قطر چار یا پانچ فٹ کا ہوتا تھا، ڈرہم کے جنوب میں کوئلے کے ہر علاقے میں عام طور پر دکھائی دیتے تھے۔

۱۸۵۰ء تک ٹائن کی وادی اس صنعت کا خاص مرکز بنی رہی اور کل رسد کا ایک چوتھائی حصہ مہیا کرتی رہی اور جنوبی ویلز کی اہمیت یارک شائر اور لنکاشائر سے کم سمجھی جاتی رہی۔ غاروں کی گہری کھدائی اسی وقت کی جاسکی جب ڈرہم اور نارتھمبرلینڈ میں کان کنی کی انجینیری نے ترقی کرلی۔

۱۸۳۰ء سے پہلے کوئلے کو اوپر لانے کا عام طریقہ یہ تھا کہ غار کے پہلو میں سیڑھیاں لگائی جاتی تھیں۔ لیکن ۱۸۳۰ء سے ترقی یافتہ کانوں میں سیڑھیوں کی جگہ لپٹنے والے چھوٹے انجنو استعمال ہونے لگے اور ۱۸۴۰ء کے بعد ان انجنوں کی گھوڑے کی طاقت آہستہ آہستہ بڑھنا شروع ہوگئی اور کوئلہ زیادہ گہرائی سے کھینچ کر سطح تک لایا جانے لگا۔

ابتدائی لپٹنے والے انجن ایک سن کی رسی کو جس سے ٹوکری بندھی ہوتی تھی

کھینچا کرتے تھے۔ ۱۸۳۵ء میں جب ورہم کے ہال نے دھات کا کھٹولا (کیج) بنایا جس میں گاڑیوں کو چڑھایا اور اُتارا جا سکتا تھا تو اس سے اس صنعت کو بہت زیادہ ترقی ہوئی اور ۱۸۴۰ء کے بعد بہت سی شمال کی کانوں نے لوہے کے تار کی رسیوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

لیکن انیسویں صدی کے اوائل کا خاص مسئلہ ہوا کے انتظام سے متعلق تھا کیونکہ کانوں کے پھٹنے سے کان کنوں کو بہت نقصان پہنچتا تھا۔ ڈیوی کا لمپ اس کا صرف ایک جزوی علاج تھا۔ جب تک ہوا کا انتظام بہتر نہ ہو اس کا اثر کچھ زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ صنعتی انقلاب کی ابتدائی منزلوں میں ہوا کی رَو حاصل کرنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ مناسب مقامات پر چھوٹی چھوٹی آگ روشن رکھی جاتی تھی۔ ۱۸۴۰ء کے آس پاس ایک اس سے زیادہ موثر طریقہ نکالا گیا۔ ہوا کا انتظام رکھنے والی سرنگ کی تہ میں ایک بھٹی بنائی جانے لگی اور اس کے ذریعے سے ہوا کی زیادہ مسلسل رو حاصل کی جانے لگی۔ لیکن اس طریقے میں بہت سخت خرابیاں تھیں کیونکہ ہوا کا انتظام رکھنے والی سرنگ اکثر دھوئیں سے بھر جایا کرتی تھی اور کرۂ ہوا کے دباؤ کے فرق کی وجہ سے رَو اُلٹی چلنے لگتی تھی۔ اس لیے ۱۸۵۰ء کے بعد، ہوا کی رَو کو مصنوعی طور پر، زیادہ دباؤ کی بھاپ، ہوا پمپ اور پنکھوں سے پیدا کرنے کا رواج شروع ہو گیا۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب زیادہ گہری سرنگیں کھودی جانے لگیں تو ان دھماکوں کو روکنے کی ضرورت پیش آئی جو فائر ڈیمپ ہوا کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے اور ہوا کے انتظام کے مسئلے نے اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر لی۔ ۱۸۶۰ء کے بعد ویڈل اور دوسرے لوگوں نے پنکھوں کو اتنا بہتر کر دیا کہ مشین کے ذریعے ہوا کا انتظام تقریباً ہر جگہ کیا جانے لگا۔ ۱۸۶۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان کوئلے کو مشین سے کاٹ کر نکالنے کی مختلف کوششیں کی گئیں۔ ڈونستھروپ نے فشارہ سے چلنے والی ایک کدال کی ایجاد کا پیٹنٹ حاصل کیا اور ۱۸۷۶ء کے قریب گھومنے والے کوئلہ تراش آزمائے گئے۔ ہوائی برموں اور کدالوں کا استعمال ۱۹۰۰ء تک کیا جانے لگا تھا۔ لیکن ہر چند گزشتہ جنگ کے بعد ترقی ہوئی ہے لیکن اب تک ہمارا بہت سا کوئلہ ہاتھ ہی کی محنت سے حاصل کیا جاتا ہے۔

نیوکیسل کی کوئلے کی صنعت ہمیشہ سے بہت منظم حالت میں رہی ہے اور انیسویں

صدی کے شروع میں بھی "فروخت کرنے والوں" کی کمیٹی خاصی با اثر تھی۔ ہر مہینہ یہ کمیٹی قیمتوں اور فروخت کی مقداروں کا تعین کیا کرتی تھی لیکن ۱۸۳۰ء کے بعد سے اندرون ملک کے کوئلے کے علاقوں کے مقابلے کی وجہ سے جو نہروں کی بدولت پہلی مرتبہ شروع ہوا تھا اور جس میں ریلوے کے نظام کی وجہ سے اور شدت پیدا ہوگئی تھی یہ اجارہ آہستہ آہستہ ٹوٹ گیا۔ لندن کے کوئلے کو بڑے تاجر تقسیم کرتے تھے اور چھوٹے خردہ فروشوں کے ہاتھ فروخت کیا کرتے تھے۔ گیس کمپنی کے جاری ہونے سے پہلے، قطع نظر ان چند صناعوں کے جو دریا کے کنارے آباد تھے، استعمال کرنے والوں کی طرف سے براہ راست خریداری محض برائے نام تھی۔ اندرونی علاقے میں کوئلے کو کشتیوں میں لاد کر نہر کے ذریعے روانہ کیا جاتا تھا اور اکثر وہ کئی ہاتھوں سے گزرنے کے بعد استعمال کرنے والوں تک پہنچتا تھا۔ ۱۸۵۰ء کے بعد، تاجروں نے براہ راست خریدنے کے بجائے مالکوں کے ان کارندوں سے خریدنا شروع کر دیا جو کول اکسچینج (کوئلہ منڈی) میں موجود رہتے تھے اور چھوٹے تاجروں کے ہاتھ بیچنے کی جگہ براہ راست صارفوں کے ہاتھ فروخت کرنا شروع کر دیا البتہ گھاٹ یا ریلوے سائڈنگ (بغلی پٹری) پر وہ تاجروں کے ہاتھ بھی فروخت کر دیا کرتے تھے جو بعد میں خردہ فروشی کے ذریعے پبلک کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔

کان کے اندر مزدوروں کو یا تو براہ راست ملازم رکھا جاتا تھا جیسا کہ نارتھمبر لینڈ اور ڈرہم میں قاعدہ تھا یا جمعداروں کی معرفت۔ انیسویں صدی کے پورے زمانے میں جمعداری نظام مڈلینڈ میں عام طور پر رائج تھا۔ اس نظام کے ماتحت مزدوروں کا ٹھیکہ دار کان کے مالک سے معاہدہ کرتا تھا کہ کوئلہ ایک مقررہ قیمت فی ٹن پر اس کے حوالے کرے گا۔ یہ جمعدار خود ہی مزدوروں کو ملازم رکھتا اور ان کے لئے ضروری اوزار مہیا کرتا تھا۔ اسی بالواسطہ نظام کی وجہ سے کوئلے کی صنعت میں سخت خرابیاں پیدا ہوگئیں یعنی مزدوروں سے ناجائز فائدہ اٹھانا، حادثات کے مقابلے کے لئے پیشگی احتیاط کی تدبیریں نہ کرنا اور اجرت کی ادائی نقد کی جگہ روٹی اور جنس کی صورت میں کرنا۔

۷۔ گیس کی روشنی، بجلی کی روشنی اور کوئلے کی ضمنی پیداواریں۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں کوئلے کی بنیاد پر دو ضمنی صنعتوں نے ترقی پائی۔ گیس کی روشنی کو ولیم مرڈاک نے ایجاد کیا اور اس نے ۱۸۰۰ء

میں بولٹن اور واٹ کے سوہو کے کارخانے کو اس سے روشن کیا۔ ۱۸۰۵ء کے بعد گیس کے استعمال میں مسلسل اضافے کی وجہ سے کوئلے کی کانوں سے فایدہ اٹھانے کا ایک نیا موقع نکل آیا۔ لیکن ۱۸۸۰ء تک گیس کو روشن کرنے کا ذریعہ ایک ہی تھا یعنی کھلا ہوا لمپ۔ ۱۸۸۵ء میں ویلس باک نے گیس کے تابان غلاف کو دریافت کیا اور روشنی کے لئے گیس کے استعمال نے خوب ترقی کرنا شروع کر دی اور اس صدی کے آخر تک داخلی احتراق کے انجنوں کے ترقی پا جانے اور گیس کے چولھوں کے رائج ہو جانے کی وجہ سے گیس کے استعمال کے اور نئے مواقع پیدا ہو گئے۔

بجلی کی روشنی کی ترقی نسبتہً زیادہ سست رفتار کے ساتھ ہوئی۔ ڈیوی نے کیمیاوی برق خانوں اور کوئلے کے برقی مورچوں کے ذریعے قوسی روشنی بہت پہلے یعنی ۱۸۱۰ء میں پیدا کر لی تھی۔ لیکن جب تک گرام کا ڈائنمو ایجاد نہیں ہوا یعنی ۱۸۷۰ء تک، بجلی کی رَو کو کفایت کے ساتھ پیدا کرنے کا طریقہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ۱۸۷۹ء میں سیمنس نے مزید ترقیاں کیں اور ایڈیسن اور سوآن نے ۱۸۸۳ء میں کاربن کے تاروں کا تاباں لمپ ایجاد کر دیا۔ موجودہ صدی کے ابتدائی سالوں میں بجلی کے ذریعے نقل و حمل کے کام کو ترقی ہوئی۔ بجلی کی ٹرام نے گھوڑا گاڑی اور بھاپ گاڑی کی جگہ لے لی اور لندن کے مضافات کی ریلوں کو برقا دیا گیا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر کے زمانے میں تار برقی اور تار بحری (کیبل) نے وسائل خبر رسانی میں انقلاب پیدا کر دیا۔

۱۸۵۶ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان کوئلے کے کیمیاوی اجزا کو دریافت کیا گیا۔ کوئلے کی ضمنی پیداواروں سے کیمیاوی کھادیں اور اینلین، انتھراسین اور نفطلین تیار کی جانے لگی۔ پرکنس نے ارغوانی، قرمزی اور ترکی قرمزی رنگوں کو حاصل کرنے کے طریقے معلوم کیے لیکن بعد میں اس کی تیاری کا کام جرمنوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

۸۔ لوہا

کوئلے کے علاوہ صنعتی ترقی کے لئے دوسری شرط یہ تھی کہ ایک ایسی دھات کثیر مقدار میں موجود ہو جو سخت بھی ہو اور کام میں بھی لائی جا سکے۔ جنگلات کی تباہی کے بعد سے لوہے کی صنعت

کو زوال ہو رہا تھا۔ ویلڈ کے باہر، لوہے کی کچ دھات کے ماخذ، حسن اتفاق سے انگلستان جنوبی ویلز اور اسکاٹ لینڈ کی نشیبی زمینوں کے کوئلے کے علاقوں میں پائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ، لوہا نارتھ ایمپٹن شائر، لنکن شائر، ہیرو، کلیولینڈ (جنوبی مشرقی یارک شائر) میں بھی ملتا تھا۔ کوئلے کے علاقوں میں یہ ایک نرم سیاہ سلیٹی پتھر میں دفن کیا ہوا، بہت سخت، بھورے سیاہ ڈھیلوں کی صورت میں ملتا تھا جو آدمی کے سر کے برابر بڑے ہوتے تھے اور یہ لوہا، کوئلے کی تہوں کی طرح تہہ در تہہ ملتا تھا۔ خالص ترین لوہا بریڈفورڈ میں ملتا تھا۔ "ڈھیلے" بڑی "پہاڑیوں" پر رکھے اور دھوپ اور مینہ میں کھلے پڑے رہتے تھے۔ اوپر کے ڈھیلوں کا خول ہتوڑے مار مار کر اُتارتے تھے، یہاں تک کہ خام لوہا نظر آنے لگتا تھا اور پھر اسے بھٹی میں لے جاتے تھے۔ اس طریقے میں آج تک بہت کم تبدیلی ہوئی ہے۔ انگریزی کچ دھات کا مقابلہ اب سوئیڈن کی دلدلوں کی اور شمال مشرقی اسپین کی کچ دھات نے کرنا شروع کر دیا ہے۔

صنعتی انقلاب کے دوران ہی میں انجن بھٹی نے قریب قریب اپنی موجودہ شکل اختیار کر لی تھی۔ چونے کے پتھر کی کاربونک ایسڈ گیس، گرم کوک سے تعامل کر کے مول اکسائیڈ بناتی ہے اور یہ کچی دھات کو لوہا بنا دیتی ہے۔ اس کے بعد بقیہ کوک لوہے کے اندر کاربن کا جز شامل کر دیتا ہے اور اس کام میں چونے کا پتھر مادے کو سیال حالت میں رکھ کر مدد دیتا رہتا ہے۔ اس صنعت نے ان جگہوں میں ترقی پائی جہاں لوہے کی کچ دھات، کوئلے اور چونے کا پتھر قریب قریب دستیاب ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کارڈف، ہیرو، مڈلزبرو کے علاقوں نے (جہاں یہ تینوں چیزیں دنیا کے تمام دوسرے مقامات کے مقابلے میں سب سے زیادہ کم خرچ پر یکجا کی جا سکتی ہیں) انیسویں صدی میں تیزی سے ترقی کرنا شروع کی برخلاف اس کے نارتھ ایمپٹن شائر اور لنکن شائر نے کوئلے کے نہ ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ ترقی کی اور اسی طرح چونے کے پتھر کے نہ ہونے کی وجہ سے جنوبی لنکاشائر کی ترقی کی رفتار بھی سست رہی۔ کاربونک ترشہ گیس کے بنانے میں بہت سا کوک ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے بھٹی کی جسامت کو بڑھانے کی کوشش کی گئی جو بہت مہنگی اور بے سود ثابت ہوئی۔ ہندسی کیمیا نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ تضیع ناگزیر ہے۔

اس طریقے سے "سخت" یا ڈھلا ہوا لوہا تیار ہوا جو بہت سارے کام آتا ہے لیکن

یہ بھوبھک یعنی شیشے کی طرح ٹوٹ جانے والا تھا۔ جب کاربن کے تمام میل کو دور کر دیا گیا تو نرم یا پٹا ہوا لوہا برآمد ہوا۔ اس کے اندر چونکہ لچک پائی جاتی تھی اس لئے اس سے کام لیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ دباؤ کی صورت میں اپنی شکل کو قایم نہ رکھ سکتا تھا۔ فولاد ان دونوں کی ایک درمیانی صورت تھی اور بعد میں ایک ناگزیر شئے بن گئی۔ پٹا ہوا لوہا اس طرح تیار کیا جاتا تھا کہ پگھلے ہوئے لوہے کو "لوہے کے مستطیل ٹکڑوں"[1] میں لوہے کی لابنی سلاخوں سے "ہلا کر متورق یا لوچ دار بنایا"[2] جاتا تھا، یہاں تک کہ اس کی تمام میل جل جاتی تھیں۔

لوہے کے تیار کرنے میں جو تبدیلیاں واقع ہوئیں وہ تین طریقوں پر مبنی ہیں:۔ ایک تو انجن بھٹی میں کوئلے کا استعمال کرنا دوسرے لوہے کو صاف کرنے والی بھٹی[3] میں کوئلے کا استعمال کرنا اور اس کے ساتھ ہی "ہلانے" اور بیلن سے دبانے کے طریقوں کا استعمال کرنا اور تیسرے بنانے کے کام میں بھاپ کی طاقت کا استعمال کرنا۔

۹۔ لوہے کی صنعت کے موجدین۔

(۱) ابتدائی موجدین:۔ حصۂ اول میں ان کوششوں کا کچھ ذکر کیا جا چکا ہے جو خانہ جنگی کے خاتمہ اور ۱۷۶۰ء کے درمیان کوئلے سے لوہے کو پگھلانے کے لئے کی گئی تھیں۔ سب سے پہلے، ۱۶۱۹ء میں، ڈڈلے نے کوئلے کو، لوہے کے پگھلانے کے لئے استعمال کیا لیکن لکڑی کا کوئلہ بنانے والوں نے اس کی مخالفت کی اور روپئے کی کمی کی وجہ سے بھی اس کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اس نے ایک دوسرے جھکڑ (بلاسٹ) کو استعمال کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ پرانی قیمت کی دو تہائی پر کوئلے کے ذریعے لوہا بنا سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے راز کو ظاہر کئے بغیر دنیا سے چل بسا۔ اس کے تجربے کا بڑا چرچا ہوا اور اس کے دو ہم عصروں، بک اور ڈاگنے نے کوئلے سے لوہے کی کچ دھات کو جدا کرنے کے لئے اُسے مٹی کے کٹھالوں[4] میں رکھا لیکن اس میں انھیں

[1] Pig

[2] Puddling

[3] Forge

[4] Crucibles

کامیابی نہیں ہوئی

ڈڈ کے مرنے کے بعد ایک جرمن باؤراشٹائن نامی نے ونیز بری میں ایک بھٹی بنائی (۱۶۷۷ء) جس میں شعلے کچ دھات کو صرف چھوا کرتے تھے۔ یہ کوشش بھی کامیاب نہیں رہی کیونکہ گندھک کی بھاپ کی وجہ سے لوہے کی خوبی برباد ہوجاتی تھی ۱۷۲۶ء میں، وائٹ ہیون کے وڈ نے کوئلے کی جگہ کوک کا استعمال کیا اور باؤراشٹائن کی سی بھٹی میں لوہے کی کچ دھات کے ساتھ پسے ہوئے کوک کو ملاکر "لوہے کے مستطیل ٹکڑے[1]" بنانے کی کوشش کی۔ اسی زمانے میں فیلو فیلڈ نے بھی ایک دوسری ناکام کوشش اسی طریقے پر کی۔

(۲) کول بروک ڈیل کے ڈاربی خاندان کے افراد:۔ لیکن اس مسئلے کا حل تو کول بروک ڈیل واقع شراب شائر کے ایک آہن گر خاندان کی قسمت میں لکھا تھا۔ ۱۷۰۹ء کے قریب ہالینڈ سے، ابراہیم ڈاربی اول ریت کے اندر لوہے کے ڈھلے ہوئے ٹکڑوں کو بنانے کا طریقہ سیکھ کر آیا۔ اس نے اس کوئلے سے جسے آنچ دے کر پہلے جھلس لیا گیا تھا، کچ دھات کو کامیابی کے ساتھ پگھلایا۔ لیکن کوک سے کافی حرارت حاصل کرنے کے لئے ہوا کے جتنے تیز جھکڑ کی ضرورت تھی اس کا حاصل کرنا مشکل تھا اس لئے کچھ کچ دھات بے پگھلی رہ گئی۔ ۱۷۳۰ء اور ۱۷۵۰ء کے درمیان ڈاربی دوم نے کوک بنانے کے طریقے میں اصلاح کی اور دھونکنیوں کو نیوکومن کے ایک پرانے انجن سے چلاکر ہوا کے جھکڑ کو تیز کیا اور پتھر کے چونے کا استعمال کرکے دھات کو پگھلانے کے وقت خراب ہونے سے بچایا۔ ۱۷۶۰ء میں جان اسمیٹن نے کیرون میں دھونکنے والے آلے کو مکمل کردیا اور دبائی ہوئی ہوا کے ایک ایسے پمپ کو رائج کیا جو کرۂ ہوا سے دگنے یا تگنے دباؤ پر ہوا کا ایک مسلسل جھکڑ مہیا کرتا رہتا تھا۔

ڈاربی کی اس ایجاد نے، ڈھلواں لوہے کی پیداوار میں، جو کھانا پکانے کے برتن، چولھے، جوش دان اور انگیٹھی کی سلاخیں بنانے کے کام میں آتی تھی بہت اضافہ شروع کردیا۔ ۱۷۵۰ء کے بعد ڈھلواں لوہے کا استعمال، پانی کے نلوں اور کوئلے

[1] Pig-Iron

کی کانوں کی ریل کی پٹریوں کے بنانے کے لئے بھی ہو جانے لگا۔ امریکہ کی جنگ آزادی کے دوران میں فالکرک کے کیرن کے کارخانے میں، ڈھلوان لوہے کی توپیں بھی تیار کی گئیں اور انھیں مرتھیر ٹڈ فل کے بیکن اور رودرھم کے واکر نے بھی تیار کیا۔ ۱۷۷۹ء میں کول بروک ڈیل کمپنی نے دریائے سیورن پر ڈھلوان لوہے کا پہلا پل تیار کیا۔

(۳) ہنری کورٹ:۔ ترقی کی دوسری منزل یہ تھی کہ ڈھلوان لوہے کو لوچ دار لوہے میں تبدیل کیا جائے۔ پرانا طریقہ کھلی ہوئی بھٹی میں صاف کرنے کا تھا لیکن اس طریقے سے صرف تھوڑی مقدار میں مال تیار کیا جا سکتا تھا اور اس میں صرف لکڑی کے کوئلے کو استعمال کیا جا سکتا تھا۔ روبک نے ۱۷۶۲ء میں کیرن میں ایک ناکام کوشش پتھر کے کوئلے سے ڈھلوان لوہے کو صاف کرنے کی کی تھی۔ اس کے چار سال بعد کرینیج خاندان کے لوگوں نے بھی کول بروک ڈیل میں اس کی کوشش کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے کئی سال بعد مرتھر ٹڈ فل کے پیٹر اونی انس نے اس مسئلے کو حل کر دیا۔ لیکن یہ طریقہ اس کے ہاتھ سے صنعت میں داخل نہیں ہوا۔ "وہلانے" کا طریقہ ہمیشہ ہنری کورٹ کے نام کے ساتھ وابستہ رہے گا جس نے ۱۷۸۳ء میں اپنے طریقے کا حق ایجاد حاصل کیا۔ کورٹ نے یہ مشاہدہ کیا کہ جب ایندھن کچ دھات سے ملا ہوا رہتا ہے تو لوہے میں کاربن کا جز شامل ہو جاتا ہے اور وہ سخت ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس نے ایک منعکس بھٹی ایجاد کی جس میں صرف شعلہ کچی دھات کو چھوا کرتا تھا۔ بھٹی بند کر دی جاتی تھی اور اس میں سے خاصہ خالص لوہا پگھلی ہوئی حالت میں، اس کے پیندے کے ایک جوف کے اندر بہتا رہتا تھا۔ ایک چھوٹا سا سوراخ کھول لیا جاتا تھا اور پگھلے ہوئے لوہے کو ہلا دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ کاربن مونا کسائیڈ کے نکلنے کی وجہ سے، جو ایک نیلے شعلے کے ساتھ جلتی تھی، اُبلنا شروع کر دیتا تھا جب یہ پورا انبار لیس دار ہو جاتا تھا تو لوندے کی صورت میں نکال لیا جاتا تھا اور پھر اس پر ہتھوڑے چلائے جاتے تھے۔ یہی طریقہ اب تک استعمال کیا جاتا ہے۔

لیس دار لوہے کو دبا کر ہموار کرنے کے لئے کورٹ نے ہتھوڑوں کی جگہ، نالی دار بیلن بھی ایجاد کئے اور اس کے کام سے واٹ نے جو روبک کے ساتھ کیرن کے لوہے کے کارخانے میں کام کر رہا تھا، فائدہ اٹھایا۔ واٹ کو کوئی موزوں اسطوانہ

نہیں ملتا تھا۔ اگر یہ نرم ہوتا تھا تو اس کی شکل بگڑ جاتی تھی اور اگر سخت ہوتا تھا تو صحیح نہیں رہتا تھا۔ جب روبک کا دیوالہ نکل گیا تو واٹ نے برمنگھم میں بولٹن کے ساتھ شرکت کر لی۔ یہاں ولکنسن نے، جس نے زیادہ بہتر مشین کو ایجاد کر لیا تھا۔ اس کے لئے سوراخ کر کے ایک اسطوانہ تیار کیا۔ اور آخر کار واٹ نے ایک قابل اطمینان انجن بنا لیا۔ اور لوگوں کے مقابلے میں ولکنسن نے سب سے زیادہ لوہے کے امکانات کا پتا چلایا۔ کول بروک ڈیل میں لوہے کا جو پہلا پل بنایا گیا تھا اس کا مشورہ بھی اسی نے دیا تھا۔

کورٹ کا طریقہ، تجارتی حیثیت سے فوراً کامیاب ثابت ہوا۔ جنوبی ویلز میں کرازہے کے کارخانے میں سلاخ کے لوہے کی پیداوار فوراً دس ٹن سے دوسو ٹن فی ہفتہ تک پہنچ گئی اور اس ایجاد کی بدولت سلاخوں کے لوہے کی پیداوار اسی نسبت سے ترقی کرنے لگی جس سے کہ ڈھلواں لوہے کی پیداوار ترقی کر رہی تھی۔

۱۰۔ بھاپ کا انجن اور لوہا؛ ہنٹس مین۔

لوہے کی صنعت پر بھاپ کے انجن کی ایجاد کا دو طرح سے اثر پڑا۔ ایک تو کوئلے کی پیدائش سستی ہو گئی اور بھاپ کی دھونکنیوں نے جھکڑ کو تیز کر دیا اور کوک بنانے میں مدد دی۔ دوسرے ہتوڑے سے کوٹنے اور بیلن سے دبانے کے کام میں بھاپ کی قوت کے استعمال سے پیدائش کی لاگت بہت خاصی گھٹ گئی۔

جس وقت کہ ڈاربی، سستے ڈھلوان لوہے کے بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی وقت ڈانکاسٹر کا ایک گھڑی ساز بنجمین ہنٹس مین فولاد کی تیاری کے کام میں اصلاح کر رہا تھا۔ فولاد کے بنانے کا طریقہ جو دھات سازی کے نقطۂ نگاہ سے ڈھلوان لوہے اور پٹواں لوہے کی ایک درمیانی صورت ہے یہ تھا کہ سلاخ کے لوہے کو لکڑی کے بجھائے ہوئے کوئلے کی بھٹی میں بارہ دن تک گرم کیا جاتا تھا۔ اس طرح گرم کرنے سے لوہے میں کاربن کے اجزا مل جاتے تھے اور اس کی وجہ سے دھات سخت ہو جاتی تھی ہنٹس مین نے اس طریقے میں یہ اصلاح کی کہ بہت اونچے درجۂ حرارت پر، سر بمہر، اگن مٹی کی کٹھالیوں میں لوہے کو لکڑی کے کوئلے اور پسے ہوئے شیشے کی تھوڑی مقدار ملا کر پگھلایا۔ اس فولاد کا نام ڈھلواں یا کٹھالی کا فولاد رکھا گیا اور چونکہ اس کے اندر لچک اور مضبوطی دونوں باتیں پائی جاتی تھیں

اس لئے یہ گھڑی کی کمانی اور چاقوؤں کے لئے موزوں تھا ہنٹسمین نے فولاد کی صنعت کے لئے وہ کام کیا جو کورٹ نے لچکدار لوہے کے لئے کیا تھا اور اس کے طریقے کے بہت اہم اثرات شیفیلڈ کے چاقو، چھری وغیرہ کی صنعت پر رونما ہوئے۔

ا۔ مشین ۱۷۶۰ء تا ۱۸۰۰ء

اٹھارویں صدی کے آخری عشروں میں لوہے کی پیدائش میں جو انقلاب واقع ہوا، وہ بہ خلاف پارچہ بافی کی صنعت کے، مشین کے رواج کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ تیاری کے ترقی یافتہ طریقوں کا نتیجہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک حد تک ان تیاری کے طریقوں میں مشین کا بھی دخل ہو گیا۔ بھٹی کی ضخامت کو بڑھایا گیا اور اسمیٹن نے دبائی ہوئی ہوا کے اسطوانوں کے ذریعے، ہوا کے جھکڑ کو تیز کیا۔ کورٹ نے "ہلائے ہوئے" لوہے کو بیلنوں سے دبانے کے لئے گرڈیوں کو استعمال کیا اور واٹ نے بھاپ کا ہتوڑا ایجاد کیا جس کا استعمال ولکنسن کے لوہے کے کارخانے میں کیا گیا۔ اسطوانوں کو سوراخ کر کے بنانے کا نیا طریقہ جسے جان ولکنسن نے ایجاد کیا اور جس کی وجہ سے وہ خرابیاں جو ناقص کاریگری کی وجہ سے پیدا ہوتی تھیں دور ہو گئیں اور بھاپ کا انجن تجارتی حیثیت سے کامیاب ہو سکا، اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

لیکن غالباً سب سے اہم ترقی ۱۷۹۰ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان مشین سے بنائے ہوئے اوزاروں کی تھی اگرچہ وہ ۱۸۲۰ء تک عام استعمال میں نہیں آئے تھے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا نام یوسف براما کا ہے جس نے وہ مختلف اوزار ایجاد کئے جو پہئیے کاٹنے کی مشین، پانی کی قوت سے چلنے والے شکنجے اور مشین سے بنائے ہوئے تالوں کے بنانے کے لئے درکار ہیں۔ ہنری ماڈسلے کی مدد سے اس نے پیچ کاٹنے والی وزنی خراد اور پھسل ٹیک[1] کو ایجاد کیا۔ پھسل ٹیک محض ایک ایسی تدبیر تھی جس سے اوزار کو کام کے مقابل رکھا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کی اہمیت بیان سے باہر ہے۔ اس کی ایجاد کے بہت سال بعد نیسمتھ نے کہا تھا کہ پھسل ٹیک کی ایجاد اپنی اہمیت کے اعتبار سے بھاپ کے انجن کی ایجاد کے برابر ہے۔

[1] Side Rest

اسی زمانے میں کلی فورڈ نے مشین سے کیلوں کے تیار کرنے کی ایجاد کا اجارہ حاصل کیا۔ ۱۷۹۰ء کے بعد مشینوں کے بنانے میں دھات نے لکڑی کی جگہ لینا شروع کر دی۔ یہ جدت سب سے زیادہ اہم تھی کیونکہ لکڑی کے پرزے بہت ناقص طریقے سے کام کرتے تھے اور بہت جلد گھس جاتے تھے۔ ۱۸۰۰ء سے پہلے پہلے ڈھلواں لوہے کے اڑ پہیے (فلائی وھیل) عام طور پر استعمال کئے جانے لگے تھے اور اسی زمانے میں رینی نے لندن میں آٹا چکیوں کے اندر تمام تر لوہے کے بنائے ہوئے دندانہ دار پہیوں[1] کو جاری کر دیا۔

۱۲- مشین ۱۸۰۰ء تا ۱۸۵۶ء

۱۸۰۰ء کے بعد مشین نے لوہے کی صنعت میں تیزی سے ترقی کرنا شروع کر دی اور مشین سے بنے ہوئے اوزاروں کا زمانہ نزدیک آگیا۔ ۱۸۰۸ء میں ماڈسلے نے برونل کی شرکت میں بلاک بنانے کے طریقوں میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور ایک چول بٹھانے والی کل ایجاد کی جس سے فائدہ اٹھا کر رابرٹس نے جو کاتنے کے خود بخود چلنے والے ہیول کا موجد ہے ایک ایسی کھٹکے دار دراز کو ایجاد کیا جس میں دھات کے ٹکڑے کو ڈالا جا سکتا[2] تھا۔ رابرٹس نے رندہ کرنے کی مشین کو ایجاد کرنے میں بھی اہم حصہ لیا۔ اس سے کچھ سال پہلے ایک دوسرے موجد کلی منٹ نے خراد کی کارکردگی کو بہت ترقی دے دی تھی۔ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان، ترقی کا خاص رخ، کام میں زیادہ صحت پیدا کرنے کی طرف رہا۔ رابرٹس نے مشین کے حصوں کو دوبارہ بنانے کے لئے معیاری نمونوں[3] کو استعمال کیا۔ اور وِٹورتھ کی مختلف تدبیروں نے آیندہ ہونے والی معیار بندی کو ممکن بنا دیا۔ خام لوہے کی پیدائش کو متاثر کرنے والی دو اہم جدتیں نیلسن کا "گرم جھکڑ" (۱۸۲۹ء) اور نیسمتھ کا بھاپ کا ہتوڑا تھیں۔ "گرم جھکڑ" کے اثرات اسکاٹ لینڈ میں بہت دوررس ثابت ہوئے جہاں اس کی وجہ سے اسکاٹ لینڈ کے

---

۱ Gearing

۲ Device of Metal Slotting

۳ Tenplets

کوئلے کو کوک کی شکل میں منتقل کئے بغیر استعمال کیا جانے لگا۔ اور بھاپ کے ہتھوڑے نے ان مشکلوں کو دور کر دیا جو اس سے پہلے لوہے کی بہت بڑی سلاخوں کے تیار کرنے میں ہوا کرتی تھیں۔

۱۳۔ ۱۸۵۰ء کے بعد مشین سازی کے سلسلے میں ایجادات: جیسے میز سیمنس اور گلکرائسٹ ٹامس

۱۸۵۰ء تا ۱۸۸۰ء کے زمانے کو وٹورتھ کے زمانے کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے کیونکہ انھیں پانچ سال میں اس نے مشین سازی کے موجودہ علم کی بنیاد ڈالی۔ اس نے بہت سی تدبیریں دھات سے کام لینے اور صحیح صحیح ناپنے کے لئے ایجاد کیں۔

۱۸۵۰ء تک اس کے ناپنے کی مشینیں اور جسامت پیما (گیجز) جو ایک انچ کے دس ہزارویں حصے تک کو ناپتے تھے استعمال کئے جانے لگے تھے اور ۱۸۸۰ء تک زیادہ تر اسی کی کوششوں سے مشین کے حصے مبادلہ پذیر بن گئے تھے۔ چنانچہ اب بولٹن اور واٹ کے زمانے کی طرح یہ ضروری نہیں رہا تھا کہ مشین کے ہر حصے کو الگ الگ اپنی جگہ پر ٹھیک بٹھایا جائے اور موجودہ زمانے کی مکمل معیار بندی کے لئے راستہ کھل گیا تھا۔ اسی دوران میں آرم اسٹرانگ نے نیوکیسل کے قریب، ایلسوک میں ماقوائیات کے اصولوں کو دمکلوں، لفٹ پمپ، اٹھاؤ پل اور دوسرے پرزوں پر منطبق کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۱۸۶۵ء میں اس نے دبائے ہوئے لوہے کو بنانے کی ایک ترکیب ایجاد کی جس کی وجہ سے بندوق سازی اور دھرابنانے میں جو کہ بحری مشین سازی کے کام میں استعمال ہوتی ہیں ایک انقلاب عظیم واقع ہو گیا۔ مشین سازی کے ابتدائی اوزاروں میں کوئی بنیادی تبدیلیاں نہیں ہوئیں لیکن ۱۹۰۰ء تک، پانی کی قوت سے چلنے والی مشین دو، لوہے کی کیلوں کے جڑنے[1]، سوراخ کرنے[2] اور برمانے کے لئے عام طور پر استعمال کی جانے لگیں۔

[1] Rivetting

[2] Punching

انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں، سلاخ کے لوہے کو تیار کرنے کے طریقے میں بہت کم تبدیلی ہوئی۔ غالباً سب سے اہم جدت مشین کے ذریعے لوہے کو "ہلانے" کے کام میں کی گئی لیکن اس کے برعکس فولاد کی تیاری کے کام میں بنیادی تبدیلی ہوگئی ۱۸۵۶ء میں بیسے میر کا حیرت انگیز طریقہ فولاد بنانے کے لئے ایجاد ہوا۔ لوہے کے مستطیل ٹکڑے، ناشپاتی کی شکل کے آلۂ منقلب[1] میں ڈالے جاتے تھے اور پیندے میں ہوا کو دھونک کر پہنچایا جاتا تھا۔ اس سے سلی کن اور دوسرے میل کی تکسید ہو جاتی تھی (یعنی جل جاتی تھیں) اور اس سے جو حرارت پیدا ہوتی تھی وہ کاربن کے فاضل لوث کو ایندھن کے بغیر جلا دینے کے لئے کافی ہوتی تھی۔ جب کاربن کی صحیح مقدار موجود ہوتی تھی اس وقت اس عمل کو بند کر دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد آلۂ منقلب کو انڈیل دیا جاتا تھا اور پگھلے ہوئے فولاد کو ٹھنڈا اور کام میں لایا جاسکتا تھا۔ بدقسمتی سے انگلستان کے خام لوہے سے جو فولاد تیار ہوتا تھا اس میں پھر بھی گندھک اور فاسفورس باقی رہ جاتا تھا۔ اس لئے بیسے میر کے طریقے کا فایدہ محدود تھا۔

۱۸۶۴ء میں سیمنس نے اس کے مقابلے میں کھلی بھٹی کے طریقے کو ایجاد کیا۔ ڈھلواں لوہے اور پٹواں لوہے کے آمیزے کو، صحیح تناسب سے ملا کر پگھلایا جاتا تھا اور پھر بیسے میر کے طریقے کی طرح اس پر بھی کام کیا جاتا۔ سیمنس کے طریقے سے فولاد کو مختلف درجوں تک سخت بنایا جاسکتا تھا۔ ۱۸۷۹ء میں گلگرائسٹ ٹامس نے ایک اہم ترقی یہ کی کہ اس نے فاسفورس کو کچی دھات سے دور کرنے کے لئے چونے کے پتھر کا ایک استر پیندے میں دینا شروع کر دیا جو دوتوں کو جذب کر لیا کرتا تھا۔ اس نئے طریقے سے نہ صرف وہ کچی دھات جو پہلے ناقابل استعمال تھی کارآمد بن گئی بلکہ اس سے ایسا میل[2] بھی پیدا ہونے لگا جو کھاد کے لئے مفید ہوتا تھا۔

۱۸۹۰ء کے بعد سے ترقی زیادہ تر کچ دھات کے نئے ذرایع حاصل کرنے چھوٹی چھوٹی اصلاحیں کرنے اور سائنس خصوصاً کیمیا سے فائدہ اٹھانے میں کی جاتی

---

[1] Converter

[2] Slag

رہی ہے دھات کاری کا پرانا علم اتفاقی تجربات پر مبنی تھا۔ لوگ اتفاقی طور پر نئے طریقوں کو معلوم کر لیتے تھے۔ لیکن اب ایجادیں باقاعدہ طور پر سوچ کر کی جاتی ہیں۔ لوہے اور فولاد کی ہر قسم کو خوردبین کے نیچے رکھ کر شناخت کیا جا سکتا ہے اور ہر قسم ایک مخصوص کیمیاوی ساخت کے مطابق ہوتی ہے۔ چنانچہ معمل کے تجربے یہ بتا سکتے ہیں کہ کن قسموں کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔

بیسے میر کی بدولت انگلستان کو ایک نئی صنعت حاصل ہوئی۔ فولاد کی قیمت پچاس فی صد گر گئی اور پٹواں لوہے کے مقابلے میں فولاد کی زیادہ پائدار ریل کی پٹریوں کو زیادہ سستے داموں پر مہیا کرنا ممکن ہو گیا۔ اس سستے فولاد نے مشینوں کی تیاری کے مصارف کو بھی بہت کم کر دیا اور ہماری مشینوں کی برآمد بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس کی وجہ سے انجنوں اور بائلروں کی ضخامت اور مضبوطی میں بڑی ترقیاں ہوئیں چنانچہ ریلوں اور جہاز سازی کو بہت بڑا فائدہ پہنچا اور بیس سال تک انگلستان کو پیدائش کے اس نئے طریقے کا تقریباً اجارہ حاصل رہا۔ لیکن دوسری جانب اس نئے طریقے میں ایک خرابی بھی تھی۔ ضلع کمبرلینڈ کے علاوہ باقی کل برطانیہ کی کچی دھات میں اتنا فاسفورس ملا ہوتا تھا کہ وہ بیسے میر کے آلۂ تبدیلی کے لئے موزوں نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کچے مال کے لئے سویڈن اور اسپین کی کچ دھات کے محتاج ہو گئے۔ بعد میں ایک حد تک اس چیز کا گلکرائسٹ ٹامس کے طریقے کی بدولت کچھ تدارک ہو گیا یعنی شمال مغربی یارک شائر کے کلیولینڈ کے ذخائر لائق استعمال بن گئے۔ لیکن یہ انگلستان کی بدنصیبی تھی کہ اسی طریقے کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ امریکہ اور جرمنی کی فاسفورس ملی ہوئی دھاتوں کے کثیر ذخائر سے فائدہ اٹھانے کا امکان پیدا ہو گیا۔ لورین کی کچ دھات جو اب تک تقریباً بے کار تھی تجارتی حیثیت سے اہم ہو گئی اور اس نے جرمنی کو یورپ کے براعظم میں لوہے کا سب سے بڑا واحد سرچشمہ بنا دیا۔ انگلستان کے اجارے میں آہستہ آہستہ رخنہ پیدا ہو گیا اور اگرچہ اس کی فولاد کی کل پیداوار بڑھتی رہی لیکن انیسویں صدی کے آخر تک امریکہ اور جرمنی کے مقابلے میں نسبتہً بہت کم رہ گئی۔

۱۴۔ لوہے کی صنعتوں کی تنظیم

کورٹ کی ایجاد اور قوت محرکہ سے چلنے والی

مشین نے لوہے کی صنعت میں تخصیص کار کی ابتدا کی۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک لوہار ہر طرح کا کام کیا کرتا تھا۔ لیکن صنعتی انقلاب کے ساتھ کام کرنے والوں کے نئے طبقے پیدا ہو گئے یعنی "ہلانے والے" جو بھٹی میں پگھلے ہوئے لوہے کو ہلاتے تھے۔ بیلن چلانے والے لوگ جو ہتھوڑے سے کوٹے ہوئے لوہے پر کام کرتے تھے اور ان کے علاوہ اور دوسرے ماہر اور نیم ماہر مزدوروں کے طبقے پیدا ہوئے۔ پیشوں کے اعتبار سے بھی کاموں میں تفریق شروع ہو گئی تھی۔ ۱۸۰۰ء تک بعض مقامات پر لوہا پگھلانے کا کام ایک جداگانہ کاروبار کی حیثیت سے کیا جاتا تھا مگر عموماً زیادہ تر اس کو ڈھالنے، بیلن سے دبانے اور دوسرے اختتامی کاموں کے ساتھ ملا کر کیا جاتا تھا۔

۱۸۴۰ء تک لوہے کے پگھلانے کے کام میں تخصیص پیدا ہو گئی تھی اور اس تخصیص کی وجہ سے بہت اہم نتائج پیدا ہوئے۔ بھٹی کی ضخامت تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع ہو گئی اور اونچی اسطوانی شکل کی بھٹی عام طور پر استعمال کی جانے لگی۔ تنہا ایک بھٹی کی پیداوار کے اس اضافے کے علاوہ، کاروبار کی اکائی کی وسعت بھی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کارخانے میں بہت سی بھٹیاں ہونے لگیں۔ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں بڑے کارخانوں میں بھی بہت کم ایسے تھے جن میں تین سے زیادہ بھٹیاں تھیں لیکن ۱۸۴۰ء میں لوہے کا ایک بڑا کارخانے دار مثلاً گیسٹ کے یہاں جو ڈاؤلے کا رہنے والا تھا، اٹھارہ جھکڑ بھٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ مال کی پیداوار بھی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ۱۸۰۲ء میں برطانیہ کی ۱۶۸ جھکڑ بھٹیوں کی سالانہ پیداوار صرف ایک ہزار ٹن ڈھلواں لوہے کے مستطیل ٹکڑے تھی۔ ۱۸۵۰ء میں پیداوار بیس لاکھ ٹن ہو گئی تھی۔ ان اعداد سے کچھ پتا چلتا ہے کہ انیسویں صدی کے نصف اول میں کس حیرت انگیز رفتار سے ترقی ہوئی اور ۱۸۸۰ء تک پیداوار کی صلاحیت اور مال کی پیدائش برابر بڑھتی رہی۔ اس سال کے بعد امریکہ اور جرمنی کے نئے مقابلے کی وجہ سے اضافے کی شرح میں کمی ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ادنیٰ درجے کے کاموں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اعلیٰ قسم کے لوہے کے تیار کرنے میں انگلستان نہ صرف اپنی جگہ پر قائم رہا بلکہ کچھ آگے بھی بڑھ گیا۔ ٹنگسٹن کروم سے بنے ہوئے کاٹنے والے فولاد کے بنانے کی بنیاد ۱۸۷۰ء میں شیفیلڈ

میں رکھی گئی۔ یہ وہی وقت تھا جب مسکٹ نے اس بات کا پتا چلایا کہ کاربن ملے ہوئے فولاد میں ٹنگسٹن کا اضافہ کر کے اور پھر اس آمیزے کو ہوا کی رو سے پہلی آگ جیسی حالت سے ٹھنڈا کر کے اور بھی زیادہ سخت بنایا جا سکتا ہے۔ ۱۸۸۰ء میں کرومیم کی خفیف مقدار کا مزید اضافہ کر کے اور بھی زیادہ ترقی کی گئی اور اس صدی کے آخر میں شیفیلڈ ایسا کاٹنے والا فولاد پیدا کرنے لگا جو باقی ساری دنیا کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا تھا۔

بڑے پیمانے کے متحد کارخانوں کی طرف ترقی کرنے کا ایک قوی رجحان، دھات کی صنعت کی اولین ترقی کے زمانے سے پایا جاتا تھا۔ یہ چیز جو آج بہت نمایاں ہے سترھویں صدی ہی میں نظر آنے لگی تھی۔ ۱۷۸۰ء تک کول بروک ڈیل کے گرد، ڈاربی کا خاندان آٹھ جھکڑ بھٹیوں اور نو لوہے کے کارخانوں کا مالک بن چکا تھا اور اپنے کچے مال کو اپنی ذاتی کوئلے اور لوہے کی کانوں سے حاصل کیا کرتا تھا اور اس کے کارخانے کی شاخیں، لنڈن، لورپول اور برسٹل میں موجود تھیں بروسلے، برتھم اور براڈلے کے اردگرد جان ولکنسن کی ملکیت میں لوہے کے بڑے بڑے کارخانے تھے اور وہ اپنی جھکڑ بھٹیوں کو اپنی ہی کانوں سے کوئلہ مہیا کیا کرتا تھا اور جنوبی ویلز اور فرانس کی لوہے کی صنعت میں اس کا بڑا روپیہ لگا ہوا تھا۔ اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں جنوبی ویلز میں انتھنی بیکن نے میلوں تک مرتھر ٹڈفل کے چاروں طرف سب معدنی پیداواروں کا پٹہ لے رکھا تھا اور اس نے امریکہ کی جنگ آزادی میں زیادہ تر حکومت کے سامان جنگ کے ٹھیکے لے لے کر اپنے لوہا تیار کرنے کے کاروبار کو خوب آگے بڑھایا۔ کرانشے، جان گیسٹ اور انتھنی ہل کے مابعد کے بڑے کارخانے بھی بیکن ہی کے کاروبار کی شاخیں تھیں۔ اسکاٹ لینڈ میں فالکرک کے قریب کیرن کے بڑے لوہے کے کارخانے کی روبک نے ۱۷۶۰ء میں بنیاد رکھی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا کاروبار تھا جس میں مختلف قسم کے کام شامل تھے۔ یارک شائر میں سیموئل واکر نے رودرہم کے لوہے کے کارخانے کو ۱۷۴۸ء میں شروع کیا اور اس کے چالیس سال بعد ہارڈی اور اس کے شرکا نے بریڈفورڈ کے قریب لومور کے لوہے کے کارخانے کو کھولا۔ رودرہم میں واکر کا لوہے کا کارخانہ بہت سے مختلف اجزا سے مرکب تھا جس میں کوئلہ اور لوہے کی کانیں، بھٹیاں، پترے بنانے کی گرنیاں، لوہار خانے اور صفار خانے

سب ہی شامل تھے۔

یہ ابتدائی بڑے کاروبار موجودہ زمانے کی کمپنیوں سے بنیادی طور پر مختلف تھے۔ ان کی ملکیت اور نگرانی چند آدمیوں کے ہاتھ میں تھی جو باہمی شرکت میں کام کیا کرتے تھے اور ان کی غیر معمولی ترقی کا سبب، دولت کمانے کا وہ نادر موقع تھا جو انھیں صنعتی انقلاب کے عبوری زمانے میں میسر آیا۔

۱۸۶۰ء کے بعد، دھات کی صنعتوں میں عمودی اور افقی، دونوں طرح کے اتحاد شروع ہوئے، اگرچہ اس صدی کے آخر میں بھی، اسٹیفورڈ شائر اور ہیلم شائر کے علاقوں میں اس صنعت کی زیادہ ہلکی شاخوں میں، چھوٹے کارخانے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ قیمت مقرر کرنے کے معاہدے کرنے کے لئے، صناعوں کے باہمی اتحادات بہت اہم ہو گئے۔ کوئلے کی صنعت میں تو یہ چیز بالکل نئی تھی مگر لوہے کی صنعت میں دراصل ایسا نہیں تھا کیونکہ جنوبی اسٹیفورڈ شائر کے لوہے کے کارخانہ دار ۱۸۲۰ء سے سہ ماہی قیمتوں کو مقرر کرنے کے عادی تھے۔ ۱۸۶۰ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان، ڈھلواں لوہے کے مستطیل ٹکڑوں پر نگرانی رکھنے کے لئے "کلیولینڈ کے لوہے کے کارخانہ داروں کی انجمن" بنائی گئی اور "شمالی انگلینڈ کی انجمن" مصنوعہ چیزوں کی چالو قیمت کو مقرر کرنے کے لئے بنائی گئی۔ ۱۸۷۵ء کے بعد قیمتیں جس قدر تیزی کے ساتھ گریں اس کی وجہ سے ان انجمنوں کے ہاتھ میں زیادہ طاقت آگئی اور ۱۸۸۱ء میں کلیولینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے لوہے کے کارخانہ داروں نے اپنی پیداوار کو محدود اور کم کرنے کا معاہدہ کرلیا۔ ۱۸۸۴ء میں جب کہ کساد بازاری انتہائی سخت تھی کلیولینڈ کی انجمن نے چھکڑ بھٹیوں کو بند کردیا اور ان کے مالکوں کو معاوضہ ادا کیا۔ دو سال بعد صناعوں نے ایک قومی معاہدے کی گفتگو شروع کی۔ لیکن قبل اس کے کہ کوئی معاہدہ ہوتا تجارت میں نئی جان پڑ گئی اور قیمتیں بڑھنا شروع ہو گئیں۔ ۱۸۷۵ء کے بعد، جرمنی، امریکہ اور بلجیم کے فولاد بنانے والوں کے شدید مقابلے کی وجہ سے ۱۸۸۳ء میں انگلستان کے صناع قریبی طور پر متحد ہو جانے کے لئے مجبور ہوئے اور ایک مختصر مدت کے لئے انگلینڈ، جرمنی، اور بلجیم میں فولاد کی پٹریوں کے بازار کو تقسیم کرنے کے لئے ایک بھاؤ سبھا (کارٹل) انتظام کیا گیا لیکن یہ معاہدہ کامیاب ثابت نہیں ہوا اور ۱۸۸۶ء میں اس انجمن کو

توڑ دیا گیا۔

۱۸۶۰ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیان، دھات کی صنعت کی تمام شاخوں میں رضاکارانہ انجمن سازی کے اصول نے تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع کیا۔ برطانیۂ عظمیٰ کے کان کنوں کی انجمن کی طرح، برطانیہ کی لوہے کے صناعوں کی انجمن نے بھی پوری صنعت پر عام نگرانی کرنے کی کوشش کی اور اس صنعت کی ہر ذیلی شاخ نے صناعوں کی ایک انجمن قایم کی۔ حتیٰ کہ صنعت کی پیدائش کی شاخوں میں بھی انفرادیت کی وہ قدر نہیں رہی جو اسے ۱۸۵۰ء میں حاصل تھی۔ بیرونی مقابلے کے دباؤ نے نئے حالات کو ناگزیر بنا دیا تھا۔

بیرونی مقابلے کے علاوہ دوسرے عوامل بھی بڑے پیمانے کے کاروبار اور اتحاد کے رجحان پر اثر انداز ہوئے۔ صنعت قدرتی طور پر "متوازن اکائی" کی جانب ترقی کرتی ہے اور اس اکائی کا رجحان ان صنعتوں میں جہاں بڑھنے والی مشینوں اور ان کے متعلقات کی بڑی مقداروں میں ضرورت ہوتی ہے، مسلسل ایجاد و اختراع کی وجہ سے، برابر مزید اتحاد اور توسیع کی طرف رہتا ہے۔ ۱۸۶۰ء تک سرمایے کی ضروری مقدار کی فراہمی میں جو مشکلات تھیں ان کی وجہ سے اکائی کی وسعت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے پاتی تھی لیکن محدود ذمہ داری کی مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں کے ترقی پا جانے کے بعد، توسیع میں جو یہ ایک اہم رکاوٹ تھی وہ باقی نہیں رہی۔

یوں تو یہ بات اور بہت سی صنعتوں پر بھی صادق آتی ہے لیکن عمودی اتحاد کا جو عام رجحان برطانیہ عظمیٰ کی لوہے اور فولاد کی صنعتوں میں پایا جاتا تھا۔ اس کے خاص اسباب تھے۔ اول تو خام مال اور درمیانی پیداوار مثلاً ڈھلے ہوئے لوہے کے مستطیل ٹکڑوں اور فولاد کے لئے بازار کے حالات بہت ناپائدار ہوتے ہیں۔ صنعت میں جو بہت زیادہ سرمایۂ قائم لگا ہوتا ہے وہ مالکوں کو مجبور کرتا ہے کہ جب تک ابتدائی لاگت وصول نہ ہو۔ مشین کو برابر چلاتے رہیں۔ اگر خام اور درمیانی مدارج کی اشیاء کی پیدائش صرف ایسے کارخانوں کے ہاتھ میں ہو جو مخصوص کار سے کام لیتے ہیں تو جب مکمل اشیاء تیار کرنے والے اپنی شرح پیدائش کی رفتار کو سست کر دیتے ہیں، تو ایک عرصے کے لئے مال کی افراط اور بھرمار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب خام مال

کی پیداوار کسی وجہ سے گھٹ رہی ہو تو مکمل اشیاء کے تیار کرنے والوں کے لئے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ وسعت پذیر بازار سے فایدہ اٹھاسکیں۔

دوسرا فایدہ جو شاید اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ عمودی اتحاد کی صورت میں دھات کو ایک ہی دفعہ گرم کر کے اس پر کئی کام انجام دیے جا سکتے ہیں جہاں بنیادی کام تخصیص یافتہ کارخانوں میں پورا کیا جاتا ہے وہاں ایک دفعہ دھات کو پگھلانے کے لئے گرم کیا جاتا ہے۔ پھر اسے لچکدار لوہے یا فولاد میں تبدیل کرنے کے لئے اور پھر ڈلوں[1] کو مکمل اشیاء کی صورت میں تبدیل کرنے کیلئے عمودی اتحاد کی صورت میں کچ دھات جھکڑ بھٹی میں جاتی ہے اور پگھلا ہوا ڈھلواں لوہا جب وہ پوری طرح گرم ہوتا ہے صاف کر لیا جاتا ہے اور اس کے ڈلے بنا لئے جاتے ہیں اور پھر بیلن سے دبانے والی گرنیوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اس طرح ایندھن کے خرچ میں جو اس صنعت کی لاگت کا نہایت اہم عنصر ہے بے انتہا کفایت ہو جاتی ہے۔ ضائع شدہ حرارت اور گیسوں سے بھی اس انتظام کے تحت اتنا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جتنا تخصیص کار کے تحت کام کرنے والے کارخانوں میں ناممکن ہے۔ کوک بھٹیوں اور جھکڑ بھٹیوں کی خارج شدہ حرارت سے کام لے کر جو ڈھلواں لوہا تیار کرنے کے لئے ضروری ہیں، بیلن سے دبانے والی گرنیوں، گرم جھکڑ کی مشینوں اور عام مشین کو کافی قوت محرکہ پہنچائی جا سکتی ہے۔ ان وجوہ سے اور ان کے علاوہ دوسرے بدیہی وجوہ سے، جیسا کہ شیفیلڈ کی جان براؤن اینڈ کمپنی کی نمونے کی مثال سے ظاہر ہوتا ہے تمام کام، لوہے اور کوئلے کو کان سے نکالنے سے لیکر لاتق فروخت مال کی تیاری تک۔ ایک ہی واحد نگرانی میں پہنچنے کے لئے مائل نظر آتے ہیں

۱۵۔ دھات کی صنعتوں میں تحصیر

جب ایک دفعہ کچ دھات کو پگھلانے کا مسئلہ حل ہو گیا تو پھر صنعت قدرتی طور پر، کوئلے کے علاقوں، خصوصاً جنوبی اسٹیفورڈ شائر گلیمارگن کی وادی، مان متھ شائر، ٹائن کی وادی، جنوبی یارک شائر اور لنکا شائر، اور اسکاٹ لینڈ کے نشیبی علاقوں میں مجتمع ہو گئی۔ صنعت مشین سازی کی مکمل پیداوار نے انیسویں صدی کے دوران میں اپنے مقام کو بہت کم بدلا۔ لیکن

[1] Ingots

اس کے مقابلے میں پگھلانے والی صنعت میں، ۱۸۵۰ء سے لوہے کے پتھر کے نئے علاقوں اور سمندر کی طرف منتقل ہونے کا ایک عام رجحان نظر آتا ہے۔ غالباً اس صنعت کی تاریخ میں سب سے نمایاں منظر یہ ہے کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں مڈلس برو اور بیرو کے آس پاس لوہے کی کان کنی کے کام اور پگھلانے کے کام میں غیر معمولی ترقی ہوئی اور جنوبی ویلز کی جھکڑ بھٹیاں بالائی علاقوں سے نیو پورٹ اور کارڈف کے نشیبی علاقوں کی طرف منتقل ہوگئیں اور یہ انتقال اس بے شمار کچ دھات کی وجہ سے ہوا جو اب اسپین سے درآمد کی جانے لگی تھی۔ ۱۸۶۰ء کے بعد سے شمالی لنکن شائر، لیسٹر، رٹ لینڈ اور نارتھ ایمپٹن کے لوہے کے ذخیروں سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا گیا۔ اس کچ دھات کا بیشتر حصہ پرانے مرکزوں میں پگھلایا جاتا ہے اگرچہ لنکن شائر کے فورڈ نگھم اور اسکنتھروپ کے علاقے میں اور نارتھ ایمپٹن میں کیٹرنگ اور ویلنگ بورو کے درمیان جھکڑ بھٹیاں لگا دی گئی ہیں۔

کوئلے کی صنعت میں، گہرے سوراخ کرنے کا طریقہ (جس نے موجودہ صدی میں ڈونکاسٹر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے اور جس کا اثر کنٹ پر بھی ایسا ہی پڑ سکتا ہے) کان کنی کی تاریخ میں، ایک نئے باب کا اضافہ ہے جس کی اہمیت کا ابھی پوری طرح اندازہ نہیں کیا گیا ہے۔

باب (۳)

پارچہ بافی کی صنعت اور دوسری صنعتیں

۱۔ تمہید صنعتی انقلاب کے نتائج پارچہ بافی کی صنعت کے لئے نہایت مہتم بالشان ثابت ہوئے اور کم سے کم خارجی طور پر یہ نسبتۃً جلدی ظاہر بھی ہو گئے تھے اور دھات کی صنعتوں کے مقابلے میں زیادہ نظر فریب بھی تھے۔ اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں صنعتی کیمیا کے سوا کسی صنعت کو بھی بالکل نیا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ لیکن سنہ ۱۷۶۰ء میں کوئلے اور لوہے کی صنعتیں پارچہ بافی کے مقابلے میں نسبتۃً غیر اہم تھیں کیونکہ کپڑے کی تاریخ کا سلسلہ پلانٹے جینسٹ خاندان تک ملتا تھا اور صدیوں سے زراعت کے بعد دوسرا نمبر اسی کا سمجھا جاتا تھا۔

سنہ ۱۷۶۰ء سے پہلے پارچہ بافی میں ایجادیں غیر معروف نہیں تھیں اور نہ فیکٹری کا نظام کوئی بالکل نئی چیز تھا۔ سولھویں صدی میں ایک ہی چھت کے نیچے۔ بڑے پیمانے پر مال تیار کرانے کی مثالیں بھی بڑھ رہی تھیں اور اٹھارویں صدی کے نصف اول

میں، ریشم کی صنعت میں، جدید فیکٹری، بجز بھاپ کی قوت کے، اپنے تمام لوازمات کے ساتھ وجود میں آگئی تھی۔

۲۔ لومب کا خاندان۔

اس کام کو جان اور ٹامس لومب نے کیا تھا جو ریشم کو بٹنے والی مشین کے نمونے اپنے ہمراہ اٹلی سے لائے اور پانی کی قوت سے چلنی والی ایک فیکٹری کو ڈربی کے قریب قایم کیا بعض مستند مورخ اسی گرنی کو جدید انگلستان کی پہلی فیکٹری قرار دیتے ہیں۔ یہ بلاشبہہ ترقی کی طرف ایک نیا قدم تھا اور ریشم کی صنعت میں فیکٹریوں کی ابتدا اسی سے ہوئی۔ لومب کی مشینیں محض اوزار نہیں تھیں جن سے دستی کام کرنیوالوں کو صرف پیداوار کے بڑھانے میں مدد ملتی بلکہ یہ خود بخود کام کو پورا کرتی تھیں اور مزدور کا کام صرف ٹوٹے ہوئے دھاگوں کو جوڑنے کے مخصوص کام تک محدود رہتا تھا۔ ۱۷۶۰ء تک ایسی ریشم کی گرنیاں جو آٹھ آٹھ سو آدمیوں کو ملازم رکھتی تھیں، ڈربی، اسٹاک پورٹ، میکلس فیلڈ اور لندن جیسے مقامات میں قایم ہوگئی تھیں۔ مگر ریشم کا دھاگا بٹنے والی اس مشین کی وجہ سے، صنعت کی ان شاخوں میں، جو کام کو انتہا تک پہنچاتی تھیں، ایجادوں کی کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ مثلاً بنائی کا کام، دستی کرگھوں پر خانگی نظام کے تحت ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ توسیع، نصف صدی تک رکی رہی

۳۔ روئی کی صنعت

پارچہ بافی میں انقلاب کا زور دراصل روئی کی صنعت ہی میں رہا۔ انگلستان میں یہ صنعت تقریباً بالکل نئی تھی۔ یورپ میں مشرقی ہند کے سوتی کپڑے کے رواج کی وجہ سے اس کی بنیاد پڑی۔ سوتی کپڑے کا فایدہ بہت تھا اور اس میں توسیع کی تقریباً غیر محدود گنجایش پائی جاتی تھی کیونکہ اس کے کچے مال کو آسانی کے ساتھ مہیا کیا جاسکتا تھا۔ پھر جنوبی لنکا شائر کی آب وہوا بس تنی مرطوب تھی جتنی باریک کتائی کے لئے موزوں ہے۔ اس کے بعد ضرورت صرف ایسی ایجادوں کی تھی جو ضروری قوت محرکہ کو فراہم کرسکیں۔

کپاس کے پودے میں یہ کچا مال ایک ڈھیلی گیند کی صورت میں ملتا ہے۔ اسے صاف کیا جاتا ہے اور اس پر اور دوسرے کام کئے جاتے ہیں اور پھر انگلستان میں

کتائی کے لئے بالکل تیار حالت میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ کتائی کا کام یہ ہے کہ ریشوں کو بل دے دیا جائے تاکہ انھیں الجھا کر سوت یعنی ایک ایسا لانبا دھاگا بنایا جا سکے جو بنائی کے لئے بالکل تیار ہو۔ بُنائی کا کام یہ ہے کہ لانبے دھاگوں کے متوازی سلسلے کو ایک دوسرے سے زاویۂ قایمہ کی صورت میں رکھا جائے (تانا بانا) - ایک سلسلہ بافندے کی قطار میں ہو اور دوسرا پہلے کے مقابلے میں عمودی خط کی صورت میں اور تانے اور بانے ایک دوسرے سے الجھ کر، کپڑے کی ایک چوڑی چادر بنا دیں سوت ایک نال کے گرد لپیٹ دیا جاتا ہے جس کی (دائیں، بائیں اور واپس) حرکت سے سوت کی منزل مقصود کا تعین ہوتا رہتا ہے۔

انگلستان میں، ہندوستان سے، سوتی کپڑا بہت ابتدائی زمانے سے درآمد کیا جاتا تھا سولھویں صدی میں نیدرلینڈ کے مظلوم بُننے والوں کی ہجرت کی وجہ سے یہ صنعت غالباً چھوٹے پیمانے پر شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ لنکاشائر میں مجتمع ہو گئی اور ۱۷۰۰ء کے بعد اس نے اون کی صنعت کو کوہ پنائیں کے پار ڈھکیل دیا۔ اس کام میں غالباً لورپول کی آب و ہوا اور محل وقوع نہایت موثر عامل ثابت ہوئے، چھپے ہوئے کپڑے کو مشرق بعید سے درآمد کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ البتہ صرف دوبارہ برآمد کرنے کے لیے درآمد کی اجازت دی جاتی تھی۔ اس چیز نے لنکاشائر کی صنعت میں جان ڈالی اس امتناع کے بعد انگریز عورتیں جو سوتی کپڑا پہننے کی عادی ہو گئی تھیں، لنکاشائر کے سوت اور کتان سے بُنے ہوئے کپڑے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

پارچہ بافی کی مشینوں کے استعمال نے آہستہ آہستہ تدریجی طور پر ترقی پائی لیکن بعض ایجادوں کی نظر فریب کامیابی نے اس حقیقت پر پردہ ڈال دیا۔ سوتی کپڑے کی صنعت میں جو ایجادیں ہوئیں ان کی تکمیل بے شمار ضمنی ایجادوں کے ذریعے رفتہ رفتہ ہوئی صنعت کی ہئیت اس سُرعت اور شدت کے ساتھ تبدیل نہیں ہوئی جیسا ہم صنعتی انقلاب کے موضوع پر بعض ابتدائی مصنفوں کی کتابیں پڑھ کر خیال کرتے ہیں۔

۴۔ برمی کا جان کے

جو بڑی ایجادیں کہلاتی ہیں، وہ سب سے پہلی اُون کی صنعت میں ہوئیں ۱۷۳۳ء میں، برمی کے جان کے نے ایک ڈھرکی نال (فلائی شٹل) ایجاد کی۔ اس سے پہلے، بُننے والا، نال کو ایک

طرف سے شروع کرکے اور تانے کے ایک ایک دھاگے کو چھوڑ چھوڑ کر، ایک ہاتھ سے ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے نکالتا رہتا تھا اور پھر بانے کو کستا جاتا تھا۔ کے نے ایسا انتظام کیا کہ نال کے چلانے کے لیے صرف ایک ہاتھ کی ضرورت ہو اور دوسرا ہاتھ بانے کے لیے آزاد رہے۔ بُننے والا ایک لکڑی کو کھینچتا تھا جس سے ایک لگی ہوئی ڈور کو جھٹکا لگتا تھا اور ایک ہتوڑا نال کو دوسری جانب ڈھکیل دیتا تھا۔

۱۷۶۰ء تک ڈھرکی نال کا رواج سوتی کپڑے کی صنعت میں بھی ہو گیا اور جتنا سوت کاتنے والے کات سکتے تھے اس سے زیادہ کی بُننے والوں کو ضرورت ہونے لگی۔ اس لئے ایجاد کی صلاحیت رکھنے والے لوگ کاتنے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں تین ایجادوں کی وجہ سے انقلاب ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان کا تیار کیا ہوا سوت نہ صرف ملک کی اندرونی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی تھا بلکہ باہر بھیجنے کے لئے بھی بچ رہتا تھا۔

۵۔ کاتنے کی مشین

کاتنے کی مشین کی ابتدا در اصل کیونکر ہوئی، اس بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن بیلنوں کا اولین استعمال جان وائٹ اور لوئی پال کے ناموں کے ساتھ وابستہ ہے۔ وائٹ نے جو لیچ فیلڈ کا رہنے والا تھا پال کے ساتھ شرکت کرلی۔ پال نے اس کو مالی امداد دی اور غالباً مشین میں بھی کچھ اصلاح کی۔ بیلنوں کے دو جوڑے استعمال کئے جاتے تھے اور یہ مختلف رفتار سے چلتے تھے، پہلا جوڑ زیادہ آہستہ چلتا تھا دھاگا نکالتا تھا اور دوسرا "پونی" کو کچھ زیادہ تیز رفتار کے ساتھ آگے کھینچتا تھا اور اس طرح دھاگے کو تان دیتا تھا۔

لیکن روئی کو کاتنے سے پہلے، کچے مال سے تمام گومڑوں کو کنگھیوں کے ذریعے نکالا جاتا تھا اور اس کام کو دھنائی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ یہ ابتدائی کام گھروں پر ہوتا رہا یہاں تک کہ پال نے ایک اسطوانی شکل کی دھنے کی مشین ایجاد کی جس کا اجارہ اس نے ۱۷۴۸ء میں حاصل کرلیا۔ وائٹ اور پال کی یہ ایجادیں تجارتی لحاظ سے کامیاب نہیں رہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ موجدوں کے پاس نہ تو کافی روپیہ تھا اور نہ کاروباری سمجھ بوجھ۔ لیکن ان کی مشینیں، برمنگھم کے ایک کارخانے

میں لگائی گئیں اور کچھ سال بعد نارتھ ایمپٹن کی ایک فیکٹری میں، جہاں پانی کی قوت سے ۲۵۰ تکلے چلائے جاتے تھے۔ نارتھ ایمپٹن کے اس اقدام سے یورپ میں قوت محرکہ سے چلنے والی کتائی کی گرنی کی ابتدا ہوئی۔

۶۔ بلیک برن کے ہارگریوز

کاتنے کے کام میں، عملی کامیابی، درحقیقت سب سے پہلے ہارگریوز کو حاصل ہوئی جس نے ہاتھ سے چلنے والی "جینی" کو ایجاد کیا جو ایک وقت میں ایک تاگے کی جگہ گیارہ تاگے کاتتی تھی۔ اسے بھی اکثر موجدوں کی طرح اپنی ایجاد سے کوئی مالی منفعت نہیں پہنچی اور اس نے افلاس کی حالت میں جان دی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار اتفاقاً ایک چرخا اُلٹ گیا اور اس کے باوجود اس کا تکلہ کام کرتا رہا۔ اس سے اس کو یہ بات سوجھی کہ ایک پہیے سے کئی تکلوں کو چلایا جاسکتا ہے۔

اس نے ایک افقی پہیے اور متعدد عمودی تکلوں سے تجربہ کیا اور اسے اتنی کامیابی ہوئی کہ تکلوں کی تعداد بڑھا کر سو کردی گئی۔ اس ایجاد کا سوت کی صنعت پر کوئی اثر نہیں پڑا وہ اب بھی پہلے کی طرح صرف بانے کے لیے موزوں تھا۔

۷۔ آرک رائٹ اور کرامپٹن

۱۷۶۰ء تک کتائی کا مسئلہ اتنا ضروری ہوگیا تھا کہ سوسائٹی آف آرٹس نے، کتائی کی مشین کے لئے ایک انعام رکھا بمقابلے کے لئے جو نمونے پیش کئے گئے وہ تو بالکل معمولی تھے۔ لیکن اس سے یہ فایدہ ہوا کہ ایک شخص ہائیز نامی کو اس مسئلے کی طرف توجہ ہوگئی۔ ہائیز نے ایک مشین بنائی جس میں کتائی بیلنوں کے ذریعے ہوتی تھی لیکن سرمایے کی کمی کی وجہ سے اُسے تکمیل تک نہیں پہنچا سکا۔ کتائی کی تاریخ میں ہائیز کی اہمیت صرف یہ ہے کہ اس کی مشین کا نمونہ اگر آرک رائٹ کے واٹر فریم کی اصل نہیں تو ابتدا ضرور تھا۔ کتائی کی تاریخ میں، پریسٹن کے آرک رائٹ کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس کی مشین کے اصلی نمونے کو اب بھی جنوبی کنسنگٹن کے عجائب خانے میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ وائٹ اور پال کی ایجاد سے صرف جزئیات میں مختلف ہے۔ بیلنوں کے جوڑے کے اصول کو، آرک رائٹ نے اپنے آبی فریم میں جاری رکھا۔ اوپر کے جوڑے پر تاگا پکڑنے کے لئے چمڑا چڑھا دیا جاتا تھا اور نیچے کا جوڑا نالی دار

رکھا جاتا تھا تاکہ تاگا نکل سکے۔ آرک رائٹ کے زمانے سے پہلے تانا تیار کرنے کے لئے پونی بنانے کا کام ہاتھ سے کیا جاتا تھا، اب یہ کام آبی فریم سے کیا جا سکتا تھا۔ جتنی سختی اور مضبوطی درکار تھی دو بیلنوں کی رفتار کے فرق سے پیدا کی جا سکتی تھی۔ مشین کی اصطلاح کا جو مفہوم موجودہ زمانے میں ہے کہ وہ ساخت میں پیچیدہ اور عمل میں نازک ہوتی ہے، اس لحاظ سے بھی اس ایجاد کو مشین کہا جا سکتا ہے۔

آرک رائٹ کے پاس وہ چیز تھی جس کی وائٹ، پال اور ہارگریوز میں کمی تھی یعنی صحیح کاروباری قابلیت۔ اس لئے پریسٹن کے ایک شراب فروش اسمالی نامی کو اپنے منصوبوں میں شریک کار بنا لیا اور اس کے اثر سے ناٹنگھم کے ساہوکاروں سے سرمایہ فراہم ہوگیا۔ اس ایجاد کے چلنے میں جو غیر متوقع دشواریاں پیدا ہوئیں، اس کی وجہ سے وہ لوگ مدد سے دستکش ہو گئے۔ لیکن آرک رائٹ نے کسی طرح ناٹنگھم کے نیڈ اور ڈربی کے اسٹرٹ کا اشتراک عمل حاصل کر لیا۔ اسٹرٹ کو مشین سے کچھ واقفیت تھی اور اس نے اس مشین کا مطالعہ کر کے کئی مفید مشورے دیے۔

سنہ ۱۷۷۱ء میں دریائے ڈروِنٹ کے کنارے، کرام فرڈ میں کتائی کی ایک گرنی قائم کی گئی اور اس اقدام میں کامیابی کی وجہ نہ صرف کرنے والوں کی کاروباری صلاحیت تھی بلکہ یہ بھی کہ اس آبی فریم سے اتنا کافی مضبوط سوت تیار ہوا کہ اب اس میں کتان کے ملانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے اب یہ ممکن ہوگیا کہ خالص روئی کا ایسا مال، انگلستان میں تیار کیا جائے جو ہندوستان کے مال کا ہم پلہ ہو۔ لہٰذا اگر آرک رائٹ کو کتائی کی مشین کا اصل موجد نہ بھی مانا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ انگلستان کی موجودہ سوتی پارچہ بافی کا بانی تھا۔ سنہ ۱۷۷۵ء میں اس نے اور دوسری ایجادوں کو محفوظ (پیٹنٹ) کرایا۔ مثلاً دھنکنے کی مشین، دھری پھیر کنگھا جو دھنکی ہوئی روئی کو الگ کرتا تھا، پونی بنانے والا فریم جو دھنکی ہوئی روئی کو بل دیتا تھا اور سامان رساں آلہ جو خام روئی کو دھنکنے کی مشین میں پہنچاتا تھا۔

آرک رائٹ کو بھی اکثر دوسرے موجدوں کی طرح اپنے حریفوں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ غریب آدمیوں کی ایجادوں کو ہتھیا لیتا ہے اور سنہ ۱۷۸۵ء میں پارلیمنٹ نے اس کو ایجادوں کے حقوق سے محروم

کردیا۔ لیکن اس کے بعد بھی وہ انگلستان میں سوت کی کتائی کا سب سے بڑا کارخانہ دار بنا رہا اور اوڑ سے ل ال ڈیل کی شرکت میں اس نے اسکاٹ لینڈ میں نیو لینارک مل کو قایم کیا اور ایک دوسری مل بلیک ول میں قایم کی۔ اس نے اپنے ناٹنگھم کے کارخانے میں سب سے پہلے بھاپ کے انجن کو استعمال کیا اور جب وہ ۱۷۹۲ء میں مرا تو اس نے پانچ لاکھ پاؤنڈ کی جایداد چھوڑی۔

واٹر فریم، بہت جلد اپنی ساخت کی سہولت کی وجہ سے عام طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اس کو دوبارہ بنانے کے لئے کسی خاص فنی مہارت کی ضرورت نہیں تھی۔ جو مشین شروع میں استعمال کی گئی اُسے بڑھئی اور لوہار بنا سکتے تھے۔ اس لئے جو صناع بھی آرک رائٹ کے کسی کاریگر کو لالچ دیکر اپنے یہاں لے آتا تھا وہ آسانی سے اس ایجاد کی نقل اتار سکتا تھا۔

آرک رائٹ ایجاد کی خاص اہمیت یہ ہے جیسا اس کے نام آبی فریم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے قوت محرکہ سے چلانے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس سے پہلے جو ایجادیں ہوئی تھیں وہ صرف گھر پر کام کرنے والوں کی پیداوار کی قوت کو کچھ بڑھادیتی تھیں آرک رائٹ کی ایجاد کی جدت یہ تھی کہ اس نے مشین کو اس کام کے لئے استعمال کیا جو اس وقت ہاتھ سے کیا جاتا تھا۔ اس لئے اس نے کتائی کے کام میں انقلاب پیدا کردیا اور اسے بجائے خانگی صنعت کے کارخانے کی صنعت بنا دیا۔

لیکن آرک رائٹ اس باریک سوت کو تیار نہیں کرسکا جو سبک اور نازک کپڑوں کے لئے درکار ہوتا ہے ۱۷۶۳ء میں بولٹن کے شا نے انگلستان میں ململ بنانا شروع کی۔ لیکن اس صنعت کا دار و مدار ہندوستان سے باریک سوت کی درآمد پر تھا۔ ہارگریوز کی جینی لئے باریک سوت تیار کیا تھا لیکن ناکافی مقدار میں کیونکہ اس کے طریقے پر عمل کرنے میں کاتنے والے کو ہر وقت اس قدر متوجہ رہنا پڑتا تھا۔ کہ وہ سوت کی پیداوار کو بڑھا نہیں سکتا تھا

بڑے پیمانے پر باریک سوت کی پیداوار کرامپٹن (۱۷۵۳ء تا ۱۸۲۷ء) کی ایجاد میول کے ذریعے حاصل کی گئی۔ کرامپٹن نے جو بولٹن کا رہنے والا تھا میول کو ۱۷۷۹ء میں ایجاد کیا۔ اس کی ایجاد میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے جینی اور بیلنوں

کے اصول کو یکجا کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے اندر ایک تکلہ گاڑی[1] کا بھی اضافہ کر دیا گیا جو اس کی اپنی ایجاد تھی۔ یہ تکلہ گاڑی جب پیچھے ہٹتی تھی تو اس سے تاگا تدریجی طور پر بڑھتا رہتا تھا اور اس سے ایک باریک اور نازک تانا تیار ہو جاتا تھا۔ جینی کی طرح ابتدائی میول بھی لکڑی کے بنائے گئے تھے لیکن ۱۷۸۳ء میں ایک ترقی یافتہ نمونہ دھات کے بیلنوں اور پہیوں کا بنایا گیا۔ ۱۷۹۰ء میں ولیم کیل نے خودبخود چلنے والا میول، ایجاد کیا جس میں کئی سو تکلے لگے ہوئے تھے اور ۱۸۰۰ء تک میول نے روئی کی صنعت میں جینی کی جگہ لے لی۔

میول ایک عہد آفریں ایجاد تھی۔ اس کا کاتا ہوا سوت نہ صرف مشرقی ہندوستان کے بہترین سوت سے بہتر تھا بلکہ اس قدر باریک ہوتا تھا کہ ویسا سوت ہاتھ سے کاتنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس لئے اسے پارچہ بافی کی ایجادوں میں سب سے زیادہ اہم ایجاد سمجھنا چاہیے اور اس کی ترقی سے روئی کی صنعت کی رفتار پر نہ صرف انگلستان بلکہ تمام یورپ میں بہت گہرا اثر پڑا کیونکہ اس کی وجہ سے مغربی دنیا باریک کپڑے اور سوت کے لئے ہندوستان کی دائمی محتاجی سے آزاد ہوگئی۔

۸۔ وہٹنی کی بنولا نکالنے کی ساجن۔

اٹھارھویں صدی کے آخر میں، ایک اور ایجاد کی وجہ سے جس نے خام روئی کی پیداوار میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، قوت محرکہ سے، روئی کاتنے کے کام کو بہت زبردست ترقی ہوئی۔ اس صدی کے بیشتر حصے میں، امریکہ سے خام روئی کی درآمد صرف لانبے ریشے والی یا سی آئی لینڈ روئی تک محدود تھی جو صرف چند منتخب علاقوں میں پیدا ہوتی تھی۔ وہٹنی کی ساجن نے جو روئی سے بنولے الگ کرتی تھی چھوٹے ریشے کی روئی کے استعمال کو بھی نفع بخش بنا دیا۔ اور چونکہ چھوٹے ریشے کی روئی کو امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں سب جگہ نفع بخش طریقے پر بویا جا سکتا تھا اس لئے امریکہ نے تقریباً غیر محدود مقدار میں، کچے مال کو برآمد کرنا شروع کر دیا

۹۔ بنائی

ان تبدیلیوں کا خالص نتیجہ یہ نکلا کہ سوت کی رسد بے انتہا

[1] Spindle Carriage

بڑھ گئی اور اس کی قیمت گھٹ گئی جس کی وجہ سے کتائی اور بنائی کا توازن پھر بگڑ گیا۔ اس لیے کپڑے کی پیدائش کو بڑھانے کے لئے ایجادوں کی ضرورت پڑی کیونکہ ان کے بغیر سوت کی برآمد شروع ہو جاتی اور بنائی کا کام دوسرے ملکوں میں ہونے لگتا۔

یہ مسئلہ مشکل ضرور تھا لیکن ناقابل حل نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دو فریموں کی حرکت کو جن پر تانا کھینچا جاتا تھا اور اس نال کی حرکت کو جو ان کے درمیان سے گزرتی رہتی تھی سترھویں صدی میں فیتوں کے بننے کے لئے یورپ میں استعمال کیا جانے لگا تھا۔ لیکن یہ کام پیچیدہ تھا اور اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی یہاں تک کہ ایک پادری اڈمنڈ کارٹ رائٹ (۱۷۴۳ء تا ۱۸۲۳ء) نے جسے مشین کا کوئی خاص علم نہیں تھا اس مسئلے کی طرف توجہ کی۔ ۱۷۸۵ء میں اس نے ایک قوت محرکہ سے چلنے والے کرگھے کا نمونہ بنایا جسے ایک ہی مرکز سے چلا سکتے تھے۔ لیکن اس سے کوئی خاص فایدہ نہیں ہوا جب اس کی واقفیت زیادہ مکمل ہو گئی اور اس نے دوسرے کرگھوں کو جانچا تو اس نے اپنی غلطیوں کی اصلاح کی اور رفتہ رفتہ ایک لایق استعمال کرگھا بن کر تیار ہو گیا۔ ۱۷۸۷ء میں ڈنکاسٹر میں ایک چھوٹی سی فیکٹری قایم کی گئی جسے ایک دخانی انجن سے جو برمنگھم سے لایا گیا تھا چلایا جاتا تھا۔ لیکن اس اقدام میں ناکامی ہوئی اور اس کا موجد تقریباً برباد ہو گیا۔ بہر حال کارٹ رائٹ نے اون کو تو لنے یا بل [illegible] نکالنے والی ایک مشین ایجاد کی جس کے بعد میں اچھے نتایج نکلے۔

قوت محرکہ سے چلنے والے کرگھوں کو پہلے تجارتی کامیابی در اصل اسکاٹ لینڈ میں حاصل ہوئی اور ۱۷۹۳ء میں رابرٹ سن نے گلاسگو اور ڈمبرٹن میں کرگھے لگا دیے۔ ابتدائی کرگھے کی ایک خرابی یہ تھی کہ تانے کو ہموار کرنے کے لئے جب اسے کرگھے کے ترتر[1] سے کھولا جاتا تھا تو کام کو بار بار بند کرنا پڑتا تھا۔ اس مشکل پر اس طرح قابو حاصل کیا گیا کہ ریڈکلف اور راس نے ایک ایسے پرزے کو پیٹنٹ کرایا جو تانے کو ترتر[1] پر لپیٹنے سے پہلے ہموار کر دیتا تھا۔ لیکن در اصل یہ ان کے ایک ملازم ولیم جانسن کی ایجاد تھی۔ ۱۸۰۳ء اور ۱۸۱۳ء کے درمیان اسٹاک پورٹ کے ہورکس نے پوری دھات سے بنی ہوئی ایک اچھی

[1] Beam

کارگزار مشین تیار کی اور اس کی وجہ سے قوت کے کرگھے نے اپنی موجودہ صورت اختیار کرلی۔ اس ایجاد سے خود ہورکس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ لیکن رابرٹس اور شارپ نے اس کے خیالات کو ترقی دی اور سنہ ۱۸۲۲ء میں ایک ترقی یافتہ نمونہ بازار میں آیا۔ یہ پہلی مشین تھی جو واقعی ہاتھ کی صنعت کا مقابلہ کامیابی سے کرسکتی تھی۔ یہی اسکی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن قوت کا کرگھا اپنی موجودہ شکل کے قریب قریب سنہ ۱۸۴۱ء کے بعد پہنچا جب بلیک برن کے کین ورڈی اور بلو نے ایک ایسا کرگھا ایجاد کیا جس میں خودبخود کام کرنے والی شکنجی، رُکنے اور کام شروع کرنے کی حرکت پائی جاتی تھی۔ [لہ] اس کرگھے نے بننے کی محنت کو بہت کم کردیا اور اعلیٰ درجے کے کپڑے کا بڑی مقدار میں تیار ہونا ممکن ہوگیا۔

۱۰۔ چھپائی اور رنگائی

سنہ ۱۷۸۰ء اور سنہ ۱۸۰۰ء کے درمیان روئی کی صنعت کی تکمیلی شعبوں میں بڑی اصلاحیں کی گئیں سنہ ۱۷۸۳ء تک چھپائی ہاتھ سے چھاپ کر کی جاتی رہی۔ یہ کام بہت مہنگا اور محنت طلب تھا۔ سنہ ۱۷۸۳ء میں ٹامس بیل نے ایک گھومنے والے شکنجے میں لگے ہوئے، تانبے کے استوانوں کو جاری کیا اور محنت بچانے والی یہ ایجاد جلد ہی تمام لنکا شائر میں استعمال کی جانے لگی۔ اس سے بھی زیادہ اہم چیز، رنگ اُڑانے کے کام میں کیمیا کا استعمال تھا۔ کیونکہ برتھولٹ نے کلورین کی رنگ اُڑانے کی جو خاصیت دریافت کی تھی اُسے گلاسگو کے ٹینینٹ نے سنہ ۱۷۹۹ء میں تجارتی حیثیت سے استعمال کیا اور اب مہینوں کا کام دنوں میں ہونے لگا۔

دراصل یہی دریافت تھی جس نے روئی کی صنعت کی ابتدائی منزلوں کو سنہ ۱۸۰۰ء کے بعد اتنی تیزی سے وسیع ہونے کا موقع دیا کیونکہ اس طریقے کو بعد میں مانچسٹر کے ٹامس ہنری نے اور ترقی دی۔ اسی زمانے میں، مانچسٹر کا ایک اور شخص ٹیلر، قرمزی رنگ کے تیار کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس نے جلد ہی ہندوستانی چھپائی کا مقابلہ کرنا شروع کردیا۔ کتان اور سوت کے لئے گلنار، سبز اور پیلے رنگ بھی استعمال کئے

لہ Self-Acting Temple, Stop and Taking-Up Motion.

جانے لگے۔

۱۱۔ بعد کی ترقی ۱۸۳۰ء تک لنکا شائر کی صنعت میں خانگی نظام اور ابتدائی اوزاروں کا استعمال جاری رہا اور یہی چیز ہے جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ صنعتی انقلاب کی ترقی پارچہ بافی کی صنعت میں بھی آہستہ آہستہ ہوئی ۱۸۲۴ء میں، لکڑی کی بہت سی جینیوں کو لنکا شائر کی گرنیوں میں ہاتھ سے چلایا جاتا تھا کیونکہ خود بخود چلنے والے دھات کے میول صرف ترقی یافتہ فیکٹریوں ہی میں استعمال کیے جاتے تھے۔ رابرٹس کا خود بخود کام کرنے والا میول (۱۸۲۵ء) جس کی اصلاح بعد میں ۱۸۳۰ء میں کی گئی، انیسویں صدی کے نصف اول میں روئی کی صنعت کی نہایت اہم ایجاد تھی اور بعض لحاظ سے کرامپٹن کی ایجاد سے بھی بڑھی ہوئی تھی کیونکہ اس کا کام بالکل خود بخود ہوتا تھا۔ دراصل ۱۸۳۰ء کا ترقی یافتہ نمونہ ہی وہ چیز تھی جس نے کتائی کو حقیقۃً ایک دخانی قوت کا کام بنا دیا۔

۱۸۳۰ء سے ترقی عہد آفریں ایجادوں کی بجائے زیادہ تر تدریجی اصلاح کی صورت میں ہوتی رہی ہے مگر اس میں شک نہیں ترقی ہوئی ضرور۔ امریکہ کی خانہ جنگی کے دوران میں (۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۵ء) خام روئی کی قیمت میں جو بہت بڑا اضافہ ہوا اس نے ترقی یافتہ مشین، خصوصاً نئے اور مشکل ریشوں کی کتائی کرنے والی مشین کو رواج دینے میں بہت مدد دی۔ چنانچہ "رنگ اسپننگ" کا نظام جس کی وجہ سے تکلوں کے لئے ناقابل یقین تیز رفتار کے ساتھ گھومنے کا امکان پیدا ہوا، عام طور پر اختیار کر لیا گیا۔ اسی زمانے میں اور دوسری ایجادیں جو عام طور پر استعمال کی جانے لگیں وہ بانے کو روکنے والی حرکت، دوہرا کام کرنے والا جے کارڈ کا کرگھا۔ ہائیلمن کی روئی کو تومنے والی مشین تھی جو خود بخود ان لانبے ریشوں کو جو باریک کتائی کے لئے ضروری ہیں، علحدہ کر دیتی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں بجلی کی کتائی کی پہلی گرنی مانچسٹر کے قریب ہنڈل بری میں کھولی گئی اور اس مثال کی دوسری جگہ بھی پیروی کی گئی۔ یہ صنعت ابھی تک ترقی کر رہی ہے اگرچہ مشرقی بازاروں میں بے چینی ہونے اور جاپان کے نئے مقابلے کی وجہ سے اس میں عارضی کساد بازاری پائی جاتی ہے۔

۱۲۔ اون اون کی صنعت میں ایجادوں کی ترقی آہستہ آہستہ ہوئی لیکن

روئی کی صنعت میں جن اصلاحوں سے فایدہ اٹھایا گیا انھیں ہر لچکدار اور ریشہ نما چیز پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے اُون کی صنعت میں بھی رفتہ رفتہ مشینوں کی صنعت جاری ہو گئی خصوصاً ویسٹ رائڈنگ میں جہاں پانی کی قوت اور کوئلہ موجود تھا۔

روئی کے مقابلے میں اُون کی صنعت میں، ترقی کی رفتار کے سست ہونے کے کئی وجوہ تھے۔ اول تو اُون کی صنعت بہت زیادہ منتشر تھی اس لئے فنی اصلاحیں بہت آہستہ ہی آہستہ پھیل سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تکے کی ڈھرکی نال سامرسٹ اور ولٹ شائر کے گاؤں میں ایجاد کے ستر سال بعد تک رایج نہیں ہو سکی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ بننے والے مزدور، روئی کے علاقے کے مقابلے میں، اُون کے علاقے میں بہت زیادہ تھے خصوصاً نپولیانی جنگوں کے فوراً بعد۔ لیکن اس سے بھی زیادہ بنیادی وجہ یہ تھی کہ خام اُون کی رسد بڑھانا مشکل تھا۔ کپاس کے پودے کے مزروعہ علاقے کو چند سال کے اندر غیر محدود طور پر وسعت دی جا سکتی تھی لیکن اُون کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ اس لئے جب تک آسٹریلیا سے بڑی رسد آنا شروع نہیں ہوئی اسوقت تک فیکٹری کا نظام اُون کی صنعت میں مضبوطی کے ساتھ جڑ نہ پکڑ سکا۔

ان کے علاوہ ایک اور سبب بھی تھا جس کی نوعیت مختلف تھی۔ روئی کی صنعت نسبتہً ایک نئی صنعت تھی۔ لیکن اُون کی صنعت کی ترقی میں، قرنوں کی گھریلو صنعت کی روایات مزاحم ہوتی تھیں جس کی وجہ سے اس کے مزدور، فیکٹری میں داخل ہونے سے گھبراتے تھے۔ دستی کرگھوں پر بننے والے '' بے چین اور آزاد لوگ تھے اور انھیں فیکٹری کی حدود میں داخل ہونے کے لیے اس وقت تک مجبور کرنا مشکل کام تھا جب تک کہ ۱۸۳۰ء میں، قوت کے کرگھے میں ایسی اصلاحیں نہیں ہوئیں جنھوں نے دستی کرگھے کو کھیتوں سے نکال باہر کیا۔ آخری وجہ یہ تھی کہ سیکھے ہوئے ہوشیار مشین ساز موجود نہیں تھے اس لئے قابل اعتبار مشینوں کا دستیاب ہونا مشکل تھا اور غالباً اسی وجہ سے خود لنکاشائر میں ۱۸۳۰ء تک بالکل ابتدائی اوزار استعمال ہوتے رہے۔

یارک شائر میں کتائی کی جینی ۱۷۸۵ء تک عام استعمال میں نہیں آئی حالانکہ اس زمانے میں لنکا شائر میں اس کی جگہ میوَل اور آبی فریم استعمال کئے جانے لگے تھے۔ انگلستان کے جنوب مغربی اُون پیدا کرنے والے اضلاع میں گھریلو کام کرنے والوں کی

اس کی اتنی زبردست مخالفت کی کہ اُسے ۱۷۹۰ء تک عام طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ صنعتی سرمایہ داری کی ترقی میں جینی سے کوئی مدد نہیں ملی۔ یہ محنت کے بجائے استعمال ہونے والی مشین نہیں تھی بلکہ محض اوزار کی حیثیت رکھتی تھی جو کسی قدر زیادہ کارگزار تھی۔ اس لئے مغربی یارک شائر میں جہاں کتائی کے چھوٹے چھوٹے کارخانہ دار ہر گاؤں میں ملتے تھے اس کو اچھی خاصی مقبولیت حاصل تھی۔

۱۳۔ بنجامین گوٹ

یارک شائر میں کتائی کرنے والا پہلا شخص جس نے بڑے پیمانے پر قوت محرکہ کا استعمال کیا وہ بی۔ گوٹ تھا جس نے ۱۸۰۰ء سے کچھ پہلے بولٹن اور واٹ کے انجن لگائے۔ اس نے کیمیاوی انگریزی کے بھی بہت سے تجربے کئے اور وہ لیڈز کی موجودہ صنعت کے بانیوں میں سے ہے۔ فشٹر بروک اور ہرسٹ دوسرے لوگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے لیڈز کے ضلع میں قوت محرکہ سے کتائی کا کام شروع کیا۔ اور ہرسٹ کا تو یہ دعوے ہے کہ کاتنے والوں میں سب سے پہلے اُس نے اُون کی صنعت میں میول کو استعمال کیا۔

۱۸۱۰ء تک یارک شائر کے بہت سے صناع کتائی کے لئے میول اور بنائی کے لئے ڈھر کی نال کو استعمال کرنے لگے تھے۔ لیکن ترقی کی رفتار سست تھی یہاں تک کہ اب سے کچھ دن پہلے یعنی ۱۸۵۰ء تک تافتے کو چھوڑ کر معمولی اُون کا دھاگا زیادہ تر ہاتھ ہی کا کتا ہوا ہوتا تھا۔ اُون کی صنعت کی اس شاخ میں ۱۸۵۰ء تک قوت محرکہ سے چلنے والی مشینیں زیادہ تر دھنکنے کے لئے استعمال کی جاتی تھیں۔

۱۴۔ تافتے کی صنعت

ابتدا میں اُون اور تافتے[1] کی صنعتیں علٰحدہ علٰحدہ تھیں اول الذکر میں چھوٹے ریشہ اور موخر الذکر میں لانبے ریشے کی اُون استعمال کی جاتی تھی اب تافتے کی صنعت میں ہر لمبائی کی اُون کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اب اس کی جگہ دوسرا فرق یہ کیا جانے لگا ہے کہ ایسا تافتہ جس کے ریشے سیدھے ہوتے ہیں اور جس کے بلوں کو کنگھی سے کھول کر متوازی کیا جاسکتا ہے اور جنھیں حسب دستور بٹا جاسکتا ہے اور ایسے اونی ریشے جو بل کھائے ہوئے

[1] Worsteds

ہوتے ہیں اور جنھیں گرم اور گیلا کرکے اور کوٹ کر نمدے کی صورت دی جاتی ہے۔

تلفتے کی صنعت میں رکاوٹ یہ تھی کہ اُس کے ریشے (خصوصاً نوآبادیوں کے اُون کے) بل کھلنے کے بعد متوازی نہیں رہتے تھے۔ انگلستان کی اُون پر تو ایک حد تک مشین سے کام کیا جا سکتا تھا لیکن غیر ملکی اُون کے لئے ہاتھ سے تومنے کی ضرورت تھی جس پر لاگت بہت آتی تھی اور جس کی وجہ سے کارخانہ دار تومنے والوں کے جو خوب منظم تھے رحم و کرم پر رہتے تھے۔

اس صورت حال کو سب سے پہلے کارٹ رائٹ کی ایجاد نے دور کیا جسے ۱۸۲۵ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان عام طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ کارٹ رائٹ نے دو طریقوں کو آزمایا، ایک عمودی اور دوسرے افقی مدور۔ اول الذکر غیر ملکی صناعوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا لیکن موخرالذکر کو انگلستان میں لیسٹر اور دوسرے لوگوں نے ترقی دی۔

۱۵۔ سیموئل لسٹر اور سر ٹائٹس سالٹ

سیموئل کنلف لسٹر نے جو بعد میں لارڈ میشم کہلایا، اپنی بہت سی ایجادوں میں سے دو تین سے بہت روپیہ کمایا۔ اس نے ۱۸۴۵ء کے لگ بھگ مشین سے تومنے کے کام کو کامیاب بنایا اور اس بنا پر آہستہ آہستہ اس نے تومنے کی صنعت پر پورا اقتدار حاصل کر لیا۔ اُس کے بعد یہ مرتبہ سر اسحٰق ہولڈن کو حاصل ہوا۔ اس کا طریقہ تمام لانبی اُون کے لئے موزوں تھا خواہ وہ ایشیائے کوچک کے انگورا مینڈھے کی موہیر ہو، خواہ پیرو کے بھیڑ جیسے جانور الپاکا کی۔ اس ایجاد کے بعد ہولڈن کے طریقے کو رواج ہوا جو چھوٹی اور اعلیٰ قسم کی اُون کے لئے موزوں تھا۔ ان دونوں طریقوں کی جگہ بعد میں نوبل کی کنگھی نے لے لی جسے لسٹر کے ایک مشین ساز نے ایجاد کیا تھا اور جو ہر لمبائی اور ہر قسم کے اُون کے لئے استعمال کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ اون اور تلفتے میں پرانے مفہوم کے مطابق جو فرق تھا وہ دور ہو گیا۔

تمانی یا بل نکالنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لانبے ریشوں کو صرف متوازی شکل یعنی "لچھے"[1] کی شکل میں حاصل کیا جائے اور چھوٹے اور "الجھے ہوئے ریشوں"[2] کو نکال دیا جائے۔ اول الذکر کو تلفتے کے کپڑے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا اور موخرالذکر کو نمدے کے لئے "لچھے" سے خوشنما کپڑا تیار ہوتا تھا

[1] Top [2] Noils

اور "الجھے ہوئے ریشے" سے پائیدار کپڑا۔

لسٹر کا بڑا حریف سر ٹائٹس سالٹ تھا۔ ۱۸۳۶ء میں، لورپول میں کچھ موٹی اُون، اس خیال سے کہ اس سے کام لینے میں بہت محنت اور خرچ پڑے گا گودام میں ڈال دی گئی تھی۔ سالٹ کو اس کی خبر لگی اور اس نے اُسے سستی قیمت پر خرید لیا۔ اس نے صبر کے ساتھ مکمل طریقے پر اپنے تجربوں کو جاری رکھا اور یہ دکھلا دیا کہ اس سے بہت اچھی طرح کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے اُون کی ایک نئی صنعت کی بنا رکھی جس کا مرکز بریڈ فورڈ تھا اور اب بھی ہے۔

۱۸۵۳ء میں جب وہ کاروبار سے دستکش ہونے کا تقریباً فیصلہ کر چکا تھا اس نے ایک بہترین نمونے کا صنعتی شہر آباد کیا جس کا نام سالٹیر تھا اور جو الپاکا کی صنعت کے لئے وقف تھا۔ اس نے ایک نمونے کا کارخانہ بھی قایم کیا اور اپنے مزدوروں کے معاملات سے ایسی دلچسپی لی جس کی کوئی مثال سننے میں نہیں آئی تھی۔ انیسویں صدی کی معاشری تاریخ میں اس کا مرتبہ بلند ہے۔ الپاکا کی جدت کچھ دن کے بعد جاتی رہی صناعوں نے موہیر کو جو اُس سے ملتا جلتا مال تھا چلایا اور اُون کی ایک اور صنعت قایم کی موہیر کا کام بیشتر اُسی علاقے اور اُسی گرنی میں ہوتا تھا جس میں الپاکا کی بنائی کا کام کیا جاتا تھا۔

سوت کی صنعت کی طرح، اُون کی صنعت میں بھی کتائی کے مقابلے میں بُنائی نے فیکٹری کی شکل بہت سست رفتار کے ساتھ اختیار کی۔ ۱۸۴۱ء تک اُون بُننے والوں کی بہت بڑی تعداد فیکٹری کے باہر کام کیا کرتی تھی حتیٰ کہ ۱۸۵۰ء تک قوت محرکہ سے چلنے والے کرگھوں کی تعداد سوت کی صنعت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔

۱۶۔ کتان

پارچہ بافی کی صنعت میں کتان کے کپڑے کی شاخ کو انگلستان میں کبھی بھی اتنی اہمیت حاصل نہیں ہوئی جتنی اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ میں تھی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اِن ملکوں کو سن کے بونے میں بہتر سہولتیں حاصل تھیں۔

کتان کو بُننے والی پہلی مشین ۱۷۸۷ء کے قریب ڈارلنگ ٹن کے رکن ڈریو اور پورٹھس نے ایجاد کی۔ لیڈز کے جان مارشل نے اس میں کئی اصلاحیں کیں لیکن اسکی مشین صرف موٹے دھاگے کے لئے موزوں تھی۔ ۱۸۲۶ء تک مشین کے استعمال میں ریشوں

کے لیس دار ہونے کی وجہ سے دشواری رہی۔ اس مشکل کو تسّے کے طریقے پر سن کو تیار کر کے دور کیا گیا جس کے رواج نے سنہ ۱۸۴۰ء میں دستی کتائی کو تقریباً بالکل فنا کر دیا۔ قوت محرکہ کے ذریعے کتان کی بنائی سنہ ۱۸۴۰ء تک شروع نہیں کی جا سکی لیکن سنہ ۱۸۶۷ء میں بھی گو دستی کرگھے تیزی سے غائب ہو رہے تھے مگر پھر بھی ڈنڈی اور ڈن فرم لین میں استعمال کئے جاتے تھے۔

۱۷۔ موزے بنیان اور فیتے

لیسٹر، ناٹنگھم اور ڈربی کی موزے بنیان اور فیتے کی صنعتوں میں انیسویں صدی کے وسط تک کاریگر لوگ کسی کارگاہ کے اندر مجتمع نہیں ہوئے بلکہ کارخانے کے باہر ہی کام کرتے رہے۔

سنہ ۱۵۸۹ء میں پہلی مرتبہ، ولیم لی کے بُنائی کے فریم کی وجہ سے اڈّے کی بنائی کا کام شروع کیا جا سکا۔ یہ فریم یا اڈّا ایک دستی مشین تھی لیکن اتنی گران تھی کہ بہت سے کاریگر اسے خرید نہ سکتے تھے۔ اس لئے صناعوں سے کرائے پر لیتے تھے اور انھیں اس کا کرایہ ادا کرتے تھے۔ سنہ ۱۷۵۸ء میں اسٹرٹ نے اس کے اندر ایک اور پرزہ لگا دیا جس سے موزوں میں ابھری ہوئی لکیریں ڈالی جا سکتی تھیں اور کچھ سال بعد اس اڈّے میں کچھ اور ترمیمیں کی گئیں جس سے مشین کے ذریعے لیس (فیتے) کو آسانی سے تیار کیا جانے لگا۔ آجر خام مال کا مالک ہوتا تھا اور وہ فریم کا حد سے زیادہ کرایہ وصول کرتا تھا۔ چنانچہ لڈائیٹ کے فسادات کا ایک خاص سبب یہ چیز بھی تھی۔ سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد، موزے بنیان اور فیتوں کی صنعت پر مشین کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اور سنہ ۱۸۶۱ء کے فیکٹری ایکٹ میں، لیس (فیتے) کی صنعت کو بھی شامل کر لیا گیا۔ موزوں کے اڈّے کو چلانے کے لئے بھاپ کی قوت کا استعمال سنہ ۱۸۸۰ء تک کیا جانے لگا تھا سنہ ۱۸۷۴ء تک ترقی کی رفتار سست ہی رہی۔

۱۸۔ پارچہ بافی کی صنعتوں کا مقامی اجتماع

سنہ ۱۸۵۰ء تک پارچہ بافی کی صنعتیں، خاص خاص علاقوں میں مجتمع ہو گئی تھیں۔ روئی کی صنعت میں کام کرنے والے ۹۰ فی صد لوگ اس علاقے میں رہتے تھے جو جنوبی لنکا شائر، شمال مشرقی چیشائر اور یارک شائر کے انتہائی مغرب پر مشتمل تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں روئی کی دو تہائی صنعت، لنارک کے ارد گرد مجتمع ہو گئی۔ اونی صنعت

زیادہ منتشر تھی لیکن تافتے کی فیکٹری کی صنعت مکمل طور مغربی یارک شائر کی ایری کی وادی میں مجتمع تھی۔

اسی طرح موزے بنیان کی صنعت جو ابتداءً لندن کے گرد مجتمع تھی، بعد میں لیسٹر شائر اور ناٹنگھم شائر میں محصور ہو گئی تھی۔ صنعت کے اس مقامی اجتماع کے وجوہ ایک حد تک صاف ہیں۔ موزے بنیان کی صنعت؛ اپنے کچے مال کے ذرایع کی جانب کھنچ کر پہنچی یعنی یارک شائر کے تافتے، لنکا شائر کے سوت اور مانچسٹر اور ڈربی کے ریشم کی طرف۔ لنکا شائر اور لینارک کی موسمی خصوصیات اور لورپول اور گلاسگو کی اُن سہولتوں نے جو انھیں امریکا کی خام روئی کو درآمد کرنے کے سلسلے میں حاصل تھیں، ان مقامات کو روئی کی صنعت کے لئے قدرتی طور پر موزوں بنا دیا۔ مغربی رائڈنگ کی وادیوں کو، انگریزی اُون کے خاص ذرایع تک آسانی سے پہنچنے کا موقع حاصل تھا اور ہل کے راستے سے یہاں آسٹریلیا کے کچے مال کو بھی فوراً درآمد کیا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ ان تمام علاقوں میں کوئلے کی بھی وافر رسد موجود تھی۔

لیکن تخصیص کار نے، پارچہ بافی کی صنعت میں، مقامی اجتماع کی حد سے بہت آگے ترقی کر لی ہے۔ مثلاً لیسٹر شائر نے اُون اور ناٹنگھم نے سوت کے موزے بنیان میں تخصیص پیدا کر لی ہے۔ ہیلی فیکس، بریڈ فورڈ اور ہڈرزفیلڈ اب صرف تافتے کا کام کرتے ہیں، لیڈز صرف اُن کا اور ڈیوزبری اور باٹلے کے اضلاع پھٹے پرانے کپڑوں سے نکلے ہوئے اُون یا سوت کا۔ لنکا شائر کی روئی کی صنعت میں، کتائی کا کام دو نمایاں طور پر مختلف نمونوں میں مخصوص ہو گیا ہے۔ بولٹن اور مانچسٹر میں صرف باریک سوت کاتا جاتا ہے اور اولڈھم اور ایشٹن میں صرف موٹا سوت۔ بُنائی کا کام خاص طور پر بلیک برن اور پریسٹن کے گرد کیا جاتا ہے۔

اس انتہائی تخصیص کار کے اسباب معلوم کرنا آسان نہیں ہے۔ اس بات کے فرض کرنے کی وجہ موجود نہیں ہے کہ یہ من مانی یا شعوری قوتوں کا نتیجہ ہے۔ اس کی اغلب توجیہہ اتفاقی حالات ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

اگرچہ ۱۸۶۰ء تک پارچہ بافی کی تمام شاخوں میں، بہت بڑے پیمانے کے کاروبار کی بھی جو مثالیں ملتی تھیں لیکن غلبہ چھوٹی خانگی شراکت ہی کو حاصل تھا۔

یارک شائر کی اُون کی صنعت میں ۱۸۵۰ء سے پہلے، تنظیم کی عام شکل خانگی کمپنی کی گرہ بی تھی، کپڑے کا کاروبار کرنے والے کئی آدمی تھوڑا تھوڑا سرمایہ ادا کرکے کاروبار میں شریک ہوجاتے تھے کارخانے رہن پر تعمیر کرتے تھے، ضروری مشین اُدھار پر حاصل کرتے تھے اور تنخواہ دار منیجر کے ذمے کام سپرد کردیتے تھے۔ لیکن چونکہ اس بے ضابطہ مشترکہ سرمایے کے کاروبار کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہ تھا اس لئے دھوکہ بازی بہت عام تھی۔ ۱۸۲۵ء کے بعد تک، شراکت نامے کی دستاویزوں کا استعمال عام طور پر نہیں کیا جاتا تھا۔

اُون کے مقابلے میں کتان اور ریشم کے کارخانے عموماً زیادہ بڑے پیمانے پر ہوتے تھے خاص کر وہ جو سستے ریشم اور آئرلینڈ یا پلین بنانے کا کام کرتے تھے۔ مشین کے حاصل کرنے میں، ابتدا میں، جن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا، انھوں نے مجبوراً روئی کی صنعت اور پارچہ بافی کی مشین کی صنعت میں ایک گہرا اتحاد قایم کرادیا۔ لنکا شائر کی سوت کی صنعت میں آج جو سب سے بڑے کارخانے پائے جاتے ہیں ان میں سے کچھ کو ابتداءً پارچہ بافی کی مشینیں بنانے والوں ہی نے قایم کیا تھا۔

۱۸۵۰ء کے بعد پارچہ بافی، خصوصاً سوت کی کتائی اور تانا فتے کی شاخوں میں کاروبار کی اکائی کا پیمانہ تیزی سے بڑھنے لگا۔ محدود ذمہ داری کے قانون کی منظوری نے پارچہ بافی کی شراکتوں کی نوعیت کو بہت آہستہ آہستہ بدلا۔ اُون کی صنعت میں ۱۸۸۰ء تک، خاندانی کاروبار یا شراکت کے ایسے کاروبار جن میں تمام حصہ داروں کی ذمہ داری غیر محدود ہوتی ہے عام طور پر جاری رہے۔ بریڈفورڈ میں ۱۸۸۹ء تک لسٹر کی مینِنگھم کی گرہنیوں کی حیثیت ایک خانگی کاروبار ہی کی رہی۔ اولڈہم کے گرد، سوت کی کتائی کا جو علاقہ تھا، اس میں مشترک سرمایہ دار محدود ذمہ داری رکھنے والے کاروبار کو سب سے زیادہ ترقی ہوئی اور اسی کے نتیجے کے طور پر کاروبار کے چھوٹی اکائیاں، انضمام کی طرف بھی خوب مایل ہیں۔ محدود ذمہ داری کے اصول کے تحت سرمایہ نئے حلقوں سے اکٹھا کیا جانے لگا یعنی تھوڑی تھوڑی مقداریں چھوٹے سرمایہ لگانے والوں سے۔ اور اس سے

ملک کی مالیاتی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

انیسویں صدی میں روئی کے دلالوں کو بھی عروج حاصل ہوا۔ اور سمندر پار تار برقی لگ جانے کی وجہ سے، خام روئی کے تقسیم کرنے کے لئے ایک باضابطہ بازار پیدا ہوگیا۔ لورپول کے کپاس کے دلالوں کی انجمن نے خام مال کی رسد کا باقاعدہ انتظام شروع کردیا اور پیشگی سودوں کی وجہ سے عدم تیقن کی وہ کیفیت جو صنعت کے اس پہلو میں پائی جاتی تھی دور ہوگئی۔

۱۹۔ مٹی کے برتن کی صنعت میں انقلاب

دھات اور پارچہ بافی کی صنعت کے علاوہ، صنعتی انقلاب نے مٹی کے برتن کی صنعت کی بھی کایا پلٹ دی جن صنعتوں کو کثیر مقدار میں سستا مال تیار کرنے کے لئے بتدریج از سر نو تنظیم دی گئی تھی ان سب نے افراد کو آرام پہنچانے میں نہایت اہم حصہ لیا۔ سستے سوتی کپڑے کے بازار میں آنے اور غریب گھرانوں میں مٹی کے برتن پہنچنے کی جو اہمیت ہے اس پر جتنا بھی زور دیا جائے وہ کم ہے۔ اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں، مٹی کے برتن کی صنعت، بعض قدرتی سہولتوں کی وجہ سے اسٹیفورڈشائر کے ایک چھوٹے سے علاقے میں مجتمع رہی۔ برسلم، ٹن ستال، ہانلے سٹوک اور لانگٹن کے گرد جو "پانچ شہر" کے نام سے ساری دنیا میں مشہور ہیں، کوئلہ لکڑی اور مناسب چکنی مٹی کی کافی رسد موجود تھی۔ پالش کے لئے نمک اور سیسہ بھی پاس ہی ملتا تھا۔

نارمنوں کی فتح سے لیکر اٹھارویں صدی تک، انگلستان کے مٹی کے برتن کی صنعت میں بہت کم تبدیلی ہوئی تھی۔ اس صنعت کی تنظیم بہت ابتدائی قسم کی تھی چکنی مٹی کو ایک بڑے کھلے ہوئے برتن میں ملایا اور گوندھا جاتا تھا اور کمہار کے چاک کے ذریعے اُسے مطلوبہ شکل دی جاتی تھی۔ پھر اس پر روغن کے سامان کی ایک تہ جما کر ایک بھونڈی سی بھٹی میں پکانے کے لئے رکھ دیا جاتا تھا۔

جیسا پارچہ بافی کی صنعت میں ہوا تھا، مٹی کے برتن کی صنعت میں اسطرح مسلسل عہد آفریں ایجادوں کی وجہ سے کوئی انقلابی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ یہاں صنعت کے طریقوں میں تدریجی اصلاحیں ہوتی رہیں۔ جس مٹی کے برتن پر روغن

نہیں کیا جاتا وہ مسام دار ہوتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک روغن کے جو طریقے رائج تھے ان سے پن روک[1] برتن نہ بن سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انگلستان کے بنے ہوئے برتنوں کو لوگ کم استعمال کرتے تھے۔ لندن میں "عود شاہی"[2] کے بعد، چائے اور قہوے، کا جو رواج ہوا، اس نے پینے کے برتنوں کے لئے ایک نئی طلب پیدا کردی۔ اور اس کو یورپ کے کمہار جن کے روغن کے طریقے اسٹیفورڈشائر سے بہت بہتر تھے، پورا کیا کرتے تھے۔ ابتدائی اصلاحیں ہالینڈ کے ایک باشندے جان ڈوئٹ نے کیں جس نے ۱۶۷۱ء میں لندن سے باہر۔ فل ہم میں، ایک پتھر کے برتن کا کارخانہ قایم کیا اور کوتونن جیسے برتن بنائے۔ کہا یہ جاتا تھا کہ نمک سے روغن کرنے کا طریقہ اسی نے جرمنی سے لاکر انگلستان میں رائج کیا۔

سترھویں صدی کے آخری حصے ہی میں مکھن کے ان برتنوں کے بنانے کے لئے جن میں شمالی علاقے کا مکھن لندن کو روانہ کیا جاتا تھا، اسٹیفورڈشائر مشہور ہو گیا تھا بلکہ برسلم کے مرتبان تو تمام انگلستان میں فروخت ہوتے تھے۔ ۱۶۹۰ء کے لگ بھگ، دو بھائی مسمٰی بہ ایلر براوران، برسلم میں آکر بس گئے۔ یہ اصل کے اعتبار سے ڈچ تھے اور ولیم آف آرینج کے ساتھ آئے تھے۔ غالباً ڈوئٹ کے مشورے سے جسے برسلم کے قدرتی ذخیروں کا پتہ تھا۔ یہ لوگ برسلم پہنچے۔ ایلر براوران نے منبت کاری کے لئے دھات کے ٹھپے کا استعمال کرکے، نئے اور نازک قسم کے برتن بنائے اور انھوں نے نمک سے روغن کرنے کے طریقے کو اسٹیفورڈشائر میں رائج کیا۔

ایلر براوران کے پاس ان نئے طریقوں کا اجارہ زیادہ دن تک نہیں رہا۔ ایسٹ بری اور ٹوئٹی فورڈ نام کے دو کمہاروں نے ضعیف العقلی کا بہانہ کرکے ان کے یہاں ملازمت کی اور ان کے نازک برتنوں کے راز کو

ے ۱ Water-Tight

ے ۲ Restoration

معلوم کر لیا۔ ایسٹ بری کا کام بلاشبہ ایلرز اور ان کے کام سے بہتر تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چائے دانی کی صنعت کو اس نے بہت ترقی دی اور ہر تاریخی واقعے کی یادگار پر ایک نیا نمونہ بنایا۔ ٹامس واٹل ڈن نے بھی جو ۱۷۴۰ء کے لگ بھگ کام کیا کرتا تھا، مٹی کے برتنوں کے مشہور نمونوں کو ایجاد کیا اس کے خوش نما نقش و نگار جو کچھوے کے خول کے نمونے پر بنائے جاتے تھے اور اننناس، بند گوبھی، اور خربزے کی شکل کے برتن، جن پر نفیس سبز روغن کیا جاتا تھا، خوب مشہور ہوئے۔ ویجوڈ کے زمانے سے پہلے، اسٹیفورڈ شائر کے برتنوں کو انتہائی عروج اس وقت ہوا جب پتھر کے برتنوں پر نمک کا روغن کیا جانے لگا اور اس روغن پر نقش و نگار بنائے جانے لگے۔ تام چینی کا رواج ان دو نقاشوں کی وجہ سے ہوا جو ہالینڈ اور بلجیم سے آئے تھے اور جنھوں نے اپنا کام برسلم کے قریب شروع کیا تھا۔ اس طرح کے برتنوں میں جو خوش نما چینی مناظر پائے جاتے ہیں وہ انھی دنوں کے بنائے ہوئے ہیں۔

اٹھارویں صدی کے نصف اول میں، حسب ذیل نہایت اہم فنی اصلاحیں کی گئیں:۔ روغن کو سفید کرنے کے لئے مکلس[1] چقماق کا استعمال (جسے اسٹیفورڈ شائر میں ایسٹ بری نے شروع کیا اگرچہ ۱۶۹۸ء میں ڈوئٹ اسے لندن میں استعمال کر چکا تھا) پلاسٹر آف پیرس کے سانچوں کا رواج اور پگھلے ہوئے سیسے کو بطور روغن استعمال کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے یہ اصلاحیں انسانوں کو زبردست مصیبت میں مبتلا کر کے کی گئیں مکلس چقماق کے استعمال کی وجہ سے تپ دق اور سینے کے دوسرے امراض، دبانے والوں، خرادنے والوں اور سانچے کے چلانے والوں میں بالکل عام ہو گئے اور انیسویں صدی کے ایک بڑے حصے میں قولنج اور فالج کی بیماریاں، سیسے کے روغن کے زہر کی وجہ سے مٹی کے برتن کے کارخانوں پر مسلط رہیں۔

پیدائش کے ترقی یافتہ اور سستے طریقوں نے، ایک وسیع بازار کے لئے سازگار حالات پیدا کر دیئے تھے۔ لیکن ۱۷۶۰ء تک اسٹیفورڈ شائر اور باہر کی دنیا

[1] Calcined

کے مابین نہایت خراب وسائل آمد و رفت ہونے کی وجہ سے تجارت کی ترقی میں دشواری ہوتی رہی۔

۲۰۔ جوشیا ویج وڈ

جوشیا ویج وڈ ہی وہ شخص تھا جس نے ان مشکلوں پر قابو پایا اور مٹی کے برتن کے کارخانوں کو تمام دنیا میں مشہور کیا۔ یہ ۱۷۳۰ء میں برسلم میں پیدا ہوا اور خاندانی کمہار تھا۔ اس کے پرداد اکا باپ گلبرٹ ویج وڈ سترھویں صدی میں، برسلم میں، کاروبار کرتا تھا اس کا پرداد ا، دادا اور باپ بھی کمہار ہی تھے۔ جوشیا اپنے خاندان میں سب سے چھوٹا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد، وہ اپنے بھائی ٹامس کے پاس، کار آموز کی حیثیت سے کام کرنے لگا اور کمہار کے چاک پر جس سے چکنی مٹی کے برتن بنائے جاتے تھے کام سیکھنا شروع کیا۔ لیکن اس کی قسمت میں یہ کام زیادہ دن تک نہیں لکھا تھا۔ اُسے چیچک نکلی جس کی وجہ سے اس کی دائیں ٹانگ بے کار ہوگئی۔ جہاں تک مٹی کے برتن کی صنعت کا تعلق ہے یہ بات کوئی اندوہناک واقعہ نہیں سمجھی جاسکتی کیونکہ اس کی وجہ سے ویج وڈ چاک کو چھوڑنے اور آرائشی صناعی سیکھنے کے لئے مجبور ہوگیا۔ اس کی کار آموزی کا زمانہ ابھی ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے تجربے کرنا شروع کر دیئے تھے اور جب وہ اکیس سال کا ہوا تو اس نے اسٹوک کے تھیر لیکن کے ساتھ کاروبار شروع کردیا ۱۷۴۵ء میں اس نے وائل ڈن کے ساتھ شرکت کرلی۔

کچھ سال بعد اس نے برسلم میں اپنا ذاتی کارخانہ کھولا اور برتن بنانے کی صنعت تخصیص کار کے اصول کو رواج دیا۔ ۱۷۶۲ء میں اس نے مشہور "ملکہ کے برتن" کو رواج دیا جس کی وجہ سے اُسے "ملکہ کے کمہار" کا خطاب ملا۔

اپنے برتنوں پر نقش و نگار بنوانے کی خاطر، اس نے سیڈلر اور لورپول کے گرین سے جنھوں نے نقل پذیر چھپائی کے طریقے کو ایجاد کیا تھا کاروباری تعلقات پیدا کئے۔ نقش و نگار کو بہتر بنانے کی طرف ویج وڈ نے خاص توجہ کی اور اسی سلسلے میں جان فلیکس مین کو ڈھونڈھ نکالا۔ فلیکس مین نے کچھ نمونے چائے کے برتنوں کے لئے بنائے اور بعد میں یونانی طرز کی نازک نقاشی کے لئے مشہور ہوگیا۔

ویج وڈ نے مٹی کے برتن کے کارخانوں کے درمیان سے دس میل لانبی ایک

سٹرک نکالی جس پر گزرنے والوں سے محصول وصول کیا جاتا تھا اور ٹرنٹ اور مرسی کی نہر کے بنانے میں مدد دی۔ جب ۱۷۹۵ء میں وہ مرا تو اسے نہ صرف "ملکہ کے کمہار" کا خطاب مل چکا تھا بلکہ اُسے اسٹیفورڈ شائر کا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھا جاتا تھا۔

۱۷۶۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان، مٹی کے برتن کی صنعت میں بھی پارچہ بافی اور مشین سازی کی صنعت کی طرح، مشین داخل ہو گئی۔ وجح وڈ اپنے مال کو پیسنے کے لئے قوت محرکہ کا اور حرارت کو ٹھیک ناپنے کے لئے آتش پیما[۱] کا استعمال کیا کرتا تھا۔ کام کے بعض اجزا کے لئے قوت محرکہ سے چلنے والی خراد کو بھی اس نے مفید مطلب بنایا۔ مگر یہ سب تبدیلیاں اضافی حیثیت رکھتی تھیں۔ کمہار کی مہارت کی ضرورت حسب سابق باقی تھی۔ اور دوسری بہت سی صنعتوں کی طرح، مشین، با مہارت دستی محنت کی جگہ، کم سے کم ۱۸۷۰ء سے پہلے نہیں لے سکی۔

۱۲۔ چینی کے برتن انگلستان کے چینی کے برتن کی صنعت کی ابتدا ۱۷۴۴ء میں ہوئی جب مشرقی لندن کے مقام بو کے ہے کن اور فرائی نے اس کے بنانے کے لئے پیٹنٹ حاصل کیا۔ ۱۷۷۵ء میں ولیم ڈیوزبری نے بو کی فیکٹری کو خرید لیا اور کل مشین اور سانچوں کو ڈربی میں منتقل کر دیا اور یہاں اس نے بھورے رنگ کے مشہور برتنوں کو بنانا شروع کیا۔

ووسٹر کے چینی کے برتن کو ڈاکٹر جان وال نے ایجاد کیا اور اس نے ڈیوس کی شرکت میں ایک فیکٹری قایم کی اور چینی کے برتنوں کی نقل اتارنا شروع کر دی۔ اسی فیکٹری میں مشہور کندہ کار ٹامس ہین کاک بھی کام کیا کرتا تھا۔

معمولی چیزوں کے لئے، دستی نقش و نگار بہت مہنگے پڑتے تھے اس لئے اس طریقے کو سستا کرنے کی کوشش کی گئی اس سلسلے میں بڑے نام ٹرنر اور اسپوڈس کے ہیں ٹرنر اور اسپوڈ اول نے پہلے نیلی چھپائی کا ایک طریقہ ایجاد کیا اور ٹرنر کے بید کے درخت کے نمونے کو اٹھارویں صدی کے آخر میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اسپوڈ اول نے ۱۷۹۴ء میں انگلستان کے چینی کے برتن کی صنعت میں مکلس

[۱] Pyrometer

ہڈیوں کو استعمال کرنا شروع کیا۔ اگرچہ (اس ایجاد کو بعض لوگ، اسپوڈ ثانی سے بھی منسوب کرتے ہیں) اُس نے اس طریقے سے ایک بالکل نئی چینی کو پیدا کیا جس میں سخت اور نرم دونوں طرح کی چینی کے فوائد موجود تھے اور جس کی وجہ سے چینی کے سستے برتن بنانا ممکن ہوگیا۔ اسپوڈ ثانی نے چینی کے بنانے میں خلسپار کو بھی شامل کرنا شروع کر دیا اور اس طرح اُسے ایسا نیم شفاف بنا دیا جیسا انگلستان میں اس سے پہلے کبھی نہیں بنایا گیا تھا۔ یہ نیا مرکب ہڈی کے چینی کے برتن سے بھی بہت زیادہ سخت ہوتا تھا۔

۲۲۔ دوسری صنعتیں

بوٹ اور شوز جوتوں کی صنعت میں، مشین کی ترقی بہت آہستہ آہستہ ہوئی ریڈولف نے ایک مشین کا حق ایجاد حاصل کیا جو جوتے کے اوپر کے حصے میں، دوئی کی کیل کے ذریعے، تلے لگایا کرتی تھی۔ ۱۸۱۰ء میں برونل نے ایک مشین بری اور بحری فوج کے بوٹ بنانے کے لئے ایجاد کی۔ جوتے کے مختلف حصوں کو جوڑنے کے لئے مختلف لمبائی کی کیلوں کو استعمال کیا گیا۔ اور ان تین چیزوں کے علاوہ جن پر جوتے کا اوپر کا حصہ مشتمل تھا جوتے کا باقی کوئی حصہ، سی کر نہیں جوڑا جاتا تھا۔

وائرلو کی جنگ کے بعد ان مشینوں کا استعمال ترک کر دیا گیا اور انیسویں صدی کے نصف اول میں جو مشینیں ایجاد کی گئیں ان میں سے بیشتر امریکا میں تیار ہوئیں ۱۸۵۰ء میں انگلستان میں بوٹ اور شوز کے کارخانے تو تھے لیکن ان میں نہ تو مشین کا استعمال کیا جاتا تھا نہ قوت محرکہ کا۔ ۱۸۶۰ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان سنگر کی مشین کو، انگلستان کے بوٹ کی صنعت میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اس میں بہت کم کامیابی ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں، جوتے کے اوپر کے حصوں کو جوڑنے کے لئے، جوڑنے والی مشین کو عام طور پر استعمال کیا جانے لگا اور اس کے بعد کے سالوں میں تلے لگانے والی مشینوں کو بھی امریکا سے منگایا جانے لگا۔

امریکا کی خانہ جنگی کی وجہ سے برآمد کی تجارت کی رفتار میں جو تیزی پیدا ہوئی اس سے لیسٹر کے رہنے والے کرنگ کو دو نوکی کیلیں لگانے والی مشین کو ایجاد کرنے کا موقع ملا اور انگلستان میں، جوتے کے اوپر کے حصے سے تلوں کو جوڑنے کے لئے بلیک کے سیوارکا۔ استعمال شروع ہو گیا۔

تقریباً ۱۸۸۵ء تک ان مشینوں میں سے بیشتر کو پاؤں سے چلایا جاتا تھا۔ تلا کاٹنے کے سوا باقی اور کاموں میں قوت محرکہ استعمال نہ کی جاتی تھی۔ ۱۸۹۰ء کے قریب، محنت بچانے والی بہت سی ایجادوں کو امریکا سے انگلستان میں لایا گیا۔ سرے تراشنے والی مشین، استری کرنے والی مشین، گڈایر کی مشین جس کے ذریعے مشین سے ویسا ہی اعلیٰ نمونے کا کام کیا جاسکتا تھا جیسا کہ ہاتھ سے سلے ہوئے چمڑے کی مغزی لگے ہوئے بوٹ میں پایا جاتا تھا۔

کپڑا سینے کی صنعت میں مشین کا استعمال اور فیکٹری کی تنظیم ۱۸۵۰ء کے بعد ہی جاری کی جاسکی۔ ۱۸۶۰ء کے قریب یہ صنعت لیڈز میں مجتمع تھی اور اس کا پورا دارومدار امریکا سے درآمد کی ہوئی سینے کی مشینوں پر تھا۔ سینے کی مشین کو چلانے کے لئے ابتدا میں بھاپ کی اور بعد میں گیس کی قوت محرکہ سے کام لیا گیا اور بعد میں کپڑے کے کاٹنے کے دستی چاقو اور کاج بنانے اور بٹن سینے کی مشینیں بھی استعمال کی جانے لگیں۔

لکڑی کے کام کی صنعتوں میں ۱۸۵۰ء سے پہلے مشین کا استعمال بہت کم اور قوت محرکہ کا استعمال تقریباً بالکل نہیں کیا جاتا تھا۔ ۱۷۹۰ء میں مدور آرا ایجاد کیا گیا۔ لیکن ۱۸۲۵ء سے پہلے جب رندہ کرنے والی مشینوں کا استعمال کرنا شروع کیا گیا مدور آرے کا استعمال بہت کم ہی ہوا۔ بوٹ اور شوز کی صنعت کی طرح لکڑی کے کام کی مشینوں کا اصلی گھر انگلستان نہیں بلکہ امریکا تھا۔ ۱۸۵۴ء کے قریب لکڑی کے پیچ کاٹنے والی مشین امریکا سے لاکر رائج کی گئی اور اس صدی کے آخر میں وہاں سے اور بھی بہت سی ایجادیں بتدریج یہاں آتی رہیں جن کی وجہ سے فرنیچر کی صنعت کا تقریباً تمام کام پورے طور پر مشین سے کیا جانے لگا۔

۲۴۔ خاتمہ یہ مختصر خاکہ جس میں دکھایا گیا ہے کہ انگلستان کی خاص صنعتوں میں قوت محرکہ کے استعمال نے کس طرح دستی محنت کی جگہ لی اس بات پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے کہ یہ تبدیلیاں بہت آہستہ آہستہ واقع ہوئیں۔ ان بڑی تبدیلیوں نے، جن پر لوگوں کی توجہ خاص طور پر مائل رہی ہے یعنی ہارگریوز، آرک رائٹ، کرامپٹن، کارٹ رائٹ اور واٹ کے کارنامے۔ انھوں نے ۱۸۰۰ء سے پہلے پارچہ بافی کی صنعت کی دو اہم شاخوں میں سے صرف ایک یعنی سوت کی کتائی میں بنیادی تبدیلی پیدا کی تھی روئی کی صنعت میں بھی

جہاں ترقی کے لئے حالات خاص طور پر ساز گار تھے، ابتدائی اوزار اور کام کے طریقے، انیسویں صدی کے وسط تک باقی رہے۔ ۱۸۵۰ء میں بھی، جسے صنعتی انقلاب کے مکمل ہونے کا سال شمار کیا جاتا ہے، بہت سی اہم صنعتوں میں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ۱۷۷۰ء سے ۱۸۶۰ء تک، نئے طریقے، پرانے طریقوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور ان کی جگہ آہستہ ہی آہستہ لیتے رہے۔

یہ مسئلہ کہ مشین کے رواج سے مزدور طبقے کو فائدہ پہنچا یا نہیں، انیسویں صدی میں بہت اختلاف رائے کا موجب بنا رہا۔ کابٹ، اور اس کے ہم مسلک مفکروں کو جن کا نصب العین ایک مستحکم، خود کفیل، دیہی معاشرت تھی، نئے نظام میں مزدور کے لئے فائدے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ ۱۸۴۸ء میں مل تک نے اپنے شبہے کا اظہار کیا تھا کہ مشینوں کی ایجاد نے کسی ایک آدمی کی ایک دن کی مشقت کو بھی ہلکا کیا ہے یا نہیں اور بہت سے اور لوگ بھی اسی عقیدے کے تھے۔

یہ تو بہر حال صحیح ہے کہ مشین نے انسانی طاقت سے شدید ترین مطالبے کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس کی وجہ سے بہت سے خطرناک پیشے پیدا ہو گئے ہیں، حکومت نے جب تک فیکٹری اور ورکشاپ کے قوانین بنا کر، صنعتی حالات کی نگرانی شروع نہیں کی تھی، صنعتوں کی وجہ سے شرح اموات بھی خوفناک تھی۔ لیکن اس کے مقابلے میں، مشین نے مزدور کو بے انتہا ناگوار اور صحت سوز مشقت سے بھی آزاد کر دیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ کارخانوں میں کام کرنے کی وجہ سے، دماغی تھکن زیادہ پیدا ہوتی ہو لیکن پرانے دستی کرگھے پر، غیر صحت بخش جھونپڑوں میں کام کرنے کی وجہ سے جسم کو جو نقصان پہنچتا تھا اب اس کے مقابلے میں بہت کم ہوتا ہے۔ موٹے کام کا رندے چلاتے رہنے کی وجہ سے اب کوئی بڑھئی دل کے عارضے میں مبتلا نہیں ہیں اور نہ زراعتی مزدور چالیس سال میں بوڑھے نظر آنے لگتے ہیں۔ جب ہم اس مسئلے پر خالص معاشی نقطۂ نگاہ سے غور کرتے ہیں تو ہمیں جواب دینے میں تذبذب اور بھی کم ہوتا ہے۔ مشین کی وجہ سے زندگی کی ضروریات سستی ہو گئی ہیں اور ہر شخص کے لئے آرام و فرصت کی زندگی کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ صنعت میں مشین کے رائج ہو جانے سے مزدور کو بحیثیت صارف، تجارت و صنعت کی دوری کساد بازاری کے باوجود بہت زبردست فائدہ پہنچا ہے

دولت پیدا کرنے والے کی حیثیت سے اس کا یہ نفع، نقصان سے خالی نہیں ہے کیونکہ صنعتی اتار چڑھاؤ اور بے روزگاری کے وہ دور جو ۱۸۰۰ء کے بعد سے بہت نمایاں نظر آتے ہیں دراصل اونچے درجے کی اس تخصیص کار سے پیدا ہوئے ہیں جو مشین کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہے۔ یہ بلاشبہ صحیح ہے کہ مشین کی وجہ سے مزدوروں کی مانگ ہمیشہ نہیں بڑھ جاتی۔ یہ صرف اسی صورت میں بڑھ سکتی ہے جب کہ اس مال کی طلب جسے سستی لاگت پر تیار کیا گیا ہے انتہائی تغیر پذیر ہو اور جب کہ دوسرے عناصر جو صنعت کے پرسکون طور پر چلنے کے لئے ضروری ہیں آج کل کی طرح (۱۹۳۳ء) ابتر حالت میں نہ ہوں۔ مشین مزدوری کی طلب کو دو طرح بڑھا سکتی ہے۔ ایک طرف تو صنعت کی ان پیداواروں کی لاگت کو گھٹا کر جن میں اُسے رائج کیا گیا ہے وہ مزدوروں کی شدید تر طلب کو پیدا کر سکتی ہے جیسا کہ روئی کی صنعت کی بعض شاخوں میں صنعتی انقلاب کی ابتدائی منزلوں میں ہوا۔ دوسرے جہاں صنعت کی پیداوار کی طلب میں بہت اضافہ نہ ہو وہاں وہ سرمائے اور محنت کو دوسری یا نئی صنعتوں میں مصروف ہونے کے لئے آزاد کر سکتی ہے اور یہ بات ایک عام قاعدے کے طور پر کہی جا سکتی ہے کہ جب تک زاید محنت اور زاید سرمایہ موجود نہ ہوگا، اس وقت تک اغلب امکان یہ ہے کہ نہ تو نئی صنعتیں پیدا ہو سکیں گی اور نہ پرانی پھیل سکیں گی۔

لیکن فوری اور آخری نتائج میں ایک واضح فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ فوری اثرات، خصوصاً اگر مشین کا استعمال بہت بڑے پیمانے پر یا بہت تیزی سے شروع کیا جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ محنت کی طلب کی کمی کی صورت میں ظاہر ہوں جیسا کہ گذشتہ صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوا تھا۔ اس کے مقابلے میں، انیسویں صدی کی تاریخ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آخری نتیجہ، محنت کی طلب کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اس بیان کو مشروط کرنے کی ضرورت ہے۔ معاشیات میں مطلق فیصلے بہت کم کئے جا سکتے ہیں۔ انیسوں صدی کے اول ربع کے بعد مشین نے بلاشبہ محنت کی طلب کو اضافہ پذیر رفتار کے ساتھ بڑھایا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا ٹھیک نہیں ہے کہ ایسا ہر وقت اور ہر حال میں ہوتا رہے گا۔ صنعتی انقلاب کے زمانے میں دنیا کے جو حالات تھے آج ان سے بہت مختلف ہیں۔ لیکن اس موضوع پر کچھ اور زیادہ کہنا اس باب کے حدود سے باہر ہوگا۔

باب ۴

ذرائع آمدورفت

۱۔ صنعتی انقلاب کے بعد پیچیدگی

صنعتی انقلاب تک، انگلستان کی معاشری زندگی دو یا تین متوازی راستوں پر ترقی کرتی رہی اور اس بات کا تعین کرنا نسبتہً آسان کام ہے کہ کسی ایک وقت میں ترقی کا مقام کیا رہا۔ تقریباً سنہ ۱۷۶۰ء کے بعد معاشرے میں پیچیدگی پیدا ہونے لگی اور بہت سے عوامل ایک دوسرے پر باہمی اثر ڈالنے لگے۔ صنعت نے بصورت مجموعی ترقی نہیں کی بلکہ اس کی مختلف شاخوں نے مختلف اوقات میں مختلف رفتار کے ساتھ ترقی کرنا شروع کی۔ اس کے علاوہ عہد آفریں ایجادات و واقعات کا بڑے سے بڑا اثر بھی تنگ دائرے کے اندر ہی محدود رہا۔

چنانچہ مختلف سلسلوں کو ایک جا کر کے جائزہ لینے اور جہاں تک ممکن ہو سکے ان کو مجموعی طور پر متحد کرنے کی ضرورت ہے۔ پچھلے زمانوں کی طرح اب ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تاریخ کے مختلف عہدوں کی ایسی قطعی حد بندی کر دیں جیسی ارضیاتی طبقات میں پائی جاتی ہے ہمیں دو طرح کی تفریق کرنا ہوگی۔ ایک تو مشاغل کے مختلف میدان ہائے عمل کے درمیان اور دوسرے ہر انفرادی میدانِ عمل میں وقت و زمانہ

کے اعتبار سے پیچیدگی اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ ہر صنعت جب ترقی کرتی ہے تو اس طرح پیچ در پیچ طریقے پر دوسروں کا اثر قبول کرتی اور ان پر اپنا اثر ڈالتی ہے کہ سبب اور نتیجے کو علیحدہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ترقی یافتہ ذرایع آمد و رفت کی وجہ سے کچے مال اور مکمل پیداواروں کا منتقل کرنا ممکن ہو گیا اور اس کی وجہ سے دولت کی پیدائش میں جو اضافہ ہوا اس نے نقل و حمل کے کام میں اصلاحیں کرنے کے لئے لوگوں کو اور زیادہ مایل کیا۔ سہولت کے لئے ان کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور پہلے کی طرح، ارتقا کو موجودہ زمانے تک پہنچایا جائے گا۔

۲ - سڑکیں

سب سے پہلی سڑکیں، محض پگ ڈنڈی کی ایک اصلاح یافتہ صورت تھیں اور عام طور پر جانوروں اور آدمیوں کے مسلسل استعمال کی وجہ سے اتفاقیہ طور پر بن جایا کرتی تھیں۔ ایک پگ ڈنڈی جب ایک دفعہ بن جاتی تھی تو چھوٹی چھوٹی خرابیوں کے باوجود قدامت پسندی کی وجہ سے باقی رہتی تھی۔ قصبوں کی پیچیدار سڑکوں کو، پرانی گلیوں ہی کا جو خود پگ ڈنڈیوں سے بنی تھیں ایک سلسلہ سمجھنا چاہئے۔ جن پگ ڈنڈیوں سے فائدہ زیادہ پہنچتا تھا وہ اہمیت اختیار کر لیتی تھیں اور ان کی بڑی بڑی دشواریاں دور کر دی جاتی تھیں چنانچہ جہاں ضرورت ہوتی تھی وہاں سڑکیں قدرتی طور پر بن جاتی تھیں خصوصاً جبکہ زمین کی ملکیت کے مسئلے کی اس زمانے میں زیادہ اہمیت نہیں تھی

رومیوں کا طریقہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ زیادہ تر فوجی اغراض کے لئے سڑکیں بناتے تھے اور صرف بڑے بڑے شہروں کو پیش نظر رکھتے تھے۔ سڑکوں کی ابتدا و انتہا کو مقرر کر دیا جاتا تھا اور ان کے درمیان آمد و رفت کے راستوں کو چھوٹے سے چھوٹا بنایا جاتا تھا۔ پہاڑیوں اور وادیوں کی کوئی پروا نہیں کی جاتی تھی چاہے ان سے کترا کر نکلنا کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو۔ رومیوں کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کیونکہ وہ اپنی سڑکوں پر پہیے دار گاڑیاں نہیں چلاتے تھے۔ بعد میں ان کو استعمال کرنا بند کر دیا گیا اور جن راستوں کو لوگ "آسان" سمجھتے تھے انہیں دوبارہ عام طور پر استعمال کرنے لگے۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں آمد و رفت کو غالباً ترقی ہوئی اور رومیوں کی سڑکیں جس طرح آج استعمال کی جاتی ہیں، دوبارہ استعمال کی جانے لگیں۔ لیکن اس کے بعد ان کی حالت روز بروز

ابتر ہونا شروع ہوئی۔ آرتھر ینگ نے ان کا بہت خراب حال بیان کیا ہے۔ ابتداءً اٹھارویں صدی میں، ہر کلیسا ان سڑکوں کا جو اس کے حلقے میں ہوتی تھیں اپنے طور پر انتظام کیا کرتا تھا اور اس کے جو نتائج ہوئے وہ ظاہر ہے۔ جب روک پھاٹک[1] کے ٹرسٹ اور راہ پٹی[2] کا آغاز ہوا تو اس کی وجہ سے معاملات کی اصلاح ایک دم نہیں ہوئی بہتر سڑکوں کی شدید ضرورت نے اس کام کی اہلیت رکھنے والے لوگوں کو پیدا کیا۔

(۱) مٹکاف :- مٹکاف کے کارنامے (جو کنارسبرو کے اندھے جیک کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) حیرت انگیز تھے۔ اپنی معذوری کے باوجود اس نے اپنی بے انتہا قوت عمل اور قابلیت سے وہ کام انجام دیئے جس کی کم لوگ ہمسری کر سکتے ہیں۔ وہ پے نائیس کے ہر حصے خصوصاً اس کے اونچ نیچ اور اس کی سطح کے نیچے کی مٹیوں سے بخوبی واقف تھا۔ ۱۷۶۵ء میں اُس نے ہیروگیٹ کے قریب ایک چھوٹی سی سڑک تعمیر کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور اس کام کو نہایت تیزی کے ساتھ پورا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے بارو برج پر ایک پل بنایا۔ اس آسان علاقے میں کام کرنے کے بعد، پھر وہ لنکا شائر اور یارک شائر کی سرحد کی طرف متوجہ ہوا۔

ان دونوں اضلاع میں دو مختلف صنعتیں ترقی کر رہی تھیں۔ اس لئے ذرائع آمد و رفت کی بہت ضرورت تھی۔ مٹکاف نے اس ضرورت کو پورا کر کے ان کی صنعتی ترقی کا امکان پیدا کیا۔ اس کے کام کا طریقہ، رومہ کے سڑک بنانے والوں سے مختلف تھا۔ وہ سڑکوں کے ڈھلان کی مقدار کو کم رکھنے کی ہر امکانی کوشش کرتا تھا اس لئے اس علاقے میں اس کی کامیابی اور بھی زیادہ قابل تعریف ہے۔ وہ اصل وادیوں کو استعمال کیا کرتا تھا اور جب کوئی شاخ عبور کرنا پڑتی تھی تو مڑ کر دوسری جانب چلا جاتا تھا۔ اس کی سڑکوں کے چکر ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور ہو گئے ہیں۔ دریائے آئیز کی وادی کو ہمیشہ سے بلیک برن اور مانچسٹر جانے کے لئے، راستے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا جس طرح دریائے کالڈر کی وادی کو بھی اس سے کم درجے پر کیا جاتا تھا۔ لیکن مٹکاف چاہتا تھا کہ ایک شارع عام اور زیادہ جنوبی علاقے میں بنائے۔ چنانچہ اس نے ہڈرزفیلڈ سے مانچسٹر تک سخت ریت

---

[1] Turnpike [2] Tolls

کے پتھروں کو کاٹ کر اور اس پہاڑی دلدل کے اوپر جسے پہلے ناقابل گذر سمجھا جاتا تھا اپنی حیرت انگیز سڑک کو تعمیر کیا۔ اُسے ایک ایسے رہنمائی حیثیت سے یاد رکھنا چاہئے جس نے ڈھال کی مقدار کو کم رکھنے کی اہمیت ثابت کی اور نرم زمین کے علاقے میں سڑک تعمیر کرنے کا طریقہ بتلایا۔

۲۔ ٹیلفورڈ:۔

مٹکاف اچھی سطح تیار نہیں کر سکا۔ یہ کام ایک اور بڑے شخص ٹیلفورڈ نے (۱۷۵۷ء تا ۱۸۳۴ء) انجام دیا جس کے کام کو پھر میک آڈم نے اور زیادہ ترقی دی۔ ٹیلفورڈ، ڈمفریز شائر میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۷۹۳ء میں اسے ایلیسمیر نہر کا انجینیر بنایا گیا اور اس نے دو پکے "نالے" نہر کے پانی کو لے جانے کے لئے تعمیر کئے۔ ۱۸۰۱ء میں لندن کے نئے لوہے کے پل کے تعمیر کرنے کے لئے نقشے تیار کئے گئے لیکن بعض وجہ سے یہ کام اس منزل سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ۱۸۰۳ء میں اسے کیلی ڈونین نہر کا انجینیر بنایا گیا۔ اسی کے ساتھ گورنمنٹ نے اس کے ذمے یہ خدمت بھی سپرد کی کہ وہ شمالی اضلاع (اسکاٹ لینڈ) کو جو اس وقت افلاس زدہ حالت میں تھے سڑکیں اور پل بنا کر بیرونی تجارت میں شریک ہونے کا موقع فراہم کرے۔ چنانچہ اٹھارہ سال میں سو سے زیادہ پل اور تقریباً ایک ہزار سڑکیں بنوائی گئیں۔

اسے انگلینڈ اور سویڈن میں نہریں بنانے کے لئے ملازم رکھا گیا اور اس نے اسکاٹ لینڈ کے مشرقی ساحل کی زیادہ اہم بندرگاہوں کو یا تو بنایا یا انھیں وسیع کیا۔ ۱۸۱۴ء میں اس نے کارلائل تا گلاسگو کی سڑک کو تعمیر کیا۔ پھر اس کے بعد ہولی ہیڈ کی بڑی سڑک کو جو زیادہ تر بہت دشوار گذار علاقے میں سے ہو کر جاتی تھی۔ آئرلینڈ کے مسافروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے مناے آبنائے کے عبور کرنے کی دقت بڑھ گئی اور ۱۸۱۹ء سے ۱۸۲۵ء تک وہ بڑے آویزاں پل کو تعمیر کرنے میں لگا رہا۔ اس کا آخری کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے شمال مشرقی مڈلینڈز کی نہروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تاکہ وہ ریلوں کے مقابلے کا، جس کا اندیشہ تھا، سامنا کر سکیں۔

اس سے کچھ سال پہلے اس نے شمالی کی بڑی سڑک کو بھی اور دوسری سڑکوں کے ساتھ ساتھ بہتر بنایا تھا۔ اور اس تمام مرحلے میں ڈاک گاڑی (میل کوچ) کا انتظام آہستہ آہستہ بہتر ہوتا جا رہا تھا۔ ٹیلفورڈ نے اپنی نفیس سڑکیں بنا کر ایسا نقشہ تیار کر دیا تھا جس سے یہ

یہ انتظام تقریباً مکمل ہوجاتا۔ اس نقشے پر عملدرآمد ضرور ہوتا لیکن اسی وقت ریل نمودار ہوگئی اور یہ تمام تجویزیں ترک کردی گئیں۔ لندن میں ۱۸۲۶ء سے روک پھاٹکوں کے انسداد اور بعد میں آہستہ آہستہ سارے ملک سے غائب ہوجانے کی وجہ سے اس کے کام کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی۔ ٹیلفورڈ کے زمانے کا ایک اور کارنامہ یہ تھا کہ پل کی تعمیر میں پتھر کی جگہ لوہے کا استعمال کیا جانے لگا جس کی وجہ سے پلوں کی کارگذاری میں اضافہ ہوگیا۔

میک آڈم کی طرح اس نے بھی کچھ اصول وضع کئے۔ جن میں سب سے اول یہ تھا کہ سڑک کے نیچے کی زمین میں پانی کے نکاس کا انتظام معقول ہونا چاہئے۔ سطح کے نیچے کی پرت کی نمی کی وجہ سے ایک طرف بنیادوں کی فرسودگی کی رفتار بڑھ جاتی ہے اور دوسری طرف سطح کی خوبی پر بھی خراب اثر پڑتا ہے۔ مٹکاف کے مقابلے میں ٹیلفورڈ "علمی" اور ٹھیک طریقے پر کم اور سائنس کے اصول کے مطابق زیادہ کام کرتا تھا۔ اس نے یہ بات معلوم کرلی تھی کہ سڑک کے سامان کے انتخاب کرنے اور لائق استعمال بنانے میں، بڑی ہشیاری برتنے کی ضرورت ہے۔ مٹکاف چونکہ مقامی سامان استعمال کرتا تھا اس لئے اس کی سڑکیں نرم اور ریتیلی ہوتی تھیں اور گھسکر لیک کی نالیاں بن جاتی تھیں۔ ٹیلفورڈ کے بعد جن لوگوں نے سڑکیں بنائیں۔ انھوں نے ایک ایسی صلیبی تراش کا بھی مطالبہ کیا جو نہ بہت زیادہ مسطح ہو نہ بہت محدب۔ کیونکہ پہلی صورت میں پانی سڑک پر باقی رہتا ہے اور دوسری صورت میں آمد و رفت سڑک کے بیچ میں ہوتی رہتی ہے جس سے اس حصے میں لیک کی گہری نالیاں بن جاتی ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں یہ لوگ، لمبائی کے ڈھال (یعنی سڑک کی لمبائی میں پائے جانے والے اتار) پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے تاکہ سطح خشک رہے اور سڑک کو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے مدّور تراش کا بناتے تھے۔

ان سب اصولوں کی ابتدا، ٹیلفورڈ نے کی اور اس کی پیروی میک آڈم نے۔ ٹیلفورڈ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بنیاد کو مضبوط بناتا تھا جیسے رومی اپنی جھنڈی لگی ہوئی سڑکوں کی بنیاد مضبوط بنایا کرتے تھے۔ وہ پتھروں کو لیتا تھا۔ انھیں لمبائی میں رکھتا تھا اور ان کے چوڑے سرے کو نیچے رکھکر انھیں قریب سے قریب کھچا کھچ بھرا چلا جاتا تھا۔ اس سے استحکام اور بنیاد کی مضبوطی پیدا ہوتی تھی اور پتھروں کے درمیان جو جگہ خالی رہ جاتی تھی اسے بھر کر اور بہتر کردیا جاتا تھا۔ تمام توجہ اور خرچ بنیاد کے تیار کرنے پر کیا جاتا تھا اور

سطح کو محض ایک غلاف سمجھا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ بصورت مجموعی یہ نکلتا تھا کہ ایک خوب مضبوط اور قابل اعتماد سڑک بن جاتی تھی جس کی سطح تغیر پذیر ہوتی تھی اور جس کی تیاری بہت مہنگی پڑتی تھی یہ طریقہ بڑی شارع عام کے لئے خاص طور پر موزوں تھا۔

۳۔ میک آڈم میک آڈم (۱۷۵۶ء تا ۱۸۳۶ء) آیر میں پیدا ہوا اور ٹیلفورڈ کا بڑا حریف تھا۔ اس کا کام جتنا نمایشی تھا اتنا پائدار نہیں تھا اور اس کی غیر معمولی قابلیت کا اظہار ٹھوس تعمیر کے کام میں اتنا نہیں ہوا جتنا مرمت کے کام میں ہوا۔ اس کا بنیادی عقیدہ یہ تھا (اور یہ اتنا مشہور ہوا ہے کہ اس طریقے کا نام ہی اس کے نام سے موسوم کیا جانے لگا ہے) کہ بہت زیادہ مضبوط بنیاد غیر ضروری ہے یہی نہیں بلکہ وہ تو یہاں تک کہتا تھا کہ سطح کے نیچے کے پرت کے نرم ہونے سے فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ اس سے سڑک کو آمد و رفت کے ساتھ مطابقت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جب نیچے کے پرت کو بہت زیادہ سخت رکھا جاتا ہے تو سطح کے برباد ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا قول ہے کہ سطح کے نیچے کے پرت کی اہمیت بہت کم ہے بلکہ میرے نزدیک نرم بنیاد قابل ترجیح ہے۔

اس نے دلدلوں پر بغیر بنیاد کی سڑکیں تعمیر کیں۔ اس کی شرط صرف ایک تھی یعنی یہ کہ زمین کو اتنا مضبوط ہونا چاہیئے کہ وہ ایک آدمی کا بوجھ اٹھا سکے پھر اس کے بعد اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اگر پانی کے نکاس کا انتظام مکمل رکھا جائے اور سڑک کی سطح پانی کے لئے غیر نفوذ پذیر ہو تو سطح کے نیچے کی نرم ترین پرت زیادہ سے زیادہ بوجھ کو اٹھا سکے گی۔ ان اصولوں پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے وہ سطح کی خاطر ہر چیز کو قربان کرنے کے لیے تیار تھا۔ ٹیلفورڈ کے مقابلے میں اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے یہ ثابت کر دیا کہ ایسی اتفاقی وابستگی جیسی کھریا مٹی میں ہوتی ہے، وہ بنی اور پالے کے زمانے میں حقیقی نقصان کا موجب ہوتی ہے۔

اپنے تجربوں سے اُسے یہ بات معلوم ہوگئی کہ پتھر کے مکعب ٹکڑے اگر وہ چھوٹے اور برابر سایز کے ہوں تو آمد و رفت کے دباؤ کے نیچے ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے جائیں گے اور اس طرح سطح کو بہتر بناتے رہیں گے یہاں تک کہ مکمل طور پر کھچا کھچ بھر جائیں گے۔ وابستگی کھچا کھچ بھرنے میں مانع ہوتی ہے۔ اس طرح باہم مربوط

اور متصل ہونے کا عمل واقعی ہوتا رہتا تھا اور ٹیلفورڈ کے مقابلے میں میک آڈم کی سڑکوں کی سطح کم لاگت پر زیادہ بہتر بن جایا کرتی تھی۔ کچھ دن تک اس کے خیالات غالب رہے اور ٹیلفورڈ کی بنائی ہوئی سڑکوں کو "میکاڈما"[1] دیا گیا۔ لیکن بعد کے مفکروں نے ٹیلفورڈ کی تائید کی اور اب تمام مستقل اور اہم نئی سڑکوں کے لئے بنیاد کو مضبوط رکھا جاتا ہے۔

میک آڈم نے پہلے جو اصول رائج تھے انھیں زیادہ منظم صورت دے دی۔ اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سہولت کی خاطر اکثر ضروری ہوتا ہے کہ راستے کو بالکل سیدھا نہ رکھا جائے اور اس نے تمام بڑی سڑکوں کے لئے "ڈھال کی شرح" کا ایک معیار مقرر کر دیا تھا جس سے عام حالات میں تجاوز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ آج اسے تیس میں تقریباً ایک کے برابر مانا جاتا ہے اور یہ اتنی ہوتی ہے کہ ایک وزن کے کھینچنے میں جو زور لگایا جاتا ہے وہ ہموار سطح کے زور کے مقابلے میں تقریباً دوگنا ہوتا ہے وہ حدبیت کو بھی صحیح صحیح درجے پر رکھنے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا تھا۔

۴ - بعد کی ترقی میک آڈم کے بعد ترقی زیادہ تر نشو و نما کی طرف رہی اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ریلوں کے جاری ہو جانے کے بعد سڑکوں کی ضرورت نسبتہً کم ہو گئی تھی۔ لیکن اب کہ تجدید کی علامتیں دوبارہ نظر آ رہی ہیں، تمام طریقوں کا از سر نو جائزہ لینا ضروری ہوگا۔

۱۸۳۹ء میں لکڑی سے پاٹنے کا رواج شروع ہوا۔ اس سے سطح آرام دہ ہو جاتی ہے اور تقریباً بالکل شور نہیں ہوتا۔ چنانچہ چھوٹے شہروں کے لئے یہ موزوں ہے۔ سڑک پر ڈامر بچھانے سے جس کی ابتدا ۱۸۶۹ء میں ہوئی اور بھی زیادہ خاموش اور پائیدار سطح کو پیدا کیا جا سکتا ہے اور اس کا رواج ایک حد تک ہمیشہ رہے گا۔ آج کل گرد کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ نئے زمانے کی تیز رفتار اور وزنی آمد و رفت کا نتیجہ ہے۔ اس کا بہترین عارضی علاج یہ ہے کہ خشک سطح پر تارکول کو چھڑک دیا جائے۔ لیکن گرد چونکہ سڑک کے مسالے میں سے نکلتی ہے۔ اس لئے مسالے کے بہتر انتخاب سے فائدہ مند نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ سطح کے پتھروں کو رال سے جوڑنے سے بھی گھسائی کی رفتار

ا - Macadamised

میں کمی ہو جائے گی۔

۳۔ نہریں

صنعتی انقلاب کے زمانے میں نہروں کی اہمیت سڑکوں سے کچھ کم نہیں تھی۔ ابتدائی زمانے میں شمالی سمندر کا عبور کرنا نسبتاً سہل سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں خشکی کی مشکلات اگر اندرون ملک کے آبی راستوں کو استعمال نہ کیا جاتا بہت زیادہ تھیں۔ اس لئے آبی نقل و حمل کو برابر اہمیت حاصل رہی۔ جس جگہ کے آبی راستوں کا سمندر سے بھی تعلق تھا وہاں اُتارنے کی زحمت اور لاگت کا بھی سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ نہریں جب ایک دفعہ بن جاتی تھیں تو پھر مرمت کی بہت کم ضرورت ہوتی تھی اور ان کو چلانے کا خرچ بہت کم ہوتا تھا۔ بڑے بڑے وزنوں کو منتقل کرنے میں بھی پانی بہت کم مزاحم ہوتا ہے اور جب تجارت میں توسیع ہو رہی ہو تو مال منتقل کرنے کی لاگت میں اضافہ بہت کم ہوتا ہے۔

بعد کے زمانے میں جب ریلوں سے مقابلہ شروع ہوا ان کو مزید برتری یہ حاصل ہوئی کہ ان کے لئے کسی مہنگی مشین یا قوت محرکہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور سال کو ہر مقام پر پانے والے کے حوالے کیا جا سکتا تھا۔ ان کی بڑی کمزوری رفتار کی سستی تھی۔ چنانچہ ان چیزوں کے لئے جو خراب ہونے والی نہیں ہیں۔ مثلاً کوئلہ یہ اب بھی نفع بخش ذرایع حمل و نقل سمجھی جاتی ہیں۔ سو سال پہلے ان کو بے انتہا اہمیت حاصل تھی اور ۱۸۵۰ء میں ضلع درہم کے جنوب میں کوئی مقام جہاز رانی کے قابل دریا سے پندرہ میل سے زیادہ دور نہ تھا۔

(۱) برنڈلے :۔ برنڈلے (۱۷۱۶ء تا ۱۷۷۲ء) بہت ٹرار رہنما تھا۔ یہ ڈربی شائر میں پیدا ہوا۔ گو اس کی تعلیم بالکل نہیں ہوئی لیکن اس کے اندر مشین بنانے کا قدرتی ملکہ پایا جاتا تھا۔ اکثر لحاظ سے اسے ناکامی ہوئی لیکن اس نے رفتہ رفتہ اپنی قابلیت و مہارت کو اپنے آجروں پر واضح کر دیا۔ ۱۷۵۵ء میں ڈیوک آف برج واٹر اپنی ان کانوں سے جو لنکا شائر کے مقام دورسلے میں واقع تھیں کوئلے کو مانچسٹر لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن سڑک کی آمد و رفت کا خرچ بہت بیٹھتا تھا۔ اس لئے اس نے دریا کے راستے کوئلہ منتقل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن برنڈلے نے اسے نہر بنانے کا مشورہ دیا اور ایک ایسی نہر بنا دی جس کی تعمیر میں بہت جدت خیال دکھائی گئی تھی اور کاٹنے، سرنگ بنانے اور پشتہ قایم کرنے میں کسی زحمت کی پروا نہیں کی گئی تھی دریائے اروِل کو عبور کرنے کے لئے، انگلستان کے پہلے اہم پختہ نالے

کو تعمیر کیا گیا۔ نئے نمونے کے مطابق ملک کے اندر یہ پہلی نہر تھی۔ اس کے بعد لوگوں کو نہر سازی کا خبط ہو گیا اور برنڈلے نے اور بعد میں ٹیلفورڈ نے اپنی پوری طاقت اور مہارت کو تعمیر و تنظیم کے کام میں لگا دیا۔ ٹیلفورڈ نے اپنی ایلیس میر کی نہر کو انگلستان میں دو ایسے حیرتناک پختہ پلوں پر سے گذارا جن کی نظیر انگلستان نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی ایک کرک کے مقام پر تھا اور دوسرا دریائے ڈی پر۔ اس سلسلے میں کوئی اور بڑا نام لائق ذکر نہیں ہے لیکن اس کام میں مسلسل ترقی ہوتی رہی۔

۲۔ جہاز رانی کی نہریں :۔ جہاز رانی کی نہروں کو (تجارتی نقطۂ نگاہ سے) سمندر کی توسیع سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آئرلینڈ میں صرف ایک نیوری نہر اس کام کی ہے اور اسے ۱۷۶۱ء تا ۱۷۶۹ء میں بنایا گیا تھا۔ کیلی ڈونین نہر کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ گلوسٹر تا برکلے نہر کو ۱۷۹۳ء کے قانون کے بعد بنایا گیا۔ ٹیلفورڈ نے اس کے نقشوں پر نظر ثانی کی اور ۱۸۲۷ء میں اسے مکمل کیا۔ ایگزیٹر کی نہر کو جو انگلستان کی پہلی جہاز رانی کی نہر ہے ٹیلفورڈ کو گہرا کرنا پڑا تھا اور اب بڑے جہازوں کے لئے یہ نہر بہت اتھلی ہو گئی ہے۔

مانچسٹر کی جہاز رانی کی نہر اس سے بہت زیادہ اہم ہے۔ اس کی تعمیر کے مسئلے کو ۱۸۲۵ء میں چیپ مین نے اور ۱۸۴۰ء میں پالمر نے اٹھایا۔ اس کو ۱۸۸۷ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان تعمیر کیا گیا۔ ۱۸۸۳ء میں اس کی تجویز کو دار الامراء نے اور ۱۸۸۴ء میں دار العوام نے مسترد کر دیا تھا کیونکہ اس کی مخالفت نہایت تلخی کے ساتھ لورپول اور ان ریلوں کی طرف سے جو اس سے متاثر ہوتی تھیں کی گئی تھی۔ مسودۂ قانون بہت مشکل سے منظور ہو سکا۔ اس نہر کو سر ای۔ لیڈر ولیمس نے بنایا۔ اس نے طویل جوار بھاٹے کے کٹاؤ کی جگہ خاموش پانی کو ترجیح دی۔ اس لئے بند ضروری سمجھے گئے۔ اس کی ابتدا دریائے مرسی کے دہانے سے کی گئی اور جیشائر کی جانب ان کورن مقام تک اس کو لے جایا گیا۔ اس مقام سے ایک سطح نہر (جوار بھاٹے والی) وارنگ ٹن کے قریب پہلے بند تک لے جائی گئی۔ اس کے آگے مانچسٹر تک دریا کا تازہ پانی استعمال کیا گیا۔ چنانچہ بڑے جہازوں کے لئے صرف ایک رکاوٹ بند کی تھی اور اس کی زحمت جوار بھاٹے والے دریا کے مقابلے میں کم تھی۔ اس نہر کو راستے میں برنڈلے کی نہر کو عبور کرنا پڑا اور اس کام کو انگلستان کے پہلے جھولا پل[1] نے

[1] Swing Aqueduct

کے ذریعے کیا گیا۔ جب لانبے بادبانی جہاز گذرنا چاہتے تھے تو اسی پل کو ایک طرف ہٹا دیا جاتا تھا۔ اس نہر نے مانچسٹر کو قریب قریب ایک سمندری بندرگاہ بنا دیا ہے۔ اس کی تجارت بے انتہا بڑھ گئی ہے اور اس کا اثر لورپول پر پڑا ہے۔

جہاز کی نہریں اپنی لاگت اس لئے نکال سکتی ہیں کہ ان کے چلانے کا خرچ آمد ورفت کے اضافے سے بہت کم بڑھتا ہے۔ ان کو زیادہ تر خارجی تجارت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً مانچسٹر اپنے کچے مال کی ضرورت کو مغرب سے پورا کرتا ہے۔

۳۔ نہروں کی تاریخ :۔ وینس کی آبی راہوں کی طرح، اندرون ملک کی نہروں کو بھی ایسی ترقی یافتہ سڑکیں سمجھنا چاہئے جو داخلی رسل و رسائل کے لئے موزوں ہیں۔ پہلا آبی راہ کا قانون ۱۴۲۳ء میں منظور ہوا تھا جب ٹیمس کو گہرا کیا گیا تھا۔ اس وقت سے اب تک برابر اس دریا کی طرف توجہ کی جاتی رہی ہے اگرچہ اس کی بالائی منزل کی اہمیت اب بہت کم رہ گئی ہے۔ ۱۷۸۳ء میں کوٹس والڈز کی دریائی وادی میں ٹیمس تا سیورن نہر بنا کر ترقی کو مغرب کی طرف جاری رکھا گیا۔ ۱۸۴۲ء میں سیورن کا کمیشن مقرر کیا گیا جس نے اس دریا کو گہرا کر دیا اور اس کے درمیانی راستے کے تیز تر حصوں میں نہر بنوا دی۔ برنڈلے کا سب سے بڑا کارنامہ ٹرنٹ اور مرسی کے درمیان کی بڑی نہر ہے جس کو ابھی تک اہمیت حاصل ہے۔ لورپول، ہل، برسٹل اور لندن سب کو ملا دیا گیا تھا اور چیلٹرن پہاڑ کی وادیوں کے ذریعے لندن کو مڈلینڈز سے ملا دیا گیا تھا۔

برنڈلے کی مثال کی پیروی کرنا، جس کی پالیسی نہر بنانے میں وہی تھی جو رومیوں کی سڑکوں کے بنانے میں تھی، بہت مہنگا کام تھا۔ انگلستان کی نہریں عام طور پر پیچ در پیچ ہوتی ہیں۔ وادی کے ہر موڑ کے ساتھ مڑ جاتی ہیں اور چھوٹی سی چھوٹی پہاڑی سے کترا کر نکلنے کی کوشش کرتی ہیں۔ نہریں ہموار علاقے کے لئے موزوں ہوتی ہیں اور یہ علاقہ جتنا زیادہ آباد ہو اتنا ہی بہتر ہے تاہم ہمیں اس حیرت انگیز واقعے پر غور کرنا چاہئے کہ سب سے زیادہ مفید نہریں، انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے کی اور موجودہ زمانے کی وہی ہیں جو مشرق سے مغرب تک انگلستان کے آر پار جاتی ہیں اور جو پنائین کے غیر آباد پہاڑی علاقے میں سے ہو کر گزرتی ہیں۔ یہاں مختلف نہریں ایک سادہ نظام میں منسلک نظر آتی ہیں۔

۱۷۹۸ء میں آیر اور کالڈر کی جہازرانی کا قانون منظور ہوا - نہر جب بنائی گئی تو گول سے لیڈز تک جاتی تھی اور یہاں لیڈز اور لورپول کی نہر سے مل جاتی تھی اس کی دوسری شاخ ویک فیلڈ تک جاتی تھی اور وہاں سے راچ ڈیل اور مانچسٹر تک چلتی رہتی تھی -

بند بہت عام ہیں خصوصاً مرکزی حصوں میں - دس بیس میل ایسے ہیں جن میں کوئی شہر نہیں پڑتا - پہاڑیوں کی اونچائیوں پر ضروری پانی کو دونوں جانب مہیا کرنے کے لئے پُرمصارف ذخائر آب بنانا ضروری تھے اور دو شاخوں میں سرنگوں کے بنانے کی بھی ضرورت پیش آئی جن میں سے ایک اسٹین ایج کی سرنگ، ہڈرز فیلڈ اور اولڈھم کے درمیان تین میل لانبی تھی - سرنگوں میں آگے بڑھنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ کشتی میں بیٹھا ہوا شخص، دیوار کا سہارا لے کر کشتی کو آگے ڈھکیلتا جاتا ہے تعمیری مشکلات کا تصور کیا جاسکتا ہے - اگر دریائی وادیاں (آیر، کالڈر اور کولن) موجود نہ ہوتیں جن کا ذکر کیا جاچکا ہے تو یہ نہریں نہ بن سکتیں - موجودہ حالات میں بھی ایک نہر ایسی ہے جو تقریباً ایک ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچتی ہے

۵ - پنائن کی نہر کا نظام :- اس نظام کو اپنی متعلقہ سڑکوں اور ریلوں کے ساتھ، گذشتہ صدی میں جو بے انتہا اہمیت حاصل رہی ہے اس کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی بیان کی جائیں - مثلاً جہاز کوپن ہیگن سے خلیج بالٹک کے سامان کو، گول پہنچایا کرتے تھے - کشتیوں کا "قافلہ" جن میں سے بہت سی ایسی ہوتی تھیں جنھیں بھاپ کے وزن کش انجنوں سے کھینچا جاتا تھا کیل فورڈ میں مال لاتے تھے - کچھ کشتیاں دریائے آیر کے ساتھ ساتھ لیڈز تک جاتی تھیں جہاں بیشتر مال روک لیا جاتا تھا اور کچھ کشتیاں جو لیڈز کا مال بھی لے جاتی تھیں - دوسری نہر سے بلیک برن اور لورپول چلی جاتی تھیں - دوسری کشتیاں جنھیں عام طور پر گھوڑے یا آدمی کھینچا کرتے تھے ہیلی فیکس کے قریب دریائے کالڈر سے گذرتی تھیں اور کالڈر کی وادی کو عبور کرکے مانچسٹر پہنچ جاتی تھیں - دوسری طرف ایک شاخ نہر جو استعمال میں کم آتی تھی دریائے کولن کی وادی میں سے گذرتی تھی اور ہڈرز فیلڈ کو چیشائر اور لنکاشائر کے صنعتی اضلاع سے ملاتی تھی -

صنعتی انقلاب کے زمانے میں ان نہروں کی جو ضرورت تھی وہ ظاہر ہے -

پہاڑی کے اوپر کی سڑکیں (جنوب میں) اونچی اور غیر محفوظ تھیں اور زیادہ آمد و رفت کے لئے ناموزوں تھیں لیکن پھر بھی سوائے ان دنوں کے جب برف کی وجہ سے بند ہوتی تھیں برابر استعمال کی جاتی تھیں۔ لنکا شائر میں سوتی کپڑا تیار کیا جاتا تھا اور اس کی بندرگاہ لورپول تھی۔ یارک شائر میں اونی کپڑا تیار ہوتا تھا اور اس کی بندرگاہ ہل تھی۔ ان میں سے ہر ضلع کے لئے جن کی آبادی بڑھ رہی تھی۔ درآمد اور برآمد کے لئے دو بندرگاہوں کی ضرورت تھی اور ان دونوں ضلعوں کے مابین تجارت ضروری تھی لیکن جنوبی ڈربی شائر تک کوئی نیچا درہ موجود نہیں تھا۔

یارک شائر کی آبادی نے لنکا شائر کے سوتی کپڑے کو خریدنا شروع کر دیا اور اس کی قیمت کو بڑھا کر سوتی صنعت کی حالت کو بہتر کر دیا۔ دوسری طرف یارک شائر کو بھی لنکا شائر کی قربت سے اسی قسم کا فائدہ پہنچا۔ چنانچہ جب آبادی تیزی کے ساتھ جنوب مغربی یارک شائر جنوبی لنکا شائر میں کوئلے کے علاقوں میں جمع ہونے لگی تو ان اضلاع کے درمیان رسل و رسائل ضروری ہوگیا۔ سڑک کے ذریعے نقل و حمل مشکل تھی اس لئے نہروں کا بنانا لازمی ہوگیا چاہے اس کی لاگت کتنی بھی ہو۔ موجودہ زمانے میں جب نہروں کی کساد بازاری ہے، ان آبی راہوں کو ایک حد تک استعمال کیا جاتا ہے۔

۵۔ آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ۔ سلسلۂ رسل و رسائل کو مکمل کرنے کے لئے، مال و مسافر کی آمد و رفت، لورپول تک اور وہاں سے سمندر کو پار کر کے ڈبلن تک ہو سکتی ہے۔ یہاں سے جزائر برطانیہ کی آبی راہوں کا سب سے بڑا متحد سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ بڑی نہر کی تعمیر کو ۱۷۵۳ء میں شروع کیا گیا تھا۔ یہ مغرب کی طرف شنان ہوتی ہوئی بیلی ناسلو تک جاتی ہے۔ دوسری طرف ایک اور شاخ، دریائے بیرو کے ساتھ ساتھ، جنوب کی طرف جنوبی ساحل تک جاتی ہے۔ ریل سے اگرچہ اس کا مقابلہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس کی حالت اچھی ہے اور خاصا نفع کما لیتی ہے۔

شاہی نہر، مڈلینڈ کی مغربی ریلوے کے ساتھ ساتھ، مولنگر کے پاس سے شنان تک جاتی ہے۔ لیکن اس کا استعمال بہت کم کیا جاتا ہے۔

آئرلینڈ نہریں بنانے کے لئے بہت موزوں جگہ ہے۔ اس کی زمین مسطح ہے اور پانی کی اتنی افراط ہے کہ بعض وقت محض دلدلوں کو کام میں لانے کے لئے نہروں کو تعمیر کرنا پڑا۔

اسکاٹ لینڈ میں، میدانوں کا ایک تنگ حلقہ دو یا تین میل چوڑا جس کا سلسلہ سمندر سے سمندر تک ہے، ٹھیک اس جگہ پر ہے جہاں ملک سب سے زیادہ تنگ اور سب سے زیادہ آباد ہے۔ جہاز رانی کے لایق نہر اگر یہاں ہوتی تو بے انتہا فایدہ مند ہوتی لیکن دریائے فورتھ اور کلائیڈ کی نہر محض کشتیاں چلانے کے لئے موزوں ہے ۱۸۰۲ء میں بھاپ سے چلنے والی پہلی کشتیاں یہاں استعمال کی گئیں اور ان کا رواج دوسری جگہ بھی ہو گیا۔ لیکن چھوٹے بوجھوں کے لئے اور ان جگہوں میں جہاں بند بہت سے ہوں ان کا چلانا نفع بخش نہیں ہے۔

۶۔ فواید اور کمزوریاں:۔ انگلستان کو جو فائدے اپنے نہر کے نظام کو ترقی دینے سے حاصل ہوئے وہ ظاہر ہیں۔ نہروں نے نقل و حمل کی لاگت کو ایک چوتھائی کر دیا، کوئلے کو ملک کے اندر تقسیم کرنا معاشی اعتبار سے ممکن بنا دیا اور ان کی وجہ سے کارخانے اور جھکڑ بھٹیاں سہولت کی جگہوں پر شروع کی جا سکیں۔ عمارت کا وزنی سامان پہلی مرتبہ آسانی سے منتقل کیا گیا جس سے نئے شہروں کو ترقی کرنے کا موقع ملا۔ ان کی وجہ سے جنوبی لنکا شائر اور شمالی اسٹیفورڈ شائر کو لورپول سے اور برمنگھم اور مڈلینڈز کو ٹیمس کی وادی سے آسانی کے ساتھ سلسلۂ آمد و رفت میں منسلک کیا جا سکا۔ پروفیسر نولس کے بیان کے مطابق جب اسٹیفورڈ شائر نے کارنوال کے ساتھ آبی سلسلۂ آمد و رفت شروع کیا تو مٹی کے برتن بنانے والے علاقوں کی آبادی پچیس سال تین سو فی صد بڑھ گئی۔ اور جب سڑکوں سے باربردار گھوڑوں کو نکال دیا گیا تو گشت کرنے والے تاجروں کا عہد شروع ہوا۔

گو نہروں نے انگلستان کے اندر خوش حالی پیدا کرنے میں صاف اور واضح حصہ لیا ہے لیکن انھیں بناتے وقت آیندہ کی ترقی پذیر ضرورتوں کے بارے میں بہت کم یا بالکل پیش بینی سے کام نہیں لیا گیا۔ انھیں چونکہ سینکڑوں مختلف کمپنیوں نے تعمیر کیا تھا اس لئے ان میں یکسانیت نہ تو چوڑائی کے اعتبار سے پائی جاتی تھی نہ گہرائی کے۔ بندوں کی لمبائی اور چوڑائی بھی بے انتہا مختلف ہوتی تھی۔ یہی حال سرنگوں کے سایز اور پلوں کی اونچائی کا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ صرف بہت چھوٹی کشتیاں ایک نظام سے دوسرے نظام میں سہولت کے ساتھ پہنچ سکتی تھیں۔ دوسری اہم خامی یہ تھی کہ موجودہ صدی تک، مسلسل سفر کے لئے کرایہ کی کوئی ایک شرح مقرر نہیں تھی۔ ۱۸۴۵ء تک نہر بنانے والی کمپنیاں مال لانے لے جانے کا کام خود نہیں کرتی تھیں بلکہ

ہر اُس شخص کو جو نہر کا محصول ادا کر دے پانی کے راستے کو استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ افراد کی تلون مزاجی کے مطابق کرایوں میں تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔ جتنی تیزی سے نہریں تقریباً اتنی ہی تیزی سے، دریا کی وادیوں اور ان پگ ڈنڈیوں کے گرد جن پر سے گھوڑے کشتیوں کو کھینچ کر، صنعتی شہروں کے درمیان سے لے جایا کرتے تھے، فیکٹریاں بننا شروع ہو گئیں۔ اس لئے اس نظام کو اس طرح وسیع کرنا کہ اس کے اندر بھاپ سے چلنے والی کشتیاں رواج پا سکیں کم سے کم معاشی لحاظ سے ناممکن تھا۔

۷۔ بعد کی مشکلات:۔ ریلوں کے ایجاد ہونے کے بعد اس نظام کو یکبارگی اور سخت نقصان پہنچا اور ۱۸۴۵ء کے قریب انتقال ملکیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ کبھی تو اس وجہ سے کہ ریل کے مالکوں نے دل لبھانے والی قیمتیں لگائیں اور کبھی خوف وہراس کی وجہ سے جو قیمت بھی ملی اس پر نہروں کے مالک انھیں فروخت کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ ریل کے مالکوں کے لئے خریداری کی محرک یہ امید تھی کہ اس طرح انھیں اجارہ حاصل ہو جائے گا چنانچہ جب نہریں حاصل کر لی گئیں تو انھیں بے کار پڑا رہنے دیا گیا۔ آئرلینڈ کی آزاد شاہی نہر کا (جس کی مالک ایک ریلوے تھی) جب بڑی نہر سے جو نجی ملکیت میں تھی مقابلہ کیا جاتا ہے تو صورتِ حال واضح ہو جاتی ہے۔

بہر حال، ریلوں نے، نہروں سے ویسا پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ ایک نجی کمپنی اٹھاتی۔ ان میں آہستہ آہستہ گھاس پات کو اُگنے دیا گیا اور ان کی صفائی ناکافی طور پر کی جانے لگی۔ آمد و رفت میں جب اضافہ ہوا تو کشتیوں کے سائز کو نہیں بڑھایا جا سکا کیونکہ بہت سے آبی راستوں اور بندوں کو وسیع کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

ریلوں کی طرح، جن میں چھوٹی لائنوں کو بڑی لائنیں خرید رہی تھیں آمد و رفت کو مسلسل رکھنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ جہاں یہ صورت ممکن تھی وہاں سلسلے کی کڑیوں پر ریلوں کا قبضہ تھا اور وہ اس قسم کی کوئی سہولت دینے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ یہ حکمت عملی تنگ نظری پر مبنی تھی کیونکہ نہروں کو با جگزار راستوں کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ لیکن تجارت کرنے والی پبلک بھی ریلوں کی شان و شوکت کی گرویدہ ہو گئی تھی۔ غرض نہروں کی اہمیت کم ہو گئی اور یہ اثر اب تک چل رہا ہے گو اب پبلک کی توجہ اس معاملے کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ آئرلینڈ کو خاص طور پر بہت نقصان پہنچا۔

۴۔ ریلیں:۔ صنعتی انقلاب کو ممکن بنانے کا کام نہریں انجام دے چکی تھیں بشرطیکہ بمشکل مکمل ہوئی تھیں اب ان دونوں کی جگہ بڑی حد تک ریلوں نے لے لی۔ ان کی برتری نہروں کے مقابلے میں یہ ہے کہ یہ تیز رفتار ہوتی ہیں اور سڑک کے مقابلے میں یہ کہ نقل وحمل کا کام (طویل فاصلوں پر) ان کے ذریعے سستی لاگت پر کیا جا سکتا ہے۔ جب ایک دفعہ ریل کی لائن بن جاتی ہے تو آمد و رفت میں بڑا اضافہ، لاگت کے کم تر نسبتی اضافے کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ثانوی مصارف خود تیز رفتاری کی وجہ سے گھٹ جاتے ہیں۔ سڑک کی آمد و رفت کی لاگت کا ایک بڑا حصہ راستے کے ضروری اخراجات پر مشتمل ہوتا ہے۔ نہروں کی طرف سے غفلت برتی گئی اور انھیں خرید لیا گیا، سڑکوں کی اہمیت کم ہو گئی۔ یہ تبدیلی جہاں تک مال کے نقل وحمل کا تعلق ہے بہت نمایاں تھی۔ مسافروں کی آمد و رفت ہمیشہ سے محض اشتہار کا کام انجام دیتی رہی ہے۔ اس تبدیلی کے پیچھے جو محرک کام کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ گھوڑے کی طاقت کے خرچ سے نجات حاصل کی جائے اور اس کی جگہ ایک قابل اعتماد قدرتی عامل کو استعمال کیا جائے۔

جب تک بھاپ کا انجن ایجاد نہیں ہوا، بہت کم ترقی ہو سکی اور اس کے بعد بھی ریلوں کے چلانے کے لئے اس کے استعمال کرنے میں جو دقتیں تھیں ان کو دور کرنا ضروری تھا۔ ریلوں کو آہستہ آہستہ اور تجربے کے طور پر جاری کیا گیا۔ ابتدا میں ان مقامات میں جہاں وزنی مال (خصوصاً کوئلہ) کو منتقل کرنا ضروری تھا اور جہاں تعمیر کا کام آسان تھا۔ پُر مصارف لائنیں آہستہ آہستہ ہی بن سکیں۔ نہروں کی طرح لائنوں کی سب سے زیادہ ضرورت شمال میں تھی جہاں آمد و رفت قدرتی وجوہ سے مشکل ہے۔ انگلستان کی ابتدائی ریلیں وہ تھیں جنھوں نے پینائنس کے دونو جانب صنعتی اضلاع کے کاروبار کو وسعت دی۔ اس کے بعد ان پہاڑیوں میں سرنگیں بنائی گئیں اور لورپول اور ہل کے درمیان، سمندر سے سمندر تک سلسلۂ آمد و رفت کو آسان کر دیا گیا۔ جس قسم کے صنعتی حالات موجودہ زمانے میں پائے جاتے ہیں انھیں ریلوں ہی نے قایم کیا ہے۔ ان کی وجہ سے لنکاشائر اور مغربی رائڈنگ کو کاروبار کا ایسا اچھا موقع مل گیا جس سے وہ ابھی تک فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ریلوں کے نظام کو "پہلے" نہر کے نظام کی توسیع سمجھا جاتا تھا۔ راہ پٹی، نہروں کے طریق پر ہی وصول کی جاتی تھی۔ ابتدائی خیال یہ تھا کہ کرایہ ادا کرنے کے بعد ہر شخص ریل کا استعمال کر سکتا ہے۔ مسافر اس بات پر اڑ جاتے تھے کہ ان کو لے جایا جائے اور ریل والوں کو ان کے لئے

انتظام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ایک عرصے تک ان کے ساتھ کسی قدر حقارت آمیز سلوک کیا جاتا رہا۔ گھوڑا گاڑی (کوچ) کے مقابلے میں ان کے اندر صرف اتنی دلکشی تھی کہ یہ رفتار میں تیز اور لاگت میں سستی ہوتی تھیں۔

(۱) ریلوں کی ترقی:۔ ریلیں کوئی نئی چیز نہیں ہیں۔ پہیہ دار گاڑیوں کے ذریعے آمد و رفت کے طریقے میں جو برتری ہے اس کا علم لوگوں کو ایک طویل زمانے سے تھا اگرچہ رکاوٹوں کے باوجود رومیوں نے جس طرح اپنی سڑکوں کو سیدھا رکھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں اس کی اہمیت کم سمجھی جاتی تھی۔ سولھویں صدی کے وسط میں "ویگن کی ایک پٹری" موجود تھی جس پر نیوکیسل سے ٹائن تک کوئلہ لے جایا جاتا تھا۔ ۱۷۶۷ء میں کول بروک ڈیل میں لکڑی کی پٹریوں کی جگہ لوہے کی پٹریوں کا استعمال کیا جانے لگا اور کانوں اور کھانوں کے نزدیک ویگن کی پٹریوں کا استعمال بہت عام ہوگیا۔ ان کے چلانے کے لئے گھوڑوں کو قوت محرکہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ بھاپ کا پہلا ریل چلانے والا انجن ۱۸۰۲ء میں ٹری وِتھک نے مرتھر ٹڈ فل میں استعمال کیا۔ اس کو کوئی عملی کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ یہ بہت بیش قیمت تھا لیکن اس سے انجن کا آغاز ہوگیا۔ ۱۸۱۱ء میں بلنکن ساپ نے لیڈز کے قریب دندانے دار پہیوں کا استعمال کیا۔ ۱۸۱۳ء میں ہاڈلے نے مشہور "پفنگ بلی" کو نیوکیسل کے قریب وائیلم کی کانوں میں استعمال کیا اور یہ ایک طویل عرصے تک چلتا رہا۔ ۱۸۱۴ء میں اسٹیفن سن نے اپنا پہلا انجن (بلوچر) بنایا۔

اسٹاک ٹن اور ڈارلنگ ٹن کی ریل کو ۱۸۲۱ء میں بڑی مخالفت کے بعد تعمیر کرنے کی اجازت دی گئی۔ اسے ۱۸۲۵ء میں شروع کیا گیا اور اسٹیفن سن نے انجینیر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس کے مکمل ہوجانے کے بعد ڈارلنگ ٹن میں کوئلے کی قیمت ۱۸ شلنگ سے گر کر صرف ۸ شلنگ فی ٹن رہ گئی ریلوں کے معاشی اثر کا جو اندازہ صفحوں کے بیان سے ہوسکتا ہے اس سے کہیں زیادہ محض اس ایک واقعے سے ہوسکتا ہے۔ جب لورپول اور مانچسٹر ریلوے کے بنانے کی اجازت دی گئی تو قائم انجنوں کو استعمال کرنے کی (جیسے آج بھی بہت سی کوئلے کی کانوں میں ہوتے ہیں) تجویز پیش کی گئی۔ لیکن اسٹیفن سن نے اس کی مخالفت کی اور اس تجویز کو مسترد کرا دیا۔ جس کا نتیجہ متحرک انجنوں کے لئے مشہور انعامی مقابلہ ہوا

ان ابتدائی پٹریوں میں جب کامیابی ہوئی تو ان کی تعمیر کے کام کو وسعت دی گئی۔ ابتدا میں فائدہ مند ریلیں بنائی گئیں اور بعد میں اندھادھند تعمیر اور بحرانی ترقی شروع ہوئی

جس کا انجام ۱۸۴۴ء تا ۱۸۵۰ء کے ریلوں کے خبط کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ۱۸۴۷ء کا مالی بحران زیادہ تر اسی کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد سے ترقی کی رفتار نسبتاً سست رہی۔ ۱۸۵۰ء میں چھ ہزار چھ سو میل لانبی لائن تھی۔ ۱۸۶۰ء میں دس ہزار میل اور ۱۸۷۰ء میں ۱۵ ہزار میل۔ اس کے بعد تعمیر کا کام بہت سست پڑ گیا۔ ۱۸۴۲ء میں قانون تنظیم ریل نے اور اس کے بعد ۱۸۸۹ء میں تجارتی بورڈ کی نگرانی کی توسیع نے، تعمیر اور نگرانی کے کام کو پارلیمنٹ کی معرفت پبلک کے ہاتھ میں سپرد کر دیا۔

اسکاٹ لینڈ میں مونک لینڈ کی ریل ۱۸۲۶ء میں بنائی گئی آئرلینڈ میں ریلوں کی تعمیر کو بعد میں ترقی ہوئی۔ ڈبلن اور کنگس ٹن کی ریل ۱۸۳۴ء میں بنی۔ لیکن ایک طویل عرصے تک وہاں صرف یہی ایک ریل تھی

۲۔ جارج اسٹیفن سن:۔ جارج اسٹیفن سن (۱۷۸۱ء تا ۱۸۴۸ء) وائلم میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ابتدا میں کوئلے کی کانیں کھودنے کا کام کیا کرتا تھا اور اس نے ایک سیفٹی لمپ اسی زمانے میں ایجاد کیا تھا جس زمانے میں ڈیوی نے کیا تھا۔ لیکن اس کی ایجاد ڈیوی کے اثر سے بالکل آزاد تھی۔ اس لمپ کو ۱۸۱۵ء میں کامیابی کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اس نے ۱۸۱۴ء میں سب سے پہلے بھاپ کے جھکڑ کے اصول کو ہیٹن کی کوئلے کی کان میں ریل کے متحرک انجن پر منطبق کیا۔ قایم اور متحرک انجن کے نظاموں کے درمیان جو مقابلہ جاری تھا اس میں اس نے موخر الذکر کو لایق ترجیح سمجھا۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ریل کے لئے علیحدہ سڑکوں کے بنانے کی ضرورت ہے اور یہ اس لئے نہیں کہ اُسے آیندہ ہونے والی ترقیوں کا پہلے سے اندازہ ہو گیا تھا بلکہ اس لئے کہ وہ ڈھلان کو کم رکھنا چاہتا تھا اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ڈھلان میں اضافے کی وجہ سے لاگتیں بے انتہا بڑھ جاتی ہیں۔ نیز یہ کہ ابتدائی لاگت اگرچہ بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کی کافی تلافی غالباً اس بچت سے ہو جائے گی جو اس کی وجہ سے پیدا ہوگی۔ اس نے پرانی وضع کی ڈھلواں لوہے کی پٹریوں کو ترک کر دیا اور اس کی جگہ پٹواں لوہے کو استعمال کیا۔ اس کی حقیقی کامیابی یہ تھی کہ اس نے ۱۸۳۰ء میں لورپول اور مانچسٹر ریلوے کو جاری کیا۔ ۱۸۲۹ء میں اس نے اپنے انجن راکٹ کے ذریعے ڈائرکٹروں کے مقرر کئے ہوئے انعام کو حاصل کیا۔ اس کے انجن کا صرف ایک اہم مدمقابل تھا اور وہ راستے میں ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد اسٹیفن سن نے اپنی پیمائش کی واقفیت کا ثبوت

چیٹ سوس کی لائن کو بنا کر دیا اور بعد میں دوسری لائنوں کو جن میں سے زیادہ اہم کی نگرانی وہ خود کیا کرتا تھا۔

اسٹیفن سن نے جو کام شمال کی ریلوں کے لئے کیا وہی کام برونل نے جو گریٹ ویسٹرن ریلوے کا انجینیر تھا جنوب کی ریلوں کے لئے کیا۔ برونل نے مسافر گاڑی کی تیز رفتاری کا لحاظ کر کے اپنی ریلوں کو بڑی پٹری کے اصول پر بنایا۔ ریلوں کی ابتدائی تاریخ میں پٹریوں کی چوڑائی کے کم یا زیادہ ہونے کی جنگ کا شمار بہت اہم واقعات میں کیا جاتا ہے۔ شمال کی ریلوں کی چوڑائی ۴ فٹ ۸½ انچ ہوتی تھی۔ چنانچہ جب مڈلینڈ اور گریٹ ویسٹرن ریلوے گلوسٹر پر آکر ملیں تو پارلیمنٹ کو مداخلت کرنا پڑی اور ایک طویل کشمکش کے بعد چھوٹی لائن انگلستان کی معیار بنا دی گئی۔

ابتدائی زمانے کے دوسرے مشہور ریلوے انجینیر حسب ذیل تھے: سر ولیم کیب اٹ جس نے لندن سے پیٹر برونک گریٹ ناردرن لائن، اور لندن سے فوکس ٹن تک ساؤتھ ایسٹرن ریلوے بنائی۔ اور سر جان ہاک شا جس نے لندن کے چند ابتدائی ریلوے اسٹیشنوں کے نقشے بنائے۔

۳۔ <u>ہلکی ریلیں</u>۔ اکثر صورتوں میں بڑی سڑکوں کو، بھاپ کے متحرک انجنوں کے لئے استعمال کرنے کی بہت تحریص ہوتی تھی۔ بعد میں لومبارڈی میں اس طرح کی سڑک کی ریلوں کا ایک بڑا نظام بن گیا تھا جو اب تک باقی ہے۔ برطانیہ کے مسطح اور زیادہ آباد حصوں میں ایک حد تک اس قسم کی ریلیں پائی جاتی تھیں۔ ڈبلن اور دوسرے مقامات میں یہ اب بھی ملتی ہیں۔ بعد میں ان کی ترقی ٹریم کے راستوں کی صورت میں ہوئی یا موخرالذکر کو اس وقت علیحدہ بنایا گیا جب بہت سے اضلاع نے اس زراعتی پیداوار کو بازار میں لانا چاہا جو ریل کی معمولی لائن کا خرچ برداشت نہ کر سکتی تھی۔ ۱۸۹۶ء میں ہلکی ریلوں کا قانون منظور ہوا۔ اس وقت سے اس طرح کی بہت سی ریلیں جو کوئلے کی کانوں کی پٹری سے مشابہ ہیں ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی ہیں۔

ریلوں نے نہ صرف موجودہ ترقی میں مدد دی جیسا انھوں نے شمال میں کیا تھا بلکہ جداگانہ طور پر ان کا قومی ترقی پر بھی بہت کچھ اثر پڑا۔ ریلوں کے بڑے مرکزی شہروں نے مثلاً کریو اور سوئن ڈن نے ایسی ترقی پائی جیسی دنیا کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملتی بہت سے غیر اہم مقامات دفعتہً ترقی کر گئے۔ دوسری طرف ایسے شہر جو ریلوں کی بڑی پٹری کے متصل

نہیں تھے اس کی وجہ چاہے ان کے بااثر باشندوں کی خودغرضانہ مخالفت رہی ہو یا ان کا حماقت آمیز تعصب یا جغرافیائی سہولتوں کی کمی ان کی اہمیت زایل ہوگئی۔ بڑی پٹریوں کے داخلے کو نامنظور کرنے کے سلسلے میں جو غلطی ویک فیلڈ نے کی تھی اس پر وہ برابر پچھتا تا رہا۔ اسٹیم فورڈ اب شمال کے بڑے راستے پر نہ رہا۔ اس کی جگہ پیٹربرو نے لے لی ہے۔ کارلائل اب بھی اسکاٹ لینڈ کی آمد و رفت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ دوسری طرف برمنگھم کو اس وجہ سے بے انتہا ترقی ہوگئی ہے کہ انگلستان کے تمام حصوں کے لئے اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جن اسباب نے اسٹرلنگ کو فوجی نقطۂ نگاہ سے ایک اہم مقام بنایا تھا انھیں نے اسے ریل کا ایک مرکز بھی بنا دیا ہے۔ جب سے ریلیں ان کے لئے ایک موثر با جگزار بن گئی ہیں، ڈوور جیسے ڈاک کے جہاز کے اسٹیشنوں کو ایک نئی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔

۴۔ معاشی اثرات :- ریلوں کے جاری ہونے کے معاشی اثرات اتنے ہی اہم تھے جتنے کہ کارخانوں میں قوت محرکہ سے چلنے والی مشینوں کے اثرات تھے۔ نقل و حمل کی لاگت کم ہوگئی اور چیزیں سستی ہوگئیں۔ کاروبار میں تیز رفتاری پیدا ہوئی نہر کے ذریعے نقل و حمل کا کام سڑک کے مقابلے میں بلاشبہ سستا اور آسان تھا لیکن ریل کے مقابلے میں، اس کی رفتار نسبتہً سست تھی۔ پھر ریلوں کو ان جگہوں پر لے جایا جا سکتا تھا جہاں نہروں کا پہنچنا مشکل تھا۔ اس لئے اس کے اثرات بہت زیادہ بنیادی حیثیت رکھتے تھے اور دور تک پھیلے ہوے تھے۔ ریلوں نے مال اور اشخاص کی نقل پذیری میں ایسا اضافہ کر کے جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا مقابلے کی قوتوں کو شدید کر دیا تھا۔ صناعوں کو بڑی سخت آزمایشوں سے گزرنا پڑتا تھا اور نا اہل آجروں کو تیزی کے ساتھ چھانٹ کر خس و خاشاک کی طرح نکال باہر کیا جاتا تھا۔ دوسری طرف ان لوگوں کی حیثیت جو پہلے سے مضبوط تھے مضبوط تر ہوگئی تھی چیزوں کی نسبتی اہمیت میں بھی تبدیل ہوگئی تھی۔ سمندر پار ریلوں کی ترقی سے انگلستان کو موقع ملا کہ ان علاقوں سے اپنی غذا کی رسد کو منگائے جو پہلے اس کی پہنچ سے باہر تھے۔ اور دخانی جہاز کے اشتراک عمل سے گرم مسالوں اور دوسری چیزوں کی جگہ جنھیں پہلے خارجی تجارت کی بنیادی چیزیں سمجھا جاتا تھا وزنی مال مثلاً مشین اور کوئلے کو بھیجنے کا موقع ملا۔

حتیٰ کہ کوئلے اور لوہے کی صنعتوں پر بھی ریلوں کے فوری اثرات بھی بے انتہا تھے۔ ریلوں نے مندرجہ ذیل سامان کی بے انتہا طلب پیدا کر دی۔ کوئلہ اور لوہا، بعد میں فولاد کی

پٹریاں، انجنوں کے لئے پلیٹیں ڈھلے ہوئے اور بھٹی میں تیار کئے ہوئے سامان اور ریل کی گاڑیاں۔

سستی، تیز رفتار اور یقینی نقل و حمل کا صنعت پر متعدد طریقوں سے اثر پڑا۔ پہلے زمانوں کی طرح اب یہ ضروری نہیں رہا کہ مستقبل کے تجدید رسد کے غیر یقینی حالات کا خیال کر کے، تاجر اپنے پاس مال کے بڑے بڑے ذخیروں کو جمع رکھیں۔ پھر اس سے تاجروں کو اس بات کا بھی موقع ملا کہ روپے کو کاروبار میں لگا کر اپنا کام چلا لیں جو کفایت کی ایک نہایت اہم صورت تھی۔

ریلوں نے اس بازار کی جگہ جو محض مقامی تھی قومی بازار کو پیدا کیا اور اس کے نتیجے کے طور پر کاروبار کی اکائی کو زیادہ بڑا کر دیا۔ سستے اور تیز رفتار نقل و حمل کے انتظامات کی وجہ سے پرانے زمانے کے میلوں کی دوکانوں کی جگہ، خردہ فروشی کی جدید دوکانوں کو پیدا کر دیا اور کارخانے کے پیمانے پر جو قدرتی پابندی کچے مال اور ایندھن کی فراہمی کی مشکل کی وجہ سے لگی ہوئی تھی، اُسے دور کر دیا۔

ایک حد تک ریلوں نے کاروبار کی نوعیت کو بھی بدل ڈالا۔ شدید تر مقابلے کی جگہ جو اس کے ابتدائی اثر کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، آہستہ آہستہ تاجروں کے درمیان معاہدے اور اتحاد ہونے لگے جن کا مقصد پیدائش کو محدود اور قیمتوں پر نگرانی کرنا ہوا کرتا تھا۔ ۱۸۶۰ء کے بعد خود ریلوں نے یہ ضروری سمجھا کہ بڑی اکائیوں میں ضم ہو جائیں اور یہ ایسی مثال تھی جس کی پیروی صنعت نے عام طور پر کی۔

معاشری اعتبار سے بھی ریلوں کے اثرات بہت بڑے تھے، نقل و حمل کے کام کرنے والے لوگوں کا ایک نیا طبقہ پیدا ہو گیا جس کے اندر یگانگت کا بہت زیادہ احساس پایا جاتا تھا اور جس نے بعد میں مزدور سبھائی تحریک میں جنگجویانہ عنصر کے اثر کو نمایاں کر دیا۔ ریلوں نے انگلستان کی زندگی کو شہری بنانے میں اتنی ہی مدد دی جتنی کہ فیکٹری اور قوت محرکہ سے چلنے والی مشین نے دی تھی۔ ۱۸۷۰ء کے بعد جب غلہ کی کاشت سوائے چند اضلاع کے باقی کہیں اور نفع بخش نہیں رہی تھی ریلوں کی وجہ سے شیر[له] سازی کی صنعت اور

له Dairy Farming

تجارتی باغبانی[۱] کو فروغ حاصل ہوا۔ مضافات میں، بڑے صنعتی شہروں کی توسیع، ریلوں کے بغیر ناممکن ہوتی اور انھوں نے ان حالات کو بھی پیدا کیا جو موجودہ زمانے کے گوداموں اور مختلف اشیا بیچنے والی دوکانوں کے لئے نیز تندرستی بحال کرنے کے ان مقامات کے لئے ضروری تھے جو آج ہمارے ساحلی کنارے پر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۵۔ بعد کی ترقی:۔ بعد کی ترقی بحیثیت مجموعی، محض نشو و نما دینے تک مشتمل رہی ہے۔ ۱۸۸۹ء میں خود بخود لگنے والے بریک اور ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی متحرک گاؤدم پٹریوں[۲] کے ساتھ جس سے ریل پٹری بدلتی ہے، بلاک کے نظام[۳] کے مطابق کام کو شروع کیا گیا۔ حفاظت کو یقینی بنانے کے لئے کوششیں کی گئی ہیں۔ لیکن حادثات جو زیادہ تر انسانی عنصر کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں، اب بھی بہت عام ہیں بہترین سواری گاڑیوں میں مشکل سے ترقی کی گنجایش ہے اور مال کی بڑی گاڑیاں بھی بھروسے کے لائق اور کارگذار ہیں۔

۶۔ انگلستان کی ریلوں کی خصوصیات:۔ برطانیہ کے ریلوں کے نظام میں کئی خصوصیتیں قابل لحاظ ہیں جو اسے امریکہ اور یورپ کی ریلوں کے نظام سے ممتاز کرتی ہیں۔ انگلستان کی ریلوں کی تعمیر میں بھی نظام کی ویسی ہی کمی پائی جاتی ہے جیسی یہاں سڑکوں اور نہروں کے اکاٹنے میں پائی جاتی تھی اور ان کے تعمیر کے سلسلے میں جو مخالفت کی گئی نیز اس واقعہ کی وجہ سے کہ یہاں خانگی اقدام کو حکومت کا کوئی سہارا نہیں ملا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ، اس لاگت فی میل کی شکل میں ظاہر ہوا جس کا عکس ابھی تک مال اور مسافر کے کرایوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے ۱۹۰۰ء سے برابر بے شمار مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ دوسری کمزوری جو غیر ملکی نظاموں کے مقابلے میں، انگلستان کی ریلوں میں قدرتی طور پر پائی جاتی ہے یہ ہے کہ یہاں سفر کے فاصلے بہت مختصر ہیں اور جب فاصلے مختصر ہوتے ہیں تو لاگت فی میل زیادہ ہوتی ہے۔ انگلستان کے ریلوں کے نظام کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ نہروں کی طرح ان کو بھی ابتداءً آمد و رفت کے بڑے راستوں کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا یعنی ایک نئی قسم کے شارع عام کے طور پر۔ یہ صحیح ہے کہ حالات نے کمپنیوں کو راہ چنگی وصول کرنے والوں کی

---

[۱] Market Gardening

[۲] Interlockinv Points

[۳] جس کی رو سے کوئی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی جب تک اگلی گاڑی نہ نکل چکی ہو۔

حیثیت کے ساتھ ساتھ، مال لے جانے والوں کی بھی حیثیت دے دی لیکن آج بھی تقریباً نصف ویگنوں کی ملکیت خانگی لوگوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان خالی ویگنوں کو ایک پٹری سے دوسری پٹری پر پہنچانے، چھانٹنے اور انھیں ان کے مستقر تک واپس پہنچانے کے سلسلے میں، بے انتہا وقت اور روپے ضایع ہوتا ہے۔

۷۔ انضمام اور حکومت کی نگرانی

۱۸۴۰ء تک ریلیں، تجربی دور سے گذرتی رہیں۔ ۱۸۴۴ء تک ان کی کامیابی یقینی ہوگئی۔ اس کے بعد استحکام و انضمام کی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کو سب سے پہلے جارج ہڈسن "ریلوں کے بادشاہ" نے شروع کیا لیکن ۱۸۴۲ء میں ریلوں کا جو حساب گھر[1] قطعہ وار لائنوں کی ادائیوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے قائم کیا گیا اس کا اثر اس سلسلے میں بہت زبردست پڑا۔ دوسرا اور کم اہم سبب، سہولت اور کفایت کے عملی مسائل تھے۔ لائنوں کے ان قطعوں میں جن کی نگرانی علٰحدہ علٰحدہ کی جاتی تھی مال اور مسافروں کے منتقل کرنے کی وجہ سے جو عدم تیقن اور تاخیر ہوتی تھی۔ اُس سے پبلک کو بہت تکلیف پہنچتی تھی۔ دوسری طرف، ریل کی کمپنیوں کو بھی، متحدہ نگرانی کے فوائد کا پورا پورا احساس تھا۔ ان تمام قوتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۸۴۴ء اور ۱۸۴۷ء کے درمیان انگلستان کی ریلوں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی غیر مربوط لائنوں کی جگہ چند بڑی لائنوں کی صورت اختیار کرلی جنھیں موجودہ نظام کا ڈھانچہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

ہڈسن نے دو بڑے انضاموں کو عملی شکل دی یعنی شمال مشرقی ریلوے کا نظام اور مڈلینڈ ریلوے کا نظام۔ ۱۸۴۶ء میں لنڈن اور شمال مغربی ریلوے کا نظام بنایا گیا اور اس کے بعد ۱۸۴۷ء میں لنکاشائر اور یارک شائر، ۱۸۵۰ء میں بڑی شمالی ریلوے (لنڈن سے ڈنکاشائر تک) اور ۱۸۶۲ء میں بڑی مشرقی ریلوں کے نظام بن گئے ۱۸۴۴ء میں برطانیہ میں دو سو چھوٹی چھوٹی ریلوں کی کمپنیاں تھیں۔ ۱۸۵۰ء میں یہ متحد ہوکر بائیس بڑی اور چند چھوٹی لائنیں رہ گئی تھیں ۱۸۶۰ء تک، ریلوے کا نظام تقریباً مکمل ہوگیا۔ لنڈن، گلاسگو اور اڈنبرا کے درمیان ایک مقام سے دوسرے مقام تک، سیدھی جانے والی ریلوے لائن بنادی گئی تھیں اور شمال مغربی اور بڑی مغربی ریلوں نے ویلز اور جنوب مغربی علاقوں کو دارالسلطنت

[1] Clearing House

سے منسلک کر دیا تھا۔

انگلستان کی ریلوں کے نظام کو اس وقت قائم کیا گیا جب عدم مداخلت کی تحریک کو عروج حاصل تھا۔ لیکن اس کے باوجود پارلیمنٹ نے ایک حد تک نگرانی کرنا ضروری سمجھا۔ ۱۸۴۲ء جیسے شروع کے زمانے میں بھی یہ قانون بنا دیا گیا تھا کہ تجارتی بورڈ کی منظوری کے بغیر کوئی نئی لائن تعمیر نہ کی جائے اور ۱۸۴۴ء کے قانون کے ذریعہ (گلیڈاسٹن کا قانون) پارلیمنٹ نے تمام مستقبل کی ریلوں کو اپنے اختیار تمیزی سے خرید لینے اور جہاں کوئی لائن دس فی صد سے زیادہ منافع کما رہی ہو وہاں مال اور مسافر کے کرایے پر نظر ثانی کرنے کے حق کو محفوظ رکھا۔ عدم مداخلت کا اصول اس زمانے میں اس درجے مضبوط تھا کہ اس قانون کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا۔ لیکن پارلیمنٹ کی ایک ریل گاڑی قائم کر دی گئی یعنی ایک ایسی ریل گاڑی جو ہر روز چلتی تھی، ہر اسٹیشن پر ٹھیرتی تھی اور تیسرے درجے کے مسافروں کو ایک پنس فی میل کی شرح کرایے سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی تھی۔

ریل کے مسئلے سے عوام اور پارلیمنٹ کو جو دلچسپی تھی وہ اس واقعے سے ظاہر ہے کہ ۱۸۴۶ء اور ۱۸۷۲ء کے درمیان ریلوے کمیشن کے اجلاس تقریباً مسلسل ہوتے رہے اور ۱۸۷۲ء میں یہ یادگار اعلان کیا گیا کہ تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مقابلہ ریلوں کے لئے وہ کام نہیں کر سکتا جو اس نے صنعت کے لئے عام طور پر کیا ہے۔ اس سے عدم مداخلت کے اصول کو ترک کرنے کی ابتدا ہوتی ہے۔

۱۸۷۳ء اور ۱۸۹۳ء کے درمیان ریلوں پر سرکاری نگرانی کا اصول مستحکم بنیاد پر قائم ہو گیا۔ امریکہ اور یورپ کے روز افزوں مقابلے نے جس کا انگلستان ۱۸۷۰ء کے بعد شکار ہوتا جا رہا تھا، عدم مداخلت کے اصول پر نظر ثانی کرنا جائز قرار دے دیا چنانچہ ۱۸۷۳ء میں ریلوے اور نہر کا کمیشن مقرر کیا گیا جسے نگرانی کے محدود لیکن حقیقی اختیارات حاصل تھے۔ اس کا خاص کام یہ تھا کہ حریف کمپنیوں میں جب جھگڑا ہو تو ثالثی فیصلہ دے کر اس بات کا فیصلہ کرے کہ کرایے معقول ہیں یا نہیں اور انضمام و اتحاد کی آئندہ تجاویز کو جانچے اور ان کی نگرانی کرے۔

۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۳ء کے ریلوے اور نہری آمدورفت کے قانون کے تحت

حکومت انتہائی کرایوں کو مقرر کر دیتی تھی۔ ہر ریلوے کمپنی قانونی طور پر اس بات کی پابند تھی کہ ہر قسم کے مال کے زیادہ سے زیادہ کرایوں کا ایک جدول، تجارتی بورڈ کے پاس روانہ کرے۔ ان کرایوں پر اعتراضات متعلقہ صنعت و تجارت کی طرف سے داخل کئے جا سکتے تھے اور اگر کوئی سمجھوتہ نا ممکن ہوتا تھا تو پارلیمنٹ مداخلت کرتی تھی۔ ریلوں کے تمام کرایوں کو پبلک معلوم کر سکتی تھی اور مستقبل کی تبدیلیوں کی اطلاع پبلک کو بذریعہ اشتہار دینا لازمی تھی۔

مابعد جنگ کے خیالات کی روشنی میں، ان قوانین میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی لیکن اُس زمانے میں یہ چیز بلاشبہ نئی تھی اور ان اصولوں کے بالکل منافی تھی جن کے ماتحت انگلستان نے صنعتی اور تجارتی اقتدار حاصل کیا تھا۔ لیکن مفاد عامہ کے کاموں میں جزوی اجارے کی ترقی کی وجہ سے سرکاری مداخلت ناگزیر ہو گئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے کے بعد سے کرایے کے بارے میں، کمپنیوں میں مقابلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ آیندہ مقابلہ صرف اس بات تک محدود رہا کہ کسی طرح ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں جن سے مال و مسافر کی آمد و رفت اپنی طرف زیادہ حاصل ہو۔ ۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۳ء کے قوانین آمد و رفت کے منظور ہونے اور یورپ کی جنگ شروع ہونے کے درمیانی زمانے میں، ریلوں کے مسائل، ایک تو ملازموں کے کام کے حالات کو بہتر کرنے اور دوسرے ریلوں کو قومی ملکیت بنانے کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں سوال ایک دوسرے سے بالکل جُدا نہیں ہیں کیونکہ یہ بات سب پر روشن تھی کہ ریل کے ملازم بہت زیادہ گھنٹے کام کرتے تھے اور انھیں بہت کم اجرت دی جاتی تھی اور لوگوں کا یہ عام عقیدہ تھا کہ کمپنیوں کے مقابلے میں حکومت پر زور ڈال کر مزدوروں کے لئے رعایتوں کو آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں، تجارتی بورڈ کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ریل کے اوقات کار کو جہاں وہ غیر معقول حد تک طویل معلوم ہوں، مقرر کرے اور ۱۸۹۳ء میں مزدور سبھاؤں کی طرف سے آٹھ گھنٹے کے دن کے لئے ایک عام مطالبہ کیا گیا لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ جنگ جویانہ روح جسے ٹیف ویل کے مقدمے کے فیصلے نے عارضی طور پر ٹھنڈا کر دیا تھا، ۱۹۰۶ء کے صنعتی فساد کے قانون کے منظور ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئی اور اس کے دوسرے سال میں، کمپنیاں جو ایک طرف مزدور سبھاؤں کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی تھیں، اس بات کے لئے

مجبور ہوئیں کہ ریلوے کے مصالحتی بورڈ قایم کریں۔ ملازموں کے اندر اس نئے انتظام کے ناکافی ہونے کے خلاف جو عدم اطمینان تھا اس نے ان برطرفیوں اور کفایت شعاریوں کے ساتھ مل کر جو کمپنیوں کے باہمی نئے اور عارضی معاہدوں کی وجہ سے عمل میں آئی تھیں، ۱۹۱۱ء کی ہڑتال نے صورت اختیار کرلی۔ ملازموں کی سبھاؤں کے وجود کو تسلیم کرلیا گیا اور مصالحتی بورڈوں پر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کہ رائے عامہ اجرت اور حالات ملازمت پر اثر ڈال سکے، نظر ثانی کی گئی۔

ان سالوں میں کانوں کی طرح، ریلوں کو قومی ملکیت میں لانے کا سوال بھی بہت مختلف فیہ رہا۔ قومی ملکیت کے حامیوں کی طرف سے پرزور طریقے پر یہ بات کہی جاتی تھی کہ حکومت ریلوں کو زیادہ کفایت، زیادہ کارگذاری کے ساتھ چلاسکتی ہے اور بحیثیت مجموعی معاشرے کو زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر کفایتیں اتنی نہ بھی کی جاسکیں جتنی کہ پیشگی توقع کی جاتی ہے، تو بھی، دلیل یہ پیش کی جاتی تھی کہ جو مالی نقصان ہوگا اس کی ضرورت سے زیادہ تلافی، صنعت کی سہولتوں کے اضافے کی صورت میں ہو جائے گی۔ اس کی مخالفت میں دلیل پیش کی جاتی تھی کہ ضروری سرمایے کو قرض لینے کی مشکلات اس کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے (یہ بات جنگی قرضوں سے پہلے کی ہے)۔ نیز یہ کہ ریل کی موجودہ آمدنی پھر محصول کی دسترس سے باہر ہو جائے گی، ریلوے کے ملازموں اور سفر اور تجارت کرنے والی پبلک کے متصادم مطالبوں کی وجہ سے خانہ جنگی پیدا ہو جائے گی اور یہ کہ رشوت ستانی آہستہ آہستہ رونما ہو جائے گی وغیرہ۔ اس مسئلہ کو ابھی تک حل نہیں کیا جاسکا ہے۔ یورپ کی ریلوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کرایے زیادہ ہیں اور اس سوال کا حل محض ملکیت کا لحاظ کر کے نہیں کیا جاسکتا۔ بنیادی خرابی یہ ہے کہ ضروری زمین کو خریدنے کے لئے ابتدا میں بے انتہا سرمایہ لگانا پڑا تھا اور یہ خرچ اس وقت سے ابتک ایک رکاوٹ بنا ہوا ہے چونکہ اس وقت ریلوں کو سرکاری ملکیت میں لانے کا کوئی خیال نہیں تھا اس لئے زمینوں کو سستے داموں پر نہیں خریدا گیا۔ اس ملک میں جس نظام کی پیروی کی گئی ہے وہ خانگی تعمیر کا نظام ہے اگرچہ اس بات کا فیصلہ پارلیمنٹ ہی کرتی ہے کہ کوئی لائن بنائی جائے یا نہ بنائی جائے۔

۵۔ دخانی جہاز جس طرح سڑکوں سے پہلے بحری آمد و رفت شروع ہو گئی تھی،

اسی طرح ریلوں سے پہلے دخانی جہازوں کا بھی استعمال شروع کر دیا گیا تھا۔ یہاں بھی ایک ایسی قوت محرکہ کی ضرورت محسوس کی گئی جو اپنے قابو کی ہو، ثانوی فوائد مثلاً رفتار کی تیزی کو بعد میں حاصل کیا گیا۔ ۱۷۸۶ء میں سمنگٹن نے ایک بحری انجن کا حق ایجاد حاصل کیا۔ اور ۱۸۰۳ء میں اس نے پہلی دخانی کشتی چارلٹ ڈنڈاس کو فراتھ اور کلائیڈ کی نہر میں چلایا۔ یہ کامیاب رہی لیکن نہر کا کنارہ اس کی وجہ سے کٹنے لگا۔ ۱۸۱۲ء میں ہنری بل نے کامٹ کو فراتھ اور کلائیڈ کی نہر میں اور سمندری ساحل کے کنارے کنارے لائٹھ تک چلایا۔ اس اقدام نے دریا اور رودبار کے آر پار کی آمد و رفت کے لئے رستہ صاف کر دیا اور ۱۸۱۸ء تک دخانی جہازوں کی آمد و رفت گلاسگو اور لورپول، بحر آئرلینڈ کے آر پار اور ڈوور اور کیلے کے درمیان جاری کر دیا۔

جس زمانے میں بحری انجن تجربے کے دور سے گذر رہا تھا، اس زمانے میں ابتدائی اقدام کرنے والے لوگ، لوہے کے جہاز بھی بنا رہے تھے۔ اس منصوبے کو وہ اصل کورٹ کے اس طریقے نے ممکن العمل بنایا جس میں پٹواں لوہے کو بیلن سے دبا کر، پلیٹیں اور گرڈر بنائے جاتے ہیں۔ پہلی لوہے کی دخانی کشتی ٹیپٹن کے مینلی نے بنائی اور اسے ۱۸۲۳ء میں بہ طور آزمائش، ٹیمس میں چلایا گیا۔ اس کے تین سال بعد، برکن ہیڈ کے جان لیرڈ نے آئرلینڈ کی نہروں میں لوہے کی کشتیوں کو چلایا اور ۱۸۳۰ء میں مانچسٹر کے فیربیرن نے فورتھ اور کلائیڈ کی نہر میں، دنبالہ جہاز میں لگے ہوئے ایک چپو سے چلنے والی لوہے کی کشتی پر تجربہ کیا۔ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان فیربیرن نے ٹیمس پر لوہے کا جہاز سازی کا کارخانہ کھولا اور نیپیر نے دریائے کلائیڈ پر اپنا کاروبار شروع کیا۔

۱۸۱۹ء میں بحری اٹلانٹک کو بادبانی اور دخانی انجن دونوں کے ساتھ ساونا نامی ایک امریکن کشتی نے عبور کیا۔ لیکن دراصل بھاپ کے ذریعے پورا سفر، رائل ولیم نے ۱۸۳۳ء میں بیس دن میں انجام تک پہنچایا۔ بحر اٹلانٹک کے آر پار، باقاعدہ سفر کا سلسلہ ۱۸۳۸ء تک جب لندن، برسٹل اور لورپول میں علحدہ علحدہ کمپنیاں قائم کی گئیں شروع نہیں ہو سکا۔ گریٹ ویسٹرن اسٹیم شپ کمپنی (برسٹل) نے اپنی لائن[1] کا پہلا بڑا مسافری جہاز

Liner (1)

"گریٹ ویسٹرن" نامی تعمیر کیا۔ لیکن اسی زمانے میں لندن کمپنی نے "سیریس" نامی جہاز خرید لیا تھا۔ اس نے لندن سے کارک تک کا اور وہاں سے نیویارک تک کا سفر کیا اور اس بحری سفر میں سترہ دن لگے۔ "گریٹ ویسٹرن" جہاز نے اپنا سفر بہت بعد میں شروع کیا اور "سیریس" سے کئی دن بعد امریکہ پہنچا۔

گرچہ یہ تینوں کمپنیاں تقسیم ہو گئیں لیکن ان کا اثر بہت زبردست ثابت ہوا۔ ۱۸۳۹ء میں کونارڈ کو حکومت کی طرف سے ایک بڑی رقم کی امداد اس شرط پر ملی کہ وہ اٹلانٹک کی ڈاک کو مقررہ اوقات پر لے جایا کرے۔ اس نے چار لائن[1] کے مسافری جہاز بنائے جو ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے مشابہ تھے اور اس روپے کی امداد کے ذریعے جو اُسے ملی تھی اپنے تمام حریفوں کو ختم کر دیا۔

۱۸۳۹ء اور ۱۸۶۷ء کے درمیان دخانی جہازوں کی اکثر بڑی لائنوں کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔

۱۸۳۶ء میں جان ایرک سن نے پیچ کے ذریعے کشتی کے ڈھکیلنے[2] کے امکانات کو ثابت کیا اور ۱۸۶۶ء میں ارشمیڈیس نام کے جہاز میں ایک ڈھکیلن[3] (پراپلر) لگا دیا۔ محکمہ بحر نے ۱۸۴۳ء میں پہلی بار پیچ کا استعمال کیا۔ لیکن دراصل ۱۸۶۰ء کے بعد لوہے پینچ سے ڈھکیلے جانے والے جنگی جہازوں کو عام طور پر استعمال کرنا شروع کیا گیا۔ پیچ نے چپو کی جگہ آہستہ ہی آہستہ لی۔ ۱۸۶۰ء میں "گریٹ ایسٹرن" نے جس کا ڈزائن برونل نے بنایا تھا دونوں کو استعمال کیا۔ لیکن اس ڈزاین میں بہت زیادہ اولوالعزمی پائی جاتی تھی اور اس زمانے میں اس قدر قوت محرکہ موجود نہیں تھی کہ اس جہاز کو کامیابی کے ساتھ چلا سکتی۔ لیکن اسے آنے والے جہازوں کا پیش خیمہ کہا جا سکتا ہے۔ ۱۸۶۰ء میں اسکاشیا نامی جہاز نے لورپول سے نیویارک تک نو دن میں سفر کو پورا کیا۔

۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۰ء کے درمیان خاص ترقی یہ ہوئی کہ لکڑی کے چپو سے چلنے والے دخانی جہازوں کی جگہ لوہے اور پینچ سے چلنے والے جہازوں نے لے لی۔ دوسرے عشرے میں مرکب انجن کا استعمال شروع ہو گیا جسے گوون کی فیرفیلڈ انجینیرنگ کمپنی

۱؎ Liner
۲؎ Propelsion
۳؎ screw

کے جان الڈر نے ایجاد کیا تھا۔ اس تدبیر سے ایندھن کی جو بچت ہوئی اس کی وجہ سے دخانی جہازوں کے ذریعے لانبے فاصلوں تک سامان کو لانا لے جانا نفع بخش ہوگیا۔ اس سے پیشتر ان کا استعمال زیادہ تر مسافر اور ڈاک کے تیز رفتار باقاعدہ اور قابل اعتماد جہازوں میں کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ خوبصورت بادبانی جہازوں کی اہمیت زائل ہونے لگی حتیٰ کہ اب "آوارہ گرد" جہاز بھی جن کے سفر کا کوئی مستقل راستہ نہیں ہوتا اب دخانی قوت ہی سے چلائے جانے لگے ہیں۔ تگنے اور چوگنے پھیلاؤ کے انجن اس کے بعد میں استعمال میں لائے گئے۔ ۱۸۹۴ء میں پارسنز نے تربین (ٹربائن) کو ایجاد کیا اور گردشی انجن نے جوابی انجن کی جگہ لینا شروع کردی اور آج داخلی احتراق کا انجن دخانی جہاز کو بہت تیزی کے ساتھ موٹر جہاز میں تبدیل کر رہا ہے۔

۱۸۸۰ء کے بعد سے ہیر اور سیمنس کی ایجادوں نے جہاز کے لوہے کے ڈھانچے کو لائق استعمال بنا دیا ہے۔ تعمیر کے ساز و سامان اور انجنوں کے علاوہ گذشتہ پچاس سال میں ترقی کا خاص رخ جہاز کی قسموں کی تخصیص اور جہازوں کے سائز کے اضافے کی طرف رہا ہے۔ لوسی ٹانیا اور ماری ٹانیا جہاز جو دونوں ۱۸۰۷ء میں بدنصیب ٹائی ٹینک جہاز کے ساتھ بنائے گئے تھے عہد جدید کے کارناموں کی مثال کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔ پہلے دو کے لئے ستر ہزار گھوڑوں کی طاقت کی ضرورت ہوتی تھی جب وہ پچیس ناٹ فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے تھے۔ ۱۹۱۰ء سے کونارڈ اور وائٹ اسٹار (جہازوں کی کمپنیاں) اور انگلستان فرانس اور جرمنی کے درمیان شمالی بحر اطلانتک کی بحری آمد و رفت کے لئے مقابلے نے بڑے جہازوں کی ترقی کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس سمت میں جو ترقی جاری ہے اس میں رکاوٹ غالباً ڈزائن کی مشکلات کی وجہ سے اتنی پیدا نہیں ہوگی جتنی کہ گودیوں میں گنجائش کی کمی کی وجہ سے۔

انیسویں صدی میں گودیوں کی تعمیر میں ترقی کے ساتھ ساتھ دخانی جہازرانی کی ترقی بھی ہوتی رہی۔ لندن میں گودی کی جدید ترقی کی ابتدا ۱۸۰۲ء میں ویسٹ انڈین گودی کی تکمیل سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد ۱۸۰۰ء میں ایسٹ انڈیا گودی کو بنایا گیا دریا کے

۱؎ Tramp Expansion ۲؎ Triple and Quadruple

جنوبی جانب کا نظام ۱۸۱۰ء میں سرے کمرشل ڈاک کمپنی نے شروع کیا پہلی گودی جس میں جدید آمد و رفت کا انتظام ممکن ہے یعنی وکٹوریا گودی کو ۱۸۵۵ء میں بر آسی نے تعمیر کیا تھا۔ اس کے بعد ۱۸۷۵ء میں رائل البرٹ اور ۱۸۸۲ء میں ٹل بری گودی کو بنایا گیا۔ ۱۹۰۸ء میں ٹیمس کا نظام پورٹ آف لندن اتھاریٹی کی متحدہ نگرانی میں آگیا۔

لورپول کی گودیوں کا سلسلہ اٹھارویں صدی کے ابتدائی زمانے سے شروع ہوتا ہے لیکن جدید ترقیاں ۱۸۵۷ء سے شروع ہوتی ہیں جب مرسی کی گودیوں اور بندرگاہوں کا بورڈ بنا۔ ۱۸۵۸ء سے سات میل سے زیادہ لانبی گودیاں لورپول کی شمال جانب گہرے پانی کی سمت میں تعمیر کی جاچکی ہیں۔ جدید ترین گودی یعنی گلیڈاسٹن (۵۵ ایکڑ) کا افتتاح ۱۹۲۷ء میں ہوا۔

جدید بحری آمد و رفت کے لئے ساؤتھ ایمپٹن کو ۱۸۹۵ء میں جب پرنس آف ویلز کی گودی بنائی گئی از سر نو تعمیر کیا گیا۔ اس کے بعد سے ترقی غیر معمولی تیزی کے ساتھ ہو رہی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ساؤتھ ایمپٹن کو گہرے پانی کی سہولتیں، لندن، لورپول، گلاسگو اور ہل کے مقابلے میں بہت زیادہ حاصل ہیں۔ موخر الذکر بندرگاہوں میں موجودہ زمانے کے اعلیٰ ترین جہاز صرف جوار بھاٹے کے چڑھاؤ کے وقت اندر داخل ہو سکتے اور باہر نکل سکتے ہیں اور رود بار کو صاف رکھنے کا خرچ بہت خاصا کرنا پڑتا ہے۔ ساؤتھ ایمپٹن میں بڑے سے بڑا جہاز ہر وقت، جوار بھاٹے کی چاہے جو بھی حالت ہو داخل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسافروں کی آمد و رفت، مرسی اور ٹیمس کو چھوڑ کر جنوبی ساحل کا رخ کر رہی ہے موجودہ صدی کے دوران میں، ٹرافلگر گریونگ گودی اوپن اوشن گودی اور فلوٹنگ گودی جو جو بیجسٹک جیسے دنیا کے بڑے سے بڑے لائن کے جہاز کو ٹھیرا سکتی ہیں ساؤتھ ایمپٹن میں تعمیر کی گئی ہیں۔

۷۔ لندن پر اثر لندن کو بے انتہا قدرتی سہولتیں حاصل تھیں اور وہ نئے آمد و رفت کے ذرایع سے پورا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ جن پہاڑیوں سے وہ گھرا ہوا ہے ان میں ایسی وادیاں موجود ہیں جو پہاڑیوں کے سلسلے کے رخ سے بالکل عمودی رُخ پر ہیں جس کی وجہ سے ریلوں کی تعمیر آسان ہوگئی ہے اور جہاز رانی کے ابتدائی زمانے میں اسے دوسرے شہروں کے مقابلے میں بے انتہا سہولتیں حاصل تھیں۔ لیکن آج یہاں سے

جہاز سازی کی صنعت بالکل غائب ہوگئی ہے گو تجارت عروج پر ہے۔ بحر اٹلانٹک کی تجارت کے لئے ساؤتھ امپٹن، لورپول کا حریف بنتا جارہا ہے۔ ہل کا حریف امنگھم ہے جو سمندر سے اس سے زیادہ نزدیک ہے۔ پلائی منتھ اپنی پہلی جگہ پر قائم ہے البتہ فال متھ کی عظیم الشان بندرگاہ کو اس لئے چھوڑا جارہا ہے کہ وہاں کی ریلوے لائن بہت دشوار گذار علاقے سے ہوکر گذرتی ہے۔ تمام مغربی بندرگاہوں کو اب گالوے یا اس کے قرب وجوار کی کسی بندرگاہ کی طرف سے اندیشہ ہے کیونکہ یہ امریکا سے تین دن کے فاصلے پر ہے۔ رودبار کی سرنگ اور اس کے ساتھ ساتھ اسٹران ریر سے لے کر لارن تک کی سرنگ شمالی مغربی یوروپ کی جہازرانی میں انقلاب پیدا کردے گی۔

۷۔ ٹرام

اب ہمیں قوت محرکہ کے ذریعے سفر کے جو اور نئے طریقے نکلے ہیں ان پر غور کرنا چاہئے ٹراموں کا مقابلہ ہلکی ریلوں سے کیا جاسکتا ہے اور ان کی اہمیت مخصوص طور پر مقامی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادارۂ عامہ کی ان پر نگرانی ہوا کرتی ہے۔ یہ لفظ غالباً سویڈن کی زبان کے لفظ سے ماخوذ ہے جس کے معنی لکڑی کے لٹھ کے ہیں۔ یہ لکڑی کے لٹھ، ابتدائی ریل گاڑیوں کے لئے پٹریاں بنانے کے واسطے استعمال کئے جاتے تھے۔ اس لفظ کا انجینیر آؤٹ رم سے جس نے ٹرام کو بنایا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ٹرام کی جدید مثالیں ۱۸۳۲ء سے شروع ہوتی ہیں جب ایک ٹرام نیویارک میں بنائی گئی اور دوسری کچھ عرصے بعد فلاڈیلفیا میں۔ جہاں کمپنی کو آرام دہ لیکن خطرناک قدمچہ دار پٹری کو ترک کرکے نالی دار پٹری کو استعمال کرنا پڑا۔

انگلستان میں ٹرام کو ۱۸۶۰ء میں ٹرین نامی ایک شخص نے جاری کیا۔ انھیں گھوڑوں سے چلایا جاتا تھا۔ یہ طریقہ اب تقریباً بالکل فنا ہوگیا ہے۔ ۱۸۸۰ء کے قریب گھوڑوں کی جگہ بھاپ کی قوت کو استعمال کیا جانے لگا اور اس کے لئے ٹھوس پٹریاں ضروری ہوگئیں۔ ۱۸۸۴ء میں کیبل سے چلنے والی ٹرین میں جاری ہوئیں ان میں خرابی یہ تھی کہ ان کی تعمیر میں بہت صرفہ ہوتا تھا اور ان کی رفتار سست ہوتی تھی۔ لیکن ان کے چلانے کا خرچ بہت کم ہوتا تھا اور ان ٹراموں کو کھڑے ڈھلانوں پر بھی استعمال کیا جاسکتا تھا۔ یہ نظام ہیٹ لاک اور دوسری جگہوں میں بہت کم اب تک موجود ہے۔

بھاپ کی گاڑیوں کی جگہ بجلی کی گاڑیوں نے لی۔ یہاں یہ نظام تقریباً ۱۸۹۰ء میں شروع ہوا۔ یہ گاڑیاں تیز رفتار اور قابل اعتماد ہوتی ہیں اور ان کے چلانے کا خرچ بھی

کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ اس کے دو نظام پائے جاتے ہیں۔ ایک نظام میں بجلی کے تار سے ملانے والی پھرکی کو اوپر لگایا جاتا ہے اور دوسرے میں زمین کے نیچے۔ جن شہروں میں گرجاگھر ہیں مثلاً لنکن وہ پہلے طریقے کی بدنمائی پر بجا طور پر اعتراض کرتے ہیں لیکن تعمیر اور مرمت کی سہولت اور خرچ کی کمی کو اس طریقے کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اوپر کی پھرکی کا رواج تقریباً ہر جگہ عام ہے۔

بجلی کی ٹرام کے بعد ترقی کی دوسری منزل شہری ریلیں ہیں۔ ان کی تعمیر بہت پُرمصارف ہوتی ہے لیکن لندن اور گلاسگو جیسے بڑے مرکزوں میں ان پر مسافروں کی آمد و رفت بہت رہتی ہے۔ اس کے لئے دو نظام استعمال کئے جاتے ہیں۔ لندن کی سرنگ کی ریلیں بہت گہرائی میں ہیں اور ان کا سطح کے حالات سے بہت کم تعلق ہے۔ ان تک پہنچنے کے لئے لفٹ استعمال کئے جاتے ہیں جس میں بہت وقت صرف ہوتا ہے اور بڑی زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔ کم گہری سرنگوں کے نظام میں سڑکوں کی بنیادوں اور پانی کے نکاس کے انتظاموں کی وجہ سے بہت بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دارالسلطنت کی اہم ریل کا نظام درمیانی درجے کا ہے۔ شروع میں بھاپ سے چلنے والی ریلیں (مثلاً شہر اور جنوبی لندن کی) زیر زمین راستوں کی ہوا کو زہر آلود کر دیا کرتی تھیں۔ اس لئے اب لندن کی شہری ریلوں کو برقا دیا گیا ہے اور بجلی کی ریلوں کی لائنیں دیہات میں دور تک چلی جاتی ہیں۔ لورپول کی اوپر کی ریل کا بھی یہی حال ہے۔

ٹراموں اور شہری ریلوں کا ایک بہت بڑا معاشری فائدہ ہے۔ ان کی وجہ سے شہر میں کام کرنے والے لوگوں کو دیہات میں رہنے کا موقع مل جاتا ہے۔ جب شہر پیچھے رہ جاتا ہے تو وہ امکانی علاقہ جس میں عمارتیں تعمیر کی جا سکتی ہیں بڑھ جاتا ہے۔ شہر سے جو جگہ دو میل کے فاصلے پر ہے اس کے مقابلے میں ایسی جگہ میں جو دس میل کے فاصلے پر ہے زمین زیادہ موجود ہوتی ہے اس کی وجہ سے متوسط اور اونچے طبقے کے لوگ بھی شہر کا رہنا ترک کر دیتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے مکانات چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس طرح شہر کی گنجان آبادی میں دو طرح سے آرام رساں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمارے اس بیان سے اس طرف توجہ ضرور مبذول ہوئی ہوگی کہ پرانے ریل کے ٹھیلوں کے نظام کے مقابلے میں جنھیں صرف وزنی چیزوں کو منتقل کرنے کے لئے

استعمال کیا جاتا ہم نے اب کتنی ترقی کر لی ہے۔ ٹرام کا نظام ایسی شارع عاموں کے لئے جن پر آمد و رفت زیادہ رہتی ہو خرابیوں سے پاک نہیں ہے اور اس کی جگہ آیندہ موٹر بس کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ موٹر کار ٹریوتیھک کی دخانی گاڑی کے بعد ۱۸۰۲ء میں ایک ترقی ایسی کی گئی جس کے نتائج بہت امید افزا معلوم ہوتے تھے ۱۸۲۴ء میں موٹر کوچ کا نظام جاری کیا گیا لیکن اس کی بہت مخالفت کی گئی ۱۸۶۵ء میں اسے ایک ایسے قانون کے ذریعہ ختم کر دیا گیا جس کی رو سے یہ ضروری ہو گیا کہ گاڑی کے چلانے کے لئے تین آدمیوں کو ملازم رکھا جائے زیادہ سے زیادہ رفتار چار میل فی گھنٹہ ہو اور ایک آدمی سرخ جھنڈی لئے آگے آگے چلتا رہے۔ ۱۸۸۵ء میں بنٹر نے ایک تین پہیوں کی موٹر سائکل ایجاد کی جو داخلی احتراق کے انجن سے چلتی تھی اور ڈیمکر نے اپنی موٹر بائیسکل میں پٹرول کا استعمال کیا۔ موٹر کاروں نے رفتہ رفتہ مکمل شکل اختیار کر لی ۱۸۹۵ء میں ۱۸۶۵ء کا قانون منسوخ کیا گیا جب کہ پٹرول سے چلنے والی گاڑیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ایک انقلاب کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ وزنی تجارتی گاڑیاں ہمارے لئے زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں۔ بھاپ کا استعمال، سڑک دبانے والے انجنوں اور وزنی چیزوں کے کھینچنے کے لئے ایک طویل زمانے سے کیا جا رہا ہے لیکن اب پٹرول کے انجنوں کا استعمال کیا جانے لگا ہے۔ اسی اصول پر موٹر کشتیوں میں بھی عمل درآمد ہو رہا ہے اور ان خود بخود چلنے والی بیٹری گاڑیوں میں بھی (جن کے لئے انجن علیحدہ نہیں لگایا جاتا) اور جو ان لائنوں پر چلتی ہیں جہاں مسافروں کی آمد و رفت کم ہوتی ہے۔

موٹر کار کی صنعت نے بے انتہا ترقی کی ہے اور اس کی ترقی ابھی جاری ہے ۱۹۱۱ء کی ریلوں کی بڑی ہڑتال کی وجہ سے سڑک کے نقل و حمل کے کام کو ترقی کرنے کا خوب موقع ملا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شائد بڑی سڑکوں کو پرانی اہمیت دوبارہ حاصل ہو جائیگی پنائین کے آرپار اور ایک طرف ہڈرس فیلڈ اور اولڈہم کے درمیان اور دوسری طرف ہیلی فیکس اور راشڈیل کے درمیان باقاعدہ طور پر بہت زیادہ آمد و رفت رہتی ہے۔ یہاں آمد و رفت میں جو مشکلات ہیں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ریلیں اور نہریں موجود ہیں لیکن پھر بھی سڑکوں کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ لندن میں کرایے کی بس، سب سواریوں پر

غالب ہے اور تقریباً تمام صوبوں کے شہر بھی باہم اسی طرح منسلک ہو گئے ہیں۔ اگر ترقی کا سلسلہ جاری رہا (اور موٹر کی صنعت ابھی نوخیزی کے دور ہی سے گذر رہی ہے) تو نتیجہ ایسا ہی حیرت انگیز ثابت ہوگا جیساکہ ریلوں کے جاری ہونے سے برآمد ہوا تھا۔ بیسویں صدی میں، سائکل اور موٹر کی صنعت ہی کی وجہ سے 'کوینٹری کی ترقی' انگلستان کے تمام دوسرے شہروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ ہوئی۔

۹- ہوائی پرواز ۱۹۱۴ء میں یورپ کی جنگ کے شروع ہونے سے پہلے، ہوائی جہاز تجربی دور سے گذر رہے تھے۔ جنگ کے زمانے میں البتہ ان کی ترقی تیزی سے شروع ہو گئی۔ ۱۸۹۰ء کے قریب میکسیم نے بھاپ سے چلنے والے ایک ہوائی جہاز کا نمونہ بنایا تھا۔ اس سلسلے میں لی لینتھل (جرمنی)، پلچر (انگلستان) اور چین یوٹ (امریکا) کا شمار حقیقی اقدام کرنے والوں میں کیا جاسکتا ہے۔ رائٹ برادران (امریکا) نے ۱۹۰۵ء میں پٹرول سے چلنے والے موٹر کے ذریعے ایک منٹ تک پرواز کر کے دکھائی اور دو سال بعد انھوں نے بائیس میل تک پرواز کی۔ ۱۹۰۸ء میں ولبر رائٹ ہوا میں دو گھنٹے سے زیادہ ٹھیرا رہا اور اس کے دوسرے سال پیشتر کے دو پنکھی ہوائی جہاز کے مقابلے میں ایک پنکھی جہاز رونما ہوے جو ان سے زیادہ سبک، تیز اور نقل پذیر تھے۔ بلیریو نے رودبار انگلستان کو عبور کیا اور پالہن، لندن سے مانچسٹر تک چوبیس گھنٹے میں پرواز کی۔ ۱۹۱۰ء میں کوہ آلپس عبور کیا گیا اور اس کے دوسرے سال برطانیہ عظمیٰ کے گرد مکمل چکر لگایا گیا۔ ۱۹۱۸ء تک فوجی ضرورت نے اعلیٰ درجے کی کارگذاری پیدا کرنے کی طرف مائل کیا اور جنگ کے بعد، نقل و حمل کے اس نئے طریقے کے تجارتی استعمال کے لئے ہر لحاظ سے چاہے تیز رفتاری کے معیار کو سامنے رکھا جائے چاہے بار برداری اور قوت برداشت کے معیار کو یکساں طور پر راستہ صاف ہو گیا۔ بحر اٹلانٹک کو بھی عبور کر لیا گیا ہے اور ڈاک، مسافر اور مال کی آمد و رفت کا باقاعدہ سلسلہ، برطانیہ کے اندر اور یورپ کے ساتھ قائم ہو گیا۔ ۱۹۲۴ء میں کوئی اٹھائیس ہزار تین سو پچاس تجارتی پروازیں کی گئی تھیں جس میں دس لاکھ میل سے زیادہ کا سفر کیا گیا تھا اور ستاون ہزار دو سو بائیس مسافر اور پانسو اکتالیس ٹن مال لے جایا گیا تھا اور اس پورے کام کے انجام دینے میں صرف دو حادثے ہوئے تھے۔ تین سو میل فی گھنٹہ کی رفتار حال ہی میں حاصل کر لی گئی ہے۔ لیکن تجارتی حیثیت

سے زیادہ اہم چیز جا ہے اس کے موجودہ اہمیت کتنی ہی کم کیوں نہ نظر آئے یہ ہے کہ بحر اٹلانٹک کو دوبارہ اور بحر الکاہل کو پہلی بار عبور کر لیا گیا ہے۔ ہوائی پرواز میں جتنی تیزی سے ترقی ہو رہی ہے اس کی وضاحت اس واقعہ کے پیش کرنے سے ہو جائے گی کہ برطانیہ کی تنہا ایک کمپنی کے جہازوں نے گذشتہ تین سالوں میں بیس لاکھ میل سے زیادہ کا سفر کیا ہے اور تقریباً پچاس ہزار مسافروں کو سفر کرایا ہے۔[1]

---

[1] ۱۹۲۸ء کے بعد سے ہوائی پرواز نے اتنی ترقی کی ہے کہ اس کو اس جگہ تفصیل سے بیان کرنا ناممکن ہے۔

ضمیمۂ باب چہارم: تار برقی کے اشتہار کی ایک عکسی تصویر کا ترجمہ

عجوبۂ روزگار ایجاد !!

فوری و آنی سلسلۂ مراسلت

زیر سرپرستی خاص علیا حضرت و اعلیٰحضرت شاہ البرٹ گلوانی اور برقی مقناطیسی

تار برقی

گریٹ ویسٹرن ریلوے پر

اسے اتوار کے سوا، ہر روز مستقل طور پر کام کرتا ہوا نو بجے صبح سے آٹھ بجے شام تک دیکھا جا سکتا ہے۔

مقام ٹیلیگراف آفس، لندن ٹرمی نس، پیڈنگ ٹن

اور ٹیلیگراف آفس، سلف اسٹیشن

یہ نمایش ایسی ہے جس کے بارے میں بے شمار تماشائیوں نے اعتراف کیا ہے کہ اس دار السلطنت کی تمام نمایشوں سے زیادہ دلچسپ اور دلکش ہے۔ تماشائیوں کی فہرست میں یورپ کے کئی تاجدار حکمرانوں اور انگلستان کے تقریباً تمام طبقۂ امرا کے لوگوں کے نام موجود ہیں۔

"یہ نمایش جس نے پبلک کی توجہ کو آج کل بے انتہا مائل کر رکھا ہے اس بات کی مستحق ہے کہ اس کا ایک بار وہ سب لوگ تماشا دیکھیں جنھیں سائنس کے عجائبات دیکھنے کا شوق ہے"۔ مارننگ پوسٹ

تار برقی اپنے پیغاموں کی نوعیت اور وسعت کے لحاظ سے غیر محدود ہے۔ اس غیر معمولی ذریعے سے لندن کا ایک شخص نیویارک یا کسی اور مقام سے چاہے وہ کتنا ہی دور کیوں نہ ہو اتنی ہی آسانی اور اتنی ہی تیزی سے گفتگو کر سکتا ہے جیسے کہ گویا دونوں فریق ایک ہی کمرے میں بیٹھے گفتگو کر رہے ہوں۔ تماشائیوں کے مجوزہ سوالات اس آلے کے ذریعے کئے جائیں گے جن کے جواب فوراً بیس میل کے فاصلے سے ایک دوسرا شخص دیتا رہے گا اور یہ شخص ان کی درخواست پر ناقابل یقین مختصر مدت میں جب اُسے اس کام کا اشارہ کیا جائے گا گھنٹی بجائے گا یا ایک توپ کو داغے گا۔

بجلی کا مایع دو لاکھ اسی ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔

اس کی طاقتور وساطت سے قاتلوں کو گرفتار کیا گیا ہے (جیسا کہ حال ہی میں ٹاول نام کے ایک قاتل کو گرفتار کیا گیا) چوروں کا سراغ لگایا جاتا ہے آخر میں (اور اس بات کو آپ کم اہم نہ سمجھیے) طبی امداد کو وقت پر ان بیماریوں میں بہم کیا جا سکتا ہے جو بغیر اس کے مہلک ثابت ہو سکتی ہیں۔

اس حیرت انگیز ایجاد کی قومی اہمیت اس قدر ظاہر و روشن ہے کہ اس کی خوبیوں کو مزید بیان کرنا تحصیل حاصل ہے۔

(نوٹ) پیغام ادھر اُدھر نہایت رازداری کے ساتھ روانہ کئے جاتے ہیں پیغام پہنچانے والے ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے جو پیغام تار کے ذریعے آتے ہیں وہ اگر ضرورت ہو تو لندن، ونڈسر، ایٹن وغیرہ کے ہر حصے میں پہنچائے جا سکتے ہیں۔

داخلہ ایک شلنگ

ٹ۔ ہوم لائسنس دار

طابع نرٹن - ۴۸ - چرچ اسٹریٹ - پورٹ مین مارکٹ۔

اوپر تار برقی کا ایک ابتدائی اشتہار درج کیا گیا ہے۔

ویٹ اسٹون نے جدید تار برقی کی بنیاد ۱۸۳۷ء میں رکھی اور بل نے ۱۸۷۶ء میں ٹیلیفون کی۔

باب ۵

زرعی انقلاب

۱۔ پرانا نظام قوم کے مختلف معاشی مشاغل کے درمیان، اگرچہ، ہم نے تفریق پیدا کر دی ہے لیکن ان میں باہم جو تعلق ہے اس کو برابر پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ۱۷۶۰ء کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صنعت کی تبدیلیوں کے علاوہ، دوسری چیزوں میں بھی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں۔ ابتدا میں، ہماری طبیعت اس بات کو محض اتفاقی تطابق پر محمول کرنے کی طرف مائل نظر آتی ہے۔ لیکن اس نظریہ کو ہم قبول نہیں کر سکتے۔

جب شہروں کی آبادی، کچھ تو قدرتی اسباب اور کچھ دیہات سے نقل سکونت کی وجہ سے بڑھنا شروع ہوئی تو ظاہر ہے، غذا کی ضرورت زیادہ ہو گئی۔ شہر کے باشندوں کی بڑھتی ہوئی دولت نے، اُس سیاسی جذبے کی نشو و نما کے ساتھ مل کر، جو آبادی کے اضافے کے موافق اس اثر کو اور بھی زیادہ شدید کر دیا۔ اچھے کاشتکار زمین چھوڑ کر جا چکے تھے۔ جو رہ گئے تھے وہ قدیم رہنا چاہتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ زراعتی پیداوار کے لئے، جس میں نہ صرف غلہ شامل تھا بلکہ صنعتی کام کے لئے اُون اور کتان بھی شامل تھا، طلب متواتر بڑھ رہی تھی اور اس طلب کو پورا کرنا ممکن نہیں تھا۔ ۱۷۷۳ء میں انگلستان نے

غلے کو برآمد کرنا بند کر دیا۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ "بے احاطہ کھیتی"[1] کے نظام میں لازمی طور پر ایک پائداری پائی جاتی تھی۔ گو یہ مکمل نہیں تھا لیکن ایک حد تک تبدیلی کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ البتہ اس حد کے گذر جانے کے بعد یہ نظام تیزی کے ساتھ ٹوٹ سکتا تھا۔ عہد وسطیٰ میں صنعت کے اندر جرگے[2] کا جو نظام پایا جاتا تھا، زراعت کے اندر یہ نظام اسی کا ایک جواب یا ثنی تھا۔

اگر یہ حالات آج ہوتے تو غیر ملکوں سے زائد رسد منگائی جاتی۔ لیکن اس وقت آسٹریلیا، گیاہستان[3] اور ارجنٹائن کے علاقوں سے تجارت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف یورپ کی مختصر پیداوار کو، تجارت[4] کے نظام کی پابندی کی وجہ سے محصل درآمد کے ذریعے ملک کے اندر داخل نہ ہونے دیا جاتا تھا۔

غرض اس طرح پرانے طریقوں اور نظاموں کے خاتمے کا زمانہ آپہنچا تھا اور یہ تبدیلی اتنی تیزی سے واقع ہوئی کہ اسے بجا طور پر "زراعتی انقلاب" سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ تخمیناً، اس کے زمانے کو ۱۷۶۰ء تا ۱۸۳۰ء کے سالوں پر مشتمل کہا جا سکتا ہے۔ پرانے ناقص نظامات اور طریقے اس لئے چلتے رہے کہ پیداوار کی طلب آہستہ آہستہ بڑھی اور موجودہ اداروں کو بغیر گڑبڑ پیدا کئے ہوئے ضروری تبدیلیاں کر کے نئے حالات کے مطابق بنایا جا سکا۔ ۱۷۶۰ء میں احاطہ بندی تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ معافی دار کسانوں کا طبقہ ابھی تک غائب نہیں ہوا تھا اور تجربوں کو بہت سے لوگ ناقابل عمل سمجھتے تھے۔

(۲) انقلاب کا سبب اور نتیجہ

یوں تو زراعت پیشہ آبادی کے اندر بھی کچھ مفید طاقتیں کام کر رہی تھیں لیکن حقیقی محرک قوت باہر ہی سے آئی۔ ہمیشہ کی طرح یہاں بھی، سبب اور نتیجے کی تحقیقات کرنے میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا رہتا ہے۔ لیکن غالباً یہ کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ زراعتی انقلاب، صنعتی انقلاب کے مقابلے میں ثانوی درجہ رکھتا تھا اور اول الذکر موخر الذکر کا براہ راست نتیجہ تھا گو اس کے لئے زمین پہلے سے تیار ہو چکی تھی۔ زراعتی انقلاب نے صنعتی ترقی کی مکمل نشو و نما کو ممکن بنایا لیکن اس کی نوعیت اتنی چونکا دینے والی اور اپنے اثرات کے اعتبار سے دور رس نہیں تھی کہ

---

[1] Open-Field Systen [2] Gild System

[3] Prairies. [4] Msrcantile Syste.

وہ اس ترقی کی تیزی کا براہِ راست ایک ذریعہ بن سکتی۔ زراعتی انقلاب ضرور آتا اور اس کی پیشین گوئی اس وقت کر دی گئی تھی جب صنعتی ترقیوں کا کسی نے خواب بھی نہیں دیکھا تھا لیکن صنعتی انقلاب نے اس کی آمد کا وقت معین کر دیا۔

بہرحال بحیثیت مجموعی انسانوں کی معقول رائے غالباً یہی ہوگی کہ صنعتی انقلاب فائدہ رساں ثابت ہوا اگرچہ فوری طور پر اس کی وجہ سے سخت خرابیاں پیدا ہوئیں۔ زراعت کے بارے میں بھی، لوگ اسی نتیجے پر پہنچیں گے۔ لیکن یہاں خراب اثرات اتنے نمایاں نہیں تھے کیونکہ یہ انقلاب اتنے فوری اور موثر طریقے پر نہیں ہوئے اجتنا کہ اس کے ساتھ کا انقلاب ہوا تھا۔ اور ان خراب اثرات کی یہاں نسبتہً ضرورت بھی کم تھی۔ کیونکہ یہاں ترقی تدریجی طور پر کی جاسکتی تھی بلکہ اس کو اس وقت سے بہت پہلے شروع ہو جانا چاہئے تھا۔ البتہ بعض نقصان دہ تبدیلیاں دائمی ہوگئی تھیں۔

اس کے بعد، یہ تبدیلی ذرائع نقل و حمل کی تبدیلی کے ساتھ بھی وابستہ نظر آتی ہے۔ لیکن یہاں ہمیں یہ بات کہہ دینا چاہیے کہ زراعت کی ترقیوں کا اثر، نقل و حمل پر، صنعت کے مقابلے میں زیادہ راست طریقے پر پڑا۔ خصوصاً دیہی علاقوں میں سڑکیں، بڑی حد تک زراعتی پیداوار ہی کے لئے استعمال کی جاتی تھیں اور جہاں شہری علاقہ تھا وہاں بھی جب نقل و حمل کو ترقی ہوئی تو زراعتی رسد کو زیادہ دور سے منگایا جاسکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار کی ترقی کی وجہ سے سڑکوں کو بہتر بنانے کے کام میں تیزی پیدا ہوئی۔ پھر بعد میں، اس کا اثر بھی، زراعتی پیداوار پر پڑا اور زراعت کا کام ان علاقوں میں جہاں پہلے رسائی ممکن نہیں تھی، شروع کیا جاسکا۔ نہروں اور ریلوں کی ترقی بھی اسی طریقے پر ہوئی۔ ابتدائی ریلوں کی وجہ سے پیداوار جتنی سستی ہوگئی تھی اس کا ذکر کیا جاچکا ہے اور اُس مثال کو نمونے کی مثال سمجھا جاسکتا ہے۔

زائد پیداوار ظاہر ہے دو طریقے پر ہی حاصل کی جاسکتی تھی یا تو جو زمین لوگوں کو میسر آسکتی تھی اس کی مقدار کو بڑھایا جاتا یا پھر جو زمین لوگوں کے استعمال میں تھی اس سے زیادہ نفع بخش طریقے پر کام لیا جاتا۔

۳۔ زمینوں کی آبادکاری[1] | کسی نئے زرخیز ملک کی مثال کو سامنے رکھکر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا

ا۔ Settlement

کہ اس میں بہترین زمینیں سب سے پہلے آباد کی جاتی ہیں۔ یقیناً کچھ زمینیں ایسی ہوتی ہیں جن میں دلدل ہوتی ہے یا جنگل ہوتے ہیں اور انھیں صاف کرنے کے بعد بہت زرخیز بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن وقتی طور پر ان کا شمار غیر زرخیز زمینوں ہی میں کیا جاتا ہے۔ نو واردوں کو انتخاب کا موقع زیادہ ہوگا اور وہ ایسی زمینیں آباد کرنا شروع کریں گے جو زرخیزی اور رسائی کے لحاظ سے دوسرے درجے پر ہوں گی۔ اب اگر زمین سستی یا مفت مل رہی ہو تو کاشتکاروں کا فائدہ اس میں ہوگا کہ بڑے رقبے پر پھیلا کر ہلکی کاشت کریں، کوئی زحمت نہ اٹھائیں اور فصل کو اپنی نگرانی خود کرنے دیں۔ اس کو "وسیع" کاشت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب آبادی بڑھ جائے گی تو زمین کے دعوے دار زیادہ ہو جائیں گے اور لگان (قانون طلب اور رسد کے مطابق) بڑھ جائے گا۔ اس لئے اب زیادہ سرمایہ اور محنت کو، اس زمین پر لگانا جو اپنے قبضے میں ہے، نفع بخش نظر آئے گا۔ جہاں زمین مفت مل رہی ہو وہاں بھی ایک حد ایسی آسکتی ہے جب کاشت کو وسیع کرنے کے مقابلے میں، موجودہ زمین کو کاشت کرنا ہی زیادہ نفع بخش ثابت ہوتا جب زمین کے ایک چھوٹے سے قطعے پر بہت سا سرمایہ اور محنت لگائی جاتی ہے تو یہ "عمیق" کاشت کہلاتی ہے۔

۴۔ لگان

فرض کیجئے، تمام زیادہ زرخیز زمین آباد ہو گئی ہے۔ ایسی صورت میں نئی زمین کا ادنٰے درجے کا ہونا لازمی ہو جاتا ہے اور اس کی پیداوار بھی لازمی طور پر پہلی زمین کے مقابلے میں کم ہوگی۔ چنانچہ کاشت کو جتنا پھیلایا جاتا ہے پیداوار میں اتنی ہی کمی ہوتی جاتی ہے۔ اگر زمین کے کسی نئے قطعے کے جوتنے سے بس واجبی نفع مل رہا ہے تو ابتدائی زمینوں کے جوتنے سے بہت زیادہ نفع ملنا لازمی ہے۔ اس لئے جو زمینیں سب سے زیادہ زرخیز ہیں ان سے زیادہ لگان حاصل ہوگا۔ اگر کوئی ایسا زمیندار ہے جو اپنے فائدے پر نظر رکھتا اور موقع کو سمجھتا ہے تو زمین کے کسی ایک قطعہ کا لگان، قدر کے اس پورے فرق کے مساوی ہوگا جو اس کے اور کم ترین نفع رساں زمین کے درمیان پایا جائے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ اتنا لگان وصول بھی کیا جائیگا یا نہیں۔ کبھی کبھی اس "معاشی لگان" سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے "کمر توڑ لگان"[۱] کی

۱۔ Rack-Rent

وہ صورت پیدا ہو جاتی ہے جس سے آئرلینڈ کے کسان واقف ہیں۔

آخر میں، ایک وقت ایسا آئے گا جب ابتدائی زمین پر عمیق کاشت کی جائے گی لیکن زمین پر چاہے جتنا کام کیا جائے کچھ عناصر ایسے ہیں مثلاً سورج اور ہوا جو آدمی کے قابو سے باہر ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی محنت اور سرمائے کو دوگنا کر کے لگاتا ہے تو اس کی پیداوار میں (اگر دوسری چیزوں میں کوئی تبدیلی نہ ہو) دوگنے سے کم کا اضافہ ہوتا ہے۔

غرض، یہاں بھی ایک انتہائی حد آجاتی ہے اور وسیع کاشت اور عمیق کاشت میں توازن رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ قاعدہ تقریباً ہر جگہ کام کرتا نظر آتا ہے اور اسے "قانون تقلیل حاصل" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

آخری سرمایہ وغیرہ ناموافق حالات میں لگایا جاتا ہے۔ جب وہ بھی نفع بخش ہو تو پہلے لگائے ہوئے سرمائے کو تو نسبتہً بہت زیادہ نفع بخش ہونا چاہئے۔

چنانچہ کسان ایسی محنت اور سرمائے پر جو موافق ترین حالات میں لگایا گیا ہوگا، لگان ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے کیونکہ ان سے اسے زیادہ بچت ہوتی ہے اور ایک نفع اندوز زمیندار اس لگان کو کبھی نہیں چھوڑتا۔

ایک کسان کو اس طرح خوش تدبیری کے ساتھ کام کا انتظام کرنا چاہئے کہ چاہے وہ کاشت کے وسیع کرنے میں روپے زیادہ لگائے چاہے اپنی پرانی زمین میں، ہر صورت میں اس کا منافع دوسری صورت کے مقابلے میں کم یا زیادہ نہ ہونے پائے۔ اس اصول پر بالکل ٹھیک ٹھیک عملدرآمد تو کبھی بھی نہیں ہو پاتا۔ یہ ایک نصب العین ہے اور سب کسانوں کو ان کی مخصوص حالت کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ نفع یا تو نئی زمین کے خریدنے یا پرانی زمین پر زیادہ احتیاط سے کام کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

غرض، جس طرف بھی کسان رخ کرتا ہے اس کو رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاں کہیں زراعتی پیداوار کے اضافے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس زاید پیداوار کو، زیادہ لاگت پر ہی فراہم کیا جا سکتا ہے۔ زاید پیداوار کو کسان اس وقت تک نہیں بوئے گا جب تک اس کا بونا نفع بخش نہیں ہوگا اور وہ اپنی پوری پیداوار کی ایک ہی قیمت وصول کرے گا۔ چنانچہ قیمت کا تعین، بیشتر مصارف کی پیداوار کرے گی

اور طلب کے اضافے کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

قیمتوں کا اضافہ زراعت کے کام کو نفع بخش بنا دے گا اور زراعت پیشہ آبادی اپنی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کرے گی۔ عام طور پر مشکلوں کا سامنا کرنے کے بعد ہی پیداوار کو بڑھایا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح قانون تقلیل حاصل پر قابو پایا جائے۔

۵۔ احاطہ بندی

اس عقدے کا حل "اگر دوسری چیزوں میں کوئی تبدیلی نہ ہو" کی شرط میں (ملاحظہ ہو گزشتہ فصل) مضمر ہے۔ اگر پیدائش کے اضافے کا محرک ایسا زبردست ہو کہ وہ کسان کو جھنجھوڑ کر اپنے قدیم طریقوں کو چھوڑنے اور ان رکاوٹوں کو صاف کرنے پر مجبور کر دے جنھیں بہت پہلے صاف ہو جانا چاہیے تھا تو زائد پیداوار کو بغیر نقصان برداشت کئے حاصل کیا جا سکتا ہے اور یہ اضافہ نئے طریقوں اور عملوں کے اختیار کرنے کے لئے براہ راست محرک ثابت ہوگا۔

یہ صورت ۱۷۶۰ء کے بعد واقعی رونما ہوئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ نئی زمین کو حاصل کرنے کی تحریص بھی موجود تھی۔ اس کام کو بڑے زمیندار دو طرح کر سکتے تھے یا تو شاملات دہ کی زمینوں پر اپنا اجارہ قایم کر کے یا بنجر زمینوں کو اپنی کاشت میں لا کر۔ اس کام میں اور زمین کے بہتر طور پر استعمال کرنے میں ایک باہمی ربط پایا جاتا ہے۔ نئے طریقوں کو بے احاطہ[1] زمینوں میں جاری نہیں کیا جا سکتا۔ اچھی کاشت کے لئے یہ ضروری تھا کہ پہلے زمین کی از سر نو تقسیم کی جائے۔

چنانچہ سب سے پہلے احاطہ بندی کی تحریک نمایاں ہوئی۔ اس میں اور ٹیوڈر (شاہی خاندان) کے زمانے کی احاطہ بندی میں مشابہت کا پہلو تو یہ تھا کہ یہ بھی بڑے زمینداروں کے لئے کی گئی تھی۔ لیکن بنیادی فرق یہ تھا کہ اس کے سامنے پیداوار کو بڑھانے کا مقصد تھا۔ اس احاطہ بندی کو چراگاہ کے لئے نہیں بلکہ کاشت کے لئے کیا گیا تھا۔ اکثر صورتوں میں اس زمانے میں بھی شاملات دہ کے حقوق کی طرف سے ویسی ہی لاپروائی برتی گئی۔ بے احاطہ کھیتوں کے پٹہ داروں کو چاہے وہ راضی ہوئے

[1] Open Field

یا نہ ہوئے بے دخل کر دیا گیا۔ احاطہ بندی کے مصارف بہت تھے کیونکہ ایک نجی قانون کو پارلیمنٹ میں منظور کرانا پڑتا تھا اور ہمیں ان قوانین کی تعداد ہی سے دراصل اس تحریک کے سراغ لگانے کا موقع مل سکا ہے۔

سنہ ۱۷۶۰ء سے پہلے بھی قابل زراعت زمین کو بڑھانے کی کوشش کی گئی تھی بلکہ احاطہ بندی سترھویں صدی کے پورے زمانے میں مسلسل طور پر جاری رہی تھی لیکن سنہ ۱۷۶۰ء کے بعد اس تحریک کی وسعت بہت بڑھ گئی اور سنہ ۱۸۰۰ء کے ٹھیک بعد اپنی انتہائی حد تک پہنچ گئی۔

جنگ کا زمانہ، احاطہ بندی کے لئے بہت ترقی کا تھا۔ سنہ ۱۷۹۸ء تا سنہ ۱۸۱۰ء تک پارلیمنٹ نے نو سو چھپن مسودوں کی منظوری دی اور سنہ ۱۸۱۱ء سے سنہ ۱۸۲۰ء تک سات سو اکہتر کی۔

زمین کی احاطہ بندی کا عام طریقہ یہ تھا کہ پارلیمنٹ میں ایک درخواست، مقامی حقوق رکھنے والے لوگوں کی طرف سے پیش کی جاتی تھی۔ اس درخواست پر ایک مسودہ قانون بنا کر پارلیمنٹ میں پیش کیا جاتا تھا جسے دوسری خواندگی کے وقت، غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جاتا تھا اور یہ کمیٹی عام طور پر منتخب شدہ ارکین کی ہوتی تھی۔ اگر اس کمیٹی کی رپورٹ موافق ہوتی تھی تو یہ مسودہ بعد میں منظور کر لیا جاتا تھا اور متعلقہ کلیسا کے حلقے میں[1]، کمشنروں کو متنازع فیہ حقوق کا تصفیہ اور فیصلہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا جاتا تھا۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ اس طریقے سے ناجائز فائدہ کس حد تک اٹھایا جاتا تھا۔ اس معاملے میں تاریخی شہادتوں میں عام ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ احاطہ بندی کرتے وقت، کمزور فریقوں کے حقوق کا کوئی احترام نہیں کیا جاتا تھا۔ اکثر صورتوں میں، ایک ضلع کے بڑے زمیندار خفیہ جلسے کر کے نجی درخواستوں کو تیار کرتے تھے اور ضلع کے باشندوں کو جب تک قانون منظور نہ ہو جاتا تھا اس بات کا بہت کم یا بالکل علم نہ ہوتا تھا۔

بہر حال، قانونی چارہ جوئی کے گراں مصارف کی وجہ سے موثر مخالفت کرنا مشکل تھی۔

---

[1] Parish

پارلیمنٹ کے عملے کو خارجی بڑی فیسیں ادا کرنا پڑتی تھیں۔ گواہوں کو بھیجنا اور تحقیقات کے زمانے میں ان کے کھانے پینے کا انتظام لندن میں کرنا پڑتا تھا اور قانونی امداد کو بھی حاصل کرنا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے یہ سب باتیں ایک محدود وسائل کے شخص کے بل بوتے سے باہر تھیں۔ لہذا اس کارروائی سے مجموعی طور پر قطعی فائدہ بڑے زمیندار ہی اٹھا سکتے تھے۔

۶۔ پارلیمنٹ کا اقدام

ابتدا میں پارلیمنٹ کے سامنے بجز اس کے کوئی اور مقررہ پالیسی نہیں تھی کہ احاطہ بندی کے نجی مسودات قانون کے عملدرآمد میں رفتہ رفتہ مفاد عامہ کے تحفظ کی دفعات کو داخل کرایا جائے۔ بعد میں جب زمینداروں کا اثر بڑھ گیا تو پارلیمنٹ نے احاطہ بندی کو امداد پہنچانا شروع کر دیا۔ ۱۸۰۱ء میں ایک قانون منظور کیا گیا جس سے احاطہ بندی کا کام کم خرچ کے ساتھ انجام پانے لگا۔ ۱۸۳۶ء میں شاملات دیہہ کی اراضیات کی احاطہ بندی میں بہت سہولت پیدا کر دی گئی۔ ایک قانون منظور کیا گیا جس کی رو سے کلیسائی حلقے کے بے احاطہ کھیتوں پر حقوق رکھنے والے لوگوں کی دو تہائی تعداد کمشنروں کو نامزد کر سکتی تھی اور پورے ضلع کی احاطہ بندی کرا سکتی تھی یا اس تعداد کا ۷/۸ حصہ کمشنروں کی امداد کے بغیر احاطہ بندی کرا سکتا تھا۔ اس قانون کے ذریعے کچھ غریب پٹہ داروں کو بھی اپنے اثر کو محسوس کرانے کا موقع مل گیا ورنہ اس سے پہلے سارا اقتدار امیر زمینداروں ہی کو حاصل تھا۔

۱۸۴۵ء میں اس نظام کی توسیع بنجر زمینوں پر بھی کر دی گئی۔ شاملات دیہہ کی ایسی بہت زمینوں کو جو پہلے بے کار پڑی تھیں اب امیر لوگ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے اور ان میں سے بہت کی احاطہ بندی کی گئی جو زیادہ تر غیر قانونی تھی۔ مقدمے لڑے گئے لیکن یہ تحریک جاری رہی ایپنگ جنگل جیسی بنجر زمینیں بچائی گئیں اور اب ان کی بڑی چوکسی کے ساتھ حفاظت کی جاتی ہے۔ ایسے بڑے شہروں کے باشندوں کی تندرستی و طاقت جیسا کہ لندن ہے کھلی ہوئی جگہوں کے قائم رکھنے ہی پر منحصر ہے۔ چنانچہ ان کی احاطہ بندی کو روکنا پڑا۔ ۱۸۵۲ء میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ تمام نئی احاطہ بندیوں کے لئے پارلیمنٹ کی منظوری ضروری ہوگی اور ۱۸۹۳ء میں احاطہ بندی کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ بورڈ آف اگریکلچر پر چھوڑ دیا گیا۔ آج کسی بنجر زمین کی احاطہ بندی کی منظوری اس وقت تک نہیں دی جاتی جب تک یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ مفاد عامہ کے لئے ضروری ہے۔

پارلیمنٹ کے اِن قوانین کو اُن نجی قوانین سے جو احاطہ بندی کے لیے ضروری سمجھے جاتے تھے ممیز کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر زمین کا کوئی مالک، کسی زمین کی احاطہ بندی کرانا چاہتا تھا تو اُسے اس کے مسودۂ قانون کو پارلیمنٹ سے منظور کرانا پڑتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ احاطہ بند کھیت انھی لوگوں کے قبضے میں پہنچتے جا رہے تھے جو سب سے زیادہ دولتمند تھے۔ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں، ان نجی قوانین کی تعداد بتدریج بڑھتی رہی اور ۱۷۶۰ء کے بعد بہت اہم ہو گئی۔ ۱۷۸۰ء کے بعد ان میں کمی ہونے لگی لیکن جلد ہی دوبارہ ۱۸۰۰ء تک اضافے کی طرف مائل رہی۔ اس کے بعد اس نے بتدریج گھٹنا شروع کر دیا۔

۷۔ احاطہ بندی کے معاشی اثرات

احاطہ بندی کے خالص معاشی اثرات بلاشبہہ مفید ثابت ہوئے گو بعض معاشیین کا یہ خیال ہے کہ ان کے فایدے کو مبالغے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نظری طور پر مفکروں نے ایک طویل زمانے سے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ بے احاطہ کھیتوں کے نظام کا ختم ہو جانا لازمی ہے اور آرتھر ینگ نے اپنے پورے اثر سے کام لے کر اس کی مخالفت کی تھی۔ پرانے نظام کی خرابیاں بالکل صاف ہیں۔ مشترکہ کھیتی کے نظام میں، ایک کاشتکار، اس وقت تک، کسی اصلاح یافتہ طریقے کو اختیار نہیں کر سکتا تھا جب تک وہ اس کام کے لئے اپنے تمام پڑوسیوں کو بھی راضی نہ کر لے۔ کھیت کے لانبے ٹکڑوں میں پہلی جتائی کو کاٹتی ہوئی جوتائی کرنا ناممکن تھا اور کونڑ کے خاتمے پر ہل کو اس طرح گھمانا مشکل تھا کہ دوسرے کے کھیت میں مداخلت بے جا نہ ہو۔ کھیتوں کی ڈولوں پر، اگر ہل نہیں چلایا جاتا تھا تو ان پر گھاس پات اُگ آتی تھی۔ دوسری طرف اگر ان پر ہل چلایا جاتا تھا تو قبضے کے حدود کے جھگڑے شروع ہو جاتے تھے۔ پھر منتشر کھیتوں میں، ایک جگہ سے دوسری جگہ آدمیوں اور گھوڑوں کو لانے لے جانے میں بہت سا وقت اور محنت ضایع ہو جاتے تھے۔ شاملات دیہہ کی چراگاہوں میں، مویشی ضرورت سے زیادہ تعداد میں جمع رہتے تھے اور جب سب بھیڑوں کو ایک ہی گلے کی صورت میں چرایا جاتا تھا تو ان میں بیماریوں کے پھیلنے کو روکنا بہت مشکل ہوتا تھا۔

احاطہ بندی کے حامیوں نے، اٹھارویں صدی کے آخر میں، ممکن ہے، ان میں سے بعض خرابیوں کو مبالغے کے ساتھ بیان کیا ہو لیکن ان میں بلاشبہہ حقیقت پائی جاتی تھی۔

زمین کی احاطہ بندی ہو جانے کے بعد اس کا مالک کاشت کے نئے طریقوں سے فائدہ اٹھا سکتا تھا اور زمین کا استعمال نہایت نفع بخش طریقے پر کر سکتا تھا۔ اس چیز کی اہمیت بہت زیادہ تھی کیونکہ بے احاطہ کھیتوں کے نظام میں بہت سی ایسی زمینوں کو جو قدرتی طور پر صرف گھاس پیدا کرنے کے لئے موزوں تھیں کاشت میں لے لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ربیع کی فصل کو بھی بو یا جا سکتا تھا۔ یہ بات اس وقت تک ناممکن تھی جب تک زمینوں کی ملکیت مشترک تھی۔ کیونکہ خریف کی کٹائی کے بعد سے فروری تک، قابل کاشت زمینوں میں مویشی اور بھیڑیں چرائی جاتی تھیں۔

پانی کے نکاس کا مناسب انتظام بھی اس وقت تک قابل عمل ثابت نہ ہو سکا جب تک زمین کی احاطہ بندی نہیں کی گئی۔ کیونکہ اگر کوئی آدمی اس کی کوشش کرتا بھی تھا کہ اس کے کھیت کی ٹکڑوں سے پانی کے نکاس کا انتظام ہو جائے تو پڑوسیوں کی غفلت کی وجہ سے اس کا کام بے سود ہو جاتا تھا۔

غرض، احاطہ بندی نے مختلف طریقوں سے کاشت کے طریقوں کو بلند کیا۔ پرانے نظام کے ماتحت، سب سے خراب کاشتکار معیار کا تعین کیا کرتا تھا۔ صرف وہی زمین جو بہترین اور طاقتور ترین ہوتی تھی، اپنی طاقت کو سلب کئے بغیر، استعمال میں رکھی جا سکتی تھی۔ لیکن احاطہ بندی نے زمین کے زیادہ گوناگوں استعمال کا امکان پیدا کر کے زمین کی سلب شدہ قوت کو بحال کرنے کا ایک ذریعہ پیدا کر دیا۔ ادنیٰ درجے کی بہت سی زمینوں کی صرف اس لئے احاطہ بندی کی گئی کہ ان کی پیداوار گھٹ رہی تھی۔ البتہ جب تک غلّے کی قیمت کم رہی اس وقت تک زمین کو گھاس اُگانے کے لئے خالی چھوڑنا زیادہ نفع بخش رہتا تھا۔

۱۷۹۰ء تک انفرادی ملکیت کی معاشی برتری اس درجے مسلم الثبوت ہو گئی تھی کہ احاطہ بندی کے مخالف، اب معاشرتی اثرات کو مخالفت کی دلیل کے طور پر پیش کرنے لگے تھے۔

۸۔ احاطہ بندی کے معاشرتی اثرات

فوری طور پر معاشرتی اثر خراب ہوا اور ایک حد تک اس کے نقصانات ابھی تک جاری ہیں۔ زمین کے مالک کو عام طور پر فائدہ ہوا کیونکہ اس کے لگان خاصے بڑھ گئے لیکن غریب کسانوں کو نقصان پہنچا کیونکہ احاطہ بند کھیتوں کے لئے زیادہ سرمائے کی ضرورت ہوتی تھی۔ غریبوں کے نقصان کے

بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں پایا جاتا۔ ۱۸۰۱ئہ میں ینگ نے لکھا تھا "احاطہ بندی کے بیس قوانین میں سے انیس غریبوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور بعض صورتوں میں یہ نقصان نہایت شدید ہوتا ہے۔" یہ صحیح ہے کہ بعد کے قوانین میں ان کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی گئی۔ کبھی انھیں روپے کی صورت میں معاوضہ دیا گیا اور کبھی شاملات دیہہ کے حقوق کے نقصان کے معاوضے میں انھیں زمین کے قطعات دیے گئے۔ لیکن چھوٹے قطعات کی احاطہ بندی کے مصارف نسبتۂ بہت زیادہ ہوتے تھے اور انھیں مجبوراً فروخت کردینا پڑتا تھا۔ اس کے معاوضے میں جو روپیہ ملتا تھا وہ عموماً فضول خرچی کے نذر ہوجاتا تھا۔ کسان کو سب سے زیادہ سخت نقصان یہ ہوا کہ اس کی گائیں اس کے پاس نہیں رہیں۔

ایڈن نے اس احاطہ بندی کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ شاملات وہ اور بنجر زمینوں سے جو فوائد "چھپر نشین کسان[1]" کو پہنچتے تھے وہ حقیقی نہیں بلکہ نمایشی تھے کیونکہ بجائے باقاعدہ محنت کرنے کے وہ اپنا وقت' سوکھی لکڑی چننے یا کسی ویران بنجر زمین میں گھاس کھودنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک دو فاقہ زدہ سواروں اور ان کی آوارہ گرد ہنس کی وجہ سے ایک تو ہمسایوں سے روز کا جھگڑا رہتا تھا دوسرے یہ اس لئے بھی مہنگے پڑتے تھے کہ ان کے لئے وقت' توجہ اور خریدی ہوئی غذا صرف کرنا ضروری تھی۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بہت سی صورتوں میں شاملات دیہہ کی زمینوں پر مویشی کے چرانے کا جو معاوضہ لیا جاتا تھا وہ بہت کم تھا اور جیسا کہ ۱۷۹۵ئہ میں بنجر زمینوں کی کمیٹی کے سامنے عذرداری کی گئی تھی احاطہ بند کھیتوں میں چرانے کے سلسلے میں کسان کو جو لگان پٹہ دار[2] کو ادا کرنا پڑتا تھا اس کی کافی سے زیادہ تلافی اس وقت ہوجاتی تھی جب وہ زاید دودھ کی پیداوار یا جانور کے زیادہ وزن کو بازار میں فروخت کرنے کے لئے لے جاتا تھا۔

لیکن اس سلسلے میں جو امکانی مبالغے کئے گئے ہیں ان سے قطع نظر کرنے کے بعد جب اس مسئلے پر غور کیا جاتا ہے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس احاطہ بندی سے غریب ترین دیہاتیوں کو اخلاقی اور مادی دونوں طرح کا نقصان پہنچا۔ شاملات

---

[1] Cottager   [2] Farmer

دیہہ کی زمینوں کی احاطہ بندی کی وجہ سے کسان اپنی آمدنی میں ضمنی اضافہ کرنے کے ذرایع سے محروم ہوگیا۔ جن لوگوں کو شاملات دیہہ میں حقوق ملے ہوئے تھے انھیں زمین کے ساتھ ایک وابستگی تھی، ان کے اندر خود مختاری کا ایک جذبہ پایا جاتا تھا اور کفایت شعاری کا ایک محرک ان کے اندر موجود تھا۔ چراگاہ کے حقوق سے انھیں مویشی پالنے کا موقع حاصل تھا اور جنگلوں سے وہ ایندھن مفت لاسکتے تھے۔

زرعی انقلاب سے پہلے ملک کے بہت سے حصوں کے مزدور پٹہ داروں کی زمین پر دن کے وقت کام کرنے کو ایک ضمنی کام سمجھتے تھے جس سے ان کی ان آمدنیوں میں جو دوسری صنعتوں سے حاصل ہوتی تھیں اضافہ ہوتا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے شاملات دیہہ کی احاطہ بندی عین اس وقت ہوئی جب کتائی اور بنائی کی صنعتیں گھروں کو چھوڑ کر کارخانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مزدور "غربا کے قانون" کا سہارا لینے کے لئے مجبور ہوئے اور اس کا انجام بہت تباہ کن ثابت ہوا۔

زرعی انقلاب اور تنظیم

۱۷۹۰ء تا ۱۸۵۰ء کے دوران میں چھوٹے پٹہ دار غائب ہو گئے اور بڑے پیمانے پر سرمایہ دارانہ کاشت کے موجودہ نظام کی ترقی ہونے لگی۔ اس کے مختلف اسباب تھے۔ بڑا پٹہ دار کسان کے مقابلے میں زیادہ کفایت کے ساتھ پیدا کر سکتا تھا اس کے اندر بہتر اوزار اور بہتر مویشی رکھنے کی بھی سکت ہوتی تھی اور ان سے زیادہ فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔ کسان کے پاس اس سرمائے کی کمی تھی جو احاطہ بندی کی تحریک سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری تھا اور اس کے اندر خراب فصلوں کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نسبتۃً کم تھی۔ پٹہ دار کسان کے لئے ۱۷۹۳ء تا ۱۸۴۳ء کا زمانہ خاص طور پر ناسازگار تھا۔ فرانسیسی جنگوں کے زمانے میں برائے عامہ بڑے پٹہ داروں کے ذریعے کھیتی کرانے کی طرفدار رہی کیونکہ جو قوم جنگ میں مصروف ہو اس کے لئے فراہمی غذا کے لئے اسی طرح کی کھیتی بے حد ضروری ہے۔ زمین کا مالک بھی اسے ترجیح دیتا تھا کیونکہ سرمایہ دار پٹہ دار زیادہ لگان ادا کر سکتا تھا اور اس کی ادائی کے سلسلے میں پابندی وقت کو زیادہ ملحوظ رکھ سکتا تھا اور اس کی طرف سے مرمت کے مطالبے بھی کم ہوتے تھے۔ ۱۸۱۵ء کی صلح کے بعد جو زرعی کساد بازاری اور خراب فصلوں کا سلسلہ شروع ہوا اس نے چھوٹے رقبے پر

قبضہ رکھنے والے کسانوں کی بربادی کو مکمل کر دیا اور انھیں زمین سے تقریباً بالکل خارج کر دیا۔

اوپر جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح معرفی[1] مختلف قسم کے پٹہ دار[2] بلکہ چھوٹے معافی دار بھی معدوم ہو گئے۔ بڑے مزرعوں[3] کے ساتھ ہی طویل مدت کے پٹوں کا نظام بھی شروع ہوا۔ جب تک ایک پٹہ دار کو حقیت اراضی اور لگان کے اضافے کی طرف سے مطمئن نہیں کیا جائے اُس وقت تک وہ زمین کو بہتر بنانے کے لئے اپنا سرمایہ خطرے میں ڈالنے کے لئے آمادہ نہ ہوگا چنانچہ پٹہ داروں نے طویل مدت کے پٹوں کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا اور انھی کا عام طور پر رواج ہو گیا۔

چھوٹے زمینداروں یعنی مالکان سیر اور خود کاشت کا جو اپنی مختصر زمینوں پر خود ہی کاشت کیا کرتے تھے نمائب ہو جانا ایک ایسا موضوع ہے جو خاص طور پر دلچسپ ہے یہ انگلستان کے زرعی انقلاب کا ایک نہایت اندوہناک سانحہ ہے۔ سترھویں صدی کے خاتمے پر گریگری کنگ نے چھوٹے معافی دار خاندانوں کی تعداد کا اندازہ کل آبادی کا ⅙ لگایا تھا اور چیمبرلین نے اسی زمانے کے متعلق لکھتے ہوئے بیان کیا تھا کہ یورپ کے جتنے ملک انگلستان کے برابر ہیں ان سب کے مقابلے میں اس ملک کے اندر سب سے زیادہ معافی دار موجود ہیں۔ لیکن نپولین کی جنگوں کے خاتمے تک یہ طبقہ تقریباً بالکل غائب ہو چکا تھا، اگرچہ ہسباخ کی تحقیقات کی رو سے جتنی تعداد آرتھر ینگ نے بیان کی تھی اس سے زیادہ تعداد میں معافی دار موجود تھے۔

یہ طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے ایک زمانے میں اتنا مضبوط تھا، اٹھارویں صدی کے خاتمے تک تعداد میں اتنا کیسے گھٹ گیا۔ اس کے اسباب معاشری بھی ہیں اور معاشی اور سیاسی بھی ۱۶۸۸ء کے انقلاب نے زمین پر ملکیت رکھنے والے امرا کو با اقتدار بنا دیا تھا۔ جب قومی اور مقامی حکومت کے انتظامات ان کے ہاتھ میں

---

[1] Small Holder

[2] Copy Holder and Lease Holder

[3] Large Farm

پہنچ گئے تو کاروباری لوگوں نے بھی جنھوں نے تجارت کے ذریعے روپیہ جمع کیا تھا، زمین کو جو معاشری اور سیاسی اثر ورسوخ کا ذریعہ تھی حاصل کرنا چاہا اور اس طبقے نے چھوٹے زمینداروں کی حقیت کو خرید لیا۔ اس کے علاوہ خاندانی جانشینی کے[1] سخت نظام کی وجہ سے انتقال اراضی کا کام چونکہ مشکل اور مہنگا تھا اس لئے چھوٹے زمینداروں کی جائداد کی خریداری کی وجہ سے ان کی تعداد میں جو کمی ہو رہی تھی اس کی تلافی بڑی زمینداریوں کے ٹوٹنے سے نہیں ہوسکی۔

احاطہ بندی کی تحریک نے کس حد تک چھوٹے زمینداروں کے طبقے کے برباد کرنے میں مدد دی اس کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ بہت سی صورتوں میں شاملات دیہہ کی احاطہ بندی سے زمین کے چھوٹے مالکوں کو بہت سخت نقصان پہنچا۔ لیکن ان کے باہمی تعلق کو ٹھیک ٹھیک تعین کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اتنے قریبی زمانے تک جیساکہ ۱۷۹۰ء کا ہے ملک کے بعض حصوں میں ان کی تعداد میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی تھی۔ اغلب یہ ہے کہ ۱۸۰۰ء کے بعد سرمایہ دار پٹہ دار سے جب روزافزوں مقابلہ شروع ہوا اور اسپین ہم لینڈ کی پالیسی کے تحت محصول کی شرح کو جب بڑھایا گیا تو چھوٹے زمیندار کی بربادی یقینی ہوگئی۔ اس کو زیادہ محصول اس لئے ادا کرنا پڑتا تھا تاکہ مزدوروں کو ناکافی[2] اجرت پر ملازم رکھا جاسکے لیکن خود اس کے لئے جب وہ محض ایک جھونپڑے ہی کا مالک ہوتا تھا کام کا ملنا مشکل تھا کیونکہ کلیسائی حلقے سے کسی ایسے شخص کو امداد نہیں دی جاتی تھی جو جائداد کا مالک ہو اور جب تک کسی نہ کسی قسم کی امداد شامل نہ ہو محض اجرت ایک خاندان کے گذارے کے لئے ناکافی رہتی تھی۔

۱۷۹۰ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان زراعتی مزدوروں کی حالت بہت ابتر رہی۔ جیساکہ دیکھا جاچکا ہے بنجر زمینوں کی احاطہ بندی کی وجہ سے مزدوروں کی حقیقی آمدنی میں بہت کمی ہوگئی تھی اور ملک کے اکثر حصوں میں جھونپڑے سے ملحق باغ کی زمین کے کم ہو جانے کی وجہ سے ان کی حالت اور بھی زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ صحیح صحیح تصویر کھینچنا آسان نہیں ہے کیونکہ حالات ہر ضلع کے مختلف تھے لیکن کابٹ کا یہ بیان غالباً

[1] System of Strict Family Settlement [2] Non-Economic

صحیح ہے کہ غلّہ پیدا کرنے والے اضلاع کی حالت سب سے زیادہ سقیم تھی۔

آرتھر ینگ نے سفارش کی تھی کہ جہاں وسیع بنجر زمینوں کی احاطہ بندی کا معاملہ درپیش ہو وہاں احاطہ بندی کے موقع پر ہر جھونپڑے کے ساتھ اتنی زمین کو ضرور چھوڑا جائے جو ایک گائے کے پالنے کے لئے کافی ہو اور یہ زمین جھونپڑے کے بغیر ناقابلِ انتقال سمجھی جائے اور اس کی ملکیت کلیسا کے حلقے کے سپرد کر دی جائے۔ لارڈ ونچل سی نے اس بات پر زور دیا تھا کہ ہر جھونپڑے کے ساتھ ایک باغ بھی ضرور رکھا جائے۔ اگر ینگ یا ونچل سی جیسی کسی تجویز پر ہمہ گیر طریقے سے عمل کیا جاتا تو انگلستان کی سرزمین پر ایک تندرست دیہی آبادی کی نشو و نما کا سلسلہ مستحکم بنیاد پر قائم ہو جاتا۔

بڑے پیمانے کی سرمایہ دارانہ کاشت نے پٹہ دار اور مزدور کے تعلقات میں ویسی ہی تبدیلی پیدا کر دی جیسے کہ خانگی نظام سے فیکٹری نظام میں منتقل ہونے نے، صنعتی تعلقات میں پیدا کی تھی۔ جہاں پٹہ دار اپنے مزدوروں کے ساتھ کام کرتا اور رہتا تھا وہاں بھی مزدور عام طور پر پٹہ دار کے یہاں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ باہمی مفاد کے پرانے رشتے ٹوٹ گئے تھے اور مزدور جیسا موقع دیکھتا تھا اس کے مطابق کبھی ایک آجر کے یہاں کام کرتا تھا کبھی دوسرے کے یہاں۔

دوسری طرف، معاشری معیار کے لحاظ سے پٹہ دار کا درجہ بلند ہو گیا۔ نجی اقدام پر سے جب پابندیاں ہٹالی گئیں تو زیادہ کارگزار لوگ آگے بڑھنے لگے اور معاشرے میں ایک نیا درمیانی طبقہ پیدا ہو گیا۔

۱۰۔ ایک تندرست زرعی آبادی کی اہمیت

سنہ ۱۷۶۰ء سے زراعت پر اچھے اور بُرے زمانے باری باری سے آتے رہے۔ ہمیں ملک کی بحیثیت مجموعی خوشحالی اور اس کے ایک جز کی خوشحالی کے بنیادی فرق کو، زراعت کے معاملے میں دوسرے اور تمام معاملوں سے زیادہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے حالات میں اگر کوئی تبدیلی نہ ہو تو قوم کے کسی ایک جُز کی خوشحالی کا اثر بقیہ ملک پر بھی اچھا ہی پڑتا ہے۔ متاثر ہونے والے جز کی خوشحالی کی وجہ سے اس کے خرچ کرنے کی اہلیت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کا اثر ان لوگوں پر بھی جو اس کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اچھا ہی پڑتا ہے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک جز کی ترقی ہوتی ہے تو دوسری تبدیلیاں بھی

واقع ہوجاتی ہیں جس کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ نتیجہ ملک کے مجموعی نقصان کی صورت میں ظاہر ہو اور ایسا ہی اس کی برعکس صورت کو بھی سمجھنا چاہئے۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک ملک کی بحیثیت مجموعی ترقی، ایک چھوٹی سے اقلیت کو نقصان پہنچا کر حاصل کی جائے اور ایسا ہی اس کی برعکس صورت کو سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ زراعت کے لئے زمانہ خراب ہے تو اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ ملک کو بحیثیت مجموعی غذا سستی قیمت پر مل رہی ہو۔

معاشی لحاظ سے یہ بات ممکن ہے صحیح ہو لیکن معاشری لحاظ سے اس کے نتائج بہت افسوس ناک ہوتے ہیں۔ ایک مکمل حکومت کے لئے یہ ایک لازمی شرط ہے کہ اس کے اندر ایک ایسی صحیح زرعی آبادی موجود ہو جو تندرست ہو اور جسے کھانے کے لئے خوب غذا ملتی ہو۔ دیہات کی آبادی شہر کے لوگوں کے تیز اور زیادہ ترقی یافتہ دماغ کے لئے جس کی ترقی کو جسمانی ترقی کی قیمت ادا کرکے خریدا جاتا ہے وہی کام انجام دیتی ہے جو ایک زنگار آئینے کے لئے انجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ تبدیلی کو محض تبدیلی کی خاطر پسند کرنے کا جو شدید جذبہ زیادہ مہذب جماعتوں میں پایا جاتا ہے اس کے لئے بھی دیہاتی آبادی ایک روک کا کام انجام دیتی ہے۔ آخر میں یہ ایک ایسے ذخیرے کا کام انجام دیتی ہے جہاں سے شہر کی آبادی اپنے بہترین عناصر کو حاصل کرتی رہتی ہے۔ اس لئے زراعتی آبادی کی حالت کی بہتری ملک کے مجموعی مفاد کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتی ہے اور ایسے موقع فرض کیے جا سکتے ہیں جن میں کسانوں کے مفاد کو اگر تباہی کا خطرہ لاحق ہو تو معاشی مفاد کی قربانی کو بالکل جائز سمجھا جائے۔

۱۸۰۰ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان تغیرات

۱۸۱۵ء کی صلح نے زرعی کساد بازاری کو شروع کردیا۔ اس بہ ظاہر متضاد بیان کی توجیہ اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جنگ کے زمانے میں قیمتیں مصنوعی طور پر بڑھا دی گئی تھیں جن کے لالچ میں آکر پٹہ دار کاشت کی توسیع کی طرف مائل ہوگئے تھے اور انھوں نے زمین کے لگان بڑھا دیے تھے۔ جب یہ محرک باقی نہیں رہا تو ایک ردعمل شروع ہوا۔ لگان بہت زیادہ تھے اور مال کی فروخت کے لئے بازار نہیں ملتے تھے۔ غلے کے قوانین سے بھی جن کے ذریعے جنگ کے زمانے کے تحفظ کو جاری رکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی، کسانوں کو اتنی

مدد نہیں ملتی تھی جتنا کہ عام لوگوں کو ان کی وجہ سے نقصان پہنچ رہا تھا۔ خراب فصلیں مسلسل واقع ہوئیں اور ۱۸۱۹ء میں زر رائج کی حالت کو بہتر کیا گیا، غیر نقد پذیر نوٹ منسوخ کردیے گئے۔ یہ نوٹ جتنی قدر ان پر درج تھی اس سے کم پر چل رہے تھے جس کی وجہ سے اُن کسانوں کو جنھوں نے ۱۸۱۹ء سے پہلے روپیہ ادھار لیا تھا اپنا قرض سونے کی صورت میں ادا کرنا پڑا اور اس کی وجہ سے بہت سخت نقصان اٹھانا پڑا اس کے علاوہ مرطوب موسموں نے مویشی کے اندر جگر کی بیماری، بھیڑوں میں خارش اور غلّے میں بیماری پیدا کردی اور یہ صورتِ حال انیسویں صدی کے چوتھے عشرے تک چلتی رہی جب کہ لوگوں پر ریلوں کا خبط سوار ہوا۔ اس کی وجہ سے گو سرمایہ بہت ضایع ہوا لیکن کسانوں کو اپنی پیداوار کے فروخت کرنے کے بہتر ذرایع میسر آگئے۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ ریل کے حصے خریدنے والوں نے زراعت کو ایک غیر ارادی امداد پہنچائی۔ پرانی قیمتوں پر، طلب رسد سے آگے بڑھ گئی جس کی وجہ سے اُن قیمتوں میں اضافہ کیا گیا۔ ۱۸۴۷ء کے بحران کے بعد، ایک عارضی کساد بازاری پانچ یا چھ سال تک چلتی رہی۔ اس کے بعد مسلسل ترقی شروع ہوئی اور یہ سلسلہ چند خراب فصلوں یا یورپ کی مویشی کی بیماری یعنی بیل روگ (انڈر لیسٹ) کی وجہ سے صرف کبھی کبھی ٹوٹتا رہا۔

۱۲- زرعی ترقیاں صنعتی انقلاب کے مقابلے میں جو عام طور پر عملی اور زیادہ تر غیر تعلیم یافتہ لوگوں کا کارنامہ تھا، زرعی انقلاب کا انحصار نظری علم یا کم سے کم تحریری تجربے پر زیادہ رہا۔ زراعت کے مختلف کاموں کی اصلاح و ترقی میں زرعی ادب نے جس میں تیرھویں صدی کے ہنلی مقام کے رہنے والے والٹر کی تصانیف سے لیکر صنعتی انقلاب کے زمانے کے آرتھر ینگ کی تصانیف تک سب ہی شامل ہیں بہت بڑا حصہ لیا۔ اٹھارویں صدی کے نصف اول کے زمانے میں ٹل اور ٹاؤن شنڈ نے ابتدائی مصنفوں یعنی فٹزہربرٹ (۱۵۲۳ء) ٹاؤسر (۱۵۶۲ء) اسکاٹ (۱۵۷۴ء) اور سترھویں صدی کے موجدوں یعنی فاسٹر، بارٹ لب وکیسٹن اور بلیتھ کے خیالات کو عملی جامہ پہنایا، ان سے لوگوں کو واقف کرایا اور انھیں آگے بڑھایا۔

زراعت کسی دوسرے شخص کی اتنی ممنون احسان نہیں ہے جتنی کہ جیتھرو ٹل کی ہے کیونکہ جو اصول اس کی کتاب "گھوڑے۔ کے ذریعے ترائی کرنے کا طریقۂ کاشت"

(۱۷۳۳ء) میں درج ہیں انھی کی قسمت میں برطانیہ کی زراعت میں انقلاب پیدا کرنا لکھا جا چکا تھا اگرچہ یہ انقلاب ٹل کی زندگی میں نہ ہو سکا۔ دوسرے مصلحین کی طرح اس کی بھی شدید مخالفت کی گئی۔ اس نظام کی قدر و قیمت کو سب سے پہلے اسکاٹ لینڈ نے سمجھا اور آہستہ آہستہ یہ جنوب کی طرف پھیلتا ہوا انگلستان پہنچا۔ لیکن اٹھارویں صدی کے خاتمے پر بھی آرتھر ینگ نے اس کی مخالفت کی۔

اس کے خاص اصول، صاف جتائی، بیج کا کم استعمال اور قطار میں بوائی تھے۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ زمین کو پڑتی چھوڑنا اور کھاد ڈالنا غیر ضروری ہیں اور اسے زمین کے ایک ہی ٹکڑے پر بغیر کھاد ڈالے ہوئے گیہوں کی مسلسل فصلیں بونے میں فی الواقعی کامیابی بھی حاصل ہوئی اور اس نے اپنے پڑوسیوں کے مقابلے میں جو کھیتی کے معمولی طریقوں کے مطابق کاشت کرتے تھے زیادہ پیداوار فی ایکڑ بھی حاصل کی لیکن اس کے طریقے کا اثر فوری طور پر بہت کم ہوا۔ بے احاطہ کھیتوں کو جوتنے والے کسان برابر بیج کو بکھیر کر، گنجان اور مختلف گہرائیوں ہی میں بوتے رہے اور انھوں نے شلجم اور سین فوئن (گھاس) کی قدر و قیمت اور جڑ کی صورت میں پیدا ہونے والی فصلوں اور گیہوں کو قطار کے اندر بونے پر جس کی وہ تبلیغ کیا کرتا تھا کوئی دھیان نہیں دیا

ترقی کی طرف پہلا قدم اس وقت اٹھایا گیا جب ٹل کے اصولوں کو نارفوک میں رائن ہم مقام کے رہنے والے لارڈ ٹاؤن شنڈ جیسے لوگوں نے عملی جامہ پہنایا۔ ٹاؤن شنڈ کی جائداد کے اندر زیادہ تر دلدلی اور ریتیلی بنجر زمینیں شامل تھیں لیکن چند ہی سالوں میں ان کی کایا پلٹ ہو گئی اور یہ زرخیز اور اچھی کاشت کی زمینیں بن گئیں اس نے نارفوک کے قدیم طریقے کو یعنی مارل (کھٹیلی مٹی) کے استعمال کو دوبارہ رائج کیا اور شلجم اور کلوور (تپتیا گھاس) کو کھیتوں میں بونا شروع کیا۔ ٹل کی پیروی میں ٹاؤن شنڈ نے اپنے شلجموں کو بکھیر کر بونے کی جگہ قطار میں بویا اور ان کی نرائی گھوڑے کے ذریعے سے کی۔ اس نے چار چندی یا نورفولک کے طریق پر بھی کاشت کو رائج کیا جس میں اناج، مصنوعی گھاس اور جڑ دار فصلیں یکے بعد دیگرے اگائی جاتی تھیں۔

۱۳۔ ہولک ہم کا ٹامس کوک	لیکن جب تک اس صدی کے آخری زمانے میں ہولک ہم کے ٹامس کوک نے اسی نارفوک کے علاقے میں بڑے پیمانے کے

فارموں اور بڑے سرمایے کی پُرزور حمایت نہیں کی اسی وقت تک نئے طریقوں کو عام طور پر استعمال کرنا شروع نہیں کیا گیا۔ جب اس نے ۱۷۷۶ء میں اپنا عظیم الشان زراعتی کام شروع کیا تو اس کی جائداد کی حالت ایک ایسے جنگل سے کچھ زیادہ بہتر نہیں تھی جس میں خرگوشوں کے بھٹ بہ کثرت پائے جاتے ہوں اور ہولک سے لے کر لن تک مشکل ہی سے کہیں ایک آدھ ایکڑ گیہوں کی کاشت کی جاتی ہوگی۔ کوک نے گیہوں بونے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور نو سال تک مارل (مٹی) چکنی مٹی ڈالنے کا تجربہ کرنے کے بعد سے گیہوں کی اچھی فصلیں بونے میں کامیابی ہوئی۔

وہ گیہوں کو اگیتا اور قطار کے اندر گنجان بونے اور جب بال اور ٹہنی ابھی ہری ہی ہوں اسی وقت کاٹ لینے کا بڑا حامی تھا اور اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جئی اور مٹر کو بھی اگیتا ہی کاٹ لینا چاہئے۔ اس کے علاوہ انگریزوں میں غالباً وہ پہلا شخص تھا جس نے بڑے پیمانے پر سویڈن کے شلجموں کو بویا۔

کوک نے مویشی کی اصلاح میں بھی خصوصاً گھاس کی قسم کو بہتر بنانے کا اہتمام کر کے بہت قابل قدر حصہ لیا۔ وہ پہلا زراعت کا ماہر تھا جس نے باقاعدگی کے ساتھ ایسے بیج کا مطالعہ کیا جس سے نہایت مقوی گھاس اور نہایت اچھی غذائیت رکھنے والا چارہ پیدا کرنا ممکن ہو گیا۔ لیکن اپنی غیر فانی شہرت کے لئے وہ سب سے زیادہ اس وجہ سے مستحق ہے کہ وہ "ہولکھم کے سالانہ اجتماعات" میں کسانوں کو زراعتی معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے اکٹھا کیا کرتا تھا۔ ان اجتماعات میں جو ۱۷۷۸ء میں شروع ہوئے تھے اور ۱۸۲۱ء تک جاری رہے سب قوموں اور سب حیثیتوں کے لوگ شریک ہوتے تھے اور ۱۸۲۱ء کے آخری اجتماع میں سات ہزار آدمی شریک ہوئے تھے۔ ان جلسوں کو جو اہمیت زراعتی واقفیت کی اشاعت کرنے کے سلسلے میں حاصل ہے اس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ان کے زیر اثر انگلستان میں بیس لاکھ ایکڑ بنجر زمین کاشت میں لائی گئی۔

اس طریقے پر اور اپنی ذاتی مثال کے ذریعے کوک نے انگلستان کی زراعت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور ملک کو اس لائق بنایا کہ وہ نپولین کی جنگوں کے زمانے میں اپنے گذارے کے لئے کافی غذا مہیا کر سکے۔

۱۴۔ رابرٹ بیک ول

رابٹ بیک ول (۱۷۲۵ء تا ۱۷۹۵ء) ڈشلے میں لوبارو کے قریب پیدا ہوا اور اس نے زیادہ تر نسل کشی کے کام میں اصلاحیں کیں گو اس نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا کہ جس فارم میں بہت سے جانور ہوتے ہیں وہاں کھاد کا مسئلہ زیادہ اہم نہیں رہتا۔ اس کو خاص کامیابی بھیڑوں کے پالنے میں ہوئی۔ اس زمانے تک انگلستان کو اُون کا علاقہ سمجھا جاتا تھا اور بھیڑ کے گوشت کا شمار ضمنی پیداوار میں کیا جاتا تھا۔ اب چونکہ آبادی تیزی سے بڑھنے لگی تھی اس لئے لوگوں کو کافی غذا مہیا کرنے کا مسئلہ بھی اہم ہوتا جا رہا تھا۔ بیک ول نے دیکھا کہ اس کام کے لئے پرانی بھیڑیں بہت کم مفید ہیں کیونکہ ان کے بقیہ جسم کے مقابلہ میں ان کا جسم بہت مختصر ہوتا تھا۔

اس کی خواہش تھی کہ شراب کے پیپے کی شکل کا جسم تیار کرے اور اس نے اپنے جانوروں کا انتخاب اسی مقصد کے تحت کرنا شروع کیا۔ اس وقت جو ایک خام خیال یہ رائج تھا کہ مختلف نسلوں کی آمیزش سے خون میں برابر تبدیلی پیدا کرتے رہنا چاہئے اُسے اس نے قبول نہیں کیا اور بڑی ہڈی کی جگہ چھوٹی ہڈی کو اپنا مطمح نظر بنایا۔ آخر کار جس جانور کی اُسے خواہش تھی وہ اُسے مل گیا اور نتیجہ لیسٹر کی مشہور بھیڑ کی صورت میں جو دنیا کی بہترین بھیڑ ہے برآمد ہوا۔ بیک ول سے پہلے جانوروں کا انتخاب بہت کم کیا جاتا تھا۔ جو کچھ انتخاب ہوا تھا وہ اس بات تک محدود تھا کہ بہترین نمونوں کو ذبح کر کے اور اُن میں نمک لگا کر جاڑے کے لئے رکھ لیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نسل صرف ادنیٰ تر جانوروں کی پھیلا کرتی تھی۔ لیسٹر کی بھیڑ، امریکا اور یورپ میں پھیل گئی اور پچاس سال کے اندر اندر بھیڑ کے گوشت کا وزن دگنا ہو گیا۔

گائے بیل کے سلسلے میں بیک ول کو بھیڑ کے برابر کامیابی نہیں ہوئی لیکن اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ جن جانوروں پر اس نے کام کیا وہ ادنیٰ درجے کے تھے۔ گوشت کی پیداوار کے لحاظ سے اس کی ڈشلے نسل کی گائے، ایک اصلاح یافتہ نسل تھی لیکن یہ خوبی دودھ پیدا کرنے کی اہلیت کو قربان کر کے حاصل کی گئی تھی۔ یہ نسل ایک زمانے تک مشہور رہی لیکن بعد میں فنا ہو گئی۔ کھینچنے کے کام کے لئے اس کے سیاہ گھوڑے موزوں ہوتے تھے اور وہ پہلا شخص ہے جس کو اس اعتبار سے یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے جانوروں کے ساتھ

مہر و محبت کا برتاؤ کیا۔ زراعت کے کام میں اس نے غلے کی پیداوار کو چراگاہوں میں پانی بھر کر بے انتہا بڑھا دیا اور وہ رقیق کھاد کو بھی استعمال کیا کرتا تھا۔

مارشل نے جو نارتھ رائیڈنگ میں پیدا ہوا تھا "دیہی معیشت کا جائزہ" لکھکر (۱۷۸۷ء) ایک نہایت اہم خدمت انجام دی۔

۱۵۔ آرتھر ینگ

انگلستان کی زراعت کی تاریخ میں آرتھر ینگ، (۱۷۴۱ء تا ۱۸۲۰ء) کا نام سب سے ممتاز[1] ہے۔ وہ سفوک کے خاندان میں لندن میں پیدا ہوا اور اسی ضلع میں اس نے تعلیم پائی۔ وہ زراعت کے بہترین طریقوں کے نظری اصولوں کا ایک بہت بڑا ایپش کرنے والا تھا اور اُسی نے سب سے پہلے انھیں ایک علم کی صورت میں مدون کیا۔ اس کی قابلیت کا تمام تر زور مشاہدہ اور توجیہ پر صرف ہوتا تھا۔ لیکن جب کبھی اُس نے اپنے نظریوں کو عملی شکل دینا چاہا تو ان کے صحیح ہونیکے باوجود اس کو ناکامی ہوئی اور بعض وقت یہ ناکامی سخت مایوس کن ہوتی تھی۔

پہلے اس نے ایک چھوٹے مزرعے کو چلانا چاہا لیکن اس سے دست بردار ہونا پڑا۔ ۱۷۶۸ء میں اس نے اپنا مشہور و معروف "جنوبی اضلاع کا چھے ہفتے کا دورہ" شروع کیا جس کے ذریعے اس نے نارفوک کے طریقہ ہائے کاشت کا مطالعہ کیا اور اس کے نتائج کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد سے اس نے بڑے مزرعوں، سرمایہ داروں، احاطہ بندی اور ترقی یافتہ طریقوں کی حمایت شروع کر دی۔ اس کے دو سال بعد اس نے "شمالی انگلستان کا چھے ہفتے کا دورہ" شروع کیا اور اپنے پہلے طریقے کی یہاں بھی پیروی کی۔ ۱۷۷۶ء میں اس نے آئرلینڈ میں سفر کیا لیکن یادداشتوں کے کھو جانے کی وجہ سے اُسے بعد میں دوبارہ دورہ کرنا پڑا۔ غرض اس طرح اس نے سات ہزار میل کا دورہ کیا۔ ۱۷۸۷ء میں وہ پہلی بار فرانس گیا اور ۱۷۸۹ء میں تیسری بار۔ موخر الذکر سال میں وہ اٹلی بھی گیا۔ واپسی پر اس نے اپنے نادر و بے مثل تجربے کو قوم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

اس کے مطالعے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ زمین کا، لگائے ہوئے بیجوں کا اور پختہ

---

[1] کم از کم باستثنائے کوک۔

فصلوں کی نوعیت کا باقاعدہ جائزہ لیتا تھا۔ وہ حقیقت اراضی کے حالات کی بھی تحقیقات کرتا تھا۔ وہ بے انتہا محنت کرتا تھا، اس کی قوت مشاہدہ بھی اتنی ہی زبردست تھی اور دوسری طرف اپنے نتائج کو بہترین طریقے پر ترتیب دینے کا بھی اس کو ملکہ تھا۔ اس کے علاوہ اس کے اندر تخئیل کی قوت بھی تھی۔ اگر ایک طرف اس کی تفصیلات اور جزئیات قابلِ اعتماد ہوتی تھیں تو دوسری طرف وہ چیزوں کو وسیع نظر سے بھی دیکھ سکتا تھا۔ کسانوں کے طبقے میں تخئیل کی بہت کمی ہوتی ہے چنانچہ انگلستان کے کسان بھی اس کلیے سے مستثنےٰ نہیں تھے۔ اس لئے اگرچہ ان کی سمجھ میں ینگ کے نصب العین تو نہ آسکے لیکن وہ اس کی معمولی فہم و فراست اور قابلیت سے خوب متاثر ہوئے۔ ینگ احاطہ بندی کی حمایت اس لئے نہیں کرتا تھا کہ اُسے مشترکہ کھیتوں پر بذاتہ کوئی اعتراض تھا بلکہ اس لئے کرتا تھا کہ پرانا انتظام اس کے منصوبوں یعنی بڑے مزرعے، بڑے سرمائے لانبی مدت کے پٹوں اور کاشت اور مویشی کشی کے علمی طریقوں کے اختیار کرنے میں حایل تھا۔ سرمایہ دارانہ کاشت اُسے اس لئے پسند تھی کہ وہ اس کے نتائج کو دیکھ چکا تھا۔

اچھی کاشت میں جو موانع حایل تھے یعنی بے احاطہ کھیت، غیر مزروعہ بنجر زمینیں، وقیانوسی آلات اور طریقے۔ ان سب کے خلاف ینگ نے نہایت موزوں موقعے پر اپنا زبردست جہاد شروع کیا۔ اس میں کامیابی اس لئے ہوئی کہ زمین سے زائد پیداوار حاصل کرنے کی ضرورت بہت شدت کے ساتھ پائی جاتی تھی تاکہ تیزی سے بڑھنے والی صنعتی آبادی کے لئے غذا کا انتظام کیا جاسکے۔ لیکن بدقسمتی سے اس زائد پیداوار کا منافعہ زمینداروں اور پٹہ داروں ہی کو ہوا اور زراعتی و صنعتی محنت کش طبقوں کو، انیسویں صدی کے وسط تک، اس سے بہت کم فائدہ پہنچا۔

۱۶ ـ زرعی مشینیں

صنعتی انقلاب کی طرح زرعی انقلاب بھی تدریجی طور پر اور نسبتہً آہستہ آہستہ ہی ہوا۔ ۱۸۲۵ء تک ملک کے طول و عرض میں بے احاطہ زمین کی بہت افراط تھی اور مڈلینڈ سے تو مشترکہ کھیت اور پرتی زمیں ۱۸۴۵ء تک غائب نہ ہوئی تھی۔ ۱۸۳۰ء سے پہلے، انگلستان میں، محنت بچانے والی جن کم و بیش اہم تدابیر کو استعمال کیا جاتا تھا وہ صرف حسب ذیل تھیں:۔ رودرہم کے رہنے والے سمال کا ترقی یافتہ ہل، گاہنے والی مشین جسے ڈنبار کے رہنے والے جیمس مائکل نے (قریب ۱۷۸۴ء میں) ایجاد کیا تھا اور گھوڑے سے

چلنے والا گھس پھیر[1] جس سے گھاس کو اچھالا جاتا تھا اور جس کا حق ایجاد ووبرن کے رہنے والے سالمن نے ۱۸۰۰ء میں حاصل کیا تھا۔ ۱۷۸۸ء اور ۱۸۱۶ء کے درمیان مختلف چیزوں کے حق ایجاد حاصل کئے گئے۔ مثلاً قطار میں بونے کی نلکیاں، فصل کاٹنے، تراشنے اور بھوسہ اڑانے کی مشین، چری کاٹنے اور شلجم کے قتلے کاٹنے کی مشینیں لیکن معلوم ہوتا ہے ان کا استعمال بہت کم کیا جاتا تھا۔ لیکن شمال میں لوہے کے دروازوں اور باڑھوں کا استعمال کیا جانے لگا تھا۔

۱۸۳۰ء کے قریب مشرقی اسکاٹ لینڈ میں فصل کاٹنے کی مشینوں کے تجربے کئے گئے لیکن ان میں بہت کم کامیابی ہوئی۔ گھوڑے کے ذریعہ قطار کے اندر بوائی اور نرائی اگرچہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ عام ہو گئی تھی لیکن ۱۸۳۰ء تک یہ طریقہ عام طور پر استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ غالباً سب سے زیادہ ہمہ گیر ترقی یہ ہوئی تھی کہ لکڑی کے اوزاروں کی جگہ لوہے کے اوزار استعمال کئے جانے لگے تھے چنانچہ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان ایسے ہل اور دندانے دار ہراون استعمال کئے جانے لگے تھے جو پورے لوہے کے بنے ہوتے تھے۔

فصل کاٹنے کی مشین کو بل نے ۱۸۲۶ء میں ایجاد کیا۔ لیکن اس کا استعمال اس وقت تک وسیع طور پر نہیں کیا گیا جب تک کہ بیورلے کے رہنے والے کراس کل نے ۱۸۵۳ء کے قریب اس میں اصلاح نہیں کی۔ یہ نئی مشین غلے کو صرف کاٹتی ہی نہیں تھی بلکہ ان کی پولیاں بنا کر بھی رکھتی جاتی تھی۔ ۱۸۵۰ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان بھاپ کی قوت کا استعمال پہلے تو گاہنے میں کیا گیا اور پھر بعد میں مختلف فصل کاٹنے کی مشینوں میں فینس کے دور دراز حصوں کے سوا، باقی اور سب جگہ ہنسئے اور ہک کی جگہ درانتی کو استعمال کیا جانے لگا۔ قوت محرکہ سے چلنے والی زرعی مشینوں کو بھی، بوٹ اور شوز کی مشینوں کی طرح، پہلے امریکا میں ترقی ہوئی جہاں انگلستان کے مقابلے میں ان کا استعمال بڑے مزرعوں پر جن میں وسیع طریقے پر کاشت ہوتی تھی، زیادہ نفع بخش اور قابل عمل ثابت ہوتا تھا۔ آج بھی انگلستان کے صرف بہت بڑے پٹہ دار ہی قوت محرکہ سے چلنے والے ہل اور ان مختلف مشینوں کو استعمال کرتے ہیں جن کا رواج امریکا اور نوآبادیوں کے مزرعوں میں بہت عام ہے۔

غالباً ۱۸۷۰ء کے بعد سب سے اہم مشین جو ایجاد کی گئی وہ اسٹرنگ بائنڈر[2]

---

[1] Tadder

[2] پولے یا گٹھا باندھنے والی مشین۔

ہے۔ جسے سب سے پہلے اپیل بی نے ۱۸۷۹ء میں ایجاد کیا تھا۔ اب اس مشین کی مختلف قسمیں عام استعمال میں ہیں جنھیں دستی محنت کا بہت کارگذار نعم البدل سمجھا جاتا ہے۔ معدنی تیل سے چلنے والے انجن کو بھی مزرعے کے بہت سے کاموں کے لئے بہت قیمتی مددگار سمجھا جاتا ہے۔ قوت محرکہ سے چلنے والے شکنجے بھی جو گھاس اور بھوسے کو دبانے کے لئے (۱۸۶۰ء میں ایجاد کئے گئے تھے) ذخیرہ کرنے کے کام میں بہت مفید ثابت ہوئے۔

دوسری اہم مشین جو حال ہی میں ایجاد ہوئی ہے وہ بھیڑ کے بال کاٹنے والی مشین ہے اور خاردار تاروں کے استعمال اور نالی دار لوہے کی چادروں کے رواج سے بھی باڑھ بندی اور فارم کی عمارتوں کی لاگت خاصی گھٹ گئی ہے۔

۱۷۔ دوسری ترقیاں

۱۷۶۰ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان پنیالی زمینوں کے پانی کو نکالنے میں بھی بہت تیزی سے ترقی کی گئی۔ ۱۷۶۴ء میں واروک شائر کے یوسف الکنگ ٹن نے ان ڈھلواں زمینوں کے زیریں نکاس کے انتظام کرنے کی کوشش شروع کی جو چشموں کے پھوٹ کر بہہ نکلنے کی وجہ سے پانی سے بھر جایا کرتی تھیں۔ اس کے طریقے میں گہری خندق کا استعمال کرنا ضروری تھا۔ اس نے وارک شائر میں پرنس تھروپ کے مقام پر پانچ فٹ گہری خندق کھود کر کھیتوں سے پانی کے نکاس کا انتظام کیا۔ یہ طریقہ اُس پرانے رواج سے متفقہ طور پر بہتر تھا جس میں زمین کے اندر، اونچی ٹیکریاں سی کھڑی کردی جاتی تھیں اور دو مینڈوں کے درمیان اس لئے خلا چھوڑ دیا جاتا تھا کہ پانی سطح کے اوپر سے بہہ کر نکل جائے۔ یہ تدبیر ایسی تھی کہ جس سے زمین کے وہ تمام زرخیز کرنے والے اجزا بھی ضایع ہو جاتے تھے جو بارش کے پانی میں گھلے ہوئے موجود ہوتے تھے۔ تقریباً ۱۸۳۵ء تک جب ڈین سٹن کے رہنے والے اسمتھ نے انقلی نکاس کی نالیوں کا نظام جاری کیا جن کو پتھر بھرنے کے بعد اوپر سے بند کر دیا جاتا تھا، الکنگ ٹن کا طریقہ عام طور پر اختیار کر لیا گیا تھا۔ ۱۸۵۰ء تک نکاس کے نل بھی استعمال کئے جانے لگے۔ چکنی مٹی کے ہاتھ کے بنے ہوئے نل سب سے پہلے کنٹ میں استعمال کئے گئے اور ۱۸۴۰ء میں ایسکس میں مشین سے بنے ہوئے نلوں کی آزمائش کی گئی۔ مشین سے بنے ہوئے چکنی مٹی کے نلوں کا عام استعمال، پارکس، ریڈ اور اسکریگ کی ایجادوں کے بعد ۱۸۴۳-۴۶ء میں ہونے لگا۔

کھاد کو نفع بخش طریقے پر استعمال کرنے کے لئے پہلے یہ ضروری تھا کہ پانی کے نکاس کا بہتر انتظام کر لیا جائے۔ کیونکہ جن زمینوں پر نکاس کا انتظام ہوتا تھا انھی پر کھاد کا بغیر ضائع ہوئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اٹھارویں صدی کے اختتام تک کھاد کے معاملے میں، پٹہ داروں کا انتخاب صرف نباتی کوڑے کرکٹ کی راکھ اور مویشی خانے کے گوبر تک محدود تھا اور پودے کی زندگی کے لئے جن غذاؤں کی ضرورت ہے ان کا انھیں بہت کم علم تھا۔ انیسویں صدی کے دوسرے ربع میں جرمنی میں، گیسن مقام پر لی بگ نے زرعی کیمیا کو مدون کیا۔ جب ۱۸۴۳ء میں روتھم سٹڈ تجربی اسٹیشن قائم کیا گیا تو انگلستان میں لاز اور گلبرٹ نے اس علم سے لوگوں کو متعارف کر دیا۔

نائٹریٹ آف سوڈا کا استعمال جو بہت اہم کھاد ہے ۱۸۳۵ء میں پہلی مرتبہ جاری ہوا اور ۱۸۴۰ء تک سرسوں کے سفوف اور ہڈیوں کے سفوف کی کھاد عام طور پر استعمال کی جانے لگی۔ ۱۸۴۳ء میں لاز نے چونے کے سپر فاسفیٹ کو بنانا شروع کیا۔ دوسری طرف ہنسلو نے یہی کھاد اس بجری کے کوپرالائٹ سے بنایا جو جنوب مشرقی انگلستان میں پائی جاتی تھی۔ جنوبی امریکا سے گوآنو کی[1] درآمد بھی اسی زمانے میں شروع ہوئی اور اس کے بعد امونیا سے بنائے ہوئے کھاد بھی استعمال کئے جانے لگے۔

۱۸۴۰ء میں شاہی زراعتی سوسائٹی کے قائم ہو جانے سے زرعی علم کی خوب اشاعت ہوئی اور علمی صوبوں پر عملی کاشت کی بھی اچھی ہمت افزائی ہوئی۔

گذشتہ چالیس سال میں مندرجہ ذیل خاص ترقیاں ہوئی ہیں:- تہ نشین کھنگر کے بارے میں یہ دریافت کہ وہ ایک اچھا فاسفیٹ کھاد ہے۔ (یہ چیز لوہے کے بنانے کے سلسلے میں ایک بے کار ضمنی پیداوار کے طور پر حاصل ہوتی تھی) سبز چارے کو محفوظ رکھنے کے ترقی یافتہ طریقے۔ گھاس پات کو فنا کرنے کے لئے تانبے کے نمکوں کے محلول کا استعمال۔ آلات زراعت میں بھی بلاشبہ برابر ترقی ہوتی رہی خصوصاً امریکا میں جہاں سائنس کے مطابق کاشت بہت ترقی یافتہ حالت میں ہے۔ ۱۸۸۹ء میں ایک زراعتی بورڈ دوبارہ بنایا گیا۔ اس کا خاص کام یہ تھا کہ پودوں کے امراض کے

[1] - مچھلی کا کھاد یا ایک پرندے کی بیٹ جو کھاد کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

جاری ہونے اور پھیلنے کا تدارک کرے اور زراعت کے تجربی اور علمی مطالعے کی نگرانی کرے۔ ناروے میں ہوا کے اندر بجلی کے شرارے گذار کر مصنوعی نائٹریٹ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ اس عمل سے جو نائٹرک ترشہ بنتا تھا اُسے القلی کے ذریعے منجمد کر لیا جاتا تھا۔

۱۸۷۰ء کے بعد سے دودھ کی پیداوار کے سائنٹیفک انتظام کی طرف خاص توجہ کی جارہی ہے۔ برطانیہ کی دودھ مکھن کی انسٹی ٹیوٹ، شاہی زراعتی سوسائٹی، زراعتی کالج اور اضلاع کی کونسلیں سبھوں نے دودھ مکھن کے نظری اور عملی علم کو بڑھانے کی بہت کوشش کی ہے۔

دودھ دوہنے کی مشینیں ایجاد کی گئی ہیں گو لارینس کینیڈی اور ڈوپلے کے نمونوں کے رواج سے پہلے نلکیوں کو صاف رکھنے میں بڑی مشکل پیش آتی تھی۔ دودھ سے متعلق تمام کاموں کے انجام دینے کے طریقوں میں علمی اصولوں کی بہت تیزی کے ساتھ ترقی ہوئی ہے۔ سپریٹر[1] کے اصول نے جسے لوال، نے فلڈ اور پٹرسن نے ترقی دی، دودھ مکھن کی صنعت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے اور انیسویں صدی کے نصف آخر کی بڑی ایجادوں میں اس کا شمار فصل کاٹنے کی مشین اور پولے باندھنے کی مشین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

سپریٹر کے فوراً بعد دوسری اور بہت سی ایجادیں ہوئیں مثلاً ترقی یافتہ متھنیاں، دودھ جانچنے کے آلے، دودھ ٹھنڈا کرنے والے آلے، مکھن کو سکھانے والے آلے، ورکرز، سخت کرنے والے آلے، فولادی استر کے برتن اور دوسری ایجادیں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ چیزیں عام استعمال میں کس قدر آچکی ہیں۔

۱۸۔ صنعتی اور زرعی انقلابات کے اثرات بہ صورت مجموعی

یہ تو ہم نے دیکھ لیا کہ تقریباً ۱۷۶۰ء کے بعد سے زراعت اور صنعت دونوں میں کس طرح دفعتہً ترقی واقع ہوئی۔ اب یہاں اس انقلاب کے جو اثرات ان دونوں پر پڑے ان کا موازنہ کرنا بھی مناسب ہوگا ہم نے یہ دیکھا تھا کہ جھونپڑے کے دستی کرگھے کی جگہ، پانی کی قوت سے چلنے والی گرنی استعمال کی جانے لگی جسے شہر سے دور دراز جگہوں پر

[1] مکھن کو مٹھے سے جدا کرنے والا آلہ۔

نصب کرنا پڑا اور بعد میں بڑے شہروں میں کام کرنے والی فیکٹریاں وجود میں آگئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم ایک جملے میں صنعتی انقلاب کو (اس کے وسیع مفہوم کے ساتھ) بیان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ترقی بڑے پیمانے کے طریقوں کو اختیار کر کے ہی کی گئی اس میں کوئی شک نہیں ابتدا میں انقلاب کا اثر صرف یہ ہوا کہ گھریلو پارچہ بافی کا حلقہ وسیع ہو گیا لیکن جلد یا بدیر فیکٹریاں وجود میں آئیں۔ تقریباً تمام صنعتوں نے ان کا اثر قبول کیا۔ لیکن نئی صنعتوں مثلاً روئی کی صنعت کی ہئیت سب سے پہلے بدلی۔ تمام ایسی صنعتیں جن میں بڑے پیمانے پر مال پیدا کرنے کی صلاحیت تھی مثلاً اون کی صنعت جلد یا بدیر منقلب ہوگئیں اگرچہ اس بات کو بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ آج بھی بہت سی صنعتیں موجود ہیں جو باوجود چھوٹے پیمانے پر کام کرنے کے مقابلہ کرنے میں کامیاب ہیں۔

گو یہ رجحان زراعت اور صنعت دونوں میں پایا جاتا تھا لیکن ان میں فرق بھی تھا اور یہ فرق اس لئے تھا کہ جو مال یہ تیار کرتی تھیں ان کی نوعیت مختلف تھی۔ سوتی اور اونی مال کو، عام طور پر سستی لاگت پر تیار کیا جا سکتا ہے کیونکہ جب مال کی زیادہ مقدار تیار کرنے کے لئے مشین کا استعمال کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے بہت سی کفایتیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ جس کتاب کو لاکھوں کی تعداد میں فروخت کیا جائے اس کی قیمت اس کتاب کے مقابلے میں جس کے صرف چند نسخے چھاپے جائیں بہت کم ہوتی ہے۔ اگر کسی صناع کی بکری پہلے ہی سے خوب ہو تو اسے اپنے حریفوں پر فوقیت حاصل ہوگی اس کے بعد اس کا کاروبار جتنا بڑھتا جائے گا اتنی ہی آسانی سے وہ اپنے حریفوں کو کچل سکے گا۔ اس لئے ایک خاص نقطے تک کاروبار کا میلان بڑھنے کی طرف رہتا ہے اور چھوٹے کاروبار آہستہ آہستہ غائب ہوتے رہتے ہیں۔

چیزوں کو زیادہ مقدار میں تیار کرنے کی وجہ سے جب ان کی لاگت کی شرح کم ہوتی جاتی ہے تو ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ قانون تکثیر حاصل کی پابندی کر رہی ہیں۔ (زراعتی پیداواروں سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھیے)[1] بعض ایسے کاروبار ہیں جن میں زیادہ سرمایے کی ضرورت ہے مثلاً لوہے کو پگھلانے کا کام۔ ان میں صرف

[1] اس کے معنی صنعت و زراعت میں بنیادی فرق کے ہیں جیسا کہ ابتدائی معاشیین کا خیال تھا۔

ایک بڑے فرم کے لئے خوشحال ہونے کا موقع ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ امیر لوگوں ہی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ دوسری صنعتیں اپنے کاروبار کے پیمانے کے لحاظ سے ان سے مختلف نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ بات مسلم ہے کہ جتنی کسی کاروبار کے اندر زیادہ بیش قیمت مشینوں کی ضرورت ہوگی اتنا ہی زیادہ رجحان اُس کاروبار کے اندر وسیع ہونے کا پایا جائے گا۔ اس میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ بڑے پیمانے پر کاروبار کرنے کے لئے مخصوص انتظامی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے جو ممکن ہے فراہم نہ ہوسکتی ہو۔ دوسرے یہ کہ چیزیں چاہے جتنی زیادہ کیوں نہ تیار کرائی جائیں لیکن ہوسکتا ہے کہ ان کے لئے بازار تلاش کرنا ناممکن ہو جس کی وجہ سے مال کی نکاسی کی نئی راہیں نکالنے کے لئے بہت زیادہ قابلیت سے کام لینا ضروری ہو۔

زراعت ایسی چیزوں کو مہیا کرتی ہے جن میں اب تک کی انسانی تاریخ کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی مستقل طور پر ضرورت سے زیادہ افراط پیدا نہیں ہوئی ہے خصوصاً آج جب کہ نقل و حمل کو ترقی ہوگئی ہے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ عام استعمال میں آنے والی غذاؤں مثلاً گیہوں کی پیدائش اُس کی نکاسی سے زیادہ ہوجائے گی یا اس کی وجہ سے منڈی اشیاے تجارت سے پاٹ دی جائے گی[1]۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ زراعت پیشہ لوگوں کو زیادہ تر قدرت پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے نہ صرف کچے مال کے لئے (جس میں ان کے ساتھ صنعت پیشہ لوگ بھی شریک ہوتے ہیں) بلکہ نشو و نما کے مختلف کاموں کے لئے بھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زراعت میں صنعت کے مقابلے میں کم سے کم موجودہ زمانے میں مشین کا استعمال کم ہوتا ہے اور اس میں تخمین پذیری بھی کم پائی جاتی ہے۔ پھر زراعتی پیداوار کی طلب میں بھی صنعتی پیداوار کے مقابلے میں کم تبدیلی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زراعت ان لوگوں کے ہاتھ میں نہیں پہنچ سکی جن کے اندر نئے طریقوں کے دریافت کرنے اور فروخت کے بڑھانے کی اہلیت پائی جاتی ہے۔ زراعت میں اتنی زیادہ توجہ مال کی پیداوار بڑھانے کی طرف نہیں کی جاتی جتنی کہ مال کی نوعیت کو بہتر بنانے اور خود زمین کی مالیت کو بڑھانے کے لئے کی جاتی ہے۔ اسی بات کو قانون تقلیل حاصل اگر اُسے عام فہم زبان میں پیش کیا جائے اُس طرح بتاتا ہے کہ پیداوار کو بہت زیادہ

[1] حقیقی معنوں کے لحاظ سے۔

تیزی سے بڑھانا نفع بخش نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ صناع تو اپنی گرنی اور مشین کو اپنے حصول مقصد کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے۔ لیکن زراعت پیشہ شخص اپنی زمین کو بجائے خود ایک مقصد سمجھتا ہے۔ بہت سا سرمایہ جو زمین میں لگایا جاتا ہے وہ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ضایع کر دیا گیا کیونکہ اس سے صرف زمین کی مالیت بڑھتی ہے۔

۱۹۔ زراعت پیشہ اور صنعت پیشہ لوگوں کا مقابلہ

اوپر کا یہ بیان ہمیں نئے زراعت پیشہ شخص اور نئے صناع کی سیرتوں کے فرق کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ معاشی حالت کے لحاظ سے طبقوں میں جو ترقی رونما ہوئی اس کو ہم دیکھ چکے ہیں اور ہم نے اس اختلاف کو بھی دیکھ لیا ہے جو شہر اور دیہات کے ہم جنس طبقوں میں رونما ہو گیا تھا۔ اب ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امرا کا ایک نیا طبقہ وجود میں آ رہا ہے یعنی ایسا طبقہ جس کی امارت، دولت کی وجہ سے ہے۔ نئے زراعت پیشہ لوگ تو اپنے پیش رؤوں سے بہت کم مختلف تھے۔ ان میں صرف ذہانت اور وسیع النظری کچھ زیادہ پائی جاتی تھی لیکن صنعت کے کام میں اس زمانے میں اس خاص اہلیت کی ضرورت تھی جس کی ترقی کو اس سے پہلے کے زمانے میں ناپسندیدہ سمجھ کر روکا جاتا تھا۔ نئے زمانے میں صرف وہی لوگ دولت جمع کرنے کی توقع کر سکتے تھے جو مروجہ خیالات سے آزاد ہوتے تھے جو جدت پسند، مستعد اور خود غرض بلکہ ایک حد تک غیر ہمدرد ہوتے تھے۔ پرانا صناع پرانے طریقوں پر قائم تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں سے ذاتی طور پر واقف ہوتا تھا اور منافع کی معمولی شرح پر قانع تھا۔ اس کے علاوہ اُسے غالباً یہ فوقیت حاصل تھی کہ وہ اسی کام کو جاری رکھتا تھا جو اس کے آباؤ اجداد کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس کے بعد زمانہ ایسے لوگوں کا آیا جنھوں نے اپنے کام کی ابتدا بغیر سرمائے کے کی اور اپنے لئے خود راستہ نکالا۔ یہ وہ لوگ تھے جو روپے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اور امارت کا کوئی اخلاقی معیار انھیں پابند نہ کر سکتا تھا چنانچہ نفع ذاتی اور سخت مقابلہ، کاروبار کے بنیادی اصول قرار دے دیئے گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب موجودہ حالات نے ایک خاص قسم کی اہلیت رکھنے والے لوگوں کو یکساں کام کرنے کے لئے منتخب کرنا شروع کیا تو ایک خاص نمونے کے آدمی یعنی صناع آہستہ آہستہ تعداد میں بڑھنا شروع ہوئے۔ ابتدا میں ان کے اندر جاذبیت نہیں تھی۔ ان کے اندر قدیم امارت کی خوبیاں تو تھیں نہیں لیکن برتری کا

احساس ویسا ہی تھا۔ جب وہ اپنے کاروباری اصول کو روپے آنے پائی کے مفہوم کے ساتھ اپنے ماتحتوں نیز اپنے مساوی درجے کے لوگوں کے ساتھ برتتا تھا تو اس کی وہی خصوصیتیں جو اس کو "صنعتی رہنما" بنانے کے لئے اس قدر موزوں ثابت ہوئی تھیں اس کی سیرت کو بہت بدنما روشنی میں پیش کرنے لگتی تھیں۔ زمانہ گذر جانے کی وجہ سے اس کی سیرت کے یہ نقوش ماند ہو گئے ہیں اور آج اس کی امتیازی خصوصیتیں آہستہ آہستہ زایل ہوتی جا رہی ہیں۔

جب ایک صناع دولت مند بن جاتا تھا تو وہ محسوس کرتا تھا کہ امرا کے حلقے میں تجارت کے خلاف ایک جذبہ پایا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ صاحب وقار بننا چاہتا تھا اور اس کا ایک ذریعہ زمین حاصل کرنا تھا۔ اس لئے بہت سے نئے بڑے زمیندار وہ لوگ بن گئے تھے جو پہلے صناع رہ چکے تھے۔ اس کا اثر سوسائٹی پر بھی ظاہر ہوا۔ اس کی وجہ سے پرانی کنارہ کشی اور خواص پسندی ایک حد تک مٹ گئی۔

۲۰۔ صنعت سے زراعت کی علیحدگی

جب زراعت اور صنعت کا تعلق واضح صورت میں نہ رہا تو ان کے درمیان اختلاف دوبارہ بڑھ گیا۔ بڑے پیمانے پر اگرچہ دونوں نے ترقی کی لیکن خود اس ترقی کی وجہ سے ان کاموں کو ملے جلے طریقے پر کرنے کا سلسلہ رک گیا۔ جب ایک صناع کے کاروبار میں ترقی ہوئی تو اُسے اپنی ساری قوت اسی کام میں لگانا پڑی اور یوں زراعت کے کام سے اس کی وابستگی ختم ہو گئی۔ پھر چونکہ زراعتی کام بھی بڑے پیمانے پر کئے جاتے تھے اس لئے جب تک وہ صنعت کے کام سے لگا رہتا تھا، زراعت کے کام اس کی دسترس سے باہر ہو جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاشی اعتبار سے، صناع اور کسان کے درمیان، ایک تقسیم عمل پیدا ہو گئی اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہ محسوس کیا کہ اس کے اپنے کاروبار میں اس کا ذاتی حصہ برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں بھی کسی صناع کا اپنے پیشے کو ترک کر کے ایک بڑا کاشتکار بن جانا اس عام اصول سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

غرض وابستگی کے رشتے ٹوٹ گئے اور یہ کام بہ جبر کیا گیا تھا۔ اس موضوع پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بعد میں بحث کی جائے گی یہاں صرف یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح چھوٹے پٹہ داریا مزدور بہ جبر یا بہ رضا بے دخل کئے گئے تھے اسی طرح کرگھے پر بننے والوں کو بھی دھکیل کر بڑے پیمانے کے نظام میں پہنچایا گیا اور انھیں مجبور کیا گیا کہ

اپنی پوری قوت کو صنعت ہی کے کام پر صرف کریں۔ پہلے جلاہے عام طور پر چھوٹے کسان بھی ہوا کرتے تھے لیکن جب یہ دونوں طبقے غائب ہوگئے تو زراعت اور صنعت کے درمیان ایک خلیج حایل ہوگئی۔

یہ بات پہلے بھی واقع ہوئی تھی جب شہروں میں دستکاری کی ترقی کی وجہ سے جرگے کے افراد نے اپنے کام میں تخصیص پیدا کرلی تھی اور اس سے بھی بہت پہلے تاجروں نے اپنی ایک برادری الگ ہی بنالی تھی۔ پس صنعتی انقلاب نے بنیادی تنظیم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی بلکہ کاروبار میں تجارت پیشہ لوگوں کے حصے کو زیادہ وسیع کر دیا۔ حتےٰ کہ ان انقلابوں نے بھی جو ریلوں اور نقل و حمل کے دوسرے طریقوں میں ہوئے تاجروں اور صناعوں کے معاشری تعلقات میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

زراعت ۱۸۵۰ء سے ۱۸۷۵ء تک

۱۸۵۰ء تا ۱۸۷۵ء کا زمانہ انگلستان کسانوں کے لئے سازگار ثابت ہوا۔ اس صدی کے پہلے نصف میں جو ترقیاں ہوئی تھیں وہ اب اپنا پورا اثر دکھلانے لگی تھیں جب ۱۸۴۶ء میں زمین کی ترقی کے لئے روپیہ قرض ملنے لگا تو روپے کی فراہمی کا مسئلہ بھی زیادہ مشکل نہیں رہا۔

غلے کی درآمد کے اقتناعی قوانین کی منسوخی سے ۱۸۷۰ء کے بعد تک، انگلستان کی زراعت پر کوئی خراب اثر نہیں پڑا کیونکہ امریکا سے ابھی تک بڑی مقدار میں غلہ برآمد کرنا شروع نہیں کیا گیا تھا اور یورپ سیاسی مسائل میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ وہ انگلستان کی پیداوار سے کوئی سخت مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ۱۸۵۲ء تا ۱۸۶۲ء کا عشرہ انگلستان کی زراعت کے لئے سب سے زیادہ خوش حالی کا رتھا۔ لگان برابر بڑھ رہے تھے۔ کیرڈ کا جس نے انگلستان کے زراعتی علاقے کا ۱۸۵۰ء میں دورہ کیا تھا یہ پختہ خیال تھا کہ اس صدی کے خاتمے سے پہلے، انگلستان کی زمین کی قیمت دگنی ہوجائیگی یہ خیال اس واقعے کی بنا پر قائم کیا گیا تھا کہ آبادی ایک بہت محدود علاقے میں نہایت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ لیکن اس رائے کے قائم کرتے وقت نقل و حمل کی مشینوں کی ترقی کے ان اثرات کو پیش نظر نہیں رکھا گیا تھا جو آیندہ رونما ہونے والے تھے اور جو دنیا کے مختلف حصوں کی لاکھوں ایکڑ ناکاشتہ زمین سے فائدہ اٹھانے کے مواقع فراہم کرنے والے تھے۔

مگر انگلستان کے ریلوں کے نظام نے محض ملک کی زرعی بازار کو وسیع کیا اور ان سالوں کی (۱۸۵۰ء تا ۱۸۷۰ء) صنعتی خوشحالی کا عکس، غذا کے سامان کی طلب خصوصاً گوشت کا طلب میں، دیکھا جا سکتا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں انگلستان کے مویشیوں کی شہرت ساری دنیا میں پھیل گئی اور بھیڑوں کے پالنے میں جو ترقیاں کی گئیں وہ اس سے بھی زیادہ نمایاں تھیں۔ بدقسمتی سے ۱۸۶۲ء میں انگلستان میں بیل روگ (اندرلیسٹ) کا حملہ ہوا۔ چھ مہینے کے اندر اندر چھتیس اضلاع میں وبا پھیلی اور یہ متعدی بیماری ۱۸۶۷ء تک جاری رہی۔ کھر اور منہ کا مرض بھی جو انگلستان میں پہلے پہل ۱۸۳۹ء میں نمودار ہوا تھا، برابر اس وقت تک پریشان کرتا رہا جب تک کہ بورڈ آف اگریکلچر نے ۱۸۹۰ء میں جانوروں کے امراض کے قانون کے تحت اپنے اختیاروں کو استعمال کرنا شروع نہیں کیا۔

ان سالوں میں زراعتی مزدور کی حالت تھوڑی بہتر ہوگئی کیونکہ زاید آبادی کے ایک حصے کی کھپت کچھ تو ان نئے کاموں میں ہوگئی جو ریلوں کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے اور کچھ مزدوروں کی جو طلب کوئلے اور لوہے کی صنعتوں میں پائی جاتی تھی اس کے پورا کرنے کے سلسلے میں۔ جہازرانی میں جو ترقیاں ہوئیں ان کی وجہ سے ترک وطن کی تحریک کو ترقی ہوئی اور زراعت پیشہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے امریکا اور آسٹریلیا میں اپنی قسمت آزمائی شروع کر دی۔

۲۲۔ یوسف آرک خوشحالی کا یہ زمانہ ختم ہو رہا تھا جب یوسف آرک نے زمین پر کام کرنے والے مزدوروں کو بہتر شرائط پر ملازم رکھنے کے لئے شورش شروع کی۔ اس نے ۱۸۷۲ء میں زراعتی مزدوروں کی انجمن بنائی اور ۱۶ شلنگ فی ہفتہ اور دن میں ۹½ گھنٹے تک کا کرنے کے لئے تحریک شروع کر دی۔ جب پٹہ داروں نے اس مطالبے کو ماننے سے انکار کیا تو مزدوروں نے ہڑتال کر دی اور یہ شورش تمام انگلستان میں پھیل گئی۔ نہایت تلخ کشمکش کے بعد کسانوں نے مزدوروں کا مطالبہ منظور کیا۔ اجرت بڑھ کر ۱۴ شلنگ اور بعض مقامات پر ۱۵ شلنگ ہوگئی لیکن یہ فتح عارضی تھی۔ ۱۸۷۵ء میں زبردست کساد بازاری شروع ہوئی اور ۱۸۷۹ء میں اجرتیں پھر گرنے لگیں اور ۱۸۸۲ء تک حالت یہ ہوگئی کہ کسان جو اجرت بھی دیتے تھے

مزدور اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ ۱۸۷۴ء کے بعد سے انجمن برابر تنزل کی طرف مائل رہی اور دس سال بعد تقریباً بالکل ختم ہوگئی۔

لیکن اپنی زندگی کے اس مختصر دور میں زرعی مزدوروں کی اس انجمن نے مزدوروں کی ٹولی بندی[1] کے نظام پر ایسی کاری ضرب لگائی جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس نظام کی ابتدا اس صدی کے آغاز میں اس وقت ہوئی تھی جب فرانسیسی جنگوں کے دوران میں ان مقامات پر نئی زمینوں کو زیر کاشت لایا گیا تھا جہاں فصلوں کے کاٹنے کے لئے مزدور نہیں ملتے تھے، یہ ٹولیاں جن میں مرد عورتیں اور بچے شامل ہوتے تھے نرائی کرتی اور مٹر توڑتی پھرا کرتی تھیں اور یہ نظام اخلاقی اعتبار سے بہت مذموم تھا۔

۳۳۔ عظیم کساد بازاری ۱۸۷۵ء کے بعد خوشحالی کا زمانہ ختم ہوگیا۔ آزاد تجارت کا پورا اثر آخر کار محسوس کیا جانے لگا اور امریکا سے گیہوں کی برآمد نے انگلستان کے بازار میں سیلاب برپا کر دیا۔ غلہ کناڈا، بالٹک اور جنوبی روس سے بھی آنا شروع ہوا۔ انگلستان کی زمین جسے زمیندار، عشر کے مالک، زراعت پیشہ شخص اور محصول کے روز افزوں بار۔ ان سب کا کفیل ہونا پڑتا تھا غیر ملکی ناکاشتہ زمینوں کا مقابلہ نہیں کر سکی اور ۱۸۸۴ء میں قیمتوں میں وہ زوال پیدا ہوا جس کے اندر بعد میں مستقل طور پر کبھی بحالی پیدا نہ ہو سکی۔

اس زوال کو خراب موسموں نے بھی امداد پہنچائی کیونکہ ۱۸۷۴ء اور ۱۸۸۴ء کے درمیان صرف دو اچھی فصلیں پیدا ہوئیں۔ بدترین موسم ۱۸۷۹ء کا تھا۔ اس کے علاوہ مویشی کی جگر کی بیماری اور دوسرے امراض کی وجہ سے بھی تباہی پھیلی۔ خراب فصلوں کی تلافی قیمتوں کے اضافے کی صورت میں امریکا کے نئے مقابلے کی وجہ سے نہیں ہو سکی اور کسانوں کا سرمایہ اور ان کے لگان ۳۰ سے ۵۰ فی صدی تک کم ہو گئے۔ سینکڑوں کسان برباد ہو گئے اور مزروعہ رقبے کے ہزاروں ایکڑ کی کاشت کو ترک کر دیا گیا۔

غیر ملکی مقابلہ آہستہ آہستہ زراعت کی دوسری شاخوں میں بھی پھیلا۔ ۱۸۷۷ء تک غیر ملکی مویشی کی درآمد صرف یورپ کے ملکوں کے زندہ جانوروں تک

---

[1] Gang System

محدود تھی لیکن ۱۸۶۷ء میں رتیس کی منجمد کرنے والی مشین ایجاد ہوئی اور آیندہ کے دس سالوں میں مختلف منجمد کرنے والی مشینوں کا حق ایجاد حاصل کیا گیا (مثلاً گیفورڈ اور بل کول من کی مشینیں) اور یہ ایسی ایجادیں تھیں جن سے خشکی اور سمندر دونوں جگہوں میں سردی پہنچا کر مال کو محفوظ رکھا جا سکتا تھا انگلستان کو اس طرح موقع ملا کہ وہ منجمد گوشت کی غیر محدود رسد کو آسٹریلیا سے حاصل کر سکے اور اس کی زراعت کی تباہی تکمیل ہو گئی۔

پارلیمنٹ نے اس کاروبار کو مدد دینے کی کوشش کی۔ مقامی محاصل میں امداد دینے کے عطیے منظور کئے گئے اور عشر کی ادائی کی آخری ذمہ داری قابض کی جگہ مالک کی طرف منتقل کر دی گئی۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ریلوے اور نہر کے قانون نے اس بات کی کچھ کوشش کی کہ خانگی اور غیر ملکی پیداوار کی شرح کو مساوی سطح پر لے آیا جائے۔ لیکن ان کارروائیوں کا کوئی نمایاں اثر نہیں ہوا اور زراعت میں ۱۸۹۶ء تک جب قیمتیں بڑھنا شروع ہو گئی تھیں حیات تازہ کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔

کساد بازاری کے آخری اسباب کا مسئلہ ابھی تک متنازع فیہ ہے۔ زراعت کے شاہی کمیشن نے جس کی پہلی رپورٹ ۱۸۹۴ء میں شایع ہوئی تھی میکانکی نقل و حمل اور دوسری ایجادوں کو اس کا سبب قرار دیا تھا جس کی وجہ سے برطانیہ کے بازار میں غیر ملکی لوگوں کی اہلیت مقابلہ بڑھ گئی تھی اور اس رپورٹ کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ تامینی محاصل کا مطالبہ دوبارہ کیا جانے لگا۔ حالیہ تحقیق نے اس نظریہ کو قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ اس نے بتلایا ہے کہ کساد بازاری زراعت کی طرح صنعت پر بھی حاوی تھی بلکہ یہ عالمگیر تھی۔ غلہ انگلستان کی طرح، جرمنی، امریکا اور آسٹریلیشیا میں بھی اصلی لاگت سے کم پر فروخت کیا جا رہا تھا۔ صرف ہندوستان اور ارجنٹاین میں زرعی قیمتیں اپنی جگہ پر قائم تھیں اور ان ملکوں کا نظام زر چاندی کے معیار پر قائم تھا۔ لہذا کساد بازاری کا صحیح سبب سونے کی قلت رسد کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس استدلال کی بنا اس واقعے پر قائم ہے کہ کساد بازاری اس زمانے میں شروع ہوئی جب جرمنی اور دوسرے ملک چاندی کے معیار کو چھوڑ کر سونے کا معیار اختیار کر رہے تھے اور اس لئے ان ملکوں میں سونے کی طلب بہت بڑھ گئی اور ۱۸۹۶ء میں اس وقت

ختم ہوگئی جب ٹرانسوال کی نئی رسد نے زرِ رواں کی مجموعی مقدار پر اثر ڈالنا شروع کردیا۔ موجودہ زمانے میں دنیا کی جو حالت ہے اس کے پیشِ نظر یہ استدلال ہماری توجہ کا خاص طور پر مستحق ہے۔

جدید تر تاریخ ۱۸۹۵ء تا ۱۹۱۴ء

۱۸۹۵ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان اُن کوششوں کی وجہ سے جو غیر ملکی مقابلے کے اثرات کو کم کرنے کے لئے کی گئیں، انگلستان کے طریقہ کاشت کی نوعیت میں خاصی تبدیلی ہوگئی۔ دودھ، مکھن، پھل اور ترکاری کی پیداوار نے جن کے پیدا کرنے میں ان کے سریع الزوال ہونے کی وجہ سے انگلستان کو ایک قدرتی تامین ملی ہوئی تھی۔ گیہوں اور گوشت کی جگہ لے لی آبادی کے شہری ہوجانے اور اس کے ساتھ ساتھ تیز رفتار ذرائع نقل و حمل کی سہولتوں کی وجہ سے ایسے مواقع پیدا ہوئے جن سے فائدہ اٹھانے میں حوصلہ مند کسانوں نے کبھی تساہل نہیں کیا۔

زمین کے مسئلے نے ایک نئی شکل اختیار کرنا شروع کردی۔ موجودہ صدی کے آغاز میں اکثر اس رائے کا اظہار کیا جاتا تھا کہ ملک کے اندر بڑے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور قومی مفاد کی خاطر زمین کی طرف دوبارہ واپس جانا بہت ضروری ہے۔ لیکن اس نئے انقلاب کی راہ میں نہایت سخت موانع حائل تھے۔ انگلستان کے زمیندار چھوٹے پٹے دار کی جگہ بڑے پٹے دار کو ترجیح دیتے تھے۔ دیہات میں رہائشی مکانوں کی بہت شدید قلت تھی۔ ایسے چھوٹے قابضانِ اراضی کے پاس جن کے رقبۂ مقبوضہ کو سب سے زیادہ مناسب سمجھا جاتا تھا ضروری سرمایے اور مال کے فروخت کرنے کی سہولتوں کی کمی تھی۔ ان تمام مشکلوں نیز پچھلے قوانین کے نقائص کو دور کرنے کے لئے "مختصر مقبوضات کاشت[1]" کا قانون ۱۹۰۸ء میں منظور کیا گیا اور مقامی حکومتوں کی امداد کے لئے مختصر مقبوضات کاشت کے کمشنر مقرر کئے گئے ۱۹۱۴ء تک ان کوششوں کو صرف جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔ یورپ میں تو مختصر مقبوضات کاشت کامیاب رہے ہیں لیکن صرف انہی جگہوں میں جہاں زمین

۱۔ Holdings

اور آب و ہوا، صنعتی فصلوں مثلاً تنباکو، ہاپ، چقندر، گوبھی، سن اور سنئی وغیرہ کے بونے کے لئے سازگار ہے۔ جہاں یہ حالات موجود نہیں ہیں وہاں کاشت کار کا معیارِ زندگی ایسا ہے جس کو انگلستان کے لوگ کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ چھوٹے مقبوضات کاشت، سوائے غیر معمولی موافق حالات کے، انگلستان میں زیادہ کامیاب ثابت نہیں ہوئے ہیں۔

جنگ کے سالوں میں، قوم نے، آبدوز کشتیوں کی دھمکی کی وجہ سے، یقیناً اس خطرے کو شدت کے ساتھ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا جو غیر ملکی غذا کی درآمد پر تقریباً کلی دار و مدار رکھنے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔ اور جنگ کے ان سالوں کے تجربے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زمین سے جس قدر فائدہ اس وقت اٹھایا جا رہا ہے اس سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا امکان موجود ہے۔ صلح کے بعد سے دیہاتی زندگی کی سہولتوں کو ترقی دینے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ شہر کی کشش کا مقابلہ کیا جا سکے۔ لبرل پارٹی کے پروگرام کا ایک اہم جزو زمین کو آباد کرنے کی ایک ہمہ گیر اسکیم بھی ہے۔ پیشین گوئی ہمیشہ خطرناک ہوتی ہے لیکن اس بات کا امکان کم ہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو قومی ملکیت بنائے بغیر یا بہت زیادہ سرکاری امداد لئے بغیر ایک نیا زرعی انقلاب پیدا کیا جا سکے گا۔

باب ۶

فرانس سے جنگ عظیم کے معاشی اثرات

۱۔ سیاسی تاریخ کی جگہ

قارئین نے یہ محسوس کیا ہو گا کہ ہم نے اپنے جائزے کے دوران میں سیاسی تاریخ کا بہت کم ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان بہت سے عاملوں میں سے جو معاشی زندگی پر اثر ڈالتے ہیں صرف ایک عامل ہے اور کسی لحاظ سے اسے اہم ترین عامل نہیں سمجھا جا سکتا۔ بہت سے بادشاہوں نے مثلاً ہنری سوم نے طویل مدت تک حکومت کی لیکن لوگوں کی اندرونی زندگی پر اس کا بہت کم اثر پڑا۔ عہد وسطیٰ میں جب حکومت کی طرف سے مداخلت کی بھی گئی تو اس کا رجحان یہی رہا کہ یا تو جو قوانین موجود تھے ان کی توثیق کر دی جائے یا ایک ایسی تبدیلی کو جو جاری ہو چکی تھی امداد پہنچائی جائے۔ طاقتور بادشاہ اور حکومتیں بھی زمانے کے اقتضا یا قوم کی مرضی کے خلاف مستقل طور پر کام نہیں کر سکتیں۔ اس کے علاوہ عہد وسطیٰ کی بہت سی جنگوں کا اثر بھی اسی حد تک پڑا جتنا ان کا اصلی متحارب فریقوں سے تعلق تھا چنانچہ جنگ ہائے گلاب تقریباً جاگیرداروں اور ان کے قریبی لواحقین تک محدود رہیں۔

بایں ہمہ بعض سیاسی تبدیلیوں کا معاشی ساخت پر بھی برملا اثر پڑا۔ اس قسم کے

مظاہر، ماضی قریب میں بھی واقع ہوئے ہیں اور دوبارہ بھی واقع ہو سکتے ہیں۔ کچھ ایسی استثنائی صورتیں بھی ہیں جن میں ان کی وجہ سے پوری قوم کی زندگی بدل گئی ہے۔ لیکن یہ بات کہ یہ بڑے اثرات دائمی ثابت ہوئے ہوں مشتبہ ہے۔ فرانسیسی انقلاب کے نتائج کی اہمیت میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں ہے اور ان میں سے بعض اثرات کے آثار کو آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ تاہم فرانسیسی قوم کی جو حالت آج ہے وہ اس حالت سے کلیتہً مختلف نہیں ہے جو آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے پائی جاتی تھی اور بہت سے معاشی عوامل تو ایسے ہیں جن میں مشکل ہی سے کسی تبدیلی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ سیاسی تبدیلی کا اثر

ایک بڑی سیاسی تبدیلی کے نتائج، دو طرح پر اپنا کام کر سکتے ہیں اول تو کوئی ایسی تبدیلی دفعتہً ہو سکتی ہے جو لوگوں کی زندگی کو اس کی معمولی جگہ سے ہٹا دیتی ہے جب خارجی تحریک باقی نہیں رہتی تو وہ قوتیں اپنا کام شروع کر دیتی ہیں جو قوم کو اپنی اصل حالت پر دوبارہ واپس جانے کے لئے مایل کر دیتی ہیں۔ اگر جنگ کے زمانے میں پریشانی عام ہوتی ہے اور امن کے قائم ہونے میں زیادہ تاخیر نہیں ہوتی تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محنت کی عادت، عیش پسندی کے التوا کے ساتھ مل کر قوم کو اس کی پرانی جگہ پر واپس لے آتی ہے سنہ ۱۸۷۰ء کی جنگ فرانس اور جرمنی کے بعد جرمنوں نے اپنے پڑوسی کو کچلنے کی پالیسی کو جاری رکھا تاکہ آیندہ حملے کے خطرے کو غیر معین مدت کے لئے ملتوی کیا جا سکے۔ لیکن فرانسیسی قوم کی محنت اور کفایت شعاری کی عادت کی وجہ سے حیرت انگیز نتائج پیدا ہوئے۔ تاوان جنگ جتنی کم مدت میں ادا کیا گیا اسے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ دوسری طرف الساس اور لورین پر جرمنوں کے قبضے کی وجہ سے ایسی قوتیں بیدار ہو گئیں جنھوں نے وجہ مخاصمت کو طویل عرصے تک جاری رکھا۔

یہی صورت اس وقت بھی رونما ہو سکتی ہے جب ایک اہم معاشری خرابی کو دور کرنے کے لئے، کوئی سخت قانون بنایا جاتا ہے۔ اس قسم کی بہت سی خرابیاں سطحی سی معلوم ہوتی ہیں اور ان کو ایک ہی ضرب میں ختم کر دینا آسان معلوم ہوتا ہے تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ اگر علاج غیر محتاط طریقے پر اور جلد بازی کے ساتھ کیا جائے تو اس کی وجہ سے ایسی قوتیں بیدار ہو جائیں جو اصل خرابی کو اور زیادہ شدید کر دیں۔

افلاس کا دور کرنا آسان معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس کا علاج امداد یا خیرات کے براہِ راست طریقوں سے کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ گیرندے کی خود اعتمادی کو نقصان پہنچے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ مفلس ہو جائے کیونکہ اب وہ اپنے قوت بازو سے کام کرنا ترک کر دے گا۔ اگر اجرتیں کم ہوں تو ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر ان میں جبری طور پر اضافہ کرا دیا جائے گا تو معاملہ سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن دراصل مسئلہ اتنا سہل نہیں ہے مثلاً اگر ایسا کیا گیا تو اس کی وجہ سے قیمتیں بھی بڑھ جائیں گی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اجرتوں کے ذریعہ اتنی چیزیں نہیں خریدی جا سکیں گی جتنی پہلے خریدی جاتی تھیں۔

دوسرے قسم کا اثر جو ایک سیاسی تبدیلی کے بعد رونما ہو سکتا ہے وہ زیادہ پائدار قسم کا ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک قوم میں ایسی قوتیں ظاہر ہونے کی کوشش کر رہی ہوں جو معاشی اعتبار سے فائدہ مند ہوں اور جو بعض ان موانع کے دور کئے جانے کے بعد جو ان کی راہ میں حایل ہوں اہمیت اختیار کر سکتی ہوں۔ جیسا کہ ہم اکثر دیکھ چکے ہیں ایک غیر متغیر معاشرہ اپنے گرد ایک حصار کھینچتا چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے اندر نئے خیالات اور نئی قوتوں کو داخل ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ گذشتہ زمانے میں قدیم رواجوں کی ایک غرض و غایت ہوا کرتی تھی لیکن اب ان کی پابندی محض باطل پرستی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس لئے اگر انھیں بجبر فنا کر دیا جائے تو ان کو دوبارہ قائم کرنا عقل اور عام فہم و فراست کے خلاف ہو گا کیونکہ ان کے وجود کا سبب یہ تھا کہ اُن کا نشو و نما قدرتی طور پر پرانے زمانے سے مسلسل ہوتا چلا آ رہا تھا لیکن اب وہ تسلسل ٹوٹ چکا تھا غرض، اس طرح سوسائٹی نئے راستوں کو اختیار کرتی رہتی ہے اور مسلسل ترقی ہوتی رہتی ہے۔ فرانسیسی انقلاب کے وقت خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا اور یہ مختصر مقبوضات کاشت کا نظام فرانسیسی کسان کی فطرت کے عین مطابق ثابت ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام کو اس ملک کی آب و ہوا اب پوری طرح راس آ گئی ہے۔

۳۔ نوآبادیاں اٹھارویں صدی میں خارجی تجارت نے اہمیت اختیار کر لی تھی اور سیاسی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ اس لئے نوآبادیوں کو سب سے اہم سمجھا جاتا تھا۔ نقل وطن کی بعض وقت تو حوصلہ افزائی کی جاتی تھی اور بعض وقت یہ

کام تعذیب اور ایذا رسانی سے بچنے کی وجہ سے جاری رہتا تھا۔ بعض صورتوں میں لوگوں کو دیس نکالا بھی دیا جاتا تھا (جیسے کہ ہیوگونوٹ کو دیا گیا) جب نقل وطن کرنے والے لوگ کسی غیر مہذب ملک پر قبضہ کرتے تھے تو یہ ملک اس قوم کی ملکیت سمجھا جاتا تھا جس سے ان کا تعلق ہوتا تھا۔ ابتدائی نوآبادکاری کے بہت بڑے حصے کو خالص ڈکیتی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور مہم جو لوگوں کی اس معاملے میں گو کھلے طور پر ہمت افزائی نہیں کی جاتی تھی لیکن پھر بھی حکومت ان کی کامیابیوں سے فائدہ اٹھاتی رہتی تھی انگریزوں کی نوآبادکاری کا آغاز سترھویں صدی سے ہوتا ہے۔ ان دنوں میں آئرلینڈ کو غیر ملک سمجھا جاتا تھا اور یہاں بھی "مزرعہ[1]" آباد کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں جن میں کامیابی صرف السٹر میں حاصل ہوئی۔

نئے ملکوں میں اس طریقے کو اکثر اختیار کیا جاتا تھا اور بعد میں ان بستیوں کو سزایاب ملزموں کو جلاوطن کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جیساکہ باٹنی بے کو کیا گیا۔ اس سے اس جذبے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو نوآبادکاروں کے مادری وطن میں، نوآبادیوں کی طرف سے پایا جاتا تھا۔ نوآبادیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور انھیں ملک کی خارجی چوکیاں سمجھا جاتا تھا جن کی ساری اہمیت مادر وطن سے تعلق قائم رکھنے پر منحصر سمجھی جاتی تھی۔ اگر کوئی نوآبادی اس منزل تک پہنچ جاتی تھی جس میں اس کے لئے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا نفع بخش ہونے لگتا تھا تو اس نوآبادی کے تحفظ کے خرچ کو مادر وطن اپنے اوپر ایک بڑا بوجھ سمجھنے لگتی تھی۔ بعض وقت نوآبادکاری کا کام ایک تجارتی کمپنی انجام دیتی تھی جسے عام طور پر بڑی حد تک آزادی ملی ہوئی ہوتی تھی۔ مثلاً ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی ایک ذاتی فوج رکھا کرتی تھی۔ لیکن ان مثالوں کو استثنائی صورت سمجھنا چاہئے۔ اکثر نوآبادیوں کے بسانے کے سلسلے میں نوآبادکاروں پر جو بہت زیادہ خرچ ابتدا میں کیا گیا اُسے بھی نوآبادیوں کے مصارف میں شامل کر دیا جاتا تھا۔

پس مادر وطن کے لوگوں کے لئے یہ بات فطری تھی کہ وہ اس خرچ اور

---

[1] Plantation

تکلیف کا جو انھیں نوآبادی کے سلسلے میں برداشت کرنا پڑی تھی معاوضہ حاصل کرنے کی کوشش کریں خصوصاً اس وقت جب نوآبادی کی اہمیت بڑھنا شروع ہوتی تھی ۔ اس پر مستزاد یہ بات تھی کہ نوآبادیوں کے بارے میں مادری وطن میں سخت لاعلمی پائی جاتی تھی ۔ چنانچہ یہی وجوہ تھے جن سے تصادم کا امکان پیدا ہوا جب تک نوآبادی عہد طفولیت کی منزل میں رہی اس وقت تک مادر وطن کے تحفظ کو ناگزیر سمجھا گیا ۔ دوسری طرف سب سے زیادہ نفع بخش اور محفوظ ترین تجارت بھی مادر وطن ہی کے ساتھ کی جا سکتی تھی ۔ چنانچہ اس منزل میں مادر وطن کے خود غرضانہ اور مطلق العنانہ رویے کا نقصان نسبتہً کم محسوس کیا گیا ۔

جب نوآبادیوں کو ترقی ہوئی تو نوآبادکاروں نے اپنے آپ کو جلاوطن انگریز سمجھنا ترک کر دیا بلکہ ان کے اندر ایک مشترک جذبہ پیدا ہونے لگا ۔ اب مادر وطن کی یہ کوشش کہ وہ نوآبادکاروں کو اپنی مرضی کا پابند بنائے ناانصافی پر مبنی نظر آنے لگی ۔ نوآبادیوں کی حفاظت کا جو کام مادری وطن نے انجام دیا تھا وہ اب ایک قصۂ پارینہ ہو چکا تھا ۔

۳۔ تجارتی موانع

تجارت کی آزادی میں رکاوٹ ڈالنے کا دباؤ سب سے اہم اور تکلیف دہ معلوم ہوتا تھا ۔ نوآبادیوں کو عام طور پر اس لئے بسایا گیا تھا کہ ان کے اندر اہم قدرتی پیداواریں پائی جاتی تھیں اور مادری وطن نے ان علاقوں کی زرخیزی کو ہمیشہ ملحوظ نظر رکھا تھا اور برابر یہ سمجھا کہ نوآبادیوں کی ان پیداواروں پر اس کا ایک مستقل حق ہے ۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ایک صناع کے لئے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ اُن اشیاء کے لئے جنھیں وہ زیادہ سے زیادہ سہولت کے ساتھ تیار کر سکتا ہے کس طرح خریدار حاصل کئے جائیں ۔ نوآبادکار لوگ خریداروں کی اس کمی کو پورا کرتے تھے اور اس کے بدلے میں اپنا مال بھیجتے تھے ۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر نوآبادی بسانے والے ملکوں نے اپنی بستیوں کی پیداوار پر اجارہ قایم رکھنے کی کوشش کی ہے ۔ اسپین اور پرتگال نے سونے کو یہاں تک اکٹھا کیا کہ ان کی پیداواریں ناقابل یقین قیمتوں پر فروخت ہونے لگیں ۔ ہالینڈ کے لوگ جن کے قبضے میں گرم مسالے کے جزائر تھے بے انتہا منافع اس مال سے کمانے لگے جو اس زمانے

میں جب سردیوں کے موسم میں غذا کے لئے صرف نمک لگا ہوا گوشت ہی میسر آتا تھا ناگزیر سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح دوسرے سب ملک بھی اپنے اپنے مال پر اجارہ قائم کرنے لگے اور صنعتی ملکوں میں مقابلے کی وجہ سے جو حریفانہ کشمکش پیدا ہوئی وہ باہمی مخاصمت کا نہایت موثر سبب بن گئی۔

نوآبادی کے ابتدائی زمانے میں، چونکہ انگلستان ان کے تمام معاملات کو خود ہی انجام دیا کرتا تھا اس لئے محصول لگانے کے کام پر بھی قدرتی طور پر اپنی ہی نگرانی رکھتا تھا۔ اسی ہتھیار کو بعد میں تجارتی نگرانی کے لئے بھی استعمال کیا گیا۔ اکثر صورتوں میں غیر ملکی مال کے داخلے کی ممانعت کر دی گئی یا اس پر محصول لگا دیا گیا۔ دوسری طرف نوآبادیوں کی برآمد پر بھی اسی قسم کی نگرانی قایم کر دی گئی۔ تمام قوم کے تجار بین الاقوامی حیثیت رکھتے ہیں اور اگرچہ اپنے مادری ملک کے ساتھ جس سے زبان، جذبات اور خاص طور پر عادات کی وابستگی تھی وہ ترجیحی سلوک کرنا چاہتے تھے لیکن پھر بھی ان کے اندر یہ خواہش بھی موجود تھی کہ اگر دوسرے ملکوں کے ساتھ تجارت کرنا زیادہ نفع بخش ہو تو ان کے ساتھ ضرور تجارت کریں۔ اگر نفع بہت زیادہ ہوتا تھا تو اس کا ناگزیر نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ خاصے بڑے پیمانے پر خفیہ درآمد و برآمد شروع کر دی جاتی تھی۔

نوآبادکاروں میں ابھی تک یہ جذبہ تھا کہ وہ انگلستان کے مقابلے میں کم درجے کے ہیں اور اس کے ماتحت ہیں اور اگر دباؤ حد سے زیادہ نہ ہوتا تو انگلستان سے جو شکایتیں پیدا ہوتیں وہ کسی عملی اقدام کی صورت اختیار نہیں کرتیں۔ لیکن انگلستان نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ان خدمات کے معاوضے میں جو اس نے گذشتہ زمانے میں انجام دی تھیں، وہ اپنے مطالبوں کو اپنے نفع کی خاطر محصول عاید کرنے کی حد تک لے جاسکتا ہے۔ یہ اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ نوآبادیوں کے ساتھ اب بچوں جیسا سلوک نہیں کیا جاسکتا تھا۔

۵۔ شمالی امریکا۔ جب شمالی امریکا کی اہمیت بڑھنا شروع ہوئی تو جزائر غرب الہند نے انھیں حسد کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا اور انھوں نے اپنے شمالی ہمسائے کی تجارت کو محدود کرنا چاہا۔ خاص طور پر شکر کی تجارت میں انھوں نے اپنا اجارہ

قائم رکھنا چاہا۔

انگلستان نے غرب الہند کی طرفداری کی اور شمالی امریکا کے نوآبادکاروں پر جو پہلے ہی سے غیر مطمئن تھے اس کا اور زیادہ خراب اثر پڑا۔ بحر اٹلانٹک کی طرف امریکا کی جو نوآبادیاں تھیں انھوں نے مندرجہ بالا طریق کی پیروی شروع کر دی۔ ۱۷۶۵ء کے قانون اسٹامپ نے جس کے ذریعے ایک نیا ٹیکس لگایا جا رہا تھا، معاملات کو انتہا تک پہنچا دیا اور جب ۱۷۷۳ء میں بوسٹن کے لوگوں نے جہازوں پر لدی ہوئی چائے کو جس کو انگلستان زبردستی ان کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا تھا، سمندر میں پھینک دیا تو جنگ ناگزیر ہوگئی۔ انگلستان کو اپنی حماقت اور غیر ہمدردانہ رویے کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ لیکن پھر بھی معاملہ غنیمت ہی رہا۔ اگر یہی واقعات بعد میں رونما ہوتے جب آبادی زیادہ ہوگئی تھی اور قطعی طور پر انگریزی نسل کی نہیں رہی تھی تو ممکن تھا کہ نتائج اور بھی زیادہ افسوسناک ہوتے۔ نوآبادکاروں کو ۱۷۸۲ء میں آزادی مل گئی۔

اس زمانے میں کینیڈا کے صوبوں کی اہمیت کم تھی۔ وہ اصل کے لحاظ سے فرانسیسی تھے اور انھیں ہفت سالہ جنگ میں فتح کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں انگلستان اور پروشیا کے مفاد میں اشتراک پایا جاتا تھا کیونکہ یہ دونوں سب سے زیادہ ترقی پسند قومیں تھیں۔ دوسرے پروشیا سے یورپ والوں کو سخت نفرت تھی۔ انگلستان کو فرانس سے جو رشک تھا وہ اس اتحاد کا ایک دوسرا سبب تھا۔ جنگ کا سلسلہ ۱۷۵۶ء سے ۱۷۶۳ء تک جاری رہا اور چار براعظموں میں اس جنگ کو جاری رکھا گیا۔ یہ جنگ زیادہ تر ملک گیری کے لیے تھی لیکن تسخیر ملک کی ہوس کی اصل محرک یہ چیز تھی کہ ہر ملک، اپنے دشمن کے زرخیز علاقوں کو حاسدانہ نظر سے دیکھتا تھا۔ یہ جنگ زیادہ تر معاشی اسباب کی خاطر کی گئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ نوآبادیاں ایک کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ میں پہنچیں دوسری طرف نئی نوآبادیاں بسانے کے جذبے کو ترقی ہوئی۔ فرانس نے اپنی خاص توجہ یورپ کی طرف مبذول کی اور انگلستان نے اس سے فائدہ اٹھا کر آہستہ آہستہ کنیڈا کو فتح کر ڈالا۔ ۱۷۵۹ء میں کیوبک پر قبضہ کر کے وولف نے معاملات کا فیصلہ کر دیا اور جلد ہی فرانسیسی فوجیں کنیڈا سے خارج کر دی گئیں۔ اس کے بعد سے

برطانوی شمالی امریکا میں نوآبادکاری کا کام برابر بڑھتا رہا۔ شمالی حصے میں صرف الاسکا دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ سکا۔

اسی اثنا میں انگلستان نے سمندر پر اقتدار حاصل کرلیا۔ ہندوستان میں ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے مقام پر فتح حاصل کرکے کلائیو نے بنگال کی تسخیر کے لئے راستہ صاف کردیا۔ دوسری طرف جنوبی ہندوستان کو بھی آہستہ آہستہ فتح کرلیا گیا اور فرانسیسیوں کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ بہت سے اُتار چڑھاؤ کے بعد جنگ کا خاتمہ، انگلستان اور پروشیا کی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ایک طرف پروشیا کو یورپ میں اقتدار حاصل ہوگیا۔ دوسری طرف انگلستان نے اپنی نوآبادیوں کی بنیاد مضبوط کرلی۔

۶۔ پٹ اور جارج سوم

اس زمانے کی تاریخ جبکہ جنگ جاری نہ تھی زیادہ تر ملک کی حکومت کے بارے میں بحث کرتی ہے۔ اور وزارتوں کے عروج وزوال کو سب سے زیادہ اہم چیز سمجھا جاتا ہے۔ اس دور میں پٹ کا نام سب سے زیادہ ممتاز نظر آتا ہے۔ جارج سوم کے ساتھ مل کر، اس نے، اس بات کا تہیہ کرلیا تھا کہ پرانے زمیندار امرا کی طاقت کو کمزور کیا جائے۔ دولتمند لوگوں کا جو نیا عنصر حال کے زمانے میں پیدا ہوا تھا اس نے اس کا امکان بھی پیدا کردیا اور صنعتی انقلاب نے ملک کے سیاسی نظام میں تبدیلی پیدا کرنا جلد یا بہ دیر ضروری قرار دے دیا تھا۔ اگر پٹ اور بادشاہ ملکر کام کرتے رہتے تو ان دونوں کا اشتراک عمل بہت طاقتور ثابت ہوتا لیکن پٹ ایک روشن خیال منتظم تھا اور اس کے خیالات اپنے زمانے سے بہت آگے تھے اور وہ آدم اسمتھ کے نظریوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔

بادشاہ، ضدی اور تنگ نظر تھا۔ اس کے ارادے نیک تھے لیکن اس کے دماغ کی پرواز بہت محدود تھی۔ جارج سوم کو ایک ایسے بادشاہ کی مثال سمجھنا چاہئے جس نے اپنے مداخلت کے اختیارات کی وجہ سے بے حد نقصان پہنچایا۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا زیادہ خودغرض لیکن محتاط حکمراں ہوتا تو وہ ایسی غلطیوں کا ارتکاب نہ کرتا۔ پٹ اگر تنہا کام کرتا تو معاشی تاریخ کے اس بحرانی دور میں وہ ملک کی رہبری اول تو امن وعافیت کی طرف کرتا اور اگر ایسا نہ بھی کرتا تو بھی اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں اپنا کام بہتر طریقے پر انجام دیتا۔ لیکن واقعہ یہ ہوا کہ سخت مصیبت وابتلا

کے زمانے سے گذرنا پڑا کیونکہ جارج سوم اس عبوری دور کے لئے ایک موزوں حکمراں نہیں تھا۔

پٹ نے ترقی کی طرف ایک اہم قدم اٹھایا ابتدائی تجارتی معاہدوں میں سے ایک معاہدہ جو پرتگال کے ساتھ کیا گیا وہ ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے پورٹ شراب کا پینا اس لئے حب الوطنی کا کام سمجھا جانے لگا تھا کہ ایسا کرنے سے اپنے ملک کے مال کو پرتگال میں پہنچانے کا امکان پیدا ہوتا تھا۔ اس کے بعد ۱۷۰۵ء میں اسپین کے ساتھ معاہدہ کیا گیا۔ ۱۷۸۶ء میں پٹ نے فرانس کے ساتھ جو ہمارا موروثی دشمن تھا ایک تجارتی معاہدہ کر لیا۔ اسی کے ساتھ آئرلینڈ کی حالت میں بھی بہتری پیدا کی گئی اور اس کے مال کو زیادہ آزادی کے ساتھ ملک کے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ آہنی سامان اور کتان کا کپڑا، فرانس کو بغیر اس ملک کی طرف سے کسی روک ٹوک کے روانہ کیا گیا اور ہم نے اس کے جواب میں شراب اور برانڈی کے خلاف محاصل کو کم کر دیا۔ پھر چونکہ اس وقت تک ہم پرتگال کے ساتھ معاہدے کی شرائط کے پابند تھے اس لئے ہمیں پرتگال کی شرابوں پر بھی محصول کو کم کرنا پڑا کیونکہ معاہدہ یہ تھا کہ جس قوم کے ساتھ ہم سب سے زیادہ رعایت کریں گے اس سے بھی کم محصول پرتگال پر لگائیں گے۔

۷۔ فرانس کا انقلاب اٹھارویں صدی کا سب سے اہم واقعہ فرانس کا انقلاب تھا۔ ہمارے ملک میں، ابتدا میں اس کے ساتھ ہمدردی کا رویہ رکھا گیا۔ ورڈس ورتھ جیسے لوگ کھلے طور پر اس کی حمایت کرتے تھے۔ لیکن پھر رُخ بدلا۔ اس ملک میں بھی اسی قسم کے انقلاب کے لئے مواد موجود تھا۔ ایک طرف تباہ حال مزدوروں کا طبقہ تھا۔ دوسری طرف ایک بے درد امرا کا طبقہ۔ اس کے علاوہ ایک نیا اور زیادہ بے رحم اور زیادہ طاقتور ظالموں کا گروہ تھا یعنی نئے صناعوں کا۔ اگرچہ ان کی بے رحمی اتنی بلاواسطہ نہیں تھی جتنی کہ بدترین فرانس کے امرا کی تھی۔ سیاسی اقتدار زیادہ تر پرانے امرا کے ہاتھ میں تھا جس کا تسلسل اس زمانے میں ٹوٹ جایا کرتا تھا جب وِگ پارٹی برسر اقتدار آجاتی تھی۔ پھر ان امرا کے یہ زیادہ دولتمند حریف میدان کے مالک بن جاتے تھے۔ تاہم کوئی سخت فتنہ وفساد نہیں ہوا۔

بے چینی تو بہت زیادہ تھی لیکن یہ دبی ہوئی تھی۔ جب روبس پیر لے اور اس کے پیرووں کی زیادتیوں کو محسوس کیا گیا تو انقلابی کے نام سے لوگوں کو نفرت ہو گئی۔ فرانس اور اس کے جملہ کاموں کے ساتھ جو طبعی منافرت موجود تھی اس میں اس کی وجہ سے اور شدت پیدا ہو گئی۔ اصلاح کو چاہے وہ کتنی ہی ضروری اور معتدل کیوں نہ ہو شبہہ کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ ردّعمل کا زور تھا۔ کچھ تو اس لئے کہ ملک کی رائے عامہ تبدیلی کی مخالف تھی اور کچھ اس خوف سے کہ اگر اصلاحوں کو منظور کر لیا گیا اور ادنیٰ طبقے کے لوگوں کی حالت بہتر ہو گئی تو اس ملک کے اندر انقلاب کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ بادشاہ، ظاہر ہے، ترقی کے خلاف تھا۔ دوسری طرف پٹ انقلابیوں کی زیادتیوں سے ناراض تھا۔

غرض، فرانس کے انقلاب کا فوری اثر انگلستان میں یہ ہوا کہ وہ معاشی اصلاحات جنھیں قدرتی طور پر ہونا چاہئے تھا اور جو دوسری صورت میں ضرور حقیقت کا جامہ پہن لیتیں، رونما نہیں ہو سکیں۔ ادنیٰ طبقوں کو جو دوسری صورت میں، تدریجی ترقی کر کے اس اونچی جگہ پر پہنچ جاتے جس کے لئے وہ موزوں تھے، سیاسی اور معاشی (گو قانونی نہیں) ماتحتی میں رکھا گیا اور یہ ماتحتی بعض صورتوں میں ایسی ہی خراب تھی جیسی بیگار کے ابتدائی زمانے میں پائی جاتی تھی۔ اعلیٰ طبقے کے ان اصلاح پسند حضرات کے ہاتھ جو موجودہ مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے کچھ کر سکتے تھے، رودبار کے دوسری طرف کی خوفناک مثال کی وجہ سے بالکل شل ہو گئے تھے۔ بونا پارٹ نے ایک زیادہ کارگزار انتظام حکومت قایم کیا لیکن وہ بھی تیزی کے ساتھ ترقی چاہتا تھا۔ انگلستان کی کیفیت مختصر طور پر یہ تھی کہ وہ نپولین کی ہر بات کے خلاف تھا اور اُس نے اپنے یہاں وہی طریقے اختیار کئے جن کو میٹرنک نے ۱۸۱۵ء کی صلح کے بعد یورپ میں استعمال کیا تھا۔ انگلستان میں، اُمرا کے طبقے نے اپنی معاشی طاقت کو سیاسی ذرایع سے بڑھایا۔

انگلستان ایک ایسے دور سے گذر رہا تھا جس میں مادی ترقی اور مادی چیزوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ ایسے صناعوں کی موجودگی کا اثر جو دفعتہً دولتمند بن گئے تھے اور جو اپنے روپے کو عیاشی میں اُڑا رہے تھے آبادی پر بحیثیت مجموعی خراب پڑا۔ رشوت اور بے ایمانی کا بازار گرم تھا۔ ملازمتیں اور پنشنیں، اہلیت کے مطابق نہیں دی جاتی تھیں بلکہ ان کے

حاصل کرنے کے لئے خوشامد اور آزادی کا فقدان ضروری سمجھا جاتا تھا چنانچہ ایک دولتمند آدمی اپنی دولت کو آسانی کے ساتھ اس طرح استعمال کر سکتا تھا کہ اس کے ذریعے سے اپنی خواہش کے مطابق، سیاسی اثر و رسوخ حاصل کرلے۔ پارلیمنٹ کی نشستوں کو بغیر کسی شرم و حیا کے خریدا اور فروخت کیا جاتا تھا۔ جو لوگ اس طرح اقتدار حاصل کرتے تھے ان سے اس کے علاوہ اور کیا توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے اغراض کے پورا کرنے کے لئے اپنے اس اقتدار سے ضرور نفع اٹھائیں گے اور ایسا ہی واقعی ہوتا بھی تھا۔

۸۔ جنگ عظیم ۱۷۹۳ء تا ۱۸۱۵ء

فرانس کے ساتھ جو تھوڑی مدت کے لئے دوستانہ سمجھوتہ ہوا تھا وہ ۱۷۹۳ء میں جنگ عظیم کے شروع ہونے کے وقت ختم ہو گیا اور جنگ کا یہ سلسلہ مختصر درمیانی وقفوں کے علاوہ ۱۸۱۵ء تک چلتا رہا۔ ابتدا میں ہماری جنگ انقلابی رہنماؤں کے ساتھ رہی لیکن آہستہ آہستہ جب نپولین کا اقتدار بڑھا ہماری جنگ کل فرانس کے خلاف ہو گئی۔ اس کے اسباب زیادہ تر معاشی تھے البتہ بعض اوقات اس کی صورت بالکل ایسی ہو جاتی تھی گویا انگلستان کی زندگی اور موت کا انحصار اسی پر ہے۔ ہفت سالہ جنگ کی طرح، اس جنگ کو بھی دنیا کے تمام حصوں میں پھیلا دیا گیا تھا۔ انگلستان پر حملے کی گو کئی بار دھمکی دی گئی لیکن حقیقتہً حملہ کبھی نہیں کیا گیا۔ اس جنگ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں جنگ کے معاشی طریقوں کو بھی اختیار کیا گیا تھا۔

نپولین کو انگلستان کے ساتھ دو طرح کی نفرت تھی۔ اول تو وہ ہمیں ایک ایسی قوم سمجھتا تھا جس نے اس کی اور اس کے کاموں کی ہمیشہ منظم طریقے پر مخالفت کی اور یورپ میں اس کے دشمنوں کو آدمیوں اور روپے کی مدد دی۔ یورپ کی تسخیر کا جو منصوبہ اس کے سامنے تھا ہم اس میں ایک بڑی رکاوٹ تھے۔ دوسرے وہ انگلستان سے اس لئے نفرت کرتا تھا کہ یہ ملک دولتمند اور طاقتور تھا۔ اگرچہ اس نے انگلستان پر کلنگ کا ٹیکا یہ کہہ کر لگایا تھا کہ یہ بنیوں کی ایک قوم ہے لیکن وہ اس بات کو محسوس کرتا تھا کہ بنیے ہونے ہی کی وجہ سے ہم اس کی مخالفت نہایت موثر طریقے پر کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ انگلستان کے سب سے زیادہ کمزور حصے پر ایک ضرب کاری

لگائے۔ ہماری تجارت کے خلاف جو غیر مقبول تدابیر اس نے اختیار کیں ان کی یہ ہی توجیہ کی جاسکتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ نپولین کو اپنی ماتحت قوموں پر اپنی مرضی کے مطابق کام کرانے کے لئے بہت دباؤ ڈالنا پڑا۔ یورپ کی مملکتوں کی فوج اور ان کے بحری بیڑے کو وہ ایک آلۂ کار کی حیثیت سے ہمارے خلاف استعمال کیا کرتا تھا۔

فرانس نے ہالینڈ کو اپنا ماتحت بنا لیا تھا۔ اُسے مجبور کیا گیا کہ وہ ہمارے خلاف ہتھیار اُٹھائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہالینڈ کی نوآبادیاں بھی ہمارے جائز مال غنیمت میں شامل ہوگئیں۔ ۱۷۹۵ء میں راس امید پر قبضہ کر لیا گیا لیکن ۱۸۰۳ء کی صلح کے بعد اُسے واپس کر دیا گیا۔ تین سال بعد جب جنگ دوبارہ شروع ہوئی انگلستان نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اس مرتبے اسے مستقل طور پر اپنے قبضے میں رکھا گیا۔ اس کو آباد کرنا شروع کیا گیا اور اس کے بعد غلبی جنگیں یہاں انیسویں صدی کے اختتام یعنی بوئر کی جنگ کے زمانے تک ہوئیں وہ سب دیسی لوگوں کے ساتھ ہی ہوتی رہیں۔ ہالینڈ ہی سے ۱۷۹۵ء میں سیلون کے ایک حصے کو بھی لیا گیا اور ۱۸۰۲ء میں اس پر مکمل قبضہ کر لیا گیا اور ہالینڈ کے لوگوں کو اس کے معاوضے میں جاوا دے دیا گیا۔ راس امید اور سیلون دونوں نہ صرف اپنی واقعی پیداوار کی وجہ سے بلکہ اس لئے بھی کہ یہ ایسے حربی نقطے تھے جہاں سے ہمارے تجارتی بیڑے کی حفاظت کی جاسکتی تھی انگلستان کے لئے بہت بڑی معاشی اہمیت رکھتے تھے۔

۹۔ جنگ کا ابتدائی اثر

جنگ کا ابتدائی اثر بہت پیچیدہ رہا۔ کچھ طبقوں کو بلاشبہ بہت فائدہ پہنچا اور اس کا مقابلہ موجودہ زمانے کے فوجی ٹھیکیداروں سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ نپولین کی نئی رعایا کو اس کی طرف سے لڑنا پڑا اور وہ بلاقصد و ارادہ ہمارے دشمن بن گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ان کی تجارت پر حملہ کر کے انھیں اسی طرح نقصان پہنچا سکتے تھے جیسا ڈریک اور اس کے ساتھیوں نے الزبتھ کے زمانے میں اسپین کے تجارتی جہازوں کو پہنچایا تھا۔ جو مال غنیمت اس طرح حاصل ہوا وہ بہت قیمتی تھا اور ہمارے تاجر ان مواقع سے خوب فائدہ اٹھاتے رہے۔ جن نوآبادیوں پر قبضہ کیا گیا ان سے بھی نئی پیداواریں حاصل ہونے لگیں

دوسری طرف سمندر میں ہمارے جہازوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس کی وجہ سے ہماری تجارت محفوظ ہوگئی اور اس بنا پر ہماری تجارتی لاگت سستی ہوگئی۔

لیکن انگلستان کو فایدہ دوسرے ملکوں کے نقصان سے پہنچا۔ جنگ کا یہ اثر غیر محدود مدت تک نہیں چل سکتا تھا اور جب یورپ پر بصورت مجموعی نظر ڈالی جاتی ہے تو جنگ کی وجہ سے نقصان بہت شدید نظر آتا ہے۔ نئے حالات کی وجہ سے کچھ تاجروں میں خوش حالی پیدا ہوئی۔ اس نے انھیں تخمین کی طرف مائل کر دیا لیکن بعد میں ان کی تجارت کے لئے کوئی نئی تحریک رونما نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے جاری رہنے کی وجہ سے انگلستان کے ابتدائی منافعوں کا اثر زائل ہونے لگا اور اس کی وجہ سے ایسا نقصان ہوا جس کا سلسلہ سب ملکوں میں پھیل گیا۔

چنانچہ امینس کی صلح جب (۱۸۰۲ء میں) ہوئی تو اس کو خوش آمدید کہا گیا۔ مگر تاجروں کو اس کی وجہ سے بڑا دھوکا ہوا۔ وہ سمجھنے لگے کہ امن و اطمینان کا زمانہ واقعی آگیا ہے۔ انھوں نے اپنے کاروبار کو وسعت دے دی اور جب تجارت بہت نفع بخش ہوگئی تو انھوں نے روپے قرض لے لے کر تخمین کرنا شروع کر دی۔ اس سے اول تو بجائے خود ایک ناگزیر ردعمل پیدا ہوتا لیکن ۱۸۰۳ء میں جنگ کے دوبارہ شروع ہوجانے کی وجہ سے اس قدرتی نتیجہ میں اور شدت پیدا ہوگئی۔ تجارت دفعتہً موقوف ہوگئی۔ اگر حالات معمولی رہتے تب بھی تاجر اپنے قرضوں کو ادا نہ کر سکتے تھے، اُن کے بڑھے ہوے معاملات نے ان کی بربادی کا پورا سامان پیدا کر دیا۔ دوسری طرف ایک نیا محرک بھی نمودار ہوا۔ جو تاجر باقی رہ گئے تھے انھیں کم تر مقابلہ کا سامنا کرنا پڑا اور ہماری نئی بحری فتوحات کی وجہ سے، ہماری تجارت دوبارہ زیادہ محفوظ ہوگئی۔ جو تاجران نئے حالات سے فایدہ اٹھا سکتے تھے وہ خوشحال ہوگئے اور انھوں نے اپنی کچھ تجارت کو تو جنگ کے جاری رہنے کی توقع پر قایم کیا جو ایک غیر استوار بنیاد پر تھی اور کچھ زیادہ ٹھوس بنیاد پر قائم کی۔

۱۰۔ برلن کا فرمان؛ احکامات مشورہ کونسل

انگلستان پھر دولتمند لوگوں کا ملک بن گیا اور اس کے اندر دوبارہ خود اعتمادی اور خود مختاری پیدا ہوگئی اور ایک حد تک اس کا رویہ جارحانہ ہوگیا۔ نپولین نے جبلی طور پر یہ محسوس کر لیا

تھا کہ وہ انگلستان کو معمولی ذرایع سے فتح نہیں کر سکے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس ملک کی بڑھتی ہوئی دولت نے اس کی تسخیر کو بالکل ناگزیر قرار دے دیا تھا چنانچہ ۱۸۰۶ء میں اس نے برلن کے مشہور و معروف فرمان کا اجرا کیا جس سے جنگ کے طریقوں کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ برطانیہ کی حالت ایک محصور علاقہ جیسی ہے۔ اس لئے جہاں جہاں فرانس کا اقتدار پھیلا ہوا ہے وہاں برطانیہ کے مال کو درآمد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ غیر جانب دار ملکوں کے جو جہاز کسی برطانوی بندرگاہ کو چھو لیتے تھے ان کے مال کو بھی درآمد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ انگلستان کا مال ضبط کر لیا جاتا تھا اور جو انگریز ان ملکوں میں ملتے تھے جہاں فرانس کا اثر تھا ان کے ساتھ جنگی قیدیوں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔

اس فرمان سے برطانیہ کی دکھتی ہوئی رگ دب گئی اور اس کو ایک غیر معمولی تدبیر کی حیثیت ہی سے اختیار بھی کیا گیا تھا۔ انگلستان کے پاس فرانس کے خلاف اسی حربے کو استعمال کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی اور اگر اس قسم کی پالسی اختیار کی بھی جاتی تو اس سے فرانس کو چاہے کتنی ہی کوفت کیوں نہ ہوتی اور کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچتا لیکن اس کی فوجی اہمیت کچھ زیادہ نہ ہوتی۔ اس لئے انگلستان نے اس کا جو کچھ جواب دیا اس کی نوعیت زیادہ تر انتقامی تھی۔ ۱۸۰۷ء کے احکامات بمشورہ کونسل کے ذریعے تمام ان جہازوں پر چاہے وہ کسی ملک کے کیوں نہ ہوں جو فرانس سے تجارت کرتے تھے قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ جب اس طرح کا کوئی جہاز دشمن کی بندرگاہ سے روانہ ہوتا تھا تو اسے پہلے برطانیہ کی بندرگاہ پر جنگی کے محاصل ادا کرنے کے لئے ٹھیرنا پڑتا تھا۔

۱۱۔ میلان کا فرمان؛ براعظم یورپ کا نظام

اس کا بدلہ نپولین نے اسی سال میلان کا فرمان جاری کر کے لیا۔ اس کی رو سے غیر جانبدار ملکوں کو اجازت نہیں تھی کہ وہ برطانوی مقبوضات کے کسی حصے سے لائے ہوئے مال کی تجارت کریں۔ غیر جانبدار ملکوں کا کوئی جہاز جو انگلستان کے تلاشی کے حق کو گوارا کر لیتا تھا اسے فرانس کے لوگ قانونی طور پر مال غنیمت قرار دے دیتے تھے۔

ان معاشی حربوں کا بہت زبردست اثر ہوا۔ ظاہر ہے چوری چھپے کی تجارت

کو بہت ترقی ہوگئی اور مال متعلقہ ملکوں کو ضرور پہنچا اگرچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیمتیں بے انتہا بڑھ گئیں اور قیمت کی اس زیادتی سے ان تاجروں کو فائدہ پہنچا جنھوں نے جوکھم کی تجارت کی۔ خود نپولین ایک موقع پر مجبور ہوا کہ اپنے سپاہیوں کو انگلستان کی اُسی اُون کے کپڑے پہنائے جو چوری چھپے ملک کے اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کو اس ہمہ گیر معاشی قانون کی ایک مثال سمجھنا چاہیے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں کوئی حکومت یا کوئی خارجی عامل قدرتی مظاہر میں دخل انداز ہوتا ہے وہاں ایسی قوتیں اپنا عمل شروع کر دیتی ہیں جو اس خارجی با اقتدار طاقت کے ارادوں کو شکست دے دیتی ہیں اور اصلی حالات کو دوبارہ پیدا کر دیتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کارگذاری پہلے کے مقابلے میں کم ہو جاتی ہے۔ ایڈورڈ سوم اور اس کے بعض جانشینوں نے جو بے شمار مصارفی قوانین جاری کئے تھے ان سے بھی بچنے کی کوشش کی گئی تھی اور سرکاری مداخلت کا نتیجہ صرف اس قدر برآمد ہوا تھا کہ ان اشیا کی لاگت بڑھ گئی تھی جن پر قانون کا اثر پڑتا تھا۔

غرض یہ ناکہ بندی صرف جزئی طور پر کامیاب ہوئی اور بحیثیت مجموعی اس نے ان دونوں ملکوں کو جو اس سے متاثر ہوئے نفع کم اور نقصان زیادہ پہنچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ نپولین کی انگلستان کو کچلنے کی ان کوششوں کا انجام آخر میں یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے وہ قوتیں بیدار ہو گئیں جنھوں نے انگلستان کے دشمن کو خود اپنا دشمن بنا دیا۔ اُس کے "براعظم کے نظام" میں اس کی کمزوری کے علاوہ دو مزید رخنے بالٹک اور پرتگال کی طرف سے برابر موجود رہے اور نپولین نے ان دونوں نافرمان ملکوں کو کھلا اپنے فرائض منصبی میں داخل کر لیا۔ لیکن اس کا نظام جتنا زیادہ وسیع ہوتا گیا اتنا ہی اس کی پابندی کرانا مشکل ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ فرانس کا بیڑہ انگلستان کی مڈبھیڑ کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا اور اب وہ اتنے بڑے ساحل کی موثر طریقے پر نگرانی نہیں کر سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کی فوج زیادہ تر ساحل کے محافظوں پر مشتمل ہو گئی۔

۱۲- غیر جانبدار ملکوں کا موقع

اس کا ایک غیر متوقع نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں ملکوں کی تجارت زیادہ تر غیر جانبدار ملکوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ مگر ان غیر جانبداروں کو اپنے مال کے ضبط ہونے کا برابر ڈر لگا رہتا تھا کیونکہ ایک فریق کے

حکم کی اطاعت کرنا دوسرے فریق کے فرمان سے سرکشی کرنے کے مترادف تھا۔ تجارت چونکہ غیر قانونی اور خطرناک تھی، اس لئے اُن ظالموں سے جنھوں نے فساد برپا کر رکھا تھا نفرت کی جانے لگی تھی۔ نپولین کے لئے جو چیز یورپ کے ملکوں کے ساتھ بگاڑ پیدا کرنے سے بھی زیادہ خطرناک تھی وہ اس بگاڑ کی مخصوص نوعیت تھی یعنی اب عوام اس سے برگشتہ ہونے لگے تھے۔ ابتدا میں، انقلاب کے ذریعے، حریت، اخوت اور مساوات کی حمایت کی گئی تھی اس لئے انگلستان اور یورپ کے اکثر ملکوں کے عوام کی ہمدردی حاصل کر لی گئی تھی اس کے علاوہ، نپولین دنیا کے تمام حکمرانوں کے مقابلے میں نہایت اچھا منتظم شخص تھا اور جہاں اس کی حکومت قائم ہوتی تھی وہاں حکومت کی تمام فرسودہ مشین کو ختم کر دیا جاتا تھا اور ایسی معاشی اصلاحیں شروع کر دی جاتی تھیں جو نئی اور حیرت انگیز ہونے کے باوجود کامیاب اور صحیح اصول پر مبنی ہوتی تھیں۔ اُس نے الپس پر سڑکیں بنائیں اور بہت سے محکوم ملکوں میں، جائداد اور وراثت کے سلسلے میں، معاشی تبدیلیوں کو رائج کیا۔ ضابطۂ نپولین کا شمار دنیا کے بہترین قوانین میں کیا جاتا ہے۔ غرض جہاں کہیں فرانس کے لوگ حکمراں ہوئے وہاں ایک کم حیثیت لیکن اس کے باوجود ظالم حکومت اور معاشی غلامی کی جگہ نسبتہً زیادہ آزادی مل گئی۔ نپولین کا دباؤ بعض اعتبارات سے چاہے جس قدر بھی سخت رہا ہو لیکن اس کا اصل منشاء حقیقۃً عوام سے جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ وہ شہزادوں اور حقوق یافتہ لوگوں سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔

۱۳۔ یورپ کا غصہ

لیکن نپولین نے ایک تباہ کن غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ بر اعظم کا نظام چونکہ انگلستان کی چیزوں کو تمام دنیا سے خارج کرنا چاہتا تھا اس لئے اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ ضرورت کی چیزوں یا چھوٹی چھوٹی آسائش کی چیزوں سے عوام بالکل محروم ہو گئے تھے یا ان کی قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اس کی وجہ سے نپولین کے خلاف ایک نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اب تک نپولین کے دشمن بغیر کسی جذبے کے لڑتے رہے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے نفع کی کوئی صورت نکلنے والی نہیں ہے۔ اب انھوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ ان کا نیا مطلق العنان حکمراں، ان کے پچھلے حکمراں سے بھی زیادہ بُرا ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے

عوام کی بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ اسپین میں جو پہلی بغاوت کی گئی اس کے نتیجے کے طور پر جزیرہ نما کی جنگ شروع ہوئی۔ یہ پہلی جنگ تھی جس میں فرانس کو خشکی میں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

انگریزوں کے خلاف بھی غصہ بہت زیادہ تھا اور ہم نے بلاشبہہ بہت سی زیادتیاں کیں۔ ڈنمارک کے بیڑے پر ہمارے قبضے کا جواز جب کہ اس سے ہماری کوئی باقاعدہ جنگ نہیں تھی محض اس واقعے کے بیان کر دینے سے نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے اس معاملے میں نپولین کے مقابلے میں پیش قدمی کی تھی کیونکہ اگر ہم اس پر قبضہ نہ کرتے تو وہ ضرور یہی بات بعد میں کر ڈالتا۔ پھر بھی لوگ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ہم یورپ کے ملکوں کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں زیادہ سخت مشکل کا سامنا امریکا کی طرف سے کرنا پڑ رہا تھا (۱۸۱۲ء)

جنگ کے آغاز کے وقت، روس وہ ملک تھا جو انگلستان کا سب سے کم مخالف تھا لیکن اس نے بھی غیر جانب وار ملکوں کے رویے کے بارے میں بالکل ایک نیا نظریہ ایجاد کر لیا تھا جسے انگلستان پسند نہ کرتا تھا۔ روس ایسی ناکہ بندی کی جو موثر نہ ہو پابندی کرنے سے منحرف تھا۔ وہ فرانس کے ساتھ، ایسے مال کی تجارت کرنے کے حق کا دعویدار تھا جو ممنوعات جنگ میں تو شامل نہ ہوں لیکن جن سے پھر بھی دشمن کو بہت مدد ملتی ہو مثلاً شمالی علاقوں سے مستول دوسرے ملکوں نے بھی خاص کر اسکنڈینویا نے روس کے اقدام کی پیروی کی۔ امریکا کو بہت فائدہ پہنچا۔ نجی جہاز تیار کیے گئے اور غیر جانب دار ملک کا جھنڈا لگا کر انگلستان کی تجارت پر اکثر چھاپہ مارتے رہے۔

۱۴۔ زرکی پریشانیاں اب جنگ کے ایک اور اہم اثر پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ جنگ کے شروع ہونے سے پہلے، تجارت میں جو زائد از معمولی اضافہ ہوا، اس کا ناگزیر رد عمل پیدا ہوا۔ ۱۷۹۳ء میں زر کی وجہ سے ایک بحران رونما ہوا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو انگلستان نے یورپ کی جنگ میں ابتداءً زیادہ حصہ نہیں لیا بلکہ اپنے یورپی اتحادیوں کو بڑی مقدار میں روپیہ بھیجنے پر ہی اکتفا کیا۔ اس کی وجہ سے ملک سے سونے کا نکاس شروع ہوا۔ ایک اضطراب پھیلا اور تاجروں کو اپنے قرضے ادا کرنے کے لئے روپیہ نہ مل سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنک آف انگلینڈ نے ۱۷۹۷ء میں

نقدادائی کو ملتوی کر دیا۔ اسی سال غیر معمولی سیاسی صورتِ حال کی وجہ سے گورنمنٹ نے بنک کو مجاز کیا کہ وہ اپنے نوٹوں کے بدلے میں نقدادائی کو ملتوی کر دے اور ہر طرح کی ادائیوں کے لئے نوٹوں کو قبول کرنے کی رضامندی دے کر انھیں تقریباً زرقانونی بنادیا۔ اس قانون پر جو ایک عارضی انتظام تھا جنگ کے بعد تک وقتاً فوقتاً نظرثانی ہوتی رہی اور ۱۷۹۷ء سے ۱۸۲۱ء تک انگلستان کا پاؤنڈ کاغذی کارہا۔ سونے کا سکہ بہت تیزی کے ساتھ گردش سے غائب ہو گیا کیونکہ دوسرے بنکوں نے بھی بنک آف انگلینڈ کی مثال کی پیروی کی اور ۱۸۱۲ء میں نوٹوں کو سال بہ سال زرقانونی بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

یہ طرزِ عمل ضروری تھا کیونکہ ۱۸۰۹ء ہی سے نوٹوں کی قدر اور اُس سونے کی قدر میں جس کی مفروضہ طور پر وہ نمایندگی کرتے تھے فرق ظاہر ہونے لگا تھا۔ بنک کی اجرائی نوٹ میں بہت زیادہ اضافے کی وجہ سے غیر ملکی مبادلات ہمارے خلاف ہو گئے اور سونے کی قدر بہت زیادہ ہو گئی۔ تب رکارڈو نے اپنا رسالہ "فلز کی مہنگی قیمت، بنک کے نوٹوں کے زوال قدر کا ثبوت" کے نام سے شایع کیا جس کی وجہ سے ۱۸۱۰ء میں ایوان عام کی طرف سے فلز کی تحقیقاتی کمیٹی کا تقرر کیا گیا۔ اس کمیٹی نے رکارڈو کے طرز استدلال کو قبول کیا اور سفارش کی کہ تدریجی طور پر نقدادائی کو دوبارہ جاری کیا جائے لیکن ۱۸۱۹ء تک جب پارلیمنٹ نے نقدادائی کو دوبارہ جاری کرنے کا حکم دیا اور بنک کو ضروری انتظامات کرنے کے لئے چار سال کی مہلت دی، اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ بغرض زر کی صورتِ حال اتنی تیزی سے بہتر ہو گئی کہ بنک ۱۸۲۱ء میں سونے کو دوبارہ استعمال کرنے کے قابل ہو گیا۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ انگلستان نے ۱۸۱۶ء میں سونا معیار کو اختیار کیا اور ۱۸۱۹ء میں فلز اور سکے کی آزاد تجارت کی اجازت دیدی۔

سونا معیار کو اتنی تیزی سے اختیار کرنا، خرابی سے خالی ثابت نہیں ہوا۔ نئے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کا کام تند و تیز طریقے پر کیا گیا اور تجارت کو اس سے نقصان پہنچا کیونکہ قیمتوں کے گر جانے کی وجہ سے قرض گیر سخت گھاٹے میں رہے۔

انقلابی جنگوں کے معاشی اثرات کا اندازہ کرنے میں جو بے انتہا دشواری ہے

وہ ظاہر ہے ۔ ہر دفعہ جب جنگ شروع ہوئی اُس نے صنعت کے کسی نہ کسی شعبے میں عارضی ترقی پیدا کی اور یہ ترقی ایک حد تک دوسری صنعتوں کو نقصان پہنچا کر کی گئی جس کی وجہ سے متعلقہ کساد بازاری عام طور پر واقع ہوئی ۔ دوسری طرف جتنی بار صلح ہوئی اس نے اسی طرح کے اثرات کو مختلف طریقوں سے دوبارہ پیدا کیا ۔ جتنا جنگ کا جاری رہنا اپنے نتیجے کے اعتبار سے "انگلستان کی زراعتی ترقی کے لئے ایک ناسازگار محرک" کننگھم ثابت ہوا تھا، اتنا ہی امینس کی صلح کے بعد جنگ کا ختم ہونا امریکا سے تجارت کے لئے ایک ناسازگار محرک ثابت ہوا ۔ اس لئے اس بات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ کون سی ترقی ٹھوس تھی اور کون سی زائد از ضرورت اعتماد یا عارضی غیر معمولی حالات کا نتیجہ تھی ۔ اس کے علاوہ خود ان تبدیلیوں کی وجہ سے معاشی زندگی پر اثرات پڑے اور عام طور پر ان کی وجہ سے ابتری واقع ہوئی ۔ تمام باتیں غیر یقینی تھیں اور جب مال کی کسی خاص قسم کے تیار کرنے کے لئے مسلسل طریقے پر سخت جد و جہد کر کے کامیابی حاصل کی جاتی تھی تو اس کا واجبی معاوضہ نہیں ملتا تھا اس لئے یہ زمانہ تخمین کرنے والوں[1] اور جوا بازوں کے لئے بہت زرین موقع تھا ۔ جو دولت اس زمانے میں پیدا کی گئی (اور بعض لوگوں نے بہت زبردست دولت پیدا کی) وہ اتفاقی مواقع کا نتیجہ تھی لیکن جب کوئی غیر معمولی تبدیلی واقع ہوتی تھی تو اس وقت سب سے زیادہ نقصان بھی ناکام جواری ہی کو اٹھانا پڑتا تھا ۔

اس معاملے میں دشواری اس وجہ سے بھی ہے کہ انگلستان اس وقت اپنی تاریخ کے ایک ایسے دور کے درمیانی زمانے سے گذر رہا تھا جس میں معاشی تبدیلیاں نہایت تیزی کے ساتھ واقع ہو رہی تھیں ۔ اس لئے اس بات کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے میں دشواری ہوتی ہے کہ کونسی تبدیلیاں جنگ کی وجہ سے رونما ہوئیں اور کونسی ایسی ہیں جو صنعتی انقلاب کی وجہ سے بہر حال واقع ہوئیں ۔ اس کے علاوہ جو تبدیلیاں صنعتی انقلاب کی وجہ سے ہوئیں بعض وقت ان کی نوعیت اور ان کی سمت بالکل وہی تھی جو ان تبدیلیوں کی تھی جو جنگ کی وجہ سے رونما ہوئیں اس لئے یہاں بھی

[1] Speculatoks

ہمیں احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

صنعت کی ترقی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجرتیں بڑھ گئیں کم سے کم عارضی طور پر۔ اور واقعتہً ایسا ہوا کہ یہ چیز آبادی کے اضافے اور اس کی تقسیم کی تبدیلی کا ایک سبب بن گئی۔ اس کی وجہ سے بعض سخت معاشرتی خرابیاں پیدا ہوئیں اگرچہ اس سے کچھ فائدے بھی ضرور پہنچے۔ یہاں بھی اس بات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا مشکل ہے کہ جنگ کے خراب معاشی نتائج کیا ہوئے۔

سب سے اہم یہ ہے کہ اس بات کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے کہ جنگ کی وجہ سے جو ترقی یا پریشان حالی پیدا ہوئی تھی وہ کس حد تک مستقل نوعیت رکھتی تھی۔ ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ بیشتر اثرات عارضی تھے۔ لیکن ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے آنے والی نسلوں کے لئے بدنصیبی کا ایک ترکہ چھوڑا۔ دوسری طرف صنعتی انقلاب کے بہت سے نتائج بھی صرف تھوڑے ہی عرصے تک باقی رہے۔ غرض، جب کئی اہم اسباب ایک ساتھ اپنا اثر ڈال رہے ہوں تو ایسی صورت میں جو مشکلیں موجود ہوتی ہیں ان کا احساس کرتے ہوئے چاہے ہم جو کچھ کریں لیکن ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ اپنے آخری فیصلے کو محفوظ ہی رکھیں۔

جنگ کے سالوں میں، آبادی میں اضافہ تیزی کے ساتھ شروع ہوا خصوصاً شمال میں صنعتی اضلاع میں یہ اثر کچھ تو تیز رفتار طبعی اضافہ کا نتیجہ تھا جو خود ترقی یافتہ اجرتوں کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور کچھ جنوبی علاقوں سے نقل سکونت کا نتیجہ تھا۔ قیمتیں تبدیل ہو رہی تھیں۔ اجرتیں معمولی سطح سے تقریباً اتنی ہی زیادہ بڑھ گئی تھیں جتنی کہ عام قیمتیں بڑھی تھیں لیکن اتنی نہ بڑھ پائی تھیں جتنی غلے کی قیمت بڑھی تھی۔ تاہم بہ حیثیت مجموعی جنگ کے سب سے زیادہ خوشحال سالوں کو صنعت کے نقطۂ نگاہ سے جنگ کے قبل کے بہترین سالوں سے زیادہ قابل اطمینان قرار دیا جا سکتا ہے اگرچہ جنگ کے زمانے کے کم سے کم خوشحال سال امن کے سالوں کے مقابلوں میں بہت زیادہ خراب تھے۔

۱۵ - انگلستان کا مستقل مفاد اور عارضی

آئیے مواخر الذکر اثرات کا مطالعہ پہلے شروع کریں۔ اس سلسلے میں تجارت کی بعض شاخوں کو ترقی کی جو تحریک ملی اسے ہم دیکھ چکے ہیں۔ ایک دوسرا غیر یقینی فائدہ یہ ہوا کہ انگلستان کی کوششیں اپنے فرانس اور ہالینڈ کے حریفوں کو

سمندر سے نکالنے میں بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوئی تھیں۔ جنگ کے خاتمے کے وقت تو تقریباً یہاں تک کہا جا سکتا تھا کہ جو لوگ انگلستان کے علی الاعلان دشمن تھے ان کا ایک بھی جہاز بحر اٹلانٹک میں موجود نہیں تھا۔

نپولین نے یہ خیال کیا تھا کہ انگلستان اس کے رحم و کرم پر ہے اور جب معاشی ہتھیاروں سے اس پر حملہ کیا جائے گا تو وہ فنا ہو جائے گا۔ اگر اس کا یہ خیال نہ ہوتا تو وہ کبھی میلان کا فرمان جاری نہ کرتا۔ اس نے غلطی یہ کی کہ انگلستان کی ایک مستقل سہولت کو جو اُسے کوئلے کی صورت میں حاصل تھی نظر انداز کر دیا۔ ہر چند ہماری تجارت کو درماندہ اور شکستہ کر دیا گیا لیکن پھر بھی کوئی دوسرا ملک مشین سے بنی ہوئی نئی چیزوں کی طلب کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا کیونکہ صرف کوئلے کے استعمال سے انھیں کافی مقدار میں پیدا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ہم انھیں مستقل طور پر اپنے ہمسایوں کے مقابلے میں کم لاگت پر تیار کر سکتے تھے اور یہاں اس بات کو دوبارہ ملحوظ نظر رکھیے کہ صناع عام طور پر قانون تکثیر حاصل کے پابند ہوتے ہیں۔ انگلستان کی ہر بندرگاہ سمندر کی راہ سے دور دور مال برآمد کر سکتی تھی اور اس میں کا کچھ مال اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ بھی جایا کرتا تھا۔

چنانچہ بصورت مجموعی ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ انگلستان میں جن دنوں ہمہ گیر خوشحالی رہی، وہ جنگ کے باوجود واقع ہوئی۔

۱۶۔ کساد بازاری تغیرات۔ کساد بازاری یا حقیقی مصائب کی وجہ زیادہ تر اس بات کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس دور میں معاشی تنظیم کی ایک نوع قدرتی طور پر تبدیل ہو کر دوسری نوع کا قالب اختیار کر رہی تھی۔ مشین کا رواج اور تجارتی حالات پر دار و مدار، روزگار میں تغیرات پیدا کر رہے تھے۔ اگرچہ اس زمانے میں ان کی حیثیت ایسی نظر آتی تھی گویا ان کا خود کوئی اثر نہیں بلکہ یہ صرف جنگ کے اثرات کو ظاہر کرنے کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ لیکن اگر جنگ نہ بھی ہوتی تو بھی ان کے یہ اثرات ضرور رونما ہوتے۔ جنگ سے پہلے تبدیلیوں کے خراب اثرات کئی سمتوں میں ظاہر ہوئے تھے۔ اس لئے محض جنگ اور امن کے زمانوں کے حالات کا علی الترتیب مطالعہ کرنا اور یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ فرق جنگ کے حالات کی وجہ سے واقع ہوا کیونکہ جنگ کے ساتھ ساتھ صنعت میں بجائے خود بھی تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔

اس لئے ہمیں یہ کہنا ہوگا کہ جنگ کی وجہ سے عارضی اور مقامی خوشحالی اور کساد بازاری پیدا تو ضرور ہوئی لیکن خالص معاشی اسباب بھی اسی سمت میں کام کر رہے تھے۔

اصولاً، عام قیمتوں میں تبدیلیاں یا تو صنعتی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں یا ملک کے اندر زر کی مقدار کی وجہ سے۔ موخرالذکر اثر کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زر بازار[1] میں جو سخت مشکلات پیدا ہوئے وہ جنگ کا نتیجہ تھے۔ اس کے علاوہ خفیہ درآمد برآمد کرنے کی ضرورت نے قیمتوں کو بے انتہا بڑھا دیا تھا۔ جو امن کے درمیانی وقفوں میں گر جایا کرتی تھیں لیکن تجارت کے عدم تیقن کی وجہ سے دوبارہ بڑھ جاتی تھیں۔ چونکہ صناع بحیثیت مجموعی ترقی کر رہے تھے اس لئے انھیں مزدوروں کی ضرورت تھی۔ کارخانے کے مزدور جب قیمتوں کو بڑھا ہوا دیکھتے تھے تو زیادہ اجرتیں طلب کرتے تھے اور انھیں یہ زیادہ اجرتیں مل بھی جاتی تھیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی حالت پہلے سے زیادہ خراب نہیں رہی تھی۔ دوسری طرف صناع اس قربانی کرنے پر قادر تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ امن کے زمانے کے خوشحالی کے دور میں بھی قیمتوں میں اسی طرح کا اضافہ واقع ہوتا اور دوسری طرف زائد تجارت کی وجہ سے بعد میں ایسا ہی زوال رونما ہوتا۔

لیکن بحیثیت مجموعی، عام قیمتوں اور اجرتوں کے اتار چڑھاؤ کا ذمہ دار جنگ ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

گیہوں کے معاملے پر الگ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جب صنعتوں کی ترقی آبادی کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے ہوتی، تو زمین پر سے بہت سے مزدور بہر حال کھنچ کر صنعت کی طرف چلے جاتے اور زرعی مزدوروں کی رسد میں اس کی وجہ سے ضرور کمی واقع ہوتی، اجرتوں میں اضافہ ہوتا، اور اس لئے غلے کی قیمت میں بھی اضافہ ہوتا۔ لیکن چونکہ اس زمانے میں انگلستان کی عام غذا کی رسد کی فراہمی میں مداخلت ہوئی، اس لئے اس ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی نے غلے کی رسد پر زیادہ دباؤ ڈالا اور اس موقع سے زمینداروں نے فائدہ اٹھا کر اپنے لگان بڑھا دیئے۔

[1] Money Market

گیہوں کے دام اجرت کے اضافے کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ گئے۔

اس لئے اس اثر کو تقریباً تمام تر جنگ سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ رہا آبادی کے اضافے اور اس کی تقسیم کی تبدیلی کا سوال تو اس کا ذمہ دار جنگ کو بالکل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان اثرات کے ذمہ دار خالص معاشی اسباب تھے اور ان کا دارمدار، تقریباً تمام تر، طویل مدت کو اگر سامنے رکھا جائے، معدنی دولت کی تقسیم پر تھا۔

۱۷۔ معاشی جنگ نپولین نے جو تجربہ، معاشی طریقوں سے جنگ کرنے کا کیا اس کے بارے میں بھی ایک بات کا اضافہ کرنا ضروری ہے۔ نتائج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تجربے میں ناکامی ہوئی۔ دونوں فریق ایک حد تک اپنے حریف کی تجارت کو کچلنے میں کامیاب ہوئے لیکن اس کے ثانوی نتائج اتنے اہم تھے کہ فوجی منفعت اس کے مقابلے میں بہت حقیر معلوم ہوتی ہے۔ گو جنگوں کی تہ میں تجارتی اسباب کام کرتے ہیں لیکن جب ایک دفعہ جنگ شروع کر دی جاتی ہے تو پھر اسے فوجی طریقوں سے لڑ کر ہی ختم کیا جا سکتا ہے

معاشی جنگ کے اندر، چاہے اُسے جنگ میں امداد دینے کے لئے استعمال کیا جائے، چاہے امن کے زمانے میں محاصل درآمد برآمد کی صورت میں تین کمزوریاں ہیں:۔ اوّل اس سے فائدہ اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ دشمن کو اس سے زبردست نقصان پہنچتا ہے اور یہ غیر ضروری اشتعال کا باعث ہوتا ہے۔ دوسرے اس کا اثر غیر جانبداروں پر ہمیشہ پڑتا ہے اور ان میں سے کچھ کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے۔ تیسرے جو مقصد پیش نظر ہوتا ہے وہ کبھی موثر طریقے پر حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً انگلستان کی ناکہ بندی بہت مشکل ثابت ہوگی۔ پچھلے زمانے میں جو اس طرح کے محاصرے کئے گئے ان کے مقابلے میں گذشتہ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کی آبدوز کشتیوں کی جنگ زیادہ سخت چیز تھی لیکن اس کی بھی اصلی جنگ کے مقابلے میں ایک ضمنی حیثیت تھی۔

۱۸۔ تغیر پذیر حالات کا اصل سبب ۱۸۱۵ء میں انگلستان نے جنگ یا کم سے کم تغیر پذیر حالات سے کچھ ایسی مطابقت پیدا کر لی تھی کہ اس کی معاشی ساخت و تنظیم ہی بدل گئی تھی اس لئے جب یکبارگی صحیح و تندرست حالت کی طرف واپس ہونا پڑا تو بعض لحاظ سے سخت ابتری رونما ہوئی۔ ملک کی

اس صنعت پر جس کا دارومدار جنگ کے جاری رہنے پر تھا سب سے زیادہ خراب اثر پڑا اور بہت سے تاجر اور صناع تباہ و برباد ہو گئے گو بحیثیت مجموعی ان کا نقصان کسانوں سے کم ہی رہا۔ جو صناع ضروریات زندگی کا سامان تیار کرتے تھے انھیں معلوم ہوا کہ اب جب کہ دشمن کا خوف نہیں رہا ہے ان کا بازار ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تجارتی تعلقات کا قائم کرنا ایک مشکل کام ہوتا ہے اور جب یہ ٹوٹ جاتے ہیں تو اس صبر آزما کام کو از سر نو شروع کرنا پڑتا ہے۔ کچھ کاروبار جو امریکا کے لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ گئے تھے، ہمارے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل گئے۔ تجارت کے اندر دوبارہ زندگی نہیں ڈالی جا سکتی تھی جب تک کہ مستقل تجارتی راہیں دوبارہ نہ قائم کی جائیں۔ اس کے علاوہ، دوسرے ملک بھی اب ہمارے ساتھ بغیر کسی روک ٹوک کے مقابلہ کرنے کے لئے آزاد تھے۔

اس سے یہ نہ فرض کر لینا چاہئے کہ امن کی وجہ سے تجارت میں تنزل واقع ہوا۔ جب تجارت دوبارہ صحیح بنیاد پر قائم ہو گئی تو ہمارے تجارتی تعلقات میں تیزی سے ترقی ہونے لگی۔ زراعت کا معاملہ زیادہ افسوسناک تھا۔ جنگ کے دوران میں جب غیر ملکی غلے کی فراہمی مسدود ہو گئی تھی، زمینداروں کو موقع ملا اور انھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ ایسی زمینوں کو کاشت میں لایا گیا جنھیں عام حالات میں چراگاہ کے لئے خالی رہنے دیا جاتا۔ جب یورپ کا گیہوں آنا شروع ہوا تو جو قیمتیں مصنوعی طور پر چڑھ گئی تھیں انھیں کم کرنا پڑا اور کسانوں کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ پہلے جیسے بہت زیادہ لگان ادا کرتے رہیں۔ اس لئے زمیندار اور کسان دونوں برباد ہو گئے۔ اول الذکر تو اس لئے کہ دس سال سے جو لگان اُسے مل رہا تھا وہ اب وصول نہ ہو سکا اور موخر الذکر اس لئے کہ غلے کی معمولی قیمت گھٹ گئی۔ مزدوروں نے بھی اس کساد بازاری کے اثر میں شرکت کی اور ان کی اجرتیں کم ترین مصارف زندگی کی حد تک پہنچ گئیں[1]۔ ایک سال فصل کے خراب ہو جانے کی وجہ سے ان اثرات نے اور بھی سخت صورت اختیار کر لی۔ اس کی وجہ سے غلے کی رسد میں جو قلت ہوئی

---

[1] Minimum Subsistence Level

اس سے قیمتیں مقابلے کے باوجود ضرور چڑھیں لیکن اس سے پیداوار کی کمی کی تلافی نہ ہو سکی۔

امن کے یہ ناموافق فوری اثرات صرف انگلستان ہی تک محدود نہیں رہے اگر ایک ملک خوشحال ہوتا ہے تو وہ تمام ممالک جو اس کے ساتھ تجارت کرتے ہیں کم درجے پر اس کی خوشحالی میں شرکت کرتے ہیں اور ایسی ہی اس کی برعکس صورت بھی ہوتی ہے اگر دو ملکوں میں ساتھ ساتھ کساد بازاری رونما ہوتی ہے تو اس کا اثر دونوں ملکوں میں اس تجارت کے نقصان کی وجہ سے جو دوسرے فریق کے ساتھ ہی ساتھ مفلس ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے، بہت شدید ہو جاتا ہے۔ اس زمانے میں یورپ کے ہر ملک پر جنگ کا بہت خراب اثر پڑا تھا اور غالباً انگلستان تو پھر بھی دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو آسانی کے ساتھ بچا لے گیا تھا۔ تاہم ملکوں میں امن کی وجہ سے ابتری پیدا ہوئی تھی۔ غرض یہ ایک اور عامل تھا جس نے بعض خاص سمتوں میں جنگ کے خاتمے کو ناسازگار بنا دیا تھا۔

۱۹۔ انیسویں صدی: توطن خارجی انیسویں صدی کے بقیہ حصے میں سیاسیات کا معاشی فلاح و بہبود پر نسبتاً کم حقیقی اثر پڑا۔ یورپ میں صرف ایک جنگ کریمیا میں ہوئی اور اس کا اثر تجارت یا صنعت پر پچھلی جنگ عظیم کے مقابلے میں نسبتاً کم ہوا اور دنیا کے دوسرے حصوں میں جو جنگیں ہوئیں ان کا قدرتی طور پر وطن سے قریب کی جنگ کے مقابلے میں اور بھی کم اثر پڑا۔ جنوبی افریقہ کی ہیرے کی کانوں کی دولت کی وجہ سے پہلی بوئر جنگ جیمسن کا دھاوا اور آخر میں ٹرنسوال کی فتح کا سلسلہ شروع ہوا۔ نوآبادیوں کو اب ماتحت نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ ان کو ایسی جماعت سمجھا جاتا ہے جن کی ایک اپنی آزاد زندگی ہے بلکہ ہم نے انہیں انگلستان کے مال پر بھی محصول لگانے کی اجازت دے دی ہے۔ بڑی نوآبادیوں کے ساتھ بالکل برابری کا سلوک کیا جاتا ہے اور ان سے ہمیں جو فائدہ پہنچتا ہے وہ زیادہ تر اس لئے ہے کہ جذباتی تعلقات نے بہت سی باہمی تجارت کو جاری رکھنے میں مدد دی ہے۔ گویا تجارت سیاسی جھنڈے کے پیچھے چل رہی ہے کم سے کم تھوڑی مدت کے لئے۔ ۱۸۰۳ء میں سلکرک نے توطن خارجی کی تحریک کو آگے بڑھایا جیسا کہ کنیڈا کمپنی نے بھی

کیا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے زبردست ہادی اور مبلغ ویک فیلڈ تھا۔ وہ مالتھس کے خیالات سے بہت متاثر تھا جس کا یہ کہنا تھا کہ آبادی کے اندر بہت زیادہ افراط کے ساتھ بڑھ جانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ویک فیلڈ نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ نئے ملک میں جو شخص آباد ہوگا وہ ناکاشتہ علاقے کو ترقی دینے میں مدد دے گا۔ اس طرح مزدور اور شاید سرمایہ بھی ان جگہوں میں جاسکے گا جہاں یہ دونوں انگلستان کے مقابلے میں بہت زیادہ فائدہ مند ثابت ہوں گے۔ اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ توطن خارجی سے انگلستان پر آبادی کا دباؤ کم ہوجائے گا بہت سے دوسرے لوگ بھی نہایت پرجوش طریقے پر اس کے ان خیالات کی تائید کررہے تھے اور نوآبادیوں کے انجام کی طرف سے لاپرواہی کی حکمت عملی جو نوآبادیوں کو دباکر رکھنے کی پالیسی کے بعد اختیار کی گئی تھی (اور جو کچھ تو امریکا کی آزادی اور کچھ عدم مداخلت اور ہردلیسی کے خیالات کا نتیجہ تھی) کم ہونا شروع ہوگئی۔

باب

مزدور پیشہ طبقوں کی حالت

۱ - مختلف عہدوں سے مقابلہ

ترقی ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا مفہوم غیر معین سا ہے اور اس کی بہت سی تعبیریں کی جا سکتی ہیں - اس لیے اس بات کا پتا لگانا کہ کسی قوم کی حالت، ایک خاص زمانے میں کیا رہی، اتنا ہی مشکل کام ہے - رومیوں اور یونانیوں کے عروج کے زمانے میں، جو قابل ترین لوگ پائے جاتے تھے انھیں موجودہ زمانے کے ویسے ہی لوگوں کے کم از کم ہم پلّہ سمجھا جاتا ہے - گرچہ یہ خیال مبالغے پر مبنی ہو لیکن پھر بھی اس نقطۂ نگاہ میں خاصی صداقت پائی جاتی ہے - مگر جب اخلاقی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ان کے مقابلے میں ضرور ترقی کی ہے کیونکہ رومیوں کی تہذیب، غلاموں کی محنت پر تعمیر کی گئی تھی -

یورپ میں، عہد وسطیٰ میں، ادنیٰ طبقوں کو کچھ آزادی مل گئی تھی - اس کے علاوہ، امیروں اور غریبوں میں، کچھ درمیانی کڑیوں کے ذریعے ایک تعلق بھی قائم تھا کیونکہ بہترین غیر آزاد[1] کسان کو آزادی مل جایا کرتی تھی اور شہروں میں دولت کا اضافہ ہو رہا تھا - پھر بھی ایک واحد دولتمند زمیندار بننے کے لیے بہت بڑے

[1] Villein

علاقے کی ضرورت ہوتی تھی۔ گو علم و شائستگی چند منتخب لوگوں تک تو محدود نہیں تھی لیکن پھر بھی ان کا اثر ادنیٰ طبقوں تک نہیں پہنچتا تھا۔ موجودہ زمانے میں انگلستان میں "طبقۂ امرا کی حالت" اگرچہ بہت زیادہ بہتر نہیں ہوئی ہے لیکن قوم کی حالت بحیثیت مجموعی، شائستگی اور مادی خوش حالی کے لحاظ سے، پہلے کے تمام زمانوں کے مقابلے میں، زیادہ بہتر ہے اور کم از کم اس دعوے کے لیے تو ضرور ہی دلیل پیش کی جا سکتی ہے کہ شدید مفلسی نسبتہً کم ہو گئی ہے۔

معمولاً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مادی ترقی کو، اضافۂ دولت فی کس آبادی کے ذریعے سے ناپا جا سکتا ہے اور اس معیار سے کام لینے کے لیے طبیعت اس لیے اور بھی جلد راغب ہو جاتی ہے کہ یہ چیز سب سے زیادہ سہل ہے اور سب سے زیادہ آسانی سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اس لیے ایسے سب عوامل جو پیدائش دولت میں اضافہ کرتے ہیں مفید قرار دیے جاتے ہیں۔ لیکن گہرے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوگا کہ جو ترقیاں یک بارگی ہوئی ہیں ان میں سے تقریباً سب کی طرف سے بے اطمینانی کی کیفیت پیدا ہوئی ہے اور یہ بات ادنیٰ تر طبقوں میں عام طور پر دیکھی گئی ہے اور جب ہمدردی کے ساتھ تحقیقات کی جاتی ہے تو اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ ان طبقوں کے لیے یہ ترقی محض نمائشی ہی ثابت ہوئی ہے۔ اس لیے ہمیں محض دولت کی واقعی ترقی ہی کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ اس کی تقسیم پر بھی نظر رکھنا چاہئے۔

رومی تہذیب کے زمانے میں جو طبقہ اظہار خیال پر قدرت[1] رکھتا تھا، وہ آزاد تھا۔ اس لیے اس زمانے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان میں طبقہ وارانہ خود غرضی کا رنگ اتنا نہیں جھلکتا جتنی یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ لوگ، غلام آبادی کی ضرورتوں کو سمجھنے ہی سے بالکل قاصر تھے۔ لیکن جب ادنیٰ طبقوں کی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہوئی تو یہی نتیجہ طبقہ وارانہ خود غرضی کی بنا پر رونما ہونے لگا اور یہ چیز آج بھی ہر جگہ نظر آتی ہے۔ روسو نے مساوات کے جس عقیدے کی تبلیغ کی

[1] Articulate

اس نے اس بات کو سکھایا کہ یہ طبقے بھی جماعت کا ایک لازمی اور ناگزیر حصہ ہیں

۲ - مزدور پیشہ طبقوں کی اہمیت

ہمیشہ کی طرح آج بھی، کل آبادی کے مقابلے میں غریب لوگوں کی تعداد کثیر ہے اور ایک ایسا متوسط طبقہ پیدا ہو گیا ہے جسے حقیقۃً امرا کے زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ادنیٰ طبقہ آزاد ہے اور اس کو اپنی اہمیت کا احساس ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی باتوں کو کم از کم مناسب توجہ کے ساتھ ضرور سنا جاتا ہے۔ ان حالات کی موجودگی میں ہمارے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ افراد کی دولتمندی میں جو بڑا اضافہ ہوا ہے اسے بہت زیادہ اہم سمجھیں۔

غرض، ترقی کا بہترین پیمانہ، مزدور پیشہ طبقوں کی حالت ہی کو سمجھا جاتا ہے امیروں کے طبقے کی حالت میں عہد بہ عہد بہت کم تبدیلی ہوتی ہے۔ وسیع معنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فتح کے دو تین صدی بعد تک، ادنیٰ طبقوں کی حالت خراب نہیں تھی بلکہ بہت سے لوگ تو چودھویں صدی کو عہد زرین کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کے بعد خانہ جنگی کے زمانے تک ان کی حالت گرتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ صنعتی انقلاب تک حالت بہتر ہوتی رہی جبکہ سخت پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن گزشتہ صدی میں، خاصے مسلسل طریقے پر ترقی ایک ہی سمت میں جاری رہی۔

اٹھارویں صدی کی صنعتی تبدیلیوں کی وجہ سے جو پریشاں حالی پیدا ہوئی اس میں کسی شبہے کی گنجایش نہیں ہے۔ ہم اس کے اثرات کو مختصر طور پر اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمیندار تقریباً فنا ہو گئے اور چھوٹے پٹہ داروں کی زمینیں یا تو چھین لی گئیں یا وہ محض مزدور بن گئے صنعت کا حال یہ تھا کہ اون کی صنعت میں، ہاتھ سے کاتنے اور بننے والے، آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر برباد ہوتے چلے گئے اور کام کرنے والے لوگ ایک بڑی فیکٹری کا جز بن گئے۔ اس تبدیلی کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ آزادی اور انفرادیت ختم ہو گئی۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جو سرمایہ داروں کا دست نگر تھا اور جس کے اندر وہ نقل پذیری پائی جاتی تھی

جو صنعت کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش مقامات پر چلانے کے لیے ضروری تھی۔

۳ - پرولتاری (طبقہ مزدوران) ایک مکمل ترقی یافتہ پرولتاری کا مفہوم کیا ہے اس کا کچھ تصور ذیل کے ایک اقتباس سے کیا جا سکے گا جسے ایک مشہور و معروف مصنف کی ایک مستند کتاب سے حاصل کیا گیا ہے[1]:-

"سب سے اول تو یہ اہم حقیقت نظر آتی ہے کہ پرولتاری اس گروہ کا ایک مثالی نمونہ ہے (داخلی اور خارجی دونوں اعتبار سے) فطرت سے بے تعلق ہو چکا ہے۔ آسمان پر جب بادل حرکت کرتے ہیں، وہ ان کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔ طوفان کی آواز کو پہچاننے سے وہ قاصر رہتا ہے۔ اس کا کوئی آبائی وطن نہیں ہوتا گویا اس کا کوئی ایسا گھر نہیں ہوتا جس سے وہ مستقل طور پر وابستہ ہو سکے۔ کیا وہ ان بے کیف بڑی سڑکوں میں، جن کے دونوں جانب چھ منزلہ اونچی عمارتیں ہوتی ہیں، گھر کا لطف اٹھا سکتا ہے؟ وہ اپنا مکان بدلتا رہتا ہے یا تو اس لیے کہ وہ مالک مکان کو ناپسند کرتا ہے یا اس لیے کہ کام کی ایک جگہ کو چھوڑ کر اب وہ دوسری جگہ کام کرنے لگا ہے۔ جس طرح وہ ایک کمرے سے منتقل ہو کر دوسرے کمرے میں جاتا ہے اسی طرح وہ ایک شہر سے منتقل ہو کر دوسرے شہر میں، ایک ملک سے منتقل ہو کر دوسرے ملک میں، جہاں کہیں موقع (یعنی سرمایہ داری نظام) اسے طلب کرتا ہے جاتا رہتا ہے بے گھر، بے چین، وہ سارے کرۂ زمین پر گھومتا رہتا ہے۔ مقامی دلکشی اس پر کوئی اثر نہیں کرتی دنیا اس کا وطن ہے۔ اس نے فطرت کی آواز پر لبیک کہنا چھوڑ دیا ہے اور مادیت کو اپنے اندر جذب کر لیا ہے۔"

موجودہ زمانے کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ "آبادی کے بیش ترین حصے کے پاس کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جسے وہ اپنا کہہ سکے پہلے زمانے میں، غریب سے غریب آدمی کے پاس بھی زمین کا ایک قطعہ، ایک جھونپڑا اور کچھ جانور ہوا کرتے تھے جنھیں وہ اپنا کہہ سکتا تھا۔ یہ بے حقیقت چیزیں تھیں لیکن وہ دل و جاں کے ساتھ ان سے وابستہ ہو سکتا تھا۔ آج جب ایک پرولتاری اپنا مکان چھوڑ کر دوسری جگہ

[1]: زمبارٹ :- داس پرولتاریات۔

جاتا ہے، تو ایک دستی گاڑی اس کی کل کائنات کو اٹھا کرلے جانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کی انفرادیت کا پتا صرف چند پرانے چیتھڑوں سے لگایا جاسکتا ہے"۔

"سرمایہ داری کے آہنی قدم نے اس کے سارے اجتماعی جذبے کو کچل ڈالا ہے گاؤں کی زندگی ختم ہوگئی ہے۔ پرولتاری کا کوئی اجتماعی وطن نہیں رہا ہے علٰحدہ خاندان کا وجود بھی مٹ گیا ہے"۔

یورپ کے بعض شہروں میں یہی کیفیت پائی جاتی ہے اور ہمارے بڑے شہروں کے تنگ و تاریک محلّوں[1] کا بھی یہی حال ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صنعتی انقلاب نے اس چیز کو فوراً پیدا کردیا بلکہ دو بنیادی باتوں کی ابتدا یعنی فطری زندگی سے بے تعلقی اور غیر طبعی نقل پذیری اسی وقت سے شروع ہوگئی تھی تقریباً ۱۷۶۰ء سے پہلے چھوٹے پارچہ بافوں کی اکثریت کے پاس، ایک چھوٹا جھونپڑا اور ایک قطعۂ زمین ہوا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ شاملات دیہی کی زمینوں اور بنجر زمینوں پر انھیں اپنے مویشی چرانے کا حق بھی حاصل ہوتا تھا۔ چنانچہ تجارت کے اتار چڑھاؤ کا ان پر بہت کم اثر ہوتا تھا جس کی وجہ سے ان کے فائدے باوجود زیادہ نہ ہونے کے ان کی ضرورتوں کے لیے کافی اور خاصے مستقل ہوا کرتے تھے۔ پارچہ باف، عام طور پر شہر سے باہر رہا کرتے تھے اور شہر کی زندگی کے ساتھ ساتھ ایک طبعی اور تندرست زندگی کے فوائد سے بھی بہرہ ور ہوسکتے تھے۔ ان کے پڑوسی بھی انھی جیسے ہوتے تھے اور سب کے اندر ایک جماعتی جذبہ اور ایک مقامی حب الوطنی پائی جاتی تھی۔ اس بات کا کہ ایک شخص یہ کہہ سکتا تھا "زمین کا یہ ٹکڑا میرا ہے" نہ صرف یہ اثر ہوتا تھا کہ وہ ایک اجرت پانے والے مزدور سے زیادہ کام کرتا تھا بلکہ اس کو اپنے ضلع اور اپنے کام سے بھی ایک مستقل تعلق پیدا ہوجاتا تھا۔ (اس کا مقابلہ آرتھر ینگ کے اس قول سے کیجئے کہ "ملکیت کا جادو ریت کو سونے میں تبدیل کردیتا ہے"۔)

---

[1] Slums

غرض، حالات ایسے تھے جن سے اخلاقی خوبیاں مواقع کی محرومی کی وجہ سے فنا نہیں ہو پاتی تھیں۔

اس کے بعد کے زمانے میں، جب کاریگر مایوس ہو کر، سرمایہ داری کے خلاف کشمکش کو ترک کرتے تھے تو انھیں ایک بڑے، مضر صحت کارخانے میں، جس کے مالک وہ خود نہیں ہوتے تھے داخل ہونا پڑتا تھا۔ قیمتی مشینوں کو چلانے کے لیے چونکہ ضروری تھا کہ بڑا منافع کمایا جائے، اس لیے بہت سے مزدوروں کو ملازم رکھا جاتا تھا۔ ذرایع نقل وحمل بہت ابتدائی حالت میں تھے، اس لیے کام کرنے والے لوگوں کو مجبوراً اپنی گرنیوں کے نزدیک ہی رہنا پڑتا تھا۔

۴۔ نئے شہر آبادی کارخانوں کے گرد مجتمع ہوتی رہی اور متعدد وجوہ سے، کارخانے ایک دوسرے کے نزدیک کثیر تعداد میں جمع ہوتے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر تیزی سے بڑھنے لگے۔ نئے شہروں میں مکانوں کے کرایے زیادہ تھے اور مکانوں کو صرف پناہ کی جگہ سمجھا جاتا تھا۔ آجروں کا اور بعد میں مزدوروں کا بھی واحد مقصد یہ تھا کہ جتنا بھی بن پڑے خوب روپیہ کمایا جائے۔ ان کی نگاہ میں پیدائش دولت ہی سب کچھ تھی صرف دولت اور تقسیم دولت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

نئے شہروں نے، جن کی حالت موجودہ زمانے کے بدترین شہروں سے بھی زیادہ خراب تھی لوگوں کی زندگی کو برباد کر دیا تھا۔ نو واردوں کو آنے پر معلوم ہوتا تھا کہ گو وہ روپیہ زیادہ کما رہے ہیں لیکن ان کو اپنی آزادی کو قربان کرنا پڑ رہا ہے۔ نیز یہ کہ یہاں پرانی زندگی کے فواید کو کسی دام پر بھی خریدنا ممکن نہیں ہے۔ دوسری طرف، خود زیادہ اجرت کمانے کی وجہ سے، طبیعت فضول خرچی کی طرف مائل ہو جاتی تھی اور روپیہ بے دردی سے خرچ کیا جاتا تھا۔ زمانہ بدل گیا تھا اور خرچ کرنے کی پرانی عادتوں پر لوگ قناعت نہیں کر سکتے تھے بلکہ نئے حالات میں روپیہ غیر ضروری چیزوں پر صرف کیا جاتا تھا۔ لوگوں میں نہ تو دانشمندی تھی نہ تعلیم جن کی وجہ سے اپنے وسائل کو مناسب طریقے پر خرچ کر سکتے۔ غرض معاشرے پر روپیہ کی محبت کا، محض روپے کی خاطر غلبہ تھا۔

رہائش اور صفائی کے انتظامات بہت برے تھے تعمیرات پر کسی قسم کی شرائط اور پابندیاں نہ تھیں۔ مکانوں کو جس طرز پر چاہیں اور جہاں زمین کا کوئی قطعہ میسر آجائے تعمیر کرلیا جاتا تھا۔ زاید آبادی کے تدارک کے لیے یا تہ خانوں کو رہائشی مکان کے طور پر استعمال کرلینے کے خلاف کوئی قواعد موجود نہیں تھے۔ نہ پانی کے نکاس کا کوئی بڑا نظام تھا اور نہ صفائی کا بندوبست تھا۔ ۱۸۵۰ء سے پہلے، صاف پانی کی کافی رسد بھی شاذ و نادر ہی فراہم ہوسکتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ چیچک اور ہر قسم کے بخاروں نے مزمن صورت اختیار کرلی تھی۔ لندن کی حالت تو بری تھی ہی لیکن شمالی شہروں، مانچسٹر، لیڈز، بریڈفورڈ وغیرہ کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ ۱۸۴۲ء میں چیڈوک نے بیان کیا کہ "لورپول، مانچسٹر اور لیڈز کی اس آبادی میں جو تہ خانوں میں رہتی ہے، گندگی، جسمانی تکلیف اور اخلاقی ابتری، اس سے بھی زیادہ خراب پائی جاتی تھی جتنی کہ ہاورڈ نے اپنے معائنے کے دوران میں بدترین جیل خانوں میں دیکھی تھی۔" ایڈنبرا اور گلاسگو کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔

۵۔ مزدوروں کی نقل پذیری

انگلستان کی صنعت کی ترقی کے لیے اس قسم کی قربانی لازمی تھی۔ اسی طرح مزدوروں کی نقل پذیری میں اضافہ بھی ضروری تھا۔ ایک الگ تھلگ رہنے والے زراعت پیشہ شخص کی نظر میں تنگی پیدا ہوجانے کا امکان پایا جاتا ہے، چنانچہ سفر کے فواید کو لوگ ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ اسی طرح، ہرچند کسی حکومت کو اس وقت تک تندرست نہیں کہا جاسکتا جب تک اس کی آبادی کی بڑی اکثریت، ایک مقام پر خاصی حد تک جاگزیں نہ ہو لیکن اگر کاریگر ایک ہی مقام کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہیں تو صنعت کو اکثر مزدوروں کی قلت یا کثرت کی وجہ سے نقصان پہنچتا رہے گا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ مزدور ایک مقام سے جہاں ان کی اجرتیں کم ہوں دوسرے مقام کی طرف جہاں ان کی حالت بہتر ہوسکتی ہو منتقل ہوتے رہیں۔ کیونکہ اجرتیں زیادہ دینے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ صنعت کو مزدوروں کی ضرورت زیادہ ہے۔ لیکن پوری آبادی میں نقل پذیری کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ نقل پذیری اس وقت اپنی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے جب صنعت کو زیادہ مزدوروں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

انگریزوں میں اس نقل پذیری کے پیدا ہونے کا یہ سبب نہیں تھا کہ ان کو اپنے گھروں سے یکبارگی کوئی نفرت پیدا ہوگئی تھی بلکہ اس کی محرک احتیاج وضرورت تھی ۔ مزدور کو، کام نہ ملنے کی وجہ سے اور پارچہ باف کو سخت مقابلے کی وجہ سے اپنی زمین کو چھوڑنا پڑا ۔ جو آدمی بھی نئے طریقوں کو آسانی اور تیزی کے ساتھ سیکھ لیتا تھا وہ زیادہ آمدنی کمانا شروع کر دیتا تھا ۔ شہروں کے علاوہ اور کہیں کام کا موقع نہیں تھا پھر جب وطن کے رشتے اور تعلقات ٹوٹ گئے تو مزید نقل وحرکت اور زیادہ آسان ہوگئی ۔

تاہم اس نقل وحرکت کا بڑا حصہ اختیاری تھا بلکہ اگر انقلابات نہ بھی ہوئے ہوتے تو بھی نقل پذیری میں ضرور اضافہ ہوتا ۔ سکونت پذیری کے[1] پرانے قوانین جن سے مزدوروں کو اپنے حلقۂ کلیسا میں رہنے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا اور کارآموزی[2] کے قوانین جن کی وجہ سے ہر صنعت میں داخل ہونے کے وقت پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا — ان کا نفاذ نام کے لیے تو ابھی تک کیا جاتا تھا لیکن درحقیقت ان کی حیثیت آثار و باقیات جیسی رہ گئی تھی اور جب واقعات ان کے مخالف ہوجاتے ان کا متروک ہوجانا لازمی تھا ۔ پرانے حالات اتنے سخت تھے اور اس کے مقابلے میں گرنی کے مالک جس تنخواہ کو ادا کرنے کا وعدہ کرتے تھے ان کے اندر اس درجہ جاذبیت پائی جاتی تھی کہ مزدوروں نے اپنی پرانی پابندیاں بالکل ختم کر دیں ۔ صناع کے لیے ایک غیر ماہر بچے کو ملازم رکھنا بالکل ویسا ہی تھا جیسا ایک ایسے استاد کاریگر کو رکھنا جو پہلے نو آموز رہ چکا ہو ۔ اسے اس سے بھی کوئی مطلب نہیں تھا کہ اس کے مزدور ملک کے کس حصے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ غرض مالک و ملازم دونوں اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ مزدوروں کو قانونی طور پر آزاد کرایا جائے ۔

انفرادیت کا جو اثر، مزدوروں کی آزادی کی تحریک پر پڑا، وہ بھی

۱ـه Settlements Laws

۲ـه Statute of Apprentices

صاف اور واضح ہے۔ مقابلے کے خلاف جتنی قسم کی پابندیاں لگی ہوئی تھیں ان سب کی مذمت یہ کہہ کر کی جاتی تھی کہ یہ قوانین قدرت کے خلاف ہیں جن کو بہت سے لوگ قوانین الہٰی کے ہم معنی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ملکۂ الزبتھ کے قوانین مزدوران کی باقاعدہ منسوخی میں یہی محرک کام کر رہا تھا اور ایک حد تک ایسی پابندیوں کے دور ہو جانے سے جو ان حالات کے پیش نظر عاید کی گئیں تھیں جو انیسویں صدی تک متروک ہو چکے تھے، مفید نتائج برآمد ہوئے۔ مگر بدقسمتی سے، ایک اکیلا فرد وز مناع کے مقابلے میں، معاشی طاقت کے لحاظ سے بہت غیر مساوی حیثیت رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی کے معاشری مسائل پیدا ہو گئے۔

بہت سے کاریگروں[1] نے، پندرھویں صدی ہی میں، پرانے نظام کے خلاف بغاوت شروع کر دی تھی کیونکہ جب تجارت وسیع ہوئی اور آبادی بڑھی تو ایک کاریگر کو اس بات کی یقینی امید نہیں رہی کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور جرگے میں استاد کاریگر کے مرتبے تک پہنچ جائے گا۔ اس وقت جرگے میں جو لوگ شامل تھے ان کی اجارہ داری سخت گراں گزرنے لگی اور صنعت شہروں کی حدود سے باہر نکل کر ترقی کرنے لگی۔

اس موخر الذکر صنعت کو جو لوگ چلا رہے تھے ان کے دل میں فرسودہ اور متروک اداروں کا کوئی احترام نہیں تھا۔ ان کے اندر عام طور پر عمل کی سرگرمی پائی جاتی تھی کیونکہ ان لوگوں کو اپنے لیے راستہ خود ہی نکالنا تھا چنانچہ جب نئے حالات رونما ہوئے تو ان غیر قانونی کاریگروں نے اور ان لوگوں نے جنھیں اپنی حالت کے بہتر ہونے کی کوئی امید نہیں تھی، نئے مواقع سے پورا فائدہ اٹھانا شروع کر دیا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونے لگے۔ یہاں بھی صنعتی انقلاب نے محض یہ کیا کہ ایک ناگزیر تبدیلی کی رفتار کو جسے چاہے پوری طرح مفید نہ بھی کہئے، تیز کر دیا۔

۶۔ صنعت کی میکانی نوعیت۔ جس طرح خارجی قوت سے چلنے والی مشین کے

[1] Journey men

استعمال کے بعد صنعتی انقلاب رونما ہوا، اسی طرح اس کے اکثر اثرات کو بھی مختصر طور پر مشین ہی سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلا اثر تو یہ ہوا کہ چیزوں کا لین دین پہلے کے مقابلے میں زیادہ بڑی مقدار میں کیا جانے لگا۔ جانے پہچانے گاہکوں کے لیے چیزیں تیار کرنے کا زمانہ ختم ہو گیا۔ کم از کم ان چیزوں کے لیے تو اس بات کو بالکل ہی صحیح سمجھنا چاہیے جن کو بڑی مقدار میں تیار کیا جاتا ہے۔ اب کاریگر یہ نہیں جانتا کہ کس ملک بلکہ شاید کس براعظم میں وہ چیزیں فروخت کی جائیں گی جن کے بنانے میں اس نے مدد دی ہے۔ اس کے علاوہ ہر کاریگر صناعی کے صرف ایک ہی حصے پر اپنی ساری توجہ صرف کرنے لگا آدم اسمتھ نے اس تقسیم عمل کی طرف توجہ کی تھی جو ۱۷۶۰ء سے پہلے پائی جاتی تھی اور اس کی بہت سی مثالیں پیش کی تھیں لیکن مشین کے رواج نے اس طرح کی تقسیم عمل کے نہ صرف امکان کو بڑھا دیا بلکہ اس کو پہلے سے زیادہ ضروری بھی بنا دیا۔ کاریگر کے سامنے اپنے کام کا ایک نقشہ کلّی صورت میں نہیں رہا۔ اس نے ان کاموں سے دلچسپی لینا ترک کر دیا جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان سب سے اہم بات یہ تھی کہ اب وہ ذاتی طور پر کام کے بہت کم حصے کے لیے جواب دہ ہوتا تھا نگرانی کی ذمہ داری کو آجر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

جو مختلف چیزیں کاریگر بناتا تھا ان میں یکسانیت ہوتی جاتی تھی اور ان کی آخری شکل پر وہ اپنا ذاتی اثر بہت کم ڈال سکتا تھا۔ کام کا جو حصہ اس کے سپرد تھا، اس میں بھی مشین ہی زیادہ تر کام کرتی تھی اور کاریگر کا کام صرف رہنمائی کرنا ہوتا تھا۔ اس کا بہت سا کام ایسا تھا جسے بعد میں مشین نے کرنا شروع کر دیا تھا اور بالکل اسی طریقے پر کیا تھا جیسا وہ خود کیا کرتا تھا۔ اس لیے کاریگر نے اپنے کام پر فخر کرنا چھوڑ دیا۔ اب اس کا کام صرف روپیہ کمانا ہو گیا۔

فروخت کرنے کے طریقے بھی رسمی غیر متبدل[1] بن گئے۔ پہلے زمانے میں ہر پارچہ باف ایک خاص گاہک کے لیے کپڑا تیار کرتا تھا اور انفرادی ذوق کو مطمئن کرنے کی کوشش

[1] Stereotyped

کرتا تھا۔ ہر فرمایش کی تکمیل الگ الگ کی جاتی تھی اس کے بعد کے زمانے میں بھی کاریگروں کی پیداواروں کو تاجر، چھوٹے پیمانے پر ہی خریدا کرتے تھے۔ لیکن اب چیزیں چند ہاتھوں میں جمع ہوگئیں اور ان کی انفرادی خصوصیات غائب ہوگئیں

ان سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ کاریگر خود مشین جیسا ہوگیا اور اس کا ایک ایسا نمونہ پیدا ہوگیا جو آج تک باقی ہے۔ مزدوروں کی آزادی اور نقل پذیری، ان کی حقیقی معاشی اور معاشری خودمختاری کی صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جماعتی رائے اور تجارتی قوانین کا زبردست دباؤ کم ہوگیا۔ لیکن اس کی جگہ ایک ایسے ظلم نے لے لی جس نے احتیاج کی قوت سے کام لے کر، مزدوروں کو پیسنا شروع کردیا۔ گرنی کے مزدور کا کام، مقررہ اوقات میں، معین طریقوں پر ہونے لگا اور وہ اس قسم کا ہوتا تھا کہ اس میں ذہانت کی گنجایش بہت کم ہوتی تھی کام کے گھنٹے زیادہ ہوتے تھے۔ فرصت اور مطالعے کا مزدور کبھی خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا تھا مزدوروں کے مکان، ایک ہی نمونے کے مطابق بنائے جاتے تھے اور مزروعہ کے مکان کا پرانا تصور جس میں ایک انفرادی رنگ پایا جاتا تھا غائب ہوگیا تھا۔

آبادی جب زیادہ ہوگئی تو مزدور کو جو تھوڑا سا فرصت کا وقت ملتا ہے وہ ان نئے بے کیف شہروں ہی میں گزارنے لگا اور ان شہروں کا اثر دن بدن ترقی ہی کرتا رہا۔ کیونکہ اس کے جو بچے پیدا ہوئے انھوں نے انھی شہروں کو اپنا ماحول سمجھنا شروع کردیا۔ مزدور کی نقل و حرکت، مصنوعی محرکات کی پابند ہوگئی جس میں خاص حصہ روپے کی طاقت کا تھا۔ اور ہر چیز کو اسی ایک واحد معیار سے ناپا جانے لگا۔ غرض، مزدور یہ محسوس کرنے لگا کہ اس کے اندر ایک خارجی طاقت (یعنی روپیہ) اسی طرح حرکت پیدا کرتا ہے جس طرح وہ اس کے آجر کے کچے مال اور مکمل سامان کو متحرک کرتا رہتا ہے۔ اب وہ یہ بھول گیا کہ زندگی گزارنے کا طور وطریق کیا ہوتا ہے۔

۷۔ مزدور کے ساتھ اس برتاؤ کا اثر۔

انسانوں کے ساتھ، مشینوں جیسا برتاؤ کرنے کا نتیجہ بہت خطرناک نکلا۔ جس طرح ایک اقدام کرنے والا صناع (یعنی آجر) اپنی ان مشینوں کو جن سے وہ اچھا نفع کمارہا تھا اس وقت

برباد کر دیتا تھا جب اسے تخمینے سے یہ اطمینان ہو جاتا تھا کہ آمدنی میں اضافہ کرنے والی کسی نئی ایجاد کا خریدنا اس کے لیے اور زیادہ نفع بخش ثابت ہوگا، اسی طرح وہ انسانوں کی محنت کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی محض اس کی قدر و قیمت بصورت زر ہی سے کرنے لگا تھا۔ آجروں کے خلاف جو الزامات اس زمانے میں اور بعد کے زمانے میں لگائے گئے ہیں وہ بد قسمتی سے بہت بڑی حد تک صحیح ہیں۔ خاص کر جب انقلابات کا اثر مکمل ہو گیا اور کاروبار کا بازار گرم تھا، تو مزدوروں کی خوب طلب پیدا ہوئی اور کہا یہ جاتا ہے کہ آجر بچوں کو محتاج خانے[1] سے نکلوا لیتے تھے اور ان سے اتنا کام لیتے تھے کہ وہ کام کرتے کرتے مر جاتے تھے اور اس کے بعد بچوں کی تازہ کھیپ کو بھرتی کر لیا جاتا تھا۔ جب تجارت کو زوال ہوتا تھا تو آجر کو مزدوروں کو نکال باہر کرنے میں کبھی کوئی تامل نہیں ہوتا تھا۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مزدوروں کی ملازمت غیر مسلسل رہتی تھی۔ کاروبار کے زوال کے زمانے میں بوڑھے پارچہ بافوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچتا تھا کیونکہ لڑکے مشینوں کے ذریعے ویسا ہی اچھا کام کر سکتے تھے جیسا یہ بوڑھے خود کرتے تھے۔ کاروبار کی ترقی کے زمانے میں، مزدوروں کو ان کا پورا معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ لیکن بہترین حالات میں جب کبھی پارچہ باف کو بہت اچھی اجرت ملنے لگتی تھی تو وہ فضول خرچی کی طرف مائل ہو جاتا تھا اور ایسی عادتوں میں مبتلا ہو جاتا تھا جو زوال کے زمانے میں مشکل سے چھوٹتی تھیں۔ معمول کے خلاف دولت کا ملنا اکثر لوگوں کے لیے بڑی تحریص کا موجب بن جاتا ہے۔ پارچہ بافوں میں نہ تو پیش بینی تھی۔ نہ ضبط نفس کہ وہ آڑے وقت کے لیے کچھ پس انداز کرتے۔ اس لیے کساد بازاری کے زمانے میں ایسی بربادی پھیلتی تھی کہ جس کی نظیر اس ملک نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ اپنی آمدنی کو اس کی انتہائی حد تک خرچ کرنے کا عادی تھا اور اس میں جو اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا اس کے ساتھ ساتھ اپنے اخراجات کو کم اور زیادہ کرنے کے لیے مجبور تھا۔

---

[1] Work House

۸۔ پایداری کا نقصان

یہ اثر ایک حد تک تو خوش حالی کے یکبارگی اضافے کی وجہ سے بھی پیدا ہوتا تھا (جو وقتاً فوقتاً رونما ہوتی رہتی تھی)۔ لیکن صنعتی انقلاب نے، تخمین کی جبلی خواہش کو بھی ترقی دے دیا تھا چونکہ کوئی مقررہ بازار نہیں رہا تھا اس لیے صناعوں کو کچھ تو مستقبل کی مانگ کے بارے میں اندازے سے کام لینا پڑتا تھا اور کچھ اپنا بازار خود پیدا کرنا پڑتا تھا۔ جب کاروبار کی حالت اچھی ہوتی تھی تو جتنا مال بک سکتا تھا اس سے زیادہ بنایا جاتا تھا۔ بازار میں چیزوں کا بہت زیادہ ذخیرہ ہوجاتا تھا اور پیداوار کی قیمت گرجاتی تھی۔ آجر کو اپنی غلطی کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ لیکن اس کو اس کے بعد بھی یہ موقع رہتا تھا کہ طلب کے دوبارہ بڑھنے تک اپنے ذخیروں کو جمع رکھے۔ مگر مزدور جو اپنے مالک کے غلط اندازے کی وجہ سے برطرف کیا جاتا تھا۔ وہ اس مصیبت کے زمانے کو جھیلنے کی بالکل سکت نہیں رکھتا تھا۔ پھر زاید تخمین کی وجہ سے اکثر مالیاتی بحران بھی پیدا ہوتا رہتا تھا جس کا نتیجہ صرف تباہی ہوتا تھا۔

گھر پر کام کرنے والے پرانے پارچہ باف کو، ان غیر مادی چیزوں کے حاصل کرنے کا موقع میسر تھا جو زندگی کو لائق زیست بناتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا تعلق زمین کے ساتھ قائم تھا اور وہ کپڑا بننے کے کام کو حصول معاش کا ایک امدادی ذریعہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ کپڑے کی طلب اگر کبھی یکبارگی کم ہوجاتی تھی تو وہ بالکل مجبور اور بے بس نہیں ہوجاتا تھا۔ اسی طرح جب کپڑے کی طلب میں اضافہ ہوتا تھا تو اس کی عادتیں اُسے مائل کرتی تھیں کہ زاید منافع کو اپنی زمین پر ہی صرف کرے۔ اس کی روزی میں اس کی زندگی کی طرح، استقلال و تسلسل پایا جاتا تھا۔ لیکن یہاں بھی اس بات کا دھیان رکھنا چاہئے کہ صنعتی انقلاب سے پہلے ہی تاجر کی اہمیت زیادہ ہوگئی تھی اور اس وجہ سے عدم تیقن کا ایک عنصر پیدا ہوچکا تھا۔

سنہ ۱۷۶۰ء کے بعد، اس تبدیلی کی وجہ سے جو برائیاں پیدا ہوئیں، اب تک ہم نے ان کے بیان کرنے پر ہی اپنی پوری توجہ صرف کی ہے اور یہ بات ہم نے

اس لیے کی کہ ملک کی دولت میں اضافہ دیکھ کر لوگوں کی طبیعت ہر چیز کو اچھا ہی باور کرنے کی طرف راغب نظر آتی ہے۔ لیکن جب خاص خاص برائیوں کو دور کر دیا گیا تو اس ترقی کی طرف قدم اٹھانے کے لیے راستہ صاف ہو گیا جس کا سلسلہ ہمارے خیال میں ابھی تک جاری ہے۔ سنہ ۱۸۰۰ء کے مقابلے میں آج مزدوروں کا طبقہ تعداد میں زیادہ ہے اور اس کے افراد، انفرادی طور پر دولتمند بھی زیادہ ہیں۔

۹- اجرت بصورت زر واجرت صحیحہ۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ادنیٰ طبقوں کو وہ تمام، رعایتیں میسر آگئیں جن کے مستحق وہ قیمتوں کے اضافے کی وجہ سے ہو گئے تھے۔ اس مسئلے کو بڑی ہمہ گیر اہمیت حاصل ہے۔ جب کبھی خوب خوشحالی کا زمانہ آتا ہے تو یہ عام تجربہ ہے کہ چیزوں کی طلب کے اضافے کے ساتھ ان کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے مزدور یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کی ترقی ایک حد تک محض نمائشی ہو گئی ہے۔ اس لیے اجرت بصورت زر اور اجرت صحیحہ میں فرق کرنا بہت ضروری ہے۔ اول الذکر کا اندازہ تو آسانی سے لگایا جا سکتا ہے اور اس کا اظہار قدر زر کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا آسان ہے کہ فلاں شخص کی اجرت اتنے شلنگ فی ہفتہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب مختلف زمانوں میں مختلف ہو سکتا ہے۔ ایک مورخ جب مختلف زمانوں کے حالات کا مقابلہ اجرت بصورت زر کے ذریعے کرتا ہے تو وہ عموماً دھوکا کھا جاتا ہے۔ آدم اسمتھ اور اس کے بعد کے معاشیین نے اس مشکل کو محسوس کر لیا تھا اور کسی دوسرے معیار مثلاً غلہ یا محنت کو اختیار کر کے اس کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ دونوں بھی کافی پائدار معیار نہیں ہیں۔ مزدور کو جس چیز سے سروکار ہے وہ یہ ہے کہ اسے اپنی اجرت کے معاوضے میں کتنی مقدار میں چیزیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔

اس مقدار کو ہم اس کی اجرت صحیحہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ ہمیں صرف ایک چیز سے نہیں کرنا چاہیئے بلکہ جتنی زیادہ سے زیادہ چیزیں ممکن ہو سکیں ان کے ذریعے کرنا چاہیئے۔ تب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اجرت صحیحہ اس وقت بڑھتی ہے جب زندگی کی ضروریات اور عام طور پر استعمال کی جانے والی تعیشات

زیادہ مقدار میں میسر آنے لگتی ہیں۔ آج بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ حالات ترقی کی طرف مائل ہیں یا تنزل کی طرف اور گزشتہ زمانے کے بارے میں تو ہم بالکل قیمتوں کی تحریری یادداشتوں پر بھروسا کرنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اجرتوں کی تبدیلی سے مختلف زمانوں کے بارے میں ایک سرسری اندازہ تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کا احتیاط کے ساتھ تخمینہ کیا جائے کہ ان سے چیزوں کی کتنی مقدار کو خریدا جا سکتا ہے اور اس کام کے لیے معلوم شدہ قیمتوں کو بنیاد بنایا جائے۔

۱۰۔ انیسویں صدی کی اجرت صحیحہ۔ اس طرح جو نتائج حاصل ہوئے ہیں، ان کا ایک خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اٹھارویں صدی ختم ہو کر جب انیسویں صدی شروع ہوئی، اس وقت اجرت صحیحہ کچھ گر رہی تھی لیکن سنہ ۱۸۱۰ء سے سنہ ۱۸۲۰ء تک یہ بڑھنے لگی۔ اس کے بعد بیس سال تک کم و بیش ایک حالت پر قائم رہی۔ پھر بیس سال سے زیادہ عرصے تک، مجموعی طور پر بڑھتی رہی، اس کے بعد ایک وقفے تک ایک جگہ قائم رہنے کے بعد انیسویں صدی کے آخری بیس سالوں میں بڑھنے لگی۔ پھر قائم ہو گئی اور اب گر رہی ہے۔ بعض وقت اجرت صحیحہ میں کمی، اجرت بصورت زر میں بیشی کے ساتھ واقع ہوئی اور کبھی صورت حال اس کے برعکس رہی۔

اجرت صحیحہ میں کمی، دو طرح واقع ہو سکتی ہے۔ اول تو یہ ہو سکتا ہے کہ صنعتی کساد بازاری ہو اور اس کی وجہ سے تجارت کی حالت خراب ہو اور کام بہت کم مل رہا ہو۔ اس زمانے میں بے روزگاری عام ہو گی جس کے نتیجے کے طور پر اجرت صحیحہ مجموعی طور پر گر جائے گی۔ دوسری صورت اس وقت واقع ہو گی جب قیمتوں میں تو عام ترقی ہو چکی ہو لیکن اجرتیں پیچھے رہ گئی ہوں جس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اجرت بصورت زر کے بڑھنے کے باوجود اجرت صحیحہ گر جائے کساد بازاری کے زمانے میں، ضروریات زندگی کی قیمتیں گر جاتی ہیں کیونکہ ان کی طلب یکبارگی گھٹ جاتی ہے لیکن اس اثر سے پہلی کساد بازاری کے اثرات کی تلافی شاذ و نادر ہی ہو پاتی ہے۔

سنہ ۱۷۶۰ء کے بعد اجرتیں بڑھیں لیکن قیمتیں ان سے زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھیں۔ افلاس میں اضافہ ہوا اور سنہ ۱۸۰۰ء تک حالت یہ ہو گئی کہ اس کا کوئی علاج ہی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ بہت سے دوسرے عوامل بھی موجود تھے۔ سکونت پذیری کے قوانین ابھی تک لوگوں پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ دوسری طرف وہ پرانا انتظام جس نے معاشرت کے شیرازے کو خاصی حد تک قائم رکھا تھا ٹوٹ چکا تھا اور اس کی جگہ پر کوئی دوسری چیز مزدوروں کی حفاظت کرنے اور مالکوں کے مقابلے میں ان کی حیثیت کو قانونی بنانے کے لیے باقی نہیں رہی تھی۔ کارآموزی کے پرانے قوانین سے اگرچہ آزادی میں کمی پیدا ہوتی تھی لیکن ان سے ہنر سیکھے ہوئے لوگوں کا تحفظ بھی ہوتا تھا۔ غلّے کے قوانین نے زندگی کی ابتدائی ضرورت کی چیزوں کی قیمت گراں کر دی تھی۔ جو اور رجئی کی روٹی کا رواج ترک کیا جا رہا تھا اور ان کی جگہ گیہوں کی ڈبل روٹی لیتی جا رہی تھی۔

ملک میں جنگ یا افواہ جنگ کا بازار گرم تھا۔ لیکن مزدور اپنی تعلیم کی کمی کی وجہ سے بدلتے ہوئے حالات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ سب سے آخر میں، اگرچہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے یہ چیز سب سے پیچھے نہیں ہے، محتاجوں کا قانون جو نیک نیتی سے بنایا گیا تھا لیکن جس کے اثرات بہت تباہ کن تھے مزدوروں کے طبقوں کی خود مختاری کو گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ اور زرعی آبادی ذلت کی اس انتہائی حد تک پہنچ گئی تھی جس کے اثر سے وہ ابھی تک پنپ نہیں سکی ہے اس پر صنعتی انقلاب کا صدمہ ستم بالائے ستم کی حیثیت رکھتا تھا۔

۱۱۔ آبادی کی پریشان حالی۔

پھر آبادی کی پریشان حالی نے بھی ان قوتوں کو پیدا کیا جس سے انحطاط اور زیادہ بڑھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب ابتری پھیلانے والے بعض عناصر دور بھی کر دیے گئے تو بھی کوئی قابل لحاظ بہتری پیدا نہ ہو سکی بے اطمینانی بہت زیادہ ہوتی اور جیسا کہ ہوا کرتا ہے جب حالات سدھرنے لگے تو یہ چیز اور بھی نمایاں ہو گئی۔

مزدوروں نے اتحاد کرنا چاہا لیکن جو لوگ برسر اقتدار تھے انھوں نے اتحاد نہیں ہونے دیا اور بہتری کا جو یہ ایک موقع تھا وہ بھی مالکوں کے برسر اقتدار

ہونے کی وجہ سے ضایع ہو گیا۔ جنگ عظیم میں ملک کی حالت کیا تھی اس سے اوپر بحث کی جا چکی ہے اور اگرچہ تجارت باری باری سے خوش حالی اور بدحالی کے دور سے گزرتی رہی لیکن نقصان زیادہ تر مزدوروں ہی کو اٹھانا پڑا۔ اس کے برخلاف مالکوں نے اپنے غیر معمولی منافع کو قایم رکھا۔

غلّے کے قوانین منظور کیے گئے اور ان کے بعد قدرتی طور پر احاطہ بندی کے قوانین بھی منظور کیے گئے۔ سنہ ۱۸۱۵ء میں زمینداروں تک نے یہ محسوس کر لیا کہ مزدوروں کے طبقوں کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے اور جب غلے کی قیمت ۸۰ شلنگ فی کوارٹر ہوئی تو غلے کے داخلے کی اجازت مل گئی۔ سنہ ۱۸۱۱ء سے برابر مغربی رائڈنگ میں کچھ فساد ہو رہا تھا۔ روئی ایک سستی چیز تھی۔ اور اسے غیر ملکوں میں بڑی مقدار میں فروخت کیا جا سکتا تھا لیکن اون کی بکری کم و بیش مقرر تھی۔ چنانچہ اون کی صنعت میں، مشین کا اثر بجائے اس کے کہ پیدایش دولت کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوتا، مزدوروں کی برطرفی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اون کے پارچہ بافوں کو مشین کی نگرانی کرنے پر اتنا اعتراض نہیں تھا جتنا فطرت کی اس تسخیر پر اعتراض تھا جس کی مشین نمایندگی کرتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ یارک شائر میں پہلی دستی مشینوں کا جو مزدوروں کی جگہ استعمال کیے جانے کے بجائے مزدوروں کو مدد دیتی تھیں، خیر مقدم کیا گیا تھا لیکن جب قدرتی طاقتوں نے قوت محرکہ کو فراہم کیا تو بہت سے پارچہ بافوں کا روزگار مارا گیا اور اس کی وجہ سے لڈائٹ کے بلوے رونما ہوئے۔

دستکاروں پر مشین کا تاثر فی الحقیقت کیا ہوا، اس بات کے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ سنہ ۱۷۶۰ء سے سنہ ۱۸۰۰ء تک پارچہ بافوں اور سلائی سے بننے والوں[1] یعنی مزدوروں کے ان طبقوں کی حالت جو خاص طور پر متاثر ہوئے تھے برابر ترقی کرتی رہی آنے والے چالیس سالوں میں دوسری صنعتوں میں تو اتار چڑھاؤ ہوئے لیکن پارچہ بافوں اور سلائی سے بننے والوں کی حالت برابر خراب اور پست ہوتی گئی

Knitters ۱

اس کے چند اسباب تھے۔ لندن اور جنوب میں تو کاروبار کو شمال کی نئی صنعت کی وجہ سے نقصان پہنچا۔ لنکا شائر اور اسکاٹ لینڈ کے مغرب میں ان مزدوروں کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا جو آئرلینڈ سے نقل سکونت کر کے آ رہے تھے اور جن کی زندگی کا معیار پست تھا۔ لیکن بنیادی سبب وہ شدید ترین مقابلہ تھا جسے عدم مداخلت کی پالیسی کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ قیمتوں میں جبریہ کمی غیر ملکی مقابلے کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ اس غیر محتاط مقابلے کی وجہ سے جو ملکی بازار میں انگلستان کے صناع آپس میں کر رہے تھے۔

اس مقابلے کی وجہ سے صرف قیمتیں ہی کم نہیں ہوئیں بلکہ مال بھی گھٹیا قسم کا تیار کیا جانے لگا اور اس کا اثر بعد میں مزدوروں کی اجرت تک پہنچا کیونکہ انیسویں صدی کے نصف اول میں کپڑے کی تجارت کو غیر محدود وسعت دینا ممکن نہیں تھا۔

اس پریشان حالی کے پیدا کرنے میں، مشین کا بھی، عبوری دور میں، کچھ حصہ رہا۔ قوت کے کرگھوں کے عام رواج سے پہلے، دستی کرگھوں پر جو لوگ کپڑا تیار کرتے تھے انھیں ایک نیا مقابلہ ان مزدوروں کا کرنا پڑا، جو کتائی اور دوسرے کاموں میں، مشین کے رواج پا جانے کی وجہ سے برطرف کر دیے گئے تھے۔ یہ برطرف شدہ مزدور قدرتی طور پر دستی کرگھوں پر ہی کپڑا بننے کا کام کرنے لگے۔

قوت کے کرگھے کے اثرات اس وجہ سے اور شدید ہو گئے کہ مزدور فیکٹری میں داخل ہونے کے لیے رضامند نہیں تھے۔ فیکٹری میں کام کرنے کے معنی یہ تھے کہ پرانی روایتوں کو ترک کیا جائے جن کے خلاف کپڑا بننے والے لوگ ایک قرن تک برابر نا کام جد وجہد کرتے رہے۔ لیڈز کے ارد گرد کپڑے کی بنائی کا جو کام کیا جاتا تھا، اس میں اور ناٹنگھم کی لیس کی صنعت میں، اس تبدیلی کی وجہ سے دوسری جگھوں کے مقابلے میں، کم پریشان حالی پیدا ہوئی۔ کیونکہ ان جگھوں میں مال کو مکمل کرنے کے لیے جو کام کئے جاتے تھے، ان میں، مشین کے چلانے میں مہارت اور طاقت، دونوں کی ضرورت ہوتی تھی اور یہ کام جوان مزدور مرد ہی

کر سکتے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ مصیبت کا سامنا روئی کی صنعت میں کام کرنے والوں کو، جہاں قوت کا استعمال سب سے پہلے کیا گیا، اور مڈلینڈ[1] کے ان اضلاع کے لوگوں کو کرنا پڑا جہاں سلائی کے ذریعے بنائی کا کام کیا جاتا تھا لنکا شائر میں ملکی مزدور اور آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے مزدور، روئی کی صنعت کی ان شاخوں میں اکٹھا ہونے لگے جن میں قوت سے چلنے والی مشین ابھی ابتدائی حالت میں تھی اور دستی کرگھے پر کام کرنے والے پارچہ بافوں کی اجرتیں کمترین مصارف خورونوش سے بھی کم ہو گئیں۔ فریم کے ذریعے بنائی کا جو کام[2] کیا جاتا تھا، اس میں مزدور صرف ایک ایسے واحد روزگار کے اندر محدود ہو کر رہ گئے جس میں دقیانوسی اوزاروں سے کام کیا جاتا تھا اور جن میں فریم کے مالکوں کو بہت زیادہ کرایہ[3] ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہاں نظام اجرت بہ شکل جنس[4] کی بدترین برائیاں پھیلی ہوئی نظر آتی تھیں۔

مزدوروں پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ مشین کی مخالفت کرنے میں انھوں نے تنگ نظری سے کام لیا۔ لیکن ان کے پاس ایسا کرنے کی معقول وجہ موجود تھی انھوں نے ایک خاص کام کے لیے مہارت پیدا کی تھی اور اگر یہ کام انھوں نے کارآموز بن کر سیکھا تھا تو پھر تو انھیں ایک بیش قیمت صنعتی تعلیم بھی حاصل کرنا پڑی تھی۔ ممکن ہے انھوں نے مشین کی قوت کا اندازہ غلط کیا ہو اور یہ امید قائم کی ہو کہ آخر میں وہ اسے برباد کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ اکثر صورتوں میں جب وہ مقابلے میں ناکام رہتے تھے تو ان کا انجام تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا کیونکہ آجر، غیر تربیت یافتہ لڑکوں کو ان پر ترجیح دیتے تھے۔ پارچہ بافوں کے لیے یہ موت و زیست کا معاملہ تھا۔

۱؎ Midland knitting Districts

۲؎ Framework knitting

۳؎ Rachrent

۴؎ Truck system

۱۲۔ ترقی کی مخالفت

یہ بالکل صحیح ہے کہ مالک، اپنی خود غرضانہ اور بے رحمانہ پالیسی پر عمل کرنے کے باوجود، حقیقی ترقی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن اس بات کو ہمیں نہ بھولنا چاہیے کہ یہ ترقی ان جلاہوں کو قربان کرکے کی جا رہی تھی جو اس تبدیلی کی وجہ سے نقصان کا سب سے زیادہ شکار بن رہے تھے۔ اگر معاشرے کا تصور، مجرد اکائیوں کے علاوہ، کچھ دوسرا ہوتا، تو اس تکلیف و مصیبت کے ایک بڑے حصے کا تدارک کیا جا سکتا تھا۔ معاشی لحاظ سے یہ صحیح ہے کہ دستی پارچہ بافوں کے مٹنے کی وجہ سے ملک کے اندر بحیثیت مجموعی دولت کا بے انتہا اضافہ ہوا، تاہم اس تبدیلی کو زیادہ تدریجی طور پر اور کم تکلیف پہنچائے ہوئے عملی جامہ پہنایا جا سکتا تھا۔

بلوہ کرنے والوں نے نہ تو کسی کی جان بخشی اور نہ مال کیونکہ یہ بھوکے مایوس لوگ تھے اور آیندہ کے امکانی دور عشرت و کامرانی کا پیشگی تصور کرنے سے بالکل قاصر تھے۔ مالک اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے اور گرنیوں اور مشینوں کی بربادی بہت عام چیز تھی۔ فساد پھیلا اور ناٹنگھم میں جہاں آرک رائٹ کا اپنا کارخانہ تھا بہت سنگین ہو گیا اور بہت سے فسادات ڈربی اور لیسٹر میں بھی جو پڑوس کے ضلع تھے ہوئے۔ لنکا شائر پر ایسا معلوم ہوتا ہے، سب سے کم اثر ہوا۔ روئی کی صنعت برابر زیادہ مزدوروں کو اپنے اندر جذب کرتی رہی۔

ظاہر ہے، اس مخالفت کی وجہ سے ترقی نہیں رک سکی۔ کچھ مالک دھمکی میں آگئے۔ کچھ باقی رہے، کچھ نے سکونت ترک کر دی۔ لیکن مشین کا استعمال روز بروز زیادہ اہم ہوتا چلا گیا۔ مالکوں نے اپنے سیاسی اقتدار سے کام لیا اور عاملہ نے گرنی کے مالکوں کا ساتھ دیا۔ فسادات کو سیاسی جرم سمجھا جانے لگا اور لوگوں کی واقعی شکایتوں کا کوئی علاج نہیں کیا گیا۔

لڈائیٹ کی اصطلاح نیڈ لڈ سے ماخوذ ہے۔ یہ لیسٹر شائر کا ایک پاگل شخص تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہت سال پہلے جراب کے فریموں

کو توڑا تھا۔

اس ہیجان کی وجہ سے سیاسی شورش بھی پیدا ہوئی۔ کابٹ نے مزدوروں کو سمجھایا کہ ان پر غلط طور سے حکمرانی کی جاتی ہے۔ ۱۸۱۹ء میں، سخت پریشان حالی کی وجہ سے لندن میں بھی فساد ہو گیا اور صوبے کے شہروں میں بھی، اشتعال برپا کرنے والے رہنماؤں نے عوام کے بڑے جلسوں میں تقریریں کیں۔ حکومت خائف ہو گئی۔ مانچسٹر میں ایک بڑے جلسے کا انتظام کیا گیا جو بلا شبہ قانونی تھا لیکن مجمع کو قطاریں کھڑا کیا گیا تھا اور جیسا کہ رہنماؤں نے اعلان کیا یہ امن قائم رکھنے کے لیے کیا گیا تھا۔ ایک ممتاز شورش برپا کرنے والے رہنما (ہنٹ) کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی اور جب مجمع نے اس کی حفاظت کرنا چاہی تو سپاہیوں نے مجمع پر گولی چلائی۔ "پیٹرلو" کے اس قتل عام کے بعد ہلکی سی اصلاحیں کی گئیں۔

جارج چہارم ذاتی طور پر، اصلاحات کا مخالف تھا اور ولیم چہارم کا زمانہ مصیبت اور پریشان حالی کے ساتھ شروع ہوا۔ بادشاہ ملک کے مزاج کی برہمی سے ڈر گیا اور امرا پر زور ڈال کر اس نے ۱۸۳۲ء میں متوسط طبقے کو حق رائے دہی دلا دیا۔ اس اقدام کا معاشی اثر اچھا ہوا اگرچہ ترقی تدریجی رفتار کے ساتھ ہی ہوئی۔ ۱۸۳۸ء میں منشوریت[1] کی تحریک شروع ہوئی۔ لیکن ۱۸۴۷ء کے مالی بحران نے اسے دوسرے سال انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ اس کے بعد سے یہ تحریک خطرناک نہیں رہی۔

۳۔ ۱۸۱۵ء کی صلح اور اس کے بعد کا زمانہ۔

۱۸۱۵ء کی صلح کے معاشی اثرات کو دیکھا جا چکا ہے۔ مزدوروں کے اکثر طبقوں کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچا لیکن سب سے زیادہ نقصان زرعی مزدوروں کا ہوا۔ جو چھوٹے زمیندار اب تک بچے رہ گئے تھے، وہ سب کے سب تقریباً برباد ہو گئے نقد ادائی کو دوبارہ اختیار کرنے کی وجہ سے جو یک بیک خراب اثر ۱۸۱۹ء

---

[1] Chartism

میں ہوا تھا وہ بہت جلد زایل ہو گیا اور ۱۸۲۲ء میں ایک معقول نظام سکہ کے رائج ہو جانے سے حالات بہتر ہو گئے۔ دوسری طرف اس کے ایک سال بعد جہاز رانی کے کچھ قوانین منسوخ کر دیے گئے۔ زاید تجارت کی وجہ سے ۱۸۲۵ء کا بحران پیدا ہوا اور کساد بازاری ۱۸۳۲ء تک چلتی رہی۔ اس کے دو یا تین سال بعد زراعت میں نئی زندگی پیدا ہوئی۔ یہ ۱۸۳۴ء کے محتاجوں کے قانون کے بعد رونما ہوئی اور اسے غلے کے قوانین میں اصلاح ہو جانے اور صنعتوں کے ساتھ ہی ساتھ ترقی کرنے کی وجہ سے بہت مدد ملی۔ ۱۸۴۴ء میں راشڈیل پایونیرز نے امداد باہمی کی تحریک کو شروع کیا جس کا ایک نمونہ رابرٹ اوون پہلے تیار کر چکا تھا۔ اس کے دو سال بعد غلے کے قوانین تقریباً منسوخ کر دیے گئے۔ جس ترقی کی امید تھی اس کے رونما ہونے میں ۱۸۴۷ء کے بحران کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اس بحران نے ان لوگوں کو بہت مایوس کیا جن کا یہ عقیدہ تھا کہ پیل کے ۱۸۴۴ء کے قانون بنک کاری کی وجہ سے مالی ابتری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا ہے۔ ۱۸۴۹ء میں جہاز رانی کا آخری قانون بھی غائب ہو گیا۔

۱۴۔ ۱۸۵۰ء کے بعد کی ترقیاں۔

۱۸۵۰ء کو بے قاعدہ طور پر ایک حد فاصل قرار دیا جا سکتا ہے اس سال تک ترقی غیر مسلسل اور محدود رہی تھی گو مجموعی طور پر ترقی حقیقی ضرور تھی۔ اس کے بعد سے ملک کی ترقی زیادہ مسلسل اور زیادہ وسیع ہو گئی۔ آزاد تجارت نے ۱۸۵۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان ملک کی مجموعی دولت کو بے انتہا بڑھا دیا اور اس کی وجہ سے غالباً مزدوروں کی طلب بھی بڑھ گئی، بیسویں صدی کے نئے حالات میں آزاد تجارت کی وجہ سے مزدوروں کی طلب میں اضافہ ممکن ہے پیدا ہو یا نہ ہو لیکن مندرجۂ بالا زمانے میں اس واقعے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح یہ واقعہ بھی کہ آزاد تجارت ہی کی وجہ سے کاروبار میں استحکام کا رجحان پیدا ہوا، پہلے واقعے کے برابر اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں برابر تجارتی بحران کا چکر چلتا رہا۔ لیکن مزدور اس زمانے میں ۱۸۹۰ء تا ۱۸۵۰ء کے مقابلے میں زیادہ باقاعدگی کے ساتھ روزگار سے لگے رہے۔ گیہوں کی آزاد تجارت نے

روئی کی قیمت میں بھی جو مزدوروں کی ابتدائی ضرورت کی چیز تھی زبردست اتار چڑھاؤ کو ہلکا کر دیا۔

ان صنعتوں میں بھی جن کے اندر اجرتوں میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہوا کام جتنی دیر تک روزانہ کیا جاتا تھا، اس میں آہستہ آہستہ کمی کردی گئی جس کی وجہ سے سابقہ اجرت کے کمانے میں زیادہ آسانی پیدا ہوگئی۔ غرض ان قوتوں اور بہتر حالات میں زیادہ باقاعدہ طور پر روزگار ملنے اور اجرتِ صحیحہ کے مسلسل اضافے کی وجہ سے مزدور پیشہ طبقے کی حالت آہستہ آہستہ بہتر ہوگئی۔

گیہوں کی آزاد تجارت کی اہمیت کے بارے میں جتنا بھی کہا جائے کم ہے ۱۸۰۰ء میں فصل اگر خراب ہوتی تھی تو اس کے معنی مزدوروں کی تباہی و بربادی ہوتے تھے ۱۸۷۰ء کے بعد، سردی پہنچا کر، مال کے ذخیروں کو محفوظ کرنے کی ابتدا ہوئی اور اس کی وجہ سے زندگی کی دوسری ضروریات بھی سستی ہوگئیں۔ ۱۸۵۰ء کے بعد آبادی کے اضافے کی شرح کم ہوگئی جس کی وجہ سے ستے مزدوروں کی افراط کا مسئلہ فوری توجہ کا محتاج نہیں رہا۔

مزدوروں کی انجمنوں کی موجودگی سے مزدوروں کو موقع ملا کہ وہ اپنے آجروں کے ساتھ برابر کا مقابلہ کریں۔ ان کی انجمن کا سرمایہ محفوظ کاروبار میں لگا ہوتا تھا اس کے بل پر، اب 'مزدور' ملازمت کے لیے اس وقت تک تیار نہ ہوتے تھے جب تک ان کی اجرت نہ بڑھائی جاتی تھی۔ مزدوروں کی یہ انجمنیں امدادی[1] انجمنوں کے فرائض بھی انجام دیتی تھیں جن کے ذریعے سے انجمن کے اراکین، بیماری اور بڑھاپے کے لیے بھی کچھ نہ کچھ انتظام کرسکتے تھے۔ فیکٹری کے قوانین نے بھی مزدور کی حالت کو بہتر بنا کر اسے موقع دیا کہ کم وقت میں زیادہ مال تیار کرے۔ دوسری طرف قانونی پابندیوں کے اٹھ جانے کی وجہ سے اس کے اندر خود مختاری اور وقار کا ایک نیا احساس پیدا ہوگیا۔

اس ترقی کے پیدا کرنے میں، امداد باہمی کی عظیم الشان انجمنوں کا بھی خاص

[1] Friendly Societies

حصہ ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس طرح کی انجمنوں کی ابتدا راشڈیل پایونیرز اسٹور کے ذریعے عمل میں آئی جسے رابرٹ اووِن کی تعلیم کے زیر اثر قائم کیا گیا تھا۔ ان انجمنوں نے مزدور بھائیوں کی طرح اختیاری انجمن سازی اور اپنی مدد آپ کے قواید کو سکھایا اور مال کو سستا اور کفایت شعاری کی حوصلہ افزائی کر کے مزدوروں کی فلاح و بہبود پر بہت اہم اثر ڈالا۔

تعلیم کی توسیع، سفر کے مواقع، نیز سیاسی اقتدار کے حصول کی وجہ سے عوام کے ہاتھ مضبوط ہوگئے ہیں۔ حق رائے دہی کی تدریجی توسیع سے اب یہ ناممکن ہوگیا ہے کہ مزدوروں کے جائز مطالبات کو نظر انداز کیا جائے۔ صنعتی انقلاب کی بعض بدترین خرابیوں کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ قوم کی قانون ساز مجلس میں مزدوروں کی تو کوئی آواز نہیں تھی البتہ مالکوں اور صناعوں کا پورا اثر تھا۔ جب حق رائے دہی میں ایک مرتبہ توسیع ہوگئی تو فطرت پر انسان نے جو اقتدار حاصل کیا تھا اس میں نیچے کے سب طبقے بھی درجہ بدرجہ شریک ہونے لگے۔

یہ ترقی کئی طریقوں پر ظاہر ہوئی اور انیسویں صدی کے آخری زمانے میں خاص طور پر نمایاں ہوگئی۔ ہڑتالیں کم ہونے لگیں اور ان کی جگہ مالکوں کو رضامند کرنے کے لیے پر امن طریقوں سے کام لیا جانے لگا۔ آجروں اور مزدوروں کے تعلقات بلاشبہ بہتر ہوگئے۔ مالک اور مزدور کے درمیان جو تعلقات پہلے پائے جاتے تھے اور جن کی رابرٹ اووِن اور کابٹ نے تعریف کی تھی ان میں خوبیاں ضرور پائی جاتی تھیں لیکن ان میں سخت خرابیاں بھی تھیں۔ ان میں اکثر ظلم و سفاکی پائی جاتی تھی۔ کارخانوں کے نظام نے ان پرانے ذاتی تعلقات کو ختم کر دیا۔ اس کی وجہ سے شروع میں اگرچہ کھلا نقصان ہوا لیکن جب مزدوروں میں ایک مرتبہ تنظیم پیدا ہوگئی تو ان دونوں طبقوں میں ایسے قابل اطمینان تعلقات پیدا ہونے کا امکان نکل آیا جیسے پچھلے زمانے میں کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ اس چیز کا مشاہدہ ان مصالحتی بورڈوں کی ترقی کو سامنے رکھ کر کیا جا سکتا ہے جو ۱۸۶۰ء کے بعد بہت سی صنعتوں میں قائم کیے گئے۔ اور جن میں پچھلے رواج کے مقابلے میں

زیادہ ترقی یافتہ صورت میں مالک اور اس کے آدمی، ایک ہی میز پر اکھٹے بیٹھ کر باہمی معاہدے کی گفت و شنید کر سکتے تھے۔ دولت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی اگرچہ ابتدا میں بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے اس کے ظاہری اثرات اصل سے بہت زیادہ بڑھے چڑھے دکھائی دیتے تھے۔ بالائی طبقے کی دولتمندی بڑھ گئی لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ موجودہ رئیس زیادہ دولتمند ہو گئے بلکہ یہ تھی کہ ان کی تعداد کل آبادی کے مقابلے میں زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس سے بھی زیادہ اہم یہ بات ہے کہ غریب ترین طبقوں کی تعداد کل آبادی کے مقابلے میں کم ہو گئی۔ دوسری طرف ان کی حالت اپنے ان نمایندوں کے مقابلے میں جو انیسویں صدی کے آغاز میں پائے جاتے تھے بہتر ہو گئی تھی۔ گو یہ صحیح ہے کہ ۱۸۵۰ء میں ان کی حالت ۱۷۵۰ء کے مقابلے میں یعنی صنعتی انقلاب سے پہلے کے مقابلے میں اگرچہ کچھ بہتر تھی تو بس بہت تھوڑی ہی بہتر تھی۔ اسی طرح اس بات کے یقین کرنے کی بھی کافی وجہ موجود ہے کہ بہت زیادہ غریب لوگوں کی تعداد جو فاقہ کشی کی نوبت کو پہنچے ہوئے تھے پہلے سے بہت کم ہو گئی تھی۔

اس مقابلے کو ہمیں حد سے زیادہ نہ بڑھانا چاہئے کیونکہ ۱۹۰۰ء میں بھی افلاس و نکبت اور عرق ریز محنت ہر جگہ دکھائی دیتی تھی۔ اس قسم کا مقابلہ صرف اضافی حیثیت سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ۱۹۰۰ء میں، مزدور پیشہ طبقوں کی حالت انیسویں صدی کے آغاز کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر تھی۔ ۱۸۰۰ء میں جس معاشری نظام اخلاق پر عملدرآمد تھا وہ جنگلی لوگوں کا نظام تھا لیکن ۱۹۰۰ء تک، رائے عامہ میں قطعی طور پر تبدیلی ہو گئی تھی اور جماعتی احساس بیدار ہو چکا تھا۔

۱۵۔ عوام کی اخلاقی ترقی

اس کے علاوہ، مزدوروں کے اندر، ایک ایمردں کا طبقہ بھی نمایاں ہونا شروع ہو گیا، ناشایستہ و غیر مہذب مزدور پیشہ طبقے میں کارلائل کے خیالات اور رادوں اور ابتدائی اشتراکیین کے تصوریت[۱]

---

۱ Idealism

کے زیر اثر آزادانہ ترقی کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ بہت سی غلطیاں کی گئیں جن میں سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ مزدوروں نے متوسط طبقے کے ذہنی تجربے سے فائدہ اٹھانے سے انکار کردیا۔ لیکن مزدوروں میں جو جذبہ کام کر رہا تھا وہ اپنی جگہ پر تندرستی کی علامتوں کو پوری طرح ظاہر کرتا تھا وہ یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ محنت صرف زبردستی کا کام نہیں ہے بلکہ ان کے اندر کام کی خاطر کام کا پرانا جذبہ نمایاں ہونے لگا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مالکوں اور مزدوروں کے تعلقات بہتر ہوگئے اور اس بات میں تو شک شبہے کی کوئی گنجایش ہی نہیں رہی کہ پابندی اور ماتحتی کے پرانے تعلقات لازماً فنا ہوجائیں گے۔ حسب سابق یہاں بھی حالت جب بہتر ہوئی تو اس کی تحریک سے جو پابندیاں باقی رہ گئی تھیں ان کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ کشمکش ابھی تک جاری ہے اس کا انجام چاہے جو کچھ بھی ہو۔ صنعتی انقلاب نے مزدوروں کو، مالکوں کے مقابلے میں، (کم سے کم نام کے لیے) معاشی آزادی دی تھی لیکن اب ندریجی کے نئے دور استبداد کے خلاف محاذ جنگ قایم کردیا گیا ہے۔

اخلاقی ترقی کا عکس، امداد باہمی اور پس اندازی کی صورت میں نظر آنے لگا۔ پس اندازی میں خاص ترقی اس وقت ہوئی جب ۱۸۱۷ء میں، سیونگس بینک قایم کیے گئے۔ امدادی انجمنوں[۱] اور مزدوروں کی انجمنوں کے ایک شعبے کے مقاصد یکساں تھے۔ ان اصلاحات اور امداد باہمی کی وجہ سے (جس کی اہمیت انگلستان میں دولت کی پیدایش کے کام میں اتنی نہیں ہے جتنی دولت کے تقسیم کے کام میں ہے) مزدور پیشہ طبقوں کو اپنی اجرت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور موثر ترین طریقے پر خرچ کرنے کا موقع میسر آگیا ہے اور سرمایۂ محفوظ کی موجودگی کی وجہ سے انھیں نہ صرف اُدھار فروخت کرنے والے خردہ فروشوں کی گراں قیمتوں سے نجات مل گئی بلکہ اس کے ذریعے سے مصیبت کے ایام کو بھی آبرو کے ساتھ گزار سکتے تھے۔

[۱] Friendly Societies

دوسری کارآمد علامت یہ تھی کہ مزدور اب ان صنعتوں کی طرف مائل ہیں جہاں اجرتیں اچھی ملتی تھیں اور یہ صنعتیں عام طور پر وہ تھیں جہاں مہارت کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی۔ اس کے معنی مجموعی طور پر یہ تھے کہ ان کے کام کے حالات بھی بہتر ہو جاتے ہیں کیونکہ مالکان صنعت نے پیدایش کی ان شاخوں میں جہاں کام یکساں قسم کا ہوتا ہے اور جسے مشین کر سکتی ہے آدمیوں کے بدلے مشین ہی سے کام لینا شروع کر دیا۔

ترقی کی سب سے زیادہ صاف نشانی غالباً یہ ہے کہ کاریگروں کے طبقے کو آہستہ آہستہ وہ آسایشیں میسر آگئیں جو عہد وسطیٰ کے اعلیٰ ترین طبقوں کو بھی نصیب نہیں تھیں حالانکہ اس زمانے میں دولت کے خرچ کرنے کا خاص طریقہ نمود و نمایش کو ہی سمجھا جاتا تھا۔ عہد وسطیٰ کے نادر گرم مسالوں اور دوسری بہت سی بیش قیمت تعیشات پر ہر کس و ناکس کو دسترس حاصل ہو گیا۔ دوسری طرف آرام و آسایش کے بہت سے ایسے سامان جن کا پہلے کسی کو علم بھی نہیں تھا اب عام طور پر استعمال کیے جانے لگے۔ ایک کاریگر کا نہ صرف مکان گزشتہ زمانے کے ایک بادشاہ کے محل کے مقابلے میں زیادہ آرام رساں بن گیا بلکہ قومی دولت کے بہت سے ذرایع مثلاً ریل، سستی ڈاگ (رولینڈ ہل نے ایک پنس کا ٹکٹ لگا کر، انگلستان کے اندر جہاں چاہو خط بھیجو کے انتظام کو سنہ۱۸۴۰ء میں رائج کر دیا تھا) اور پارکوں کو سب طبقوں کے لوگ ان قیمتوں پر استعمال کر سکتے تھے جو ان مصارف کے مقابلے میں جو اسی قسم کے فواید حاصل کرنے کے لیے پرانے زمانے میں کرنا پڑتے تھے بالکل بے حقیقت معلوم ہوتے ہیں۔

بدقسمتی سے اس ترقی کا ایک خراب پہلو بھی تھا یعنی دولتمند طبقوں میں جذبۂ نمود و نمایش لیکن اس کا اثر مزدوروں پر بہت کم پڑا، اگرچہ فضول خرچی ان میں بھی عام تھی۔ لباس کے لیے سستے کپڑوں کی وجہ سے فیشن میں تبدیلیاں تیزی کے ساتھ ہونے لگیں جن سے آخر میں سب ہی طبقے متاثر ہوئے دوسری طرف صناع بھی طلب کی ان تبدیلیوں سے فائدہ اٹھانے میں پیچھے نہ رہے اس کے

علاوہ سفر بھی تعطیلوں اور تفریحوں کے ساتھ ساتھ عام طور پر بہت مقبول ہو گیا اور اس کا برا پہلو یہ تھا کہ لوگوں میں جم کر کام کرنے کی طرف سے بیزاری اور روز افزوں بے چینی اور بے قراری پیدا ہو گئی۔ لیکن ان چیزوں کو ایک حقیقی ترقی کا ناگزیر لوازمہ قرار دیا جا سکتا ہے[1]۔

۱۶۔ مصنوعات کی ارزانی۔ اگر صنعتی انقلاب کے کسی ایک بلاواسطہ اثر کو سب سے زیادہ اہم مانا جا سکتا ہے تو وہ یہ تھا کہ بیشتر صنعتی اشیا بہت ارزاں ہو گئی تھیں۔ بقیہ جتنے اثرات تھے ان میں سے اکثر اسی کے نتیجے کے طور پر رونما ہوئے یعنی ٹھیک اس وقت جب کہ غلّے کے قوانین کی منسوخی کی وجہ سے گھر کے اخراجات میں گیہوں کی قیمت سب سے اہم عنصر نہیں رہی تھی مصنوعات ارزاں ہو رہی تھیں اگرچہ اس ترقی کو اس وقت جب کہ صنعتی اشیا، ادنیٰ درجے کی ہوتی تھیں، یقینی طور پر، محض نمائشی ہی کہا جا سکتا تھا۔ صنعت کی حالت اتنی درست ہو گئی تھی کہ کام کے روزانہ گھنٹوں کو کم کرنے کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس کو اس نے آسانی سے جھیل لیا۔

جو چیزیں گھر پر تیار کی جاتی تھیں اگر وہ کسی اضافہ پذیر طلب کو پورا کرتی تھیں اور ان کی رسد قانون تقلیل حاصل کی پابند ہوتی تھی تو ان کی قیمت بڑھنے لگتی تھی۔ چنانچہ گوشت اور دودھ مکھن کی قیمت پر خصوصاً شہروں کے نزدیک اسی قسم کا اثر پڑا۔ کرایے بھی بڑھنے لگے لیکن ان کے اضافے کے ایک حصے کو دراصل صفائی کے بہتر انتظام اور حکومت کے دوسرے کاموں کی قیمت سمجھنا چاہیئے۔ شہر میں نقل و حمل کے تیز رفتار انتظامات کا جب رواج ہوا تو شہر میں کرایوں میں کمی ہونے لگی۔ ان نفع رساں اثرات کا خلاصہ اس بات کی طرف متوجہ کر کے کیا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۸۵۰ء اور سنہ ۱۹۰۰ء کے درمیان اجرت بصورت زر میں پچاس فی صدی اضافہ ہو گیا۔

۱۷۔ نئی صدی: بے روزگاری۔ نئی صدی جب شروع ہوئی تو بعض اعتبار سے

---

[1] اس موضوع پر ٹائن بی کے لکچر اب بھی مفید سمجھے جا سکتے ہیں۔

پچھلی ترقی کی رفتار معکوس ہو گئی اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ قیمتوں میں جو بہت زیادہ اضافہ ہو چکا تھا، اس کی تلافی، اجرتوں میں متناسب اضافہ کر کے نہیں کی گئی۔ تجارت میں جنگ سے پہلے بھی خاصی خوش حالی پائی جاتی تھی اگرچہ زراعت کی حالت پست تھی۔ لیکن مزدوروں کو اس ترقی کے حصے میں پوری طرح شریک نہیں کیا گیا اور بے روزگاری کا خاتمہ نہیں ہوا۔ قیمتوں میں اس اضافے کا کچھ حصہ ترقی یافتہ حالات کا نتیجہ تھا لیکن کچھ حصہ زر رائج کی افراط کی وجہ سے بھی پیدا ہوا تھا۔ (ملاحظہ ہو قیمتوں کا باب)۔

جب تجارت میں انحطاط ہوتا ہے تو بے روزگاری کا مسئلہ معاشرت کا اہم مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس کے اسباب کے بارے میں ہمیں اب کچھ واقفیت ہو گئی ہے۔ پچھلے زمانوں میں بے روزگاری کے مسئلے کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں تھی کیونکہ تجارت میں زیادہ ثبات و پائداری پائی جاتی تھی اور مزدوروں کے لیے زمین سے فائدہ اٹھانے کا امکان ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ بے روزگاری کا پہلا سبب تو سرمایہ دارانہ صنعت میں اتار چڑھاؤ ہے جس کا پیدا ہونا اس حالت میں لازمی ہے جب کہ چیزیں فرمائش پر تیار نہیں کی جاتیں بلکہ اس متوقع طلب کو پورا کرنے کے لیے تیار کی جاتی ہیں جو ہو سکتا ہے کہ موجود نہ ہو۔ پھر ایک خاص صنعت و تجارت سے باہر بھی کچھ تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں اور طلب پر اثر ڈال سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ سب صنعتوں میں ایک ساتھ اتار چڑھاؤ کا میلان بھی پایا جاتا ہے۔ یہ اتار چڑھاؤ کچھ تو مادی ہوتا ہے جس کا دار و مدار حقیقی طلب پر ہوتا ہے اور کچھ نفسیاتی جس کا دار و مدار صناع کی ذہنی حالت پر ہوتا ہے۔ ہر دو صورت میں جب کبھی کساد بازاری آئے گی تو مزدوروں کو نقصان پہنچے گا۔

دوسرا سبب، مزدوروں کی ایک محفوظ تعداد[1] کا وجود ہے۔ اس کی ضرورت تجارت کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر مالک کے پاس گرم بازاری

[1] Reserve of Labour

کے زمانے میں مزدوروں کی ایک خاص تعداد موجود ہو تو جب تجارت کم ہوگی تو اس میں سے کچھ کو برطرف کرنا ہی پڑے گا۔ اور یہ لوگ کسی دوسری صنعت و تجارت میں نہیں لگ سکیں گے کیونکہ وہ بھی غالباً کساد بازاری کا شکار ہونگی کچھ نہ کچھ محفوظ تعداد تو سرمایہ داری نظام میں ہونا لازمی ہے۔ لیکن حالات نے اس تعداد کو جتنا ہونا چاہئیے تھا اس سے زیادہ کردیا۔ زمین سے بے تعلق ہوجانے کی وجہ سے، اس مزدور کے لیے جو گاہ بگاہ فیکٹری میں کام کرتا تھا، آمدنی کا ایک امکانی ذریعہ مفقود ہوگیا۔ اس کے علاوہ، سکونت پذیری اور کارآموزی کے قوانین کی منسوخی کی وجہ سے، سنہ ۱۸۱۴ء کے بعد سے، مزدوروں سے چھوٹی مدت کے واسطے کام کرنے کے معاہدے کیے جانے لگے۔ فرض کیجیے مزدوروں کی ایک کمترین تعداد ایسی ہے جو مستقل طور پر روزگار سے لگی رہتی ہے تو اس سے جو زیادہ تعداد، کاروبار کے ہماہمی کے زمانے میں درکار ہوگی، اس کو مزدوروں کی محفوظ تعداد قرار دیا جائے گا۔ لیکن جب چھوٹی مدت کے لیے ملازم رکھنے کے معاہدے مزدور سے کیے جائیں گے تو سالوں کی ایک خاص مدت کے دوران میں جن آدمیوں کو ملازم رکھا جائے گا ان کی تعداد زیادہ ہوجائے گی۔ چنانچہ اس کی وجہ سے مزدوروں کی محفوظ تعداد بھی زیادہ ہوجائے گی۔ اس کے علاوہ، صنعتی انقلاب کے بعد ذاتی تعلقات کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔ اتفاقی طور پر جو آدمی بھی مل جاتا تھا اسے کام پر لگا دیا جاتا تھا۔ مالک کے پاس اب کام کرنے والے لوگوں کی کوئی ایسی مقررہ کمترین جمعیت نہیں تھی جن سے وہ ذاتی طور پر واقف ہوتا تھا۔ بلکہ طویل مدت کے دوران میں جو لوگ واقعتہً اس کے یہاں ملازمت کرچکے تھے ان کی تعداد بڑھ گئی تھی کیونکہ اب آجر کسی ایک کام کرنے والے کے مقابلے میں دوسرے کو ترجیح نہیں دیتا تھا بلکہ مختلف اوقات میں مختلف آدمیوں کو بھرتی کرتا رہتا تھا۔

سرمایہ داری کے پیدا کردہ حالات میں یہ محفوظ تعداد ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ اسی طرح اتار چڑھاؤ بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ۱۸۶۷ء تک، مالی بحران، ہر دسویں گیارھویں سال باقاعدگی کے ساتھ واقع ہوتے رہے اور انکے ساتھ ساتھ صنعتی اتار چڑھاؤ بھی رونما ہوتے رہے۔ اس کے بعد کساد بازاری، اگرچہ اتنی سخت

تو نہیں رہی لیکن زیادہ جلد جلد واقع ہونے لگی۔ صنعتی گرم بازاری جتنی زیادہ ہوگی اتنی یقینی طور پر، اس کے بعد، کساد بازاری رونما ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح آجر کو غیر معمولی منافع ملتے ہیں اسی طرح کساد بازاری کی سختیوں کو بھی اسے اچھی طرح جھیلنا پڑتا ہے۔ لیکن مزدوروں کے محفوظ دستے کو جلد یا بہ دیر نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

۱۸۔ معاشی نظریے۔

(۱) فطرائیئین:- ایک دور کے معاشی خیالات اور نظریے عام طور پر اسی دور کے حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں یا ان سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے فرانسیسی فطرائیئین جن کی رہنمائی ٹرگو اور کوئینے نے کی، معاشیین کی پہلی وہ جماعت ہیں جنھیں اہم سمجھا جاسکتا ہے۔ ان کے زمانے میں فرانس کے مزدور ظلم اور محاصل کے بوجھ سے پسے جارہے تھے اور زمین کی پیداوار، امرا کے ایک نکمے طبقے کو دولتمند بنا رہی تھی۔ اس لیے فطرائیئیوں نے یہ فرض کیا کہ صرف زمین ہی دولت پیدا کرتی ہے۔ تاجر اور دستکار دولت پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ دولت کی صرف شکل بدلتے ہیں اور درباری لوگ تو قطعی طور پر دولت کو ضایع کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی فرض کیا کہ اجرتیں اس نقطے کی طرف مایل رہتی ہیں، جس پر زراعتی مزدور اپنے آپ کو بس زندہ اور اپنی نسل کو قائم رکھ سکتا ہے۔

(۲) آدم اسمتھ:- (۱۷۲۳ء تا ۱۷۹۰ء) انگریزی علم المعیشت کا بانی تھا اور بہت سی باتوں کے لحاظ سے فطرائیئیوں کا شاگرد تھا۔ وہ چونکہ اس ملک میں رہتا تھا جہاں تجارت وصنعت کو فرانس کے مقابلے میں زیادہ اہمیت حاصل تھی اور جہاں کے ادنیٰ طبقے خاصے خوش حال تھے اس لئے اس نے تمام مزدوروں کو ایک واحد زمرے میں شامل نہیں کیا بلکہ کاریگروں اور مزدوروں کے مختلف طبقوں میں جو اختلافات پائے جاتے تھے ان کا تجزیہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ برطانیہ

لہ باب اول میں معاشیین کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کا صرف ایک عام خاکا کھینچا گیا تھا۔ ذیل کی فصلوں میں زیادہ مخصوص تفصیلات پیش کی جائیں گی۔

تبدیلی کے دور سے گزر رہا ہے اور اس نے معاشی آزادی کی تبلیغ میں فطر آئینیوں کی پیروی کی۔ وہ سکونت پذیری کے قوانین کا جو مزدوروں کو اپنے کلیسائی حلقے کے اندر پابند رکھتے تھے اور تجارت کے تمام دوسرے موانعات کا مخالف تھا البتہ اس نے جہاز رانی کے قوانین کو اپنی اس مخالفت سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔

اس کا عقیدہ تھا کہ لوگ اپنے مفاد کا فیصلہ خود ہی بہترین طریقے پر کر سکتے ہیں اور اگر معاشی آزادی کو ایک قاعدۂ کلیہ بنا دیا جائے تو ملک مجموعی طور پر خوش حال ہو جائے گا۔ اگرچہ اس کے خیالات اپنے بہت سے ہم وطنوں سے بہت آگے تھے لیکن پھر بھی اس کے اندر دوسرے مفکرین مثلاً ہیوم کے خیالات کا عکس نظر آتا ہے اور اس کے خیالات وہ تھے جن کی طرف کل قوم آہستہ آہستہ مایل ہوتی جا رہی تھی۔ گو اس کی زندگی کا زمانہ صنعتی انقلاب سے پہلے ختم ہو گیا لیکن اس کی تصنیف کو تیاری کے دور کا ماحصل سمجھنا چاہیئے۔ جب اس کے خیالات کل قوم میں پھیل گئے تو ان عملی اور نظری معاشیات پر بہت زبردست اثر پڑا۔

تقسیم عمل کے طریقۂ کار کی جس پر موجودہ نظام صنعت مبنی ہے جس طرح اس نے تشریح کی تھی وہ بہت مشہور و معروف ہے اور اس سے آئندہ ہونے والی ترقیوں کی پیشین گوئی ہوتی تھی فطر آئینیوں کے خیالات میں اس نے یہ بات ثابت کر کے اصلاح و ترقی کی کہ اگر سرمایہ آبادی کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے بڑھے تو اجرتیں بھی کم از کم ایک مدت کے لیے بڑھ سکتی ہیں۔

(۳) مالتھس :- آدم اسمتھ کی پیروی' ابتدا میں معاشیین کے ایک قنوطی گروہ نے کی جس کے نظریوں کی بنا مزدور پیشہ طبقوں کی نکبت و فلاکت تھی۔ مالتھس کو (۱۷۶۶ء تا ۱۸۳۴ء) شہرت اپنے اس مضمون کی وجہ سے حاصل ہوئی جو اس نے آبادی کے اصول پر لکھا تھا۔ قانون تقلیل حاصل اس کا اصول موضوعہ تھا۔ پچھلے قرن میں بہت سی مثالی[1] تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ مالتھس نے ان کے جواب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگر ایک اشتراکی معاشرے

---

[1] Utopian

کو کامیابی کے ساتھ شروع بھی کردیا جائے گا تو بھی آبادی کے اس اضافے کی وجہ سے جو حالات کی بہتری کے بعد رونما ہوگا، حالات دوبارہ خراب ہو جائیں گے۔ چنانچہ صنعتی انقلاب کی وجہ سے بہت فلاکت پیدا ہوئی کیونکہ آبادی بڑھ گئی تھی۔ ایک بڑی آبادی کے لیے زیادہ غذا کی ضرورت ہوتی ہے جس کو صرف خراب تر زمینوں کو کاشت میں لاکر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اس لیے اس نے یہ فرض کیا کہ بہتر حالات کی وجہ سے آبادی اضافے کی طرف مایل ہو جاتی ہے یہاں تک کہ لازمی خورد و نوش کی پرانی حد تک دوبارہ پہنچ جاتی ہے۔ اپنی اس دلیل کی تائید میں اس نے تاریخی شواہد کو پیش کیا۔ اُسے معلوم ہوا کہ آبادی کے اضافے کو دو ہی چیزیں روکتی ہیں یعنی عیوب اور فلاکت اور اس کے زمانے میں یہ موانع اپنے بُرے اثرات کے ساتھ، واقعی کارفرما تھے۔

بعد میں اس نے ایک نئی رکاوٹ کو بھی دریافت کیا جو اختیاری تھا وہ اس بات کا قائل تھا کہ شادی میں تاخیر کرنے سے بھی آبادی کو قائم حالت پر رکھا جاسکتا ہے اور بہتر حالات کو مستقل بنایا جاسکتا ہے۔ مثالی معاشرتؔ[1] کی اسکیموں پر جو اعتراض کیا گیا تھا وہ ظاہر ہے اس سے رفع ہوگیا۔ دوسری طرف امید کی ایک کرن بھی نظر آنے لگی اور مالتھس کے نتائج نے زیادہ مکمل صورت اختیار کرلی۔

مالتھس نے دو بڑی غلطیاں کیں۔ ایک تو اس نے یہ نہیں سمجھا کہ آبادی کے بڑھنے کے ساتھ، دولت کے پیدا کرنے کی قوت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اُسے غیر معمولی لاٹ کی وجہ سے دھوکا ہوگیا۔ بہت سے ملک ایسے ہیں جو ایک بڑی زراعتی آبادی کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں مثلاً چین۔ پھر وہ ان بڑی ترقیوں کے بارے میں بھی پیش بینی سے کام نہیں لے سکا جو نقل و حمل اور نئے ملکوں کے وسائل کے دروازے کھلنے اور زراعت کے نئے طریقوں کے دریافت ہو جانے کی وجہ سے رونما ہونے والی تھیں اور جنھوں نے مجموعی طور پر غذا کو سستا کردیا۔ اس نے ایک بڑی آبادی کی اس زاید قوت پیدا آوری کا اندازہ بھی پوری طرح

[1] Utopian

نہیں کیا جو باہمی امداد، تنظیم اور تقسیم عمل سے پیدا ہوئی ہے۔ جب حالات بہتر ہوئے ناگزیر اشیائے خوراک کی حد پیچھے رہ گئی اور اس کے نظریے کا اطلاق کم از کم ملتوی ہو گیا۔

(۴) رکارڈو:۔ (۱۷۷۲ء تا ۱۸۲۳ء)۔ رکارڈو نے بھی اسمتھ کی پیروی کی۔ مالتھس کا اس پر اثر پڑا اور اس نے بھی اسی مایوسی کے دور میں زندگی بسر کی جس میں مالتھس نے کی تھی۔ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے ادنیٰ قسم کی زمینوں کو زیر کاشت آتے اور لگانوں کو بڑھتے ہوئے دیکھا لگان کے ایک قانون کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جن ادنیٰ ترین زمینوں کو کاشت میں لایا جاتا تھا ان کو بھی اپنا خرچ نکالنا ہی پڑتا تھا اس لیے قیمتوں میں اضافہ ہو گیا اس کی وجہ سے بہتر زمینوں کی کاشت زیادہ نفع بخش ہو گئی اور ان کے لیے زیادہ لگان ادا کرنا ممکن ہو گیا۔ معاشی لگان اس فرق کا نام ہے جو زیر بحث زمین کی قوت پیدا آوری اور خراب ترین زیر کاشت زمین کی قوت پیدا آوری میں پایا جاتا ہے[1]۔

رکارڈو نے اجرت کے معاملے میں اسمتھ کی پیروی کی۔ لیکن مالتھس نے اس کے اندر جو اصلاح بعد میں کی تھی، اسے اس نے یہ کہہ کر قبول کر لیا کہ کمترین خورد و نوش کا مدار لوگوں کے رسم و رواج اور عادات پر ہوتا ہے جس کی بنا پر جب مزدور اپنے زندگی کے معیار کو بلند کر لیتے ہیں تو ان کو زیادہ معاوضہ ملنے لگتا ہے۔ اس نے بتایا کہ قدر کا رجحان یہ ہے کہ وہ مصارف پیدائش کی تابع رہتی ہے یعنی چند شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے یوں کہیے کہ جس قدر محنت صرف کی جائے اسی کے تابع رہتی ہے۔

رکارڈو ایک یہودی تھا جس کا ذہن مالیات کے لیے قدرتی طور پر بہت موزوں تھا۔ چنانچہ اس نے زر اور بین الاقوامی تجارت کے نظریوں کی بنیاد رکھی۔

(۵) معاشیین کا اثر:۔ انفرادیت کی ترقی پر، معاشیین کا جو اثر پڑا

[1] جب کہ دونوں کی کاشت میں سرمایہ اور محنت کی مساوی مقدار کو استعمال کیا جائے۔

باب اول کے عام جائزے میں اس کو شامل کیا جا چکا ہے۔ لیکن یہاں اس کی طرف دوبارہ اشارہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انیسویں صدی کے نصف اول میں، اسنادی معاشئیین کا اثر مزدوروں کے لیے بہت نامبارک ثابت ہوا۔ ریکارڈو اور مالتھس براہ راست با اثر لوگ تھے۔ انھیں آدم اسمتھ سے ایک ایسا فلسفہ ترکے میں ملا تھا جس کے دو خاص اصول تھے۔ ایک تو انفرادی آزادی کی اعلیٰ قدر پر اعتقاد اور دوسرے اس بات کا یقین کہ فرد جب اپنے مفاد کے لیے کام کرتا ہے تو اس سے جماعت کے مفاد کو بھی ترقی ہوتی ہے۔ ان اصولوں میں ایک تیسرے اصول کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے جو صرف اسمتھ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا یعنی ناقابل تبدیل قانون پر عقیدہ۔

انفرادی آزادی پر اعتقاد رکھنے کی وجہ ہی سے، مملکت نے اشتراک کے قوانین وضع کیے جن کے ذریعے ایسی انجمنیں بنانا ممنوع قرار دیا گیا جن سے تجارت میں مداخلت ہوتی ہو۔ اسی طرح الزبتھ کے مزدوروں کے قوانین کو منسوخ کیا گیا ان طریقوں سے مملکت نے مزدور کو مقابلے کی اندھی قوتوں کے حوالے کر دیا۔ انیسویں صدی کے بیشتر حصے میں، مملکت کا جو خالص منصفیانہ رویہ، مزدوروں اور صنعتی مسائل کی طرف رہا (جس سے صرف ایک فیکٹری کے قوانین کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے) وہ ریکارڈو اور مالتھس کی علم المعیشت کے اس غلبے کا نتیجہ تھا جو اس زمانے کے پبلک رہنماؤں کے دماغ پر اس وقت بھی باقی رہا جب اس کے بہت سے اصول تجربے کی کسوٹی پر پورے نہ اترے۔

ناقابل تبدیل اصول اور ناگزیر معاشی قانون پر اعتقاد، مزدوروں کے نقطۂ نگاہ سے، اس سے بھی زیادہ اہم چیز تھی۔ اس کے ذریعے سے، موجودہ نظام کو علم کی طرف سے فتویٰ جواز مل گیا۔ ریکارڈو کی تعلیم یہ تھی کہ اجرتوں کا تعین انسان نہیں کرتے بلکہ وہ قدرتی اسباب کرتے ہیں جو انسان کے قابو سے باہر ہیں۔ مالتھس نے یہ تبلیغ کی کہ اگر آبادی کو انسانی ارادے کے ذریعے سے روکا نہ جائے تو اس کے اندر یہ قدرتی اور ناگزیر رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ دوڑ کر ذرائع خوراک سے آگے نکل جاتی ہے۔ ریکارڈو نے اس کے اندر یہ اضافہ کیا کہ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ

ادنیٰ سے ادنیٰ تر زمینوں کو زبردستی کاشت میں شامل کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے از خود زمیندار کا حصہ، اجرت اور منافع کے مقابلے میں زیادہ ہو جاتا ہے۔

تمام کلاسیکی معاشیین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ غربت و افلاس کا علاج نہ تو خیرات کے سرکاری انتظامات ہو سکتے ہیں اور نہ قدرت کے مفید قوانین کے عملدرآمد میں مملکت کی طرف سے کوئی رخنہ اندازی کرنا سود مند ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آبادی کے شرح اضافہ میں اختیاری طور پر کمی پیدا کی جائے۔ غرض غریبوں کو خود، اپنی حالت کا ذمہ دار قرار دے دیا گیا۔ علم کی اس شہادت نے کہ معاشرتی خرابیاں ناگزیر ہیں اور ان کا علاج، مملکت کے اختیار میں نہیں ہے، عوام کے ضمیر کو مطمئن کر دیا۔

ہمیں یہاں اس بات سے سروکار نہیں ہے کہ ریکارڈو اور مالتھس کے قوانین، صرف مخصوص حالات (یعنی غیر پابند مقابلے کی صورت) میں ناقابل تبدیل قرار دیے گئے تھے نیز یہ کہ ان کے بہت سے نظریوں کی صداقت، ان کے زمانے کے مخصوص حالات کے ساتھ ایک اضافی نسبت رکھتی تھی۔ ہمارے لیے جو بات سب سے اہم ہے، وہ یہ کہ ان کے وضع کردہ اصولوں کو رائے عامہ کے ذمہ دار رہنما صحیح مانتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس صدی کے بیشتر حصے میں معاشیات کا اخلاقیات سے اور دولت کا فلاح و بہبود سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔

(۶) مخالفوں کی جماعت:- لیکن مزدور پیشہ طبقے نے اپنی تباہ حالی کے اس معاشی جواز کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بغاوت نے مختلف شکلیں اختیار کیں۔ انتہاپسندی، اشتراکیت، مزدور سبھا تحریک اور منشوریت۔ ان تحریکوں کو جدا کرنا مشکل ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے سے بالکل آزاد نہیں تھیں مختلف جماعتوں کے رہنماؤں کے درمیان شدید اختلاف رائے پایا جاتا تھا لیکن ہر خیال کے اعتدال پسندوں میں بہت سی مشترک باتیں تھیں۔ مزدوروں کی انجمن کی اصل تحریک سے آئندہ ایک جداگانہ باب میں بحث کی جائے گی لیکن ایسا صرف سہولت کے خیال سے کیا جائے گا۔

۱۹۔ افراطیت انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں، افراطیت کا کوئی مقررہ مسلک نہیں تھا۔ افراطیوں کی گئی جماعتیں، متوازی اور ایک حد تک آزاد راہ پر کام کر رہی تھیں۔ ایک طرف وہ فلسفی تھے جن کا رہنما بنتھم تھا۔ دوسری طرف پارلیمنٹ کی وہ جماعت تھی جس کا سر فرانسس برڈٹ مخصوص نمایندہ تھا اور آخر میں ٹام پین سے لے کر کابٹ اور رہنٹ تک۔ سب طرح کے بازاری لیڈر اور شورش پسند رہنما تھے۔ ایک لحاظ سے ان مختلف گروہوں کے منفرد اراکین میں بہت کم مشترک باتیں پائی جاتی تھیں مثلاً پین ان قدرتی حقوق کا ماننے والا تھا جن کے نام کو سن کر بنتھم کے پیرو مشتعل ہو جاتے تھے۔ کابٹ، صنعتی انقلاب کی ناکام مخالفت میں لگا ہوا تھا جسے بقیہ تمام افراطیوں نے قبول کر لیا تھا۔ اور وہ اصل میں ایک زرعی مصلح تھا۔ بنتھم کے وہ پیرو جن کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ اشتراکی خیالوں کے ایسے ہی سرگرم مخالف تھے جیسے کہ کاروباری طبقے کے لوگ تھے اور فرانسس پلیس تک نے ریکارڈو کی معاشیات کو قبول کر لیا تھا لیکن ایک بات ضرور ایسی تھی جس پر ہر خیال کے لوگ متحد تھے اور وہ پارلمنٹ کی اصلاح اور حق رائے دہی کی توسیع کا مسئلہ تھا۔

جزئیات سے قطع نظر، معاشری مسئلے کا جو حل افراطیوں نے پیش کیا تھا وہ یہ تھا کہ سیاسی اقتدار کو وسیع کیا جائے۔ کابٹ نے اس بات کی خاص طور پر تبلیغ کی کہ پارلیمنٹ کی اصلاح، معاشی اصلاح کی اولین شرط ہے اور افراطیوں کی کل جماعت میں وہی شخص ایسا تھا جس کا اثر انیسویں صدی کی ابتدا میں مزدوروں کے طبقوں میں سب سے زیادہ تھا۔

کابٹ کا خاص طور پر ذکر کرنا اس لیے بھی مناسب ہے کہ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا صحافت داں تھا۔ سولے نے اس کا شمار ان جادو بیان مقرروں میں کیا ہے جو عیسائیت کی تبلیغ کا کام کیا کرتے تھے۔ اس کا اخبار پولیٹیکل رجسٹر جسے ۱۸۱۵ء کے بعد، محصول ڈاک سے بچنے کے لیے ایک خاص شکل میں نکالا جاتا تھا اور اس وقت دو پنس میں فروخت ہوتا تھا جس کی بنا پر اس کا مزاحیہ نام "دوانی کی ردّی"، رکھ دیا گیا تھا، ہر مزدور کے گھر میں پہنچتا تھا۔ کابٹ نے نہ صرف

معاشیین کے خیالات کی علانیہ مذمت کی بلکہ ملک کے مالی نظام میں ایک مکمل تبدیلی کا مطالبہ کیا۔ قرضۂ عامہ، ذخیرۂ ادائی کا نظام، زر کاغذی، بنک آف انگلینڈ، غیر ملکی مصارف میں، سرمایے کی مصروفیت، قرضہ فروشوں اور تمسکات کے دلالوں کے منافع۔ غرض، ان سب پر، اس کے عقیدے کے مطابق، غریبوں کے مصائب کی ذمہ داری عاید کی جاسکتی تھی۔ وہ چھوٹے زمینداروں اور کسانوں کا بڑا حامی تھا اور زمینداروں کے طبقۂ امرا کا خاص طور پر مخالف تھا۔ اس کی زندگی کے آخری سال، محتاجوں کے نئے قانون کی مخالفت کو تنظیم دینے میں صرف ہوئے جس کے ذریعے اس کا عقیدہ تھا کہ مزدوروں کو ان کے پرانے حقوق زمین سے محروم کردیا گیا ہے۔

۲۰۔ اشتراکیت (۱) ابتدائی اشتراکیت:۔ واٹرلو کی امن کے بعد جو فلاکت پھیلی، اس نے انگلستان کی اشتراکیت کو پیدا کیا۔ فلسفیانہ لحاظ سے، اسے رکارڈو کی معاشیات کا ردِ عمل کہا جاسکتا ہے۔ اشتراکیوں کے پہلے فرقہ اسپنسانیوں کا تھا جو ابرڈین کے ایک باشندے ٹامس اسپنس نامی شخص کے پیرو تھے۔ اسپنس ایک زرعی اشتمالی تھا۔ وہ اس بات کی تبلیغ کرتا تھا کہ زمین کو جماعت کی ملکیت بنادیا جائے اور اس کا انتظام کلیسائی حلقے کے سپرد کردیا جائے جو اسے کسانوں کو لگان پر اٹھایا کرے۔ یہی لگان صرف ایک واحد محصول ہو اور معاشرے کی تنظیم، جمہوری دیہی پنچایتوں کے وفاق کی صورت میں کی جائے۔ اسپنس کے خیالات کا کبھی کوئی حقیقی اثر نہیں ہوا۔ لیکن اس کے پیروؤں نے لندن کے نامہ نگاروں کی انجمن کی معرفت، مزدور طبقے کے افراطیوں سے تعلقات قائم کرلیے اور ۱۸۱۹ء کی کیٹو سٹرک کی سازش میں یہ بھی ملوث سمجھے گئے۔

اس سے زیادہ اہم گروہ وہ تھا جو رکارڈو پرست اشتراکیین کہلاتے ہیں یعنی چارلس ہال، ولیم ٹامپسن، جان گرے اور فرانسس برلے۔ انسانی خیال کی تاریخ میں کوئی بات اتنی عجیب نہیں ہے جتنی یہ کہ اشتراکیت ان خیالات سے پیدا ہوئی جن کو جب ابتدا میں ظاہر کیا گیا تھا تو ان کے اندر اس مسلک کے ساتھ

اشتراک کا کوئی پہلو نہیں نکلتا تھا۔ مانٹسکو نے جب ۱۷۴۸ء میں اس بات کا اعلان کیا کہ ملکیت[1] اجتماعی زندگی کا صرف ایک ایسا معاہدہ ہے جو کبھی باقاعدہ طور پر تو نہیں کیا گیا لیکن جسے افراد جماعت کی رضا یا سکوت حاصل ہے، تو اس نے ملکیت کے الٰہی حق پر پہلی ضرب لگائی۔ بنتھم نے جب زیادہ سے زیادہ تعداد کے لیے زیادہ سے زیادہ مسرت کے اصول کو شایع کیا تو اس نے غیر شعوری طور پر دولت کی عدم مساوات کو بھی دعوت مقابلہ دے دی لاک، اسمتھ اور رکارڈو نے جب اشیا کی قدر کو، محنت کی اس مقدار سے ناپنا شروع کیا جو ان کے تیار کرنے میں لگتی ہے تو انھوں نے اشتراکیت کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

۱۸۲۰ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان، رکارڈو کے ہم خیال اشتراکیین نے معاشی نظریے کی دکھتی رگ کو پکڑ لیا اور سرمایہ داری کے خلاف اسے حربے کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان کے ہاتھوں میں پہنچ کر، محنت جو تمام قدر کا منبع ہے، اجرت پانے والے کی محنت پیداوار بن گئی اور سرمایہ دار کے سود اور منافع کے مطالبوں کو ادا کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ ان اشتراکیوں نے مارکس کو اس کا نظریۂ قدر زاید فراہم کیا لیکن یہ لوگ بعد کے اشتراکیوں سے دو معاملوں میں اختلاف رکھتے تھے۔ ان کا خاص نظریہ یعنی محنت کو اپنی پیداوار پر پورا حق ملنا چاہیے واضح طور پر انفرادیت پر مبنی تھا اور انھوں نے مملکت کی مداخلت کو اتنی ہی سختی کے ساتھ مسترد کیا جتنا کہ خود راسخ العقیدہ معاشیین نے کیا تھا۔

(۲) اووِن کا مسلک:۔ رابرٹ اووِن نے ایک اور ہی راستہ اختیار کیا۔ اس نے واضح طور پر انفرادیت سے قطع تعلق کر لیا۔ انفرادیت کی فلسفیانہ بنیاد اس عقیدے پر قائم تھی کہ معاشرہ خود مختار افراد کا ایک میکانی مجموعہ ہے جس کی شیرازہ بندی عقل یا مفاد ذاتی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

---

[1] Property is Merely Acomceention of Civil Society

اووِن نے فرانس کے ابتدائی اشتراکیوں کی طرح عقل کی جگہ ہمدردی کو، معاشری رشتہ اور فرد کی جگہ جماعت کو معاشری اکائی قرار دیا۔ کابٹ کے برعکس، جو ماضی کی طرف واپس جانا چاہتا تھا، اووِن نے کارخانے کے نظام کو اگر اُسے مناسب طریقے پر تنظیم دی جائے، جماعت کے سب لوگوں کے لیے دولت کا منبع سمجھا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ صنعتی انقلاب کی خرابیاں مشین کی وجہ سے نہ تھیں بلکہ غیر محتاط مقابلہ اور لالچ کی وجہ سے جنھیں مزدوروں کے طبقے کے معیار کو پست و ذلیل کرنے کا موقع دے دیا گیا تھا اس کے نزدیک پیدایش دولت کی نئی قوتوں کو اس طرح قابو میں رکھنے اور تنظیم دینے کی ضرورت تھی کہ وہ صرف چند لوگوں کے لیے نہیں بلکہ سب کے فایدے کے لیے بہت بڑی دولت پیدا کریں۔ مزدوروں کا مقصد نئی صنعتی تحریک کو تباہ کرنا نہ ہونا چاہیئے بلکہ جماعت بندی کے ذریعے اس پر قابو پانا ہونا چاہیئے۔

دوسرے ابتدائی اشتراکیوں کی طرح، اووِن کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ معاشرے کی ہیئت کو رضاکارانہ امداد باہمی کے ذریعے مملکت سے آزاد رہ کر تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ وہ اس عقیدے کا پرجوش حامی تھا کہ لوگوں کی سیرت میں اختلافات، ماحول کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ ماحول انسان کے قبضے کی چیز ہے۔ اسی بنا پر وہ مزدوروں کی تعلیم کا بہت زبردست مبلغ تھا۔ اس نے ''امداد باہمی کے دیہات'' قائم کرنے کی بھی تبلیغ کی جن سے اس کی مراد ایسی انجمنیں تھیں جو بارہ سو آدمیوں پر مشتمل ہوں، اور جن کے پاس بارہ سو ایکڑ زمین ہو، جو جماعتی عمارتوں کے اندر رہتی ہوں اور جب ان کے افراد زمین پر کام کرنے میں مصروف نہ ہوں تو انھی جماعتی عمارتوں کے اندر، مشین کی مدد سے مصنوعات کو تیار کریں۔ یہ اسکیم چونکہ بے روزگاری کے علاج کے طور پر پیش کی گئی تھی، اس لیے اسے متوسط طبقے کے بہت سے لوگوں کی حمایت حاصل ہو گئی یہاں تک کہ یہ محسوس کیا جانے لگا کہ اگر یہ کامیاب ہو گئی تو موجودہ نظام کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گی۔ بدقسمتی سے اووِن نے منظم مذہب کی بھی مخالفت کرنا شروع کر دی اور اس طرح بہت سے امکانی

حامیوں کو اپنی تحریک سے برگشتہ کر دیا۔

لیکن اووَن نے مزدور پیشہ طبقے کے سامنے ایک نصب العین ضرور رکھ دیا۔ مزدوروں کی نئی نسل نے اس کے امداد باہمی کے اصول کو مزدور پیشہ طبقے کا بنیادی عقیدہ بنا لیا۔ سنہ ۱۸۳۰ء تک، امداد باہمی کی تحریک، لندن میں مستحکم بنیاد پر قائم ہو گئی۔ لیکن اس کام کو زیادہ موثر طریقے پر سنہ ۱۸۴۴ء میں راشڈیل پایونیرز نے بعد میں شروع کیا۔ راشڈیل پایونیرز، اووَن کے ہم خیال اشتراکی تھے جو صنعت و زراعت دونوں کو امداد باہمی کے اصول پر چلانا چاہتے تھے۔ ان کی ابتدائی کوششیں بہت حقیر پیمانے پر شروع کی گئیں جو غذا کا سامان فراہم کرنے اور خریداری کے مطابق منافع کو تقسیم کرنے تک محدود رہیں۔ ان کی تحریک کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور اس صدی کے وسط تک راشڈیل کے نمونے پر ایک سو انجمنیں انگلینڈ کے شمال اور اسکاٹ لینڈ کے نشیبی علاقے میں ترقی پا گئیں۔ سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد سے برابر، امداد باہمی کی تحریک مزدور پیشہ طبقے کی زندگی میں، تعلیمی، معاشری اور معاشی لحاظ سے، ایک حیات بخش قوت کی طرح کام کرتی رہی ہے۔

(۳) بعد کی اشتراکیت:- فرانس میں بھی، انیسویں صدی کے نصف اول میں، اشتراکیت انھی راہوں پر ترقی کرتی رہی جن پر اووَنزم نے انگلستان میں ترقی کی تھی۔ فوریرے نے بھی ایک اشتراکی نظام بنایا جس میں عقل کی جگہ، ہمدردی اور محبت سے جماعت کی شیرازہ بندی کا کام لیا گیا تھا۔ اس کی مثالی انجمن، پانچ سو خاندانوں پر مشتمل تھی اور اس میں پیشوں کے درمیان تخصیص کار انفرادی ذوق کے مطابق کی گئی تھی۔ محنت کی محرک، جبر کی جگہ، حصول مسرت کی خواہش رکھی گئی تھی۔ اووَن کے برخلاف اس کو صنعت کے مقابلے میں، زراعت سے زیادہ دلچسپی تھی۔ سینٹ سائمن نے بھی انفرادیت اور مقابلے کی جگہ سب کے فائدے کے لیے، امداد باہمی کو رواج دینا چاہا۔ اس نے دولت آفریں طبقوں کا مرتبہ نکمے لوگوں کے مقابلے میں بہت بلند کر دیا اور ترکے کی منسوخی اور مزدوروں کو ذرائع پیدائش دولت کا مالک قرار دینے کی

تبلیغ کی۔ لوئی بلانک اور پرودہان نے، رکارڈو کی پیروی کرنے والے اشتراکیوں کی طرح، محنت کی پیداوار کا پورا مالک مزدوروں کو قرار دینے کے لیے دلیلیں پیش کیں لیکن بلانک نے مملکتی اشتراکیت کا مطالبہ کرکے اپنے ہم عصروں سے علاحدگی اختیار کرلی۔ اس سے ایک نئے راستے کا آغاز ہوا اور اس کے بہت سے خیالات کے اہم حصوں کو بعد میں بسمارک اور لائیڈ جارج نے عملی جامہ پہنایا۔

سنہ ۱۸۵۰ء اور سنہ ۱۸۶۰ء کے درمیان، معاشرتی اصلاح کی تبلیغ ایک طرف ماریس اور کنگسلے نے کی جنھیں بعض اوقات عیسائی اشتراکیین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور دوسری طرف جان رسکن نے کی۔ یہ لوگ پرانی یونیورسٹیوں کے رکن تھے اور اپنے زمانے کے مزدور طبقے کی نکبت و فلاکت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ ماریس اور کنگسلے نے تو اووِن کے امداد باہمی کے نصب العین کی حمایت کی اور رسکن نے حکومت کی طرف سے مزدور طبقوں کے لیے تعلیم اور رہائشی مکان مہیا کیے جانے اور غریبوں کے لیے بڑھاپے میں پنشنیں مقرر کیے جانے کی حمایت کی۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں، اشتراکیت نے کارل مارکس کے ہاتھ میں پہنچ کر ایک نئی راہ اور نئی قوت اختیار کی۔ ایک لحاظ سے مارکس نے صرف قدر کے نظریۂ محنت کو جس کے اصل مصنف رکارڈو اور رکارڈو کی پیروی کرنے والے اشتراکی تھے، پیش کیا۔ لیکن اس نے اشتراکیت کی بحث میں ایک نئے موضوع کا اضافہ تاریخ کا ایک فلسفہ پیش کرکے کیا۔ مارکس نے ہیگل کے جدلیات کو معاشیات اور صنعتی تاریخ کے مناسب حال بنا کر یہ ثابت کیا کہ اشتراکیت ناگزیر ہے اور خانگی سرمایہ داری خود اپنے اندر اپنی تباہی کے جراثیم کی پرورش کر رہی ہے انگلستان کے صنعتی انقلاب کے مخصوص حالات سے عمومی نتائج نکال کر اس نے سرمائے کے اجتماع کے بارے میں اپنا ایک کلیہ بنایا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ نئے صنعتی نظام کا منطقی طور پر انجام یہ ہوگا کہ متوسط طبقہ فنا ہو جائے گا اور وسائل دولت کے مالکوں کی تعداد

چھوٹی سی رہ جائے گی جس کے مقابلے میں مزدور پیشہ لوگوں کی ایک زبردست فوج ہوگی۔ مارکس کے نزدیک تاریخ کے مسلسل چکر کو معاشی طبقوں کی کشمکش کا ایک آئینہ سمجھا جا سکتا ہے اسی بنا پر اشتمالی محضر کے ذریعے للکار کر یہ پکارا گیا تھا "سب ملکوں کے مزدورو! متحد ہو جاؤ اور تیاری کرو اس معاشری انقلاب کی جو آنے والا ہے"۔

مارکس کا اثر انگلستان کے مقابلے میں یورپ میں بہت زیادہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انگلستان کے مزدور پیشہ طبقے کی تحریک پر انقلابی روح کبھی بھی حاوی نہیں ہو سکی۔ ہنڈمین نے ۱۸۸۱ء میں سوشل ڈیماکریٹک فیڈریشن کی بنیاد مارکسی اصولوں پر رکھی لیکن فیبین جماعت نے جسے سڈنی ویب اور برنارڈ شا نے ۱۸۸۳ء میں قایم کیا تھا اپنی زاید ترقی کی وجہ سے اس کی اہمیت کو کمزور کر دیا۔

فیبین کے مسلک نے جو انگلستان کی اشتراکی تحریک پر گزشتہ چالیس سال سے قابض ہے، طبقہ وارانہ جنگ اور انقلاب کو مسترد کر دیا اور اپنا مطمح نظر متوسط طبقے کے خیالات کی اس تربیت کو قرار دیا جس کے ذریعے زمین اور صنعتی سرمایہ آہستہ آہستہ، انفرادی اور طبقہ وارانہ ملکیت سے آزاد ہو جائیں گے اور منفعت عامہ کے حاصل کرنے کے لیے جماعت کی ملکیت میں سپنچ جائیں گے۔ فیبین مسلک کے پیرووں کا اختلاف، مقاصد میں اتنا نہیں تھا جتنا ذرایع کے سلسلے میں تھا۔ ان کا نصب العین یہ تھا کہ تشدد آمیز انقلاب کے ذریعے نہیں بلکہ تدریجی طور پر سب چیزیں مملکت کی ملکیت میں داخل ہو جائیں۔ فیبین جماعت کے شایع کردہ رسالوں کا انگلستان کے خیالات اور لندن کی کاؤنٹی کاؤنسل کے ابتدائی کاموں پر واقعی اثر پڑا۔

۱۸۸۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان، ہنری جارج کی تصنیف "ترقی و افلاس" کی اشاعت کے بعد، لوگوں کی توجہ، زمین کو قومی ملکیت بنانے کی طرف بہت مایل رہی۔ اس تصنیف کی دلیل یہ تھی کہ زمین کی خانگی ملکیت دوسری قسم کی ملکیتوں سے بنیادی طور پر مختلف ہے اور معاشری مسئلے کا حل یہ ہے کہ زمین کو

قومی ملکیت بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے ذرایع کے طور پر، جارج نے پرزور طریقے پر اس بات کی حمایت کی کہ زمین کی قدروں پر محصول عاید کیا جائے اور تدریجی طور پر پوری غیر اکتسابی آمدنی کو قومی قبضے میں لے لیا جائے اس کی تائید بہت سے ان لوگوں نے کی جنھیں مروجہ اشتراکیت سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ زمین کی اصلاح کا مسئلہ اس کے بعد سے لبرلوں کی سیاسیات میں داخل ہوگیا۔ چیمبرلین نے اپنے غیر منظور شدہ پروگرام میں زمین کی ملکیت کے واجب التعظیم حقوق پر حملے کئے اور اس کے بعد لائیڈ جارج نے جب ۱۹۰۹ء کا موازنہ پیش کیا تو اس کے اندر بھی "ترقی و افلاس" کا ایک مدھم سا عکس نظر آتا ہے۔

۲۱۔ منشوریت۔ اب ضروری ہے کہ ہم دوبارہ ۱۸۳۰ء کی طرف واپس جائیں اور مزدور طبقے کی ایک اور تحریک یعنی منشوریت کا مطالعہ کریں۔ ابتدائی اشتراکیت کی طرح، منشوریت کے تعلقات بھی مزدور سبھا کی تحریک کے ساتھ قائم رہے لیکن اسے ایک علیحدہ تحریک سمجھنا ہی بہتر ہے۔

منشوریت، ایک معاشی اور سیاسی دونوں طرح کی تحریک تھی۔ لیکن اس کا معاشی پہلو زیادہ بنیادی حیثیت رکھتا تھا اور سیاسی پروگرام صرف مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ تھا۔ ایک لحاظ سے منشوریت ۱۸۴۰ء میں بھی کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اس کے جو مطالبے تھے ان سب کو پیورٹین جمہوریت پسند ۱۶۴۲ء تا ۱۶۵۰ء کے زمانے میں پیش کر چکے تھے لیکن کچھ حالات ایسے جمع ہوگئے جن کی وجہ سے ان مطالبوں کو ۱۸۳۲ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان ایک نئی قوت حاصل ہوگئی۔ سب سے اول تو مڈلینڈز اور شمال کے پارچہ بافی کے اضلاع میں بے چینی بہت پھیلی ہوئی تھی جو بے روزگاری کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اور جس کو محتاجوں کے نئے قانون نے تقویت پہنچائی تھی۔ دوسرے ۱۸۳۲ء کے مسودۂ قانون اصلاح کی طرف سے، ادنیٰ متوسط طبقے کے دوکانداروں اور لندن اور پرانے شہروں کے دستکاروں میں، بے اطمینانی پائی جاتی تھی۔ پھر اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کابٹ کے سیاسی رسالے، مزدور پیشہ طبقے کو برسوں سے اس بات کی

تعلیم دے رہے تھے کہ معاشی شکایتوں کو صرف سیاسی اصلاحات ہی دور کر سکتی ہیں۔

منشوریت کے پہلے رہنما وہ تھے جو اس سے پیشتر اس شورش کی رہنمائی کر چکے تھے جو مزدور پیشہ طبقے کے افراطیوں کی طرف سے پارلیمنٹ کی اصلاح کے لیے برپا کی گئی تھی۔ لندن میں، اس تحریک کے اندر، لووٹ، ہیڈرنگ ٹن، او برائن، واٹسن، اور رکارپنٹر، جو مزدور پیشہ طبقوں کے قومی اتحاد کے رہنما تھے، پوری طرح شامل ہوگئے۔ برمنگھم میں، جو مڈلینڈ کا بڑا محاذ جنگ سمجھا جاتا تھا۔ یہ تحریک ایٹ ووڈ کے گرد مجتمع تھی جو بینکر بھی تھا اور پارلیمنٹ میں افراطی رکن کی حیثیت سے بھی کام کرتا تھا۔ لیکن ایٹ ووڈ کو خاص دلچسپی زر رائج کی اصلاح سے تھی۔ اس تحریک کو لڑنے والے لوگ شمال سے ملے جہاں اسٹیفنس، اور رچرڈ اوسٹلر کی آتشیں خطابت نے عوام کو عمل کے لیے بیدار کر دیا تھا۔ لیکن ان لوگوں کے پاس، سوائے اس کے کہ یہ محتاجوں کی امداد کے نئے نظام پر نظر ثانی چاہتے تھے کوئی اور صاف اور واضح پروگرام نہیں تھا۔

سنہ ۱۸۳۷ء میں، شمال میں، ایک اور لیڈر نمودار ہوا۔ یہ آئرلینڈ کا رہنے والا فی ارگس او کونر تھا جس نے ایک افراطی خیال کا اخبار ''شمالی ستارہ'' لیڈز سے نکالنا شروع کیا۔ مزدور پیشہ طبقوں پر او کونر کا بے انتہا اثر تھا اور محتاجوں کے قانون کے خلاف شمال میں جو شورش جاری تھی اس کو سیاسی اصلاح کی تحریک میں منتقل کرنے میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔

اصل منشور، لندن کے مزدوروں کی انجمن کے اس جلسے میں تیار کیا گیا جو ''کراؤن اور اینکر'' کے شراب خانے میں سنہ ۱۸۳۷ء میں منعقد کیا گیا تھا۔ پارلیمنٹ کے سامنے ایک عرضداشت پیش کرنے کی ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں ہمہ گیر حق رائے دہی، ملکیت کی بنا پر اہلیت رائے کی منسوخی، سالانہ اجلاس پارلیمنٹ، مساوی نمائندگی، اراکین پارلیمنٹ کی تنخواہ اور پوشیدہ رائے دہی کے مطالبے کئے گئے۔ لووٹ نے روبک اور پلیس کی مدد سے منشور کا مسودہ تیار کیا اور یہ سنہ ۱۸۳۸ء میں شایع کیا گیا۔ اسی زمانے میں، برمنگھم کی انجمن نے بھی ایک قومی عرضداشت پیش کی جس میں بالکل ایسے ہی مطالبے

کئے گئے تھے۔

اس کے دوسرے سال منشوریوں کی عرضداشت پارلیمنٹ میں پیش ہوئی۔ ایٹ وڈ، فیلڈن اور ہیوم نے اس کی حمایت کی۔ لارڈ جان رسل اور ڈزریلی نے اس کی مخالفت کی اور اس عرضداشت کو کافی اکثریت نے مسترد کر دیا۔ منشوری رہنماؤں نے قومی ہڑتال کرانا چاہی لیکن اس کام کے لیے جتنے روپے اور تنظیم کی ضرورت تھی وہ موجود نہیں تھی۔ رائے کے شدید اختلاف کی وجہ سے رہنماؤں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے یعنی ایک اخلاقی قوت کے ماننے والے اور دوسرے جسمانی قوت کے ماننے والے لیکن قبل اس کے کہ انتہا پسند کوئی کارروائی کریں حکومت نے لووٹ، بین بو، ولسنٹ اور اسٹیفنس کو گرفتار کر لیا۔ اس پر جنوبی ویلز اور یارک شائر نے بغاوت کی گفتگو شروع کی اور نیوپورٹ پر ایک ناکام بلوہ ہو بھی گیا لیکن منشوری حکومت کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں تھے اس لیے سنہ ۱۸۴۱ء میں یہ تحریک عارضی طور پر دب گئی۔

سنہ ۱۸۴۱ء کے بعد، منشوریت میں نئی زندگی کے آثار ظاہر ہوئے لیکن مزدور پیشہ طبقے کی جاں نثاری میں ایک دوسری اور متعدد اعتبارات سے مخالف تحریک، یعنی غلہ قوانین کی مخالف لیگ کے قائم ہو جانے کی وجہ سے کمزوری پیدا ہو گئی۔ لیگیوں نے منشوریوں کے بارے میں یہ شبہہ کیا کہ وہ معاشرت کو تہ و بالا کرنا چاہتے ہیں۔ منشوریوں نے اپنی جگہ پر یہ سمجھا کہ سستے غلے کا مطالبہ، اجرتوں کو کم کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ لیکن مجموعی طور پر لیگیوں کو زیادہ سہولتیں حاصل تھیں۔ ان کا پروگرام سادہ اور معین تھا اور اس میں موجودہ نظام معاشرت پر کوئی کھلا ہوا یا پوشیدہ حملہ نہیں تھا۔ اس لیے انتہا پسند منشوریوں کی ہر پیش قدمی نے ' اعتدال پسندوں کو ' لیگ کے زمرے میں دھکیلنا شروع کر دیا۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں جوزف سٹرج نے جو برمنگھم میں ایٹ وڈ کا جانشین بن گیا تھا منشوریوں اور غلہ قوانین کے مخالفوں کو ایک اصلاحی پروگرام پر جو بہت معتدل تھا متحد کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں اسے

کامیابی نہیں ہوئی۔ ڈنش کو سب ادراو کونر نے تب ایک دوسری عرضداشت پارلیمنٹ میں پیش کی لیکن ہمہ گیر حق رائے دہی کی میکالے نے نہایت سخت مخالفت کی اور اس کو مسترد کردیا گیا۔

۱۸۴۲ء تک منشوریت پوری طرح اوکونر کے مکمل اثر میں آگئی لیکن دوسری قوتیں اس کی جڑ کو ساتھ ہی ساتھ کاٹ بھی رہی تھیں۔ قوانین غلہ کی منسوخی کی وجہ سے مزدور طبقے کی وہ شکایت جو مہنگی غذا سے متعلق تھی رفع ہوگئی۔ فیکٹری کے قوانین نے (۱۸۴۷ء کا دس گھنٹے کا قانون) کام کے حالات کو بہتر کردیا اور شمال کے مستعد لوگوں کو حیلے سے لگائے رکھنے کے لیے امداد باہمی کی نئی تحریک نے ایک راہ عمل پیدا کردی۔ اوکونر نے ان انتشار انگیز رجحانات کا تدارک کرنے کی کوشش، رابرٹ آوون کے طرز پر، زمین بسانے کی ایک اپنی اسکیم بنا کر کی۔ ۱۸۴۸ء میں جب تمام یورپ میں انقلاب کی ایک لہر دوڑ رہی تھی، اوکونر نے ایک نئی قومی پارلیمنٹ کا اجتماع بلا حکم شاہی کرنا چاہا۔ انقلابی بغاوت کی اضطراری گفتگو ہوتی رہی اور پارلیمنٹ میں ایک تیسری ناکام درخواست بھی پیش کی گئی۔ لیکن لندن کی حفاظت کا انتظام اتنا اچھا تھا کہ جسمانی قوت کے آزمانے کا موقع نہیں تھا، اس لیے آخر میں یہ تحریک بیٹھ گئی۔

منشوریت کی تحریک مختلف وجوہ سے ناکام رہی۔ اول، قوانین غلہ کی منسوخی اور دس گھنٹے کے فیکٹری قانون کی منظوری کی وجہ سے مشقت کرنے والے عوام کو مستقبل کی معاشی بہبود کے بارے میں بہت سی خوش آیند توقعات قایم کرنے کا موقع ملا۔ امداد باہمی کی تحریک نے بھی، دلچسپی کو دوسرے راستے پر لگا دیا۔ لیکن زیادہ بنیادی وجہ یہ تھی کہ منشوریت کی تحریک کے پیچھے، مقاصد اور خیالات کی یک جہتی موجود نہیں تھی۔ اشتراکیین، زر کے مصلحین اور زراعتی مصلحین، محتاجوں کے قانون اور فیکٹری نظام کے مخالف۔ یہ سب لوگ منشوریت کی تحریک کو اپنے مخصوص فایدے کی طرف لے جانا چاہتے تھے جب سیاسی اور معاشری خیالات میں تدریجی طور پر ترقی ہوئی تو منشور کے

مطالبے تقریباً سب منظور کیئے گئے۔ لیکن ۱۸۴۸ء میں اس تبدیلی کے لیے زمانہ تیار نہیں تھا۔ مزدور پیشہ طبقے، غیر تعلیم یافتہ، غیر منضبط اور غیر منظم حالت میں تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انھیں مناسب رہنمائی نہیں مل سکی۔ غرض، یہ بنیادی وجوہ تھے جن کی بنا پر منشوریت کی تحریک ناکام رہی۔

باب ۸

قوانین مفلسین معاشری بیمہ کے قوانین اور سرکاری تعلیم

۱- قوانین مفلسین

۱- تمہید- انگلستان میں محتاجوں کے قانون کے آغاز اور اس کی ابتدائی ترقی کا پچھلا سلسلہ سولھویں صدی تک ملتا ہے۔ سنہ ۱۶۰۱ء میں جو قانون ملکۂ الزبتھ کے زمانے میں بنایا گیا۔ اس سے تجربی دور ختم ہوگیا۔ اس قانون میں محتاجوں کے تینوں بڑے طبقوں، یعنی بے روزگاروں، کاہلوں اور معذوروں پر علیحدہ علیحدہ توجہ کی گئی بے روزگاروں کو، موثر نگرانی کے ماتحت، خاص کام کرنے کے لیے دیے گئے۔ کاہلوں کو اصلاح گھر میں سزا دی گئی یا ناخوشگوار حالات میں کام کرنے کے لیے مجبور کیا گیا اور ان کو اس طرح تعلیم دینے کی کوشش کی گئی جس سے ان کے اندر محنت کرنے کی عادت دوبارہ پیدا ہوجائے۔ بچوں کو کارآموز بنایا گیا اور اس طرح ملک کی خاطر انھیں گمراہ ہونے سے محفوظ رکھا گیا۔ دوسری طرف معذور بوڑھوں کی خبرگیری کی جانے لگی۔

اس قانون کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ کلیسائی حلقے کو قانونی طور پر، محتاجوں کا ذمہ دار بنادیا گیا۔ چنانچہ کلیسائی حلقوں کے مفاد میں یہ بات داخل

ہو گئی کہ اگر ہو سکے تو اپنے یہاں سے محتاجوں کو خارج کر دیا جائے۔ اختیاری طریقہ چونکہ ناکام رہا تھا اس لیے یہ جبریہ طریقہ ناگزیر ہو گیا تھا۔

تمام کلیسائی حلقوں میں، ہر ایک قابض مکان پر محصول لگایا جاتا تھا اور اس طریقے پر جو رقم جمع ہوتی تھی اسے نگراں، کلیسائی کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حلقہ دار اور دوسرے لوگ جن کا تقرر مجسٹریٹ کرتے تھے خرچ کیا کرتے تھے۔ جاگیردار کی اجازت سے، شاملات دیہہ کی زمینوں پر، محتاجوں کے لیے، نگراں، مکانات تعمیر کرا سکتے تھے۔ محتاجوں پر جو کچھ خرچ کیا جاتا تھا اس کے ذمہ دار، ان کے ماں باپ، بچے، دادا دادی، نانا نانی قرار دیے جاتے تھے۔

کلیسائی حلقوں نے، مجموعی طور پر اپنی ان نئی ذمہ داریوں کو اتنا ہی کم پسند کیا جتنا کہ اختیاری مطالبوں کو کیا تھا اور ان کے فرائض پورا کرانے کے لیے ان پر اکثر دباؤ ڈالنا پڑتا تھا۔ نیز مختلف کلیسائی حلقوں میں محتاجوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا تھا، اس میں بھی بہت فرق پایا جاتا تھا۔ ایک لحاظ سے، اس قانون کی وجہ سے وہ لوگ نقصان میں رہتے تھے جو اپنا کام محنت سے کرتے تھے۔ جو کلیسائی حلقہ اپنی فیاضی کے لیے سب سے زیادہ مشہور ہوتا تھا آوارہ گرد لوگ، اسی کی طرف منتقل ہونا شروع کر دیتے تھے۔ دوسری طرف چونکہ محتاج لوگوں کو یہ امید ہوتی تھی کہ انھیں یہاں امداد مل سکے گی اس لیے وہ بھی نقل سکونت کر کے آنا شروع کر دیتے تھے۔ ان کلیسائی حلقوں کے تحفظ کے لیے جن پر اس کا اثر پڑ رہا تھا ۱۶۶۲ء میں سکونت پذیری کا قانون منظور کیا گیا۔ اس قانون کی رو سے اگر اس بات کا امکان پایا جاتا تھا کہ کسی نو وارد کا وجود کلیسائی حلقے کے محاصل پر ایک بار ثابت ہو گا تو وہ کلیسائی حلقہ اس نو وارد کا چالیس دن کے اندر اندر اخراج کر سکتا تھا۔

گو یہ اصول صنعتی اعتبار سے برا تھا لیکن چونکہ کلیسائی حلقوں کو شکایت تھی اس لیے انھوں نے اپنی یہ بات منوا ہی لی۔ ۱۶۹۶ء کے قانون سے کچھ اصلاح ہوئی اور اس میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ کسی نو وارد کا اخراج

اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کا وجود محاصل پر فی الواقعی ایک بار نہ بن جائے۔

خانہ جنگی کے بعد، مقامی حکومتوں پر، مرکز کی انتظامی نگرانی زیادہ تر ختم ہو گئی اور مجسٹریٹوں اور نگرانوں کے ہاتھ میں، محتاجوں کے قانون کا انتظام چھوڑ دیا گیا کہ وہ مقامی احساسات کے مطابق اس کام کو انجام دیں آہستہ آہستہ اس نظام کا اختیار نگرانوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انتظام میں بے پروائی کی جانے لگی۔ ان خرابیوں کی وجہ سے سنہ ۱۶۹۷ء کا قانون منظور کرنا پڑا اور اب اختیار مجسٹریٹوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا جو اپنی مرضی کے مطابق امداد دے سکتے تھے اور ان کے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں تھی۔

اس کی وجہ سے معاملات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئے کیونکہ نگرانوں میں تو پھر بھی ایک کلیسائی حلقے تک محدود ہونے کی وجہ سے کچھ ذمہ داری کا احساس پایا جاتا تھا لیکن مجسٹریٹ مقامی حالات سے بالکل بے خبر ہوتے تھے اور ان کی زیادہ عیش پسند زندگی نے، ضروری مقدار امداد کے بارے میں، ان کے اندر ایک غلط تصور قائم کرا دیا تھا۔

سنہ ۱۶۹۷ء میں، برسٹل کے تجربی کام گھر کی کامیابی نے سنہ ۱۷۲۳ء کا زیادہ سخت قانون منظور کرایا۔ سنہ ۱۷۲۳ء کے بعد جب تک نگراں امداد کو نامنظور نہ کر دے اس وقت تک مجسٹریٹ امداد منظور نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی وجہ سے اول الذکر کے اختیار اور ذمہ داری میں اضافہ ہو گیا اور ان لوگوں کی راہ میں ایک رکاوٹ پیدا ہو گئی جو ایک کمزور مجسٹریٹ سے ناکافی وجوہ کی بنیاد پر امداد کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے مجسٹریٹ کا فیصلہ اب بھی آخری سمجھا جاتا تھا اور اس میں آیندہ کی خرابیوں کے نشو و نما پانے کے جراثیم موجود تھے۔

اس کے علاوہ، اب کلیسائی حلقوں کو (بغیر مخصوص قانون منظور کرائے) اس بات کی اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ متحد ہو کر کام گھر بنوا سکتے تھے اور انھیں برسٹل کی طرح جانچ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جو شخص ان کے اندر

رہ کر امداد قبول کرنے کے لیے راضی نہیں ہوتا تھا، اسے امداد کا مطالبہ کرنے اور قبول کرنے کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ابتدا میں قانون پر قابل اطمینان طریقے پر عملدرآمد ہوتا رہا۔ لیکن مرکزی نگرانی کا چونکہ کہیں کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا اس لیے ہر افسر حاکم مطلق بن گیا۔

ہم نے صنعتی انقلاب کے آغاز کی تاریخ سنہ ۱۷۶۰ء کو مانا تھا جب جارج سوم تخت نشین ہوا تھا۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ اس کے دور حکومت میں زندگی کے ہر شعبے میں تیزی کے ساتھ تبدیلیاں واقع ہوئیں اور ان مختلف اثرات کا باہم، ایک دوسرے پر بھی اثر ہوتا رہا۔ یہ فرض کرنا مشکل ہے کہ ان تمام تبدیلیوں کے اسباب محض مشین کا رواج اور قدرت کی تسخیر ہی تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ قوم میں ایک ایسی روح کام کر رہی تھی جو مختلف سمتوں میں ترقی کا سبب بنی ہوئی تھی کیونکہ ملکۂ الزبتھ کا عہد، ہر لحاظ سے، ہماری تاریخ کا سب سے زیادہ قابل توجہ زمانہ ہے۔ لیکن پھر بھی صنعتی انقلاب مخصوص طور پر ایک نمایاں مظہر ہے اس لیے ضروری ہے کہ جتنی بھی تبدیلیاں ہوئیں، ان سب کے سلسلے میں، صنعتی انقلاب ہی کا جائزہ لیا جائے۔

افلاس کا مسئلہ ایسا ہے جس کے مطالعہ کرنے میں غالباً سب سے زیادہ دشواری پیش آتی ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محتاجوں کے قانون سے جو مصیبتیں پیدا ہوئیں ان کا سبب صنعتی کمزوریاں تھیں اور ان سے زیادہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ محتاجوں کے قانون کے انتظام کی خرابی ہی کی وجہ سے صنعت کی مصیبتیں پیدا ہوئیں۔ ان دونوں انتہا پسند نظریوں کو مسترد کرنے کی ضرورت ہے لیکن دونوں میں ایک حد تک صداقت پائی جاتی ہے اس مسئلے میں کئی متضاد عوامل پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ سکونت پذیری کے قوانین اور مزدوروں کی نقل پذیری کا کل مسئلہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ صنعتی انقلاب کے اخلاقی اثرات اور زرعی اصلاح میں گزشتہ زمانے کے نظم نے جو اخلاقی ترکے چھوڑے تھے ان کی اہمیت بھی توجہ کی مستحق ہے۔

۲۔ صنعتی تبدیلی سے افلاس کا تعلق۔

اگر اس مسئلے کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے کا افلاس صنعتی تبدیلی سے بہت کچھ غیر متعلق تھا افلاس کا انحصار نظم ونسق اور قانون سازی پر تھا۔ یہ صنعت سے بڑھ کر قانون اراضی کے تابع تھا جو ہمیشہ آزاد رہا ہے۔ محتاجوں کا قانون حکومت کا پیدا کردہ ہے جو دراصل صنعت کی اصلاح اور اس میں مداخلت کی نوعیت رکھتا ہے۔ لہٰذا افلاس بڑی حد تک مصنوعی چیز ہے جو قوانین کے تابع ہوتا ہے جن کی ایک قدیم تاریخ ہے۔ اس کے علاوہ، انتظام برائے نام ناظروں کے ہاتھ میں تھا لیکن رفتہ رفتہ سائلین نے ان کی طاقت کو محسوس کر لیا اور مجسٹریٹوں سے اپیل کی نیز مفلس اپنے مجسٹریٹ کا انتخاب کر سکتا تھا۔ مجسٹریٹ کا تعلق قدامت پسند طبقے سے تھا جو صنعتی انقلاب سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔

محتاجوں کے قانون نے کسی حد تک اپنی ترقی کا ایک راستہ اختیار کیا اور ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اسی قسم کی تبدیلیاں اگرچہ کم درجے کی واقع ہو سکتی تھیں اگر انقلاب نہ بھی ہوتا یعنی اگر ترقی آہستہ آہستہ ہوتی۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مزدور طبقے کی حالت پر محتاجوں کے قانون کے راست آزادانہ طور پر بھی کچھ اثرات پڑے۔ بہرحال صنعتی تبدیلیوں نے تنظیم میں ایسی ترمیم کردی کہ عوام کی مصیبتیں محتاجوں کے قانون میں تبدیلیوں کا راست محرک ثابت ہوئیں اور ان تبدیلیوں نے مزید برے اثرات پیدا کر دیئے۔ غرض جذبات پرستی کی فطری ترقی، مجسٹریٹوں کے بڑھتے ہوئے مواقع اور اس وقت کے مصائب نے مل جل کر آنے والی تباہی کو پیدا کر دیا۔

پہلی اہم تبدیلی سنہ ۱۷۸۲ء میں گلبرٹ کے قانون کے ذریعے کی گئی۔ بلاشبہ بلاتنخواہ ناظرین رشوت ستانی وغیرہ میں مبتلا ہو گئے تھے اور کام خراب کرتے تھے۔ محتاج خانوں کی جانچ ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی لوگوں کو گھر بیٹھے امداد ملتی تھی اور ناظروں سے کام فراہم کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ مجسٹریٹوں کو طاقتور سمجھ کر دوبارہ ابتدائی اختیارات دے دیئے گئے۔ اور اب انھوں نے سرپرستوں کے توسطے

کام کرنا شروع کردیا۔ قانون مزاحم نہیں تھا۔

کلیسائی حلقے اپنی ناکارکردگی اور اسراف کی وجہ سے مورد الزام تھے لہذا کلیسائی حلقوں کی جمعیتیں قائم کی گئیں اور محتاج خانوں کو درست کیا گیا گرچہ اب سے اس کا استعمال صرف ناکاروں کے لیے قرار پایا جو جانچ کے مسلک کا بالکل برعکس تھا۔ سرپرستوں کا کام یہ تھا کہ غریب بے روزگاروں کے لیے کام مہیا کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دم سے مصارف بڑھ گئے۔ اور بیس برس میں یہ دوگنے ہوگئے اور سنہ ۱۸۱۷ء میں اپنی انتہائی حد کو پہنچ گئے۔

۳۔ اسپنہم لینڈ کے مجسٹریٹ۔

برک شائر کے مجسٹریٹ نے سنہ ۱۷۹۵ء میں اپنے نام کو نیوبری کے نزدیک اسپنہم لینڈ میں رہنے والی آیندہ نسل کے حوالے کردیا۔ یہاں بھتے کا طریقہ شروع کیا گیا اگرچہ یہ کہنا درست ہے کہ یہ کم ازکم جنوبی حصے کے لوگوں کی مرضی کے مطابق تھا۔ مجسٹریٹوں نے اس طریق کے تحت مزدوروں کو امداد اس لیے دیتے تھے کہ ان کی اجرت بہت کم تھی۔ گیہوں کی قیمت کے مطابق ایک معیار مقرر کرکے خاندان کے زیر پرورش بچوں کی تعداد کے لحاظ سے اجرت کا ایک تخمینہ کیا گیا۔ دوسرے سال ایک نئے قانون کے ذریعے سنہ ۱۷۲۲ء کے قانون کو منسوخ کردیا گیا۔ تندرست لوگوں کی خارجی امداد کو قانونی طور پر جائز قرار دیا گیا۔ جانچ کو غریب لوگوں کے آرام و آسایش کے لیے غیر مفید سمجھا جانے لگا۔ محنتی لوگوں کو گھر بیٹھے امداد کا حکم دے دیا گیا اور اس طرح آنے والے واقعات کے لیے دروازہ کھل گیا۔

۴۔ ان کی پالیسی کا اثر۔

اسپین ہم لینڈ کی پالیسی، انگلستان کے جنوب بلکہ شمال تک میں ہر جگہ پھیل گئی اور اپنے نتائج کے لحاظ سے جو سنہ ۱۷۹۵ء اور سنہ ۱۸۳۴ء کے درمیان خوب ظاہر ہوگئے تھے بہت ہلاک ثابت ہوئی۔ یہ پالیسی غیر منصفانہ اور مخرب اخلاق تھی۔ جس طبقے کو اس سے فائدہ پہنچانا مقصود تھا اسی کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچا۔ ممکن ہے نیت نیک رہی ہو اگرچہ اکثر رعایتوں کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا

محرک یا تو خوف تھا یا لوگوں میں مقبول بننے کی خواہش اس پالیسی نے شمال کے مزدوروں کو مفلس بنادیا جس کے اثرات ہنوز محسوس کیے جاتے ہیں۔

چونکہ مزدوروں کی اجرتوں کی کمی کو کلیسائی حلقہ پورا کیا کرتا تھا اس لیے آجر انھیں وہ اجرت دے سکتے تھے جو کمترین سامان خورونوش کے فراہم کرنے کے لیے بھی بالکل ناکافی ہوتی تھی۔ چنانچہ اس نظام کا سب سے اول اثر تو یہ ہوا کہ محاصل ادا کرنے والوں سے جو رقم وصول کی جاتی تھی وہ آجروں کی امداد پر صرف کی جانے لگی۔ اس انتظام نے پھیل کر ایک رواج کی صورت اختیار کرلی۔ چنانچہ اجرتیں گرتے گرتے محض برائے نام رہ گئیں۔

ظاہر ہے، اس کی وجہ سے محصول ادا کرنے والے لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئے اور ان میں جو لوگ نسبتہً غریب تھے ان کی حالت قابل افسوس ہوگئی۔ جب اجرتیں گرنے لگیں اور ناداری میں اضافہ ہوا تو محصول کی شرح بڑھنا شروع ہوئی یہاں تک غریب زمیندار تباہ ہوگئے رفتہ رفتہ محاصل یہاں تک بڑھے کہ وہ جائداد کی آمدنی کے برابر ہوگئے۔ اس حد کے بعد زمیندار کو اسی میں نفع نظر آنے لگا کہ اگر کوئی شخص لینے کے لیے آمادہ ہو تو اپنی زمین اس کے حوالے کردے اور یہ صورت واقعتہً رونما بھی ہوئی۔ بکس میں چوتسبری کے مقام پر جو محاصل سنہ ۱۸۰۱ء میں دس پونڈ تھے وہ سنہ ۱۸۱۶ء میں بڑھ کر سو پونڈ ہوگئے اور سنہ ۱۸۳۱ء میں ایک سو پچاس پونڈ۔ یہ ایک انتہائی مثال تھی لیکن اس سے اس سمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کی طرف واقعات کا رجحان تھا۔

یہی نظام ایک حد تک صنعت میں بھی رونما ہوا لیکن نادار مزدوروں کو براہ راست بھی ملازم رکھا جاتا تھا۔ بچوں کی ٹولیاں فیکٹریوں میں بھیجدی جاتی تھیں اور ان کو رہنے کے لیے نہایت خراب جگہ دی جاتی تھی یہاں تک کہ کام کرتے کرتے ان کی تندرستی بالکل برباد ہوجاتی تھی۔ مشین کی نگرانی کرنے کے کام میں یہ بچے، بڑی عمر کے مزدوروں کا مقابلہ کرسکتے تھے۔ اسی طرح "پھیری والوں"[1] کے

---

[1] Roundsmen

نظام کے ماتحت اگر کوئی پٹہ دار کسان نادار مزدوروں کو ملازم رکھ لیتا تھا تو وہ محاصل کے ایک حصے سے بری ہو جاتا تھا۔

اس نظام کی خرابیاں بہت سی تھیں۔ زراعت میں اس کی وجہ سے کچھ زمین عین اس وقت آہستہ آہستہ استعمال کرنا ترک کر دی گئی جب بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے زیادہ غذا کی ضرورت تھی۔ مزدور غیر کارگزار تھے وہ قوانین سے واقف تھے، اپنے مجسٹریٹ کا خود انتخاب کر سکتے تھے اور قانون کا دباؤ ڈلوا سکتے تھے اور اس طرح امداد کو حق کے طور پر وصول کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ سرکش ہو گئے تھے اور جتنا دن بھر میں اچھی طرح کام کرنا چاہیے اتنا نہیں کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آجر انھیں اتنی اجرت دیتے ہیں جو ان کا پیٹ بھرنے کے لیے کافی نہیں ہوتی اس لیے ان کے واسطے سخت کام کرنے کا کوئی محرک موجود نہیں تھا۔ مزدور چاہے کیسا ہی ماہر اور محنتی کیوں نہ ہو اسے اس نظام سے کوئی فایدہ نہیں پہنچتا تھا کیونکہ بھتے کا انحصار اجرت پر تھا۔

مزدوروں میں انحطاط شروع ہو گیا۔ ان کے اخلاق بھی بگڑ گئے۔ روزی کمانے کے لیے ایمانداری کے ساتھ محنت کرنا ضروری نہیں رہا بلکہ ایک کمینہ پن کی چالاکی ترقی پانے لگی جس کا مقصد یہ ہو گیا کہ کام سے بچا جائے۔ آزاد مزدور کو بیوقوف سمجھ کر حقارت کے ساتھ دیکھا جانے لگا۔ فریب اور دھوکا ہی وہ ذرایع تھے جن سے عام طور پر کافی بھتہ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ مجسٹریٹوں کی یا تو خوشامد کی جاتی تھی یا ان کو دھمکی دی جاتی تھی احسان مندی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

آزاد مزدوروں کا طبقہ سب سے زیادہ قابل رحم حالت میں تھا۔ جو آدمی اتنا ایماندار ہوتا تھا کہ اپنی آزادی کو قائم رکھنا چاہتا تھا اور کمینہ پن کی حیلہ بازی پر اتر کر اپنی اجرتوں کو بڑھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا اسے نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ اول تو وہ کام چاہے جتنی سخت محنت سے کیوں نہ کرے پھر بھی اپنے نادار حریف کے مقابلے میں بہتر حیثیت کا مالک نہیں بن سکتا تھا۔ دوسرے آجر، واقعۃً ناداروں ہی کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ ان کے لیے اس بات کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ انھیں کم سے کم سامان خورونوش کے لایق اجرت ادا کی جائے۔

اس معاملے میں آجر، اکثر تنگ نظری سے کام لیتے تھے کیونکہ اکثر صورتوں میں سستے نادار مزدور کی جگہ، اگر ایک آزاد کارگزار مزدور کو ملازم رکھا جاتا تو وہ زیادہ بہتر ثابت ہوتا لیکن قبل اس کے کہ اس حقیقت کو پوری طرح سمجھا جاتا، سارا ملک تقریباً مکمل طور پر نادار ہو گیا۔

کفایت شعار لوگوں کو سزا ملنے لگی۔ انھیں کام نہیں ملتا تھا۔ ان کی پس انداز کی ہوئی رقمیں ختم ہونے لگیں اور وہ ناداروں کے لیے جو محاصل وصول کیے جاتے تھے ان کی امداد لینے کے لیے مجبور ہو گئے۔ بھتہ چونکہ خاندان کی وسعت کے لحاظ سے دیا جاتا تھا اس لیے غیر شادی شدہ آدمی گھاٹے میں رہنے لگا چنانچہ اس کا فایدہ اسی میں تھا کہ وہ شادی کرے اور خاندان کو بڑھائے یہی مخرب اخلاق نظام آبادی کے بدترین حصے کے بہت زیادہ اضافے کا ایک خاص سبب تھا۔ جو لوگ سب سے زیادہ بیوقوف اور فضول خرچ تھے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ جتنی زیادہ سے زیادہ اولاد پیدا کی جا سکے کرائی جائے۔ اولاد کے جائز یا ناجائز ہونے کے سوال نے ثانوی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اولاد نے اپنے ماں باپ کی ابن الوقتی کے نتائج کو چونکہ اچھا پایا اس لیے ناداری کے علاوہ کسی دوسرے بہتر نصب العین کو، پیدائش کے وقت سے اپنی نگاہ کے سامنے نہیں رکھا۔ چنانچہ یہ چیز موروثی بن گئی۔

آجروں تک کو اس سے نقصان پہنچا اگرچہ وہ ہمدردی کے بہت کم مستحق تھے۔ انھوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ نادار مزدور آخر میں تو نقصان رساں ثابت ہوتے ہی ہیں فوری طور پر بھی ان کے رکھنے میں غالباً کوئی نفع نہیں تھا۔ انھیں مفادِ عامہ کو نقصان پہنچا کر فوری نفع کمانے کا ایک موقع نظر آیا اور وہ اس پر گر پڑے۔ لیکن زراعت کے لیے زیادہ بلند اخلاقی اور دماغی صفات کی ضرورت ہوتی ہے اگرچہ اس بات کو ان صفات کی مخصوص نوعیت کی وجہ سے نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ زراعت میں ایمانداری کی ضرورت ہوتی ہے اور سخت و مسلسل کام کی۔ ایک سیدھی لیک میں جتائی کرنے کے لیے بہت زیادہ ذہانت چاہیے۔

لیکن یہی صفات تھیں جن کی نادار مزدوروں میں سب سے زیادہ کمی تھی۔ بھتہ کمانے کے لیے جو تربیت حاصل کی جاتی تھی اس کے ذریعے ایمانداری، مشکل ہی سے ترقی پا سکتی تھی۔ ایک واقعی ذہین آدمی جو اپنے مستقبل کے بارے میں بھی کچھ سوچتا سمجھتا ہو کبھی رضامندی سے نادار بننا قبول نہیں کرے گا کیونکہ ناداری کی حالت میں اس کی اہلیت کو ترقی پانے کا کبھی موقع نہ مل سکے گا۔ اس واقعے کی وجہ سے کہ کام پر ترقی کا انحصار نہیں تھا، کام کی اہمیت کم ہو گئی اور جن لوگوں کو محنت کی عادت تھی ان کی دلشکنی ہونے لگی۔ آجر نے کام کی پوری مقدار وصول کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مزدور نے جسے آجر کے مقابلے میں کامیابی کا موقع زیادہ حاصل تھا، انکار کر دیا۔ اس کی وجہ سے دشمنی پیدا ہوئی اور مالک و مزدور دونوں کی سیرت میں انحطاط رونما ہو گیا۔

صناع خود اپنے لحاظ سے بہتر حالت میں تھے۔ بے ایمانی کی روک تھام کرنے کے لیے جمعدار مقرر کیے جا سکتے تھے جو مزدوروں کے کام پر اس وجہ سے کہ وہ ایک چھوٹی سی جگہ پر مجتمع رہتے تھے، آسانی سے نگرانی رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ سزا دینا آسان اور یقینی تھا۔ انھی جمعداروں کے ذریعے کام کو تن دہی سے بھی کرایا جا سکتا تھا۔ جمعدار ایک خاص نمونے کے لوگ تھے، اکھڑ، بے حس اور وحشی اور یہ لوگ زیادہ سے زیادہ مال تیار کرانے کے کام کے لیے خوب موزوں تھے۔ ذہانت کو اہم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مزدور صرف ایک مشین تھا جو بعض کاموں کو اکتا دینے والی باقاعدگی کے ساتھ کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ صناع کے لیے، نادار مزدور زیادہ مستقل طور پر نقصان رساں ثابت نہ ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صنعتیں بالکل غیر موزوں جگہوں میں (مثلاً اے سکس میں) جہاں اس قسم کے مزدور سستے اور بافراط موجود تھے اور جہاں قدرتی سہولتوں کی کمی سے زیادہ تلافی، مصارف کی کمی کی صورت میں ہو جاتی تھی، ترقی پانے لگیں۔ غرض، اس نظام نے غیر موزوں صنعتوں کو ان کے حریفوں کے مقابلے میں امداد دی۔

خاندانی رشتے ٹوٹ گئے اور ایک حقیقی پرولتاریہ وجود میں آگیا خاندان کے اراکین تقریباً بچپن کے زمانے ہی سے بالکل خود مختار ہو گئے اور اس کے بدیہی

نتائج رونما ہوئے۔ ایک بیٹے کو اگر وہ ہر طریقے سے خود مختار ہو جاتا تھا چودہ سال کی عمر میں امداد مل سکتی تھی۔ اس کی وجہ سے محبت کے رشتے عام طور پر کمزور ہو گئے۔

آخر میں سب سے زیادہ نقصان خود نادار مزدوروں کو پہنچا۔ جس طرح کوئی مزدور چاہے وہ کتنا ہی سخت کام کیوں نہ کرے، معمولی حالات میں، کمترین سامان خورونوش سے زیادہ نہیں کما سکتا تھا، اسی طرح ادنیٰ نصب العینوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام مزدور ایک خاص سطح تک گرے ہوئے رہنے کے لیے مجبور ہو گئے اور اس سطح سے اپنے آپ کو وہ اس وقت تک بلند نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ یہ نظام انھیں پست رکھنے میں مدد دے رہا تھا۔ کارکردگی کے نقصان سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے جس کے بارے میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں ہے، تو بھی خود مختاری اور محنت کی عادتوں کی کمی نے آیندہ کی ترقیوں کو مسدود کر دیا۔ چنانچہ اس دور کے جتنے مصائب تھے ان سب کا مزدور کو چار و ناچار شکار بننا پڑا اور غیر معمولی خوش حالی نے اس کی زندگی میں کبھی امید کی روشنی پیدا نہیں کی۔ نادار مزدور کو جب تک کمترین سامان خورونوش ملتا رہتا تھا وہ زیادہ کام کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرنوں تک موافق ترین حالات میں بھی مزدوروں کو اتنی ہی اُجرتیں ملتی رہیں جن سے ان کی کمترین ضرورتیں پوری ہو سکتی تھیں۔ اس مثال سے اس قانون کی مزید تائید ہوتی ہے کہ جہاں کہیں قدرتی رجحانات میں مداخلت ایک طبقے کو فائدہ پہنچانے کے لیے کی جاتی ہے وہاں ایسی قوتیں اپنا کام شروع کر دیتی ہیں جو پیش نظر مقصد کو پورا نہیں ہونے دیتیں۔

اس خرابی کا اصل سبب یہ تھا کہ آجروں کا طبقہ ابھی تک ملازمت کے ان طریقوں پر قائم تھا جن کا رواج عہد وسطیٰ میں پایا جاتا تھا۔ اب بھی زمینداروں نے پہلے کی طرح یہ فرض کر رکھا تھا کہ اپنے ماتحتوں کے لیے روزگار مہیا کرنا ایک خیر و خیرات کا کام ہے اور وہ اسی بات کو بھولے ہوئے تھے کہ مزدور بھی اس کے معاوضے میں مساوی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ملکۂ الزبتھ کے زمانے کے قوانین نے، ملازمت اور خیرات میں کوئی تفریق نہیں کی تھی۔ (محتاجوں کے قانون کو پیچیدہ مسائل سے دوچار ہونا پڑا تھا) جنوب کے مزدوروں نے اپنے روایتی

سیدھے پن کے ساتھ اس زاویۂ نگاہ کو بلاچون وچرا تسلیم کرلیا اور خودمختاری کا احساس جو صنعتی انقلاب کی لازمی خصوصیت تھی فنا ہو گیا تھا۔ ملکۂ الزبتھ کے قوانین کا مقصد یہ تھا کہ مزدور کو قانونی طور پر اپنے کلیسائی حلقے تک محدود رکھا جائے اور امداد کے وعدے کرکے اس کو خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے دوہرا نقصان ہوا۔ ایک طرف تو پرولتاریہ پیدا ہو گیا لیکن دوسری طرف اس کے اندر وہ نقل پذیری پیدا نہ ہو سکی جو (معاشی لحاظ سے) اس کے وجود کو فائدہ رساں بنانے کا موجب ہوتی ہے۔

نقل پذیری کا یہ مسئلہ ایک مشکل مسئلہ ہے، لیکن ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جب تمام آدمیوں کو اپنی جائے سکونت کے اندر، خارجی قوتوں کے زیر اثر، مقید کردیا جاتا ہے تو اس سے بالکل ایسا ہی یقینی نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ ہم مزدوروں کے اس طبقے کے سلسلے میں دیکھ چکے ہیں جس کی زندگی وطن کے مستقل رشتوں کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے غیر طبعی ہو گئی تھی یہ بات دوبارہ یاد رکھنی چاہئے کہ ایک مقام پر مزدوروں کے زائد اجتماع کو روکنے یا جہاں مزدوروں کی ضرورت ہو اس مقام پر ان کی رسد فراہم کرنے کے لیے، آبادی کی ایک چھوٹی اقلیت کی نقل وحرکت کافی ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ معاشی زندگی کو تندرست رکھنے کے لیے مزدوروں کی کچھ نہ کچھ گردش ضروری ہے اور اس کی راہ میں کسی رکاوٹ کو نہ ڈالنا چاہئے۔ جبری سکونت پذیری سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ مسلسل نقل وحرکت کی خرابیوں سے زیادہ سخت ہوتی ہیں۔

اسپین ہم لینڈ کی پالیسی کو ۱۸۳۴ء تک غلبہ حاصل رہا۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں مجسٹریٹوں کو زمرہ بندی کے اختیارات دیئے گئے اور حسب سابق یہ خیال کیا گیا کہ یہ لوگ نگرانوں کے مقابلے میں زیادہ اثر پذیر ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۸۱۷ء میں دارالعوام کی ایک کمیٹی نے مفید تجاویز پیش کیں لیکن ان سے کوئی کام نہیں بنا۔ کچھ مقامات پر کلیسائی حلقے کے نمایندوں کی مجلس کا تقرر کیا گیا۔ سنہ ۱۸۱۹ء میں ناداریا گلوں کے رہنے کی جگہ کو بہتر بنایا گیا۔ ان کی طرف سے گزشتہ زمانے میں لاپروائی برتی گئی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجسٹریٹوں کی رحمدلی کچھ زیادہ گہری نہیں تھی۔

۱۸۱۸ء کے بعد خرچ میں کچھ کمی ہوگئی لیکن ۱۸۳۲ء میں جب محتاجوں کے قانون کے کمیشن نے اپنی تحقیقات شروع کی تو اس وقت معاملات بہت خراب ہوگئے تھے۔

۱۸۳۴ء کی رپورٹ مرتب کردہ کمیشن تحقیقات قانون محتاجان۔

۱۸۳۴ء میں کمیشن نے اپنی مشہور و معروف رپورٹ پیش کی۔ اس کمیشن کی روح رواں دو شخص تھے ایک تو معاشیات کا ماہر سینیر اور دوسرے انتظامی قابلیت رکھنے والا چیڈوک۔ اس رپورٹ میں سب سے اول تو یہ بات ثابت کی گئی کہ جو لوگ اس وقت محتاجوں کے قانون کو عملی جامہ پہنانے کا کام کر رہے تھے وہ سب کے سب نا اہل تھے۔ نگراں جن کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں تھی جاہل لوگ تھے اور ان کے اندر کام کا کوئی محرک موجود نہیں تھا۔ ان کے پاس حساب کتاب کے کوئی رجسٹر نہیں تھے۔ دوسری طرف ان میں جانب داری، دھوکا دہی اور خیانت عام تھی۔ اپنے کام کے سلسلے میں وہ کسی قسم کی کوئی زحمت نہیں اٹھاتے تھے۔ جب وہ ایمانداری سے کام کرتے تھے تو مجسٹریٹوں کے سامنے انھیں آسانی سے ذلیل کیا جا سکتا تھا۔ یا ان کے ساتھ تشدد کا برتاؤ کیا جا سکتا تھا۔ کلیسائی حلقے کے نمایندوں کی مجلس کا حال بھی ایسا ہی تھا۔

مجسٹریٹوں کے بارے میں جتنی آسانی کے ساتھ فیصلہ سنا دیا گیا غالباً اس کے وہ مستحق نہیں تھے کیونکہ یہ ثابت کیا گیا تھا کہ وہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر غفلت کرتے تھے۔ بہر حال بھتے کے نظام کی سخت مذمت کی گئی اور اسی طرح منتظموں کی طرف سے جو رعایتیں کی جاتی تھیں ان کی بھی مذمت کی گئی۔ اس بات کی شکایت کی گئی کہ ان لوگوں سے قابل اطمینان طریقے پر کام لینے کے لیے کوئی مرکزی دباؤ موجود نہیں تھا۔ مزدور پیشہ طبقوں کی حالت کی ہو بہو تصویر کھینچ دی گئی۔

اصلاح کا طریقہ یہ تجویز کیا گیا کہ مرکز کی طرف سے سخت دباؤ ڈال کر سارے قومی انتظام میں یکسانیت پیدا کی جائے۔ اس سے بے چینی میں اور آبادی کی غیر ضروری نقل و حرکت میں کمی واقع ہو جائے گی، اور زیادہ نگرانی

قائم کی جاسکے گی اس یکسانیت کا اشارا اضلاع کی طرف تھا یعنی جتنے ایک حیثیت کے نادار ہیں ان کے ساتھ ہر جگہ یکساں سلوک کیا جائے۔ مختلف درجوں کے ناداروں کی علٰحدہ علٰحدہ تقسیم کی گئی تھی اور ہر طبقے کے لیے علٰحدہ علاج تجویز کیا گیا تھا۔

۶۔ امداد کے اصول۔ امداد کا پہلا اصول یہ تھا کہ نادار کی حالت ایسی ہونی چاہیئے یا بظاہر ایسی معلوم ہو کہ وہ ادنیٰ ترین طبقے کے خراب سے خراب آزاد مزدور کے مقابلے میں کم اہلیت رکھتا ہے۔

امداد کے اس اصول کی معقولیت کو ثابت کیا گیا اور کہا گیا کہ اگر اس کے حدود کو ٹھیک طرح مقرر کردیا جائے گا تو پھر کاہلوں کے پاس بے کار رہنے کا کوئی حیلہ باقی نہیں رہیگا لیکن اس کے ساتھ ساتھ کلیسائی حلقے کو "کام زیادہ سے زیادہ لینا چاہیئے اور اجرت کم سے کم ادا کرنا چاہیئے" تاکہ امداد کی طرف لوگ سب سے آخر میں مجبور ہو کر ہی آئیں۔

دوسرا اصول یہ تھا کہ جو لوگ تندرست ہوں ان کو امداد صرف کام گھروں میں رکھ کر دی جائے اور ان کام گھروں کا انتظام سنہ ۱۶۰۱ء کے قانون کے مقصد و منشاء کے مطابق کیا جائے۔ کام گھروں کے باہر جو امداد، تندرست لوگوں اور ان کے خاندانوں کو دی جارہی تھی اسے بند کردیا جائے، سوائے اس صورت کے کہ بیمار ہوں یا ان کے بچے کارآموز بن گئے ہوں۔ امداد کا مقصد چونکہ غربت کو رفع کرنا نہیں بلکہ ناداری کو دور کرنا قرار دیا گیا تھا اور ناداری کی تعریف یہ کی گئی تھی کہ نادار وہ ہے جو ایک ایسے کام گھر میں جس کو اچھی طرح چلایا جارہا ہو داخل ہونے کے لیے آمادہ ہو، اس لیے گیرندہ کے گھر پر امداد دینا، صحیح اصولوں کے منافی سمجھا جاتا تھا۔

کمیشن کے ممبروں کا یہ خیال تھا کہ خارجی امداد کی صورت میں، اہلیت کے مطابق تفریق کرنا خلاف مصلحت تھا کیونکہ اسی کی وجہ سے گزشتہ زمانے میں دھوکا دہی نے ترقی پائی تھی۔ مخصوص مصیبت کے معاملوں پر قانون کے اسریر مسئول کو توجہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ انھیں نجی خیرات کی توجہ کے لیے چھوڑا جاسکتا تھا۔

کام گھروں میں جو کام لیا جائے اسے مفید ہونا چاہیئے اور غیر ضروری طور پر نفرت انگیز نہ بنانا چاہیئے۔ کام گھر میں رہنے والوں کو چار گروہوں میں

تقسیم کیا گیا تھا اور ہر گروہ کے لوگوں کو علیٰحدہ عمارت میں رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ تندرست مردوں اور تندرست عورتوں کی تعداد سب سے کم ہونی چاہئیے۔ یہ امید کی گئی تھی کہ اس طرح کے مرد و عورت اور باہر کے نادار مکمل طور پر غائب ہو جائیں گے اس کے بعد بوڑھوں اور معذوروں کی تقسیم تھی اور آخر میں بچوں کی۔

۷۔ مفلسوں کے قانون کے بارے میں پارلیمنٹ کے ایکٹ۔

اس موضوع پر اس لیے تفصیل سے بحث کی گئی ہے کہ سفارشوں کو مسودۂ قانون کی شکل نہیں دی گئی تھی اگرچہ ان پر عملدرآمد فوری اور فیصلہ کن طریقے پر کیا گیا تھا۔ اسی سال (یعنی ۱۸۳۴ء) کے قانون مفلسین کے ترمیمی ایکٹ میں مرکزی افسر کو وسیع اختیارات دیے گئے کیونکہ پارلیمنٹ نے تفصیلی قانون بنانے کے لیے اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھا۔ یہ پالیسی ابھی تک جاری ہے۔ مرکزی دباؤ جتنا محتاجوں کے قانون کے سلسلے میں محسوس کیا جاتا ہے اتنا کسی دوسرے معاملے میں نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ خیال ہے یا تھا کہ اس میں یکسانیت سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اس محکمے کو غیر سیاسی بنا دیا گیا۔

ایک بات کا اس ایکٹ میں خاص طور پر ذکر کیا گیا تھا اور وہ یہ کہ تندرست لوگوں کو بجز کام گھر کے امداد دینا غیر قانونی تھا اور اس مقصد کے لیے کام گھر کی جانچ کو دوبارہ جاری کر دیا گیا تھا۔

تین موزوں آدمیوں کا ایک مرکزی بورڈ مقرر کیا گیا تھا جنھیں کمشنران قانون محتاجان کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ان کے اختیارات عملاً صرف پارلیمنٹ کے قانون کے اور اس بات کے پابند تھے کہ انھیں انفرادی معاملوں میں امداد کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ ان کی پارلیمنٹ میں نمایندگی نہیں تھی اس لیے ان کے کام کی جانچ پارلیمنٹ کے کمیشن کے ذریعے ہی کرائی جاسکتی تھی۔ مقامی انتظام (قانون کے) سرپرستوں کے بورڈ کے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔

کمشنروں کو اختیار دیا گیا تھا کہ کام گھر تعمیر کرانے کے لیے 'کلیسائی حلقوں' کو ملا کر ان کی انجمن اتحاد بنا دیں اگرچہ ہر کلیسائی حلقے کو اپنے محتاجوں کا خرچ خود ہی ادا کرنا پڑتا تھا۔ افسروں کے تقرر اور برطرفی پر وہ نگرانی رکھتے تھے

اسی طرح رسد کی تفصیلات پر بھی ان کی نظر رہتی تھی۔ حساب کا نظام یکساں بنا دیا گیا تھا۔ آوارہ گردوں کی امداد کے نظام میں بھی تبدیلیاں کردی گئی تھیں کیونکہ مسافروں کے ساتھ معمولی ناداروں کا سا برتاؤ کرنا ممکن نہیں تھا۔ سکونت پذیری کے قوانین عملاً منسوخ کردیے گئے تھے۔

۸۔ نیا نظام۔ اس نئے نظام میں ۱۸۳۴ء کی رپورٹ کی روح کام کر رہی تھی اور جو نتائج برآمد ہوئے ان سے اس کے مرتب کرنے والوں کی دانشمندی کا پتا چلتا ہے۔ آبادی کے اضافے کی رفتار (جو ناداروں میں سب سے زیادہ نظر آتی تھی) کم ہوگئی۔ "زاید" آبادی تقریباً غائب ہوگئی۔ کسان اور صناع یہ ثابت کرنے کے لیے مجبور ہوئے کہ اجرتیں کمترین سامان خورونوش سے بھی زیادہ بڑھائی جاسکتی ہیں۔ اکثر ناداروں کو اپنے کلیسائی حلقے ہی میں کام ملنے لگا اور بعض نے ترقی پسند اضلاع کے لیے ترک سکونت شروع کردی۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کی زندگی محتاجوں کے قانون کے اس زیادہ سخت نظام کی وجہ سے زیادہ مصیبت میں گزرنے لگی لیکن بحیثیت مجموعی اس کی وجہ سے مزدوروں کے طبقے کے اندر خودداری کا احساس دوبارا پیدا ہونے لگا۔

اس نظام پر جو تنقید ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ سینیر اور چیڈوک کے خیالات سے غیر مطمئن تھے۔ اول الذکر جو "کلاسیکی" معاشیین کے زمرے میں شامل تھا چند بنیادی انسانی محرکات پر اعتقاد رکھتا تھا اور اپنے گروہ کے تمام دوسرے افراد کی طرح اپنے نظریوں میں انتہا پسندی سے کام لیتا تھا۔ اس کے نزدیک خودمختاری ایک بڑی چیز تھی لیکن اس کی کمزوریوں سے وہ پوری طرح واقف نہیں تھا۔ ناداری کو جو ایک مستقل حیثیت حاصل تھی اس کو وہ مشکل سے محسوس کرتا تھا اور جو بیچارے واقعی بدنصیب تھے ان کے ساتھ اسے بہت کم انسانی ہمدردی تھی۔

چیڈوک مرکزیت کا قائل تھا اور وہ چند لوگوں کے جذبات کو کل نظام کا تابع بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔ اس میں اگرچہ دور اندیشی پائی جاتی تھی لیکن وہ اپنے اصولوں کی مخالفت کا مفہوم سمجھنے میں ناکام رہا کیونکہ وہ ان انسانی

جذبات کو نہیں سمجھ سکتا تھا جو اس مسئلے کی تنقیح میں مخفی طور پر کام کر رہے تھے۔ یہ بات یقینی تھی کہ مرکزی افسروں کا اقتدار جیسے ہی ختم ہوگا، رائے عامہ ان کے کام کو برباد کر دے گی۔ وہ اپنے آپ کو سب سے اول ایک افسر سمجھتا تھا۔ لیکن اصلاح کی جو کوششیں نیک نیتی پر مبنی ہونے کے باوجود، احساس برتری کے ساتھ کی جاتی ہیں ان پر تنقید ہوتی ہی ہے۔

غرض، سینیر اور چیڈوک کا نقطۂ نظر جس کے ماننے والے ہمارے زمانے میں اب بھی موجود ہیں یہ تھا کہ محتاجوں کے نئے قانون نے اس نگرانی کو دوبارہ قائم کر کے جو اس نظام کے منتظمین پر سے اٹھارویں صدی کی احمقانہ ہمدردی کی وجہ سے اٹھالی گئی تھی، الزبتھ کی پالیسی کو دوبارہ رواج دیا اور اسی طرح انگلستان کے مزدور پیشہ طبقے کے اخلاقی انحطاط کو روک دیا۔

لیکن یہ نقطۂ نظر اس بنیادی فرق کو نظر انداز کر دیتا ہے جو سنہ ۱۶۰۱ء کے انگلستان اور سنہ ۱۸۳۴ء کے انگلستان میں پایا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ گلبرٹ کے قانون سے پالیسی کی تبدیلی نمایاں ہو جاتی ہے اور سنہ ۱۷۹۵ء کے قانون نے ارادۃً سنہ ۱۷۲۳ء کی پالیسی کے برعکس پالیسی کو اختیار کیا۔ لیکن یہ تبدیلی غلط ہمدردی کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ ان نئی معاشی قوتوں کا نتیجہ تھی جن کے مستقبل میں ترقی پا جانے کا، الزبتھ کے زمانے کے قانون سازوں کو کبھی وہم و گمان بھی نہیں ہوا تھا۔

بے روزگاروں کے لیے، امدادی کاموں کو نکالنے کے لیے جو تدبیریں الزبتھ کی حکومت کے آخری سالوں میں اختیار کی گئی تھیں وہ زراعتی مزدوروں پر اس لیے منطبق نہیں کی جا سکتی تھیں کہ جن زراعتی مزدوروں کو روزگار نہیں ملتا تھا انھیں یا تو کاہل سمجھا جاتا تھا یا آوارہ گرد۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے خاتمے تک احاطہ بندی کے نتیجے کے طور پر جو نئے معاشی معاملات پیدا ہوئے تھے اور زراعتی اجرتوں میں ان کے ساتھ جو مطابقت پیدا نہ ہو سکتی تھی اس نے دیہاتی مزدوروں کو اس بدنصیبی کی حالت میں مبتلا کر دیا تھا جس میں بغیر امداد لیے ان کی زندگی دشوار تھی۔ اس کے بہت سے عارضی علاج تجویز کیے گئے تھے جن میں وہیٹ بریڈ کے کمترین اجرت کے مسودۂ قانون سے لے کر ہر مزدور کے

جھونپڑے کے ساتھ ایک قطعۂ اراضی دیے جانے اور گیہوں کی روٹی کی جگہ آلو کھانے کی تجاویز تک سب ہی شامل ہیں۔ لیکن اس کا صحیح علاج یہ تھا کہ اجرتوں کو بڑھایا جائے اور اگر یہ نہیں تو پھر اسپین ہم لینڈ کی پالیسی کے علاوہ کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں تھا۔

محتاجوں کے نئے قانون کا مقصد، جنوب کے دیہی علاقوں میں تو پورا ہو گیا کیونکہ بھٹے کے نظام کے التوا کے ساتھ ساتھ، ریلوں کی تعمیر اور ارکان کئی کی صنعتوں میں مزدوروں کی طلب بھی پیدا ہوئی اور کام گھر یا فاقے کا دوسرا بدل صرف نقل سکونت ہی نظر آتا تھا۔ لیکن یہ قانون مڈلینڈس اور شمال کے شہری اور صنعتی علاقوں میں جہاں اس نے تشویت کی تحریک کے پھیلانے میں براہ راست مدد پہنچائی بہت کم کامیاب ثابت ہوا۔

وجہ یہ تھی کہ غریبی کے مسئلے کے اسباب، جس کی اہمیت صنعتی شہروں میں بڑھتی جا رہی تھی، دیہی علاقوں کے اسباب سے، جن کا مقابلہ کرنے کے لیے نیا قانون بنایا گیا تھا بہت زیادہ مختلف تھے۔ ۱۸۳۴ء تک فیکٹری میں کام کرنے والے مزدور بین الاقوامی بازار کے اس اتار چڑھاؤ کے پابند ہو گئے تھے جس کا تکوّن ان کے ذاتی اختیار سے بالکل باہر تھا۔ مشین کے ذریعے جو مال پیدا کیا جاتا تھا اس میں کام کے ہر جزو کا انحصار دوسرے پر ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے محنت کی تخصیص کار میں جو اضافہ ہو رہا تھا، اس نے روزگار میں ایسا عدم ثبات پیدا کر دیا تھا جس سے سولھویں اور سترھویں صدی کے لوگ بالکل ناواقف تھے۔ اس لیے یہ فرض کرنا ایک ظلم آمیز مغالطہ تھا کہ روزگار ان سب لوگوں کو میسر آسکتا ہے جو اس کے حاصل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس کی تلاش کے لیے آمادہ ہیں۔ دراصل یہی وہ مغالطہ تھا جس کی وجہ سے محتاجوں کے قانون کی بعد کی تاریخ ۱۸۳۴ء کے بنیادی اصولوں سے برابر منحرف ہوتی چلی گئی۔

۹۔ بعد کی تاریخ: لوکل گورنمنٹ بورڈ

نئے قانون کے انتظام کے لیے، جو مرکزی حاکم با اختیار جواب دہ بنایا گیا تھا، اس کا تقرر، ابتدا میں، صرف پانچ سال کے لیے کیا گیا۔ اس زمانے میں اس کی مخالفت اتنی شدید رہی

کہ اس کو برابر سخت جنگ جاری رکھنا پڑی اور یہ اپنے اثر کو پارلیمنٹ میں محسوس نہیں کرا سکا۔ سنہ ۱۸۴۷ء میں محتاجوں کے قانون کا ایک بورڈ بنایا گیا۔ اس کو ایک زوردار صدر مل گیا، پارلیمنٹ میں اس کی نمائندگی ہونے لگی اور گورنمنٹ کے ساتھ اس کا تعلق قائم کر دیا گیا۔ یہ بورڈ، پارلیمنٹ کے اراکین باعتبار عہدہ[1] پر مشتمل تھا۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں محتاجوں کے قانون کا انتظام اس لوکل گورنمنٹ بورڈ کے تحت کر دیا گیا جو نیا نیا بنایا گیا تھا۔ یہ بورڈ ماہروں کی کمیٹی نہیں تھی بلکہ اس کا صدر برسر اقتدار سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا زمانۂ صدارت بااقتدار حکومت کے زمانے کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔

گزشتہ صدی میں محتاجوں کے قانون کے حالات، خارجی تبدیلیوں کے پابند رہے۔ سنہ ۱۸۳۴ء کے اصلاحی مسودۂ قانون کے بعد، لوگوں نے، زیادہ تعداد میں پبلک معاملات سے دلچسپی لینا شروع کر دی جس کی وجہ سے نیا انتظام زیادہ روشن خیال لوگوں کے زیر نگرانی چلایا جانے لگا۔ پرانی غیر ذمہ دارانہ تنقیدیں بھی کم ہو گئیں۔ زمانہ سخت تھا۔ پھر بھی ایک مشکل اصلاح کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ سنہ ۱۸۴۰ء کے بعد کے ابتدائی سالوں میں جب حالات کچھ بہتر ہوئے تو سنہ ۱۸۴۴ء میں خارجی امداد کی ممانعت کا حکم جاری کیا گیا۔ سنہ ۱۸۴۷ء کے بحران کی وجہ سے جو مصیبت نازل ہوئی اس نے ناداری کو بڑھا دیا اور اس کیلیے محتاجوں کے قانون کا بورڈ بنانا پڑا۔ سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد کے ابتدائی سالوں میں تجارت کی ترقی کی وجہ سے، خارجی امداد پر نگرانی رکھنے کا حکم جاری کیا گیا۔ لیکن کریمیا کی جنگ کی وجہ سے ناداری میں دوبارہ اضافہ ہو گیا۔

لیکن سنہ ۱۸۳۴ء کے بنیادی اصولوں پر کبھی بھی پوری طرح عمل نہیں ہوا۔ کمشنر، برتاؤ میں یکسانیت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور خارجی امداد کو منسوخ کرانے میں بھی وہ ناکام رہے۔ برتاؤ کا کوئی ایسا معیار مقرر کرنا، جس کے ذریعے سے ایک نادار شخص کو محنت کش مزدور کے مقابلے میں خراب

[1] Ex- Officis (Parliamentary) Members

حالت میں رکھا جاسکتا، عملاً ناممکن ثابت ہوا۔ اسی طرح محتاجوں کے قانون کی رپورٹ میں جو یہ اصول رکھا گیا تھا کہ، بوڑھوں، معذوروں اور بچوں کو علٰحدہ علٰحدہ جگھوں میں رکھا جائے اس پر بھی عمل نہیں ہوا۔ مڈلینڈس اور شمال کے صنعتی شہروں میں جو اسباب افلاس کے موجب تھے وہ جنوب کے دیہی مسائل سے اس درجے مختلف تھے کہ کمشنر اس قانون کو عملی جامہ پہنانے کے لیے درمیانی طریقہ اختیار کرنے کے لیے مجبور ہو گئے اور اس لحاظ سے ۱۸۴۷ء سے لے کر ۱۸۷۱ء تک پالیسی میں کوئی ہمہ گیر تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

۱۸۷۱ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان، سرپرستوں کے بورڈ پر، جن کے ذمے ۱۸۳۴ء کے ایکٹ کے ذریعے، محتاجوں کی امداد کا مقامی انتظام منتقل کیا گیا تھا، مرکزی افسروں نے دو مخالف طریقوں سے اثر ڈالا۔ ۱۸۷۱ء تا ۱۸۸۵ء کے زمانے میں تو لوکل گورنمنٹ کے بورڈ نے اپنے انسپکٹروں کے ذریعے یہ کوشش کی کہ ۱۸۳۴ء کے اصول کی سخت پابندی کرائے۔ چنانچہ خارجی امداد کو کم اور مختلف اتحادی مرکزوں کے حالات یکساں کرنے کے لیے مستقل اور مسلسل طور پر دباؤ ڈالا گیا۔ ۱۸۸۶ء کے بعد اس پالیسی میں ترمیم کی گئی۔ ایک طرف اگر آوارہ گردوں اور عام مسافروں کے خلاف ۱۸۳۴ء کے اصول سختی کے ساتھ عائد کئے گئے تو دوسری طرف ان طبقوں کے ساتھ جو وقتاً فوقتاً تجارت کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے محتاج ہو جاتے تھے، زیادہ ہمدردی کا سلوک کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ہمدردانہ جذبے کو ترقی دینے میں مسٹر بوتھ کی ان علمی تحقیقاتوں نے بہت مدد دی جو انھوں نے لندن کے غربا کے درمیان رہ کر کیں۔ انھوں نے یہ ثابت کیا کہ لندن کی تیس فی صد آبادی مستقل طور پر غریبی کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے اور محنت کش طبقوں میں جن لوگوں کی عمر ۶۵ سال سے زیادہ ہے، ان میں سے چالیس فی صدی سے زیادہ لوگ، سال کے کسی نہ کسی حصے میں محتاجوں کے قانون کے ماتحت امداد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اس کے کچھ سال بعد ۱۹۰۱ء میں، راؤنٹری نے اسی قسم کی ایک تحقیقات کے نتائج کو جو شہر یارک سے متعلق تھے شایع کیا اور اس میں انھوں نے دکھلایا کہ معقول

زندگی کا جو کمترین معیار ہو سکتا ہے، اٹھائیس فی صدی آبادی اس سے کم پر زندگی بسر کر رہی ہے۔ دنیا کے سب زیادہ دولت مند ملک کی سماجی زندگی میں جو گھن لگا ہوا تھا اس کے ان انکشافات سے بڑی اخلاقی بے چینی پیدا ہوئی۔ افلاس کے پورے مسئلے کی دوبارہ تحقیقات کرنے کے لیے ایک کمیشن ۱۹۰۵ء میں مقرر کیا گیا جس نے ۱۹۰۹ء میں اپنی رپورٹ شایع کی۔ اس میں نظام کی خرابی کا ذمہ دار کمزور انتظام نظم کا فقدان۔ اور مرکزی قوت پر عدم اعتماد کو قرار دیا گیا۔ لوکل گورنمنٹ کا بورڈ اگر چاہتا تو کام میں باقاعدگی اور معائنہ اور حساب کی جانچ پڑتال کا انتظام کر کے بہت کچھ نگرانی کر سکتا تھا۔ لیکن اسے مقامی حکام سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

رپورٹ نے بلند تر نصب العینوں کو پیش کیا۔ اس نے علاج اور پیشگی تحفظ پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت بتلائی۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ سفارش کی گئی کہ اگر امداد لینے والے کے رہنے سہنے کی عادتیں ایسی ہوں کہ جن سے اصلاح کا امکان پایا جاتا ہو تو خارجی امداد ضرور دینا چاہیے۔ لیکن اس قسم کی امداد تندرست آدمیوں کو آیندہ سے بغیر شرائط کے ہرگز نہ دی جائے۔

کچھ سفارشیں تمام اراکین کمیشن نے کی تھیں۔ یعنی سرپرستوں کے بورڈ کو منسوخ کیا جائے۔ انتظام کے رقبے کی توسیع اس طرح کی جائے کہ "متحدہ علاقہ" کی جگہ ضلع اور ضلع نما علاقے لے لیں اور مشترکہ کام گھروں کی جگہ طبقے وارانہ اداروں کا انتظام کیا جائے۔ دوسری ایسی سفارشیں جن پر کامل اتفاق رائے تھا یہ تھیں کہ بوڑھوں کے لیے پنشن کا انتظام کیا جائے مزدور صرافہ[1] قائم کی جائے اور اس کے ساتھ سرکاری طور پر بیماری اور بے روزگاری کا بیمہ کیا جائے اور کام گھروں سے بچوں کو علحدہ کرایا جائے۔

ان کے علاوہ اکثریت نے جن سفارشوں کو منظور کیا وہ یہ تھیں کہ سرپرستوں کے بورڈ کی جگہ، سرکاری امداد کے افسروں کا تقرر کیا جائے رضاکارانہ امدادی کونسلوں اور رضاکارانہ امدادی کمیٹیوں کو قائم کیا جائے تاکہ وہ امداد عامہ اور خیرات کے

[1] Labour Exehanges

درمیان واسطے کا کام انجام دیں۔ ضلع اور مقامی طبی امداد کی کمیٹیاں بنائی جائیں تاکہ عاقبت اندیشی کے اصول پر طبی امداد کا انتظام کیا جا سکے۔ خارجی امداد ضرورت کے مطابق ہو اور مناسب نگرانی کے ماتحت کی جائے کیس پیپر سسٹم[۲] کو اختیار کیا جائے اور ایک محکمۂ امداد عامہ[۱] قائم کیا جائے۔

اقلیت والی رپورٹ کی سفارش یہ تھی کہ معذور لوگوں کے معاملات کا فیصلہ، ضلع اور ضلع نما علاقوں کی کونسلوں کی موجودہ کمیٹیوں یعنی تعلیم کمیٹی، صحت کمیٹی اور معذور خانہ کمیٹی وغیرہ کے ہاتھ میں رہے۔ ان کمیٹیوں کے کام پر حکومت کے مناسب محکمے نگرانی کرتے رہیں۔ تندرست محتاجوں کے بارے میں اقلیت کی سفارش یہ تھی کہ ان کو ایک جداگانہ اور مخصوص افسر کے سپرد کر دیا جائے۔ بے روزگاری پر نگرانی مزدوروں کے وزیر کے سپرد کی جائے اور امداد عامہ کے رجسٹرار، مقامی علاقوں کے لیے مقرر کیے جائیں تاکہ افسروں کے کام مخلوط نہ ہو جائیں۔

اقلیت کی رپورٹ میں، اکثریت سے اصولی اختلاف کیا گیا تھا۔ یہ اقلیت امداد کے نظام سے ناداری کے شائبے تک کو دور کرنا چاہتی تھی۔ اس کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی بدنصیب شہری، ان صنعتی اسباب کی وجہ سے جن پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہے اپنی روزی سے محروم ہو جائے تو اس کو مملکت سے امداد کا مطالبہ کرنے کا پورا حق حاصل ہونا چاہیئے۔

لیکن اس رپورٹ کی سفارشوں کی بنیاد پر بحیثیت مجموعی کوئی نیا قانون اس وقت تک نہیں بنایا جا سکا جب تک کہ جنگ عظیم نے نئے مسائل کو پیدا نہیں کر دیا۔

۱؎ Public Assistance Service

۲؎ Case paper System

۲۔ تعلیم

۱۰۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں تعلیم کی حالت، پیل اور لنکاسٹر

مزدور پیشہ طبقوں کی ابتدائی تعلیم کا آغاز اس وقت ہوا جب اٹھارویں صدی کے شروع میں پلی متھ کے کام گھر میں نادار بچوں کو تعلیم دینے کے لیے ایک سمجھ دار استاد کا تقرر کیا گیا۔ پیل کے فیکٹری کے قانون کے ذریعے جس میں آجر کے لیے یہ بات ضروری قرار دی گئی تھی کہ وہ کارآموزی کے ابتدائی چار سالوں میں "پڑھنے لکھنے اور حساب سکھانے کا مناسب انتظام کرے"، ترقی کی طرف ایک اور اہم قدم اٹھایا گیا۔ قانون کی اس دفعہ کا نفاذ عام طور پر نہیں کیا گیا۔ لیکن اس سے اس بات کا ضرور اظہار ہوتا تھا کہ حکومت تعلیم کے معاملے میں اب اپنی ذمہ داری کو تسلیم کرنے لگی ہے۔

تعلیم کے معاملے میں جن لوگوں نے پیش قدمی سے کام لیا، ابتدائی مدرسوں کے قیام کو ضروری سمجھا اور ایک ہمہ گیر نظام کو ترقی دینا چاہا ان میں بیل اور لنکاسٹر کے نام نہایت نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں کو تعلیم کے دو بڑے تنظیمی اداروں سے جن کی بنیاد انیسویں صدی کے شروع میں رکھی گئی تھی بہت بڑی مدد ملی۔ ایک تو برطانوی اور غیر ملکی اسکولوں کی انجمن (سنہ ۱۸۰۸ء) اور دوسری قائم کلیسا کے اصولوں پر غریبوں کی تعلیم کو ترقی دینے والی قومی انجمن (سنہ ۱۸۱۱ء)۔

۱۱۔ تعلیمی عطیے سنہ ۱۸۳۳ء: اعلیٰ تعلیم۔

جو ابتدائی مدرسے پہلے پہل قائم ہوئے ان کو پوری طرح رضا کارانہ چندوں اور مدرسوں کی فیس سے چلایا جاتا تھا۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں، حکومت نے پہلی مرتبہ بیس ہزار پونڈ کا

ایک عطیہ، مدرسے کی نئی عمارتیں بنانے کے لئے منظور کیا اور اس عطیے کو ان دو تعلیمی انجمنوں کی سفارش پر جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے تقسیم کیا گیا۔

یہ ابتدائی مدرسے ایک حد تک پیشہ ورانہ تعلیم کے مدرسے تھے۔ عام تعلیم کے مبادیات کی تعلیم دینے کے علاوہ، یہ بچے کے آیندہ ہونے والے ذریعۂ معاش کی طرف بھی کچھ توجہ دیا کرتے تھے۔ یہ خیال نیا نہیں تھا۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے محتاجوں کے قانون کے نظریے کا یہ ایک لازمی جزو تھا۔ ۱۸۳۹ء میں تعلیمی عطیے کو بڑھا کر تیس ہزار پونڈ کر دیا گیا اور اس کا انتظام پریوی کونسل کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا اور امدادی اسکولوں کا معائنہ بھی شروع کر دیا گیا۔

۱۸۳۰ء تا ۱۸۷۰ء کے زمانے میں، ان دو تعلیمی انجمنوں نے ملک کے مختلف حصوں میں، استادوں کی تعلیم کے کالج قائم کیے تاکہ مدرسوں کے اسٹاف میں، اعلیٰ تعلیم پائے ہوئے اور تعلیم کے طریقوں سے باقاعدہ طور پر واقف استادوں کو رکھا جا سکے۔ اسی کے ساتھ ساتھ، بنتھم اور پلیس کے زیر اثر، نئے گریڈ کے مدرسے کھولنے کی تحریک کو بھی چلایا گیا جن کا نصاب پہلے ابتدائی تعلیم کے مدرسوں سے زیادہ بلند تھا۔

۱۲۔ تعلیم ۱۸۳۰ء تا ۱۸۷۰ء ۱۸۶۱ء کا مرممہ ضابطہ۔

آیندہ کے تیس سالوں میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوا کہ قائم کلیسا اور غیر مقلدوں کے درمیان، نظام تعلیم پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے، ایک کشمکش جاری رہی۔ اس باہمی رقابت اور حکمراں طبقے کے عدم مداخلت کے رویے کا مشترکہ نتیجہ یہ نکلا کہ سرکاری مدرسوں کا قیام تاخیر میں پڑ گیا اور یہ ۱۸۷۰ء تک قائم نہ ہو سکے۔

۱۸۴۴ء میں جب فیکٹری کا قانون منظور ہوا تو اس کے ساتھ نصف وقت کے مدرسوں کا نظام بھی آہستہ آہستہ فیکٹری کے انسپکٹروں کے زیر اثر نمودار ہونے لگا۔ اور ۱۸۶۰ء تک تعلیم کی مانگ ان کی رپورٹوں کے بموجب اتنی زیادہ ہو گئی کہ اختیاری طریقہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے

ناکافی ثابت ہوا۔ ۱۸۵۸ء میں تعلیمی تحقیقات کے لیے ایک شاہی کمیشن کا تقرر کیا گیا اور کمیشن کی سفارشوں کو رابرٹ لو کے جاری کیے ہوئے ترمیم شدہ ضابطے میں شامل کر دیا گیا۔ نئے ضابطے نے ابتدائی مدرسوں کو پابند کر دیا کہ وہ صرف تعلیم کے مبادیات تک اپنی توجہ کو محدود رکھیں اور نتائج کے مطابق امداد دینے کے طریقے کو رائج کر دیا۔

۱۳۔ ۱۸۷۰ء کا ابتدائی تعلیم کا قانون۔

نئے ضابطے پر ابھی صرف چند ہی سال عمل ہوا تھا کہ ایک اہم ترین معاشری تبدیلی رونما ہوئی یعنی ۱۸۶۷ء کا ڈزرئیلی کا قانون اصلاحات۔ جس کی وجہ سے سیاسی طاقت کا پلڑا مزدوروں کی طرف جھک گیا۔ چنانچہ جمہوریت کے اس آغاز کا عکس ڈی۔ ای۔ فارسٹر کے ۱۸۷۰ء کے تعلیمی نظام میں نظر آیا۔ اس کے اندر پرانے طبقے وارانہ نظام کے پہلو بہ پہلو، اسکول کے انتخابی بورڈ بھی قائم کیے گئے اور ان بورڈوں کو مقامی محاصل کے ذریعے مدرسوں کو بنانے اور چلانے کا بھی اختیار دیا گیا اور پانچ سال سے تیرہ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کے لیے مدرسے کی حاضری کو لازمی قرار دے دیا گیا۔ ابتدائی تعلیم کے مقصد کو سامنے رکھ کر، سارے ملک کو ضلعوں، ضلع نما علاقوں، کلیسائی حلقوں کے گروہوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر ایک کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ اپنے ضلع کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب ضمنی قوانین تیار کریں۔ ابتدا میں لازمی حاضری کی دفعات کے نفاذ کی صرف اجازت دی گئی اور جہاں ان پر عملدرآمد شروع کیا گیا وہاں بے شمار قسم کی معافیوں کو جائز رکھا گیا۔ بورڈ کے یہ مدرسے غیر مذہبی ہوتے تھے اور ان میں تھوڑی سی فیس لی جایا کرتی تھی۔

۱۸۷۵ء اور ۱۸۸۰ء میں اجازتی دفعات میں ترمیم کی گئی اور جبری طریقۂ تعلیم براہ راست اختیار کر لیا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں، لارڈ سالسبری کی حکومت نے ان ابتدائی مدرسوں میں جن کو سرکاری امداد ملتی تھی، تعلیمی فیس منسوخ کر دی۔ اور ۱۸۹۶ء میں سرکاری امداد ان خانگی مدرسوں کو دی جانے لگی جو انسپکٹر کی

رپورٹ کے مطابق کارگزاری کے ایک خاص معیار تک پہنچ چکے تھے۔

انیسویں صدی کے گزشتہ تیس سالوں میں، زیادہ تر ہربرٹ اسپنسر اور ہکسلے کی تصانیف کے زیر اثر، ابتدائی تعلیم کے نصاب کو دوبارہ وسعت دی گئی اعلیٰ تر درجوں کے ایسے مدرسے بنائے گئے جن میں طلبہ کے اندر سائنس کا رجحان پیدا کیا جاتا تھا اور اس تحریک کو ۱۸۸۹ء کے ٹیکنیکل تعلیم کے ایکٹ سے اور زیادہ تقویت حاصل ہوگئی۔ اس کی رو سے نئے قائم شدہ ضلع کونسلوں اور دوسرے مقامی اداروں کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ فنی یا دستی تعلیم کا یا تو خود انتظام کریں یا اس کے انتظام کی بہم رسانی میں امداد دیں۔ ۱۸۹۵ء کے شاہی کمیشن نے ثانوی تعلیم کے سرکاری نظام کی سفارش کی اور یہ بھی سفارش کی کہ تعلیمی نگرانی کے لیے ایک مرکزی حاکم کا تقرر کیا جائے۔ ۱۸۹۹ء کے بورڈ آف ایجوکیشن ایکٹ کے ذریعے اس سفارش کو عملی جامہ پہنایا گیا اور تعلیمی محکمہ، سائنس اور آرٹ کے محکمے اور (تعلیمی اوقاف کے سلسلے کے) خیراتی کمیشن — ان سب کو نئے قائم کیے ہوئے تعلیمی بورڈ میں متحد کر دیا گیا۔

۱۹۰۲ء کا تعلیمی ایکٹ۔

۱۹۰۱ء میں کاکرٹن کے مقدمے میں جو عدالتی فیصلہ سنایا گیا اس سے اعلیٰ تعلیم کی ترقی میں بری طرح رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ فیصلہ یہ تھا کہ اسکول کے بورڈوں نے محاصل کے ذریعے جمع کی ہوئی رقم کو ان کاموں پر خرچ کرکے جن کا ذکر ضابطے میں نہیں کیا گیا تھا اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ اس مشکل کو ۱۹۰۲ء کے تعلیمی ایکٹ نے حل کر دیا۔ اس کے ذریعے سرکاری امداد پائے ہوئے مدرسوں کی مقامی نگرانی کو ضلع اور ضلع نما علاقوں کی کونسلوں کے سپرد کر دیا گیا۔ اور ان کی طرف سے جو تعلیمی کمیٹیاں مقرر کی جاتی تھیں وہ اب اسکول کے ان بورڈوں کی جگہ کام کرنے لگیں جن کا انتخاب خاص طور پر کیا جایا کرتا تھا۔ اونچے درجے رکھنے والے پرانے درسوں کو، کونسل کے ثانوی مدرسوں میں تبدیل کر دیا گیا جو پرانے گریمر اسکولوں سے اس لحاظ سے مختلف ہوتے تھے کہ ان میں جدید علوم کے مطالعے پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔

سنہ ۱۹۰۲ء کے ایکٹ کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے وہ کم ہے۔ اس سے ایک حقیقی قومی تعلیم کے نظام کا آغاز ہوتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں جسمانی زوال کے کمیشن کی سفارشوں پر جب عملدرآمد شروع کیا گیا تو غذا فراہم کرنے والے ایکٹ کے ذریعے، مقامی حکام کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ ان بچوں کو جو ابتدائی مدرسوں میں تعلیم کی غرض سے آتے تھے، غذا فراہم کریں اور ان والدین سے جو ادا کرنے کے اہل ہوں اس کی قیمت وصول کرلیں۔ ایک اور دوسری دوررس اصلاح سنہ ۱۹۰۷ء میں اس ایکٹ کے ذریعے سے کی گئی جس میں ابتدائی مدرسے کے بچوں کے لیے طبی امداد اور علاج کا انتظام مفت کر دیا گیا۔ یہ نیا انتظام اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ جسمانی زوال کے کمیشن کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوا تھا کہ طالب علموں کی ایک بہت بڑی تعداد خراب تغذیہ اور آنکھوں، کانوں اور دانتوں کی خرابی میں مبتلا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک دوسری کڑی سنہ ۱۹۰۸ء کا بچوں کا ایکٹ تھا جس میں بچوں کے ہاتھ شراب اور تمباکو فروخت کرنا ممنوع قرار دیا گیا تھا اور جس کے ذریعے، نوعمر جرم کرنے والوں کے لیے مخصوص عدالتوں اور آزمائشی رہائی کے افسروں کا تقرر کیا گیا تھا اور صنعتی اسکولوں پر نگرانی قائم کی گئی تھی۔ اس کے بعد پھر سنہ ۱۹۱۸ء تک کوئی اہم تعلیمی تبدیلی نہیں ہوئی۔

۴۔ صحت عامہ اور فراہمی مکان

۱۵۔ تمہید صنعتی انقلاب کی ابتدائی منزلوں میں، نئے شہروں کی جو بے روک ٹوک ترقی ہوتی رہی، اس نے صحت عامہ کے مسئلے اور کسی منظم کارروائی کو اختیار کرنے کی ضرورت کی طرف سب لوگوں کو متوجہ کر دیا۔ سنہ ۱۸۳۸ء میں ڈاکٹر ارناٹ، سرجیمس کے شٹل ورتھ اور ساؤتھ وڈ اسمتھ نے، محتاجوں کے قانون کے کمشنروں کے پاس، لندن کی بیماریوں اور اموات کے اسباب کی رپورٹ روانہ کی۔ اس کے دوسرے سال، ان کمشنروں نے

لارڈ جان رسل، وزیر داخلہ کو دار السلطنت کی غیر صحت بخش حالت کی طرف متوجہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۳۹ء میں ایک سلیکٹ کمیٹی کا تقرر کیا گیا جس نے ۱۸۴۳ء میں ایک رپورٹ صحت اور صفائی کے ان حالات کے بارے میں جن میں برطانیۂ عظمیٰ کے مزدور پیشہ طبقے زندگی گزار رہے تھے پیش کی۔

اس رپورٹ پر پارلیمنٹ میں جو مباحثے ہوئے ان کی بنا پر انگلستان کے شہروں کی تندرستی کی حالت کے بارے میں تحقیقات کرنے کے لیے ایک شاہی کمیشن کا تقرر کیا گیا جس نے ۱۸۴۵ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ جب رپورٹ شایع ہوئی اتفاق سے ان ہی دنوں میں ایشیائی ہیضے کی سخت وبا بھی پھیلی اور بنتھم کے پیرووں کے زیر اثر ۱۸۴۷ء اور ۱۸۴۸ء کے درمیان ماڈل کلازیز کے قوانین منظور کیے جن میں کا ایک قانون مثال کے طور پر ٹاون امپرومنٹ کلازیز ایکٹ بھی تھا۔

۱۶۔ ۱۸۴۸ء کا صحت عامہ کا قانون دوسرے قوانین۔

لیکن صحت وصفائی کے بارے میں باقاعدہ قانون سازی کا سلسلہ ۱۸۴۸ء کے حفظان صحت کے قانون ہی سے شروع ہوا جس کا محرک زیادہ تر ایڈون چیڈوک تھا جو ایک زمانے میں جرمی بنتھم کا پرائیوٹ سکریٹری رہ چکا تھا۔ اس قانون کی رو سے ایک جنرل بورڈ آف ہیلتھ پانچ سال کے لیے بنایا گیا اور اس کو اختیار دیا گیا کہ وہ ایسے مقامی بورڈ آف ہیلتھ بنائے جن کے اختیارات صحت وصفائی کے سلسلے میں خاصے وسیع ہوں۔ اس کے دس سال بعد، مرکزی بورڈ کے اختیارات کو ہوم آفس اور پریوی کونسل کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ جو تجارتی بورڈ کے ذریعے اپنا کام انجام دیتے تھے۔ ۱۸۷۲ء کے صحت عامہ کے قانون کے ذریعے، شہری علاقوں میں، صحت وصفائی کے اختیارات، لوکل بورڈوں، ضلع نما علاقوں اور ٹاؤن امپرومنٹ کمیشنوں کو تفویض کر دیے گئے۔ اور دیہی علاقوں میں، سرپرستوں کے بورڈوں کو صفائی کا افسر بنا دیا گیا۔ ۱۸۸۲ء میں جب منوسپل کارپوریشن کے قانون نے شہر کی مقامی حکومت کو از سر نو تعمیر کیا تو ضلع نما

علاقوں کی کونسلوں کو صفائی کے اختیارات سپرد کیے گئے اور ۱۸۹۴ء میں ضلعوں میں سرپرستوں کو جو صفائی کے اختیارات ملے ہوئے تھے وہ شہری اور دیہی ضلع کونسلوں کو منتقل کر دیے گئے۔

۱۷۔ ۱۸۷۵ء کا صحت عامہ کا قانون۔

موجودہ زمانے میں ہمارے یہاں صفائی کا جو ضابطہ پایا جاتا ہے وہ ۱۸۷۵ء کے قانون پر مبنی ہے جس کے ذریعے پچھلے تیس سالوں کے صفائی کے جملہ قوانین کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس قانون نے ان مقامی بورڈوں کی ذمہ داریوں میں جنھیں ۱۸۹۴ء کے قانون کے ذریعے، شہری ضلع کونسل بنا دیا گیا تھا، اور زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ اس قانون کے تحت افسران متعلقہ کا یہ فرض ہے کہ وہ نالیوں اور موریوں کی نگرانی اور انتظام کریں، گلیوں، سڑکوں اور گڑھوں کی صفائی کرائیں، رہائشی مکانوں اور غذا کا معائنہ کرائیں، غلاظت اور ناگوار صنعتوں کی نگرانی کریں، پانی کی بہم رسانی کا انتظام کریں اور وبائی بیماریوں کے تدارک کے لیے ذرائع استعمال کریں۔

۱۸۸۹ء اور ۱۹۰۱ء کے درمیان، متعدی بیماریوں کے بارے میں بہت سے قوانین منظور کیے گئے۔ متعدی بیماریوں کی اطلاع کو قانونی طور پر لازمی قرار دیا گیا اور دواخانے امراض متعدی قائم کیے گئے۔ زچگی، نگہداشت اطفال اور انسداد تپ دق کا کام بھی، صحت عامہ کی خدمات میں، ۱۹۰۸ء اور جنگ عظیم کے آغاز کے درمیانی سالوں میں، شامل کر دیا گیا۔

۱۸۔ مزدور پیشہ طبقوں کی رہائش کا انتظام۔

ان نئے شہروں کی گندگی اور غیر صفائی کی وجہ سے جو صنعتی انقلاب کے زمانے میں برساتی مینڈکوں کی طرح نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے اور جن کی وجہ سے شہروں کے اندر وہ غلیظ اور تاریک محلے پیدا ہوئے، جو آج بھی موجود ہیں، مکانوں کی اصلاح کا مسئلہ، صحت عامہ کے قانون کی طرح، نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں جب مزدور پیشہ طبقوں کے رہائشی مکانوں کی اصلاح کے لیے دار السلطنت میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی، مزدور طبقے کے رہائشی

مکانوں کی اصلاح کا مسئلہ لوگوں کی نگاہ کے سامنے آگیا تھا۔ لارڈ شیفٹسبری اور شوہر ملکہ، دونوں نے اس تحریک سے دلچسپی ظاہر کی اور ۱۸۵۱ء میں ایک قانون منظور کیا گیا جس میں مقامی حکام کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ کاریگروں کے لیے منوسپلٹی کی طرف سے رہائشی مکانوں کا انتظام کریں۔ اسی سال مشترکہ رہائشی مکانوں کو سرکاری نگرانی کے ماتحت لے آیا گیا تھا اور ۱۸۵۵ء میں غلاظت کو دور کرنے کے قانون کے منظور ہو جانے کی وجہ سے یہ ممکن ہو گیا کہ تھوڑی سی جگہ میں مکانوں کی تعداد کو کثیر کرنے کے خلاف پابندی لگائی جائے اور ایسے مکانوں کو جنھیں انسانی بود و باش کے لیے غیر موزوں سمجھا جائے بند کر دیا جائے۔

اسی کے ساتھ ساتھ ایسے قوانین بھی بنائے گئے جن سے ان مکان بنانے والوں کی ہمت افزائی ہوتی تھی جو مزدوروں کی رہائش کے لیے مکان بناتے تھے۔ ۱۸۶۴ء میں رسکن اور مس آکٹیویا ہل نے کرایہ وصول کرنے کی اپنی مثالی اسکیم کو شروع کیا اور پی باڈی اور واٹرلو نے ایک ہی عمارت میں بہت سے کرایے کے مکانوں[1] کے نظام کو شروع کیا۔ ان میں ۱۸۸۱ء تک دو ہزار پانسو آدمی رہنے لگے تھے۔ ۱۸۶۸ء میں ٹارنس کے قانون کا منشا یہ تھا کہ موجودہ مکانوں کی اصلاح میں امداد دی جائے لیکن اس میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی اگرچہ لورپول کی کارپوریشن نے کچھ کوششیں گندے محلوں کو صاف کرنے کے لیے ضرور کیں۔

اس کے بعد دوسرا اہم قانون ۱۸۷۵ء کا کراس کا قانون تھا جس کی وجہ سے تعمیر اور انہدام کے وسیع اختیارات مقامی حکام کو مل گیے۔ برمنگھم میں چیمبرلین نے ان اختیارات سے خوب فایدہ اٹھایا۔ اس نے نہ صرف گندے مکانوں کے ایک کثیر الآباد علاقے کو ختم کر دیا بلکہ تعمیر کے ذیلی قوانین کا ایک اٹل نظام بھی رائج کر دیا۔ رہائشی مکانوں کے حالات کے بارے میں، شاہی کمیشن کی تحقیقات ہو جانے کے بعد، ۱۸۸۵ء اور ۱۸۹۰ء میں مزید قوانین بنائے گئے اور انیسویں صدی کے خاتمے تک، اصلاح کی اسکیموں کے سلسلے میں، تقریباً

[1] Block Tenements

بیس لاکھ پونڈ کا قرضہ لیا جا چکا تھا۔

منصوبے کے مطابق شہر تعمیر کرنے کا قانون جو ۱۹۰۹ء میں منظور کیا گیا، فراہمی مکان کی تاریخ میں نہایت اہم مرتبہ رکھتا ہے۔ اس قانون کے محرک نجی اقدام کے مندرجۂ ذیل کارنامے ہوئے :- پورٹ سن لائٹ (۱۸۸۸ء) بورن وِلا (۱۸۹۹ء) اور مضافاتِ شہر میں ہمپ سٹیڈ گارڈن (۱۹۰۴ء)۔ اس قانون کی خاص دفعوں کے ذریعے مقامی حکام کو اختیار دیا گیا تھا کہ ایسی زمینوں کو خرید کر ترقی دیں جن میں مکانوں کے تعمیر کیے جانے کا امکان نظر آئے۔ فی ایکڑ زمین پر مکانوں کی تعداد مقرر کر دیں اور ان کی بلندی اور عام شکل کا بھی تعین کر دیں۔

چھوٹے مکانوں کی نجی تعمیر میں جو تخمین کی بنیاد پر کی جا رہی تھی، اس قانون نے اور اس سال کے بجٹ نے کس حد تک رکاوٹ پیدا کی۔ اس بات کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن ۱۹۱۲ء تک رہائشی مکانوں کی قلّتِ رسد کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے اور جنگ کے سالوں میں چونکہ مکانوں کی تعمیر بالکل رکی رہی تھی اس لیے مملکت مجبور ہوئی کہ ۱۹۱۸ء کی عارضی صلح کے بعد، محنت کش آبادی کی رہائش کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بڑی منوسپلٹیوں میں سے بیشتر نے سرکاری روپے کی کثیر رقموں کو رہائشی مکانوں کی ان جایدادوں کو ترقی دینے پر صرف کیا جو مضافاتِ شہر میں پائی جاتی تھیں۔

۴۔ تندرستی اور بے روزگاری کا بیمہ

۱۹۔ معاشری بیمہ موجودہ زمانے میں تندرستی اور بے روزگاری کے بیمے کی جن دو خدمات کو شروع کیا گیا ہے انھیں دراصل ناداروں کی امداد کے مسئلے کا ہی تتمہ سمجھنا چاہیے۔ انسدادِ ناداری کا مسئلہ، اگر اسے محض امداد دینے

سے علیحدہ کرکے دیکھا جائے، ٹیوڈر خاندان کے حکمرانوں ہی کے زمانے میں شروع ہو گیا تھا۔ کاریگروں کے قانون میں جو بنیادی اصول رکھے گئے تھے ان میں سے، کم سے کم، ایک، یہ بھی تھا۔ صنعتی انقلاب کے زمانے میں محنت کے اندر جو تخصیص واقع ہوئی اور مشینی پیداوار میں جو ترقی ہوئی ان کی وجہ سے اس مسئلے نے اپنی موجودہ صورت اختیار کرلی۔ لوئی بلانک نے سنہ ۱۸۴۸ء میں پہلی مرتبہ، بے روزگاری کی برائیوں کو کم کرنے کی ایسی ٹھوس تجاویز پیش کیں، جن سے جماعت کی نگاہ میں آدمی ذلیل نہیں ہوجاتا تھا۔ ان تجاویز کی روح کو بسمارک نے اس لیے اختیار کرلیا تاکہ جرمنی میں اشتراکیت کا زور جو کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا اسے دور کردیا جاسکے۔ اور سنہ ۱۹۰۶ء کی لبرل حکومت نے لائیڈ جارج کی سرکردگی میں جن قوانین کو منظور کیا ان کے سامنے بھی یہی نمونہ موجود تھا۔

پہلے بوڑھوں کے لیے پنشن منظور کی گئی۔ بوتھ کی تحقیقات اور جوزف چیمبرلین کی تقریروں نے، انیسویں صدی کے آخری ربع میں، جماعتی شعور کو بیدار کردیا تھا۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں، پراویڈنٹ انشورنس کی ایک سلیکٹ کمیٹی کا تقرر زیادہ تر چیمبرلین کی تحریک پر کیا گیا اور سنہ ۱۸۹۳ء میں بوڑھے غریبوں کی تحقیق حالات کے لیے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا گیا۔ دارالعوام نے ان بوڑھے غریبوں کی کفالت کو منظور کرلیا لیکن جنوبی افریقہ کی پریشانیوں کی وجہ سے یہ معاملہ التوا میں پڑ گیا۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں حکومت میں جو غیر معمولی تبدیلی ہوئی اس کی وجہ سے یہ مسئلہ پھر اٹھایا گیا اور سنہ ۱۹۰۸ء میں، بڑھاپے کی پنشن کے اولین مسودۂ قانون نے قانونی جامہ پہن لیا۔ حکومت نے برطانوی رعایا کے تمام ان افراد کے لیے جن کی عمر ستر سال تک پہنچ چکی ہو اور انگلستان میں جن کی سکونت بیس سال کی ہو اور جن کے ذرائع آمدنی اکیس پونڈ سالانہ سے زیادہ نہ ہوں پانچ شلنگ فی ہفتہ پنشن عطا کرنا منظور کرلیا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں رشتۂ ازدواج میں منسلک مرد و عورت کے لیے کچھ اور رعایتیں منظور کی گئیں اور اہلیت کی مدت کو کم کرکے بارہ سال کردیا گیا۔

سلاا۹۱ء میں 'قومی تندرستی کے بیمہ نے' قانونی شکل اختیار کرلی۔ لائیڈ جارج کی اسکیم، چند مستثنیات اور معافیات کے ساتھ، تمام صنعتی آبادی پر، عام اور لازمی طریقے پر عائد کردی گئی۔ اس اسکیم کے مصارف کا بار مزدوروں، آجروں اور مملکت تینوں پر ڈالا گیا۔ اور اس ایکٹ کے ماتحت، طبی امداد، بیماری کے بھتے، زچگی کے زمانے کی مراعات وغیرہ کا انتظام کیا جانے لگا۔

بے روزگاری کے بیمے کا پہلا تجربہ بھی سلاا۹۱ء ہی میں کیا گیا۔ یہ قانون صرف ان صنعتوں پر عاید کیا گیا جن کے اندر روزگار میں بہت زیادہ اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا مثلاً تعمیر، جہاز سازی اور مشین سازی کی صنعتیں۔ اس میں ۵ اشلنگ فی ہفتہ کے بھتے کی اجازت دی گئی اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہفتے فی سال کا بیمہ کیا گیا۔ اس قانون کا انتظام مزدور صرافہ کی معرفت کیا جاتا تھا جس کو اس سے پہلے شنہ۱۹۰ء میں قائم کیا جاچکا تھا۔

باب ۹

مزدور سبھا تحریک کی تاریخ

۱۔ اجرتیں۔ ابتدائی زمانے میں سب آدمی اپنی روزی زمین سے حاصل کرتے تھے۔ غذا اور جائے قیام کو اپنی ذاتی کوشش سے براہ راست حاصل کیا جاتا تھا۔ بعد کو جب تخصیص یافتہ روزگار نمودار ہوئے تو دستکاروں کو رسمی اجرتیں ادا کی جانے لگیں۔ لیکن اس کے بعد بھی جب کبھی وہ چاہتے تھے زمین کے کام پر دوبارہ واپس جا سکتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی اجرتیں اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں کبھی بھی مستقل طور پر نہیں گھٹنے پاتی تھیں۔ مہذب ملکوں میں تقسیم عمل کو ہر جگہ اتنی وسعت حاصل ہوگئی تھی کہ آبادی کا ایک بڑا حصہ اجرت یا اس کے مساوی معاوضے پر کام کرنے لگا تھا۔ رومیوں کے زمانے میں، غلاموں کو اپنے آقا کی فرماں برداری کرنا پڑتی تھی اور ان کو غذا اور رہنے کی جگہ براہ راست طریقے پر، زر کے وسیلے سے کام لئے بغیر، آقا کی جیسی مرضی ہوتی تھی اس کے مطابق ادا کی جاتی تھی۔ جب انھیں غلام کی جگہ رعیت کی حیثیت نصیب ہوئی جیسا کہ انگلستان کی تاریخ کے ابتدائی زمانے میں ہوا تو بھی رعیت کے افراد اس پر مجبور رہے کہ اپنے مالک کے مطالبوں کو محنت کی صورت میں ادا کریں۔ اس کے علاوہ باقی دوسرے کاموں میں وہ معاشی لحاظ سے خود مختار ہوتے تھے اور اب بھی وہ زمین سے روزی حاصل کرتے تھے۔ ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ چھپر نشین کسان کس طرح

مزدور بن گئے۔ جب یہ تبدیلی ہو چکی تو پھر اجرت کا نظام وجود میں آگیا۔

ہر زمانے میں اجر تیں تین باتوں کے ماتحت مقرر ہوتی رہی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ زیر اثر طبقے کا معیار زندگی رواج کے مطابق کیا ہے دوسری یہ کہ کام کرنے والے لوگوں کی سیاسی یا معاشی طاقت کتنی ہے اور تیسری یہ کہ طلب ورسد کی قوتوں کا عمل کس طریقے پر ہو رہا ہے۔ انفرادی طور پر اجرتوں میں ہمیشہ فرق پایا گیا ہے لیکن اس سے ہمیں یہاں کوئی مطلب نہیں ہے اور اس کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے قائم حالت میں یا ایسی حالت میں جب زمین بافراط موجود ہو مثلاً نئے ملکوں میں یا مرکزی ایشیا جیسی کھلی جگہوں میں طلب اور رسد کے اثرات کا انحصار زیادہ تر موسموں، جنگوں اور وباؤں پر ہوا کرتا ہے اور ان کی وجہ سے جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں انھیں لانبی مدت کے مطالعے میں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اجرتوں کا دارومدار صرف معیار زندگی اور کام کرنے والے لوگوں کی طاقت پر رہ جاتا ہے۔

(۱) اجرت میں تبدیلیاں:۔ اوپر کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیاست کی زبردست تبدیلیوں یا دوسری تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی اجرتوں میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں، لیکن رسمی سطح میں تبدیلی اسی وقت تدریجی طور پر رونما ہوتی ہے جب لوگوں کی عادتوں میں مسلسل کوئی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ پرسکون زمانوں میں معاشی بے چینی بہت کم ہوتی ہے۔ ایک طبقے پر ظلم ہوتا رہتا ہے لیکن چونکہ اس کو اس سے بہتر حالت کا کوئی علم نہیں ہوتا اس لئے وہ مقابلہ کر کے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات یا تو ایک طبقے کو یہ بتلا دیتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنی حالت کو بہتر بنا سکتا ہے یا پھر کچھ ایسی تبدیلیاں پیدا کر دیتے ہیں جو آبادی کے دوسرے اجزا کے لئے مضرت رساں ثابت ہوتی ہیں۔ دونوں حالتوں میں بے چینی رونما ہو سکتی ہے اور اجرتوں کو بڑھوانے کی کوششیں کی جا سکتی ہیں۔ مطالبے کی بنیاد یا تو یہ ہوتی ہے کہ رسمی معاوضہ یعنی معمولی یا "منصفانہ" اجرت ادا نہیں کی جا رہی ہے یا یہ ہوتا ہے کہ حالات ایسے بدل گئے ہیں کہ اب پرانی اجرتیں،

انصاف پر مبنی نہیں رہی ہیں چنانچہ مزدور کبھی قدامت پسند بن جاتا ہے اور کبھی انقلاب پسند۔

اجرتوں کی تبدیلی کی ایک مثال کا مشاہدہ تو ہم نے اس وقت کیا تھا جب یہ دکھلایا گیا تھا کہ کس طرح تدریجی طور پر اضافہ پذیر آبادی نے کاریگروں کی اتنی بڑی فوج کو پیدا کر دیا جس کو خواص پسند جرگے اپنے اندر جذب نہیں کر سکے۔ چنانچہ نوکاروں نے استاد کاریگروں کو نقصان پہنچا کر اپنی حالت کو بلاشبہ بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اور یہ کام انھوں نے بالکل اسی انداز سے کیا جیسے اس سے پہلے استاد کاریگروں نے تاجر جرگے داروں کے اجارے کو توڑنے کے لیے کیا تھا۔ نوکاروں میں جب بے چینی پیدا ہوئی تو ایسے زمانے میں جب حالات بدل رہے تھے، انھیں اس بات کا حوصلہ ہوا کہ اپنے معیار زندگی کو قائم رکھنے یا بلند کرنے کی کوشش کریں۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ تقریباً اٹھارھویں صدی کے آغاز کے وقت، صنعت کو زیادہ واضح طور پر، سرمایہ داری کے طریقے پر چلایا جانے لگا تھا۔ کاریگر لوگ، روپے کے معاوضے میں، ان مستطیع لوگوں کے ہاتھ، اپنا تیار کیا ہوا مال بیچنے لگے تھے جنھیں مال کو جلد فروخت کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی اور جو انتظار کر سکتے تھے۔ مال کے معاوضے میں دستکاروں کو جو روپیہ ملتا تھا اس سے وہ اپنی ضرورت کی ان چیزوں کو خرید سکتے تھے جن کو دوسرے آزاد مزدور، محنت کر کے اسی طرح فراہم کیا کرتے تھے۔ غرض، ذرائع پیدائش سے ادنیٰ طبقے کے لوگوں کا براہ راست تعلق ختم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ان کے مالک اپنے باپ دادا کی دستکاری کو بھولتے جا رہے تھے اور انھوں نے دوسروں کی محنت کے ماحصل کو فروخت کرنا اپنا ذریعۂ معاش بنا لیا تھا۔ اب ادائیاں ضروری سامانوں کی شکل میں نہیں کی جا سکتی تھیں بلکہ اب زر کو واسطے کے طور پر استعمال کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

۲۔ تبدیلی کی ضرورت:۔ رسمی اجرتیں پوری طرح اطمینان بخش نہیں تھیں۔ پرانے زمانے میں جو اجرتیں ادا کی جاتی تھیں، ان کی قدر کا اندازہ فوراً کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اب زر ایک وسیلہ

بن گیا تھا اور اس کی حقیقی قدر بدلتی رہتی تھی۔ جن لوگوں کو ان کی ضروریات بالواسطہ ملنے لگی تھیں ان کی اجرت محض ظنی و قیاسی رہ گئی تھی۔ ایک نئے اصول کو وضع کرنے کی ضرورت تھی۔ وقت کی سب علامتیں، تبدیلی کی رہنمائی ایک ہی سمت میں کر رہی تھیں۔ اگر محض سرمایہ داری میں اضافہ ہوتا تو بھی وقت گزرنے پر تبدیلی کی وجہ سے موجودہ حالات ہی رونما ہوتے۔ اس سے قبل، استاذ کاریگر اور نوکار، ایک دوسرے سے قریبی طور پر منسلک رہتے تھے اور آسانی کے ساتھ ایک کی جگہ دوسرا لے سکتا تھا۔ لیکن نئی سرمایہ داری کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مزدوروں اور آجروں کا باہمی رشتہ منقطع ہوگیا۔ دونوں میں زیادہ تخصیص پیدا ہوگئی۔ شروع میں بچولیہ (جو اکثر دست کار بھی ہوتا تھا) اپنے ساتھیوں سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ وہ کس طرح آجر بن گیا اور دستکار کس طرح اس کے ماتحت بن گئے۔

اس تبدیلی کو حقیقتہً سرمایہ داری نے تنہا پیدا نہیں کیا بلکہ جس چیز نے کاریگر کی حیثیت کو یکبارگی بدل ڈالا وہ صنعتی انقلاب تھا۔ اس کے بعد کاریگر نہ صرف اپنے آقا کا ماتحت ہوگیا بلکہ ذاتی طور پر اس سے وابستہ بھی نہیں رہا۔ کاریگروں کی حیثیت اکائیوں یا مشینوں جیسی ہوگئی جن کا کام اپنے آقا کے لیے روپیہ پیدا کرنا ہوگیا۔ عہد وسطیٰ کی رعیت کو جس اصول پر اجرت ادا کی جاتی تھی مزدور طبقے کے اس فرد کو اس طرح ادا نہیں کی جاسکتی تھی۔ مزدور محکوم تو اب بھی رہا لیکن وہ کسی شخص کا محکوم نہیں تھا بلکہ سرمایے کا محکوم ہوگیا تھا۔

۳۔ کارآموزوں کے قانون کا زوال:۔ کارآموزوں کے قانون کو اب نافذ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح کے بدلتے ہوئے زمانے میں مجسٹریٹ، آجروں کو مقرر نہیں کرسکتے تھے۔ سکونت پذیری کا قانون بھی آہستہ آہستہ متروک ہوتا جارہا تھا۔ ان باتوں کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ چونکہ مزدور کے ساتھ مشین جیسا سلوک کیا جانے لگا تھا، اس لیے اس کی قیمت کا تعین بھی، مشین ہی کے اصولوں کے مطابق کیا جانے لگا

ایک مزدور کی محنت کو سستی سے سستی قیمت پر خریدا جاتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ جو اجرت جو آجر ادا کرنے کے لیے آمادہ ہوتا تھا' اس کا انحصار' مزدور کی دولت آفرینی پر ہوتا تھا۔ مزدوروں کی رسد میں یکبارگی اضافہ ہوجانے کی وجہ سے ثبات و پائداری ختم ہوگئی تھی یعنی اجرتیں طلب و رسد کی پابند ہوگئی تھیں اور ان میں تھوڑا بہت اعتدال' متعلقہ فریقوں کی سیاسی طاقت کی وجہ سے پیدا ہوتا رہتا تھا۔ آجروں کا طبقہ اپنے مفاد کو ترقی دینے کے لیے نئے قوانین کو منظور کرا سکتا یا پرانوں کو باقی رکھ سکتا تھا۔ آقا اور مزدور اب ایک ہی خاندان کے افراد نہیں رہے تھے بلکہ ان کے درمیان ایک مہلک مخالفت پیدا ہوگئی تھی۔

اس کے علاوہ مشترک مفاد کے رشتے بھی ٹوٹ گئے تھے۔ جب عہد وسطیٰ کے کسی جاگیردار کی رعیت میں کچھ لوگ شامل ہوجاتے تھے تو چونکہ اس کی حکومت اس زمانے میں ان ہی لوگوں تک محدود ہوتی تھی اس لیے وہ اپنا فائدہ اسی بات میں سمجھتا تھا کہ ان میں سے ہر شخص کے ساتھ انفرادی طور پر کچھ نہ کچھ سلوک کرتا رہتا ہے۔ لیکن جب شخصی تعلقات ٹوٹ گئے تو آقا مطلق العنان ہوگیا کیونکہ اب وہ ایسے بہت سے ماتحتوں کا مالک بن گیا جو غیر منظم تھے اور جن میں سے ہر ایک پر وہ فرداً فرداً ظلم کرسکتا تھا۔ جتنے زیادہ آدمیوں کو وہ ملازم رکھتا تھا اتنا ہی شخصی طور پر وہ زیادہ طاقتور ہوتا جاتا تھا اور اس کے ملازم انفرادی طور پر کمزور ہوتے جاتے تھے۔ جب ماتحت غیر مطمئن ہوتا تھا تو وہ کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا کیونکہ ذرائع آمد و رفت کی سہولت کے اس زمانے میں' مزدوروں کا حاصل کرنا آسان تھا۔ ناداروں کے بچوں سے بھی کام لیا جاسکتا تھا۔

اس کے علاوہ دستی پارچہ بافوں کے مقابلے میں بھی' آجر' اجارہ دار کی حیثیت رکھتے تھے۔ دستی پارچہ باف کے مقدر میں فنا لکھی جاچکی تھی۔ دولتمند لوگوں کے علاوہ کوئی دوسرا شخص بیش قیمت مشینوں کو استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ دوسری طرف قانون تکثیر حاصل کی رو سے بھی بڑے صناع کو زیادہ سہولت حاصل

تھی۔ جب کارخانے کے مزدور انفرادی طور پر کام کرنے کے موقع سے اور اپنے کھیتوں اور اپنی بنجر زمینوں سے محروم ہو گئے تو انھیں مجبوراً اپنے آقا کی سرداری قبول کرنا پڑی۔ روپے کا اقتدار سب چیزوں پر چھا گیا۔ دوسرے، اس بدلتے ہوئے زمانے میں قابل ترین لوگ آجرین گئے۔ یہ مقابلہ غیر منصفانہ تھا۔ ایک طرف اہلیت بھی تھی اور سرمایہ بھی تھا۔ دوسری طرف اوسط درجے کے ایسے آدمی تھے جن کا تمام تر تکیہ ہفتے وار اجرت پر تھا۔

۴۔ سیاسی امیدیں:۔ غرض، معاشی لحاظ سے مزدور، محکوم بن گئے تھے۔ ان کے لیے آزاد ہونے کا صرف ایک موقع تھا یعنی سیاسی (یا انتظامی)۔ بدقسمتی سے آدم اسمتھ کے خیالات کو جو عوام تک نہیں پہنچ سکے تھے، مزدور پیشہ طبقوں کے خلاف استعمال کیا جا رہا تھا۔ اسمتھ نے عہد وسطیٰ کی پابندیوں کے خراب اثرات کو، اپنے زمانے کی آہستہ آہستہ ترقی کرنے والی زندگی پر کارفرما دیکھا تھا۔ وہ انقلاب کے بارے میں پیش بینی سے کام نہیں لے سکا تھا۔ اس کا خاص موضوع بحث یہ تھا کہ حکومت کی مداخلت سے کوئی کام نہیں بنتا۔ ہر چند اب زمانہ بدل چکا تھا لیکن پھر بھی آجروں نے نہایت شوق و ذوق کے ساتھ اس کے اس اصول کی حمایت کو جاری رکھا۔ لیکن دوسری طرف اس اصول کو اس کے منطقی نتیجے تک پہنچانے سے گریز کرتے رہے۔ ان کے سامنے یہ نصب العین تھا کہ آجروں کے درمیان مکمل مقابلہ ہو اور مزدوروں کو محکوم رکھا جائے۔

چنانچہ پرانی پابندیوں کو عین اس وقت بے رحمی کے ساتھ ختم کر دیا گیا جب کہ عبوری دور کی مشکلات میں آسانی پیدا کرنے کے لیے ان سے کام لیا جا سکتا تھا۔ مزدور یہ چاہتے تھے کہ مجسٹریٹوں کی مدد سے منصفانہ اجرتیں حاصل کریں اور اگر ایک مضبوط حکومت کی طرف سے تمام ملک میں اجرتیں مقرر کر دی جاتیں تو اگرچہ اس کی وجہ سے آجروں کو کچھ نقصان ضرور پہنچتا لیکن ممکن تھا کہ اس دور کی مصیبتوں سے نجات مل جاتی کیونکہ ہماری ایجادوں نے اور ہمارے کوئلے کی رسد نے ہمیں اپنے حریفوں سے بہت آگے بڑھا دیا تھا۔

مزدور زیادہ راضی رہتے اور ان کے اندر خفگی اور آزادگی کم پیدا ہوتی۔ دوسری طرف زندگی کے بہتر معیار کی وجہ سے ان کی کارگزاری بھی بڑھ جاتی۔

وہٹ بریڈ نے پارلیمنٹ کو اس خیال پر لانے کی کوشش کی لیکن آجروں نے جو تیزی سے دولتمند بننا چاہتے تھے اور کلاسیکی ماہرین معاشیات نے جو معاشرت کے مفاد کا تصور لانبی مدت کو سامنے رکھ کر کر رہے تھے اور جن کی نگاہ میں موجودہ تبدیلیوں کی اہمیت کم تھی، اس کی نہایت شدید مخالفت کی۔ ان کی یہ بھی رائے تھی کہ اگر اجرت کو زبردستی بڑھایا گیا تو اس سے قیمتیں بڑھیں گی اور قیمتوں کے بڑھنے سے بے روزگاری میں اضافہ ہو جائے گا۔ صحیح پالیسی کیا ہونا چاہیے اس کے بارے میں پارلیمنٹ کو شبہہ تھا لیکن آخر میں وہ ترقی کی جانب مائل ہو گئی تھی۔ لیکن اپنے فیصلے کا نفاذ کرنا اس کے لیے مشکل تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں ہماری بے شمار جنگوں کے لیے روپے کی فراہمی ضروری تھی اور انگلستان سستی محنت کے ذریعے ہی جلد ایک دولتمند ملک بن سکتا تھا۔

مزدوروں کا صرف ایک سہارا رہ گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ اشتراک سے کام لے سکتے تھے۔ ایک فرد تو ضرور پوری طرح اپنے آجر کے اثر و اقتدار میں آ چکا تھا لیکن اگر سب مزدور مل کر، یک جان و یک قالب ہو کر بہ ایک وقت کام کرتے تو مقابلہ زیادہ مساوی طریقے پر کیا جا سکتا تھا منطقی طور پر، مزدوروں کے پاس، بس یہی ایک حربہ تھا۔ اسی کے ذریعے سے حقیقی مقابلہ اور مفاد ذاتی کے عمل کو ممکن بنایا جا سکا۔ مدافعت کا یہ طریقہ ناگزیر تھا۔ چنانچہ شہروں کے اندر مزدوروں کے جمع ہونے کی وجہ سے جتنا ان کا اشتراک آسان ہوتا چلا گیا اتنی ہی مزدور سبھا کی تحریک نے قوت اختیار کرنا اور زیادہ باثر ہونا شروع کر دیا۔

۲۔ مزدور سبھاؤں اور جتھوں میں باہمی تعلق۔

مزدور سبھاؤں کو پرانے جتھوں کا جانشین سمجھنا ایک بالکل قدرتی بات ہے۔ لیکن کہیں کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی جن سے ان کے باہمی سلسلے کو ملایا جا سکے۔ پرانے جتھے آج بھی لندن میں شہری کمپنیوں کی صورت میں باقی ہیں لیکن بعد کی مزدور سبھاؤں سے ان کا ذرا سا بھی تعلق نہیں ہے۔ ہر معمولی دستکار

جتھے کا رکن نہیں بن جاتا تھا بلکہ عام طور پر وہی دستکار جتھے کا رکن بن سکتا تھا جس کو اپنی صنعت میں رہنمائی حیثیت حاصل ہوتی تھی اور بعد کے زمانے میں تو اس کی حیثیت ماتحت کی نہیں رہی تھی بلکہ بڑی حد تک وہ خود تاجر بن گیا تھا۔ نوکار کی حیثیت ضرور موجودہ زمانے کے دستکار سے ملتی جلتی تھی لیکن بعد کے زمانے کو اگر مستثنیٰ کر دیا جائے تو اس نوکار کو ہمیشہ استاد کاریگر بننے کا موقع حاصل رہا۔ اس لیے وہ خود کبھی جتھے کے اراکین پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس کا خمیازہ بعد میں خود اس کو بھی بھگتنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور دوسرا بنیادی فرق بھی تھا اور وہ یہ کہ پہلے زمانے میں کاریگر کو مصنوعہ مال کو فروخت کرنے اور کچے مال کو خریدنے کے کام سے بھی براہ راست دلچسپی ہوا کرتی تھی۔

بعض حقیقی مشابہتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ہڑتالوں سے لوگ بہت پرانے زمانے سے واقف ہیں اگرچہ یہ کبھی کبھی اتفاقی طور پر ہو جایا کرتی تھیں۔ عہد وسطیٰ کے ابتدائی زمانے میں بعض آوارہ گرد دستکار، مثلاً ادنیٰ طبقوں کے راج، کبھی کبھی غیر مطمئن ہو کر، اپنے خریداروں کے خلاف (استاد کاریگروں کے نہیں) اتحاد قائم کر لیتے تھے اور بہتر شرائط کا مطالبہ کرنے لگتے تھے۔ راجوں میں ایک طبعی صنعتی برادری کے وجود کی کچھ شہادت ملتی ہے۔ بعض وقت استاد کاریگروں کے خلاف بھی اتحاد قائم کر لیے جاتے تھے اور یہ برسوں تک چل سکتے تھے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس طرح کی ہڑتالیں پندرھویں صدی کے بعد سے غائب ہو گئی تھیں۔ اس لیے موجودہ ہڑتالوں سے ان کا کوئی براہ راست تعلق قائم نہیں کیا جا سکتا۔ جب کبھی اس طرح کے اتحاد قائم ہوئے ان کا خاتمہ ایسے جتھوں کی تعمیر پر ہوا جن کا مقصد یہ تھا کہ اپنے اراکین کے مفاد کا تحفظ خریدار کے خلاف کیا جائے۔

اس کے علاوہ، موجودہ زمانے میں مزدور سبھا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک طبقہ وارانہ تنظیم ہے۔ لیکن ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ جتھے کے اراکین اکثر شہر کے گورنر بھی ہوا کرتے تھے۔ جتھا، علاقہ غیر کے لوگوں کے

خلاف متحد ہو کر اپنی صنعت کا تحفظ بصورت مجموعی کیا کرتا تھا اور عام طور پر شہر کے مفاد کا تحفظ دیہات کے خلاف بھی کیا کرتا تھا۔ اس لیے اسے دراصل موجودہ زمانے کے آجروں کی انجمن کا نمایندہ مانا جاسکتا ہے۔

مشابہتیں ضرور موجود ہیں۔ اول یہ کہ جتھا اور مزدور سبھا دونوں مستقل تنظیمیں ہیں جن کا مقصد ملازمت کی شرائط کو قائم رکھنا اور انھیں بہتر بنانا ہے۔ اس کے علاوہ، پرانے نظام کے ٹوٹنے کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے اور ان کو حل کرنے کی جو کوشش کی گئی، اسی سے ان دونوں کی ابتدا ہوئی۔ دونوں یہ چاہتے تھے کہ معیار زندگی کو قائم رکھا جائے۔

غرض ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اٹھارویں صدی سے پہلے، موجودہ طرز کی مزدور سبھا کے وجود کی کوئی حقیقی شہادت نہیں ملتی۔ مغرب میں آبادی بڑھ رہی تھی، صنعت کو ترقی ہو رہی تھی اور کارخانوں کا نظام شروع ہو رہا تھا۔ سولھویں صدی میں ترقی پسند صناع کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی اور اس شخص کو سزا دی جاتی تھی جو بہت سے کرگھوں یا ایسی مشین کا مالک ہوتا تھا جو مزدوروں کی جگہ لے سکتی تھی۔ دستکاروں کا یہ خیال تھا کہ یہ نظام ہمیشہ چلتا رہے گا اور اٹھارویں صدی کے ابتدائی زمانے میں وہ حکومت سے تحفظ کے متوقع تھے گو ۱۷۱۷ء میں دستکاروں نے گلوسسٹر شائر وغیرہ میں اپنی انجمنیں بنانا اور آجروں کو خائف کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ تین سال بعد اسی طرح کا جھگڑا نوکار در زیوں[1] میں بھی پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس ابتدائی زمانے میں نہ تو بڑے شہروں مثلاً لندن میں کوئی جھگڑا ہوا اور نہ مغربی رائڈنگ میں جو ابھی تک گھریلو نظام پر قائم تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزدور سبھا کی تحریک کا اصلی سبب یہ ہوا کہ دستکار کو ایک طرف تو پیدائش دولت کے سارے کاموں سے اور دوسری طرف فروخت کے کام سے بے تعلق کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ مزدور سبھا کی تحریک نے اسی وقت تیزی سے ترقی کرنا شروع کی جب فیکٹری نظام

[1] حصۂ اول باب پنجم۔

پوری طرح نشو و نما پا چکا۔ سنہ ۱۷۶۰ء اور سنہ ۱۷۷۰ء کے درمیان ہڑتالوں کی تعداد بڑھ گئی اور ان میں شدت بھی پیدا ہو گئی۔

اس زمانے میں مزدور سبھا کی تحریک کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ناقابل برداشت حالات کے خلاف بغاوت کی جائے کیونکہ مزدوروں کی حالت بہترین تھی۔ اس وقت وہی مزدور اپنی حالت کو بہتر بنانے کے خواہش مند تھے جنھیں یہ دیکھنے کا موقع ملا تھا کہ پچھلے طویل زمانے میں، جتھے، کس طرح کامیابی کے ساتھ اجرتوں کو بڑھاتے گھٹاتے رہے ہیں۔ ان کے آبا و اجداد کو کارآموزی کے نظام سے اور نااہل اور ناتربیت یافتہ مزدوروں کے مقابلے کو روکنے والے دوسرے طریقوں سے بہت فائدہ پہنچا تھا۔ اس کے علاوہ 'مزدور سبھا کی تحریک' سیرت کی اس طاقت اور خود مختاری کی شہادت دیتی ہے جس کا وجود ایک مظلوم آبادی میں ناممکن ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مزدور سبھا کی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ ایسی صورت میں جب کہ دستکار، مہارت کے مالک تھے اور کارآموزی کے دور سے گزر چکے تھے، آجروں کو روکا جائے کہ وہ سستے بازار میں جا کر محنت کو نہ خرید سکیں۔

۴۔ مزدوروں کی قانونی حیثیت۔

ایک عرصے تک پارچہ باف اپنی قانونی حیثیت پر قائم رہے سنہ ۱۷۵۶ء تک جو کہ خاصا بعد کا زمانہ ہے، مغربی علاقے کے پارچہ بافوں کی درخواست پر، اونی کپڑا بننے والوں کا قانون نافذ کیا گیا جس میں مجسٹریٹوں کو اجرتیں مقرر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن اسی سال کے دوران میں آجروں نے بڑا شور مچایا اور انھوں نے حکومت کو متوجہ کیا کہ جو اجرتیں مقرر کی گئی ہیں ان پر، مغربی رایڈنگ کے بڑھتے ہوئے مقابلے کی وجہ سے عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے یہ قانون منسوخ کر دیا گیا۔

شہروں میں مزدور سبھا کی تحریک ترقی کرتی رہی اور ابھی تک ان کا ابتدائی مقصد یہی تھا کہ پرانے اجرت کے نظام کو برقرار رکھا جائے اور عدالتوں میں آجروں کے عدم مداخلت اور آزاد معاہدے کے نظریوں کے خلاف جنگ جاری رہی مزدوروں نے متحد ہو کر اپنے مالکوں کے خلاف مقدمے

ڈالے لیکن عدالتوں کا رویہ عام طور پر مخالفانہ ہوتا تھا۔ یا تو مزدور مقدمہ ہار جاتے تھے اور انھیں بھاری خرچہ ادا کرنا پڑتا تھا یا آجروں کو بغیر خرچہ ادا کیے مزدوروں کے مطالبے کو پورا کرنا پڑتا تھا۔ دونوں صورتوں میں، مزدور اس جنگ کو جاری نہ رکھ سکتے اس لیے یہ کوششیں ختم ہو گئیں۔

یوں تو مزدور سبھا کی جدید تحریک، اٹھارویں صدی کے شروع میں، مغربی انگلستان کی پارچہ دوزی کی صنعت کے ذریعے، صنعتی میدان میں داخل ہوئی لیکن اس میدان میں داخل ہونے کے بعد اس نے ان تمام مخالفانہ کوششوں کے باوجود جو اس کو دبانے اور اس کو روپوش کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے اختیار کی گئیں تمام ملک میں تیزی سے پھیلنا شروع کر دیا اگرچہ یہ کام اکثر بھیس بدل کر کرنا پڑا۔ اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں لیسٹر میں فریم پر بنائی کرنے والوں، شیفیلڈ کے چھری سازوں، ہیٹ بنانے والوں، جفت سازوں، چرم سازوں، برش بنانے والوں، ٹوکری بنانے والوں، چھینٹ چھاپنے والوں، سوت کاتنے والوں، پیپے سازوں، بادبان بنانے والوں، گاڑی بنانے والوں، لوہاروں، راجوں، اور بڑھئیوں نے اپنی اپنی انجمنیں بنائیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں ناٹنگھم کے اون تیار کرنے والے کاریگروں کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ ۱۷۹۴ء میں صناع یہ اعلان کرنے کے لیے مجبور ہو گئے کہ ہم اپنے اون تیار کرنے والے کاریگروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ یارک شائر میں کپڑے کو مکمل کرنے والے کاریگروں میں بھی زبردست تنظیم پائی جاتی تھی اور مختلف شہروں کی شاخوں کی نگرانی کا کام ایک مرکزی کمیٹی کیا کرتی تھی۔

حکومت جس پر زیادہ تر سرمایہ داروں کا قبضہ تھا، واضح طور پر اس تحریک کے خلاف تھی۔ اس کا ثبوت گلاسگو کی ایک مثال سے ملتا ہے جہاں مزدور اجرت کی کمی کے خلاف متحد ہو گئے تھے۔ چنانچہ ایک قانون بنایا گیا جس میں آجروں کو پیمانے کے مطابق اجرت ادا کرنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ لیکن آجروں نے انکار کر دیا۔ نتیجہ روئی کی صنعت میں ہڑتال کی

صورت میں ظاہر ہوا جو کارل آئیل سے لے کر ابرڈین تک پھیل گیا جب آجر، مزدوروں سے مقابلے کی تیاری کر رہے تھے تو حکومت نے مداخلت کی اور مزدوروں کے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ واقعہ یہ تھا کہ عہد وسطیٰ کی مرکزی مداخلت، اب ختم ہو گئی تھی۔ اجرتیں مقرر کرنے کا جو حق مجسٹریٹوں کو حاصل تھا اسے ۱۸۱۳ء میں ایک قانون کے ذریعے ختم کر دیا گیا اور اس کے دوسرے سال، کار آموزی کے لزوم کو منسوخ کر کے، پرانے قانون کو، قانونی طور پر منسوخ کر دیا گیا۔ غرض، نظری طور پر حکومت عدم مداخلت کے نظام کی پابند ہو گئی۔

۴۔ نئے سرمایہ دار مالک۔

جب گھریلو صنعت کے چلانے والے استاد کاریگر فنا ہو گئے تو آجر جذباتی اور حقیقی دونوں لحاظ سے ٹھوس سرمایہ دار بن گئے۔ مزدوروں کے قبضے میں چونکہ کوئی سیاسی طاقت نہیں تھی اس لیے وہ غیر متحد تھے۔ مزدور سبھائیں ہنگامی طور پر بن جاتی تھیں اور ان کا دوسرے ضلعوں یا صنعتوں سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا تھا یہ خیال ابھی تک بالکل مٹا نہیں تھا کہ ایک صنعت کے جملہ اراکین کی حیثیت بھائی بندوں کی سی ہے۔ عمودی تفریق ابھی تک موجود تھی۔ آجروں کی تعداد کم تھی اس لیے انھیں شخصی طور پر ایک دوسرے سے واقفیت پیدا کرنے کا زیادہ موقع حاصل تھا۔

آئیے اب مزدور سبھا تحریک کی تاریخ کے سلسلے کو دوبارہ اس جگہ سے شروع کریں جہاں اسے ہم نے پہلے چھوڑا تھا۔ ۱۷۶۰ء کے لگ بھگ مزدوروں کی انجمن کی تحریک کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی اگرچہ اس کی نوعیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ جب صنعت میں تبدیلیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کے متوازی اور بڑی حد تک ان کے زیر اثر، مزدور سبھا کی تحریک میں بھی ایک انقلاب رونما ہوا اس کے اہم ترین عوامل دو تھے۔ ایک تو آبادی کا شہروں میں مجتمع ہونا، دوسرے سرمایہ دار اور مزدور کے تعلقات کا مکمل طور پر منقطع ہو جانا اور اس کے نتیجے کے طور پر باہمی دشمنی کا پیدا ہونا۔

صنعتی انقلاب کا پہلا اثر یہ ہوا کہ کاریگر مجبور ہوئے کہ اپنے معیار زندگی کے پست کیئے جانے کے خلاف پارلیمنٹ کے پاس شکایت لے کر جائیں۔ لیکن دارالعوام جن طبقوں پر مشتمل تھا ان کی ذہنیت میں ایک انقلابی تبدیلی واقع ہورہی تھی۔ اگر اسپیٹل فیلڈز کے قوانین کو مستثنیٰ کر دیا جائے جو ۱۷۶۵ء اور ۱۷۷۳ء میں منظور کیے گئے تھے تو معلوم ہوگا کہ ۱۷۵۳ء کے بعد سے مزدوروں نے جب کبھی امداد کے لیے اپیل کی انھیں سختی کے ساتھ دھتکار دیا گیا اور جب ۱۷۷۶ء میں آدم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" شایع ہوئی تو حکومت کی مربیانہ سرپرستی کا زمانہ ایسا غائب ہوا کہ اسے پھر دوبارا ایک صدی تک واپس نہیں بلایا جاسکا۔

مزدوروں نے بھی اس صورت حال کو تسلیم کرنا شروع کر دیا اور ۱۸۱۳ء اور ۱۸۱۴ء کے قوانین کے منظور ہونے سے بہت پہلے انھوں نے اپنی حالت کو بہتر بنانے کا ایک اور طریقہ سوچ لیا۔ باہمی ملاقات کے بے شمار مواقع کا نتیجہ مشترکہ عمل کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ادنیٰ طبقے بھی عدم مداخلت کے اصول کے معتقد ہوگئے۔ اگر آجروں کو اس اصول کے ماتحت یہ موقع حاصل تھا کہ جب چاہیں وہ اپنے مزدوروں کو انفرادی یا اجتماعی طور پر ملازم رکھیں یا برطرف کردیں اور اگر انھیں یہ موقع ملا ہوا تھا کہ تجارت کے اندر مزدوروں کو یکبارگی برطرف کر کے رکاوٹ ڈال سکیں تو مزدوروں کو بھی یقیناً یہ موقع حاصل تھا کہ وہ بھی اسی قسم کے کام کرنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ آجر کی طاقت اپنے مزدوروں کی مجموعی طاقت کے برابر تھی۔ یہ بات خلاف انصاف تھی۔ معاشی لحاظ سے ان کا استدلال ٹھیک تھا۔

بدقسمتی سے صنعت و تجارت میں رکاوٹ ڈالنا یا سرکاری پالیسی کے خلاف متحد ہونا، قانون عامہ کے خلاف تھا۔ ابتدا میں اس بات کو محسوس نہیں کیا گیا اور ہر فساد کے بارے میں فیصلہ اس کے حسن و قبح کو سامنے رکھ کر کیا جاتا رہا۔ لیکن بعد میں ہر طرح کے اتحادات کے خلاف چاہے وہ آجروں کے ہوں یا مزدوروں کے فوجداری مقدمہ چلایا جانے لگا۔ لیکن عملاً آجروں کے ساتھ رعایت کی جاتی تھی گو ایسے اتحادات کو برابر قانونی سمجھا جاتا رہا جن میں ملک کے

قانون کو نافذ کرانے تک سعی کو محدود رکھا گیا ہو۔ مثلاً مزدوروں کا وہ اتحاد جس میں ان کی انجمنوں نے مجسٹریٹوں کو اجرتیں مقرر کرنے کے لیے مائل کیا۔

۵۔ انقلابِ فرانس کے اثرات۔ انگریزی فکر پر انقلاب فرانس کے تاثرات فوراً ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔ ان ہی اثرات کے تحت ٹام پین نے اپنی کتاب "انسان کے حقوق" تصنیف کی جس میں جمہوریت اور انسانی مساوات و اخوت کی تائید کی گئی تھی پین کے رسالوں نے مزدور پیشہ طبقوں کے اندر اصلاح کی خواہش کو بیدار کردیا اور ۱۷۹۲ء میں ٹامس ہارڈی نے انگلستان میں مزدور پیشہ طبقے کی پہلی سیاسی انجمن (یعنی لندن کارسپانڈنگ سوسائٹی) کی بنیاد رکھی۔ جس کے مقاصد یہ تھے کہ بالغ مردوں کے لیے حق رائے دہی حاصل کیا جائے اور پارلیمنٹ میں اصلاح کرائی جائے۔ برطانیہ کے مزدوروں میں جب اسی قسم کی دوسری انجمنوں کی ترقی تیزی کے ساتھ ہونے لگی تو حکومت خائف ہوگئی اور اس نے ۱۷۹۳ء میں اسکاٹ لینڈ کے دو انتہا پسند رہنماؤں پالمر اور میور کو ایک بڑی مدت کے لیے جلا وطن کردیا۔ اس کے دوسرے سال حکومت نے لندن کارسپانڈنگ سوسائٹی پر بھی وار کیا اور اس کے تین ممتاز رہنما یعنی ہارڈی، ہارن ٹوک اور جان تھیل ویل قید کردیے گئے اور سخت جبر و تشدد کا دور شروع کردیا گیا۔ کارسپانڈنگ سوسائیٹیاں کوئی مزدور سبھا نہیں بلکہ سیاسی انجمنیں تھیں لیکن متوسط طبقے کے لوگ اتنے خوف زدہ تھے کہ اس قسم کی واضح تفریق نہیں کرسکتے تھے۔ فرانسیسیوں سے لڑنے کے لیے روپے کی ضرورت تھی اور یہ جب ہی مل سکتا تھا جب صنعتیں ترقی کرتیں۔ آجروں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ موقع دولت کمانے کے لیے خوب موزوں ہے۔ مزاج کے خوف کے ساتھ، جو کچھ تو قدرتی خودغرضی کا نتیجہ تھا اور کچھ اس ردِ عمل کا جو انقلاب فرانس کے بعد رونما ہوا تھا، وہ غلط فہمی مل گئی تھی جو عدم مداخلت کے معاشی اصول کے بارے میں پھیلی ہوئی تھی اور ان سب نے مل کر مزدوروں کو دبانے کا تہیہ کرلیا تھا۔ ہڑتالوں سے تجارت میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ اور یہ سرکاری پالیسی کے

مخالف تھیں۔ اعلیٰ اجرتوں کے معنی یہ تھے کہ نفع کم حاصل ہو۔ دوسری طرف قنوطیت آمیز معاشی تعلیم سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ مزدوروں کو اچھے دن دیکھنا نصیب نہ ہوں گے۔ غرض، محنت کش عوام کو ایک خطرناک مخلوق سمجھا جانے لگا تھا۔

۶۔ اتحاد کے قوانین۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۹۹ء کے کارسپانڈنگ سوسائٹی کے قانون کے ذریعے تمام قومی انجمنوں کو جن کے مقامی انجمنوں کے ساتھ جوابی تعلقات قائم تھے، غیر قانونی قرار دے دیا گیا اور سنہ ۱۸۰۰ء میں اتحاد کے قوانین منظور کیے گئے جن کے ذریعے قانونی طور پر مزدور سبھا تحریک کو دبایا جانے لگا۔ اتحاد کے قوانین نے انگلستان کے مزدور پیشہ طبقوں کو تنزل کے انتہائی گڑھے میں ڈھکیل دیا۔ ایک لحاظ سے یہ کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اسی طرح کی مثالوں کا پتا چودھویں صدی تک لگایا جا سکتا ہے اور (مزدوروں کی) ان انجمنوں کی جو صنعت میں رکاوٹ ڈالتی تھیں، انگلستان کے قانون عامہ کے ہمیشہ مخالف سمجھا گیا لیکن سنہ ۱۸۰۰ء کا قانون نہ صرف پہلے کے دوسرے قانوں کے مقابلے میں زیادہ ہمہ گیر تھا بلکہ اس کی پابندی بھی زیادہ سختی کے ساتھ کرائی جاتی تھی۔ پھر ان کی بدنصیبی یہیں ختم نہیں ہوتی تھی بلکہ اب مزدور پارلیمنٹ کی حفاظت پر بھی بھروسا نہ کر سکتے تھے۔ ہر اس شخص کو جس پر یہ جرم ثابت ہو جاتا تھا کہ وہ اجرتوں کو بڑھانے کے لیے یا پیداوار کی مقدار کو گھٹانے کے لیے، یا مالکوں پر اثر یا نگرانی قائم کرنے کے لیے اتحاد قائم کر رہا ہے تین مہینے کی سزا دی جاتی تھی۔

ان قوانین کے نتائج کا تصور آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ انیسویں صدی کے پہلے ربع میں، مزدوروں کی تاریخ، آجروں کی ایذا رسانی، مزدوروں کے انتقام اور عدالتوں کی ظالمانہ سزاؤں کا محض ایک مرقع نظر آتی ہے۔ ہر وہ متحدہ کام جس کو توڑ مروڑ کر تجارت کی رکاوٹ کا رنگ دیا جا سکے سختی کے ساتھ دبا دیا جاتا تھا۔ اگر مزدوروں کے اتحاد کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اجرتوں پر اثر ڈالا جائے تو اسے مجسٹریٹ کے اختیارات میں مداخلت سے تعبیر کیا جاتا تھا اور مزدوروں کو تقریباً باغی قرار دے دیا جاتا تھا۔ جیس نے تشدد کے طریقوں کی

سختی کا حال بیان کرتے ہوئے ان انیس چھاپنے والوں کی مثال کو پیش کیا ہے جو ٹائمس اخبار میں ملازم تھے اور جنھیں سرجان سلوسٹر نے نو مہینے سے لے کر دو دو سال کی سزائیں اس جرم میں دی تھیں کہ جب اجرت کے اضافے کے لیے ان کے مطالبے منظور نہیں کیے گئے تو انھوں نے اپنے مالک کو نقصان پہنچانے کے لیے متحد ہو کر اور سازش کر کے کام چھوڑ دیا۔ اس کے کچھ سال بعد شیفیلڈ کے سات قینچی پر سان رکھنے والے مزدوروں کو، صرف اس جرم میں کہ وہ ایک انجمن مسمیٰ بہ "بدنصیبوں کا کلب" کے ممبر تھے جو بے روزگار مزدوروں کی مدد کرتی اور عام شرح اجرت کو اونچا رکھنے کی کوشش کرتی تھی تین مہینے کی سزا دے دی۔ بولٹن کے کپڑا بننے والوں کا معاملہ اس سے بھی زیادہ افسوس ناک تھا۔ ۱۸۱۸ء میں اپنے مالکوں کی ہدایت کے بموجب کچھ مندوبین جمع ہوئے اور انھوں نے اجرتوں کے اضافے کا مطالبہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے تین کو سازش کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور انھیں سخت سزا دی گئی حالانکہ مقدمے کی سماعت کے وقت ان کے آجروں نے ان کی حمایت کی۔

صلح کے بعد جو کساد بازاری رونما ہوئی اس نے آجروں کو مائل کیا کہ وہ اجرتوں کو کم کرنے کے لیے اپنے اتحادات قائم کریں۔ ۱۸۱۹ء میں مشہور و معروف چھ قوانین بنائے گئے جو اگرچہ سیاسی تھے لیکن ان کا کچھ اثر مزدوروں پر بھی پڑا۔ ان کے جلسے ممنوع قرار دیے گئے۔ ان کی مطبوعات پر سخت محاصل اسٹامپ لگائے گئے۔ ان قوانین کی وجہ سے ہر قسم کے تشدد کے خلاف ایک ہیجان برپا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اتحاد کے قوانین کی طرف خصوصی توجہ نہیں رہی بلکہ سیاسی اصلاح کی کوششوں کی طرف منعطف ہو گئی۔

اتحاد کے قوانین کے باوجود، مزدوروں کی انجمن کی تحریک کو ختم نہیں کیا جا سکا۔ اتحادات خفیہ طور پر ہوتے تھے خصوصاً انگلستان میں اور ان کی منسوخی کے وقت ۱۸۲۴ء میں، تقریباً سب اہم دستکاریوں میں صنعتی انجمنیں موجود تھیں جن میں سے اکثر خاصی طاقتور تھیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس زمانے میں ان قوانین پر عمل درآمد ہو رہا تھا اس وقت ان کی منسوخی کے لیے

عوام کی کوئی تحریک نہیں چلائی گئی - اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ منظم مخالفت تقریباً ناممکن تھی کیونکہ پارلیمنٹ میں مزدوروں کی کوئی آواز نہیں تھی - دوسرے رسل و رسائل کے ذرایع کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی لنکا شائر کے سوتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی مصیبتوں کا علم، نارتھمبرلینڈ کے کان کنوں یا لندن کے فرنیچر بنانے والوں کو نہیں ہو سکا - اس لیے طبقہ وارانہ ہمدردی اور شعور کی روح ترقی نہیں پا سکی - عوام کی شدید غربت کی وجہ سے بے حسی کی وہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی جو ایک مایوس آدمی میں پائی جاتی ہے - چنانچہ مزدور سبھا تحریک سے پابندی اٹھوانے کا کام اس وقت تک شروع نہیں کیا جا سکا جب تک فرانسس پلیس نے اسے اپنے ہاتھ میں نہیں لیا -

۷ - فرانسس پلیس اور جوزف ہیوم -

فرانسس پلیس (سنہ ۱۷۷۱ء تا سنہ ۱۸۵۴ء) چیرنگ کراس کا ایک استاد درزی تھا اور اسے مزدور پیشہ طبقوں کے ساتھ بڑی ہمدردی تھی - اس کے طریقوں میں ایک حد تک بے ایمانی پائی جاتی تھی لیکن عام طور پر اپنے مقصد کے حاصل کرنے میں اسے کامیابی ہوتی تھی - سیاسیات میں وہ ریشہ دوانی اور خوشامد کی ضرورت کا قایل تھا اور اس کام میں اس نے بڑی مہارت پیدا کر لی تھی - اس نے کئی سال تک اپنے خیالات کی تبلیغ کر کے، زمین ہموار کر لی تھی اور دو اہم آدمیوں یعنی مک کلوچ اور جوزف ہیوم (انتہا پسند رہنما) کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا - دوسری طرف اس کی لندن کی دکان میں شورش پسندوں کا ایک جمگھٹا لگا رہتا تھا - اسکاٹ لینڈ کا ماہر معاشیات (مک کلوچ) اس کا ایک اہم رفیق تھا لیکن درحقیقت ہیوم ہی وہ شخص تھا جو اس کے مزاج کے ساتھ پوری ہم آہنگی رکھتا تھا - ہیوم کو ویسٹ منسٹر میں خاصا اقتدار حاصل تھا اور وہ پارلیمنٹ کے طریقوں کا بڑا ماہر تھا -

اپنے سیاسی خیالات کے لحاظ سے پلیس ایک انتہا پسند انفرادی تھا - وہ آجروں کے عدم مداخلت کے عقیدے کا قائل تھا - لیکن اس نے یہ بات ثابت کی کہ اسی عقیدے سے مزدوروں کی حالت کو بہتر بنانے کا کام بھی

لیا جاسکتا ہے۔ جب ۱۸۲۴ء میں پلیس نے دیکھا کہ اس کام کے لیے موزوں وقت آگیا ہے تو اس نے مشین کی برآمد اور اتحاد کے قوانین کی تحقیقات کرانے کے لیے پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی مقرر کیے جانے کا مطالبہ کیا۔ اگر اس مسئلے پر براہ راست بحث کرائی جاتی تو وہ نامنظور ہو جاتا۔ مدبر ہسکی سن اتحاد کے قوانین کو محض ایک ضمنی مسئلہ سمجھتا تھا۔ ہیوم نے اس مفروضۂ غیر اہم موضوع کے بارے میں، لوگوں کی عدم دلچسپی سے فایدہ اٹھاکر، کمیٹی میں اپنے ہم خیال لوگوں کی تعداد خوب زیادہ منتخب کرالی۔

قراردادوں کو ہیوم نے خود بہت احتیاط کے ساتھ تیار کیا تھا اور سوال اس ڈھنگ سے تیار کرائے تھے تاکہ ان سے مطلوبہ جواب حاصل کیے جائیں نتیجہ یہ ہوا کہ کمیٹی کے ہمدرد اراکین نے وہی رپورٹ پیش کردی جس کو ہیوم چاہتا تھا اور انھوں نے مشین کی تجارت میں آزادی اور اتحاد کے قوانین کی منسوخی کی سفارش کی۔ اس مقصد کے پیش نظر ایک مسودۂ قانون تیار کیا جس میں مزدوروں کی انجمنوں کو قانونی قرار دیا گیا اور ہڑتالوں کی اجازت دی گئی اور اسے پارلیمنٹ میں کسی کھلے ہوئے احتجاج کے بغیر خاموشی سے منظور کرالیا۔

پلیس اور ہیوم کا مقصد تو حاصل ہو گیا لیکن انھیں اپنی اس چال بازی کی سزا بھی بھگتنا پڑی۔ آجر اور قانون ساز سکتے میں آگئے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہوئی کہ مزدور پیشہ طبقوں نے یہ سمجھا کہ اس قانون کے بنانے میں پارلیمنٹ کی اپنی مرضی شامل ہے اور اس نے ان کے ساتھ رعایت کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی سمجھا کہ آجروں نے اپنے ظلم کا اعتراف کرلیا ہے اور ان کی ہڑتال کے تشدد آمیز طریقے جائز سمجھ لیے گئے ہیں اس کا قدرتی طور پر نتیجہ یہ ہوا کہ دفعتہً ہڑتالوں کی ایک وبا پھیل گئی اور اس کے ساتھ ساتھ اکثر وبیشتر غیظ و غضب کا بھی اظہار کیا جاتا۔

حکومت نے ایک نئی کمیٹی کا انتخاب کیا۔ اس مرتبہ اس نے اپنی رپورٹ میں آجروں کی بے اعتمادی اور ہیجان کا ذکر کیا۔ ان کی شہادتوں کو غور سے سنا گیا تھا اور اگر ان پر عمل کیا جاتا تو پھر مزدور سبھا کا بری طرح مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا

لیکن پلیس نے اپنے پروپگنڈے کو جاری رکھا اور ہیوم نے کمیٹی میں آجروں کے معاملے کو کمزور کرنے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عام تباہی میں سے کچھ نہ کچھ پھر بھی بچا ہی لیا گیا۔

۸۔ ۱۸۲۵ء کا قانون۔

۱۸۲۵ء کے قانون نے پچھلے سال کے قانون کو منسوخ کردیا اور اس موضوع پر جتنے قوانین اس وقت تک منظور ہوئے تھے ان سب کو اپنے اندر شامل کرلیا۔ ۱۸۲۴ء کے قانون نے ان اتحادوں کو جو اجرتوں کے اضافے یا کام کے گھنٹوں میں تبدیلی پیدا کرانے کے لیے کیے جائیں، فوجداری عدالت کی گرفت سے بری کردیا تھا بلکہ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ تشدد اور تخویف کو بھی اس نے جائز قرار دیے دیا تھا۔ ۱۸۲۵ء کے قانون نے فوجداری گرفت سے بریت کو تو برقرار رکھا لیکن ستانے اور رکاوٹ ڈالنے کے دو نئے جرموں کو پیدا کردیا جن کی سزا قید قرار دی گئی۔ غرض ان پابندیوں کے ساتھ جن کی تعبیر و تفسیر میں بڑی وسعت پائی جاتی تھی ایسے اتحادوں کو جو اجرت پر اثر ڈالنے یا کام کے گھنٹوں پر نگرانی کرانے کے لیے کیے جائیں قانوناً جائز قرار دیدیا گیا۔ مزدور اب مجموعی طور پر بھی اپنی محنت سے دست کش ہو سکتے تھے یعنی ہڑتال کرسکتے تھے۔

اس کا فوری اثر اطمینان بخش ثابت نہیں ہوا۔ اول تو ایک مالی بحران پیدا ہوا پھر چار پانچ سال کساد بازاری رہی اور ہڑتالیں ناکام رہیں۔ تاہم راستہ صاف ہوگیا تھا۔ عشرے کے اختتام پر مزدور سبھا تحریک کے بارے میں ایک نیا نظریہ وجود میں آیا۔ آجر متحد ہوگئے تھے اور اب بھی بہت طاقتور تھے۔ مزدور غیر متحد تھے۔ چنانچہ صنعتوں کی انجمن کا ایک ایسا تصور ترقی پانے لگا جس کے اندر ملک کی تمام صنعتوں کے تمام مزدور شامل ہوں اور ان کے اندر ایک مشترک محرک کام کررہا ہو۔ غرض مکمل یک جہتی کا نصب العین سامنے رکھا گیا۔ (مزدور سبھا اور صنعتوں کی انجمن کے فرق کو نظر کے سامنے رکھیے)۔

۱۸۲۹ء میں لنکاشائر کے کاتنے والوں نے اپنے مندوبین کو بھیجا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کل صنعتوں کی ایک عام انجمن بن گئی۔ گو یہ جلد غائب ہوگئی لیکن اس نے آیندہ کے لیے راستہ صاف کردیا۔ اس کے دوسرے سال ڈوہرٹی نے

مزدوروں کے تحفظ کی ایک قومی انجمن بنائی۔ یہ شخص وفاق کے نصب العین کا بہت گرویدہ تھا۔ اسی نصب العین کی خاطر "عوام کی آواز" نام کا ایک ہفتہ وار اخبار نکالا گیا جس کا دعویٰ یہ تھا کہ اسٹامپ کے محصول کے باوجود اس کی اشاعت تیس ہزار تھی۔ یہ انجمن ٹوٹ گئی اس کے بعد صنعتوں کی عام انجمن جو پہلے صرف معماروں کی انجمن تھی رونما ہوئی۔ آجروں کی جانب اس کا رویہ بہت گستاخانہ تھا جس سے وہ لوگ ناراض ہو گئے انجمن نے بعض شرطوں کا مطالبہ کیا۔ مالکوں نے انجمن کے اراکین کو ملازم رکھنے سے انکار کر دیا لیکن آخر میں اسے کامیابی ہوئی۔ یہ وسیع الاثر انجمن بھی غائب ہو گئی۔

۹ دن میں آٹھ گھنٹے کام۔

سنہ ۱۸۳۳ء میں ایک تحریک اس لیے اٹھائی گئی کہ مزدوروں سے دن بھر میں صرف آٹھ گھنٹے کام لیا جائے۔ اوون نے جو ایک بڑا خیال پرست تھا۔ اپنی تجاویز کو عملی صورت دینے کے لیے کل قوم کی صنعتوں کی ایک متحدہ انجمن کا خیال لوگوں کے دل میں ڈالا۔ چند ہی ہفتوں میں اس کی رکنیت پانچ لاکھ تک پہنچ گئی جس میں زراعتی مزدور بھی شامل تھے۔ اس انجمن نے ہڑتال کی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا جس کی وجہ سے "ڈربی کے اخراج" کے بعد یہ انجمن آخری طور پر ختم ہو گئی۔ اس کے کام کے طریقے وہ تھے جنھیں آج کل سنڈیکلزم کے طریقوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس انجمن نے صنعتوں کی انجمن کو نقطۂ کمال تک پہنچا دیا۔

اس انجمن کا کمزور پہلو یہ تھا کہ اس نے اتنا بڑا کام اپنے ذمے لیا تھا جس کے پورا کرنے اس کے اندر سکت نہیں تھی۔ مالک اور مزدور کے درمیان افقی تفریق خوب نمایاں ہو گئی تھی۔ لیکن دوسری طرف ابھی مزدوروں کے مختلف طبقوں میں رشک وحسد بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔ ہر طبقے کے سامنے اپنے ذاتی مقاصد تھے حالانکہ سنڈیکلزم کی ترقی کے لیے مشترک مفاد کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری تھا۔ مرکزی نگرانی بہت کم تھی دوسری طرف انجمن کے نصب العینوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔

رابرٹ اوون، (سنہ ۱۷۷۱ء تا سنہ ۱۸۵۸ء) لنارک شائر میں پیدا ہوا۔

اس شخص کی زندگی میں خیال پرستی کی کمزوری اور طاقت دونوں کا مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔ موجودہ اداروں پر جب وہ حملہ کرتا تھا تو اس کام میں اُسے خوب کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ مستقبل کی ترقی کا راستہ دکھانے اور اعلیٰ تر نقطہ ہائے نگاہ پیش کرنے میں وہ اور بھی زیادہ کامیاب رہتا تھا۔ لیکن اُس کی کمزوری یہ تھی جو چیز نظری طور پر اچھی تھی اس کو وہ فوری مقاصد سے علٰحدہ کر کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اشتراکیت تک پہنچنے کے لئے ہڑتال کا وہ طریقہ کافی ہے جسے آج سنڈیکلزم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ غرض مختصراً یہ کہنا کافی ہے کہ وہ ایک غیر عملی شخص تھا۔

اوون نے طریقے کے لحاظ سے مزدور سبھا تحریک کو اُبھار کر آگے بڑھایا لیکن اس کی قبل از وقت کوششوں کی وجہ سے ایک ردِّ عمل پیدا ہوا اور لوگ پرانے نصب العینوں کی طرف واپس چلے گئے۔ اُس نے مزدور پیشہ طبقوں کی چھپی ہوئی طاقت کو ظاہر کر دیا اور آیندہ کے کاموں کو چلانے کے لئے صنعتوں کی انجمنیں ایک بنیادکا کام دینے لگیں۔ اس زمانے میں مزدوروں کو تجربہ ہو گیا اور نئی طبقہ وارانہ تحریک، پہلی طبقہ وارانہ تحریک کے مقابلے میں زیادہ بلند سطح سے شروع کی گئی۔ متوسط اور اعلیٰ طبقوں کے لوگ، پوری طرح خوف زدہ ہو گئے۔ خصوصاً اس لئے اور زیادہ کہ اس تحریک سے کھیت کے مزدور بھی پہلی مرتبہ متاثر ہوئے تھے۔ یہ لوگ شمالی علاقے کے کارخانے کے مزدوروں کے مقابلے میں زیادہ غیر محفوظ تھے۔ ان کے شامل ہو جانے کی وجہ سے مزدور سبھا تحریک کو نئی سمتوں سے پھیلنے کا موقع نکل آیا۔ چنانچہ جور و تشدد کی نئی حکمت عملی کو اختیار کیا گیا۔

۱۰۔ ڈارسٹ شائر کے شہدا

۱۸۳۱ء میں پارلیمنٹ کی جانب سے جو رپورٹ ماہر معاشیات سینیر نے شایع کی وہ مزدوروں کے خلاف تھی اگرچہ اس کے نتیجے کے طور پر کوئی قانون نہیں بنایا گیا۔ اس کے تین سال بعد، لارڈ ملبورن نے آجروں کے ایک وفد کو جواب دیتے ہوئے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ان کو چارہ جوئی اور دادرسی کا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ مختلف قانونی حیلوں کے ذریعے انجمنوں پر مقدمات دائر کرنا شروع کئے گئے۔ اس پر ملک میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ ڈارسٹ میں ٹال پڈل کے چھ مزدور کُل قوم کی انجمن میں شامل ہو گئے کیونکہ ان کی اجرت کم کر دی گئی تھی۔

ان کے لئے حلف اٹھانا ضروری تھا۔ لیکن تور کے غدر کے زمانے میں جو ۱۷۹۷ء کا ایکٹ منظور کیا گیا تھا اس کی رو سے غیر قانونی طور پر حلف اٹھانے پر سزا دی جاسکتی تھی اگرچہ یہ قانون استعمال میں نہ آنے کی وجہ سے متروک سا ہو گیا تھا۔ ڈارسٹ شائر کے ان غریبوں کو اسی قانون کے ماتحت سات سال کی جلاوطنی کی وحشیانہ سزا دی گئی۔

لندن میں ایک زبردست مظاہرہ کیا گیا۔ تمام ملک کے انتہا پسندوں نے مزدوروں کی حمایت کی اور اس طرف توجہ دلائی کہ حلف کا اٹھانا صرف قانونی جرم ہے لیکن گورنمنٹ نے مستعدی کے ساتھ جج کی حمایت کی اور مظلوموں کو جلاوطن کر دیا گیا۔

اس مقدمے کا اور ہڑتالوں کی ناکامی کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ کل قوم کی انجمن کو زوال ہونے لگا۔ مزدور سبھاؤں نے حلف اٹھوانے کا قاعدہ ترک کر دیا۔ بھرتی پر اس کا عملاً کوئی اثر نہیں پڑا۔

صنعتوں کی انجمنوں کی تحریک سے لوگوں کی دلچسپی پھر کم ہو گئی اور مزدور دوبارہ سیاسی معاملات کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ولیم کابٹ (۱۷۶۲ء تا ۱۸۳۵ء) انتہا پسندوں کا رہنما تھا۔ اس کو دشنام آمیز تحریر و تقریر پر بڑی قدرت حاصل تھی اور وہ حکمران طبقے کی کمزوریوں کا خوب بھانڈا پھوڑا کرتا تھا۔ اس کا نصب العین یہ تھا کہ عوام کو سیاسی اقتدار سونپ دیا جائے اور معاشی اصلاح کے لئے وہ ماحول کی بہتری کو کافی سمجھتا تھا۔ اوون میں کابٹ کے مقابلے میں زیادہ پیش بینی پائی جاتی تھی۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ صنعتی تنظیم بدل گئی ہے۔ لیکن منشوریت نے اوون کی تحریک کی جگہ لینا شروع کر دی۔ ایک بات بالکل یقینی تھی اور وہ یہ کہ عوام کو دبایا نہیں جاسکتا تھا۔ ایک طرف سے جب انھیں دبایا گیا تو انھوں نے مقاومت کی طاقتوں کو دوسری سمتوں میں ترقی دینا شروع کر دیا۔

۱۱۔ صنعتوں کی انجمن کی تحریک کا منشوریت سے تعلق

صنعتوں کی انجمن کی تحریک منشوریت میں اس طرح مدغم نہیں ہوئی جس طرح پہلے اشتراکیت میں ہو گئی تھی بلکہ ایک حد تک ۱۸۳۶ء کی کساد بازاری کے نتیجے کے طور پر یہ منشوریت سے علیحدہ رہ کر ہی ترقی کرتی رہی۔ اٹھارویں صدی کے ابتدائی چوتھے عشرے میں

ایک نئی بات رونما ہوئی ۔ مزدور سبھا کی تحریک کو دوبارہ زندگی ملی کیونکہ اس نے اپنے ناقابل عمل مقاصد کو ترک کر دیا تھا ۔ ایسے اتحاد کم ہوئے جو کل ملک پر حاوی ہوتے لیکن جو ہوئے وہ صرف ایک واحد صنعت تک محدود رہے ۔ ایک نئی روح نمودار ہوئی ہر مسئلے پر انفرادی حیثیت سے بحث کی جانے لگی ۔ جہاں قانون موافق ہوتا تھا وہاں اس سے پورا فائدہ حاصل کیا جاتا تھا جہاں غیر موافق ہوتا تھا اس کے بدلوانے کی کوشش کی جاتی تھی ۔ بڑی رقمیں اکٹھی کی گئیں جن کو کچھ تو دوستانہ امداد کے لئے خرچ کیا گیا اور کچھ ہڑتالیں کرنے کے لئے ۔ یہ محسوس کیا گیا کہ ایک تنخواہ دار سکریٹری کا رکھنا مفید ہوتا ہے اور اکثر تنخواہ کے اس اصول کو پوری مجلس انتظامی پر منطبق کیا جانے لگا ۔ مزدوروں کے مجموعی مفاد کے علاوہ ہر صنعت نے اپنے مخصوص مفاد کا مطالعہ علیحدہ کرنا شروع کر دیا ۔

اس تحریک کو ۱۸۰۰ء سے پہلے کی تحریک ہی کا ایک سلسلہ سمجھنا چاہئے لیکن اب علم و تجربے میں اضافہ ہو گیا تھا ۔ مزدوروں نے سرمایہ داری نظام کو اب ایک اٹل حقیقت کی حیثیت سے تسلیم کرنا شروع کر دیا تھا اور پچھلی پابندیوں کی طرف واپس جانے کی جگہ اب وہ اسی سرمایہ داری نظام کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنے لگے تھے ۔

مثال کے طور پر ہم رابرٹس کے کارناموں کو پیش کرتے ہیں جو "کان کنوں کا مختار عام" تھا ۔ شمال مشرق کے مزدوروں پر قانونی طریقے پر مظالم کئے جا رہے تھے کیونکہ ان کے مالک قانون سے واقف تھے اور عدالتوں میں مقدمہ لڑ سکتے تھے ۔ رابرٹس نے اپنی قابلیت کو مزدوروں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا اور قانونی میدان میں آجروں کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کان کنوں کی حالت بہتر ہو گئی اور انھوں نے متحد ہو کر ۱۸۴۱ء میں "برطانیۂ عظمے اور آئرلینڈ کے کان کنوں کی انجمن" قائم کر لی اور بہت مضبوط ہو گئے ۔ لیکن اس کے باوجود ہڑتال کی پالیسی ناکام رہی اور انجمن ایک لاکھ اراکین کو اپنے حلقے میں شامل کرنے کے بعد ۱۸۴۸ء میں خدمت سے سبکدوش کر دی گئی ۔ اسی طرح "متحدہ صنعتوں کی قومی انجمن" بھی جو ایک پرانی وضع کی انجمن تھی ناکام ثابت ہوئی ۔

۱۲ - نئی روح: صنعتوں کی کونسلیں

۱۸۵۰ء کے بعد نئی روح نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا۔ صنعت و تجارت کی توسیع ہوئی اور عوام کی تعلیم بہتر ہوگئی۔ ہڑتالوں میں جو روپیہ ضایع ہوتا تھا اور ان سے جو مشتبہ قسم کا فائدہ حاصل ہوتا تھا اُسے دیکھ کر کچھ معاملوں میں لوگ، مصالحت کی طرف مائل ہوئے۔ لندن کے طباعت کا کام کرنے والے مزدوروں نے اپنی رپورٹ میں اعتدال پسندی کا مشورہ دیا اور ہڑتال کو ایک آخری حربہ قرار دیا۔ اور جارحانہ حکمت عملی کے مسئلے کو ایک مضبوط مرکزی قوت کے فیصلے پر منحصر کر دیا۔ چند مخصوص مقاصد نمودار ہوگئے۔ جن مزدوروں کی حالت نسبتہً خوشحال تھی، انھوں نے کار آموزوں کی تعداد کو محدود کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ مزدوروں کی رسد کے اضافے سے ان کی قیمت نہ گر جائے۔ وقت مقررہ کے علاوہ زائد کام کرنے کو مذموم سمجھا جانے لگا۔ دوسری طرف کام کے گھنٹوں کو کم کرنے کی بھی اپیل کی گئی۔ نقل وطن کے لئے ایک سرمایہ جمع رکھنے میں یہ فایدہ خیال کیا گیا کہ اس کی وجہ سے مزدوروں کی تعداد کم ہو جائے گی اور ان کی اجرتوں میں اضافہ ہوگا۔ تنخواہ یاب عہدہ دار عام ہوگئے۔

مشینوں کی صنعت میں بھی مزدوروں کے یہی مقاصد نظر آتے تھے۔ ۱۸۵۱ء میں "مشین بنانے والوں کی ایک متحدہ انجمن" کی بنیاد رکھی گئی۔ اس نے بھی اپنی رکنیت کو ان مزدوروں تک محدود رکھا جو قانونی طور پر کار آموز رہ چکے تھے۔ چنانچہ دوسرے سال ایک زبردست "در بندی"[1] واقع ہوئی۔ دوسری انجمنیں بھی بعد میں اس نمونے پر بنائی گئیں۔

آیندہ کے پانچ چھ سال زیادہ خوشحال ثابت ہوئے۔ اجرتوں میں کمی کرنے کا سلسلہ بند ہو گیا جس کی وجہ سے مزدوروں کی تحریک خاموشی کے ساتھ ترقی کرتی رہی پھر ایک نئی زندگی پیدا ہوئی اور اس کے بعد عشرے کے خاتمے پر بہت سی ہڑتالیں ہوئیں جس کا اثر یہ ہوا کہ تحریک کو دوبارہ مشتبہ نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

دو طرح کے وفاقوں کو ہم دیکھ چکے ہیں۔ ایک تو وہ ناقابل عمل وفاق

---

[1] Lock-out

جن میں سب صنعتوں کے مزدوروں کو متحد کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور دوسرے وہ جن میں ایک ہی صنعت کے تمام مزدوروں کو متحد کیا جاتا تھا۔ اب ایک تیسری قسم نے اہمیت اختیار کرنا شروع کر دی یعنی صنعتوں کی کونسل کو عارضی طور پر یہ ہمیشہ سے موجود چلی آرہی تھی۔ صنعتوں کی کونسل نے جس کے اندر ایک ضلع کی تمام صنعتوں کی نمایندگی ہوتی تھی، شہروں اور بڑے قصبوں میں ترقی پانا شروع کر دی۔ قانون میں تبدیلیاں کرنے کے لئے بہت دباؤ ڈالا جانے لگا۔ ابھی تک قانون کی نگاہ میں نہ صرف آجر اور مزدوروں کی انجمن غیر مساوی درجہ رکھتے تھے بلکہ آجر اور واحد مزدور میں بھی عدم مساوات پائی جاتی تھی اگرچہ ۱۸۵۹ء کے قانون سے صورتِ حال کچھ بہتر ہوگئی تھی اب لوگ ان لوگوں کی اجرتیں بڑھانے کے لئے بھی جو جلسے میں موجود نہ ہوتے تھے اتحاد کر سکتے تھے پُرامن اور معقول طریقے پر "مالک کے ساتھی مزدوروں"[1] کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے تو اس کا شمار بھی ۱۸۲۵ء کے قانون کے مطابق رکاوٹ ڈالنے میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔

۱۳۔ جنٹا

ہمارے زمانے کی مزدور پارٹی کا آغاز بھی اب نظر آنے لگا۔ پلیس اور ہیوم تو مزدوروں کے محض ہمدرد تھے۔ اب خود مزدوروں میں سے کچھ ایسے لوگوں کا گروہ پیدا ہوا جو اپنی قابلیت کی وجہ سے اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھے۔ ایلن، ایپل گارتھ، گائل، کولسن، اور آوڈگر۔ ان پانچ آدمیوں کے گروہ کو "جنٹا" کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ دوستی اور سیاسی اتحادِ خیال کے رشتے سے باہم منسلک تھے۔ ان لوگوں کی طاقت کا راز یہ تھا کہ یہ آجروں کے نقطۂ نگاہ کو سمجھتے اور قبول کرتے تھے۔ یہ انفرادیت کے حامی تھے۔ ان لوگوں نے اپنی سیرت کی بلندی، اپنی قابلیت اور طبقۂ متوسط کے آداب اور مراسم معاشرت کو سمجھ کر پارلیمنٹ کی نگاہ میں عزت حاصل کر لی۔ صنعت کے معاملات میں یہ لوگ بہت محتاط تھے۔ اور اپنی زیادہ تر توجہ سیاسی معاملات پر صرف کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہا پسند رہنما تھے یہ مقاصد کے لحاظ سے عملی لوگ تھے۔ ہڑتالوں سے بچتے تھے۔ وہ ایسی سہولتوں کو جنھیں بہترین مالک

[1] Blacklegs

رضامندی سے دیتے تھے، سب آجروں سے دباؤ ڈال کر حاصل کیا کرتے تھے۔ ان کو مزدور پیشہ طبقے کے بہترین لوگوں کا، نیز ان کے مالکوں کا اعتماد حاصل تھا اور انھیں اپنی کوششوں میں کامیابی ہوتی تھی۔ وہ اپنا بیشتر کام لنڈن کی صنعتی کونسل کے ذریعے کیا کرتے تھے۔

بدقسمتی سے بہت سے اضلاع میں، مزدور سبھا کے حامی اس طرح کی معقول پالیسی پر عمل پیرا نہیں تھے اور یہ زمانہ مزدور سبھا کی تحریک کے لئے خطرناک تھا۔ اولاً تو آجروں نے متحد ہو کر اپنی انجمنیں بنالی تھیں اور دربندی کر کے مزدور سبھاؤں سے جنگ کر رہے تھے۔ دوسرے شیفیلڈ میں ان لوگوں پر جو مزدور سبھا کے رکن نہیں تھے۔ جو دست درازیاں ۱۸۶۰ء اور ۱۸۶۶ء میں کی گئیں، اُس کی وجہ سے شاہی کمیشن کا تقرر کیا گیا۔ اس مسئلے پر مزدور سبھا کے نقطۂ نگاہ سے غور کرنے کے لئے ایک کانگریس کا انعقاد کیا گیا اور یہ کانگریس آج تک چلی آرہی ہے۔ مزدور سبھا کے حامیوں نے خود تحقیقات کے لئے دباؤ ڈالا تاکہ ان پر دہشت انگیزی کا جو الزام لگایا گیا ہے اس سے وہ اپنے آپ کو بری کر سکیں۔ جنتا کی کوشش سے کمیشن کے جو رکن مقرر ہوئے وہ منصف مزاج لوگ تھے اور ان کی رپورٹ مزدور سبھا کی تحریک کے ناموافق نہیں تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے یہ مشورہ دیا کہ انجمن کو زیادہ آزادیٔ عمل ملنا چاہیے اور اسی سال ایلین اور اس کے رفیقوں کی تحریک پر مالک اور ملازم کا قانون منظور ہوا۔

اسی سال ملکہ کی عدالت میں ایک اہم فیصلہ سنایا گیا۔ ایک مقامی سکریٹری نے اپنی انجمن کے روپے کو نامناسب طریقے پر خرچ کیا۔ لیکن اپیل میں یہ فیصلہ سنایا گیا کہ مزدور سبھا اس کے خلاف کوئی چارہ جوئی نہیں کر سکتی۔ مزدور سبھا کی تحریک کو ابھی تک بالکل قانونی نہیں سمجھا جاتا تھا یا کم سے کم اس کو قانون کے لئے ایک "تکلیف دہ چیز" سمجھا جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ باقی دار لوگوں پر مقدمہ دائر نہیں کیا جاسکتا تھا اسی سال اصلاح کا مسودہ بھی منظور ہوا جس سے شہر کے کاریگروں کو بھی حق رائے دہی مل گیا۔

۱۸۷۱ء کا قانون ان سب چیزوں نے مل کر قانون سازی کو ناگزیر بنا دیا اس قانون کے ذریعے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مزدوروں نے بہت کچھ حاصل کر لیا لیکن درحقیقت انھیں صرف وہی چیز قانونی طور پر مل گئی جو پہلے سے حاصل تھی

بلکہ ایک قیمتی رعایت جو انھیں حاصل تھی وہ ان سے چھین لی گئی۔ ۱۸۷۱ء کے مزدور سبھا کے قانون نے یہ فیصلہ کر دیا کہ کسی اتحاد کو محض اس وجہ سے کہ اس سے صنعت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے غیر قانونی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مزدوروں کی امداد رساں انجمنوں کو قانونی تحفظ دیا گیا اور اب وہ جائداد کی مالک بن سکتی تھیں۔ لیکن اس ایکٹ کے ساتھ ترمیم ضابطۂ فوجداری کا ایکٹ بھی منظور کیا گیا جس کو بالارادہ ذومعنی طریقے پر تیار کیا گیا تھا اور یہ ان لوگوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے وضع کیا گیا تھا جو یا تو دھرنا[1] دیں یا "مالک کے ساتھیوں[2]" کو (یعنی مزدوروں کو جو ہڑتال کے دوران میں خود سبھا کے مزدوروں کی جگہ لینا چاہتے ہوں) اپنا ہم خیال بنائیں۔"

اسی سال جنتا نے مزدور سبھاؤں کی کانگریس کو لندن میں منعقد کرایا اور پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی کے ذمے یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ اس قابل نفرت قانون کو منسوخ کرا لے۔ تمام معمولی طریقے ناکام رہے۔ لیکن ۱۸۷۴ء میں کانگریس نے اپنے تیرہ نمایندوں کو پارلیمنٹ کی رکنیت کے امیدوار بننے کی اجازت دے دی اور ان میں سے دو کا انتخاب بھی ہو گیا۔ یہ سب سے پہلے مزدور ممبر تھے۔ اسی زمانے میں ایک اور نئی جماعت بھی برسر اقتدار آئی اور ۱۸۷۵ء کا مزدور سبھا کا قانون بھی منظور ہوا۔

اولاً اگر کسی کام کا کرنا ایک واحد شخص کے لئے جرم نہیں تھا تو اسی کام کو اگر دو یا تین آدمی باہمی معاہدہ کر کے کریں تو اسے بھی جرم نہیں قرار دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہڑتال نے پوری قانونی حیثیت حاصل کر لی۔ در بندی کی ہمیشہ سے اجازت تھی کیونکہ اسے ایک آدمی کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد دھرنا دینے کو بھی، کچھ حفاظتی پابندیوں کے ساتھ قانونی بنا دیا گیا۔ آجر اور مزدور کو قانون کی نگاہ میں برابر جگہ پر کھڑا کر دیا گیا۔ ایک معمولی دوستانہ انجمن کے رجسٹری کی جو نوعیت تھی ویسی ہی مزدور سبھا کے لئے بھی مقرر کی گئی۔ اگر ہڑتال سے انسانی زندگی خطرے میں پڑتی ہو یا قیمتی جائداد تلف ہوتی ہو تو وہ اب بھی قابل مواخذہ جرم قرار دیا گیا۔ چنانچہ قانون کی اس شق سے فائدہ اٹھا کر عدالت ہائے دیوانی نے بعد میں مزدوروں پر جبر و تشدد کیا۔

ل Picketing

ل Blackleggs

۱۸۷۱ء کے قانون کے منظور ہونے کے بعد، مزدور سبھا کی تحریک زوروں کے ساتھ چلنا شروع ہوئی۔ اس کا کچھ سبب صنعت و تجارت کی توسیع بھی ہوئی۔ ڈارچیسٹر کی سزا کے چالیس سال بعد تک مزدور غیر متحد رہے تھے۔ اب جوزف آرک نے زرعی مزدوروں کی انجمن بنائی جس کی رکنیت بہت جلد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ ہر صنعت میں تعداد بڑھنا شروع ہوئی یہاں تک کہ تقریباً ۱۸۷۵ء میں یہ تعداد اپنے نقطۂ کمال تک پہنچ گئی۔ صنعت کی ترقی کی وجہ سے آجر بھی مطالبوں کو منظور کرنے کے لئے رضامند ہو جاتے تھے اور ثالثی فیصلہ تصفیے کا مقبول ذریعہ بن گیا۔

لیکن یہ چیز قایم نہیں رہی۔ آجر خود بھی متحد ہو گئے مثلاً ۱۸۷۳ء میں متحد آجروں کا قومی وفاق بنایا گیا۔ دوسری طرف ۱۸۷۴ء کے بعد کی کساد بازاری بہت مہلک ثابت ہوئی۔ کھیت کے مزدوروں کی حالت بہت مایوس کن تھی۔ وہ شہر کے معاملات سے ناواقف تھے اور مرکزی جد و جہد سے دور تھے۔ شک و شبہہ کا پیدا ہونا ناگزیر تھا جس کو ان کے مالکوں اور دیہات کے طبقۂ متوسط نے اور زیادہ تقویت پہنچائی۔ چنانچہ زراعت میں یہ تحریک بہت تیزی سے فنا ہو گئی۔

۱۵۔ کامیاب ہڑتال

یہ کامیاب ہڑتالوں کا عہد تھا۔ گذشتہ عشرے میں یارک شائر کے کان کنوں نے ایک اہم رعایت یہ حاصل کر لی تھی کہ وہ اس کوئلے کی نگرانی کرنے کے لئے جو نیچے سے اوپر بھیجا جاتا تھا اپنا ایک تول جنچیا[1] مقرر کر سکتے تھے۔ دوسری طرف لنکا شائر کے سوتی کارخانوں کے مزدوروں کو نئی شرح سے اجرت بحساب کام ملنے لگی تھی اور قانونی طور پر عورتوں کے لئے ۵۶½ گھنٹے فی ہفتے کا کام مقرر کر دیا گیا تھا جس کا اثر عملی طور پر مردوں پر بھی پڑا تھا۔ بعض شہروں میں راجوں کے لئے ۹ گھنٹے یومیہ مقرر کر دیے گئے تھے۔ اس کے بعد (۱۸۷۱ء میں) سنڈرلینڈ کے مشین بنانے والے مزدوروں نے بھی کام کے گھنٹے کم کرانا چاہے اور پانچ مہینے کی ہڑتال کے بعد ان کو بھی کامیابی حاصل ہو گئی۔ نیوکیسل میں جو جھگڑے ہوئے ان میں ہڑتالیوں کو پبلک کی ہمدردی حاصل ہو گئی

[1] Checkweighman

اور وہ اپنا مقدمہ جیت گئے۔ مشین کے کارخانے کے مالکوں نے جو رعائتیں دی تھیں وہ ملک کے طول و عرض میں ہر جگہ دی گئیں اور اکثر صورتوں میں ہڑتال کی محض دھمکی اس کے لئے کافی ثابت ہوتی تھی۔

مزدوروں کی کامیابی کا یہ زمانہ بہت سی باتوں میں ۱۸۳۳ء تا ۱۸۳۴ء کے زمانے سے ملتا جلتا تھا۔ دونوں صورتوں میں ترقی تیزی سے ہوئی۔ دوسری طرف امداد باہمی کے ذریعہ پیدائش کی اسکیمیں بھی آوون کی اسکیموں سے بہت مشابہت رکھتی تھیں۔ ان دونوں میں فرق یہ تھا کہ اب مزدور سرمایہ داری نظام کو ختم کرنے کی کوشش کے بجائے غیر معمولی منافع میں حصے کے طلبگار ہوگئے تھے۔ آجروں کے اس نقطۂ نگاہ کو مزدوروں نے مان لیا تھا کہ کم ترین اجرت مقرر کرنا ناقابل عمل ہے نیز یہ کہ اجرتوں کو (نفع کی طرح) صنعت کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ گھٹتا بڑھتا رہنا چاہیے۔ آجروں کے زیادہ معقول رویے کی وجہ سے مصالحتی بورڈ بھی نمودار ہوگئے۔ ظاہر ہے اس نئے نقطۂ خیال کے پیدا ہوجانے سے مزدور سبھا کے ممبروں کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا۔

۱۶۔ کساد بازاری صنعتی توسیع کے بعد کساد بازاری پیدا ہوئی۔ آجروں کو اس کی وجہ سے کچھ زیادہ رنج نہیں ہوا کیونکہ انھیں اجرتوں کو گھٹانے اور اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو واپس حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ ان کے پاس ناقابل فروخت مال کا ذخیرہ موجود تھا اس لئے انھیں اپنی گرنیوں کو پورے وقت تک چلاتے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں کی ہڑتالوں کا سلسلہ برابر ناکام رہا۔ مزدوروں نے ابھی تک یہ سبق نہیں سیکھا تھا کہ کساد بازاری کے زمانے میں کبھی ہڑتال نہ کرنی چاہیے۔ ۱۸۷۸ء کی زبردست کشمکش میں مزدوروں کو ناکامی ہوئی۔ لیکن موخرالذکر تاریخ مزدور سبھا تحریک کا انتہائی نقطۂ زوال تھی کیونکہ اس کے دوسرے سال تحریک میں دوبارہ زندگی پیدا ہوگی۔

اس خراب زمانے میں مزدور سبھا کی تحریک برابر چلتی رہی۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی انجمنیں ختم ہوگئیں لیکن مضبوط ترین انجمنیں زندہ رہیں۔ پالیسی کا جہاں تک تعلق ہے یہ سکون کا زمانہ تھا۔ کانگریس کی ساری طاقت ۱۸۷۵ء تک قانونی مسودات کو منظور

گرانے میں ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد دس سال تک جو جلسے ہوئے ان میں کوئی لائق ذکر کام نہیں کیا گیا۔ پھر فرقوں کے باہمی اختلاف رائے سے زندگی کا ثبوت ملنا شروع ہوا۔ آہستہ آہستہ جنٹا اور لندن کی مزدور سبھا تحریک کا اثر کمزور ہوتا گیا۔ دوسری طرف کمترین اجرت اور قانونی مداخلت کا ایک نیا مطالبہ پیش کیا جانے لگا۔

صنعتی بہتری کا زمانہ جلد ختم ہو گیا اور ۱۸۸۳ء کے بعد ایک دوسری کساد بازاری شروع ہوئی۔ عوام کو سیاسی اصلاحات مل گئی تھیں آزاد تجارت بھی منظور کر لی گئی تھی وہ سبھاؤں کی صورت میں خوب منظم بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی حالت غیر تشفی بخش تھی۔ لبرلزم سے لوگ مایوس ہوتے جا رہے تھے اور کارل اور اس کے انگلستان کے پیروؤں کے خیالات تیزی سے پھیل رہے تھے۔ ملک بحیثیت مجموعی اس جدت کا مخالف تھا۔ مزدور سبھا تحریک بھی غیر متحد تھی۔ اس لئے اس نئی مزدور سبھا تحریک کو ابتدا میں سخت جنگ کرنا پڑی۔ جتھوں اور مزدور سبھاؤں کی مشابہت زیادہ زور دینا تو ٹھیک نہیں ہے لیکن دونوں کے عملی کاموں میں بہت سی باتیں یکساں نظر آتی ہیں قدیم جتھوں کی طرح مزدور سبھاؤں میں بھی ایک امارت پرستی سی پیدا ہو گئی تھی اور ان کا مقصد ایک محدود اور مقررہ تعداد کو نفع پہنچانا رہ گیا تھا۔ اب وہ مزدور جن کو سب سے کم اجرت ملتی تھی ان سبھاؤں میں داخل ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

۱۷۔ نئی مزدور سبھا تحریک یہ تحریک ۱۸۸۳ء کی کساد بازاری کے بعد پیدا ہوئی۔ ہنڈمین کی سوشل ڈیماکریٹک فیڈریشن کے قیام کے بعد مارکس کے خیالات کی جو اشاعت ہوئی اس نے پرانی مزدور سبھا تحریک کو نئی مزدور سبھا کی شکل اختیار کرنے کے لئے تیار کر دیا۔ ۱۸۵۰ء سے ۱۸۸۵ء تک صنعتوں کی انجمن کی تحریک اس عدم مداخلت اور انفرادیت کی پالیسی کو قبول کرتی رہی جو گلیڈسٹن کے لبرلزم کی خصوصیت تھی اور اس نے اپنے مشاغل کو زیادہ تر دوستانہ انجمنوں کی خدمات تک محدود رکھا۔ لیکن ۱۸۸۴ء کے بعد جب اشتراکیت کی تحریک عام ہوئی تو ایک نئی روح بیدار ہو گئی اور غیر ماہر مزدوروں اور نیم بیگار پر کام کرنے والی عورتوں کی حالت نے مزدور سبھا کے اشتراکی بازو کی توجہ کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ ہڑتال کی پالیسی

پھر نمایاں ہوگئی۔ ایک نمونے کی انجمن کے دو مختلف پہلوؤں (یعنی دوستانہ انجمن اور خالص مزدور سبھا) کو علیحدہ علیحدہ رکھنے اور چندوں کو صرف ہڑتال کے لئے استعمال کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ اجتماعیت[1] جس کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ مزدور وسائل پیدائش کے مالک بنائے جائیں اور جو اون کی اشتمالیت کے مقابلے میں زیادہ قابل عمل تھا؛ مزدوروں کا نصب العین بن گئی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ یہ قرار دیا گیا کہ اجرتوں اور کام کے گھنٹوں کے تعین کرانے میں حکومت کی طرف سے مداخلت کرائی جائے۔ مزدور سبھا کی تحریک میں ہردلعزیزی پیدا ہو گئی۔ غیر ملکی مزدور سبھاؤں سے تعلقات قائم کرنا پسندیدہ چیز سمجھی جانے لگی۔ مزدور سبھاؤں کی پہلی بین الاقوامی کانگریس لندن میں ۱۸۸۸ء میں منعقد ہوئی۔

۱۸۸۸ء میں دیا سلائی کے کارخانوں میں کام کرنے والی عورتوں نے ہڑتال کردی۔ ان کے پاس قطعی طور پر نہ روپیہ تھا نہ تنظیم تھی۔ پھر بھی رائے عامہ اس قدر متاثر ہوگئی تھی کہ آجروں کو ان کا مطالبہ منظور کرنا پڑا۔ اس سے صنعتی جھگڑوں کے ایک نئے رُخ کا آغاز ہوا۔ اب ہر فریق کی یہ کوشش ہونے لگی کہ رائے عامہ کی ہمدردی کو اپنی طرف رکھنے کی کوشش کرے۔ ۱۸۸۹ء میں گیس کے مزدوروں اور عام مزدوروں کی سبھائیں بنائی گئیں اور اس کے بعد چند مہینے کے اندر اندر لندن کے گیس جھونکنے والوں کے لئے کام کے آٹھ گھنٹے مقرر کر دیئے گئے۔ اس کے فوراً بعد جنوب مغربی ہند گودی میں دفعتہً کام بند کر دیا گیا۔ اس سے جان برنس بن ٹل لیٹ اور ٹام من کی سرکردگی میں گودی کے کام کرنے والوں کی اجرت[2] میں اضافہ کرانے کے لئے گودی کی زبردست ہڑتال کا آغاز ہوا۔ لندن کی تجارت دس ہفتے تک بند رہی۔ سب طرف سے حتےٰ کہ آسٹریلیا تک سے امداد کی بارش ہونے لگی اور مزدوروں کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ غیر ماہر مزدوروں کی یہ پہلی بڑی اور کامیاب ہڑتال تھی۔

---

[1] Collectivism

[2] Dockers' Tanner ٹینر عامیانہ زبان میں چند پنس کے سکّے کو کہتے ہیں اس لئے مجازاً "گودی کے کام کرنے والوں کی اجرت"

ظاہر ہے اس کی وجہ سے مزدور سبھا تحریک کو نیا عروج حاصل ہوا اور ایک سال کے اندر دو لاکھ غیر ماہر مزدور، مزدور سبھا کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ مزدور باہم زیادہ متحد ہو گئے اور ان میں طبقہ وارانہ اشتراک کا احساس پیدا ہو گیا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ اشتراکیت پھیلنا شروع ہوئی۔ یہ نئی سبھائیں جو اوون کے زمانے کی تنظیمات سے بہت سی باتوں میں مشابہت رکھتی تھیں جنگ جو جماعتیں تھیں۔ ان کے چندے کم تھے اور دوستانہ خدمات بھی مختصر ہوتی تھیں۔ اس لحاظ سے یہ پرانی انجمنوں سے بہت زیادہ مختلف تھیں۔ ان میں وسیع تر اتحاد کی تحریک بھی زیادہ پائی جاتی تھی اور مختلف قسم کے وفاق بنائے گئے تھے اور ملک کے طول و عرض میں صنعتوں کی کونسلیں بنائی جا رہی تھیں۔

اس کے بعد مالکوں کی بھی باری آئی کہ وہ بھی اپنے آپ کو متحد کریں۔ ۱۸۹۶ء میں مشین کی صنعت کے آجروں نے اپنی ایک انجمن بنائی جس نے مشین کی صنعت کے مزدوروں کی مشترکہ انجمن کو ایک زبردست ہڑتال میں نیچا دکھایا۔ ۱۸۹۹ء میں مزدور سبھاؤں کا ایک وفاق عام بنایا گیا۔ ابتدا میں ہر مرکز باری باری سے اس وفاق کا کام چلایا کرتا تھا اور تمام شرکا کے اختیارات مساوی تھے۔ لیکن بعد میں جب کام بڑھا تو تنخواہ یاب عہدہ دار ایک مستقل مرکز پر کام کرنے کے لئے مقرر کئے گئے۔ بعض صورتوں میں شاخوں کی انجمنوں سے نمایندوں کا انتخاب بھی کیا جاتا تھا۔ عام وفاق کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی انجمن مشکل میں پھنس جائے تو یہ اپنے اختیارات سے کام لے کر اس کی امداد کرے۔ غیر ملکی انجمنوں سے تعلقات قایم کرنے کا بھی یہ بڑے اتحادات ایک ذریعہ تھے۔

پارلیمنٹ کی مزدور پارٹی کی ابتدا ۱۸۹۲ء کے انتخاب سے ہوئی جب کیسر ہارڈی، جان برنس اور ہاولاک ولسن منتخب ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں کیسر ہارڈی نے بمقام برڈفورڈ آزاد مزدور جماعت کی بنیاد رکھی اور ۱۸۹۵ء میں اٹھائیس امیدواروں کو انتخاب کے لئے کھڑا کیا لیکن ان میں سے کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ ۱۸۹۹ء تک صنعتوں کی انجمنوں کی کانگریس بھی اس کی ہم خیال ہو گئی اور یہ طے کیا گیا کہ پارلیمنٹ کے اندر مزدوروں کا ایک علٰحدہ گروپ بنایا جائے جو ایسے قوانین بنوانے کی کوشش کرے جو براہ راست مزدوروں کے مفاد میں ہوں۔ مزدوروں کی نمایندگی کرنے والی

کمیٹی نے ۱۹۰۰ء کے عام انتخاب کے لئے پندرہ امید واروں کو نامزد کیا لیکن صرف کیر ہارڈی اور رچرڈ بل کامیاب ہوئے۔

بیسویں صدی میں پارلیمنٹ کی مزدور پارٹی کو اس وقت عروج حاصل ہوا جب ۱۹۰۶ء کے انتخاب میں اس کے انتیس امید واروں کا پورا گروہ منتخب ہوگیا۔ اسی سال دارالامراء نے بھی دو فیصلے کئے۔ ۱۸۸۳ء میں ایک عام قاعدہ یہ مقرر کردیا گیا تھا کہ جہاں بہت سے فریقان مقدمہ کے ایک ہی وقت میں ایک ہی مقصد کے ماتحت یکساں مفاد ہوں تو وہاں ایک رکن سب کے فایدے کے لئے مدعی یا مدعا علیہ بن سکتا ہے۔ ہڑتال کو، اگر اس سے قیمتی جائداد کو نقصان پہنچتا تھا اب بھی ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ۱۸۹۳ء کے ایک مقدمے میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مزدور سبھا پر ہرجانہ کا دعوے نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۹۰۱ء میں دارالامراء نے اس فیصلے کو مسترد کردیا اور ٹیف ویل کے مقدمے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۱۸۷۱ء کے مزدور سبھا قانون کے منشاء کے مطابق ایک مزدور سبھا پر اس کے رجسٹری شدہ نام کو مدعا علیہ بناکر دعوی دائر کیا جا سکتا ہے۔ اور اس طرح اس کے ذخیرے سے مطالبات ادا کرائے جا سکتے ہیں۔

۱۸۔ حالیہ قوانین

۱۹۰۳ء میں ایک شاہی کمیشن نے دھرنے کے قانون میں تبدیلی کرنے کی موافقت میں فیصلہ کیا لیکن ٹیف ویل کے فیصلے کی موافقت کی۔ ۱۹۰۶ء کے صنعتی جھگڑوں کے قانون نے اس فیصلے کو مسترد کردیا اور پرامن طریقے پر دوسرے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کو بھی قانوناً جایز قرار دیا۔ دارالامراء نے اسبورن کے فیصلے میں یہ طے کیا کہ مزدور سبھا کے روپیہ کو قانونی طور پر سیاسی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ کے مزدور اراکین کو رضاکارانہ چندوں پر انحصار کرنا پڑا جو کافی مقدار میں وصول نہیں ہوتے تھے۔ اس فیصلے کو منسوخ کرانے کے لئے شورش برپا کی گئی لیکن جب سے اراکین کو تنخواہ ملنے کا رواج ہوگیا ہے اس وقت سے اس شکایت میں کمی واقع ہوگئی ہے۔

۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۷ء میں ممبروں کی تعداد بہت بڑھ گئی لیکن اس کے بعد خفیف سی کمی ہوئی۔ ۱۹۱۰ء سے ممبروں کی تعداد بڑھنے لگی ہے۔ اراکین کی مجموعی

تعداد گذشتہ عشرے میں ۲۵ فی صدی سے بڑھ کر سنہ ۱۹۱۰ء میں پچیس لاکھ تک پہنچ گئی گو انجمنوں کی تعداد تقریباً مسلسل طریقے پر برابر گھٹ رہی ہے۔

مصالحت میں ترقی، عمل اور نظام کار دونوں کے اعتبار سے، پچھلے دور میں ایسی ہی ہوتی رہی جیسی کہ سنہ ۱۸۶۰ء اور سنہ ۱۸۹۰ء کے درمیان ہوئی تھی جب مصالحتی بورڈ عام ہو گئے تھے۔ آجر نے اب سمجھ لیا ہے کہ ہڑتالیں دونوں فریقوں کے لئے نقصان رساں ہوتی ہیں اور پنچایتی فیصلے سے روپیہ اور زحمت دونوں کی بچت ہو گی اور اس سے ذاتی وقار اور رعب میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کے علاوہ گذشتہ نصف صدی میں مزدوروں کی سبھا بھی مالکوں کی دشمنی پر کمربستہ نہیں رہی بلکہ اس نے نگرانی کا نہایت سخت فریضہ ادا کیا ہے اور معمولی مزدوروں پر خود آجر سے بھی زیادہ موثر طریقے پر دباؤ ڈالا ہے۔ ایک معنی میں تو مزدور سبھا نے جتھوں کے فرائض کو پورا کیا ہے اور اُسے حالات سے واقفیت مالک سے زیادہ رہتی ہے۔

مزدور سبھا، مالک اور مزدور کے تعلقات کو ایک منظم شکل دے دیتی ہے جس کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی مشکلیں مثلاً ملازمت کی شرائط کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آجر، اپنے مزدور کو زیادہ عرصے کے لئے ملازم رکھ سکتے ہیں اور اس طریقے سے بے روزگاری میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ایک اچھا آجر، ناواجب مقابلے سے محفوظ رہتا ہے۔ ہڑتالیں چونکہ مہنگی ثابت ہوتی ہیں اس لئے جہاں تک ہو سکتا ہے ان سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان کی محض دھمکی سے آجروں پر مناسب وقت پر دباؤ ڈالا جا سکتا ہے۔

اجرتوں کا تصفیہ زیادہ تر باہمی سمجھوتے سے کر لیا جاتا ہے اور جھگڑوں کو اکثر ثالثی فیصلے کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ جھگڑوں کے تصفیے میں (سنہ ۱۸۹۶ء کے مصالحتی قانون کے بعد سے) بورڈ آف ٹریڈ بھی امداد دے سکتا ہے اور حال کے چند معاملوں میں یہ امداد بے انتہا فائدہ رساں ثابت ہوئی ہے۔ اس قسم کے مصالحتی مشورہ کو قبول کرنا اختیاری ہوتا ہے اور بعض ہڑتالوں میں رجحان یہ رہا ہے کہ اس امداد کو قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا، جیسے کہ سنہ ۱۹۱۲ء کی ریل کی زبردست ہڑتال میں اور ڈبلن کے جھگڑے میں (سنہ ۱۹۱۳ء)۔ اس زمانے میں مزدور سبھا کی تحریک نے دوبارہ جارحانہ

رنگ اختیار کر لیا اور سنڈیکلزم کی ترقی سے اس زمانے کی یاد تازہ ہوگئی جب ۱۸۸۱ء کے بعد سوشلزم کو ترقی ہوئی تھی۔

۱۹۔ مزدور سبھاؤں کی پالیسی

(۱) دوگانہ پالیسی:۔ ہر زمانے میں، مزدور سبھا کی پالیسی، بیماری اور بے روزگاری کے بیمے کے علاوہ، دو باتوں کی طرف مائل رہی ہے۔ اول تو انھوں نے معاشی تبدیلی کو جہاں تک اس کا اثر ان پر پڑتا تھا اپنے قابو میں رکھنا چاہا ہے۔ دوسرے انھوں نے مزدوروں کے لئے شرائط ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزدوروں نے اس نظریے کو ترک کر دیا کہ ایجادوں کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت صرف ان کے آخری اثرات کو ہی نظر کے سامنے رکھنا چاہئے۔ انھوں نے اس کے فوری مصائب کو بھی نظر کے سامنے رکھا۔ آہستہ آہستہ انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس قسم کی ترقی سے مزدور کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے اثر کو مزدور کے فائدے کے لئے اس طرح استعمال کیا کہ ان ایجادوں کے رواج میں تاخیر پیدا کرائی اور اس طرح تبدیلی کی رفتار کو ہموار بنا دیا۔

دوسری پالیسی ذاتی مدافعت کی ہے۔ کمزور شخص آجر کے رحم وکرم پر ہوتا تھا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ متحد ہوگیا تو اس کی کمزوری پر پردہ پڑ گیا۔ آجر کو ایک آدمی سے معاملہ کرنا، بہت سے آدمیوں سے انفرادی طور پر معاملہ کرنے کے مقابلے میں زیادہ آسان اور تشفی بخش نظر آیا اور اس قسم کے معاہدے کی پابندی کرانے کا امکان بھی زیادہ نظر آتا تھا۔ آجر چند آدمیوں کو چھانٹ کر ان پر ظلم وجبر نہیں کر سکتا تھا۔ جس نمائندے کو معاہدہ کرنے کے لئے منتخب کیا جاتا تھا وہ خاص اہلیت کا مالک ہوتا تھا اور اپنی صنعت کے بارے میں خوب واقفیت رکھتا تھا۔ چونکہ وہ ایک ذمہ دار آدمی ہوتا تھا اس لئے غالباً آجر اس کی بات کو بھی زیادہ توجہ سے سنتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اتحاد کی وجہ سے جو روپیہ محفوظ ہو جاتا تھا اس کے ذریعے سے زیادہ مساویانہ شرائط پر آجر سے لڑا جا سکتا تھا۔

(۲) ہڑتال کی پالیسی کی قدر وقیمت:۔ گذشتہ تجربے سے ہڑتال کی پالیسی کی قدر وقیمت، کا صحیح صحیح تخمینہ نہیں کیا جا سکتا۔ معاشی نظریے میں بھی اس مسئلے پر خامی نظر آتی ہے کیونکہ انسانی عنصر کی وجہ سے اکثر گڑبڑ پیدا ہوتی رہتی ہے۔

انیسویں صدی کی ابتدا میں یہ عقیدہ تھا کہ مزدور کی اجرت کم ترین ضروریات زندگی کی طرف مائل رہتی ہے اور افلاس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اسی بنیاد پر مزدور سبھا کی تحریک کی آجروں نے، گورنمنٹ نے اور پادریوں تک نے مخالفت کی تھی اور اسے ایک ایسی حالت کے خلاف بے چینی سے تعبیر کیا تھا جس کی کوئی اصلاح ممکن نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ، نظریۂ ذخیرۂ اجرت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اپنی سادہ ترین اور نہایت موٹی صورت میں اس نظریے کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ نفع بخش اصل اور محنت کی باہمی نسبت سے اجرتوں کا تعین ہوتا ہے۔ جہاں تک حساب کا تعلق ہے یہ بات صحیح ہے لیکن نظریہ پیش کرنے والوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ذخیرۂ اجرت ایک ناقابل تبدیل شے ہے۔ اس لئے جب مزدوروں کے ایک حصے کی اجرت بڑھتی ہے تو دوسرے حصے کی گھٹ جاتی ہے۔ اسی بنا پر ہڑتالوں کی بھی مذمت کی جاتی تھی۔

اس کے بعد یہ ثابت کیا گیا کہ اجرتیں ایک قائم و دائم ذخیرۂ اجرت سے ادا نہیں کی جاتیں بلکہ ایک جاری و رواں چشمۂ اجرت سے ادا کی جاتی ہیں اور ہر مزدور اس دولت کو خود پیدا کرتا ہے جس کا معاوضہ اُسے ادا کیا جاتا ہے چنانچہ سرمایہ دار کا کام صرف اس قدر رہتا ہے کہ وہ اس عرصے کے لئے جس میں کہ مزدور دولت پیدا کرتا ہے، اس کے گذارے کے لئے پیشگی روپیہ دے دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذخیرۂ اجرت ایک تغیر پذیر چیز ہے اور اس نظریے کے لئے راستہ صاف ہو گیا کہ اگر تقسیم دولت کو بہتر کر دیا جائے تو اس کی وجہ سے مزدور کو ضروریات پر صرف کرنے کا زیادہ موقع ملے گا۔ وہ زیادہ کارگذار بن جائے گا اور اس طرح اس کا ذخیرۂ اجرت بھی بڑھ جائے گا۔

مزدور سبھا تحریک کے حامی اس ناقابل انکار حقیقت کی طرف توجہ دلاتے تھے کہ جس زمانے میں مزدور سبھا کی رکنیت میں عام طور پر اضافہ ہوا ہے اُسی زمانے میں مزدوروں کی اجرتیں بھی بڑھی ہیں۔ مزدور سبھا کے مخالف جواب دیتے ہیں کہ یہ دونوں مظاہر ایک ہی مشترک سبب کا نتیجہ ہیں یعنی تجارتی حالات کی بہتری کا یا اس بات کا کہ اجرتوں کے اس اضافے سے مزدور سبھا کی تحریک کو ترقی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ مزدور سبھا کے ممبر نہیں ہوتے ان کی اجرتیں بھی اس زمانے میں عام طور پر

بڑھ جاتی ہیں، اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ منظم مزدور، ان لوگوں کے لئے بھی جنگ کر چکے ہوتے ہیں۔

ہڑتال کی پالیسی اس حقیقت پر مبنی ہے کہ مزدور بھی ایک لایق مبادلہ شئے ہے اس کی ایک قدر بصورت زر ہوتی ہے اور اس کا شمار ان اشیا میں کیا جا سکتا ہے جو سریع الزوال ہوتی ہیں مثلاً مچھلی جس کو فوراً فروخت کرنا چاہیے۔ برخلاف اس کے دیرپا اشیا کو اچھی قیمت کے انتظار میں روک کر رکھا جا سکتا ہے۔ مزدور سبھا کی تحریک محنت کو کم فنا پذیر بنا دیتی ہے۔ مزدور انتظار کر سکتا ہے۔

لیکن یہاں اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ مزدور کو کبھی نہ کبھی اپنی محنت کو فروخت کرنا پڑتا ہے کیونکہ ایک پائدار شئے کو ہمیشہ قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ چنانچہ مزدوروں کے باہمی مقابلے میں تاخیر تو پیدا کی جا سکتی ہے لیکن یہ مقابلہ بعد میں ضرور رونما ہوگا اور زیادہ طاقت کے ساتھ ہوگا۔ معمولی زمانوں میں آجروں کے درمیان آپس میں جو مقابلہ جاری رہتا ہے وہ مزدور کے بہت زیادہ استحصال کا تدارک کرتا رہتا ہے۔

اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ آجروں کی ایک انجمن، مزدوروں کی ایک مکمل عام انجمن سے روبرو ہو کر معاملات طے کرتی ہے تو بھی یہ یقینی نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اجرتوں میں کوئی بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔ سب اقدام کرنے والوں کو جن میں کامیاب اور ناکام دونوں شامل ہیں جب ملحوظ نظر رکھا جاتا ہے تو انتظام کا معاوضہ بہت زیادہ نظر نہیں آتا۔ اگر اس زائد معاوضے کو کم کر کے اجرتوں کو بڑھانے کی کوشش کی جائے تو نمایاں اضافہ ہونے سے پہلے ہی یہ ختم ہو جائے گا۔ اگر قیمتیں بڑھا کر اجرتوں میں اضافہ کیا جائے گا تو طلب کم ہو جائے گی۔ دوسری طرف ہر مزدور کو، خریداری کے وقت، اکثر چیزوں کی زیادہ قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

بعض حالات ضرور ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک چھوٹی سی انجمن، اجرتوں کو بہت زیادہ بڑھا سکتی ہے۔ فرض کیجئے ایک صنعت کے لئے بڑی طاقت یا مہارت کی ضرورت ہے۔ اس کے اندر مزدوروں کی تعداد، عام مزدور پیشہ آبادی کے مقابلے میں کم ہے۔ ان مزدوروں کا کام سوسایٹی کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے اور اس کام کا،

کوئی بدل موجود نہیں ہے۔ نیز یہ کہ جو چیزیں یہ تیار کرتے ہیں ان کی قیمت ان چیزوں کے مقابلے میں جن کے ساتھ انھیں استعمال کیا جاتا ہے کم ہے۔ اگر انجمن مضبوط ہے اور اس کے پاس سرمایہ کافی ہے تو اجرتیں بہت بڑھ سکتی ہیں یہ نتیجہ اس لئے رونما ہوگا کہ انجمن کو آجر اور اس کی معرفت، صارف پر اور محنت کے بازار پر قابو حاصل ہوگا۔ اگر انجمن میں داخلہ مشکل ہو مثلاً کارآموزی کے قوانین کی وجہ سے، تو بھی (بازار پر) اسی قسم کا قابو رونما ہو جائے گا۔

ذخیرۂ اجرت کے نظریے میں تھوڑی سی صداقت ضرور تھی۔ یہ ہمیشہ ممکن ہے کہ ایک انجمن کے مزدوروں کی حالت کے بہتر ہو جانے کا اثر نہ صرف یہ کہ صارفوں پر پڑے بلکہ دوسرے مزدوروں پر بھی پڑے۔ لیکن ایک صورت ایسی بھی ہے جس میں مزدور سبھا کے رکن، صرف آجروں پر ہی اثر ڈالیں۔ اگر تجارت کے حالات اچھے ہوں تو آجر کو وقتی طور پر زیادہ اجرت ادا کرنے کے لئے مجبور کیا جاسکتا ہے اور اگر تجارت کے حالات اچھے نہ ہوں تو مزدور اپنی اجرت میں بہت زیادہ تخفیف کو روک سکتا ہے۔ غرض اس طرح عارضی طور پر ہڑتالوں کے ذریعے سے استحصال کو روکا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر آجر کو اجارہ حاصل ہے تو اُسے معاوضہ بہت زیادہ ملے گا اور ایسی صورت میں وہ غالباً زیادہ اجرت کے مطالبے کو منظور کر سکے گا اور اُسے ہڑتال کے ذریعے ایسا کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ جب ایسا کیا جائے گا تو اس کی وجہ سے کوئی معاشری نقصان بھی نہیں ہوگا۔

اب یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ایک انجمن کو آجر پر قابو حاصل ہے۔ اگر اجرتیں بہت زیادہ ہوں گی تو آجر ان کے ادا کرنے سے انکار کر دے گا اور پیدائش دولت میں تخفیف کر دے گا جس سے بے روزگاری پیدا ہوگی۔ چنانچہ خلاصے کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اجرت میں اضافہ کرایا جاسکتا ہے۔ یہ اضافہ مزدوروں کی مجموعی تعداد کے لئے بہت زیادہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف اگر معاشری فائدے کو نظر کے سامنے رکھا جائے ایسے حدود موجود ہیں جن سے تجاوز کرنا ممکن نہیں ہے۔

(۳) خارجی پالیسی ۱۹۰۰ء تا ۱۹۱۴ء :- جنگ عظیم سے قبل کے سالوں میں صنعتی انجمنوں کی تحریک کی جو عام پالیسی رہی، آئیے اُس کے مطالعے کو دوبارہ شروع کریں۔

اس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ پارلیمنٹ کے ذریعے کام کرانے پر لوگوں کا عقیدہ برابر کم ہوتا چلا گیا۔ سنہ ۱۹۰۰ء سے زندگی کے مصارف برابر بڑھ رہے تھے اور اکثر صنعتوں میں اجرتوں میں کمی ہو رہی تھی اور عوام کی ایک قرن کی تعلیم نے انھیں اپنی قسمت پر قانع رہنے کی طرف کم مایل کر دیا تھا۔ صنعتوں کی انجمن کا بایاں باز‌و پارلیمانی کارروائیوں کے بجائے براہ راست کارروائی کا زیادہ معتقد ہو گیا اور اس سلسلے میں یورپ کی سنڈیکلزم کی تحریک کا بھی جس کی تبلیغ ٹام من کر رہا تھا، اثر پڑا۔ صنعتوں کی انجمنوں کے قومی وفاق اور ایک عام ہڑتال کے خیالات فضا میں ہر جگہ پھیلے ہوئے نظر آتے تھے اور اس مقصد کے حصول کے لئے تین سب سے زیادہ جنگ جو فرقوں نے یعنی کان کنوں، ریل کے مزدوروں اور نقل وحمل کے مزدوروں نے جارحانہ اور مدافعتی کارروائی کے لئے نہایت قریبی اتحاد قایم کر لیا تھا۔ لیکن قبل اس کے مصیبت کی گھڑی جس کی دھمکی دی جا رہی تھی نازل ہو، جنگ عظیم شروع ہو گئی اور اس کی وجہ سے دلچسپی اور قوت کو زیادہ وسیع مسائل کے حل کرنے کی طرف لگانا پڑا۔

باب (۱۰)

زر اور بنک کاری

(۱) بارٹر

ابتدائی زمانے میں تجارت زیادہ تر اتفاقی ہوا کرتی تھی۔ ایک آدمی ایک چیز کا مالک ہوتا تھا۔ اس کی قدر اس کی نگاہ میں اس چیز کے مقابلے میں جس کا مالک دوسرا شخص تھا کم ہوتی تھی۔ اسی طرح اُس دوسرے شخص کی نگاہ میں بھی اپنی چیزوں کی قدر کم ہوتی تھی۔ غرض یوں سادہ مبادلہ یعنی بارٹر کے لئے جو ضروری شرایط ہیں وہ موجود ہوجاتی تھیں۔ لیکن بارٹر کا طریقہ بھونڈا اور غیر تشفی بخش ہے اور باقاعدہ مبادلے کے لئے موزوں نہیں ہے۔

اس کے بعد آدمیوں کے اندر اپنی ملکیتوں کی قدر کے بارے میں زیادہ معین تصورات پیدا ہونے لگے اور انھیں کسی مانوس چیز سے مقابلہ کرکے دیکھا جانے لگا۔ قدیم جماعتوں میں مویشی سب لوگوں کے پاس ہوتے تھے۔ چنانچہ جب مبادلے کی ضرورت ہوئی تو ہر چیز کے افادہ کا موازنہ بیل سے کرکے دیکھا گیا۔ اس کے بعد لوگ اپنے مویشی کو ہر اُس چیز کے معاوضے میں دینے لگے جس کی انھیں خواہش ہوتی اور انھیں امید یہ رہتی تھی کہ جب انھیں زیادہ مویشیوں کی ضرورت ہوگی تو وہ ایسی

حاصل کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ جب کسی آدمی کے پاس کوئی ایسی چیز ہوتی جو اس کے لئے کم کارآمد ہوتی تو وہ اس کے معاوضے میں ہمیشہ مویشی لے لیتا تھا کیونکہ اس کی قدر میں کمی نہیں ہوتی تھی۔

مویشی نسبتہً گراں قدر ہوتے تھے ایک شخص اُس چیز کے معاوضے میں جس کی اُسے خواہش تھی دو بیل تک دینے کے لئے تو آمادہ ہو جاتا تھا لیکن تین بیل دینے سے انکار کر دیتا تھا۔ دوسری طرف اس کا پڑوسی دو سے زاید بیل دینے پر اصرار کرتا تھا۔ اس لئے بہت سے ایسے سودے جن کے ہونے کا امکان ہوتا وہ بھی نہیں ہو پاتے تھے۔ چنانچہ اس بات کی ضرورت تھی کہ بیل سے کم قدر کا ایک معیار حاصل کیا جائے۔

رفتہ رفتہ ایک ایسے معیار قدر کے تصور نے جس کا اظہار اکائیوں کی صورت میں کیا جا سکے نشو و نما پائی۔ ابتدا میں یہ ایک مثالی چیز تھی۔ دو شخص ایک معیار کے حوالے سے لین دین کرتے رہتے تھے لیکن دونوں میں سے کسی کے پاس وہ حقیقتاً موجود نہیں ہوتا تھا۔ انگلستان کے ابتدائی باشندوں کے مینکس کی غالباً یہی صورت تھی لیکن قدیم قبائل کے لئے معیار کی ایک مادی بنیاد از بس ضروری تھی۔ چنانچہ کچھ ایسی شمار کرنے والی چیزوں کا نظام وجود میں آیا جیسی کہ افریقہ کے بعض قبائل میں کوڑیاں تھیں۔ یہ شمار کرنے والی چیز بیل کے مقابلے میں بہت چھوٹی اکائی کو ظاہر کرتی تھی۔ اس لئے اس کے ذریعے سے قدر کے باریک ترین فرق کے اندر بھی مطابقت پیدا کی جا سکتی تھی۔

اس کے علاوہ آہستہ آہستہ "شمار کرنے والی چیز" اور زیر بحث شے (یعنی بیل) میں بھی ایک خاص باہمی نسبت پیدا ہو گئی۔ پھر چونکہ ہر شے کا مقابلہ ان دونوں چیزوں سے کیا جاتا تھا اس لئے "شمار کرنے والی چیز" سے لوگوں کو ایک آزادانہ اور جداگانہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اب اس نے خود اپنے طور پر ایک طرف تو مثالی معیار کے فرائض انجام دینا شروع کر دیے اور یہ ایک ایسی شمار کرنے والی چیز تھی جسے حساب کرتے وقت آنکھ سے دیکھا اور ہاتھ سے استعمال کیا جا سکتا تھا اور دوسری طرف اس نے بیل کے فرائض بھی جسے اس کے ذاتی فایدے کی خاطر حاصل کیا جاتا تھا انجام دینا شروع کر دیے۔ اب سوال ایک مناسب وسیلے کے انتخاب کرنے کا تھا اور اس کام کو انجام دینے کے لئے زر کی نشو و نما ہوئی۔

۲۔ زر کی نشو و نما۔ مویشی اور غلاموں کے اندر ایک ذاتی قدر پائی جاتی تھی لیکن خالی شمار کرنے والی چیزوں کی کوئی ذاتی قدر نہیں تھی۔ اس لئے زر پر قدر تھوپی گئی۔ چونکہ تمام چیزوں کی قدر کا اظہار زر کے حوالے سے کیا جاتا تھا اور زر کو چونکہ ہر شخص بارٹر کے درمیانی واسطے کے طور پر، ہر چیز کے معاوضے میں قبول کرنے کے لئے تیار تھا اس لئے یہ محسوس کیا جانے لگا کہ زر کو حاصل کرنا تمام دوسری چیزوں کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔ ایک غلام کار آمد ہوتا تھا لیکن جب تک اس کی قدر غیر معمولی نہیں ہوتی تھی، حفاظت، کی صورت یہی سمجھی جاتی تھی کہ اُسے فروخت کر دیا جائے اور بعد میں جب سہولت دیکھی جائے دوسرے کو خرید لیا جائے۔ عام زندگی کی دوسری چیزوں کو بھی اکثر اسی طرح حاصل کیا جا سکتا تھا۔

ایک لین دار ایسے زر کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا جسے وہ خود آسانی سے حاصل کر سکتا تھا۔ برتری کی حیثیت اُسی زر کے ذریعے حاصل ہو سکتی تھی جسے لوگ پہلے سے خاص پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہوں اور جس کے حاصل کرنے میں کچھ دقت ہوتی ہو۔ تب اس کی قدر، بڑھ جاتی تھی۔

اگر اس قسم کا زر دیرپا ہوتا تھا تو دوسری چیزوں کے مقابلے میں اُس کے حاصل کرنے کی خواہش اور زیادہ ہو جاتی تھی۔ گو معاشیات کے معمولی قوانین کے زیر اثر وہ بھی تھا لیکن اُس کو ایک مخصوص حیثیت حاصل تھی۔ لوگ چیزوں کے خریدنے میں تامل کرتے تھے کیونکہ بارٹر کا کام آسان نہیں تھا اور ہو سکتا تھا کہ ان کی چیز کی قیمت اس وقت جب وہ اُسے فروخت کرنا چاہیں گر جائے مگر وہ بیچنا چاہتے تھے کیونکہ انھیں ایک ایسی چیز مل جاتی تھی جو خراب نہیں ہو سکتی۔ زر اب ایک آلۂ مبادلہ اور اضافی قدر کا معیار بن گیا۔ اس کی وجہ سے تجارت میں آسانی پیدا ہو گئی اور اس نے ان شرائط کو واضح کر دیا تھا جن پر تجارت بہترین طریقے پر کی جا سکتی تھی۔ بعد میں یہ حقیقی معیار قدر بن گیا جسے مختلف زمانوں میں اس کے افادے کو ضایع کئے بغیر استعمال کیا جا سکتا تھا یعنی وہ ملتوی شدہ ادائیوں کا معیار بن گیا تھا۔ اس نے ایک ایسی حیثیت حاصل کر لی کہ قیمتوں کے جملہ تغیرات کے بارے میں (معیاری زر کے حوالے سے) یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ تغیرات چیزوں کی تبدیلیوں کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ زر کو بذاتہ خود غیر تغیر پذیر

مان لیا گیا۔ چنانچہ قرض چاہے کسی زمانے میں کیوں نہ لیا گیا ہو (یہ سمجھا جاتا تھا کہ) اس کی ادائی ٹھیک اتنی سی رقم واپس کر دینے سے ہو جاتی ہے جتنی کہ لی گئی تھی۔

اس کے علاوہ زر کو ایک مناسب وقت پر صرف کرنے کے لئے رکھ چھوڑنے کی عارضی کوشش کی جاتی تھی اس نے ترقی پا کر زر کو ذخیرہ کرنے کی صورت اختیار کر لی یعنی زر کو یا تو براہ راست خزانے کی صورت میں اکھٹا کیا جانے لگا یا بالواسطہ طور پر ایسی بیش قیمت چیزوں کی صورت میں جنھیں فوراً زر میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ زر کو ذخیرۂ قدر کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔

اس طرح کے آلۂ مبادلہ کو سخت شرطوں کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔ اسے ذاتی طور پر کار آمد ہونا چاہیے۔ اس کی مقدار محدود ہونی چاہیے۔ اسے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں نقل پذیر ہونا چاہیے۔ اس کے استعمال کرنے میں سہولت ہونی چاہیے یعنی کم حجم میں اس کی قدر زیادہ ہونی چاہیے۔ اس کی سب اکائیاں ایک سی ہونی چاہئیں نہیں تو سادہ طریقے پر شمار کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس کو بغیر ذاتی نقصان کے تقسیم ہو جانا چاہیے اور اس کے اجزا کو متحد کرنے کا امکان ہونا چاہیے۔ (اس شرط کو قیمتی پتھر پورا نہیں کرتے) اس کو پائدار ہونا چاہئے۔ اس کو شناخت کیا جا سکتا ہو اور اس کی قدر آسانی سے متعین ہو سکتی ہو۔ اس کی قدر غیر تغیر پذیر ہونا چاہیے۔

دھاتیں ان میں سے بہت سی شرطوں کو پورا کرتی ہیں اور قیمتی دھاتیں (سونا چاندی) آخری شرط کے سوا باقی سب کو پورا کرتی ہیں۔ جب قیمتی دھاتوں کی نئی کانیں دریافت ہوئیں تو ان کی رسد میں اضافہ ہوا اور ان کی قدر عام اشیا کے مقابلے میں گھٹ گئی۔ اس کے علاوہ چونکہ سونا چاندی اس شرط کو پورا کرتے ہیں کہ ان کی ایک ذاتی قدر بھی ہونا چاہئے۔ (یعنی زیور کے لئے) اس لئے یہ بات بھی عدم پائداری کا موجب ہے۔ سونے کو اکثر نمائشی چیزوں کی صورت میں اکھٹا کر کے رکھا جاتا ہے۔ (مثلاً سونے کے برتن) اور ان کے جب چاہیں سکے ڈھلوا سکتے ہیں۔

انگلستان میں، تاریخ کے ابتدائی زمانہ ہی سے زر رائج مذکورۂ بالا ترقی یافتہ منزل تک پہنچ گیا تھا۔ دھاتوں کو یکساں اکائیوں میں کاٹا جا سکتا تھا لیکن جب تک ان پر مہر نہ لگائی جائے ان کو شناخت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ٹکسال میں ڈھالی ہوئی ایسی ہی

دھات کو ہم آج زر کی اصطلاح سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کی شہادت موجود ہے کہ اس زر کا علم انگریزوں کو اس وقت سے تھا جب انھوں نے برطانیہ پر حملہ بھی نہیں کیا تھا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ رومیوں کی سکہ سازی بہت ترقی یافتہ تھی۔ اسے انگلستان میں استعمال کیا جاتا تھا لیکن اسے یہاں دائمی نہیں بنایا جا سکا۔

۳۔ انگلستان کا زر رائج: ابتدائی زمانہ انگلستان کا زر رائج جس نے خارجی اثرات سے آزادرہ کر ترقی پائی تھی ملک کے تمام حصوں میں ڈھالا جاتا تھا۔ جب ملک نے ترقی پائی، مرکزی اقتدار بڑھا اور وسعت پذیر تجارت کو زیادہ آسان ذرائع مبادلہ کی ضرورت ہوئی تو اس بات میں زیادہ سہولت نظر آئی کہ ٹکسال کے کام کو جہاں تک ممکن ہو سکے مرکزی بنا دیا جائے۔ جس سکے پر کسی مقتدر حکمراں کی مہر ثبت ہوتی تھی اُسے زیادہ اعتماد کے ساتھ قبول کیا جانے لگا۔ اس کے علاوہ وزن کے معیار اگرچہ ترقی پا گئے تھے لیکن ان میں تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے ایک مطلق العنان معیار کی ضرورت تھی۔ فتح کے بعد زر کا نظام خاصا منظم ہو گیا اور نارمنوں کے زمانے میں اس سمت میں کوئی بڑی یا یکبارگی ترقی نہیں ہوئی اگرچہ زر کی وہ نسبتیں جو آج ہمارے زمانے میں پائی جاتی ہیں انھوں نے اسی زمانے میں زیادہ معین صورت اختیار کی۔

نارمنوں کے زمانے میں صرف ایک سکہ چاندی کا پنس پایا جاتا تھا (اگرچہ لوگ اسے نصف اور ربع میں کاٹ لیا کرتے تھے)۔ یہاں تک کہ تیرھویں صدی میں چھوٹی قیمت کے سکے جاری کئے گئے۔ دو سو چالیس پنس کا وزن ایک پونڈ کے برابر مقرر کیا گیا اور بارہ پنس کا ایک شلنگ کے۔

سکوں میں وزن اور جسامت کے لحاظ سے بہت اختلاف تھا۔ وہ کبھی بھی بالکل گول نہیں ہوتے تھے اور ٹھپہ جو ہاتھ سے لگایا جاتا تھا اس کا نشان صاف نہ آتا تھا۔ اس لئے بڑی ادائیاں وزن کر کے کی جاتی تھیں۔ یہ نظام اگرچہ بھونڈا تھا لیکن اُمرا کے ہاتھ سے سکہ سازی کے کام کو لے لینا بادشاہ کے لئے فائدہ مند تھا۔ جب ادائی کا ذریعہ موجود ہوتا تھا تو اُس صورت میں محاصل زیادہ آسانی سے وصول کئے جا سکتے تھے۔ دوسری طرف ایک بہتر اور زیادہ منظم زر رائج کی وجہ سے تجارت میں اضافہ ہوتا تھا جس سے پھر قوم کی دولت اور اس کی وجہ سے محصول ادا کرنے کی اہلیت بڑھتی تھی۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ سکہ سازی نفع بخش کام تھا چنانچہ اس پر اجارہ قائم کرنا بادشاہوں کے مقصد میں داخل ہو گیا۔

اسٹیفن کے زمانۂ حکومت میں امرا کو ان کا چھینا ہوا حق واپس مل گیا لیکن اس کے بعد ان کے اختیارات ختم ہو گئے۔ اس کے بعد کے عہد میں سکہ سازی کا کام تقریباً سارا کا سارا لندن میں محدود ہو گیا اور اس کام کو صرافوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ مرکزی نگرانی کو نہ صرف جائز سمجھا جاتا تھا بلکہ جب تک حکومت خود سکے کی قدر کو کم کرنے پر نہیں اتر آتی تھی، تجارتی حالات کو درست رکھنے کے لئے اسے نہایت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ لیکن پھر بھی غیر قانونی سکہ سازی کا تدارک نہیں کیا جا سکا۔ کیونکہ سکہ سازی کا کام اس قدر غیر ترقی یافتہ حالت میں تھا کہ اس کی نقل اتارنا بہت آسان تھا۔ دوسری طرف معیاری سکوں کو بھی اس طرح کترا جا سکتا تھا کہ ان کی خصوصیات زائل نہ ہو پاتی تھیں۔ ظاہر ہے دندانہ دار سکوں کا لوگوں کو کوئی علم نہیں تھا۔ جب ایک دفعہ برے سکے رائج ہو جاتے تھے تو پھر ان کو خارج نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس کی وجہ سے لوگوں کو دھوکا دہی کے مواقع مل جاتے تھے۔ صرف سب سے ہلکے سکے گردش میں رہتے تھے۔ دوسرے سکوں کو یا تو پگھلا دیا جاتا تھا یا برآمد کر دیا جاتا تھا۔ معاملات نے آہستہ آہستہ اتنی نازک صورت اختیار کر لی کہ ایڈورڈ اول اور ایڈورڈ سوم دونوں نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ سکہ سازی کی نئی تنظیم کی جائے اور فلز کی برآمد ممنوع قرار دیا جائے۔ ہنری چہارم نے سکوں کی قدر ذاتی کو کم کرنے کی خراب بدعت کو شروع کیا اور اس کی مثال کی ایڈورڈ چہارم اور ہنری ہشتم نے پیروی کی۔ سولھویں صدی کے نصف ثانی میں سکے کی اس غیر منظم حالت نے سر ٹامس گریشم اور ملکہ الزبتھ کو مجبور کیا کہ وہ سکہ سازی میں دوبارہ اصلاح کریں اور چارلس ثانی کے زمانۂ حکومت میں آزاد نظام کو اختیار کر لیا گیا اور سونے اور چاندی کی برآمد کو قانونی طور پر جائز بنا دیا گیا۔ لیکن اس نئے نظام سے اور زیادہ عدم پائداری پیدا ہوئی اور ۱۶۹۶ء میں سکہ سازی کے قانون کو وضع کرنا ایک مرتبہ پھر ضروری ہو گیا۔

ا۔ ملاحظہ ہو حصۂ اول باب پنجم و ششم۔

۴۔ دو دھاتی معیار اب تک انگلستان میں دو دھاتی معیار رائج تھا۔ نظری طور پر سونا اور چاندی دونوں ساتھ ساتھ گردش میں رہتے تھے اور ان کی نسبتی قدر کو قانون مقرر کیا کرتا تھا۔ اس دو دھاتی نظام کا نتیجہ عدم پائداری کی صورت میں ظاہر ہوا کبھی ایک دھات کبھی دوسری دھات جب ان کی قدر کم ہوئی برآمد کی جانے لگی ۱۷۶۰ء کے قریب پہنچ کر حالات کا رخ بدلا ۱۷۷۴ء میں سونے کے ملکے سکوں کو ڈھالنے کا باقاعدہ انتظام کیا گیا اور چاندی کو پچیس پونڈ سے کم قدر کی مقداروں کے لئے زر قانونی قرار دیا گیا اگرچہ وزن کے لحاظ سے اپنی بازاری قدر پر اُسے اب بھی خزانے میں جتنی مقدار میں چاہتے داخل کر سکتے تھے۔

۱۷۹۸ء میں، چاندی کی سکّہ سازی (ایک معیار قانونی کی حیثیت سے) عارضی طور پر ممنوع قرار دے دی گئی اور ۱۸۱۶ء میں جب قانون سکہ سازی کی رو سے سونے کی مفت سکّہ سازی کا انتظام، تین پونڈ سترہ شلنگ ساڑھے دس پنس فی اونس کی ٹکسالی قیمت کے حساب سے کیا جانے لگا تو یہ ممانعت دائمی کر دی گئی۔ چاندی کے سکے کی حیثیت محض ریزگاری کی رہ گئی اور برآمد کے لئے پگھلانے کا تدارک کرنے کے لئے نئے شلنگ میں، چاندی کی مقدار کو گھٹا دیا گیا۔

اس زمانے سے پہلے بھی بنک کاری کے کاروبار میں نوٹ کا جاری کرنا شامل تھا اور بنک آف انگلینڈ کے نوٹ نقد پذیر ہوا کرتے تھے یعنی نوٹ کی قدر مندرجہ کے حساب سے بنک عندالطلب معیاری سکہ ادا کرنے کے پابند ہوتے تھے۔ جہاں یہ شرط با اثر تھی وہاں یہ بات بالکل واضح تھی کہ نوٹ کی قدر کبھی اُس زر کی قدر سے جس کی وہ نمایندگی کرتی تھی، گھٹنے نہیں پاتی تھی۔

بدقسمتی سے فرانس کی انقلابی جنگوں کی وجہ سے اس نظام کی ہموار کارگذاری میں ابتری پیدا ہو گئی۔ پٹ نے بنک آف انگلینڈ سے وسیع پیمانے پر (تقریباً جبری) قرض لیا تھا تاکہ اپنے یورپی اتحادیوں کی رقمی امداد کر سکے۔ اس کی وجہ سے ذخیرۂ محفوظ بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں طرح کم ہو گیا کیونکہ توازن تجارت ہمارے خلاف تھا اور زر ملک سے کھنچ کھنچ کر باہر جانے لگا۔ خانگی بنکوں کے دیوالے نکلنے لگے۔ پھر بنک آف انگلینڈ پر بھی لوگوں نے دھاوا بولا جس میں شدت، اس وجہ سے

پیدا ہوائی کہ لوگوں کو یہ خوف ہو گیا تھا کہ انگلستان پر حملہ ہونے والا ہے۔

۵۔ غیر نقد پذیر نوٹ بنک آف انگلینڈ، کا قریب تھا کہ دیوالیہ ہو جائے۔ لیکن حکومت کو روپے کی اور زیادہ ضرورت تھی صرف ایک صورت یہ تھی کہ نوٹوں کو غیر نقد پذیر کر دیا جائے یعنی بنک کو اس بات کی اجازت دے دی جائے کہ وہ میعاری زر کو نوٹ کے بدلے دینے سے انکار کر دے۔ حکومت نے یہ کام ۱۷۹۶ء میں انجام دیا گو ان نوٹوں کو اس کے بعد بھی سرکاری مطالبوں کی ادائی میں قبول کیا جا سکتا تھا۔ اس طریقے سے بنک اپنے سرمایۂ محفوظ کو قائم رکھ سکا اور اس کے سر سے دیوالئے کی مصیبت ٹل گئی۔

فلزاتی زر کے مقابلے میں، نوٹوں میں زیادہ آسانی تھی اور انھوں نے اپنے مقصد کو بہت اچھی طرح پورا کیا۔ گورنمنٹ کو اب ضرورت نہیں رہی کہ وہ نئے اور بھاری محصول لگائے۔ اس کے علاوہ ایک بیش قیمت آلۂ مبادلہ کی جگہ ایک سستا آلۂ مبادلہ استعمال کیا جانے لگا۔ اس قانون کو عارضی طور پر منظور کیا گیا تھا کیونکہ پٹ غیر نقد پذیر نوٹوں کے خطروں سے واقف تھا۔ اس پر عملدرآمد جاری رکھنے کے لئے جنگ کے بعد تک متواتر قوانین بنائے جاتے رہے اور چوبیس سال تک برطانیۂ عظمیٰ میں کاغذی پونڈ چلتا رہا۔ انگلستان کی روایات اس قدر سختی کے ساتھ کاغذی زر کے خلاف تھیں کہ نقد ادائیوں کے دوبارہ رائج کئے جانے کے بعد نوٹوں کو ۱۸۳۳ء تک مستقل طور پر زر قانونی نہیں بنایا جا سکا۔[1]

جب تک نوٹ افراط کے ساتھ جاری نہیں کئے گئے، غیر نقد پذیر نوٹوں کا نظام تشفی بخش رہا۔ نقد پذیر نوٹوں کے نظام میں جب افراط پیدا ہوتی ہے تو کچھ نوٹ فوراً بنک میں واپس آجاتے ہیں اور ان کے بدلے میں سونا واپس لے لیا جاتا ہے یہاں تک کہ توازن قائم ہو جاتا ہے۔ اس سے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہو پاتا سوا اس حالت کے کہ ذخیرۂ محفوظ اتنا کم ہو جائے کہ پبلک خوف زدہ ہو جائے اور آشوب رونما ہو جائے۔ برخلاف اس کے اگر نوٹ غیر نقد پذیر ہوں اور انھیں افراط کے ساتھ جاری کیا جا رہا ہو تو ان کی قدر میں تبدیلی بالکل اسی طرح ہوتی ہے جیسی اور دوسری چیزوں میں ہوتی ہے یعنی ان کی قدر زایل ہونے لگتی ہے۔ ایک عرصے تک، بنک کے ڈائرکٹروں نے اپنے

[1] ۱۷۹۷ء کا قانون صرف سالانہ قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ جب نقد ادائیاں شروع ہوئیں تو یہ خود بخود منسوخ ہو گیا۔

اختیارات کو احتیاط کے ساتھ استعمال کیا کیونکہ بنک چلانے والے لوگ سب سے زیادہ قدامت پسند ہوتے ہیں۔ لیکن بعد میں لالچ نے انھیں مغلوب کر دیا۔ انیسویں صدی کے شروع میں ایک طرف تو ان ہنڈیوں کی تعداد میں جن پر بنک نے بٹہ کاٹا بہت زیادہ اضافہ ہوا یعنی بنک نے روپیہ خوب قرض دیا اور اسی کے ساتھ دوسری طرف خراب فصلوں کی وجہ سے غیر ملکی گیہوں کی قیمت ادا کرنے کے لئے بہت سا سونا باہر بھیجنا پڑا۔

حالات نے اس وقت پلٹا کھانا شروع کیا جب نپولین کے برلن اور میلان کے فرمان کے بعد یورپ کی بندرگاہیں، انگلستان کے مال کے لئے بند کر دی گئیں اور ایک مصنوعی قلت اشیاء پیدا ہوئی جس میں انگلستان کی انتقامی کارروائیوں نے اور شدت پیدا کر دی۔ لیکن قلت اشیاء کی وجہ سے تخمین کو ترقی ہوئی اور اس تخمین میں اور زیادہ اضافہ اس وقت ہوا جب پرتگال اور اسپین کی جنوبی امریکا کی نوآبادیاں ۱۸۰۸ء میں جزیرہ نمائے آئبیریا پر نپولین کے حملے کے بعد تقریباً بالکل آزاد ہو گئیں اور انھوں نے اپنی بندرگاہوں کو انگلستان کے مال کے لئے بالکل کھول دیا۔

اُن مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کی وجہ سے جنھیں جنوبی امریکا کی تجارت سے فائدہ[1] اٹھانے کے لئے قائم کیا گیا تھا، اُن ہنڈیوں کی مقدار میں جن پر بنک آف انگلینڈ نے بٹہ کاٹا تھا۔ بے انتہا اضافہ ہو گیا اور اس کے نتیجے کے طور پر جاری شدہ نوٹوں کی مقدار بھی بہت بڑھ گئی۔ اسی کے ساتھ اور انھی اسباب کی بنا پر، مفصلات کے بنک کاروں نے بھی اپنی اجرائی نوٹ میں توسیع کی۔ کاغذی زر کے اس زبردست اضافے کی وجہ سے جو جائز تجارتی سودوں پر مبنی تھا، خطرناک نتائج رونما ہوئے سونے کی قیمت، کاغذی سکے کی شرح کے مطابق بڑھنا شروع ہو گئی[2] اور مبادلات خارجہ بہت تیزی کے ساتھ ہمارے خلاف ہو گئے۔ ۱۸۱۰ء کے شروع میں، دارالعوام نے حکومت سے اس کا جواب طلب کیا اور سونے کی گراں قیمت کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔

---

[1] ان میں بہت سے اقدامات ایسے تھے جن کا کامیاب ہونا ناممکن تھا۔ جیسے ساؤتھ سی مے نیا۔ ملاحظہ ہو حصہ اول باب پنجم

[2] ایک سونے کی گنی کا مبادلہ کاغذی زر کے تقریباً ستائیس شلنگ سے ہوتا تھا۔

۶۔ دار العوام کی کمیٹی

کمیٹی کو چار مسائل تحقیقات کے لئے سپرد کئے گئے تھے۔ اول یہ کہ کیا بنک کے نوٹوں کی قیمت واقعی گر گئی ہے یا اس کے بالمقابل سونے کی قیمت واقعی بڑھ گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ آیا نوٹ کے زاید اجرائی کا مبادلات خارجہ کی شرح پر کوئی اثر پڑا ہے؟ اگر پڑا ہے تو وہ کیا ہے تیسرے نوٹ کی اجرائی کو اگر محدود کر دیا جائے تو اس کا اثر سونے کی قیمت اور مبادلات خارجہ کی شرح پر کیا پڑے گا اور آخر میں بنک کو نوٹ کے اجرائی کی نگرانی کے سلسلے میں کس پالیسی پر عمل کرنا چاہیے۔

بنک کے ڈائرکٹروں نے جن کی تائید بہت سے تاجروں نے بھی کی اس امر سے انکار کیا کہ نوٹوں کی قدر گر گئی ہے اور انھوں نے اس بات کا مذاق اڑایا کہ ان کے نوٹوں کی اجرائی کی وجہ سے مبادلات خارجہ پر کوئی خراب اثر پڑا ہے۔ ان کی خاص دلیل یہ تھی کہ صرف ایک جبری زر رائج مبادلات پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ان کے کاغذ کو ہر جگہ بخوشی قبول کیا جاتا ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کے نوٹ کی قدر گری ہوئی نہیں ہے۔ انھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ کسی ایسے کاغذی زر کو جو تجارتی بٹے کے ذریعے گردش میں داخل ہوتا ہے ممکن ہی نہیں ہے کہ پبلک کی ضرورت سے زیادہ بڑھایا جا سکے کیونکہ اگر ایسا کیا جائے گا تو اس زر کو چیزوں کے مبادلے میں قبول نہیں کیا جائے گا۔

کمیٹی اپنی رپورٹ میں جس پر پارلیمنٹ نے مئی ۱۸۱۱ء میں غور کیا اس سے مختلف نتیجے پر پہنچی تھی۔ اُسے رکارڈو کے رسالے کی تائید حاصل تھی۔ اُس نے دلیل یہ پیش کی کہ سونے کی اعلیٰ قیمت اور مبادلات خارجہ کی پست حالت کاغذی زر کے افراط کی خاص علامتیں ہیں اور یہ صورتِ حال ۱۷۹۷ء کے اس ایکٹ کی وجہ سے پیدا ہوئی جس نے بنک کی اجرائی نوٹ پر سے تمام پابندیاں اُٹھالی تھیں۔

ڈائرکٹروں کے اس دعوے کا جواب دیتے ہوئے کہ اجرائی میں افراط اس وقت تک ناممکن ہے جب تک پیشگی ادائی ان ہنڈیوں پر بٹہ کاٹ کر کی جاتی ہے جو حقیقی تجارتی سودوں کی بنا پر لکھی جاتی ہیں کمیٹی نے یہ دلیل پیش کی کہ موجودہ حالات میں ہر قرض جو تاجروں کو دیا جاتا ہے وہ نہ صرف ایک طرف سرمائے کی پیشگی ادائی ہے بلکہ دوسری طرف اس سے زر رائج کی مقدار میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور اس لئے اس کا

لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ قوت خرید کی ہر اُس اکائی کی جو بہ شکل زر موجود ہو قدر گھٹ جائے۔ چونکہ نوٹ غیر نقد پذیر ہیں اس لئے یہ بنک میں واپس نہیں آتے بلکہ برابر چلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان ہنڈیوں کا جن پر ابتدا میں بٹہ کاٹا گیا تھا اصل وصول ہو جاتا ہے۔ لیکن اس اصل کے وصول ہونے سے پیشتر دوسرے نوٹ جاری کئے جا چکتے ہیں۔ غرض یہ افراطی طریقہ کار ہر نئے قرضے کے ساتھ برابر دوہرایا جاتا ہے۔ زاید از ضرورت زر کی وہ مقدار جو گردش میں ہے وسیع ہوتی رہتی ہے اور چیزوں کی قیمتیں بغیر رُکے ہوئے بڑھتی رہتی ہیں۔

اس لئے فلز کی کمیٹی نے سفارش کی کہ دو سال کے وقفے کے بعد نقد ادائی کو دوبارہ جاری کیا جائے لیکن دار العوام اس رپورٹ کا مخالف تھا اور اس کے اصولوں کو ۱۸۱۳ء تک زیادہ تر بنک آف انگلینڈ کے ڈائرکٹروں کی مخالفت کی وجہ سے عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔

۷۔ نقد ادائیوں کا دوبارہ رواج

فلز کی کمیٹی کی رپورٹ نامنظور ہو جانے کی وجہ سے بنک آف انگلینڈ کو حوصلہ ہوا کہ وہ بغیر روک ٹوک کے نوٹوں کی اجرائی کو جاری رکھے۔ لیکن زر رائج کی بڑھتی ہوئی تخفیف قدر سے زمیندار طبقوں کو اتنا سخت نقصان پہنچا کہ لارڈ کنگ نے اپنے پٹہ داروں کو ایک گشتی چھٹی بھیجی کہ وہ اپنے لگان یا تو سونے کی شکل میں ادا کریں یا ایسے نوٹوں کی صورت میں جو سونے کے مساوی قدر رکھتے ہوں۔ اس گشتی چھٹی کا نتیجہ یہ نکلا کہ لارڈ اسٹین ہوپ کو ایک مسودۂ قانون کے منظور کرانے میں کامیابی ہوئی جس کی رو سے سونے اور نوٹ کی ادائیوں کے درمیان تفریق کرنا ممنوع قرار دیا گیا اور اس کی وجہ سے نوٹوں کو جبری طور پر زر رائج بنائے جانے کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔

ظاہر ہے معاملات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ سونے کی قیمت بڑھ کر پانچ پونڈ دس شلنگ تک پہنچ گئی اور غلے کی قیمت بھی اتنی بڑھ گئی جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی تھی۔ ۱۸۱۹ء میں پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان نے بنک آف انگلینڈ کی حالت کی تحقیقات کرنے کے لئے جداگانہ کمیٹیوں کا تقرر کیا اور دونوں کمیٹیوں نے آخر میں نقد ادائیوں کے دوبارہ رواج دیئے جانے کی سفارش کی۔ یہ قلب ہیئت کچھ تو رکارڈو کے

خیالات کے زیر اثر واقع ہو اور کچھ اس حقیقت کی بنا پر کہ جس تجارتی دنیا نے ۱۸۱۰ء میں اس بات سے انکار کیا تھا کہ نوٹ کی اجرائی سے سونے کی قیمت یا مبادلات پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اب اس کو تجربے سے اپنے خیالات کے غلط ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔ ان کمیٹیوں کی رپورٹ کی بنیاد پر ایک قانون منظور کیا گیا جس میں نقد ادائیوں کے رواج کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے یکم مئی ۱۸۲۳ء کو آخری تاریخ قرار دیا گیا لیکن اس آخری تاریخ سے دو سال پہلے ہی یعنی پہلی مئی ۱۸۲۱ء کو وہ زر کاغذی جو ۱۷۹۷ء سے چل رہا تھا ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ فلزائی سکہ چلا دیا گیا۔

۱۹۱۹ء میں، زر رائج کی حالت ۱۸۱۹ء سے مشابہ تھی اور کنلف کمیشن نے جن اصولوں کو پیش کیا اور جن کی وجہ سے اسٹرلنگ کو دوبارہ سونے کی بنیاد پر قبل از جنگ کی شرح کے مساوی قرار دیا گیا وہ بعینہٖ ۱۸۱۰ء اور ۱۸۱۹ء کی رپورٹ جیسے تھے۔ لیکن فرق یہ تھا کہ کنلف کی سفارشیں تو چھ سال کی آزمائش کے بعد ناکام ثابت ہوئیں لیکن فلز کمیٹی اور ۱۸۱۹ء کی رپورٹ کی سفارشوں پر موثر طریقے پر سوا ایک یا دو موقعوں کے جب عارضی طور پر ان کے عمل درآمد میں خلل واقع ہوا، برابر ۱۹۱۴ء تک عمل ہوتا رہا۔

لیکن ۱۸۱۹ء میں کچھ مخصوص حالات ایسے موجود تھے جو زر کی اکائی کی تفریط کے لئے سازگار ثابت ہوئے۔ زر رائج کی قوت خرید کو بہ جبر بڑھانے کا ابتدائی اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ طبقے نسبتہً نفع میں رہتے ہیں جن کو لگان، سود یا طویل مدت کے معاہدوں کے ذریعے آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ انھیں قانونی طور پر صنعت کی پیداوار میں زیادہ حصے کے مطالبہ کرنے کا حق مل جاتا ہے۔ پھر اگر طاقتور مزدور سبھاؤں کے زیر اثر، اجرتیں قائم حالت پر رہتی ہیں اور حالات ایسے ہوتے ہیں کہ فنی ترقیوں سے فایدہ اٹھا کر مصارف پیدائش کو گھٹانے کا موقع نہیں ہوتا (یعنی جب بازار کو محاصل کروڑگیری یا دوسرے اسباب کی وجہ سے محدود کر لیا جاتا ہے) تو پھر منافعے نہ صرف غائب ہو جاتے ہیں بلکہ نقصانوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور کاروبار کا جاری رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

انیسویں صدی کی ابتدا میں، آجر کو کئی ایک حقیقی سہولتیں میسر تھیں جو اس کے

بیسویں صدی کے جانشین کو حاصل نہیں تھیں۔ مزدور پیشہ طبقوں کی حالت اس وقت غیر منظم تھی۔ اس لئے اجرتوں میں، آسانی کے ساتھ، کمترین مصارف زندگی تک تخفیف کی جاسکتی تھی اور چونکہ انگلستان کے صناعوں کا کوئی اہم حریف دوسرے ملکوں میں موجود نہیں تھا اس لئے صنعتی طریقۂ کار کی ترقیوں کو اطمینان کے ساتھ جاری رکھا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ اُس وقت برطانیہ کا اصل دوسرے ملکوں میں بھی بہت کم لگا ہوا تھا اس لئے ایسی پس اندازیوں کی رسد کافی مقدار میں موجود تھی جنھیں شغل اصل کی جستجو رہتی تھی۔ اس کی وجہ سے نئے قرضوں پر شرح سود کم ہوگئی تھی اور صنعتی رہنماؤں کو اس کمی سے بہت مدد ملی تھی لیکن ۱۹۲۵ء میں جب معیار طلا کو دوبارہ قائم کیا گیا تو حالات بہت مختلف تھے۔

۸۔ ۱۸۱۶ء کی تنظیم: ہندوستان

۱۸۱۶ء میں زر رائج کی تنظیم دوبارہ کی گئی۔ چاندی کے سکوں کو زر وضعی بنا دیا گیا یعنی ان کی قدر بہت بڑھا دی گئی لیکن انہیں بے ضرر بنا دیا گیا اگر کسی آلۂ زر کی زیادہ مقدار کی طلب موجود ہو اور اس کی اجرائی کو محدود رکھا جائے تو ایسا زر اپنی حقیقی قدر کے مقابلے میں بہت زیادہ قدر کے ساتھ گردش کرسکتا ہے۔ ایسی صورتوں میں سکہ سازی کا کام نفع بخش ہو جاتا ہے اور جو لوگ اس کام کو ناجائز طریقے پر کرتے ہیں ان کو ہمیشہ سے سخت سزائیں دی جاتی رہی ہیں۔ زر وضعی دو زروں کی درمیانی صورت ہے۔ ایک تو معیاری زر کی جو اپنی بازاری قدر (جمع سکہ سازی کا "حق شاہی") پر گردش کرتا رہتا ہے اور دوسرے زر کاغذی کی۔

شلنگ کا وزن گھٹا کر ایک پونڈ کا $\frac{1}{66}$ کر دیا گیا۔ سونے کے سکے کو گنی کی جگہ ساورن میں تبدیل کر دیا گیا اور اس کے وزن کو بھی ٹھیک اسی تناسب سے گھٹا دیا گیا۔ کارڈو نے ایک اسکیم خالص زر کاغذی کو رواج دینے کے لئے پیش کی لیکن ملک ان مصیبتوں کے بعد جو ابھی حال میں اس نے برداشت کی تھیں اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ قانونی طور پر زر رائج میں ۱۹۱۴ء تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

ہندوستان میں ۱۸۹۳ء میں، زر رائج کی جو تنظیم ہوئی اس کا بھی یہاں ذکر کر دینا ضروری ہے۔ اس ملک میں چاندی، زر معیاری تھا (یعنی غیر محدود حد تک اس کا سکہ بنایا جاتا تھا) اور روپیہ اس معیار کی بنیاد تھا۔ چاندی کی رسد بڑھی جس کی وجہ سے

اس کی قدر گر گئی ۔ روپے کی قدر (سونے میں) اتنی کم ہو گئی کہ برطانوی ہندوستان کی ٹکسالیں چاندی کی سکہ سازی کے لئے بند کر دی گئیں ۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اب اس بات کا یقین جاتا رہا کہ چاندی کی زاید از ضرورت رسد کی کسی دوسری جگھوں میں نکاسی ہو سکے گی اور یہ ایسا واقعہ تھا جس کی اہمیت عالمگیر ثابت ہوئی ۔

غرض، ہندوستان کا چاندی کا سکہ ایک طرح کا زر وضعی بن گیا کیونکہ رسد کو محدود کر کے اس کی قدر کو مصنوعی طور پر بلند رکھا جانے لگا ۔ اس طرح کے زر کا جس کے اندر قانونی طور پر کھوٹ ملا ہوتا تھا، سب ملکوں میں نمایاں طور پر اضافہ ہوا ۔ اس تبدیلی کو جب حکومت کے ساکھ کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے یا اس یا اس فریضے کے پیش نظر جو حکومتوں پر زر کے معاملات میں، اپنے اعتبار کو مسلّم و محفوظ رکھنے کے سلسلے میں عائد ہوتا ہے تو اس پر تاسف کا اظہار کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن کفایت، سہولت اور تجارت کے نقطۂ نگاہ سے یہ چیز بہت تشفی بخش ہے ۔

۹- ہنڈیاں دوسری سمتوں میں بھی یہی رجحان نظر آتا ہے ۔ اٹھارھویں صدی میں، ہنڈیوں اور چکوں سے واقف تو تھے لیکن یہ چیزیں اس وقت اور زیادہ اہم ہو گئیں جب صنعتی انقلاب کے بعد تجارت کی توسیع نے ایک زیادہ کثیر اور زیادہ سہل اور تغیر پذیر زر رائج کی ضرورت پیدا کر دی ۔ نظری طور پر تو ایک عرصے سے آلۂ مبادلہ اور معیار قدر کے جن فرایض کو زر انجام دیتا ہے انھیں ایک دوسرے سے علٰحدہ رکھا جا رہا تھا لیکن اب عملی طور پر بھی ان دونوں میں تفریق پیدا ہو گئی یساورن پر اعتبار کیا جا سکتا تھا اس لئے یہ ایک معیار تھا جس کی قدر ذاتی اس کی قدر ظاہری کے برابر ہوتی تھی ۔ شلنگ، تجارت کے کام کے لئے تو سہولت کا موجب تھا لیکن یہ حقیقی معیار کا کام جب تک ساورن سے اس کی نسبت قائم نہیں کی جاتی نہیں دے سکتا تھا ۔ لیکن چکوں نے اعتبار کے معاملے کو انتہا تک پہنچا دیا ۔

اگر اعتبار میں کوئی گڑبڑی نہ واقع ہو تو ہنڈی (جو حقیقۃً مہیا کردہ مال کی ایک رسید ہوتی ہے) اور چک زر کا کام دے سکتے ہیں ۔ تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ صرف بحران کے زمانے ہی میں اس قسم کے آلۂ مبادلہ کے قبول کرنے سے عام طور پر انکار کیا جا سکتا ہے لیکن ہر چک کے بارے میں اس کے ذاتی خوبیوں کو سامنے رکھ کر

رائے قائم کرنا ہوتی ہے اور اس کی قدر کا تعین اس پر دستخط کرنے والے شخص کی مالی حیثیت کا تخمینہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہنڈی کی قدر کا دار و مدار بھی متعلقہ تاجر کے صاحب مقدرت ہونے پر ہوتا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ زر کی حقیقی بنیاد بھی ضرور موجود ہونا چاہیے۔ جس طرح کہ ایک چک اس وقت تک دست بدست نہیں چلتا جب تک کہ یہ امکان موجود نہ ہو کہ اس کے بدلے میں جب ضرورت ہوگی زر کو حاصل کیا جا سکے گا اسی طرح ایک بنک کار کے چک (یعنی نوٹ) بھی اس وقت تک قبول نہیں کئے جاتے جب تک کہ اس کے خزانے میں معیاری فلز کا ذخیرہ محفوظ موجود نہیں ہوتا۔

انگلستان کی بنک کاری کے ارتقا کی خصوصیت یہ ہے کہ بنک کاری کے ذخیرۂ محفوظ کو جمع رکھنے کا فرض اور امتیازی حق، بنک آف انگلینڈ کو سپرد کر دیا گیا ہے۔ عام طور پر بنک آف انگلینڈ نے اس کام کو دانشمندی کے ساتھ انجام دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انیسویں صدی میں بحیثیت مجموعی ایک ایسے زر رائج کو ترقی ہوتی رہی جس کا بیشتر حصہ محض اعتبار پر مبنی ہونے کی وجہ سے فرضی ہے، کچھ حصہ بیش قدر ہے اور ایک قلیل حصے کی قدر ذاتی اس کی قدر ظاہری کے برابر ہے۔ اس زر رائج کی کمزوری اس وقت ظاہر ہوئی جب اعتبار کے منہدم ہو جانے کی وجہ سے مالیاتی بحران پیدا ہو گیا اور ان کا اثر صنعت پر بھی پڑا۔

ایک ملک میں جتنا زر استعمال کیا جاتا ہے اس کی کوئی مقررہ مقدار نہیں ہوتی تجارت کی کمی کی وجہ سے جب زر کی طلب میں کمی پیدا ہو جاتی ہے تو سکے کی قدر میں زوال اس وقت بھی رونما ہو جاتا ہے جب پورا زر رائج فلزی ہوتا ہے اور حکومت کی طرف سے جاری کیا جاتا ہے یعنی زر کے پیمانے کے لحاظ سے فلز کی قدر زاید ہو جاتی ہے اور اسے پگھلانا یا برآمد کرنا شروع کر دیا جاتا ہے۔ ہر سودے میں اگر وہ مساوی القدر اشیاء کا مبادلہ بالجنس نہیں ہے، زر کو منتقل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے جب تجارت کو ترقی ہوتی ہے تو بازار میں کساد رونما ہو جاتا ہے یعنی زر رائج میں عام طور پر کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ چکوں وغیرہ کی ترقی اس وقت ہوئی جب تاجروں کو کسی ایسے طریقے کے ڈھونڈنے کی ضرورت پیش آئی جس کے ذریعے وہ اپنی ادائیوں کو اس وقت تک

کے لئے ملتوی کر سکتے جب تک کہ زر ان کے ہاتھ میں واقعی آجاتا۔ اُسی وقت یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ تھوڑا وقت گذرنے پر بہت سے قرضوں کی باہم تنسیخ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک مقررہ زمانے تک ادائی کو ملتوی کرنے کا رواج ترقی پا گیا جس کی وجہ سے ہنڈی کی موجودہ قدر اس کی درج شدہ قدر کے مقابلے میں' التوا کی مدت کے سود کے مساوی' کم ہونے لگی۔

۱۰۔ مبادلات خارجہ

بین الاقوامی تجارت میں بھی یہی طریقہ کار رونما ہوا۔ یہاں مزید مشکل یہ تھی کہ سکے کے نظام مختلف ہوتے تھے اور ان کا مقابلہ دو قوموں کے معیاری سکوں کے اندر' قیمتی دھاتوں کی جو نسبتی مقدار ہوتی تھی اسی کے ذریعے سے کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ زر کی برآمد کا کام خطرناک اور پُر مصارف تھا۔ چنانچہ اس اصول نے ترقی پانا شروع کی کہ اگر ایک ملک کا تاجر کسی دوسرے ملک کے تاجر کا دین دار ہوتا اور دوسری طرف دوسرے ملک کا کوئی دوسرا تاجر پہلے ملک کے کسی اور تاجر کا دین دار ہوتا تو قرضوں کو ہر دو ملکوں کے اندر ہی ملکی زر کو منتقل کر کے چکایا جا سکتا ہے۔ ایک ملک کا تاجر' ایک ہنڈی (رسید) کو اپنے ہم وطن سے خرید سکتا تھا اور اُسے دوسرے ملک کے اپنے لین دار کو بھیج سکتا تھا اور دوسرے ملک کا یہ لین دار اپنے ملک کے دین دار کے ہاتھ اس کو فروخت کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے' عملی زندگی میں معاملات کی صورت اتنی سادہ نہیں ہوتی تھی جیسی اس مثال میں فرض کی گئی ہے کیونکہ ہنڈیوں کو بہت سے ہاتھوں سے گزرنا پڑتا تھا لیکن یہ ہنڈیاں بین الاقوامی زر رائج اس طرح بن گئیں کہ ان کو بنکوں نے (معاوضہ لے کر) "سکارنا" شروع کر دیا اور پھر اس کے بعد ہنڈیوں نے زر کے تمام فرائض کو انجام دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ درآمد و برآمد کی قدر کا اندازہ بھی ہنڈیوں کی نوعیت سے کیا جانے لگا۔

توازن تجارت کے قدیم نظریۂ تجارت کو' ایک لحاظ سے' مبادلات خارجہ میں بھی جاری رکھا گیا۔ اگر ایک ملک (مثلاً انگلستان) درآمد سے بہت زیادہ برآمد کرتا تھا تو یہ بہت سے زر کا لین دار ہو جاتا تھا اور بہت سے غیر ملکی لوگ انگلستان کے زر رائج پر قبضہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت کہا جاتا تھا کہ مبادلات خارجہ انگلستان کے موافق ہیں اور فلز کا رجحان اس ملک کے اندر آنے کی طرف رہتا تھا۔

ایک بین الاقوامی زر ابھی تک ترقی یافتہ صورت میں نمودار نہیں ہو سکا ہے اگرچہ براعظم یورپ

میں نظام اعشاری کو اختیار کر کے ترقی کی جانب قدم اٹھایا گیا ہے تجارت کی راہ میں، قرنوں سے، ایک مشترک معیاری زر کی کمی کو ایک رکاوٹ محسوس کیا جاتا رہا ہے اور ابتدا میں اسی دشواری کی وجہ سے بنک کاری کے نظام نے ترقی پائی۔

۱۱۔ ابتدائی بنک کاری

یورپ میں اپنی موجودہ شکل وصورت کے ساتھ، بنک کاری کی ترقی جس کی تاریخ اکثر دوسرے معاشی اداروں کی طرح طویل اور نشیب و فراز سے لبریز ہے، سولھویں صدی میں شروع ہوئی اور انگلستان میں ملکۂ الزبیتھ کے زمانۂ حکومت میں سناروں کے ذریعے اس نے ترقی پائی لیکن پہلا فیصلہ کن قدم ۱۶۹۴ء میں اٹھایا گیا جب ولیم پیٹرسن نے بنک آف انگلینڈ کو قایم کیا[۱]۔

تجارتی اور سیاسی حالات نے ایک قومی بنک کو ناگزیر قرار دے دیا تھا۔ صنعت و تجارت کی ترقی اس منزل تک پہنچ چکی تھی جہاں سے مزید ترقی اسی وقت کی جا سکتی تھی جب شرح سود کے اوسط کو گھٹایا جاتا اور ایک ضمانت یافتہ زر کاغذی کو رواج دیا جاتا۔ اسی کے ساتھ ساتھ تاج برطانیہ کے محاصل، جو امن کے زمانے میں بھی کاروبار سلطنت کو چلانے کے لئے مشکل ہی سے کافی ہوتے تھے، لوئی چہاردہم کی قوت کو ختم کرنے کے لئے جس کا ولیم سوم کی نئی حکومت تہیہ کر چکی تھی بایوس کن حد تک ناکافی تھے۔

اس لئے ادارے کی ابتدائی تاریخ نشیب و فراز سے خالی نہیں ہے لیکن اس کی وجہ سے جو ناقابل انکار فواید حکومت اور تاجر پیشہ طبقوں کو پہنچے ان کی وجہ سے اس کو وہ حمایت نصیب ہو گئی جس سے وہ بحران کے زمانوں کو جھیلنے کے قابل بن گیا۔ یہ اس بنک کی مالیاتی مدد کا ہی طفیل تھا کہ مارل بورو، فلانڈرس میں جارحانہ اقدام کر سکا اور ربے وے ریا سے ہو کر بلنہم تک گھس سکا۔ دوسری طرف ملک کے اندر اس نے جنگ کے سالوں میں، سرکاری مصارف کے بہت زیادہ بڑھ جانے کے باوجود، شرح سود کو کم کرا دیا۔

---

[۱] بنک کاری کی ابتدائی تفصیلات اور بنک آف انگلینڈ کے ابتدائی قیام کے لئے ملاحظہ ہو حصۂ اول ابواب چہارم و نہم

لیکن اس لئے بنک کی نہایت اہم عام معاشی خصوصیت اس کا وہ امتیازی حق تھا جو اُسے سنہ ۱۶۹۷ء اور سنہ ۱۷۰۸ء میں، مشترکہ سرمایے کے بنک، کاری کے اجارے کی صورت میں عطا کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اٹھارھویں صدی میں بنک، کاری کی مزید سہولتیں خانگی افراد ہی فراہم کر سکتے تھے۔

۱۲- نجی بنک

صنعتی انقلاب کا اثر، بنک کاری پر براہ راست پڑا۔ صرف خانگی بنک ہی بنک آف انگلینڈ کا مقابلہ کر سکتے تھے اور چونکہ صنعت و تجارت کی یکبارگی ترقی نے زر رائج اور قرضوں کے زیادہ استعمال کو ناگزیر بنا دیا تھا اس لئے کچھ نہ کچھ توسیع ضروری تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ بنک آف انگلینڈ نے اپنی شاخیں بھی صوبوں میں قایم نہیں کی تھیں اس لئے خانگی بنک سنہ ۱۷۰۰ء کے بعد تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع ہوئے۔ اس کے نتائج تمام تر اچھے ثابت نہیں ہوئے۔ چھوٹے بنکوں پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ان کا انجام اکثر افسوس ناک ہوتا رہا۔

ابتدائی منزلوں میں بنک کاری کا کام زیادہ تر اجرائی نوٹ سے متعلق رہا جو اس لئے نفع بخش تھے کہ نوٹوں کی تیاری میں بہت حقیر سی لاگت لگانا پڑتی تھی لیکن سنہ ۱۷۶۰ء تک بنک کاری کا کام مخصوص طور پر امانتوں سے متعلق ہو گیا کیونکہ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ دوسروں کی پس انداز کی ہوئی رقموں کو تجارتی سرمایے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور اسے ان صناعوں کو قرض دیا جاتا تھا جو صنعت کے ترقی پذیر زمانے میں، زیادہ سرمایے کے حاصل کرنے کے متمنی تھے۔

تین عوامل امانتی بنک کاری کی ترقی کے لئے ضروری تھے اول تو خود امانتیں، دوسرے چک کا استعمال اور تیسرے حساب گھر کا قیام۔ نوٹ کے مقابلے میں چک کا طریقہ جس کی ابتدا، ساروں کی ان رسیدوں سے ہوئی تھی جو وہ امانت رکھنے والوں کو دیا کرتے تھے، اپنی بدیہی سہولتوں کی وجہ سے عام طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ چک کو جس مخصوص رقم کے لئے لکھنا چاہیں لکھ سکتے ہیں اور اگر دھوکے کا شبہ ہو تو اسے منسوخ کر سکتے ہیں۔ سترھویں صدی کے دو چک اب بھی موجود ہیں جنھیں خانگی بنکوں مثلاً ہور اور چائلڈس کے نام لکھا گیا تھا۔

حساب گھر کی ابتدا اس رواج کی وجہ سے ہوئی کہ ہر بنک اپنے ایک منشی کو اپنے

نام کے چکوں کو جمع کرنے اور ان کے مبادلہ کرنے کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ سنہ ۱۷۷۰ء میں یہ سب منشی لومبارڈ اسٹریٹ کے ایک شراب خانے میں جمع ہونے لگے اور سنہ ۱۸۰۵ء میں لندن کے حساب چکانے والے بنک کاروں کی ایک کمیٹی حساب کا باقاعدہ انتظام کرنے کے لئے بنادی گئی۔ کچھ سال بعد لومبارڈ اسٹریٹ میں اس کی عمارت کا بھی افتتاح کر دیا گیا۔ ایک مرتبہ شروع ہوجانے کے بعد، اس طریق نے تیزی سے ترقی کرنا شروع کی اور سنہ ۱۸۶۴ء میں بنک آف انگلینڈ میں چک پٹانے کا حساب کھول کر حساب کو بیباق کیا جانے لگا۔ انیسویں صدی کے خاتمے پر لندن کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے صوبائی حساب گھر قایم کئے گئے۔

سنہ ۱۷۵۰ء کے بعد سے، صوبائی بنکوں نے بھی، عام طور پر تاجروں اور لوہے کے کارخانوں کے مالکوں کے ضمنی کاروبار کی حیثیت سے، تیزی کے ساتھ ترقی کرنا شروع کی۔ ان میں ممتاز مثالیں، برمنگھم کے لائیڈ۔ گلوسسٹر کے وڈ اور ناٹنگھم کے اسمتھ کی ہیں۔ بڑے پیمانے کی صنعت کی ترقی کا ایک اہم اثر بنک کاری پر بھی پڑا، کیونکہ اجرتوں کی کثیر ادائی کے انتظام کے لئے اعتبار کے نظام کی ضرورت تھی۔ جیساکہ ہم دیکھ چکے ہیں، نپولین کی جنگوں نے ایک غیر نقد پذیر کاغذی زر کی ضرورت کو پیدا کر کے بہت سے خانگی بنکوں کو تباہ کر دیا۔ اٹھارھویں صدی کے آخری زمانے کے مالیاتی بحرانوں میں، ان کی بڑی تعداد کا اس وقت دیوالہ نکل گیا جب پبلک کو ان کے ان نوٹوں پر اعتبار نہیں رہا۔ جنھیں فالتو طور پر جاری کیا گیا تھا۔

لیکن ان ناکامیوں سے یہ فرض نہ کرنا چاہئے کہ تمام ملک کا نظام بنک کاری ناقص تھا۔ شمالی اضلاع میں، انیسویں صدی کے بیشتر زمانے میں، جوناتھن بیک ہاؤس اور ڈارلنگٹن کوا ے کر کے نوٹوں کو، بنک آف انگلینڈ کے نوٹوں پر ترجیح دی جاتی رہی۔ خانگی بنک کاری کو زوال اس کی ذاتی خرابی کی وجہ سے اتنا نہیں ہوا جتنا اس وجہ سے ہوا کہ مشترکہ سرمایہ کا بنک کاری نظام، صنعت کے نئے حالات سے زیادہ مطابقت رکھتا تھا۔

۱۳ مشترکہ سرمایہ دار بنک کاری	بنک آف اسکاٹ لینڈ کو جو بنک آف انگلینڈ سے ایک سال بعد قائم ہوا تھا مشترکہ سرمایہ دار بنک کاری کا کوئی اجارہ حاصل

نہ تھا۔ فرانس کی جنگوں کے بعد جو مالیاتی مشکلات پیدا ہوئے اس زمانے میں، انگریزوں نے، اسکاٹ لینڈ کے نظام بنک کاری کی خوبیوں کی حمایت کرنا شروع کر دی۔ ۱۸۲۲ء میں جاپلن کا رسالہ "انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کی بنک کاری کے عام اصول اور موجودہ طرز عمل" کے عنوان سے شایع ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ ایک اسکیم، نیوکیسل اور اس کے ضلع کے مشترکہ سرمایہ دار بنک کی بھی پیش کی گئی۔ اس رسالے نے انگلستان کے شمال کے کاروباری حلقوں کی وسیع توجہ کو اپنی طرف مائل کیا اور حکومت بھی کسی ایسی تجویز کی مخالف نہیں تھی جس سے صوبائی بنکوں کو تقویت حاصل ہو سکے۔

۱۸۲۵ء کے مالیاتی بحران نے معاملات کو آخری حد تک پہنچا دیا۔ وزیر اعظم لارڈ لورپول نے ۱۷۰۸ء کے قانون کے اصول پر حملہ کیا جس کی رو سے نوٹ جاری کرنے والے بنک کے شرکاء کی تعداد چھے تک محدود کر دی گئی تھی اور دارالعوام میں اس کی حمایت پیل اور ہسکسن نے کی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جاپلن کی مہم کامیاب ہوئی اور ۱۸۲۶ء میں ایک قانون بنایا گیا جس کی رو سے پانچ پونڈ سے کم کے نوٹ غیر قانونی قرار دیے گئے اور لندن سے ۶۵ میل کے حلقے سے باہر مشترکہ سرمایہ دار بنکوں کو قائم کرنے کی اجازت دیدی گئی ۱۸۳۳ء میں اس رقبے کے اندر بھی مشترکہ سرمایہ دار بنکوں کو قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی اگرچہ اس کی اہمیت ثانوی تھی کیونکہ نئے جواز یافتہ بنکوں کو نوٹ جاری کرنے کی ممانعت تھی۔ بنک آف انگلینڈ کو صوبوں میں شاخیں کھولنے کا قانونی حق بھی مل گیا۔

اس قانون کے اثر کو مشترکہ سرمایہ دار بنکوں نے فوراً قبول کیا۔ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان لندن کا مشترکہ سرمایہ دار بنک لندن اور ویسٹ منسٹر کا بنک، لندن اور اس کے ضلع کا بنک اور لندن کے بنکوں کا اتحاد قائم کیا گیا۔ ۱۸۴۱ء تک لندن اور دیگر صوبوں میں ایک سو پندرہ سے زیادہ مشترکہ سرمایہ دار بنک وجود میں آگئے۔ دوسری طرف خانگی بنکوں کی تعداد بھی برابر گھٹتی چلی گئی لیکن ان مشترکہ سرمایہ دار۔ بنکوں کو ابتدا میں سخت کشمکش کے دور سے گذرنا پڑا۔ ان نئے اداروں پر رائے عامہ

گو بہت کم بھروسہ تھا۔ ۱۸۲۶ء کے قانون نے ان کے دستور اور انتظام میں اور لندن سے باہر ان کے نوٹوں کو جاری کرنے کی اجازت ہیں (سوا اس کے انھیں ایک پونڈ کے نوٹ جاری کرنے کی اجازت نہیں تھی) کوئی نظم و باقاعدگی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس لئے بحران اکثر واقع ہوتے رہتے تھے اور ۱۸۳۶ء اور ۱۸۳۶ء میں کئی نئے قائم شدہ مشترکہ سرمایہ دار بنکوں کو خصوصاً مانچسٹر اور لورپول کے علاقے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

مشترکہ سرمایہ دار بنکوں کی ترقی کی راہ میں ایک رکاوٹ اس وجہ سے بھی پیدا ہوئی کہ ان کے شرکاء کے کل مقبوضات (اس رقم کے سوا جو وہ کاروبار میں حقیقۃً لگی ہوئی تھی) دیوالیے کی صورت میں مکفول سمجھے جاتے تھے اور جب تک ۱۸۶۲ء نہیں آیا اس وقت تک محدود ذمہ داری کی کوئی اجازت نہیں دی گئی[۱]۔

اگرچہ ۱۸۲۶ء کے بعد سے مشترکہ سرمایہ دار بنکوں کو زیادہ مراعات حاصل ہوگئی تھیں لیکن نوٹ کی اجرائی کا رجحان پھر بھی اور زیادہ اجارے کی طرف ہی ہوتا جارہا تھا۔ اس معاملے میں قانون سازی کی ضرورت زیادہ تر ۱۸۲۶ء اور ۱۸۳۹ء کے بحرانوں کی وجہ سے پیدا ہوئی جنھوں نے معاملات کا تصفیہ بہت جلد کرادیا۔ دو مسلکوں کے حامی موجود تھے یعنی ایک تو وہ جو زر کے اصول سے وابستگی رکھتے تھے اور دوسرے وہ جو بنک کاری کے اصول سے۔ اول الذکر اجرائی نوٹ کی تحدید کے قائل تھے۔ اس کے خاص نمایندہ لارڈ اوور اسٹون نے یہ ثابت کیا کہ اگر کسی ملک میں سادہ سونے کا زر رائج ہوگا تو جب سونا اس ملک سے برآمد ہوگا تو قیمتیں گر جائیں گی۔ اس وقت غیر ملکی لوگ ہم سے مال خریدنے لگیں گے اور توازن تجارت ہمارے موافق ہوجائے گا اور سونے کی جو کمی پہلے پیدا ہوئی تھی اس کو پورا کرنے کے لئے، سونا دوبارہ واپس آنا شروع کردے گا۔

لیکن جب کسی ملک میں مخلوط زر رائج ہوگا تو سونے کے نقصان کی تلافی نوٹ

---

[۱] ۱۸۵۸ء کے ایک قانون کے ایک حد تک محدود ذمہ داری کی اجازت دی تھی لیکن اس پر بعض پابندیاں لگائی گئی تھیں اور نوٹ کے اجرا کو خارج کر دیا گیا تھا۔ اس لئے عملاً اس کی اہمیت بہت کم تھی۔

کی اجرائی کو بڑھا کر کی جائے گی۔ اگر اجرائی بہت زیادہ کی جائے تو ہو سکتا ہے قیمتیں بڑھ بھی جائیں اور سونا اور بھی زیادہ ملک سے نکل جائے۔ اس میں گویا کھل مندن کا عمل پایا جائے گا یعنی سونا صرف باہر جائے گا اور واپس نہیں آئے گا کیونکہ کاغذی زر قیمتوں کو اونچا رکھے گا۔

۱۴۔ زر کا نظریہ

زر کے نظریے میں دو خرابیاں تھیں۔ اگر اس کی پوری پابندی کی جاتی یعنی نوٹوں کی تعداد کو قائم رکھا جاتا تو زر کا اضافہ اس وقت بھی نہ ہو سکتا جب تجارت کے لئے اس کی ضرورت ہوتی۔ معمولی حالات کے لئے تو یہ اصول مفید تھا لیکن بحران کے زمانے میں بنک کو آزادی سے قرض دینا چاہئے اور وہ اس کام کو بہترین طریقے پر نوٹوں کو جاری کر کے ہی کر سکتا ہے۔ اس نظریے میں کافی لچک نہیں تھی۔

دوسری بات یہ تھی کہ اس نظریے میں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا تھا کہ نوٹوں کے علاوہ اعتبار کی دوسری شکلیں بھی موجود تھیں، گو اس کے حامی یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ امانتی بنک کاری اس وقت تک پس ماندہ حالت میں تھی۔ بہر حال ایک بنک کار جس طرح نوٹ جاری کر سکتا ہے اُسی طرح ایک تاجر کو چک بھی دے سکتا ہے اور دونوں کا اثر جب وہ ادائی کے لئے پیش کئے جاتے ہیں ذخیرۂ محفوظ پر ایک سا ہوتا ہے جب اضافہ پذیر تجارت یا بحران کی وجہ سے توسیع ضروری ہوگی تو زر کو کسی نہ کسی طریقے پر وسعت دی ہی جائے گی۔

۱۵۔ بنک کاری کا اصول: ۱۸۴۴ء کا بنک کا قانون

بنک کاری کے اصول کے حامی یعنی ۱۸۱۰ء کی تحقیقات میں ڈائرکٹروں کے نمایندوں نے مندرجۂ بالا غلطیوں کو محسوس کر لیا تھا لیکن یہ لوگ بھی پراگندگیٔ خیال کے مجرم تھے۔ انھوں نے یہ سوال کیا تھا کہ جب تک نوٹوں کو نقد پذیر رکھا جائے ان کو کوئی شخص افراط کے ساتھ کیسے جاری کر سکتا ہے۔ کیونکہ انھیں ہمیشہ بنک میں دوبارہ ادائی کے لئے واپس لایا جا سکتا ہے۔ اعداد و شمار کے زبردست ماہر ٹُک نے یہ ثابت کیا کہ جو نوٹ گردش میں ہیں ان کی تعداد خاصی مستقل ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ واقعات تھے جن سے خطرہ پیدا ہوتا تھا۔ ٹک اور اس کے پیروؤں کے اصول بھی ان کے مخالفوں کی طرح بحران کے زمانے میں ناکام ثابت ہوئے۔

اگر بنک کا ذخیرۂ محفوظ کم ہوتا تھا اور وہ نوٹوں کو افراط کے ساتھ جاری کر دیتا تھا اور دوسری طرف توازن تجارت ملک کے مخالف ہو جاتا تھا تو سونا باہر نکلنا شروع کر دیتا تھا، نوٹ بنک میں واپس آنے لگتے تھے اور اس کا نتیجہ دہشت کی صورت میں رونما ہوتا تھا۔ ٹک اور اس کے پیرووں نے پس پائی کے بعد اس اصول کی پناہ لی کہ نوٹ کی اجرائی کو تجارتی حالات کا پابند ہونا چاہئے یعنی بنک کو ان تمام ہنڈیوں پر جن کی ضمانت معقول ہو بٹہ کاٹنا چاہئے لیکن وہ اس بات کو بھول گئے کہ اس مسئلے میں بٹہ کاٹنا منجملہ اور عاملوں کے صرف ایک عامل ہے۔

بنک کاری کا اصول زیادہ خطرناک تھا، زر کا اصول غیر ضروری طور پر زیادہ تحدید پسند تھا۔ مقصد یہ تھا کہ بحران کے سلسلے کو ختم کیا جائے لہذا پیل نے موخرالذکر نظریے کو ۱۸۴۴ء کے بنک کے قانون میں اختیار کیا اور اس کی وجہ سے بحث و مباحثہ کا ایک زبردست سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس قانون میں یہ تسلیم کیا گیا کہ بنک آف انگلینڈ کی حیثیت نیم سرکاری ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اس کو اجرائی کی آزادی حاصل نہیں ہے گو امانتی بنک کاری کی اسے مکمل آزادی ہے۔ نوٹ کے اجرا کا کام یہ ملک کے فائدے کے لئے کرتا تھا اور امانتی بنک کاری کا کام اس کے منافع کا ایک تغیر پذیر ذریعہ تھا۔ اس لئے ان دونوں شعبوں کو الگ الگ کر دیا گیا تھا۔

ایسے نوٹوں کو جو اعتبار پر مبنی تھے ایک کروڑ چالیس لاکھ پونڈ تک جاری کرنے کی شعبۂ اجرائی کو اجازت دی گئی اس کے علاوہ جتنی مقدار میں چاہے وہ نوٹ جاری کر سکتا تھا لیکن ان نئے نوٹوں کے لئے شرط یہ تھی کہ اس کے ذخیرۂ محفوظ میں ٹھیک ٹھیک مساوی قدر کا سونا موجود رہنا چاہئے۔ جب کسی دوسرے بنک کے یہاں نوٹ جاری کرنے کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا تو اس ختم شدہ اجرائی کے تین چوتھائی حصے کو جاری کرنے کا حق بنک آف انگلینڈ کو مل جاتا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ انگلستان کے کسی حصے میں نوٹ جاری کرنے والا کوئی نیا بنک قائم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بنک کاری کے شعبے کو مکمل آزادی دے دی گئی تھی اور اب بھی یہ حکومت کے بنک کار کی حیثیت سے کام کرتا تھا لیکن دوسری طرف وہ اجرائی کے شعبے سے

امداد کے لئے درخواست نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو اپنے ذاتی ذخیرۂ محفوظ پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ جس کی مقدار کو ہفتہ واری چٹھے میں شایع کیا جاتا تھا اور اس کو دیکھ کر اس بات کا فیصلہ کیا جاتا تھا کہ ملک کی بنک کاری کی پالیسی آیندہ کیا ہونا چاہیے۔

یہ صحیح ہے کہ ذخیرۂ محفوظ کا حساب شایع کیا جاتا تھا لیکن کوئی قانون ایسا موجود نہیں تھا جو اس بات کا تعین کر سکتا کہ اس رقم کو کتنا ہونا چاہئے۔ خوش قسمتی سے بنک کے ڈائرکٹر محتاط لوگ تھے اور روایتی قاعدوں کے مطابق کام کیا کرتے تھے۔ فرض قانون کے عملدرآمد میں کامیابی تمام تر ان کے حسن انتظام پر موقوف ہوگئی تھی۔

اس ایکٹ کا اثر یہ ہوا کہ چکوں کے استعمال کو ترقی ہونے لگی۔ چکوں کو جتنی رقم کا چاہو جاری کر سکتے ہو اور بعض باتوں میں ان کے استعمال کرنے میں نوٹوں کے مقابلے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ دوسری طرف اگر اعتماد مکمل ہو تو ان کے اندر کوئی خرابی نہیں پائی جاتی۔ ایک تغیر پذیر زر کی بہت ضرورت تھی۔ اس لئے چک آہستہ آہستہ کاروبار کے اندر واحد ذریعۂ ادائی بن گئے۔

بے شمار لین دین رہتے تھے جس کے معنی یہ تھے کہ ہر فرم، بڑی رقموں کا دین دار بھی ہوا کرتا تھا اور لین دار بھی۔ اس لئے اگر بنک کا ایک گاہک دوسرے گاہک کا دین دار ہوتا تھا تو چک کے نظام کے ذریعے سے یہ ممکن تھا کہ ان قرضوں کی بے باقی محض بنک کے رجسٹروں کے اندراجات میں تبدیل کر کے کر دی جائے۔ اسی اصول کو بنک کاروں کے درمیان بھی منطبق کیا جا سکتا تھا اور حساب گھر کو جسے ۱۷۷۵ء میں قائم کیا گیا تھا، ۱۸۵۴ء کے بعد مشترکہ سرمایہ دار بنکوں نے بھی استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس ایکٹ سے بحرانوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ یہ نوٹوں کی اجرائی کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ سخت اور بنک کاری کے معاملے میں شاید ضرورت سے زیادہ نرم تھا۔ دہشت کے زمانے میں، لوگوں کے دلوں میں اعتبار کو ترقی دینے کے لئے بنک آف انگلینڈ کو چاہیے کہ وہ اپنے سرمایۂ محفوظ کو آزادی کے ساتھ استعمال کرے۔ لیکن نوٹوں کی تحدید کے معنی یہ ہیں کہ سونے کی کفایت کرنا ممکن نہیں ہے۔

ساکھ کی پہلی تباہی ۱۸۴۷ء میں واقع ہوئی۔ حکومت نے عارضی طور پر زر میں اضافے کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت کافی ثابت ہوئی اور بحران میں سکون پیدا ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء میں اس اختیار کو واقعۃً استعمال بھی کرنا پڑا لیکن ۱۸۶۶ء میں اوور اینڈ گرنی اینڈ کو کے دیوالے کے بعد دوبارہ محض اجازت ہی کافی ثابت ہوئی۔

۱۸۴۴ء کے قانون کے منظور کرانے میں سر رابرٹ پیل پر بلاشبہہ رکارڈو کی سابقہ اسکیم[1] کا اثر پڑا تھا۔ بہت سی باتوں میں "ایک قومی بنک کی تجویز" ۱۸۴۴ء کے چارٹر سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ لیکن مرکزی اصول دونوں کا ایک ہی تھا اور وہ ظاہر ہے یہ تھا کہ نوٹ کو سونے کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے اور نوٹوں کی اجرائی کو آہستہ آہستہ تھریڈ نیڈل اسٹریٹ میں مجتمع کر دیا جائے۔ لیکن پیل اور اس کے رفقاء کو جتنی توقع تھی اس کے مقابلے میں یہ کام عملاً بہت آہستہ آہستہ انجام کو پہنچ سکا۔ ۱۸۹۰ء میں بھی جو خاصا بعد کا زمانہ ہے دس لاکھ سے زیادہ ایسے نوٹ گردش کر رہے تھے جنھیں بنک آف انگلینڈ نے جاری نہیں کیا تھا اور ۱۹۱۴ء میں بھی ایسے نوٹ کبھی کبھی مل جاتے تھے۔ آخری بنک جس کو نوٹ جاری کرنے کا حق حاصل تھا یعنی فاکس، فاؤلر اور کمپنی' وہ ۱۹۲۱ء میں لائیڈس کے ساتھ ضم ہو گیا۔

۱۶۔ انیسویں صدی کے مالیاتی بحران

فرانس کی لڑائیوں کے زمانے میں' بنک آف انگلینڈ کی مالیاتی مشکلات کے سلسلے میں انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں کے مالیاتی بحرانوں کا تذکرہ ضمناً کیا جا چکا ہے۔ ۱۷۹۷ء، ۱۸۰۹ء اور ۱۸۱۵ء کے بحرانوں کو' ان مخصوص حالات کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے جنھیں تیئیس سال کی تقریباً مسلسل جنگوں نے پیدا کیا تھا اور جن میں ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء کی جنگ کی طرح اپنے اتحادیوں کے مالی بوجھ کے بیش تر حصے کو' انگلستان ہی کو برداشت کرنا پڑا تھا۔

لیکن مالیاتی کل نے ہمواری کے ساتھ اس وقت بھی چلنا شروع نہیں کیا جب واٹرلو کے بعد' معمولی حالات دوبارہ قایم ہو گئے اور انیسویں صدی کی بنک کاری کی

[1] ۔ ایک قومی بنک کی تجویز (۱۸۲۴ء)۔

پوری تاریخ، مختلف دور کی مالیاتی تباہیوں کے واقعات سے پر نظر آتی ہے۔

(۱)۔ ۱۸۲۵ء کا بحران:۔ ۱۸۲۱ء میں جب بنک آف انگلینڈ نے نقد ادائی کو دوبارہ شروع کیا اور اسی کے ساتھ ساتھ کئی سال تک مسلسل فصلیں اچھی ہوتی رہیں تو پبلک کا اعتماد دوبارہ قائم ہو گیا۔ بڑھتی ہوئی قیمتوں نے حکومت کو موقع دیا کہ وہ قومی قرضے پر شرح سود کو کم کر دے اور اس کی وجہ سے پھر یہ ہوا کہ سرکاری تمسکات میں روپیہ لگانے کی جگہ لوگوں نے تجارتی کاروبار میں اپنا روپیہ لگانا شروع کر دیا۔ اس سے تخمین کو ترقی ہوئی کیونکہ مشتبہ کاروبار میں روپیہ اسی وقت لگایا جاتا ہے جب سرکاری تمسکات پر شرح سود کم ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ پرتگال اور اسپین کی جنوبی امریکا کی نوآبادیوں میں تجارتی کاروبار سے فائدہ اُٹھانے کے خاص مواقع نظر آئے۔ پچھلی صدی کا جنوبی سمندر کا قصہ پھر دوہرایا گیا۔ جنوبی امریکا سے تجارتی سلسلے کو شروع کرنے کے لئے جو کمپنیاں قائم کی گئیں، ان کے حصوں کی قیمتیں ۱۸۲۵ء کے بیشتر حصے میں دن دونی اور رات چوگنی بڑھنے لگیں اور ان کا انجام صرف یہ ہوا کہ اس سال کے ختم ہونے سے بیشتر ہی جتنی تیزی سے یہ بڑھی تھیں اتنی تیزی سے گر گئیں۔ اس سے جو وحشت پھیلی، اس کی وجہ سے مفصلات کے بے شمار بنکوں اور لندن کی بہت سی مالیاتی کمپنیوں کے دیوالے نکل گئے۔

(۲)۔ ۱۸۳۶ء تا ۱۸۳۹ء کا بحران:۔ ۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۶ء کے درمیان انگلستان میں خوشحالی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کا سبب کچھ تو اچھی فصلیں ہوئیں اور کچھ یہ کہ صوبے کے نئے مشترک سرمایہ دار بنکوں نے اعتبار کی سہولتوں کو بڑھا دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تخمینی کاروبار کی ایک تازہ وبا پھیل گئی جس کی مالیاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کی وجہ سے بنک آف انگلینڈ کا ذخیرۂ طلا کم ہونا شروع ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ امریکا بھی اپنے زر کو محفوظ تر بنیاد پر قائم کرنے کے لئے سونا خریدنا چاہتا تھا اور اُس مقصد کے حصول کے لئے انگلستان کے بازار میں تمسکات فروخت کر رہا تھا۔ سونے کی اس نکاس کو روکنے کے لئے بنک آف انگلینڈ نے نہ صرف اپنے بٹہ کاٹنے کی شرح کو بڑھا دیا بلکہ ایسی ہنڈیوں کو خریدنے سے انکار کر دیا جس پر انگلستان

کے کسی مشترک سرمایہ دار بنک کی تحریر ظہری ہوتی تھی اس طرز عمل نے ایک بحرانی کیفیت پیدا کردی کیونکہ ایسی اکثر و بیشتر ہنڈیاں امریکی تمسکات پر مشتمل تھیں اور جنھیں مشترک سرمایہ دار بنکوں نے خریدا تھا اور پھر ان پر تحریر ظہری ثبت کرکے بازاری گردش کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ اس کی وجہ سے جنوبی لنکاشائر کے کئی بنکوں اور لندن کے مالیاتی گھروں کی حالت بہت جلد اتنی خراب ہوگئی کہ بنک آف انگلینڈ کو اپنے میلان کے خلاف ان کی امداد کرنا پڑی۔

اس سے بحران میں سکون پیدا ہوا لیکن ختم نہیں ہوا۔ ۱۸۳۸ء میں فصل بالکل برباد ہوگئی اور غلہ خریدنے کے لئے سونا باہر بھیجنا پڑا۔ اسی کے ساتھ ساتھ امریکا کے لئے سونے کی نکاس میں شدت پیدا ہوگئی۔ ۱۸۳۹ء تک بنک آف انگلینڈ کا ذخیرۂ محفوظ گھٹ کر تیس لاکھ پونڈ سے کم ہوگیا اور دیوالے سے بچنے کی صورت صرف یہ ہوئی کہ بنک آف فرانس نے عین وقت پر مدد کی۔

اس بحران میں کم سے کم ۶۳ بنکوں نے ادائی کو کچھ عرصے کے لئے موقوف کردیا۔

(۳) ۱۸۴۷ء کا بحران۔ ۱۸۴۸ء میں آئرلینڈ کے آلو کی فصل کی تباہی۔ انگلستان میں خراب فصلوں کا متواتر واقع ہونے اور ریل کے نظام کی ضرورت سے زیادہ تیزی کے ساتھ ترقی کی وجہ سے ۱۸۴۷ء میں مالیاتی بحران نمودار ہوا ریلوں میں افراط کے ساتھ سرمایہ لگانے کی وجہ سے سرمایے کا ایک کثیر حصہ غیر نقل پذیر بن گیا جس سے مالیاتی مشکلات رونما ہوئے اور ملکی غذا کی بربادی نے غلہ خریدنے کے لئے سونے کی نکاس کو ناگزیر کردیا۔

ستمبر ۱۸۴۷ء کے خاتمے تک، بنک آف انگلینڈ کے سونے کا ذخیرہ کم ہوکر پھر تیس لاکھ پونڈ ہوگیا اور ڈائرکٹروں نے نہ صرف بٹے کی شرح کو بڑھاکر ۵½ فی صدی کیا بلکہ سرکاری تمسکات اور خزانے کی ہنڈیوں پر روپیہ قرض دینے سے انکار کردیا۔ اس کی وجہ سے صرافہ تمسک[۲] میں آشوب پیدا ہوگیا۔ برطانیہ کی حکومت کے تمسکات قرض کی قیمت بہت زیادہ گر گئی اور ملک کے مختلف حصوں کے بنکوں نے

۱۔ Endorsement ۲۔ Stock Exchange

ادائی بند کر دی۔

اس صورتِ حال نے حکومت کو مجبور کیا کہ وہ کچھ کارروائی کرے۔ اس نے بنک آف انگلینڈ کو مشورہ دیا کہ اگر وہ ۱۸۴۴ء کے قانون میں جو حد مقرر کر دی گئی ہے اس سے زیادہ اعتباری نوٹ جاری کرے گا تو حکومت بریت[1] کا ایک مسودۂ قانون پارلیمنٹ میں پیش کر کے منظور کرا لے گی۔ لیکن اس میں شرط یہ لگائی گئی تھی کہ بٹے اور قرضوں کے لئے کمترین شرح ۸ فی صدی ہونا چاہیے۔ بنک آف انگلینڈ نے ۴ لاکھ کے زاید نوٹ چھاپے لیکن ان کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ گورنمنٹ کے اس اعلان سے پبلک کا اعتماد بحال ہو گیا اور بحران ختم ہو گیا۔

(۴) ۱۸۵۷ء کا بحران:۔ اس مرتبہ گڑبڑ امریکا سے شروع ہوئی جہاں ۱۸۴۹ء میں کلیفورنیا کے اندر، سونا دریافت ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے کاروبار جاری کرنے کی ایسی تحریک ملی جس کی کوئی نظیر نہیں۔ ۱۸۵۰ء اور ۱۸۵۷ء کے درمیان ہزاروں میل لمبی ریلوں کی پٹریاں بچھا دی گئیں اور ریلوں کے تمسکات میں تخمین کی ترقی اس رواج کی بنا پر ہوئی کہ کمپنیاں، اصل میں سے منافع تقسیم کر دیا کرتی تھیں۔ لیکن بحران کا فوری سبب یہ ہوا کہ امریکا میں ایسے بنکوں کی تعداد میں جن کے پاس سرمایہ ناکافی تھا، اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ زیادہ شرح سود کا وعدہ کر کے غیر ملکی امانتوں کی اپنی طرف مایل کرتے تھے اور اس طرح جو روپیہ ملتا تھا اُسے تخمین کرنے والوں کے حوالے کر دیتے تھے۔

اگست ۱۸۵۷ء میں اوہیو ٹرسٹ کمپنی کے دیوالے کے بعد عام تباہی رونما ہوئی۔ اس سے نیویارک کے صرافۂ تمسک میں دہشت پھیلی۔ اس کے بعد کئی ریلوں کی کمپنیوں کا اور سارے ملک میں نیویارک سے لے کر ورجینیا تک بہت سے بنکوں کا دیوالہ نکل گیا۔

ان دیوالوں کا اثر بہت جلد انگلستان میں رونما ہوا کیونکہ انگلستان کا سرمایہ بہت بڑی مقدار میں امریکا کے تمسکات میں لگا ہوا تھا۔ مغربی بنک اور شہر گلاسگو کے بنک کا دیوالہ نکل گیا اور اس کے بعد عام مالیاتی تباہی پیدا ہو گئی۔ انگلستان کا تقریباً سارے کا سارا بٹے کا کاروبار بنک آف انگلینڈ پر لاد دیا گیا اور اس کے سونے کا

[1] Bill of Indemnity

ذخیرہ واقعۃً گر کر پانچ لاکھ پونڈ سے کم ہو گیا۔

ان حالات میں حکومت کے پاس سوا اس کے کوئی اور چارۂ کار نہیں رہا کہ وہ دوبارہ ۱۸۴۴ء کے قانون کی پابندیوں کو ملتوی کرے۔ اس سے اعتبار بحال ہوا اور اس طوفان میں تدریجی طور پر سکون پیدا ہوا لیکن ۱۸۴۷ء کے مقابلے میں یہ آہستہ آہستہ ہی ہو سکا۔

(۵) ۱۸۶۶ء کا بحران۔ ۱۸۶۶ء میں دوبارہ، کئی عوامل نے مل کر، مالیاتی صورتِ حال میں ابتری پیدا کر دی۔ امریکا کی خانہ جنگی کی وجہ سے (۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۴ء) خام روئی میں کمی واقع ہوئی جس نے انگلستان کو مجبور کیا کہ وہ مشرق بعید سے روئی کی رسد حاصل کرے اور اس کی ادائی چاندی کے ذریعہ کرنا پڑی جس کی وجہ سے زر کے بازار میں ایک حد تک انتشار پیدا ہوا۔ دوسری طرف ۱۸۶۲ء میں امریکا نے غیر نقد پذیر زر کا نظام قایم کر دیا جس سے سونے کی خاصی بڑی مقدار امریکا سے نکل کر یورپ پہنچی اور بالآخر اس سے شرح سود کم ہوئی اور تخمینی کاروبار نے خوب ترقی پائی۔

لیکن اس کا خاص سبب محدود ذمہ داری کی کمپنیوں کا وہ قانون تھا جو ۱۸۶۲ء میں منظور کیا گیا۔ اس کی وجہ سے محدود خطرہ برداشت کر کے زاید منافع کمانے کی جو توقع نظر آئی اس نے سینکڑوں کمپنیوں کو قائم کرا دیا جن کا مجموعی ظاہری سرمایہ بہت زبردست تھا۔

حقیقی سرمایہ جو وصول کیا گیا وہ تمسکات کو فروخت کر کے حاصل نہیں کیا گیا بلکہ ان مالیاتی ہنڈیوں پر بٹہ کاٹ کر حاصل کیا گیا جن کے ضامن لندن کے سکار گھر[۱] ہو گئے تھے۔ حقیقی ہنڈی پر بٹہ کاٹنا تو بالکل جائز کاروبار ہے کیونکہ معمولی حالات میں، ہنڈی کے واجب الادا ہونے سے پہلے ہی، مال کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مالیاتی ہنڈی صرف ایسا قرضہ ہے جسے سکارنے والے کے اعتبار پر دیا جاتا ہے اور اگر ایک سکار گھر اتنی ہنڈیوں کو سکارے جو اس کے نقد پذیر

۱؎ London Accepting Houses

اثاثے سے زیادہ ہوں تو یہ کسی ایسے مالیاتی مشکلات کا شاذ و نادر ہی متحمل ہو سکے گا جو دفعتہً نمودار ہو جائے۔

غرض، یہی چیز ۱۸۶۶ء میں اعتبار کی تباہی کا موجب ہوئی۔ کچھ عرصے سے مالیاتی صورت حال ناقابل اطمینان نظر آ رہی تھی۔ بنک آف انگلینڈ کو ۱۸۶۴ء میں بھی مبادلات خارجہ کی ناموافق حالت کی وجہ سے اپنے بٹے کے نرخ کو بڑھانا پڑا تھا۔ ۱۸۶۶ء میں، یورپ کی جنگ کے امکان نے تجارتی بحران شروع کر دیا۔ مشترکہ سرمایے کی بٹہ کمپنی کے دیوالیہ ہو جانے سے دہشت شروع ہوئی اس کے فوراً بعد لورپول میں بارنڈ کے بنک کا دیوالہ نکلا۔ جب اوورائنڈ گرنی اور کمپنی جو یورپ کے نہایت ممتاز مالیاتی گھروں میں سے ایک تھا، تقریباً ایک کروڑ نوے لاکھ دینداری اپنے ذمے لے کر ۱۱ رمئی کو، "سیاہ جمعہ کے دن" دیوالیہ ہوگئی تو بحران اپنی انتہائی حد تک پہنچ گیا۔ ہماری موجودہ نسل کے لیے اس ہیبت اور سراسیمگی کا تصور کرنا مشکل ہے جو لمبارڈ اسٹریٹ میں اس خبر کے شایع ہونے سے پیدا ہوئی کیونکہ اوورائنڈ کا دیوالیہ مالیاتی تاریخ میں سب سے زیادہ سنسنی خیز تباہی تھی تجارتی اعتبار مکمل طور پر برباد ہو گیا۔ اس کے بعد کوئی شخص بھی محفوظ نظر نہیں آتا تھا۔ اور صرف ایک دن کے اندر اندر بنک آف انگلینڈ چالیس لاکھ پونڈ کا قرض دینے کے لیے مجبور ہوا۔

ظاہر ہے، یہ چیز جاری نہیں رہ سکتی تھی۔ تیسری مرتبہ پھر ۱۸۴۴ء کی قانونی پابندیوں کو معطل کرنا پڑا۔ اس سے نزاکت میں بڑی کمی ہوئی لیکن تباہی کا طوفان ابھی تک اپنی انتہا کو نہیں پہنچا تھا کیونکہ اس کے بعد کے ہفتے میں لنڈن بنک، متحدہ بنک مشرقی آگرہ گھر اور ماسٹرمین نے اپنی دو کروڑ کی مجموعی دین داری کو ملتوی کر دیا۔

اس صورت حال میں اصلاح آہستہ آہستہ ہی ہوئی۔ بنک آف انگلینڈ کی بٹے کی شرح جسے "سیاہ جمعہ کے دن" بڑھا کر دس فی صدی کر دیا گیا تھا۔ تین مہینے تک اسی اونچی سطح پر قائم رہی۔ سود کی اس گراں شرح کے باوجود غیر ملکی امانتیں انگلستان میں باہر سے کھنچ کر نہیں آئیں اور یہ اعتقاد عام ہو گیا تھا کہ انگلستان کا مالیاتی اقتدار ختم ہو گیا ہے۔

۱۸۶۶ء کے بحران نے ایک ہلکا سا انقلاب پیدا کر دیا۔ نہ صرف تجارتی دنیا غیر تندرست بنکوں اور کمپنیوں سے پاک وصاف ہوگئی بلکہ مالیاتی ہنڈیوں کے ذریعے نئے کاروبار کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کے رواج کو بھی اس سے ایک مہلک ضرب لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۹۰ء کے بیرنگ کے تلاطم تک کوئی خالص مالیاتی بحران واقع نہیں ہوا۔

(۶) بیرنگ کا بحران ۱۸۹۰ء:۔ جمہوریت ارجنٹاین میں، مختلف کمپنیوں کے قیام کے سلسلے میں، انگلستان کے لوگوں نے اپنا بہت سا سرمایہ، ۱۸۸۶ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان، کمپنی کے حصے خرید نے میں لگایا۔ ۱۸۹۰ء تک لمبارڈ اسٹریٹ میں ایک بے چینی کی کیفیت شروع ہوگئی اور بیرنگ برادران، جن کا شمار لندن کے نہایت اہم بنکوں میں ہوتا تھا، اپنے مطالبوں کے پورا کرنے میں دقّت محسوس کرنے لگے کیونکہ یہ جنوبی امریکا کے ان حصوں کو فروخت نہ کر سکتے تھے جن کو خریدنے کا انھوں نے ذمہ لے لیا تھا۔

چونکہ پبلک کا بہت سا روپیہ خطرے میں پڑا ہوا تھا اور بنک آف انگلینڈ اوور اینڈ گرنی جیسے دوسرے دیوالہ کا سدباب کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے بیرنگ کے بچانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کو بچا لیا گیا۔ یہ کام بنک آف انگلینڈ اس سونے کے ذریعے ہی انجام دے سکا جسے بنک آف فرانس نے مہیا کیا اور انیسویں صدی میں دوسری مرتبہ فرانس کے سونے نے انگلستان کے اعتبار کو منہدم ہونے سے بچا لیا۔

۱۷۔ والٹر بیج ہاٹ ۱۸۴۴ء کے بعد جو مالیاتی بحران واقع ہوئے ان کے اسباب کی انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں بہت تفصیل کے ساتھ تحقیقات کی گئی۔ ان ہی سالوں میں بیج ہاٹ نے اپنی تصنیف "لومبارڈ اسٹریٹ" شایع کی جسے حالیہ سالوں تک اس موضوع پر ایک مستند معیاری تصنیف سمجھا جاتا رہا۔ بیج ہاٹ کا استدلال یہ تھا کہ بحران کا بنیادی سبب یہ ہے کہ (نازک زمانوں میں) بنک کا انتظام کمزور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہوتی ہے کہ ذخیرۂ محفوظ بہت کم ہو جاتا ہے۔ بیج ہاٹ انگلستان کے بنک کاری کے

مخصوص نوعیت کے اعتبار سے ذخیرۂ محفوظ کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیتا تھا۔ انگلستان کی بنک کاری کا نظام ہی حقیقی معنی میں ذخیرۂ محفوظ پر مبنی ہے۔ یہاں صرف بنک آف انگلینڈ کے پاس بڑی مقدار میں سرمایۂ محفوظ جمع رکھا جاتا ہے اور اس ذخیرے میں دفعتہً کمی پیدا ہونے کا امکان اس لیے پایا جاتا ہے کہ لندن تمام دنیا کے زر کا مرکز بن گیا ہے۔ غیر ملک کے زر میں جہاں مشکلات پیدا ہوئے اُس کا عکس فوراً انگلستان میں نظر آنے لگتا ہے اور یہاں یہ خطرہ ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ معلوم نہیں کس وقت، ایک غیر ملکی حکومت، اپنے سیاسی اغراض کو پورا کرنے کے لیے اپنے نقد بقایا کو انگلستان سے نکلوا کر واپس لے لے۔ چنانچہ ایسی اسکیمیں بنائی جانے لگیں جن کے ذریعے بنک آف انگلینڈ اور دوسرے بنکوں کے ذخیرۂ محفوظ میں جبری طور پر اضافہ کرایا جائے۔

بنک آف انگلینڈ کے انتظام کی خرابیوں کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرنا، آسان کام ہے۔ بیج ہاٹ نے اپنے زمانے میں بنک آف انگلینڈ کی ایسی تصویر کھینچ کر جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا اس کو شاہانہ اقتدار حاصل ہے، ایک حد تک مبالغے سے کام لیا ہے۔ بحران کی ابتدائی منزلوں میں، بنک آف انگلینڈ کے بٹے کی شرح کی پیروی، دوسرے بنک ہمیشہ نہیں کرتے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۴۴ء کے قانون کے کئی بار معطل ہو جانے کی وجہ سے، دوسرے بنک، اس اعتقاد کی طرف مائل ہو گئے ہیں کہ ذخیرۂ محفوظ کی اہمیت ثانوی ہے۔ مملکت کبھی بھی بنک آف انگلینڈ کو دیوالیہ نہیں ہونے دے گی۔

آج (حالیہ واقعات کو نظر انداز کر دیا جائے) بنک آف انگلینڈ کا شاہی اقتدار، اس زمانے کے مقابلے میں جب کہ بیج ہاٹ نے یہ بات کہی تھی، اور بھی زیادہ کم ہو گیا ہے۔ "پانچ بڑے بنک" ایک ایسے سلسلۂ اتحاد میں منسلک ہیں اور اتنے مضبوط ہیں کہ، اس زمانے کے سوا جب کہ بحران بہت سخت ہو، یہ محض اپنی ذاتی طاقت سے کاروبار کے اندر مد و جزر پیدا کر سکتے ہیں۔

۱۸۔ انضمام کی تحریک۔ چک کے نظام کی ترقی کے علاوہ، گذشتہ سو سالوں میں، بنک کی تاریخ کی سب سے نمایاں خصوصیت، انضمام کی ترقی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ انضمام کی

تحریک کا ذکر اکثر ایک حالیہ تحریک کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ سنہ ۱۸۲۶ء کا مشترکہ سرمایے کا قانون۔ سنہ ۱۸۲۶ء اور سنہ ۱۸۴۲ء کے درمیان مشترکہ سرمایے کے جو بہت سے بنک بنائے گئے ان میں اور خانگی بنکوں کے ترقی پذیر زوال میں ایک جوابی نسبت دیکھی جا سکتی ہے۔

اس کے مختلف وجوہ تھے۔ اول تو یہ کہ ہر بحران کے زمانے میں غیر مستحکم کاروبار پے در پے چھنٹتے چلے گئے۔ یا تو یہ بالکل فنا ہو گئے یا جیسا کہ اکثر ہوا ان کو زیادہ مضبوط بنکوں نے اپنے اندر جذب کر لیا۔ ان میں سے بہت سے مشترکہ سرمایے کے ابتدائی بنک، مثلاً لنڈن کا مشترکہ سرمایہ دار بنک، شراپ شائر کی بنک کاری کی کمپنی ہیلی فیکس کا تجارتی بنک جو خانگی بنک اُس وقت موجود تھے ان ہی کی بنیاد پر قائم کیے گئے۔ لیکن غالباً انضمام کی طرف مائل کرنے والا سب سے بڑا عامل شاخوں کا نظام تھا جن کو مشترکہ سرمایہ دار بنکوں نے اپنے آغاز کے وقت ہی سے قائم کرنا شروع کر دیا تھا۔ سنہ ۱۸۳۶ء تک قومی صوبائی بنک کی ۴۰ شاخیں تھیں اور انگلستان کے تجارتی بنک کی اٹھارہ۔ خانگی بنک کار، شاخوں کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کی نگرانی کرنا ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ کاروبار، خانگی اداروں کے ہاتھ سے نکل کر مشترکہ سرمایے دار اداروں کے ہاتھ میں پہنچتا رہا۔

سنہ ۱۸۴۴ء میں پیل کے بنک چارٹر کے منظور ہونے کے بعد سے قانون کارخانہ ہائے محدود سنہ ۱۸۶۲ء تک، انضمام کی تحریک کو آہستہ آہستہ ترقی ہوتی رہی لیکن سنہ ۱۸۶۴ء میں جب جونس لائیڈ کا اہم کاروبار لنڈن اور ویسٹ منسٹر میں جذب ہو گیا تو خانگی بنک کاری کو سخت نقصان پہنچا۔ اس صوبائی بنک کے مشترکہ سرمایے کے بنک بن جانے کی وجہ سے خانگی بنک کاری کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو گیا۔

لائیڈس نے جسے کچھ عرصہ پہلے مشترکہ سرمایے کی بنیاد پر از سر نو تنظیم دی گئی تھی اب اپنے مستقر کو لنڈن میں منتقل کر دیا اور اسی طرح قومی صوبائی بنک نے بھی کیا۔

سنہ ۱۸۶۶ء کے بعد سے برابر، بنک کی شاخوں کے قیام اور انضمامات کی وجہ سے، تحریک کو خوب ترقی ہوتی رہی۔ ان دونوں کاموں کے لیے ایک مخصوص جغرافیائی بنیاد پر اور شعوری طریقے سے منصوبے بنائے جانے لگے۔ برسٹل کا اسٹگیز،

ڈنس فورڈس اور بیڈ کاکس کے سامرسٹ شائر کے کاروباروں کو جذب کر کے جنوب مغربی اضلاع میں گھس گیا۔ لائیڈس نے اپنی سرگرمیوں کو وول ورہیمپٹن کے گرد اور اس کے آگے جنوب شراپ شائر تک وسعت دے لی اور مڈلینڈ نے بھی بعض نمایاں انضمامات کو عملی جامہ پہنایا۔

۱۸۸۳ء میں مڈلینڈ نے لائیڈس کی پیروی کی اور لندن کے مرکزی بنک کو جذب کر کے لندن کے دفتر پر قبضہ اور حساب گھر میں ایک نشست حاصل کر لی ۱۸۹۶ء میں بارکلے نے مفصلات میں کام کرنے والے پندرہ بڑے خانگی کاروبار کو متحد کر کے جن میں مشترکہ سرمایے کی تحریک بہت کم داخل ہو پائی تھی، ایک نہایت زبردست انضمام کو عملی صورت دی۔ ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۹ء میں لائیڈس نے بکس۔ اور آکسن۔ یونین بنک، لورپول یونین بنک اور چار بڑے خانگی بنکوں کو اپنے اندر جذب کر لیا جن میں بروکس اور کمپنی بھی شامل تھا جو لومبارڈ اسٹریٹ کا آخری خانگی بنک تھا۔

۱۹۰۰ء تک یہ بات بلا کسی شک و شبہہ کے ثابت ہو گئی تھی کہ چھوٹے بنک، زیادہ نفع بخش کاروبار میں بڑے مشترکہ سرمایے کے بنکوں کا مقابلہ مساوی سطح پر نہیں کر سکتے۔ انیسویں صدی کے آخری حصے میں، کاروباری اقدام بڑے پیمانے پر کیا جانے لگا اور صنعتی اور تجارتی اکائیوں کے اضافہ پذیر سائز نے، بنک کاری کے نظام میں بھی ایک ایسی ہی تبدیلی کو ضروری قرار دے دیا۔

موجودہ صدی کے دوران میں، انضمام کا کام مسلسل طریقے پر جاری ہے کیونکہ جب یہ تحریک ایک مخصوص نقطے پر پہنچ جاتی ہے تو پھر کاروبار پر قبضہ کرنے کے لیے جو مقابلہ کیا جاتا ہے اس کا اثر ترقی پذیر صورت میں ظاہر ہونا شروع کر دیتا ہے۔ مثلاً ۱۹۰۹ء میں لندن اور ویسٹ منسٹر بنک، لندن کونٹی بنک میں اس لیے ضم ہو گیا تاکہ مفصلات سے اپنے تعلقات کو قائم کر سکے۔

۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء جنگ کے دوران میں انضمام کی تحریک کو اور زیادہ ترقی ہوئی کیونکہ جو صناع حکومت کے فوجی سامان کے ٹھیکوں کو پورا کرنے کا کام کر رہے تھے انھیں جس رقم کے اعتباری غیر کفالتی قرضے کی ضرورت تھی وہ اتنی زیادہ ہوتی

تھیں کہ اکثر بنک تنہا اپنے وسائل سے کام لے کر ان کے پورا کرنے سے قاصر رہتے تھے چنانچہ بارکلینز مڈلینڈس میں داخل ہو گیا اور لندن سٹی اور مڈلینڈ، بلفاسٹ کی بنک کاری کمپنی کے ساتھ متحد ہو گئے۔

غیر ملکوں میں بنک کاری کی توسیع کا سلسلہ بھی اسی زمانے میں شروع ہوا۔ قومی صوبائی بنک اور لائیڈس بنک نے ایک کمپنی فرانس میں کام کرنے کے لیے کھولی۔ لندن سٹی اور مڈلینڈ نے ایک دفتر روس میں کھولا۔ لندن اور ویسٹ منسٹر نے ایک شاخ اسپین میں کھولی۔ اس تحریک میں لائیڈس نے خاص حصہ لیا کیونکہ تیزی کے ساتھ، پے در پے، اس نے لندن اور ریور پلیٹ بنک، لندن اور برازیلین بنک، برطانوی مغربی اور افریقہ کے بنک کے اتنے حصے خرید لیے کہ جن کی وجہ سے ان کا کاروبار اس کے اختیار میں آگیا۔ کاروبار کے اس میدان میں اب اس بنک کی حیثیت مسلّم الثبوت ہو گئی ہے۔

جنگ کے خاتمے تک انضمام کی تحریک تقریباً مکمل ہو گئی تھی اور انگلستان کی بنک کاری کا بیشتر کاروبار (بنک آف انگلینڈ کے علاوہ) "پانچ بڑے بنکوں[1]" کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا۔ جنگ کی آخری منزلوں میں، اس تحریک میں جو پُر جوش سرگرمی نظر آئی اس کی توجیہ اس طرح کی جا سکتی ہے کہ لندن کو دنیا کے مالیاتی مرکز کی جو حیثیت حاصل تھی اس کو برقرار رکھنے کے لیے خاص کوشش کرنا ضروری تھی۔ اس کے علاوہ اس قسم کی تحریکیں، دوسرے ملکوں مثلاً جرمنی، سویڈن، کناڈا اور آسٹریلیا میں بھی چل رہی تھیں۔ ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ صنعتی کاروبار کی تعمیر نو کے لیے فراہمی سرمایہ کے واسطے بنک کاری کے بڑے اتحادات کی ضرورت تھی۔ بنک کاری میں انضمام کے فواید و نقصانات کی بحث، معاشی تاریخ کے حدود سے باہر ہے لیکن موازنہ کرنے سے نئے نظام کی موافقت میں زیادہ دلیلیں ملتی ہیں۔ پرانے نظام میں لچک زیادہ تھی اور نجی بنک اپنے مقامی تعلقات کی وجہ سے موجودہ زمانے کے شاخ کے منیجر کے مقابلے میں زیادہ ہمدردی سے کام لیتا تھا۔ اس کے مقابلے میں انضمام کی

---

[1] لندن سٹی اور مڈلینڈ، لائیڈس، بارکلینز، لندن اور ویسٹ منسٹر، اور نیشنل پراونشل۔

وجہ سے ثبات پائیداری میں اضافہ ہوگیا ہے۔ سود کی شرحوں میں کمی اور یکسانیت پیدا ہوگئی ہے اور اس نے ملک کے مالیاتی وسائل کی تقسیم کو ممکن کردیا ہے اور ان کے استعمال میں زیادہ کفایت شعاری پیدا کردی ہے۔

انضمام میں بڑا خطرہ یہ ہے کہ اس کا انجام ممکن ہے "زر کے ٹرسٹ" کی صورت میں ظاہر ہو اور اسی ناگہانی حادثے کے امکان کے پیش نظر کالون کمیٹی (۱۹۱۸ء) نے یہ سفارش کی تھی کہ انضمام کو حکومت کے محکمہ مالیات کا پابند ہونا چاہیے۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اگر سوشلسٹ حکومت اتنی اکثریت کے ساتھ برسر اقتدار آئی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرسکی تو بنک کاری کا کام مملکت کا ایک محکمہ بن جائے گا۔

۱۹۔ صرافۂ تمسک اٹھارھویں صدی کے دوران میں، قومی قرضے کی ترقی کی وجہ سے حکومت کے قابل انتقال تمسکات وجود میں آئے اور ان کے بعد تمسکوں کا دلال بھی نمودار ہوگیا۔ ان تاجروں کے وجود کا پتا ۱۷۲۰ء کے اس ہمہ گیر خبط کے دور تک لگتا ہے جس کو "بلبلہ" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ ان لوگوں کو ایک عرصے تک مشتبہ نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ ۱۷۳۴ء میں پارلیمنٹ کے قانون کے ذریعے ان کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن انھوں نے آہستہ آہستہ، خفیہ طور پر، اپنے کاروبار کو جما لیا۔

۱۷۶۷ء میں ایک آزمایشی مقدمے کا فیصلہ ان کی موافقت میں ہوا اور ایک کلب بنایا گیا جس کے جلسے چینج اے لی میں جوناتھن کے قہوہ خانے میں ہونے لگے۔ ۱۸۰۳ء میں لندن کے صرافۂ تمسک کا باقاعدہ افتتاح کیا گیا اور آہستہ آہستہ اس کے وجود کو تسلیم کرلیا گیا۔

انیسویں صدی کے دوران میں، دلالوں نے مختلف قسم کی ہنڈیوں میں تخصیص پیدا کرلیا اور ان لوگوں نے جو اپنے کاروبار کی جزئیات سے صحیح صحیح واقف ہوتے تھے، مختلف قسم کے کاروبار کرنا شروع کردیے۔ آہستہ آہستہ ان کے کاروبار کا حلقہ وسیع ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ اب دلال نہ صرف تمسکات اور حصوں اور ان آلات اعتبار کا جنھیں زر رائج کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے

(یعنی ہنڈیوں کا) لین دین کرتے ہیں بلکہ صنعتی پیداواروں، مثلاً گیہوں اور روئی کا بھی مانچسٹر اور لورپول کے صرافہ پیداوار میں لین دین کرنے لگے ہیں۔

۲۰۔ بیمہ آگ کا بیمہ اٹھارھویں صدی ہی میں، ہینڈ اِن ہینڈ اور سن کمپنیوں کے قائم ہونے کے ساتھ شروع ہوگیا تھا "بلبلہ" کے زمانے میں، لندن کی دو اور کمپنیوں، یعنی رائل اکسچینج اور لندن ایشورنس کی ابتدا کی گئی۔ آگ کا بیمہ صدیوں میں ۱۷۶۰ء تک اپنا قدم نہیں جما سکا۔ اس سال البتہ باتھ اور برسٹل میں کمپنیاں بنائی گئیں۔ موجودہ کمپنیوں میں سے بیشتر رائل اکسچینج اور لندن ایشورنس کے سوا) ۱۷۸۰ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان قائم ہوئیں مثلاً فینکس ناروچ یونین، لورپول، لندن اور گلوب۔

زندگی کا بیمہ اس وقت شروع ہوا جب ۱۷۶۲ء میں اِی کوئیٹ ایبل سوسائٹی قائم ہوئی لیکن ۱۸۰۰ء سے پہلے اس کی بہت کم ترقی ہوئی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ بیمہ پڑتال کا علم ابھی بہت ابتدائی حالت میں تھا جس کی وجہ سے زندگی کے بیمہ کا کام زیادہ تر جوا بنا ہوا تھا۔ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں، ایل بی ان (۱۸۰۵ء) اور ای گل (۱۸۰۶ء) کمپنیاں قائم کی گئیں۔ لیکن کچھ تو دھوکا فریب کی وجہ سے اور کچھ علمی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کمپنیاں بہت زیادہ ناکام ہوتی رہیں۔ ۱۸۱۵ء میں جب مِلن کے شرح اموات کے جدول شایع ہوئے تو اس سے بیمہ پڑتال کے صحیح علم کی جانب پہلا قدم اٹھایا گیا۔ ۱۸۴۸ء میں بیمہ پڑتال کی انجمن کے قایم ہونے کے بعد تیزی سے ترقی ہونے لگی اور آج زندگی کا بیمہ کرانا پس اندازی کا ایک مسلمہ طریقہ مانا جاتا ہے۔ انڈسٹریل لایف ایشورنس کمپنیز میں جنھوں نے مزدور پیشہ طبقے کے چھوٹے رقم کے معاہدات بیمہ میں تخصیص پیدا کرلی ہے سب سے اہم پروڈین شل اور پرل ہیں۔

بحری بیمے کا کام، آگ یا زندگی کے بیموں سے بھی زیادہ پرانا ہے اور الزبتھ کے زمانے میں لوگ اس سے ناواقف نہیں تھے۔ اس کی حقیقی ابتدا سترہویں صدی کے نصف آخر میں ہوئی جب لندن کے بحری بیمہ کرنے والے لوگوں کی ایک جماعت نے لومبارڈ اسٹریٹ میں، ایڈورڈ لائیڈ کے قہوہ خانے

میں جلسہ کرنا شروع کر دیا یہ بحری بیمہ کرنے والے لوگ خانگی افراد کی حیثیت سے کاروبار کرتے تھے لیکن انھوں نے اپنا ایک کلب بنا لیا تھا اور ۱۷۷۴ء میں یہ لوگ شاہی صرافے میں منتقل ہو گئے۔

۱۸۲۰ء اور ۱۸۲۵ء کے درمیان لائیڈس کے اجارے کو توڑنے کی کوششیں کی گئیں۔ راتس چائیلڈس کے زیر اثر، الائنس میرین ایشورنس کمپنی قائم کی گئی اور اس کے بعد انڈیمنٹی کمپنی، لندن میرین، لورپول میرین کمپنیاں کھولی گئیں۔ لیکن کاروبار کا بیشتر حصہ لائیڈس کے پاس ہی رہا اور ۱۸۷۱ء میں انھوں نے شراکت قائم کی جس کا مقصد بحری بیمہ کرنا، اراکین کے مفاد کا تحفظ کرنا اور جہازوں کے متعلق اطلاعات کو مشتہر کرنا تھا۔ حقیقی کاروبار ایک ہی رہا ہے اور خطرے کی شکمی تقسیم کرنے کی پیروی اب تک کی جاتی ہے۔

تاریخ میں ان ابتدائی بیمہ کمپنیوں کا مطالعہ اس لئے مخصوص دلچسپی رکھتا ہے کہ ان کا کاروبار اتنا زیادہ وسیع تھا کہ اسے افراد بلکہ چھوٹی شراکتیں تک نہیں کر سکتی تھیں۔

بحری بیمے کے خطرات کو ابتدا ہی سے، افراد کی بہت بڑی تعداد کے درمیان تقسیم کیا جاتا رہا۔ دوسری شکلوں کی تنظیم مختلف رہی یعنی منشور یافتہ کمپنیوں سے لے کر بہت وسیع شراکتوں تک جو مشترکہ سرمایے کی کمپنیوں سے مشابہ ہوتی تھیں ہر قسم کی تنظیم ملتی تھی۔ اس لیے یہ فرض کرنا کہ بیمے کی ترقی نے مشترکہ سرمایے کے کاروبار کو مختلف طریقوں سے ترقی دی ناواجب نہیں ہے۔

۲۱۔ مزدور پیشہ طبقے کے بنک

سب سے پہلے ۱۸۶۱ء کے ڈاک خانے کے سیونگ بنک ایکٹ کے ذریعے ایسے بنکوں کا امکان پیدا ہوا جو مزدور پیشہ طبقے کی پس انداز کی ہوئی رقموں کو جمع کرتے تھے۔ اس ایکٹ نے ان بنکوں کے قایم ہونے کے لیے راستہ صاف کر دیا جنھیں مخصوص طور پر مزدور طبقے کی چھوٹی چھوٹی رقموں کے جمع کرنے کے لیے ہی قائم کیا جاتا تھا۔ ان بنکوں کا صحیح نمونہ پرانے یارک شائر پے نی بنک کو سمجھنا چاہئے۔ اسی قسم کی ایک تحریک، تعمیر مکانات کی انجمن بھی تھی جو شمال کے صنعتی اضلاع میں چل رہی تھی۔

مزدور پیشہ طبقوں کی پس انداز کی ہوئی مختصر رقموں کو ملا کر ایک بڑی رقم بنائی جاتی تھی اور ممبروں کو رہایشی مکان خریدنے کے لیے (مختلف طریقوں سے) دے دی جاتی تھی۔ ان انجمنوں کی نوعیت اب بدل گئی ہے اور آج انھیں ایک ایسے بنک کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے جو املاک غیر منقولہ کو رہن رکھ کر قرض دیتا ہے۔

برمنگھم کا منوسپل بنک بعض باتوں میں ان سے ملتا جلتا ہے لیکن دراصل بالکل حال کی ایک ایجاد ہے۔ اس بنک کے دو کام ہیں۔ ایک تو یہ امانتیں خاص کر مزدور پیشہ طبقے کی، رکھتا ہے۔ اس میں چک کا رواج نہیں ہے اور دوسرے یہ اپنے امانت رکھنے والوں کی امداد ان کے مکان کو رہن رکھ کر اور اس کی بازاری قیمت کی اسّی فی صدی رقم کو قرض دے کر کرتا ہے۔ اس کے دیے ہوئے اصل اور سود کی ادائی بیس سال کے اندر کرنا ہوتی ہے۔

اس بنک کو برمنگھم کارپوریشن ایکٹ کے ماتحت قائم کیا گیا تھا اور اس کا انتظام شہر کی کونسل کی ایک کمیٹی کرتی ہے اور امانتوں کی ضمانت محاصل کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے انگلستان میں بنک کاری کی بالکل ایک نئی قسم کا آغاز ہوا ہے اور اس تجربے میں جو شاندار کامیابی ہوئی ہے اس سے اس بات کی امید ہوتی ہے کہ مستقبل میں منوسپلٹیاں اس قسم کے مشاغل کو اور زیادہ بڑھائیں گی۔

باب (۱۱)

قیمتیں اور اجرتیں

۱۔ قدر اور قیمت یہ دیکھا جا چکا ہے کہ بارٹر یعنی مبادلہ جنس بہ جنس کے طریقے کی جگہ جو ابتدائی زمانے میں عام طور پر رائج تھا، خرید و فروخت کا نظام رائج ہو گیا۔ جب چیزوں کا موازنہ ایک دوسرے سے کرنے کی جگہ ایک مشترکہ معیار سے کیا جانے لگا تو اس معیار نے ایک مخصوص حیثیت حاصل کر لی اور مختلف اشیا کی قدر کا اندازہ یہ معلوم کر کے کیا جانے لگا کہ ان میں سے ہر ایک کی قدر زر کے مقابلے میں کیا ہے۔ اب، اس بات کو لوگ مشکل ہی سے سمجھ پاتے تھے کہ ہر شے کی قدر ہر دوسری شے کی قدر کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتی ہے۔ اس قسم کی نسبت کو اب (مبادلے کی) قدر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اگر ایک گھوڑے کا مبادلہ دو بھیڑوں سے کیا جانے لگے تو اس کی قدر

بھیڑ کے مقابلے میں دو ہو جائے گی۔ زر کو بھی مواز نے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس سے ہم قیمت کے تصور تک پہنچ جاتے ہیں۔ غرض قیمت قدر کی ایک خاص صورت ہے اور اس کی دراصل کوئی استثنائی حیثیت نہیں ہے۔ اگر ہم کو یہ بات معلوم ہو کہ ایک گائے کی قیمت دس پونڈ ہے تو ہم یہ بھی تبلا سکتے ہیں کہ ایک پونڈ گائے کی قدر کا دسواں حصہ ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ چیزوں کی قدر طلب اور رسد سے مقرر ہوتی ہے۔ اگر ایک کسان کے پاس ایک گھوڑا ہو اور وہ دوسرے کسان کی بھیڑوں سے اس کا مبادلہ کرنا چاہے تو فیصلہ کن امور دو ہوں گے اول یہ کہ ان ہر دو جانوروں کی کس قدر تعداد ان دونوں کسانوں کے پاس ہے اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اپنے مال اور اپنے پڑوسی کے مال کی کس شدت کے ساتھ خواہش ہے۔ اگر گھوڑا بیچنے والے کو بھیڑوں کی بہت سخت ضرورت ہوگی، اگر خریدار کو ظاہری طور پر گھوڑے کی ضرورت نہیں ہوگی، اگر گھوڑے گرد و نواح میں اسانی سے مل سکتے ہوں گے اور بھیڑیں مشکل سے ملتی ہوں گی تو گھوڑا سستا بکے گا۔

اسی طرح ایک شے کی قیمت بھی اس شے کی طلب و رسد اور زر کی طلب و رسد کو باہمی نسبت دینے سے مقرر ہوتی ہے۔ دوسرے حالات اگر یکساں رہیں تو ایک چیز کی زیادہ رسد کے یہ معنی ہوں گے کہ اس کی قیمت کم ہو جائے گی۔ اسی طرح زر کی زیادہ رسد کے یہ معنی ہوں گے کہ دوسری اشیا کے مقابلے میں زر کی قدر کم ہو جائے گی۔ اب زر اور دوسری اشیا کے بنیادی فرق کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اشیا کی قیمت تو گر سکتی ہے لیکن زر کی نہیں، گر سکتی۔ ساورن کو لوگ ساورن ہی کہتے رہتے ہیں چاہے ملک میں ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ بڑھ جائے۔ اب اگر ساورن کی قدر، دوسری چیزوں کے مقابلے میں کم ہو جاتی ہے تو ان چیزوں کی قیمت کا بڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

مثلاً فرض کیجئے کہ ایک ملک میں ساورن کی تعداد دفعۃً دگنی ہو جاتی ہے۔ ایک شخص جو ایک چیز کو فروخت کرنا چاہتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ ساورن بہت کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اس کی طلب ان کے لئے گھٹ جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اس

تبدیلی سے قبل کے مقابلے میں زیادہ ساورنوں کا طلبگار ہوگا۔ آئیے اب یہ فرض کریں کہ سب لوگوں کو تبدیلی سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ زر مل جاتا ہے۔ اب جو شخص خریداری کرنا چاہے گا اس کے پاس پہلے کے مقابلے میں زیادہ زر موجود ہوگا اور وہ زیادہ زر کو دینے کے لیے آمادہ ہوگا۔ چنانچہ قیمتیں چڑھ جائیں گی اور آخر میں ٹھیک ٹھیک دگنی ہو جائیں گی اگر دوسرے اور تمام عوامل اپنی جگہ پر قائم رہیں۔

۲۔ مقدار زر کا نظریہ اس طریقۂ استدلال سے، گذشتہ صدی میں، لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ ملک میں جس قدر زر کی مقدار موجود ہوتی ہے، اشیا کی قیمت، عام طور پر، اس کے بالکل متناسب ہوتی ہے۔ یہ تھا نظریۂ مقدار زر، اپنی نہایت ناقص اور نامکمل شکل میں۔

اس نظریے میں زر کی طلب کو نظرانداز کیا گیا ہے۔ زر کی طلب کا اثر ان لوگوں پر پڑتا ہے جو اپنی چیزیں فروخت کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ایک لحاظ سے ملک کی ہر اس چیز کو، جس کی کوئی قیمت ہو، شے برائے فروخت قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن بہت سی چیزیں فروخت کے لیے پیش نہیں کی جاتیں۔ اس لیے صرف وہی اشیا قیمت پر واقعی اثر انداز ہوتی ہیں جو کھلے بازار میں فروخت کرنے کے لیے لائی جاتی ہیں۔ غرض، قیمت پر لائق فروخت اشیا کی تعداد کا اثر پڑتا ہے۔ جب یہ تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اور اشیا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں تیزی سے منتقل ہوتی رہتی ہیں تب تجارت کی حالت اچھی ہوتی ہے، زر کی طلب بڑھ جاتی ہے اور اگر دوسری چیزیں یکساں رہیں تو قیمتیں گر جاتی ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ قیمت کا تعین، زر کی رسد اور لائق فروخت اشیا کی بصورت مجموعی رسد کی باہمی نسبت کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

رسد کے پہلو کو پیش کرتے ہوئے ہمیں یہ بات ملحوظ رکھنا چاہیے کہ زر کو گاڑ کر بھی رکھا جا سکتا ہے یا اس کا استعمال محض کبھی کبھار بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اثر بالکل وہی ہوگا جو زر کی رسد کے گھٹ جانے کا ہوتا ہے۔ اور قیمتیں گر جائیں گی۔ اگر زر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں تیزی سے جائے گا تو اس کی رسد حقیقتہً بڑھ جائے گی کیونکہ یہ زیادہ دیکھنے میں آئے گا اور قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ اس وقت

کہا جائے گا کہ زر کی کارگزاری بڑھ گئی ہے۔

اس کے علاوہ زر کی جگہ اکثر نوٹوں یا دوسرے آلات اعتبار کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جس حد تک ان کی ضمانت کے لیے، بنک کے ذخیرۂ محفوظ میں، دھات موجود رہتا ہے، انھیں دھات کا بدل قرار دیا جاسکتا ہے اور ان کا قیمتوں پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ لیکن نوٹ، بلا استثنا، زر رائج میں اضافہ کا موجب ہوتے ہیں، کم سے کم ایک حد تک۔ اس لیے گو وہ ایک حد تک سونے کے قائم مقام ہوتے ہیں لیکن ان کے استعمال کا خالص اثر یہ ہوتا ہے کہ قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

یہ چیز، غیر نقد پذیر نوٹوں میں، بہت زیادہ نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ جب جاری کیے جاتے ہیں تو عام طور پر کم قدر کے ہوتے ہیں جیسا کہ انگلستان میں ۱۸۱۰ء میں ہوا تھا۔ امریکا کے "گرین بیکس" کی مثال کو بھی یہاں پیش نظر رکھیے۔ اگر گریشم کے قانون کی رو سے سونا برآمد کر دیا جاتا ہے اور چونکہ نوٹوں کی رسد کی کوئی حد مقرر نہیں ہوتی، قیمتیں بہت زیادہ چڑھ جاتی ہیں۔ فرانس کے انقلاب کے زمانے کے ایسگ نیٹ کی قیمت آخر میں صرف چند پنس رہ گئی تھی۔

اس لیے اگر نظریۂ مقدار زر سے کچھ فائدہ اٹھانا ہے تو ہمیں زر کی مقدار، اس کی کارکردگی، آلات اعتبار کی تعداد اور تجارت کی حالت کا لحاظ رکھنا چاہیے، نظریۂ مقدار زر کو صحیح صورت میں بیان کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے احتیاط کے ساتھ، شرطوں کا پابند بنایا جائے۔ لیکن جب ہم یہ شرطیں لگا دیتے ہیں تو پھر یہ نظریہ اتنا مکمل ہو جاتا ہے کہ اس سے کوئی کام لینا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ اعتباری بدل کے صحیح صحیح اثرات کا تخمینہ کرنا، ایک مشکل کام ہے۔ انگلستان کے نوٹ کی حیثیت آج کل عملاً زر جیسی ہے بعض ہنڈیوں میں زر کی خصوصیات بالکل نہیں پائی جاتیں اور ان دونوں کے بیچ میں، تمام درمیانی منزلیں پائی جاتی ہیں۔

لہٰذا مکمل نظریے کو تاریخی واقعات کی توجیہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس سے ہم ایک سبق ضرور سیکھ سکتے ہیں یعنی ہم یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ قیمتی فلزات کو جب بعض مرتبہ، دفعۃً درآمد کیا گیا تو اس سے قیمتیں چڑھ گئیں لیکن یہ قیمتیں تجارتی حالت کی بھی بہت پابند رہیں۔ چنانچہ ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ قیمتوں میں عام اضافہ غالباً

قیمتی فلزات کے اضافے کی وجہ سے رونما ہوا۔ لیکن اس اضافے کو یقین کے ساتھ ہمیشہ قیمتوں کے اضافے کا سبب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

زر کا محض یہ اضافہ، قیمتوں کے اضافے کا موجب نہیں ہوتا بلکہ زر کی نئی مقدار پرانی مقدار کے مقابلے میں جو ہوتی ہے۔ ایک کروڑ میں اگر ایک کروڑ کی رقم کو ملا دیا جائے گا تو اس سے قیمتیں دگنی ہو جائیں گی لیکن اگر اسے ایک ارب میں ملایا جائے گا تو اس کا اثر مشکل ہی سے دکھائی دے گا۔ اس کے علاوہ اس وقت بھی جب قیمتوں کی ریل پیل کم ہو جاتی ہے، زر کی مقدار میں اضافہ جاری رہتا ہے گویا نتیجہ سبب کے ساتھ ساتھ نہیں چلتا بلکہ اس سے پیچھے رہ جاتا ہے[1]۔

۳۔ قیمتی فلزات مکمل معیار نہیں ہیں

غرض، قدر کا وہ معیار جسے اکثر مہذب قوموں نے نہایت عزیز رکھا ہے، اپنی ایک اولین لازمی صنعت سے محروم ہے یعنی یہ ایک دائمی پیمانۂ قدر کا کام انجام نہیں دے سکتا۔ قیمتیں ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں میں مختلف نظر آتی ہیں اور ایک ہی جگہ میں مختلف اوقات میں مختلف نظر آتی ہیں۔ اس کے نتائج بہت تشویشناک ہوتے ہیں۔ اگر ایک آدمی روپے کا دین دار ہے اور معاہدے میں درج کی ہوئی ایک رقم کو بعد کی کسی تاریخ میں جب کہ قیمتیں بڑھ گئی ہیں ادا کرتا ہے تو لین دار کے لیے یہ روپیہ پہلے کے برابر مفید نہیں ہوتا۔ دوسری طرف جب قیمتیں گر جاتی ہیں تو دین دار کو نقصان ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک کے نقصان سے دوسرے کا فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن ملک کے لئے بصورت مجموعی بھی، یہ چیز، عدم تیقن کی وجہ سے ایک ناقابل تلافی نقصان کا موجب ہوتی ہے۔ دوسرے معیاروں کو تجویز کیا گیا ہے۔ عہد وسطیٰ میں لگان بہ صورت غلّہ کا رواج عام تھا مثلاً بعض کالجوں میں یہی صورت تھی۔ غلّے کی قدر، سال بہ سال ضرور بہت بدلتی رہتی تھی لیکن طویل مدت کے دوران میں

[1] نظریۂ مقدار زر کے اب بہت سے لوگ مخالف ہو گئے ہیں۔ زر کی قدر کی مخصوص توجیہ کی حیثیت سے اسے لوگ اب تیزی کے ساتھ ترک کرتے جا رہے ہیں جدید نظریہ، زر کی قدر اور اشیا کی قدر میں کسی بنیادی فرق کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ ایک ہی اصول کو دونوں کے لیے کافی سمجھتا ہے۔ ملاحظہ ہو وکس اسٹیڈ، کامن سنس آف پولیٹیکل اکانمی کتاب دوم۔

خاصی قائم نظر آتی تھی۔

گیہوں تک کی قدر میں، طلب اور رسد کے حالات کی وجہ سے ایک دائمی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً زراعت کے نئے طریقوں کے اختیار کر لینے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اسے زیادہ آسانی سے حاصل کیا جا سکے۔ دوسری طرف اضافہ پذیر آبادی کی وجہ سے اس کی طلب میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہ قوتیں مخالف سمتوں میں کام کرتی رہتی ہیں لیکن کچھ تبدیلی ناگزیر ہے۔ انسانی محنت کے معیار کا معاملہ بھی ایسا ہی خراب ہے۔ یہ ایک لحاظ سے تو عہد بہ عہد قائم نظر آتا ہے لیکن مختلف قسم کی محنتوں کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے اور نہ یہ بتلایا جا سکتا ہے کہ محنت کی کس قسم کو معیار بنایا جائے۔

یہی وہ بہترین پیمانے ہیں جن کو عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور ہم خاصے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے کوئی معیار کافی طور پر پائدار نہیں ہے۔ ماہرین معاشیات نے اس مشکل کو اشاری عدد (انڈکس نمبر) کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک یا دو چیزیں ہو سکتا ہے کہ اپنی قدر بدلتی رہیں یعنی ان کے طلب و رسد کے حالات میں تغیر ہوتا رہے لیکن اگر سب کی قدر بدلنے لگے تو یہ بات حیرت کا موجب ہوگی اور یہ سب کی سب چیزیں ایک ہی جانب حرکت نہیں کر سکتیں۔ گیہوں، دوسری چیزوں کے مقابلے میں زیادہ لائق قدر بن سکتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی رسد کم ہو گئی ہو یا اس کی طلب بڑھ گئی ہو اور دوسری اشیا بھی اسی مثال کی پیروی کر سکتی ہیں لیکن تمام چیزیں، تمام چیزوں کے مقابلے میں عام طور پر بہ یک وقت زیادہ قدر کی مالک نہیں بن سکتیں۔

البتہ تمام چیزوں کی قیمت بہ یک وقت چڑھ سکتی ہے اور یہ بات اس وقت رونما ہوگی جب زر کی قدر، دوسری چیزوں کے مقابلے میں گر جائے گی اس لیے اگر تمام چیزوں کے جدول مختلف اوقات میں بنائے جائیں اور یہ ایک ساتھ چڑھیں یا گریں تو ہم جان جائیں گے کہ صرف زر کی قدر میں تبدیلی ہوئی ہے۔ اگر صرف چند چیزوں کی قیمتوں میں تبدیلی ہوگی تو اس سے صرف چند چیزوں کے طلب و رسد میں تغیر کا اظہار ہوگا۔

۴۔ اشاری عدد عملی زندگی میں جو چیز ہمیشہ واقع ہوتی رہی ہے وہ یہ ہے کہ قریب قریب ہر چیز کی قیمت بدل جاتی ہے۔ بعض چیزوں کی قیمت چڑھ جاتی ہے بعض کی گر جاتی ہے۔ اگر نئی قیمتوں کا اوسط پرانی قیمتوں کے اوسط سے اونچا ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زر کی تبدیلیوں نے قیمتوں کو تھوڑا سا بڑھا دیا ہے اور زیادہ یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عام قیمتیں بڑھ گئی ہیں۔ عام قیمتوں کے اوسطوں کے سلسلے کو، اگر ان سب کو ایک ہی اصول پر بنایا جائے اور ایک ہی معیار پر مبنی کیا جائے، اشاری عدد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اگر اشیا کو مساوی اہم سمجھا جائے تو اشاری عدد کے بڑھنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قیمتیں بصورت مجموعی چڑھ گئی ہیں۔ اگر بہت کم استعمال کی جانے والی چیزوں کی قیمتوں میں بڑی ترقی ہوئی ہو اور ایک عام طور پر استعمال میں آنے والی غذا، مثلاً غلے میں تھوڑا سا زوال ہوا ہو، تو اس صورت میں عام قیمتوں کو حقیقتہً گرا ہوا نظر آنا چاہئے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اوسط کے اندر "وزن" پیدا کیا جائے یعنی ہر چیز کی قیمت کو ایک ایسے ہندسے سے ضرب دی جائے جو اس کی اہمیت کے حسب حال ہو۔

اگر نتائج بالکل ٹھیک حاصل کرنا ہوں تو اس کام کے لیے دوسرے قسم کے اوسطوں کو اہمیت حاصل ہے۔ چونکہ حسابی اوسط سے ایک ایسی واحد شے کا اثر زیادہ نمایاں ہو جاتا تھا جو بقیہ چیزوں کے مقابلے میں زیادہ گراں یا ارزاں ہوئی تھی، اس لیے جیوکنس نے ہندسی اوسط سے کام لیا۔ لیکن نہایت مناسب اوسط "وسطانی" ہے یعنی وہ قیمت جو شمار کردہ اشیا کے درمیان نظر آئے۔ مثلاً اگر ایک ہزار آدمیوں کو ان کے قد کے فرق کی ترتیب سے کھڑا کر دیا جائے تو جس آدمی کا نمبر پانچسو ہوگا، اس کا قد اوسط قد سے بہت قریب ہوگا۔ اس اوسط کا پتا حسابی یا ہندسی اوسط کے مقابلے میں زیادہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

خوش قسمتی سے اکثر کاموں کے لیے اشاری عدد کے تیار کرنے کے طریقوں کی اہمیت بہت کم ہے کیونکہ تمام طریقوں سے تقریباً یکساں نتائج برآمد ہوتے ہیں حتیٰ کہ ایک غیر وزن کردہ اوسط سے بھی قابلِ قدر نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں اور اس طریقے کو اخبار "اکنامسٹ" استعمال کیا کرتا تھا

اگرچہ اب اس اجبار کا طریقہ اتنا ہی زیادہ مکمل ہو گیا ہے جیسا کہ ساؤربک کا زیادہ مشہور و معروف طریقہ ہے۔

اب آئیے اشاری عدد کے اس معیار کے فائدے کو دیکھا جائے۔ فرض کیجئے کہ ایک وقت خاص میں ایک خاص رقم کا لگان واجب الوصول ہے۔ بعد کے زمانے میں ہو سکتا ہے کہ قیمتیں چڑھ جائیں۔ لیکن اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ زر کی قدر، اشیا، بصورت مجموعی کی قدر کے مقابلے میں کتنی گر گئی ہے تو اس کی رعایت رکھی جا سکتی ہے۔ اگر اشاری عدد میں اضافہ ۱۰۰ سے ۱۵۰ تک ہوا ہے تو اب لگان بصورت زر کی حقیقی قدر کو، پہلے کے برابر برقرار رکھنے کے لیے، لگان کو بھی اسی نسبت سے بڑھانا چاہیئے۔ غرض، اشاری عدد، ملتوی شدہ ادائیوں کے لیے، ایک ایسے معیار کا کام دیتا ہے جس کی کابجول وغیرہ کو اس زمانے میں تلاش تھی جب وہ لگان غلے کی صورت میں لیا کرتے تھے۔ معاشی تاریخ میں اشاری عدد سے جو فائدہ پہنچتا ہے ہمیں یہاں صرف اسی سے سروکار ہے۔ عملاً کسی ایک سال کو عام طور پر معیار مان لیا جاتا ہے اور اس کی قیمت ۱۰۰ مقرر کر دی جاتی ہے۔ لیکن اس طریقے سے یہ ممکن نہیں ہے کہ سال بہ سال کی قیمتوں کا بلاواسطہ مقابلہ کیا جا سکے۔

۵۔ نظریۂ مقدار زر کی تاریخی تائید

غرض، ہم دیکھ چکے ہیں کہ، گو زر ایک تشفی بخش معیار نہیں ہے لیکن نظریۂ مقدار زر بھی اتنا آسان نہیں ہے کہ وہ ہمارے لیے کچھ بہت زیادہ مفید ثابت ہو سکے۔ اس لیے ہم قیمتوں کی راست پیمائش کے لیے مجبور ہیں۔ عہد وسطیٰ کے لیے یہ کام بہت مشکل ہے اور موجودہ زمانے تک کے بارے میں ہمارا علم نامکمل ہے۔ اول تو خود قیمتوں کا پتا چلانا ایک مشکل کام ہے اور جب یہ پتا چل بھی جاتا ہے تو ظاہری تبدیلیوں کے نیچے جو حقیقی تبدیلیاں چھپی ہوئی ہیں ان کی وضاحت کرنے کے لیے ہمیں اشاری عدد کو تیار کرنا پڑتا ہے۔ ابتدائی زمانے کی قیمتیں بڑی دھوکا باز ہیں۔ ان سے کام لینے کے لیے ضروری ہے کہ ان کا موازنہ احتیاط کے ساتھ اس زمانے کی زر کی قدر سے کیا جائے۔ لیکن خود اس قدر کا پتا بھی بہت ناقابل وثوق بنا پر لگایا جا سکتا ہے۔

لیکن بعض باتیں بالکل واضح اور نمایاں نظر آتی ہیں۔ اول یہ کہ موجودہ زمانے کے اعتراضات کے باوجود، تاریخ سے نظریۂ مقدار زر کی تائید

ہوتی ہے[۵]۔ امریکا کی دریافت کے بعد، اسپین کے لوگوں نے یہ خیال کیا کہ سونا ہی دولت کی ایک واحد صورت ہے اور اس کی برآمد کو انھوں نے ممنوع قرار دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قیمتیں بے انتہا چڑھ گئیں۔ نیدرلینڈ کو بھی جو اس زمانے میں اسپین کے قبضے میں تھا، اس سونے کی رسد میں سے حصہ ملا اور اسپین کے بعد اس ملک میں بھی قیمتیں بڑھ گئیں۔ سونے کی برآمد پر جو ممانعت تھی اس کی خلاف ورزی کی گئی اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی سونا پہنچا اور ان کے یہاں بھی قیمتیں چڑھ گئیں۔ غرض، جب کبھی اسپین میں سونے کی زیادہ مقدار یکبارگی آئی، اسی ترتیب سے تمام ملک متاثر ہوتے رہے۔

انگلستان میں قیمتوں اور اجرتوں کی ابتدائی تاریخ بہت تاریکی میں ہے۔ تھورولڈ روجرز جیسے مورخوں نے بے انتہا محنت کر کے، اس کے منتشر اجزا کو باہم منسلک کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے طریقوں اور نتائج پر اگرچہ تنقید کی گئی ہے لیکن اس کے نتائج میں یقیناً بہت کچھ حقیقت نظر آتی ہے۔ اصل دشواری یہ ہے کہ مواد بہت کم اور منتشر ہے۔ اس لیے نتائج کو مقابلے کے ذریعے جانچا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ ابتدائی زمانوں پر سرسری نظر ڈال کر گذر جانا چاہیے۔

۶۔ سولھویں صدی میں قیمتوں کا عروج

عہد وسطیٰ میں جو مخصوص ثبات و پائداری موجود تھی اس کا عکس اس زمانے کی قیمتوں میں بھی نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے چودھویں صدی میں، قیمتوں میں، بہت آہستہ آہستہ تنزل ہوتا رہا اور اس کے تسلسل میں صرف پلیگ (کالی وبا) کی وجہ سے رخنہ پڑا۔ سولھویں صدی میں پہلی مرتبہ قیمتوں میں بڑا عروج شروع ہوا۔ اسپین کے لوگ، امریکا کے نئے دریافت شدہ علاقے میں، صرف قیمتی دھاتوں کو تلاش کرتے تھے جب ان دھاتوں کو اسپین لایا گیا تو ان کی وجہ سے وہ معاشی تبدیلیاں پیدا ہوئیں جن کی سیاسی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ دوسرے وجوہ کے ساتھ ساتھ، ان معاشی تبدیلیوں کی وجہ سے بھی، انگلستان کے حکمرانوں نے زر کی کمی کو بہت محسوس کیا اور لین دار لوگوں کو

۵۔ ورنہ یہ نظریہ کبھی رونما ہی نہیں ہوتا۔ اس کے ذریعے سے ایک حقیقی تجربے کی توجیہ کی گئی ہے۔

بہت نقصان پہنچا۔ اس زمانے کے لوگوں کو یہ تبدیلیاں بہت من مانی اور بے اصولی معلوم ہوئیں اور ان کی صحیح توجیہ کوئی شخص نہیں کر پاتا تھا۔

سونے کی درآمد کے اثر کی وسعت بہت زبردست تھی۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ یورپ میں سونے اور چاندی کا شمار نادر فلزات میں کیا جاتا تھا اور ان پر صرف دولت مند امیروں اور کلیساہی کا قبضہ تھا۔ فلزات کی نئی دریافت سے صرف فرسودگی یعنی استعمال کی وجہ سے قدرتی طور پر جو حصہ ضائع ہوتا تھا اس کی تلافی کی جا سکتی تھی۔ دوسری طرف ان کو دبا کر رکھنے کا رواج بھی عام ہوگیا تھا۔ وسیع تر تجارت نے بھی زر کی طلب کو بڑھا دیا تھا اور اس چیز نے کان کنی کی غیر ترقی پذیر حالت کے ساتھ مل کر، قیمتوں کو کم کر دیا تھا۔ عارضی طور پر قیمتی فلزات کی اگر کبھی افراط پیدا بھی ہوتی تھی تو اُسے مشرقی ممالک مثلاً ہندوستان جذب کر لیا کرتے تھے۔

غرض، اس زمانے میں، جب کہ زر کی مجرد مقدار بہت مختصر تھی، یکبارگی فلز کی نہایت زبردست ریل پیل شروع ہوگئی۔ جتنا ذخیرہ پہلے سے موجود تھا، اس کے مقابلے میں نیا فلز بہت بڑی مقداریں موجود ہوگیا۔ نہ صرف اس کا اثر بہت زیادہ ہوا بلکہ اس خارجی تحریک سے جو اثرات رونما ہوئے ان کے اندر پس ماندگی کا عنصر بھی بہت کم تھا۔

قیمتوں کا یہ عروج، پوری سولھویں صدی میں جاری رہا۔ صرف درمیان میں یہ سلسلہ کچھ ٹوٹا۔ ۱۵۵۰ء کے بعد یہ بہت نمایاں ہوگیا یہاں تک کہ ۱۶۲۰ء کے بعد یہ بلند ترین نقطے تک پہنچ گیا۔

امریکا کی دریافت کا یہ نتیجہ ہوا کہ تجارت میں بہت ترقی ہوگئی۔ زر کے اضافے کا بھی ضرور کچھ اثر پڑا ہوگا۔ مبادلے کی سہولت کے بڑھ جانے سے تجارت میں ترقی ہوئی اور بہت سے لوگوں کا یہ پختہ خیال ہے کہ پیدائش دولت پر، قیمتوں کی ترقی کا بہتر اثر پڑا، اگرچہ اس اثر کی اہمیت ابتدائی زمانے میں کم ہی رہی ہوگی۔ آبادی کے محض بڑھ جانے کی وجہ سے بھی اسی قسم کے اثر کے رونما ہونے کا میلان پیدا ہوا ہوگا۔

سولھویں صدی میں، دو اور اسباب بھی، قیمتوں کے عروج میں معاون

ثابت ہوئے اور ان کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے پہلی چیز، سکہ سازی کی بری حالت تھی جو ایڈورڈ چہارم اور ہنری ہشتم کے کھوٹ ملانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اور جس نے زر رائج کی قدر کو گھٹا دیا تھا۔ دوسری چیز یہ تھی کہ اب منصفانہ قیمت کے اس تخیل کا اقتدار جس نے عہد وسطیٰ میں حالات کے اندر ثبات پیدا کر رکھا تھا، کم ہوتا جارہا تھا۔ حتیٰ کہ سولھویں صدی تک میں مال کو راست استعمال کے لیے پیدا کرنے کی جگہ کھلے بازار کے لیے مہیا کرنا شروع کر دیا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے، صنعت و تجارت میں ایک تخمینی عنصر پیدا ہو گیا تھا اور زائد زر کے سوال سے اگر قطع نظر بھی کرلی جائے تو بھی یہ بات قیمتوں کے اضافے کا موجب بن گئی تھی۔

جب قیمتی فلزات کی پیداوار میں استقرار پیدا ہو گیا تو آہستہ آہستہ تجارتی اغراض کے لیے زر کی زیادہ طلب پیدا ہوئی یعنی اشیا بحیثیت مجموعی کے مقابلے میں اس کی قدر زیادہ ہوگئی چنانچہ اٹھارویں صدی میں قیمتیں آہستہ آہستہ گرنے لگیں۔

اس مرتبہ بھی ایشیائی ممالک مثلاً ہندوستان، چین اور جاپان چاندی کو جذب کرنے والی دلدل ثابت ہوئے اور قیمتی فلزات کا مشرق کی طرف نکاس کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ ہندوستان نے خصوصیت کے ساتھ ان فلزات کی بے شمار مقدار کو زیادہ تر دبا کر رکھنے کے لیے جذب کرنا شروع کیا کیونکہ یہ وہ ملک ہے جہاں اونچے طبقے کے لوگ زیورات کی بہت قدر کرتے ہیں۔ یورپ میں قیمتی دھاتیں ادھر سے ادھر ایک ملک سے دوسرے ملک میں توازن تجارت کی تبدیلیوں کے اعتبار سے منتقل ہونے لگیں۔ اگر ذخیرہ کرنے کا سلسلہ حد سے زیادہ بڑھ جاتا تھا تو اس کے نتیجے کے طور پر زر کی قدر میں جو اضافہ (موثر رسد کے محدود ہو جانے کی وجہ سے) پیدا ہوتا تھا اس سے فلزات کھنچ کر دوبارہ گردش میں آجاتے تھے۔ لیکن ہندوستان کی بھوک ناقابل تسکین معلوم ہوتی تھی۔ اس ملک میں بہاؤ برابر ایک ہی جانب رہا۔

۷۔ قیمتوں میں آگے چل کر زوال

غرض سولھویں صدی میں سونے کی رسد میں یکبارگی اضافہ ہو جانے کا اثر اپنے وقت پر دنیا کے سب حصوں پر پڑا۔ یورپ میں اس کا اثر آگے چل کر جب زر کی رسد فلزات کے برآمد کر دینے کی وجہ سے محدود ہو گئی تھی، قیمتوں کے زوال کی صورت میں رونما ہوا یعنی زر

کی قدر بڑھ گئی۔

یہ دونوں اسباب پوری اٹھارویں صدی کے دوران میں برقرار رہے لیکن قیمتیں کمترین نقطے پر تقریباً ۱۷۰۹ء میں پہنچ گئیں۔ اس کے بعد ان کے اندر یکبارگی ایک نیا چڑھاؤ رونما ہوا۔ آیندہ کے بیس سالوں میں قیمتیں تقریباً دگنی ہو گئیں یہ اثر زیادہ تر سونے اور چاندی، خصوصاً موخرالذکر کی نئی دریافت کا نتیجہ تھا، لیکن اس میں کاغذی زر، جنگ اور خراب فصلوں کے اثرات بھی شامل تھے۔ انگلستان میں یہ اثر، ایک حد تک غیر نقد پذیر کاغذی زر کے رواج سے رونما ہوا، خصوصاً ۱۸۱۰ء کے لگ بھگ۔ لیکن ایک نکتے کو خاص طور پر یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔

کاغذی زر کا اثر:۔ جب ایک کاغذی زر جو قیمتی فلزات کے پہلو بہ پہلو گردش کر رہا ہو، کم قدر ہو جاتا ہے، تو ہمیشہ دو قیمتیں رونما ہو جاتی ہیں اور کاغذی زر کی شکل میں قیمت، فلزاتی قیمت کے مقابلے میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ۱۸۱۰ء میں قیمتیں، بحیثیت مجموعی عام طور پر زیادہ تھیں لیکن محض سونے کی شکل میں بھی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس واقعے کی توجیہ کاغذی زر کے وجود سے اسی وقت کی جا سکتی ہے جب کہ کاغذی زر کی اہمیت اتنی زیادہ ہو جائے کہ اس کی وجہ سے خود سونے کی ضرورت کم ہو جائے۔ جب سونا (کاغذی زر کے مقابلے میں) کم قدر ہو جائے گا تو اس میں شک نہیں، وقت گزرنے پر اُسے برآمد کرایا جائیگا لیکن اگر نوٹوں کے جاری کرنے کا سلسلہ قائم رہے گا تو زر رائج کا کام انجام دینے کے لیے سونے کی طلب معمولی حالات کے مقابلے میں ہمیشہ کم ہو جائے گی۔ اس کی قدر گر جائے گی اور قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ افراط زر کے زمانے میں، سونے کی شکل میں قیمتوں میں جو اضافہ نظر آتا ہے اس کی غالباً جزئی طور پر یہی توجیہ کی جا سکتی ہے۔

یہ توجیہ مکمل کیوں نہیں ہے اس سوال کا جواب اس واقعے کو پیش کر کے دیا جا سکتا ہے کہ ۱۸۱۹ء کے بعد جب قیمتیں گریں تو وہ دوبارہ اپنی معمولی سطح پر نہیں پہنچیں یہ بات کہ قیمتوں کے بڑھنے کا خاص سبب دھاتوں کی ریل پیل ہی تھی یہاں اتنی واضح صورت میں نظر نہیں آتی جتنی سولھویں صدی میں نظر آتی تھی کیونکہ اس مرتبہ حالات زیادہ پیچیدہ تھے لیکن اس کے امر واقعہ ہونے میں کسی حقیقی شبہے کی گنجائش

بہت کم ہے۔

۱۸۱۰ء قیمتوں کے عروج کا آخری نقطہ تھا۔ اس کے بعد قیمتیں گرنے لگیں گو ۱۸۱۳ء تک، خراب فصلوں کی وجہ سے زیادہ نہیں گریں لیکن ۱۸۱۵ء کی صلح کے بعد، قیمتوں میں (تامین کی وجہ سے) ترقی ہوئی اور ۱۸۱۸ء میں بہت اونچی پہنچ گئیں، کچھ اس وجہ سے کہ ترقی یافتہ تجارت کی وجہ سے غذا کو برآمد اور فسلز کو درآمد کرنے کا موقع ملا۔ جب نوٹ کو دوبارہ نقد پذیر بنا گیا تو قیمتیں گر گئیں اور ۱۸۲۵ء میں کم ترین حد تک پہنچ گئیں۔ کچھ عرصے تک یہ خاصی قائم رہیں صرف چھوٹے چھوٹے اتار چڑھاؤ مختلف اسباب کی وجہ سے ہوئے۔ لیکن تقریباً ۱۸۵۰ء میں ان اسباب کی بنا پر جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ بعد کی فصل میں کیا جائے گا یہ ایک نئی ادنیٰ ترین حد تک پہنچ گئیں۔

۸۔ ۱۸۵۰ء تک قیمتوں کا زوال اور نیا عروج

یہ زوال تجارت کی ایک نہایت زبردست توسیع کی وجہ سے رونما ہوا۔ اس مرتبہ قیام امن کا اثر تمام تر اچھا ہی ثابت ہوا۔ آبادی بہت زیادہ بڑھ رہی تھی۔ مشرق کی طرف قیمتی دھاتوں کے نکاس کے سلسلے کو ابھی تک اہمیت حاصل تھی۔ قیمتوں پر ترقی یافتہ تجارت کا اثر اس مرتبہ اتنا زیادہ ہوا تھا کہ یہ زر بنک کے زبردست اضافے کے اثر پر بھی غالب آ گیا تھا۔ عام طور پر جب تجارت کے اندر بیداری رونما ہوتی ہے تو اسی زمانے میں اعتبار کی بھی ترقی ہو جاتی ہے کیونکہ باہمی اعتماد میں ایک عام اضافہ ہو جاتا ہے۔ سونے کی ضرورت کم ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ قیمتیں تک گر جائیں۔

سونا ۱۸۴۸ء میں کیلیفورنیا میں اور ۱۸۵۱ء میں آسٹریلیا خصوصاً نیو ساؤتھ ویلز اور وکٹوریہ میں دریافت کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں جتنا سونا لایا جاتا تھا اس میں بے انتہا اضافہ ہو گیا۔

ملکۂ الزبتھ کے زمانے کے مقابلے میں اس کا ظاہری اثر، قیمتوں پر کم ہوا یا کم سے کم یہ اثر نمایاں طور پر نظر نہیں آیا۔ نظریۂ مقدار زر کی تردید کے بغیر اس کی توجیہ آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ سونے کی جو مجرد مقدار اس زمانے میں گردش

کے اندر تھی وہ الزبتھ کے زمانے کے مقابلے میں اس زمانے میں کہیں زیادہ تھی نظریۂ مقدار زر کے لحاظ سے دو جداگانہ اضافوں کا اثر، موجودہ ذخیرے پر اسی صورت میں یکساں ہو سکتا ہے جب ان کا تناسب یکساں ہوتا ہے۔ دس لاکھ میں اگر ایک ہزار پونڈ کا اضافہ کیا جائے گا تو اس کا اثر وہی ہوگا جو ایک کروڑ میں دس ہزار پونڈ کے اضافے کا ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ، اس زمانے میں بین الاقوامی مبادلہ بہت نازک ہو گیا تھا۔ ایک خاص حد تک تو ایک ملک اپنے قیمتی فلزات کو، مرکزی بنک کے بٹے کی شرح بڑھا کر ملک کے اندر رکھ سکتا ہے لیکن اگر مبادلات، زیر بحث ملک کے بہت زیادہ خلاف ہوں تو فلز کو برآمد کرنا پڑے گا کیونکہ دوسرے ملکوں سے سستی اشیا خریدنے کے لیے اس کا برآمد کرنا ہی زیادہ نفع بخش ہوگا۔ برآمد کا یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ قیمتیں سونے کی برآمد کی وجہ سے، دوبارہ اپنی معمولی سطح پر لوٹ آئیں گی۔ چنانچہ سونے کی رسد، اس طرح قدرتی طور پر، مختلف ملکوں کی ضرورتوں کے مطابق تقسیم ہو جاتی ہے اور فلز کسی جگہ بھی غیر ضروری افراط کے ساتھ نہیں رہتا۔

سولھویں صدی میں، امریکا کا زیادہ تر سونا اور چاندی اسپین، نیدرلینڈ اور انگلستان کے پاس رہا کیونکہ برآمد کے امتناع کا تھوڑا بہت اثر ضرور ہوتا تھا اور زر کی برآمد کا کام بہرحال خطرناک اور پُرمصارف تھا۔ انیسویں صدی کے آخری حصے میں سونے کا زیادہ تر حصہ (اور آج تقریباً تمامتر) انگلستان نے حاصل کیا۔ لیکن بہت جلد دوسری قوموں نے اس میں سے حصہ بانٹ لیا۔ اس لیے کسی ایک ملک کے اندر قیمتوں کا اضافہ نسبتہً کم ہوا۔ نئی رسد نے کسی ایک ملک کے ذخیرے میں اضافہ کرنے کی جگہ کل یورپ کے ذخیرے میں اضافہ کر دیا۔

اس کے علاوہ محض زر رائج کو بنانے والی شے کے اضافے سے جو اثر رونما ہوا اس پر اور دوسرے اثرات بھی غالب آ گئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آخری اثر اب بھی ویسا ہی ہوا ہو جیسا کہ پہلے ہوا تھا گو اس کے رونما ہونے میں کئی وجوہ سے تاخیر ہو گئی ہو۔ معاشی زندگی، اسی زمانے میں، بہت پیچیدہ ہو گئی

تھی اور سونے کے اضافے کی تاثیر دیکھنے کے لیے بے شمار عادتوں کو توڑنا ضروری تھا اور یہ تبدیلی تدریجی طور پر ہی واقع ہو سکتی تھی۔

۹۔ عروج قیمت کے فوری اور آخری اثرات

غالباً سب سے پہلے تھوک قیمتوں میں تبدیلی واقع ہوتی تھی ان میں تبدیلی کرنا آسان ہے اور یہ ان تاجروں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں جو اپنے معاشی ماحول کی ہر تبدیلی کا اثر بہت جلد قبول کر لیتے ہیں اور یہ ایک ہی طرح کی بہت سی اشیا کو متاثر کرتی ہیں۔ دوسرے ان اشیا کی قیمتیں سب سے پہلے بڑھتی ہیں جن کی طلب عام ہوتی ہے اور جن کو بڑی مقدار میں فروخت کیا جاتا ہے خردہ قیمتیں ان سے بہت پیچھے چل کر ان کی پیروی کرتی رہتی ہیں۔ لیکن ایسے دورافتادہ علاقوں کی خردہ قیمتیں جہاں رواج کی عملداری ہوتی ہے وقت گزرنے پر ہی بڑھ سکتی ہیں۔ اجرتیں عام قیمتوں سے پیچھے رہ جاتی ہیں اور بعض تنخواہوں پر جن کا تعین رواج یا معاہدے کے ذریعے ہوتا ہے قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کے علاوہ لین داروں کو بھی اپنا واجب الوصول قرضہ پرانی بنیاد پر واپس لینا پڑتا ہے۔

اس میں شک نہیں وقت گذرنے پر تمام طبقوں کی نسبتی حالت یکساں ہو جاتی ہے لیکن اس صورت حال تک پہنچنے کے لیے، ابتری کے ایک طویل دور سے گذرنا پڑتا ہے۔ ایک قوم کے مادی مفادات جتنے زیادہ ہوتے ہیں اور معاشرے مختلف افراد کے درمیان جتنی بڑی تعداد میں پیچیدہ طریقے پر گتھے ہوئے تعلقات پائے جاتے ہیں، اتنے ہی آہستہ آہستہ زر کا اضافہ اپنا اثر ظاہر کر سکتا ہے۔

سولھویں صدی میں جب سرمایہ جمع کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ دوسرے شخص کو کاروبار میں اپنا شریک بنایا جائے تو اعتبار کا جو تجارتی مفہوم ہے لوگ اس سے تقریباً بالکل ناواقف تھے۔ لیکن انیسویں صدی میں، اعتبار موجود تھا اور اس کی وجہ سے اور زیادہ پیچیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ بعض حالات میں سو پونڈ کے ایک چک کے جاری کرنے کے معنی بالکل یہ ہوتے تھے گویا زر کے اندر براہ راست اتنی رقم کا اضافہ کر دیا گیا ہے اور اعتبار کے زیادہ تر آلات کا

کم سے کم کچھ اثر اسی طرح کا ہوتا تھا۔ اس بحث میں ہم بنک آف انگلینڈ کے نوٹوں کو نظر انداز کر سکتے ہیں کیونکہ اس کی اعتباری اجرائی (یعنی صرف تمسکات کی ضمانت پر جاری کیے ہوئے نوٹوں) کی ٹھیک ٹھیک تجدید ۱۸۴۴ء میں کر دی گئی تھی۔

زر میں جب قیمتی فلزات کا اضافہ ہوتا ہے تو آلات اعتبار کی تعداد اور نوعیت میں یقیناً بڑے اختلافات رونما ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کا ٹھیک ٹھیک اثر کیا ہوگا اس کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ اعتبار کی مقدار گھٹ جائے کیونکہ اب فلزات کے استعمال میں کفایت کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی لیکن عام طور پر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اعتبار کو ترقی ہوتی ہے۔ نظری طور پر ان ہنڈیوں اور چکوں کی ترقی کی جنھیں زر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی لیکن عملی طور پر جب ان کی مقدار بہت بڑھ جاتی ہے تو ان پر اعتبار باقی نہیں رہتا۔ فلز کی ایک ٹھوس بنیاد کا ہونا ضروری ہے۔ جب سرمایۂ محفوظ میں اضافہ ہوتا ہے تو زاید سونے کو نئے اعتبار کی بنیاد کے طور پر استعمال کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ موجودہ زمانے میں یہ ہو سکتا ہے کہ سونے کی یکبارگی ریل پیل ہو جانے سے قیمتوں کے اندر اضافہ، سونے کے اضافے کی نسبت سے زیادہ رونما ہو جائے۔

یہ بات حقیقتہً واقع بھی ہوئی۔ سولھویں صدی کے مقابلے میں قیمتوں میں اضافہ، اگرچہ کم یکبارگی طریقے پر ہوا لیکن جب ہوا تو خوب نمایاں نظر آیا۔ اس سلسلے میں قیمتی فلزات کے موجودہ ذخیرے کو اور غیر ملکوں میں اس کی نئی رسد کے زائد حصے کی برآمد کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔

ایک دوسرے اثر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ تجارت کو اس کی وجہ سے ترقی ہوئی۔ بعض قسم کی چیزوں خصوصاً اشیائے خام کے لیے نئی طلب پیدا ہوئی اور ان کی طلب آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ دوسری طرف بعض مصنوعہ اشیا کی رسد میں بہت زیادہ اضافہ ہو جانے کی وجہ سے ان کی نسبتی یا مجرد قیمت بہت گر گئی۔ تجارت کی ترقی کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنوعہ اشیا کی درجہ بندی کی جا سکتی ہے اور یہ ذہین کاروباری لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں، اس لیے ان کی قیمتیں آسانی کے ساتھ، زر رائج کی تبدیلیوں کے

اثرات کو قبول کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ اشیائے خام زیادہ تر زراعتی پیداواروں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ یہ رسم ورواج کے قوانین کی زیادہ پابند ہوتی ہیں اور ان کی قیمتوں میں اثرپذیری کم پائی جاتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آجر کے بہت سے اخراجات ایک جگہ پر قایم رہتے ہیں مثلاً اس کا لگان، اگر اس کے پاس زمین کا پٹہ ہے اور غالباً تنخواہیں۔ پھر اپنے مال کی قیمت وصول کرتے وقت وہ ان بھاری ابتدائی مصارف کے لیے بھی ایک رقم وصول کرتا ہے جو مشین وغیرہ لگاتے وقت اُسے برداشت کرنا پڑے تھے۔ ان چیزوں کا تخمینہ وہ پہلے ہی کر لیتا ہے اور عام قیمتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ان کو نہیں بدلتا۔

آخر میں وہ اپنے ملازموں پر بھی ایک حد تک قابو رکھتا ہے۔ جب تک ان کے اندر مضبوط تنظیم موجود نہ ہو یہ اس کے مقابلے میں کامیاب ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ایک عرصے تک اس کو اجرتیں بڑھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور جب ترقی مسلسل طریقے پر جاری رہتی ہے تو یہ ہمیشہ قیمتوں کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔

غرض، اجرتوں سے اگر قطع نظر بھی کر لیا جائے (جن میں ممکن ہے قیمت کے لحاظ سے اضافہ ہو جائے) آجر، پھر بھی، اپنے مصارف کو مجموعی طور پر، اس اضافے سے کم رکھ سکتا ہے جو تیار شدہ اشیا کی قیمتوں میں رونما ہوتا ہے۔ کاروباری لوگوں کا دماغ تیز ہوتا ہے اور وہ اپنے مواقع سے پوری طرح فائدہ اٹھانا جانتے ہیں چنانچہ قیمتوں میں عام اضافہ پہلے ہوتا ہے اور صنعتی توسیع بعد میں رونما ہوتی ہے۔ اس صنعتی توسیع کے پیدا کرنے میں جدوجہد پہلے سے زیادہ بلکہ بے چینی کے ساتھ کرنی پڑتی ہے اور اس تمام جدوجہد کی محرک یہ خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح یکبارگی دولتمند بن جائیں۔

اس طرح کی ترقی زیادہ تر ایک کھلی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ اول تو اس کا اثر صرف ان صنعتوں پر پڑتا ہے جو اپنی پیداوار کو تیزی اور کفایت کے ساتھ بڑھا سکتی ہیں یعنی جو قانون تکثیر حاصل کی پابند ہوتی ہیں۔ لیکن ان صنعتوں میں بھی

آجر ایک خالص مصنوعی محرک کے لالچ کے زیر اثر ایک تخمینی بازار کے لیے مال پیدا کرتا ہے۔ اس کام میں جس قدر بے انتہا محنت لگائی جاتی ہے اور غیر معمولی کوشش کی جاتی ہے اُسے برابر جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کا نتیجہ عام طور پر ایک ردّ عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے یعنی خوشحالی کے بعد کساد بازاری پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں مزید باتیں آگے چل کر بیان کی جائیں گی۔

اس کے علاوہ، دوسری صنعتوں کو اس کی وجہ سے حقیقی نقصان پہنچتا ہے۔ ایک طرف جب کثرت پیدائش رونما ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ سے زراعت و صنعت کا توازن بگڑ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زراعت پر صنعت کے بالکل برعکس اثر ہوتا ہے۔ جن بدنصیب صنعتوں میں منافع کے مواقع زیادہ نہیں ہیں مثلاً زراعت میں وہاں مال کی قیمت بہت کم بڑھتی ہے لیکن دوسری طرف کچے مال یا دوسرے ضروری مصارف مثلاً اجرتیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں بھی جب قیمتوں میں اضافہ عام ہوتا ہے اس اضافے کا تناسب مختلف رہتا ہے اور کچھ ایسی صنعتیں موجود رہتی ہیں جن میں پیدائش کا کام پیدا شدہ مال کے مقابلے میں زیادہ گراں ثابت ہوتا ہے۔

۱۸۷۰ء کے لگ بھگ سونے کی پیداوار گھٹنا شروع ہوئی۔ لیکن چاندی کی پیداوار میں، خصوصاً جو نیوادا سے آتی تھی، یکبارگی اضافہ ہوا۔ چنانچہ سونے اور چاندی کی نسبتی قدر میں ایک اہم تبدیلی شروع ہوئی اور چاندی رسد کی افراط کی وجہ سے کم قدر ہو گئی۔

۱۰۔ ۱۸۷۳ء کے بعد قیمتوں میں زوال

۱۸۷۳ء میں قیمتیں ترقی کی انتہائی حد تک پہنچ گئیں۔ فلزات کی پیداوار کا زور ختم ہو گیا۔ دوسرے تجارت میں ترقی ہو رہی تھی گو زر رائج کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے تجارت کے اندر بھی خفیف اتار چڑھاؤ پیدا ہوتے رہے۔ بنک کاری کا کام سست پڑ گیا تھا اور سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ یورپ کے ملک، تدریجی طور پر سونے کے معیار کو اختیار کرتے جا رہے تھے۔ فرانس نے ۱۸۷۳ء میں چاندی کی آزاد سکہ سازی کو موقوف کر دیا تھا اور جرمنی نے واحد معیار کو اختیار کر لیا تھا۔ اور

بعد میں دوسرے ملکوں نے بھی جرمنی کی مثال کی پیروی کی۔

چنانچہ اب قیمتیں سونے کی شکل میں بیان کی جانے لگی تھیں اور چاندی کے سکے چونکہ زر وضعی بن گئے تھے اس لیے ان کی قدر اعلیٰ تر فلیہ کی محکوم ہو گئی تھی۔ چاندی کی ایک بڑی مقدار کو گردش سے خارج کر دیا گیا تھا اس لیے اس کے حریف پر کام کا بوجھ زیادہ ہو گیا تھا اور سونے کی قدر بڑھ گئی تھی۔ غرض ان تمام وجوہ سے قیمتیں ۱۸۷۳ء کے بعد سے گرنا شروع ہو گئیں۔

اس آخری توجیہ کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ ۱۸۷۳ء کے بعد چین، جاپان اور ہندوستان میں، جنھوں نے خارج شدہ چاندی کے زیادہ تر حصے کو حاصل کیا تھا، قیمتیں بڑھنا شروع ہو گئیں کیونکہ چاندی ان ملکوں کا معیاری فلز تھی۔ ۱۸۸۴ء کے بعد، جب زاید سونا دریافت ہوا، مشکلات میں کچھ کمی واقع ہوئی اور اس کے بعد سے توازن اور بھی زیادہ چاندی کی موافقت میں ہوتا چلا گیا۔ ۱۸۸۵ء ادنیٰ قیمتوں کا سال تھا لیکن ۱۸۹۶ء کے لگ بھگ قیمتیں اپنی کمترین حد تک پہنچ گئیں۔ اس کے بعد ایک عرصے تک تبدیلیاں غیر مسلسل رہیں۔

۱۱۔ نئی صدی میں قیمتوں کا چڑھاؤ

جنوبی افریقہ اور کلون ڈایک میں سونا دریافت ہوا اور اس کے قدرتی نتیجے کے طور پر قیمتوں میں اضافہ شروع ہوا۔ نئی صدی کے آغاز تک قیمتیں بصورت مجموعی بڑھتی رہیں۔ پھر اس کے بعد ۱۹۰۲-۰۳ء میں یہ گر کر سب سے کم ہو گئیں اور ۱۹۰۷ء میں بڑھ کر سب سے زیادہ ہو گئیں، اس کے بعد ان میں یک بہ یک زوال ہوا۔ پھر اس کے بعد جنگ کے خاتمے کے بعد تک ان میں مسلسل طور پر اضافہ ہوتا رہا۔

قیمتوں کے اس چڑھاؤ کے بارے میں سخت اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور نظریۂ مقدار زر کی صداقت کے بارے میں آزادی کے ساتھ شبہے کا اظہار کیا گیا ہے۔ سونے کی رسد کے اضافے سے تمام امور کی توجیہ نہیں ہوتی۔ مثلاً ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۷ء کی بیش ترین قیمتیں اعتبار کے اضافے کا نتیجہ تھیں۔ دنیا کے بعض حصوں میں خراب فصلوں کی وجہ سے بعض عام استعمال کی چیزوں کی رسد کم ہو گئی تھی اور اشیا کی مقدار میں اس قطعی کمی کو، زر کی تبدیلیوں کے بالمقابل پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی بات کا اظہار ایک دوسرے طریقے پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ بعض اشیا مثلاً

سور کے گوشت کی قیمتوں میں اضافہ اتنا زیادہ ہوا ہے۔ اور ان کو اتنی زیادہ مقدار میں استعمال کیا گیا ہے کہ وزن کردہ اشاری عدد اس سے بہت زیادہ متاثر ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ انگلستان کو (قیمتوں کے اضافے کا) اس لیے نقصان اٹھانا پڑا ہے کہ نو کاشت زمینوں کی پیداواروں کے لیے نئے بازار پیدا ہو گئے ہیں اور اس اثر میں شدت اس لیے پیدا ہو گئی ہے کہ دوسرے ملکوں نے کروڑ گیری کے محصول عائد کرنا شروع کر دیے ہیں۔

اس لیے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ قیمتوں کے اضافے[1] کی تہ میں اگرچہ سونے کی نئی دریافت اپنا کام کر رہی تھی لیکن معاشی زندگی کے حالات اب گذشتہ صدی کے مقابلے میں اس قدر اور زیادہ پیچیدہ ہو گئے ہیں کہ ہم اس زبردست مظہر کا جس کے معاشری اثرات اتنے اہم ہو گئے ہیں کوئی ایک سبب قرار دینے کی ہرگز توقع نہیں کر سکتے۔

اس نکتے پر جتنا بھی زور دیا جائے وہ کم ہے۔ جیسا کہ ہابسن نے ثابت کیا ہے، انیسویں صدی کے وسط میں سونے کی جو دریافتیں کی گئیں ان سے پورے طور پر، قیمتوں کے چڑھاؤ کے مظاہر کی توجیہ، کم سے کم نظریۂ مقدار زر کے بلاواسطہ مفہوم کے مطابق نہیں کی جا سکتی۔ سونے نے غالباً اپنا سب سے زیادہ اثر قیمتوں پر اس طرح ڈالا ہے کہ اس وجہ سے اعتبار کی زیادہ ترقی کم شرح سود کے ساتھ ہوئی اور اس نے اپنی جگہ پر غیر ذمہ دارانہ تخمین کے لیے ایک موافق فضا تیار کر دی۔ لیکن یہی کام محدود ذمہ داری کی کمپنیوں کے قانون نے بھی انجام دیا۔ سنہ ۱۸۵۰ء اور سنہ ۱۸۷۰ء کے درمیان جو بین الاقوامی فسادات، امریکا، یورپ اور مشرق بعید میں واقع ہوئے وہ بھی ایسے عامل ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے علاوہ سنہ ۱۸۵۰ء اور سنہ ۱۸۷۰ء کے درمیان، پیدائش دولت کے طریقوں میں ایک ہمہ جہت ترقی رونما ہوئی۔ قیمتوں پر اس کے اثرات دو طریقوں پر ظاہر ہوئے ابتدائی منزلوں میں اس کا رجحان تخمینی پیداوار کی حوصلہ افزائی

---

[1] سنہ ۱۹۱۴ء تک۔

کی طرف رہا اور اس بنیاد پر قیمتوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ دوسری طرف ایک خاص نقطے پر پہنچنے کے بعد، زیادہ مقدار میں اور زیادہ سستا مال پیدا کرنے کی وجہ سے، قیمتوں میں تیزی کے ساتھ تنزل رونما ہوا اور جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے اس کو ۱۸۷۰ء کے بعد دنیا کی کارگاہ کی حیثیت حاصل نہیں رہی۔

لیکن ان واقعات کے بالمقابل، یہ بات بھی لایق غور ہے کہ ۱۹۲۵ء میں، زرعی قیمتوں میں پائداری پیدا کرنے کے لیے جس کمیٹی کا تقرر کیا گیا تھا اس سے انیسویں صدی کے نصف ثانی میں قیمتوں میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان کی توجیہ کے سلسلے میں نظریۂ طلا کو اپنی خالص شکل میں پیش کیا۔

۱۹۱۹ء سے سونے کی رسد کی آیندہ حالت ایک بہت اختلافی مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ ایک فریق کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ دنیا میں ابھی بہت سے ایسے بڑے علاقے باقی ہیں جن میں سونے کی کوئی تلاش نہیں کی گئی ہے اور ان میں نئے ذخیروں کا ملنا یقینی ہے۔ پھر ایسے کیمیاوی عمل مثلاً سائی نائیڈ کا کیمیاوی عمل ایجاد کیے گئے ہیں جو ادنیٰ تر کچ دھاتوں کی پیداوار کو بڑھا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کان کنی اب ایک اتفاقی کاروبار نہیں رہی ہے بلکہ اس میں بہت بڑا سرمایہ لگایا جانے لگا ہے اور جب تک سونے کے حاصل کرنے کی معقول توقعات نہ ہوں اس وقت تک اس کام میں روپیہ بالکل نہیں لگایا جاتا۔

اس نقطۂ نظر کی مخالفت میں، اسی قدر شد و مد کے ساتھ یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ بڑی مقدار میں سونے کی زیادہ رسد کو حاصل کرنا بہت ہی مشتبہ مسئلہ ہے اور سونے کی قلت رسد، طلب کے مقابلے میں برابر بڑھتی چلی جائے گی۔

انیسویں صدی میں جو بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ ذیل کے جدول[1] سے ظاہر ہو جائیں گی:

	قیمتوں میں سالانہ ترقی کا اوسط
۱۸۰۰ء تا ۱۸۱۵ء	۱٫۱۰ فی صد

[1]۔ پورٹر اور ہرسٹ: دی پروگریس آف دی نیشن۔

سنہ ۱۸۵۰ء تا سنہ ۱۸۷۳ء	+ ۳۵ء	فی صد
سنہ ۱۸۷۳ء تا سنہ ۱۸۹۶ء	- ۱ء۶۱	"
سنہ ۱۸۹۶ء تا سنہ ۱۹۰۵ء	+ ۱ء۵	"

۱۲۔ فلزینیت

زر رائج میں جو اتار چڑھاؤ ہو رہا تھا، اس نے فلزیتیت کو بھی ایک اختلافی مسئلہ بنا دیا۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں فرانس، بلجیم، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ نے ملکر ایک لاطینی اتحاد قائم کر لیا اور اس میں سنہ ۱۸۶۶ء میں یونان بھی شامل ہو گیا۔ سکہ سازی ایک مشترکہ بنیاد پر کی جانے لگی اور سونے اور چاندی کی نسبتی قدر کو جو قانوناً مقرر کی جایا کرتی تھی، تمام اتحادی ملکوں میں یکساں رکھا جانے لگا۔ توقع یہ تھی کہ عملاً یہی نسبت قائم رہے گی۔ فلزیتیت کا اصول، زر کے ایسے دو معیاروں کا اصول ہے جو باہم ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہوں۔

کسی ایک خاص ملک میں، فلزیتیت کو رائج کرنے کی کوششیں برابر ناقابل عمل ثابت ہوئی ہیں۔ کیونکہ گریشم کے قانون کی رو سے کم قدر فلز باہر برآمد کر دیا جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صرف ایک واحد معیار رہ جاتا ہے۔ لیکن اگر کئی ملک مل کر اس اصول کو اختیار کریں تو دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ کم قدر فلز کو دوسرے ملکوں میں برآمد کرنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ ان ملکوں میں بھی وہی قوتیں کام کر رہی ہوں گی اور یہ فلز کو واپس کر دیں گی۔ فرض کیجئے سونے کی پیداوار میں ترقی ہوتی ہے تو اس کی بازاری قدر گر جائے گی اور اس میں سکہ بننے کا میلان پیدا ہو جائیگا کیونکہ زر رائج کی حیثیت سے اس کی قدر بلند ہوگی۔

لیکن یہ سونا چاندی کو باہر نہیں نکال سکے گا کیونکہ کوئی دوسرا ملک اس کے لینے کے لیے آمادہ نہ ہوگا۔ چنانچہ سونے کے سکے ڈھالے جائیں گے یہاں تک کہ اس کی بازاری قدر، کھلے بازار میں اس کی رسد کے محدود ہو جانے کی وجہ سے، دوبارہ بلند ہو جائے گی۔ اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ قیمتی فلزات کا استعمال صنعتوں میں بھی کیا جاتا ہے۔

چاندی کی کم قدری نے اس مسئلے کو فوری اہمیت دے دی۔ اگر انگلستان بھی

اس زمانے میں، لاطینی اتحاد میں شریک ہوگیا ہوتا تو ممکن تھا اس تناسب کو قائم رکھا جا سکتا لیکن ایسا نہیں ہوا اس لیے جیت فلزیت ہی کی رہی۔ جو حالات اس زمانے میں پائے جاتے تھے ان کی موجودگی میں سونے چاندی کی بازاری اور قانونی نسبتوں کے درمیان بہت زیادہ اختلاف رونما ہوگیا۔ ۱۸۷۴ء میں لاطینی اتحاد میں چاندی کی آزاد سکہ سازی موقوف کردی گئی اور اس کے بعد جیسا انگلستان میں ۱۸۱۶ء میں ہوا تھا، دوسرے ملکوں میں بھی نظام فلزیت رائج ہوگیا۔ سونے کی پیداوار بڑھ جانے کی وجہ سے اس مسئلے پر اختلاف رائے بھی ختم ہوگیا۔

۱۳۔ دوری اتار چڑھاؤ زر کے تغیرات کا دوسرا بڑا نتیجہ صنعت کا دوری اتار چڑھاؤ تھا۔ انیسویں صدی میں تجارت کو بحیثیت مجموعی ترقی ہوئی لیکن جب دوران صدی میں، سالوں کے کسی مختصر زمانے تک توجہ کو محدود رکھا جاتا ہے تو تجارت میں جتنی مرتبہ عروج نظر آتا ہے غالباً اتنے ہی مرتبہ زوال بھی نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس مختصر زمانے میں کوئی باقاعدگی نظر نہیں آتی۔ تجارت کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ، قیمتوں میں بھی عام طور پر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔

جب ہم ایک اشاری عدد کا مطالعہ چند سال تک کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قیمتیں، ہر روز اور ہر مہینہ بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن اگر چھوٹی تبدیلیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو سال کے دوران میں تغیرات ایک خاص سمت میں نظر آتے ہیں جو ہو سکتا ہے کہ دوسرے سال بھی جاری رہیں۔ اب اگر ایک عشرے کی وسیع تر تبدیلیوں پر نگاہ کی جائے تو معلوم ہوگا کہ قیمتیں پہلے تو، یوں سمجھیے، دو تین سال تک بڑھتی ہیں اور پھر گرنے لگتی ہیں وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس سے بھی اور زیادہ وسیع تر تغیرات ہوتے رہتے ہیں جو، یوں سمجھیے ایک عشرے تک باقی رہتے ہیں۔ پھر سب سے زیادہ وسیع تغیرات وہ ہوتے ہیں جن کے اثرات ایک صدی یا اس سے زیادہ مدت میں ظاہر ہو پاتے ہیں۔

انیسویں صدی میں، تغیرات کے ان تمام نمونوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ہم صد سالہ تغیرات کو دیکھ چکے ہیں اور ان کی توجیہ، زر رواں کے تغیرات کے ذریعے کر چکے ہیں۔ اسٹینلے جیونس (۱۸۳۵ء تا ۱۸۸۲ء) نے سب سے پہلے

دوری اتار چڑھاؤ یعنی ایسے اُتار چڑھاؤ کا جو (اس کے قول کے مطابق) باقاعدہ وقفوں کے بعد واقع ہوتے ہیں مطالعہ کیا۔ اس نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ اونچی قیمتوں کے زمانے تقریباً ہر دسویں سال واقع ہوئے۔ ان زمانوں میں تجارت میں توسیع اور اعتبار میں ترقی بھی رونما ہوئی جو کچھ تو (اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ) زر کی مقدار کے اضافے پر مبنی تھی اور کچھ اس زیادہ اعتماد پر جو تیز تر پیدائش کے عقب میں رونما ہوئی اور جس نے بعد میں ایک مرض کی صورت اختیار کر لی۔ جب زائد اعتماد اور زائد پیدائش عروج پر رہی، ہمیشہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہوتا گیا جس کی وجہ سے اعتماد میں تزلزل واقع ہوا۔ اس صدمے کا اثر سارے ملک میں پھیل گیا اور نتیجہ اعتماد کے انہدام کی صورت میں ظاہر ہوا۔

یہ آشوب یا تو مالیاتی ہو سکتا ہے یا تجارتی۔ اول الذکر صورت میں بنک کار نے جتنا انھیں قرض دینا چاہیے تھا اُس سے زیادہ قرض دے دیا اور تاجر نے جتنا وہ آسانی سے ادا کر سکتے تھے اس سے زیادہ قرض لے لیا۔ جب اعتبار میں تزلزل واقع ہوا۔ تو بنک کاروں نے اپنے قرضوں کو واپس لینا چاہا یا بنک آف انگلینڈ سے جہاں وہ اپنا سرمایہ محفوظ جمع رکھتے تھے مدد کی درخواست کی۔ بعض صورتوں میں (مثلاً ۱۸۴۷ء، ۱۸۵۷ء، ۱۸۶۶ء) میں بنک آف انگلینڈ ان کی مدد کرنے سے قاصر رہا۔

ہو سکتا ہے کہ معاملات اس انتہا تک نہ پہنچے ہوں۔ اکثر تاجروں نے اپنی اس عارضی خوش نصیبی کو، جو قیمتوں کے عروج سے پیدا ہوئی، دائمی فرض کر کے جتنا انھیں پیدا کرنا چاہیے اس سے زیادہ پیدا کر لیا اور بازار میں مال کے انبار لگ گئے۔ مال کی فروخت کی مشکلات کی وجہ سے پیدائش کو کم کر دیا گیا اور تجارتی کساد بازاری شروع ہو گئی۔

۱۴۔ جیونس کا نظریہ دونوں طرح کی کساد بازاریاں اصل میں ایک ہیں اور دونوں مالیاتی وجوہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ جیونس نے اس بات کو سمجھ کر اپنے مشہور و معروف نظریے کو پیش کیا۔ اُسے اس بات کا علم تھا کہ سورج کے داغ ہر عشرے یا اس کے قریب کے زمانے میں واقع ہوتے ہیں۔ اس نے یہ قیاس کیا کہ ان کی وجہ سے سورج کی گرمی کم ہو جاتی ہے اور دنیا کے بعض حصوں

کی فصل تباہ ہو جاتی ہے۔ انگلستان میں جو غذا درآمد کی جاتی ہے، اس کی قدر زیادہ ہو جاتی ہے اور زراعتی ملکوں کے مقابلے میں ہمارا توازن تجارت غیر موافق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ توازن کو بحال کرنے کے لیے سونا برآمد کرنا پڑتا ہے اور نتیجہ زر کے مشکلات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قیمتیں گر جاتی ہیں۔ اعتبار و اعتماد یک بہ یک درہم برہم ہو جاتا ہے۔

یہ نظریہ اب زیادہ تر غیر معتبر قرار دے دیا گیا ہے لیکن غالباً اس میں تھوڑی بہت سچائی ضرور تھی[1]۔ اس کے خلاف دلیل یہ ہے کہ بحران اعتبار کی اس میعادی توسیع کا نتیجہ ہیں جس میں سرمایہ محفوظ اتنا نہیں رکھا جاتا جتنا بنظر احتیاط رکھنا ضروری ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اعتبار مشتبہ ہونے لگتا ہے تو آشوب رونما ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک زمانے تک حزم و احتیاط سے کام کیا جاتا ہے اور بنک کار اپنے سرمایۂ محفوظ کو برقرار رکھتے ہیں۔

یہ توجیہ بلا شبہہ صحیح ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خراب فصلوں کے امکانی اثرات سے ہی ہرے سے انکار کر دیا جائے۔ اس نظریے کے مخالف اس واقعے کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ اب کساد بازاریاں زیادہ عام ہو گئی ہیں اور ان کی سختی کم ہو گئی ہے[2]۔ لیکن ہمیں اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اب ہماری غذا کے سامان دنیا کے تمام حصوں سے جمع کیے جانے لگے ہیں اور دنیا میں ہمہ گیر قلت رسد کبھی واقع نہیں ہوتی۔

۵۔ تجارتی بحران: انیسویں صدی

ظاہر ہے، تجارتی اور مالی بحران میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ عام طور پر، ہر کساد بازاری میں یہ دونوں پہلو پیچیدہ طریقے پر ایک دوسرے کے اندر الجھے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان کو

---

[1] ۔ ۱۸۶۰ء تک فصل کی حالت اور تجارتی اتار چڑھاؤ کے درمیان ایک باہمی مطابقت ضرور تھی۔

[2] ۔ موجودہ کساد بازاری، انیسویں صدی کے معمولی بحران سے زیادہ بڑی ایک چیز ہے۔ آج اس بات سے کہ بحران کا کوئی عام نظریہ بھی ہے انکار کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے اور یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ ہر بحران کے خاص اسباب ہوتے ہیں۔

عملی مقاصد کے لیے کبھی بھی علٰحدہ علٰحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وضاحت کی خاطر ان دونوں میں تفریق کرنا مناسب ہے۔ انیسویں صدی کے بحرانوں کے خالص مالیاتی پہلو کا دوسری جگہ جائزہ لیا جا چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو باب دہم)۔ اب یہاں اس کے دوسرے پہلو کے بارے میں کچھ مزید باتیں بیان کر دینا ضروری ہیں۔

صنعتی انقلاب نے جن حالات کو پیدا کیا تھا اس کے نتیجے کے طور پر بڑے بڑے تجارتی اتار چڑھاؤ پیدا ہوئے۔ ان میں سے پہلا اس صلح کے بعد رونما ہوا جو واٹرلو کی جنگ کے بعد ہوئی تھی۔ صنعت میں تخمین کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یورپ اور امریکا کے بازار کے حقیقی حالات کی طرف سے بے پروا ہو کر، ان ملکوں کو چیزیں برآمد کی گئیں اور جب مال کے فروخت کرنے میں ناکامیابی ہوئی تو اعتماد میں تزلزل واقع ہو گیا، اعتباری سہولتیں واپس لی گئیں اور اس کے بعد اعتبار منہدم ہو گیا۔

۱۸۱۶ء کے اس بحران سے صنعت میں ایک نیا منظر رونما ہوا۔ ۱۷۶۰ء سے پہلے جو سیاسی اور معاشری حالات پائے جاتے تھے ان کے اندر اس قسم کا اتار چڑھاؤ تقریباً ناممکن تھا۔ سرمایہ اور اعتبار، مقدار کے لحاظ سے اتنے محدود تھے اور بازار اس قدر تنگ تھا کہ پیدائش دولت کو نہ تو موجودہ استعمال کی حد سے آگے بڑھنے کا موقع ملتا تھا اور نہ تجارت کے اندر وہ تخمینی عنصر داخل ہو سکتا تھا جو انیسویں صدی کی نہایت نمایاں خصوصیت تھی۔

دوسرا بڑا بحران جو تخمینی زاید تجارت (یعنی گم کردہ راہ پیدائش دولت) کی وجہ سے پیدا ہوا وہ ۱۸۲۵ء میں واقع ہوا جس میں جنوبی امریکا کی ہسپانوی نو آبادیوں سے تجارتی استحصال کی کوشش کی گئی۔

۱۸۳۶ء اور ۱۸۶۶ء کے بحرانوں میں مالیاتی پہلو غالب رہا۔ ۱۸۴۷ء میں بھی یہی صورت رہی گو اس بحران کو ریلوں کی زاید پیدائش یعنی ریلوں کے نظام کی اتنی تیز توسیع کا نتیجہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے جو جماعت کے دوسرے وسائل کے تناسب نہیں تھی۔

۱۸۷۵ء اور ۱۸۸۳ء کے بحران اس عام کساد بازاری کے صرف انتہائی نقطے تھے جو ۱۸۹۰ء تک چلتی رہی۔ یہ کساد بازاری جو کئی لحاظ سے موجودہ کساد بازاری سے

مشابہ ہے عالمگیر تھی اور اگرچہ اس کے اسباب بلا شبہہ بہت سے ہیں پھر بھی یہ سنہ ۱۸۳۹ء اور سنہ ۱۸۶۶ء کی طرح مالیاتی تخمین یا بنک کاری کے خراب انتظام کا نتیجہ نہ تھی۔

دوسرے الفاظ میں صنعتی اور تجارتی عناصر کو زیادہ اہمیت حاصل تھی گو جیسا کہ کسی اور جگہ بیان کیا جا چکا ہے یہ نقطۂ نظر ایسا نہیں ہے جسے تنقید سے بالا سمجھا جا سکے۔ انگلستان میں جن خاص مظاہر کا مشاہدہ کیا گیا وہ یہ تھے کہ ایک طرف تو غذا کے سامانوں اور دوسری طرف امریکا سے درآمد کی ہوئی سستی مصنوعہ اشیا کی بھرمار ہو گئی تھی۔ غیر ملکی مقابلے سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تو صنعتی طریقۂ کار کی ترقیوں نے معاشی نظام میں ابتری پیدا کر دی تھی جس کے اثر سے وہ آہستہ آہستہ ہی پنپ سکا۔

۱۶- اجرتیں

نظریۂ مقدار زر کی بنیاد پر تو یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ اجرتیں چونکہ محنت کی قیمت ہیں اس لیے ان میں بھی عام قیمتوں کے تناسب سے ترقی ہوتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عام طور پر (اشیا کی قیمتوں کے مقابلے میں) یہ پیچھے رہ جاتی ہیں۔ اگر اجرتوں کے نظریۂ پیدا آوری کا اثر خود بخود اور بلا روک ٹوک کے ظاہر ہوتا تو اجرتیں فوراً بڑھ جایا کرتیں۔ (اس کے برعکس) اگر آدم اسمتھ کے رواجی معاوضے کا تصور صحیح ہوتا تو ان میں اضافہ بہت آہستہ آہستہ ہونا چاہیے تھا لیکن عملی زندگی میں (ان دونوں کی) ایک درمیانی صورت نظر آتی ہے۔

جیونس میں نہ صرف اعداد و شمار سے کام لینے کی صلاحیت تھی بلکہ اس کے اندر ریاضی کے اور دوسری طرح کے تجزیے کی بھی بہت زبردست قوت پائی جاتی تھی وہ پیچیدہ مسائل کو سلجھا دیتا تھا۔ انگلستان میں جیونس ہی وہ شخص تھا جس نے معاشیات میں پہلے پہل نظریۂ "مختتم" کو رائج کیا۔ اجرتوں کے سلسلے میں ہم اس نظریے کی بہت سادہ تطبیق یہ کر سکتے ہیں کہ اجرتوں کا تعین اس مزدور کے معاوضے سے ہوتا ہے جسے آجر ملازم رکھنے کے لیے بس کچھ یونہی سا رضامند ہوتا ہے ایسے مزدور کو مالک کبھی ضروری اجرت سے زیادہ ادا نہیں کرے گا۔ دوسری طرف اگر مالک اس اجرت سے کم دے گا جس کا مختتم مزدور طلبگار ہوگا تو وہ اس کا کام کرنے سے انکار کر دے گا۔ چونکہ آجر کو مساوی کام کے لیے مساوی اجرت اپنے تمام مزدوروں کو ادا کرنا پڑے گی اس لیے مختتم مزدور کی اجرتیں سب مزدوروں کی اجرت کا تعین

کریں گی گویہ ظاہر ہے کہ اعلیٰ قابلیت کا معاوضہ بھی اعلیٰ ہوگا۔

اب فرض کیجئے قیمتیں بڑھ جاتیں ہیں۔ اگر اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پیدائش بھی بڑھ جائے تو زیادہ مزدوروں کو ملازم رکھنا ہوگا اور ان نوواردوں کی اہلیت کارکردگی چونکہ کم ہوگی اس لیے پرانے مزدوروں کے مقابلے میں ان کو معاوضہ کم ملے گا لیکن اس کے باوجود یہ لوگ غالباً اس وقت تک کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے جب تک انھیں وہ اجرتیں جو پہلے دی جارہی تھیں ادا نہ کی جائیں۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ اجرتیں بڑھ جائیں۔

لیکن اگر آجر کو زیادہ مزدوروں کو ملازم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ مختتم مزدور پرانی تنخواہ قبول کرنے کے لیے مجبور ہوجائے اور اجرتیں نہ بڑھیں یا کم سے کم اس حد تک نہ بڑھیں جتنی کہ عام قیمتیں بڑھی ہیں۔

۱۷۔ اجرت متعارفہ کی تاریخ

غرض اجرت بہ صورت زر کی قوت خرید، تجارت کی رفتار کے ساتھ ساتھ بدلنے کے علاوہ، قیمتوں کے تغیرات کے ساتھ بھی بدلتی رہتی ہے۔ آیئے پہلے ظاہری معاوضے پر غور کریں۔ کالی وبا سے کچھ پہلے، اجرتیں خاصی قائم نظر آتی تھیں لیکن اس واقعے کے بعد یک بہ یک بڑھ گئیں اس کے بعد آہستہ آہستہ تقریباً ۱۵۰۰ء تک بڑھتی رہیں پھر اس کے بعد زیادہ تیزی سے بڑھنے لگیں اور اس صدی کے وسط میں ان میں یک بہ یک ترقی ہوگئی اور اب اونچی قیمتوں کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ یہ اضافہ، آہستہ آہستہ ۱۷۰۰ء تک چلتا رہا لیکن اٹھارویں صدی کے نصف اول میں اجرتیں خاصی قائم رہیں۔

صنعتی انقلاب نے بلاشبہہ نئی صنعتوں کے اندر اجرتوں کو بہت بڑھا دیا۔ پرانے دستی کرگھے پر بننے والوں کی اجرت خاصی کم ہوگئی لیکن عام اجرتوں میں اضافہ ہوا کیونکہ نئی صنعتوں میں مزدوروں کی جو زاید طلب تھی اس کی وجہ سے دوسری صنعتوں کے مزدور غائب ہوگئے۔ اس سے مزدوروں کی رسد کم ہوئی اور ان کی بازاری قدر بڑھ گئی۔ یہ اثر زراعت و صنعت میں تقریباً ۱۸۲۰ء تک جاری رہا۔

اس کے بعد یکبارگی زوال ہوا جو دس یا بیس سال تک جاری رہا۔ اس کے بعد تیزی کے ساتھ پھر عروج ہوا جو تقریباً ۱۸۷۵ء تک چلتا رہا۔ اجرتیں ۱۸۷۹ء میں (اس

دور کے لحاظ سے) کمترین حد تک پہنچ گئیں اور یہی صورت دوبارہ ۱۸۸۶ء میں (عروج کے بعد) واقع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۰۰ء تک مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۰۰ء۔۱۹۰۴ء تک ایک اور عارضی زوال ہوا اور ۱۹۰۷ء میں بیش ترین ہو گئیں۔ آئندہ کے دو سالوں میں اجرتیں گریں لیکن ۱۹۰۹ء کے بعد سے بڑھ گئی ہیں۔ ۱۸۵۰ء میں اجرتوں کی جو حالت تھی اس کے مقابلے میں ۱۹۱۴ء میں اجرتیں دگنی ہو گئی تھیں فطرت پر انسان کا اقتدار بڑھتا جا رہا ہے اور ترقی یافتہ نقل و حمل نے اشیاء خام کو سستا کر دیا ہے۔ وسیع تر بازاروں کو دریافت کیا گیا ہے دوسری طرف بڑھتی ہوئی آبادی نے بڑے پیمانے کی صنعت کو ممکن بنا دیا ہے۔ اگر ہم چھوٹے چھوٹے تغیرات کو نظرانداز کر دیں تو اجرتوں میں ہمیں مسلسل ترقی نظر آتی ہے۔

ذیل کے جدولوں سے قیمتوں کے عام رجحان کا اندازہ کیا جا سکے گا:۔

انگلستان اور ویلز میں زرعی مزدوروں کی ہفتہ وار اجرت کا اوسط[1]

۱۷۶۷ء تا ۱۷۷۰ء	۷ شلنگ ۳ پنس	۱۸۵۱ء	۹ شلنگ ۷ پنس
۱۷۹۵ء	۹ ” – ”	۱۸۶۰ء	۱۱ ” ۷ ”
۱۸۲۴ء	۹ ” ۶ ”	۱۸۷۰ء	۱۲ ” ۵ ”
۱۸۳۲ء	۱۰ ” ۳ ”	۱۸۸۰ء	۱۳ ” ۹ ”
۱۸۳۷ء	” ”	۱۸۹۲ء-۹۳ء	۱۳ ” ۴ ”

مانچسٹر کے ضلع میں سوت کاتنے والوں کی ہفتہ وار اجرت کا اوسط

۱۸۰۲ء	۲۲ شلنگ ۲ پنس	۱۸۴۹ء	۲۱ شلنگ ۷ پنس
۱۸۱۰ء	۳۰ ” ۲ ”	۱۸۵۹ء	۲۴ ” ۱ ”
۱۸۱۵ء	۲۸ ” ۱۱ ”	۱۸۷۰ء	۲۷ ” ۸ ”

لہ اے۔ ایل۔ باؤلے، انیسویں صدی میں سلطنت متحدہ برطانیہ کی اجرتیں۔

۱۸۱۹ء	۲۸ شلنگ ۱۱ پنس	۱۸۸۰ء	۳۳ شلنگ ۶ پنس
۱۸۳۳ء	۲۷ " ۱ "	۱۸۸۶ء	۳۵ " ۷ "
۱۸۴۱ء	۲۲ " — "	۱۸۹۳ء	۳۷ " — "

۱۸- اجرت صحیحہ کا مفہوم

اجرت صحیحہ کی تاریخ سے جب بحث کی جاتی ہے تو معاملہ کچھ اور ہی نظر آتا ہے اگر عام قیمتیں دُگنے سے بھی زیادہ ہو جائیں تو اجرت متعارفہ کو دُگنا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ صوبوں کے مقابلے میں، لندن کے اندر، اجرتیں زیادہ ہیں اور اس ظاہری اختلاف کی وجہ سے دارالسلطنت میں لوگوں کی خوب ریل پیل رہتی ہے۔ تاہم گمان غالب یہ ہے کہ مزدوروں کی مالی حالت دیہات میں، لندن کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہاں خرچ کے مقابلے میں اُن کی آمدنی عام طور پر زیادہ ہوتی ہے۔ شہر کے مصارف زندگی کو، ایسے مصارف جو بالکل ناگزیر ہیں مثلاً مکان کا کرایہ، بہت زیادہ کر دیتے ہیں۔

آیئے ایک دوسری انتہائی مثال کو لے کر دیکھیں۔ بہت سے لوگ یہ دیکھکر کہ روپے کی صورت میں اجرت یا تنخواہ زیادہ مل رہی ہے، نوآبادیوں میں جانے کے لیے مایل ہو جاتے ہیں لیکن یہ زندگی کے ان اعلیٰ تر مصارف کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں جو ایک زیادہ ابتدائی زندگی بسر کرنے والی قوم کے اندر، رسمی آرام رساں چیزوں بلکہ ضروریات کی فراہمی کے سلسلے میں برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ اس لیے عملی مقاصد کے لیے اجرتوں کا تنہا مطالعہ بے معنی ہے ان کے مطالعے کو قیمتوں کے مطالعے کے ساتھ ملانے کی ضرورت ہے۔

اینگلس کا قانون ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ ہم معاشری درجہ بندی کے جتنے زیادہ زیریں تر طبقوں کا مطالعہ کرتے ہیں، اتنا ہی ان کی مجموعی آمدنی کا بیش تر تناسب غذا اور دوسری لازمی ضرورتوں کی فراہمی پر صرف ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ جب ہم ایک بہت اونچی مہذب جماعت کے مقابلے میں ایک ابتدائی جماعت یا موجودہ زمانے کے ایک ملک کے مقابلے میں گذشتہ زمانے کے اسی ملک کو رکھتے

ہیں تو وہاں بھی ہمیں اسی قانون کا عملدرآمد نظر آتا ہے۔ بہت ابتدائی زمانوں میں جب دولت کے معنی مہمان نوازی اور نمائش ہوتے تھے، آمدنی کا تقریباً تمام تر حصہ غذا اور لباس پر خرچ کر دیا جاتا تھا۔

ایک صدی پہلے جب مالتھس اور کارڈو، اجرت کے آہنی قانون کو اپنے زمانے کی اجرتوں پر منطبق کر رہے تھے، مزدوروں کی اجرت، محض بقائے زندگی کے لیے کافی سمجھی جا سکتی تھی۔ گھر کے نام سے موسوم کیے جانے کے لیے ایک سر چھپانے کی جگہ کافی تھی اور روٹی ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا تھا۔ پھر بھی وہ زمانہ بھی تھا جس میں غلے کے قوانین بھی جاری تھے۔

چنانچہ ان مثالوں میں، اور کسی حد تک، عہد وسطیٰ کے پورے زمانے میں، مزدوروں کی خوشحالی، روٹی کی قیمت اور اس لیے گیہوں کی قیمت کے ساتھ کچھ اس قریبی طور پر وابستہ نظر آتی تھی کہ اس کا آج تصور کرنا بھی تقریباً ناممکن ہے۔ چنانچہ حقیقی اجرتوں کے معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اجرت بہ صورت زر کا موازنہ غلے کی قیمت سے کر کے دیکھا جائے۔ (ضروری نوٹ:۔ زری قدر نمائی کی تبدیلیوں کو یعنی گنی کے معاوضے میں شلنگوں کی تعداد میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان کو بھی احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔) اس طرح ہم یہ پتا چلا سکیں گے کہ کسی خاص وقت میں غلے کی کس قدر مقدار کو اجرت بہ صورت زر سے خریدا جا سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ آمدنی کو بہ تمام و کمال غلے کی خریداری پر ہی صرف کیا جائے۔ لیکن غلے کی مقدار میں جو تبدیلی ہوگی اس سے اجرت صحیحہ کو جانچا جا سکے گا۔

گذشتہ صدی میں، خصوصاً غلے کے قوانین کے منسوخ ہو جانے کے بعد سے گیہوں کی اہمیت مزدوروں کے بجٹ میں برابر کم ہوتی چلی جا رہی ہے اس لئے (اس زمانے کے لیے) اوپر کا یہ طریقہ ناکام ثابت ہوگا۔ اس سے اجرت صحیحہ بہت بلند نظر آئے گی کیونکہ اب آمدنی صرف روٹی کے حاصل کرنے پر خرچ نہیں کی جاتی بلکہ دوسری زیادہ مصارف کی رسمی ضرورتوں پر بھی خرچ کی جانے لگی ہے۔ اس لیے اشاری عدد کے استعمال کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ اگر اجرتوں میں

اضافہ، اشاری عدد کے اضافے کی نسبت سے کم ہوا ہو تو ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اجرت صحیحہ گر گئی ہے بشرطیکہ ہمیں اس بات کا یقین ہو کہ اس معیار میں جن اشیا کی نمایندگی ہوئی ہے انھیں مزدور پیشہ طبقے واقعی استعمال کرتے ہیں۔

۱۹۔ اجرت صحیحہ کی تاریخ

گیہوں کے طریقے کو استعمال کرتے وقت ہمیں اس بات پر احتیاط کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ گو ہمارا یہ آلہ بہترین ہے لیکن اس سے یقینی نتائج حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ تاہم جن نتائج پر ہم پہنچتے ہیں ان کی تائید سیاسی واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ کالی وبا سے پہلے اجرت صحیحہ میں اضافہ ہوا اور جب یہ اپنا کام کر چکی تو مزدوروں کی رسد کی کمی سے اجرت صحیحہ میں اور بھی زیادہ اضافہ واقع ہوا۔ یہ اثر تقریباً ۱۴۵۰ء تک باقی رہا اور اگرچہ پچاس سال تک اتار چڑھاؤ ہوتے رہے لیکن کوئی مستقل تبدیلی نہیں ہوئی۔

مزدوروں کی کمی کی وجہ سے حدبندی کی تحریک شروع ہوئی اور اس سے مزدوروں کی طلب کم ہو گئی۔ دوسری طرف، اسی کے ساتھ ساتھ ۱۵۰۰ء کے بعد، امریکا کی دریافت کے نتیجے کے طور پر قیمتوں میں ترقی واقع ہوئی۔ چنانچہ اجرت صحیحہ میں ایک سخت زوال رونما ہوا جو تقریباً ۱۶۳۰ء تک برابر باقی رہا۔ اس کے اندر صرف دو دفعہ خلل واقع ہوا۔ ایک ۱۵۳۰ء میں اور دوسرے الزبتھ کی حکومت کے زمانے میں

اس کے بعد اجرت صحیحہ میں ایک حد تک قیمتوں کے زوال کی وجہ سے ترقی ہوئی (گو سترھویں صدی میں اتار چڑھاؤ بہت ہوتے رہے) اور یہ سلسلہ صنعتی انقلاب کے آغاز تک چلتا رہا۔ تقریباً ۱۷۵۰ء کے بعد، اجرت بہ صورت زر میں گو بہت اضافہ ہوا لیکن قیمتوں میں اضافہ اس سے بھی زیادہ ہو گیا اور اجرت صحیحہ ان اسباب کی وجہ سے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، گر گئی اور کمترین نقطے پر ۱۸۰۰ء کے فوراً بعد پہنچ گئی۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ ترقی ہوئی جو ۱۸۵۰ء تک جاری رہی اور اس تاریخ کے بعد اجرت صحیحہ میں بحیثیت مجموعی (اتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ) برابر اضافہ ہوتا رہا۔ جب اس اضافے کو گیہوں کے معیار سے ناپا جاتا ہے تو بہت ہی نمایاں نظر آتا ہے اور جب اشاری عدد کے نسبتہً زیادہ سخت معیار سے ناپا جاتا ہے تب بھی بہت

قابل لحاظ معلوم ہوتا ہے۔

اس زمانے میں اتار چڑھاؤ کسی حقیقی پسپائی کی وجہ سے نہیں بلکہ عارضی اسباب کی وجہ سے رونما ہوئے جیسے تخمین کے یک بہ یک ظاہر ہونے کے بعد تجارت کے اندر ردعمل پیدا ہو جانے کی وجہ سے یا قیمتوں کے یکبارگی بڑھ جانے کی وجہ سے۔ ترقی کی بڑی لہروں میں یہ چھوٹی لہریں غالباً برابر اٹھتی رہی ہیں لیکن جب سے صنعتی انقلاب نے پیدائش اور فروخت دولت کی اس ثبات و پائداری کو توڑ ڈالا جو عہد وسطیٰ میں پائی جاتی تھی اس وقت سے ان کی اہمیت نسبتہً زیادہ ہو گئی ہے۔ دوسری طرف صرف دولت کی تبدیلیوں مثلاً فیشن کے بدلنے کا اثر بھی عدم ثبات کی جانب کام کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ لاطینی یونین کے ٹوٹنے اور یورپ کے اندر عام طور پر فلزیت کے اختیار کرنے کا اثر یہ ہوا ہے کہ سونے کا معیار زر رکھنے والے ملک اور مشرق کے چاندی کا معیار استعمال کرنے والے ملک دونوں فلز کی رسد کے تغیرات کا اثر بہت زیادہ قبول کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب قیمتیں زیادہ آسانی سے بدل جاتی ہیں اور ان کی اس تبدیلی کا اجرت صحیحہ پر اثر پڑتا ہے۔

نئی صدی میں کساد بازاریاں بھی ہوئی ہیں جن کے ساتھ بے روزگاری اور دوسری برائیاں بھی آئی ہیں۔ بعض ایسے زمانے رہے ہیں جن میں معاشری بے چینی نسبتہً زیادہ تشویشناک رہی ہے۔ ان میں اجرتیں ایک حد تک ہڑتالوں کی وجہ سے بڑھتی رہی ہیں لیکن قیمتیں ان سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھتی رہی ہیں۔ ۵-۱۹۰۴ء میں اجرتیں کم ترین ہو گئی تھیں۔ پھر ۱۹۱۰ء میں بھی یہی ہوا لیکن ۱۹۲۰ء سے اجرت متعارفہ میں تو زوال یا قیام نظر آتا ہے لیکن اجرت صحیحہ برابر بڑھ رہی ہے۔

باب (۱۲)

حکومت کی نگرانی، فیکٹری کے قوانین

۱۔ تمہید حکومت کی طرف سے، صنعت کی نگرانی کا سلسلہ انگلستان کی تاریخ میں خاصا طویل نظر آتا ہے۔ اس کے پچھلے آثار کا پتا پلانٹے جینٹ حکمرانوں کے زمانے تک چلایا جاسکتا ہے۔ ابتدائی ایڈورڈوں کے زمانے میں یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ انگریز قوم ایک ہی طرح کی بہت سی خودمختار جاگیروں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت معاشی، نیز سیاسی اور فوجی مفہوم کے لحاظ سے ایک واحد کل کی سی ہے۔

یہ نگرانی کس طرح تدریجی نشو و نما کے ذریعے، پندرھویں صدی میں، ایک ایسا ترقی یافتہ اور قومی نظام بن گئی جسے ٹیوڈر اور اسٹوارٹ حکمرانوں کے زمانے میں، تجارتیت کے نام سے موسوم کیا گیا اور ۱۶۸۸ء کے بعد کو لبرٹ کے پارلیمنٹری نظام کے نام سے۔ ان سب باتوں کا خاکا ہم حصۂ اول میں پیش کر چکے ہیں۔ وہاں

ل۔ ابواب چہارم و پنجم۔

یہ بتلایا گیا تھا[1] کہ سولھویں صدی میں صنعت کی نگرانی کا مقصد محض قومی قوت کا تحفظ ہی نہیں تھا بلکہ مزدور جن حالات میں روزی کماتا تھا ان کے بارے میں حکومت اپنی ذمہ داری کو محسوس اور پورا کرتی تھی اور پارلیمنٹ نے بہت سے ایسے قانون منظور کیے جن کے ذریعے اس زمانے کے خیالات کے مطابق مزدوروں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔

یہ خیال کہ حکومت کا یہ فرض ہے کہ صنعتی معاملات میں اپنی کمزور تر رعایا کا ساتھ دے، اٹھارھویں صدی کے شروع ہو جانے کے بعد تک باقی رہا کیونکہ جب ۱۷۲۷ء کا قانون اتحاد، پارچہ بافوں کی انجمنوں کے خلاف منظور کیا گیا تو اس کے دوسرے سال پریوی کونسل نے مالکوں کی اس کوشش کے خلاف کہ وہ کام کے گھنٹوں کو طویل کرنا چاہتے تھے، مزدوروں کی حمایت میں مداخلت کی۔ لیکن چارلس اول اور پارلیمنٹ کے مابین جو خانہ جنگی ہوئی تھی اس کے بعد سے حکومت کی طرف سے، مزدور کے تحفظ کا کام برابر زوال کی طرف مائل چلا آرہا تھا۔ الزبتھ کے زمانے کے قوانین کو سب سے بڑا صدمہ کرامویل کے زمانے میں پہنچا تھا۔ کاریگروں کے قانون کے ماتحت، آنریری مجسٹریٹوں کی طرف سے اجرتوں کا جو تعین کیا جاتا تھا وہ بہت سی صورتوں میں محض ایک رسمی کارروائی رہ گیا تھا۔ کارآموزی کو اب بھی بہت سی صنعتوں میں ضروری سمجھا جاتا تھا لیکن اس نظام کے خلاف بے اطمینانی ظاہر ہونے لگی تھی۔ جب مرکزی حاکموں کا اختیار، مقامی معاملات میں باقی نہیں رہا اور مقامی نگرانی بالکل ختم ہوگئی تو صناع زیادہ آزاد ہوگئے۔

۲۔ صنعتی انقلاب کا اثر

صنعتی انقلاب نے تبدیلی کو ناگزیر بنا دیا۔ مخصوص جگہوں میں، ایک مقررہ طریقے کے مطابق، مزدوروں کو کام سے لگانے کا پرانا نظریہ غائب ہوگیا تھا لیکن ابھی تک آنریری مجسٹریٹوں کو بڑے اختیارات حاصل تھے۔ عملی طور پر، وہی تمام معاہدوں کی نگرانی کرتے تھے اور اس طرح ثبات و پائداری کو ترقی دینے اور ملازمت کی مدت کو مناسب

---

[1] ملاحظہ ہو محتاجوں کے وہ قانون جو ٹیوڈر حکمرانوں کے زمانے میں بنائے گئے۔

حد تک بڑھانے کا امکان ایک نئے طریقے پر رونما ہوگیا تھا۔ نظری طور پر یہی مجسٹریٹ اجرتوں کو بھی مقرر کرتے تھے اور بعد کے زمانے میں بھی ان کا یہ اختیار دوبارہ رائج ہونے لگا تھا۔

لیکن دوسری سمت میں بہاؤ بہت تیزی سے شروع ہوچکا تھا۔ ۱۷۵۰ء کے بعد سے مجسٹریٹوں نے اجرتوں کے مقرر کرنے کے اختیارات سے بہت کم کام لیا اگرچہ ایک ایکٹ ۱۷۷۳ء میں بھی اس غرض کے لیے منظور کیا گیا تھا کہ اسپی ٹل فیلڈز کے پارچہ بافوں میں مقررہ شرح اجرت کو رائج کرایا جائے۔ اٹھارھویں صدی کے خاتمے پر، مزدوروں کی آبادی صنعتی تبدیلیوں کی وجہ سے جن ہولناک مصائب میں مبتلا ہوئی اس نے، صنعتی اور زراعتی دونوں طرح کے مزدوروں میں اس مطالبے کو عارضی طور پر دوبارہ رائج کردیا کہ اجرتیں حکومت کی طرف سے مقرر کی جائیں۔ ۱۸۰۰ء کے ثالثی قانون نے، روئی کی صنعت میں، پارچہ بافوں کی اجرتوں کی شرح پر پابندی عاید کرنا چاہی لیکن اس قانون کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ایک اور ناکام کوشش ۱۸۰۸ء میں کی گئی۔ ۱۸۱۳ء میں مجسٹریٹوں کا اجرتیں مقرر کرنے کا اختیار ختم ہوگیا۔ اس کے ایک سال بعد الزبتھ کے قانون میں جو کارآموزی کی دفعات پائی جاتی تھیں اور جو اس وقت بھی کچھ نہ کچھ اثر رکھتی تھیں غائب ہوگئیں اور صنعت میں عدم مداخلت کو ایک مکمل گو عارضی فتح حاصل ہوگئی۔

یہ فتح مستقل ثابت نہ ہوسکی کیونکہ رائے عامہ کے با اثر رہنماؤں کے ہمدردانہ جذبات ان خراب حالات کو کسی طرح برداشت نہ کرسکتے تھے جو فیکٹری نظام کی ابتدائی منزلوں میں پائے جاتے تھے۔ ۱۷۸۴ء جیسے ابتدائی زمانے ہی میں مانچسٹر کے مجسٹریٹوں نے ایسی قرار دادیں منظور کیں جن کے ذریعے بچوں کے کام کے اوقات کو مقرر کردیا گیا اور ۱۸۰۲ء میں الزبتھ کے مزدوروں کے قوانین کی منسوخی سے پہلے پہلا فیکٹری کا قانون منظور کیا گیا۔

لیکن مانچسٹر کے مجسٹریٹوں کی قرارداد اور ۱۸۰۲ء کے فیکٹری کے قانون کو صنعت پر نگرانی قائم کرنے کی کوشش نہ سمجھنا چاہیے بلکہ انھیں محتاجوں کے پرانے قانون ہی کی ایک توسیعی شکل سمجھنا چاہیے۔ ۱۶۰۱ء کے قانون کی یہ ایک بنیادی خصوصیت

تھی کہ اس میں محتاج بچوں کو کسی نہ کسی صنعت میں کارآموز بنانا ضروری قرار دیا گیا تھا اور سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے پورے زمانے میں ان کی فلاح وبہبود کی کچھ نہ کچھ ذمہ داری کم سے کم نظری طور پر مقامی حکام پر عائد کی جاتی تھی۔

صناعوں کی نئی اور مستعد نسل کی پیہم کوششوں کی وجہ سے، عدم مداخلت کو فتح حاصل ہوئی۔ ان لوگوں نے پارلیمنٹ کو اپنا ہم خیال بنالیا تھا۔ دارالعلوم میں آبادی کے صرف ایک محدود حصے کی نمایندگی تھی اور اس زمانے میں جب رشوت کا بڑا زور تھا دولتمند لوگوں کے لئے اپنا مقصد حاصل کرنا آسان تھا۔ امرا کو حکومت کا جو اجارہ اب تک حاصل تھا وہ ٹوٹ رہا تھا۔ قانون سازوں کی ایک نئی نسل پیدا ہورہی تھی جو دولت میں امرا سے بھی زیادہ اور خود غرضی میں ان کے برابر تھی۔

۴۔ وہگ اور ٹوری صناع، وہگ جماعت کے مفاد کی موافقت میں تھے اور امرا ٹوری جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ وہگ بحیثیت مجموعی ترقی پسند تحریک کی نمایندگی کرتے تھے اور ٹوری قدامت پسندی کی۔ یہ دونوں سیرت، عادات، گذشتہ حالات اور دماغ کی ساخت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے۔ ایسے زمانے میں جب سیاسی اقتدار، نفع کا ذریعہ تھا، ان لوگوں کا مخالف ٹولیوں سے تعلق رکھنا تعلقات میں اور زیادہ کشیدگی کا باعث تھا۔ اس کے علاوہ وہگوں کے مادی فوائد، زمینداروں کے مفاد کے خلاف تھے۔ غلے پر محصول درآمد اگر نہ لگایا جاتا تو مزدور کو اجرت کم دینا پڑتی اور نفع کی شرح بڑھ جاتی۔ اسی طرح جب صناعوں کو تحفظ مل جاتا تھا تو زمیندار یہ کہنا شروع کردیتے تھے کہ قیمتیں گراں ہوگئی ہیں۔

اس لئے ہمیں اس بات پر تعجب نہ کرنا چاہئے کہ ٹوری طبقے کے لوگ نئے صنعتی نظام کو شبہہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ صناع ترقی کررہے تھے اور ان کے اہم حریف بنتے جارہے تھے۔ ان کی طاقت اتنی زبردست ہوگئی تھی کہ باوجود اس کے کہ طبقاتی قانون سازی کو ابھی تک غلبہ حاصل تھا لیکن پھر بھی یہ کام اب زمینداروں کے فائدے کے لئے نہیں کیا جاتا تھا اس کے علاوہ قدرتی طور پر، ٹوری طبقے کے لوگ گذشتہ زمانے کے ان پرانے حالات کو

محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جب بے اطمینانی کا جوش پیدا نہیں ہوا تھا۔ الزبتھ کے اس نظام کے حمایتی ابھی تک موجود تھے جسے اس قدر مضبوط اور ٹھوس طریقے پر تعمیر کیا گیا تھا کہ اس کے برباد کرنے میں دو سو سال لگانا پڑے تھے۔

غرض ہمیں ایک عجیب منظر نظر آتا ہے۔ ایک طرف پرانی پابندیاں یک قلم موقوف کی جا رہی تھی لیکن دوسری طرف ٹھیک اُسی وقت نئے قسم کے ایسے قانون بھی بنائے جا رہے تھے جن کی تہ میں وہی نظام کام کر رہا تھا جسے واقعات کی ترقی نے برباد کر دیا تھا۔ جس حد تک الزبتھ کے نظام کے رواج سے مزدوروں کو فایدہ پہنچنے کا فعل تھا، جیسا کہ ایک حد تک یقیناً پہنچتا بھی تھا اس حد تک اس نظام میں انسانی ہمدردی موجود تھی چاہے مزدور اس کا اعتراف نہ کریں اور ان کے دل میں ان قوانین کی طرف سے جو ان کی آزادی پر پابندی عائد کرتے تھے کتنی ہی بے اطمینانی بلکہ مخالفت ہی کیوں نہ ہو۔ گداگروں کے خلاف قانون، اگرچہ، سخت تھے اور ان کا اثر یہ ہوتا تھا کہ مزدور پیشہ طبقے کی آزادی محدود ہو جاتی تھی لیکن اس کا نتیجہ یہ تھا اور یہی قانون وضع کرنے والے چاہتے بھی تھے کہ جس طبقے پر پابندی لگائی گئی تھی اس کی مادی، اخلاقی اور معاشرتی حالت میں بہتری پیدا ہو گئی تھی۔

۴۔ ایک نئی راہ الزبتھ کے زمانے میں قانون بنانے کی ضرورت ان خرابیوں کی وجہ سے پیش آئی تھی جو ایک زبردست اور یکبارگی ترقی کے ساتھ غیر منفک طریقے پر وابستہ ہوتی ہیں۔ اب کہ مزدور پیشہ طبقہ نئے حالات کی وجہ سے پوری طرح ترقی پا چکا تھا اسی قسم کے طریقوں کے اختیار کرنے کی دوبارہ ضرورت تھی۔ تاہم ایک بڑا فرق پایا جاتا تھا۔ انگلستان کی تاریخ میں اب پہلی مرتبہ، مزدور پیشہ طبقوں کے حالات کو بہتر کرنے کی ایسی بلا واسطہ کوشش کی جا رہی تھی جو خاصے طویل زمانے تک جاری رہی۔ الزبتھ کے زمانے میں ناداروں کے ساتھ خاص برتاؤ کیا جاتا تھا لیکن تندرست لوگوں پر اس طرح نگرانی رکھی جاتی تھی کہ انھیں اپنی مدد آپ کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ ایک ادنےٰ تر طبقے پر ایک سرمایہ دار اقلیت کے ظلم و جبر کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

اس کے بالمقابل، مزدور پیشہ طبقے کے حالات میں بہتری پیدا کرنے کی کوشش، انیسویں صدی کے وسط تک بارآور نہ ہو سکیں۔ ابتداءً آغاز الزبتھ کے طریقے پر کیا گیا۔ اس معاملے میں کوئی نئی راہ اختیار نہیں کی گئی اور اس سے صرف ناداروں کے بچے متاثر ہوئے۔

ٹوریوں کے یہاں، انسانی ہمدردی کی جو روایت چلی آرہی تھی وہ صنعتی انقلاب کے اُن اثرات کی ناہمواری جن سے اُسے کوئی ہمدردی نہیں تھی دور کرنا چاہتی تھی۔ پرانے حالات غائب ہو گئے تھے اور قدامت پسند مدبروں نے وہی کیا جو برکلے اور اس کے ساتھیوں نے کیا تھا۔ ہمیں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ٹوری اخلاقی حیثیت سے دوسروں سے کچھ زیادہ برتر تھے۔ وہ مزدوروں کی مربیانہ سرپرستی تو ضرور کرتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ انھیں کم درجے کا بھی سمجھتے تھے نئے انفرادیت پسند صناعوں کی غیر ہمدردانہ خودغرضی کے مقابلے میں اپنین ہم لینڈ کی پالیسی میں جو جذبۂ ہمدردی کام کر رہا تھا، اُس سے مزدوروں کو بے انتہا زیادہ نقصان پہنچا۔ کم سے کم معاشیات کے ماہروں نے خلوص کے ساتھ نئے نظام کو تائید کے لائق اور مربیانہ قانون سازی کو ناپسندیدہ سمجھا۔

ایک لحاظ سے صناع اپنے حریفوں سے اتنے زیادہ طاقتور تھے کہ وہ ان کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ اس زمانے میں یہ برابر تسلیم کیا جاتا رہا کہ تندرست بالغ لوگ اپنے مفاد کا تحفظ خود کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس بنا پر سب سے زیادہ نقصان، دستی گر گھے پر کام کرنے والے پارچہ بافوں کو پہنچا اور چونکہ یہ سرمایہ داروں کے بلاواسطہ حریف تھے اس لئے ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کی گئی۔ لیکن افسوسناک بات یہ تھی اور اسی کی وجہ سے سارا فساد پیدا ہوا کہ ان دستکاروں کی جگہ بچوں سے کام لیا جانے لگا۔ مشین کے چلانے کے لئے کسی ایسے مزدور کی ضرورت نہیں تھی جس کی تربیت کے مصارف بہت ہوں اور جہاں لڑکوں کے کام کی کارکردگی کم بھی ہوتی تھی وہاں ان کو ملازم رکھنے کے مصارف کہیں زیادہ ارزاں ثابت ہوتے تھے۔

۵۔ مصلحوں کا دعویٰ	عدم مداخلت کی دلیل کے جواب میں (مصلحوں کی طرف سے)

اس واقعے کو پیش کیا جاتا تھا کہ بچے اپنے والدین کی نگرانی میں ہوتے ہیں اور یہ نہ تو اپنی خبر گیری خود کر سکتے ہیں اور نہ انھیں اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ یہ جو چاہیں کر سکیں۔ بہت سے والدین قطعی طور پر خود غرض ہوتے ہیں، کچھ ظالم اور سنگدل ہوتے ہیں اور اکثر کی یہ رائے ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ ہر شخص جس طرح سلوک چاہے کر سکتا ہے۔ بچوں کی اور آیندہ نسل کی خاطر، ٹوری رجعت پسندوں نے یہ محسوس کیا کہ حکومت کو مداخلت کرنا چاہئے۔

مداخلت کی حمایت میں اور باتیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ مل کے مالک، نادار مزدوروں کو، خصوصاً چھوٹی دور افتادہ گرنیوں کے لئے، بڑے شوق سے تلاش کرتے رہتے تھے۔ سرپرست اپنے بوجھ کے ہلکا ہو جانے سے خوش ہوتے تھے اور اس قسم کی کوئی تحقیقات جس سے ان کے واپس آنے کا امکان پیدا ہو نہیں کراتے تھے۔ یہ بات خاص طور پر لایق غور ہے کہ نادار اور کچھ غیر نادار بچوں کو باقاعدہ طور پر کار آموز بنایا جاتا تھا۔ نادار بچوں کو تو پہلے بھی کار آموز بنایا جاتا تھا لیکن اب یہ رواج زیادہ عام ہوتا جا رہا تھا۔

حکومت نے کار آموزی کے نظام کی حمایت کی تھی اور اس طرح ایک لحاظ سے اپنے آپ کو اس کے معقول انتظام کا ذمہ دار بنا لیا تھا۔ اس کے بعد اس نظریے کی طرف کہ اگر سخت معاشی خرابیاں اس سلسلے میں موجود ہوں تو حکومت کے لئے مداخلت کرنا لازمی ہے، دوسرا قدم اٹھانے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ اس طرح گذشتہ قانون سازی کے ساتھ تسلسل پیدا کرنا ممکن ہو گیا اور عدم مداخلت کے اصول سے بھی بذات خود کوئی حقیقی انحراف نہیں کیا گیا۔

ظاہر ہے اس کے بعد اور بھی ترقیاں ہوئیں۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ فیکٹری کے قانون کے حدود کو وسیع کرنا پڑا۔ دوسری طرف نگرانی کے نئے طریقے میں بھی ترقی نظر آنے لگی۔ اس کی حیثیت تبدیلی کے مقابلے میں محض ایک قدامت پسندانہ مداخلت کی نہیں رہی بلکہ اس کے اندر ایک ترقی پسند اور انقلابی روح کام کرنے لگی۔

رہا سوال خرابیوں کی ان تفصیلات کا جنھوں نے مداخلت کو ناگزیر بنا دیا تو

اس سلسلے میں ہمیں سب سے پہلے اس بات پر توجہ کرنا چاہئے کہ آجروں کی روپیہ کمانے والی نئی جماعت فیکٹری کو صرف نفع کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اصل عمارت کو جتنا سستے سے سستا ممکن تھا تعمیر کیا جاتا تھا۔ ان کے لئے جو سوال اہمیت رکھتا تھا وہ صرف یہ تھا کہ اس کے اندر مزدور سما سکیں گے یا نہیں۔ چنانچہ صفائی، تازہ ہوا، وغیرہ ناقص ہوتی تھی اور تندرستی کو نہایت سخت نقصان پہنچتا تھا۔

اس کے علاوہ، مزدوروں خصوصاً بچوں سے جو کام لیا جاتا تھا وہ اپنی سختی کے لحاظ سے اتنا ناقابل برداشت نہ ہوتا تھا جتنا وہ اپنی یکسانیت کی وجہ سے جمود اور بے حسی پیدا کرنے والا ہوتا تھا۔ اس میں سب سے بڑی تکلیف یہ تھی کہ اپنی توجہ کو مسلسل طور پر بہ جبر ایک ہی چیز پر قائم رکھنا پڑتا تھا۔ کام کے گھنٹے اتنے زیادہ تھے کہ کھانے اور سونے کے لئے بھی مشکل سے کافی وقت ملتا تھا اور فرصت تو بالکل عنقا تھی۔ بچے کام کے اوقات میں مشین جیسی زندگی بسر کرتے تھے اور دوسرے اوقات میں جانوروں جیسی۔ سب سے زیادہ خرابی کی بات یہ تھی کہ اس کی وجہ سے جو دماغی، اخلاقی اور جسمانی تنزل واقع ہوتا تھا اس کا اثر دوسری نسل میں بھی برابر جاری رہتا تھا اور یہ اپنی زندگی پہلی نسل سے بھی ادنیٰ تر سطح سے شروع کرتی تھی اور اس کی وجہ سے اور بھی زیادہ تشویشناک خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔ چھوٹے کارخانوں کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی اور پانی کی قوت سے چلنے والی گرنیاں بھاپ سے چلنے والی گرنیوں سے بھی جنھیں ۱۸۳۳ء تک آخری طور پر قائم نہیں کیا جا سکا تھا زیادہ خراب حالت میں تھیں۔ ایک دور افتادہ وادی میں کام کرنے والے مالک کے معاملات سے کوئی شخص بھی تعرض نہ کرتا تھا۔

مقامی حکام البتہ بہت قابل الزام ہیں۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں، انھوں نے نادار بچوں کو کام گھروں میں، زیادہ تر اس مقصد سے تعلیم دلائی تاکہ محنت کی رسد کو معمول سے زیادہ بڑھا کر اس کی قیمت کو کم کریں اور بعد میں مالکوں نے بچوں کا جو استحصال کیا اس کی طرف سے انھوں نے چشم پوشی سے کام لیا۔

۶۔ مانچسٹر کی مجلس صحت

لنکاشائر کے کچھ روئی کے کارخانوں میں ۱۷۸۴ء میں ایک بخار رونما ہوا اور ایک مقامی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ نادار بچے جن غیر صحت بخش حالات میں کام کرتے ہیں ان کی وجہ سے یہ بخار پیدا ہوا ہے۔ اسباب کی احتیاط اور صحت کے ساتھ وضاحت کی گئی اور اس کے نتیجے کے طور پر مجسٹریٹ نے مرکزی حکام کی طرف سے نگرانی میں اضافہ کرنے کی سفارش کی۔ ۱۷۹۵ء میں مانچسٹر کی مجلس صحت بنائی گئی اور وہ کچھ نتیجوں پر پہنچی۔

۷۔ قانون کارخانہ ۱۸۰۲ء

ان کو ۱۸۰۲ء کے پہلے کارخانے کے قانون کی صورت میں منظور کیا گیا اور ان سے نہ صرف انگلستان کے لئے بلکہ دنیا کے ہر ملک کے لئے ایک نیا راستہ کھل گیا۔ اس کے بعد سے کسی روئی یا اون کے کارخانے میں، کوئی کار آموز بارہ گھنٹے سے زیادہ کام نہ کر سکتا تھا اور رات کا کام ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ تازہ ہوا کے انتظام کی جبری پابندی کرائی جاتی تھی اور کارخانے کی دیواروں پر، حفظان صحت کی خاطر، سال کے دوران میں، کئی بار آہک پاشی کرائی جاتی تھی۔ کار آموزوں کیلئے سونے کی معقول جگہ اور پہننے کے مناسب کپڑوں کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ ان کی تعلیم کا بھی کچھ انتظام کیا گیا تھا۔ معائنہ کے لئے ناظروں کا تقرر کیا گیا تھا اور قانون پر عملدرآمد مجسٹریٹ کراتے تھے۔

مالکوں نے عام طور پر اس قانون سے بچنے کی کوشش کی اور اس کا راست نفع بہت کم ہوا۔ مجسٹریٹوں نے اپنے اختیارات سے کام نہیں لیا اور معائنہ ناکافی رہا۔ بعض مقامات پر، مثلاً ویسٹ رائیڈنگ میں جہاں قانون کا عملدرآمد ہوا، نتائج اچھے نکلے۔ اس کی حقیقی اہمیت دراصل اس بات میں ہے کہ اس سے اصلاح کا آغاز ہو گیا۔ اس قانون کو انفرادیت کے اصول پر بھی جائز قرار دیا جا سکتا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے وہ راستہ کھول دیا جس سے بعد کے زمانوں میں بالغوں کی نگرانی بھی کی جانے لگی۔

کار آموزی کے نظام پر ایک ضرب لگا دی گئی تھی۔ اگر ماں باپ اپنے

بچے کو کارخانے میں بھیجنا خود پسند کریں تو ظلم و جبر کا کوئی علاج نہیں تھا کیونکہ نظری طور پر ماں باپ ہی ابھی تک بچوں کے نگراں تھے۔ چنانچہ اس کے بعد آجروں کا مفاد اس بات کے ساتھ وابستہ ہو گیا کہ غیر کار آموز مزدوروں سے کام لیں۔ نادار بچوں کی غلامی کی تجارت جاری رہی۔ انھیں ظاہری طور پر مختصر مدت کے معاہدے پر ملازم رکھا جاتا تھا لیکن حقیقۃً ان کی رہائی ناممکن تھی۔ بچوں کو ٹولیوں میں باندھ دیا جاتا تھا اور ان پر سختی کے ساتھ نگرانی کی جاتی تھی۔ وہ اپنی حقیقی حالت سے ناواقف تھے۔ بہرحال ملازمت کے اس سے بہتر حالات کہیں موجود نہ تھے۔

چنانچہ ایک ہی وار میں مالک نے اپنے آپ کو، کپڑا دینے، کھانا کھلانے اور تعلیم دینے اور ۱۸۰۲ء کے قانون کی کارفرمائیوں سے آزاد کر لیا تھا۔ پہلا نتیجہ (یعنی کار آموزی کا خاتمہ) صنعت کے لئے بحیثیت مجموعی کم نقصان رساں تھا کیونکہ نئے حالات میں کسی مکمل فنی تعلیم کی ضرورت نہیں تھیں۔ دوسرا نتیجہ آجر کیلئے انفرادی طور پر اس لئے نفع بخش تھا کہ وہ اب بھی نادار بچوں کی ایک ٹولی کو حاصل کر سکتا تھا ان سے اتنا کام لے سکتا تھا کہ وہ آخر میں مر جائیں اور پھر ان کی دوسری ٹولی کے مہیا کئے جانے کی درخواست دے سکتا تھا۔ لیکن طویل مدت کے پیش نظر مزدور کی حالت کے سقیم ہو جانے کے اثرات صنعت کے لئے بہت خراب ثابت ہوئے۔

۸۔ رابرٹ اوون ۱۸۱۹ء کا قانون

رابرٹ اوون نے صرف نظریے ہی پیش نہیں کئے بلکہ اس کے اندر ایک خاص عملی اہلیت بھی تھی۔ نیو لینارک میں اس نے جو تجربے کیے ان سے کم سے کم یہ بات ثابت ہو گئی کہ اگر مزدوروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے تو اس کے نتائج اچھے نکلتے ہیں۔ اس لئے اس نے وسیع تر مرکزی مداخلت اور زیادہ موثر نگرانی کے لئے شورش کو جاری رکھا۔ بدقسمتی سے اس کی ناقابل عمل اشتمالیت نے ماہرین معاشیات اور دوسرے لوگوں کو اس سے بدظن کر دیا اور ۱۸۱۹ء کے ایکٹ سے جو اس کی کوششوں کا نتیجہ تھا اسے بڑی مایوسی ہوئی۔

اس قانون کا عملدرآمد صرف روئی کے کارخانوں تک محدود رکھا گیا۔

ان میں بھاپ کا استعمال سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا اور ان بڑی ملوں میں، کارآموز مزدوروں کو تلاش کر کے بھرتی نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے ان پر قانون کی کوئی نگرانی نہیں تھی۔ اس قانون سے تھوڑی سی اصلاح ضرور ہوئی۔ پہلے قانون کے مقابلے میں اس کی وسعت گو محدود تھی (اُون کے کارخانے اس سے مستثنےٰ تھے) لیکن اس کے مقاصد زیادہ وسیع تھے۔ نو برس سے کم عمر کے بچوں کو بھرتی کرنا ممنوع تھا اور بارہ گھنٹے کے دن میں، سولہ سال سے کم عمر کے نوجوانوں کو بھی شامل رکھا گیا تھا۔ رات کا کام ممنوع تھا۔

چونکہ اس کی نگرانی اور نفاذ ناکافی طریقے پر کیا گیا اس لئے پہلے قانون کی طرح، مالکوں نے اس سے بھی بچنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے اس بات کا ضرور اظہار ہوتا تھا کہ ایک مشکل مسئلے کو نیک نیتی کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بچوں کی محنت کو چونکہ ناگزیر قرار دیا گیا تھا اس لئے اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ بچوں کا تحفظ ضروری سمجھا گیا۔

دوسرے عشرے میں ایک شورش جاری رہی اور ۱۸۲۵ء اور ۱۸۳۱ء میں چھوٹی چھوٹی ترمیمیں کی گئیں۔ ۱۸۳۰ء میں رچرڈ اوسٹلر نے سارے ویسٹ رائڈنگ کا دورہ کیا اور اس کا مزدور پیشہ طبقوں پر بہت اثر پڑا۔ اسی زمانے میں، اسی مقصد کے لئے سیڈلر، دارالعوام میں کام کر رہا تھا اور اس کے ایک یا دو سال بعد ایشلے بھی جو اس سے پہلے پاگلوں کی بہبود کا کام کر چکا تھا، ان کا شریک ہو گیا۔

۹۔ ایشلے (لارڈ شیفٹس بری)۔ ۱۸۳۳ء کا قانون

انیتھنی ایشلے کُوپر (۱۸۰۱ء تا ۱۸۸۵ء) جو بعد میں ساتواں ارل آف شیفٹس بری ہوا، ایک بہت بڑا سماجی کام کرنے والا شخص تھا اور اس کے اندر اپنے طبقے کی وہ کمزوریاں بہت کم تھیں جو ایک معمولی ہمدردِ خلائق میں عام طور پر ملتی ہیں۔ اس نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ دس گھنٹے کے دن کا مسودۂ قانون منظور کرائے گا۔ سیڈلر کو ۱۸۳۱ء میں اس قسم کے قانون منظور کرانے میں شکست ہوئی تھی۔ اس کے کام کو ایشلے نے جاری رکھا اور ۱۸۳۳ء میں اپنا مسودہ پیش کرایا۔ حکومت نے ایک ترمیم پیش کی جس میں اس قانون کے عام اصول پر عمل کیا گیا اور اس کے بعد

اس مسودے کو منظور کرانے کی ذمہ داری خود لے لی۔ ایشلے نے اس کے بعد بھی اس کی حمایت کو جاری رکھا اور اس کی تجویزوں کی بنیاد ہی پر مردوں کے لئے دس گھنٹے یومیہ کا کام منظور رہوا۔

اس قانون کے منظور ہو جانے سے حالات بہت بہتر ہو گئے۔ اس کی بنا ایک تحقیقاتی کمیشن کے ان نتائج پر رکھی گئی تھی جنھیں سال کے شروع میں شائع کیا جا چکا تھا۔ اس کا اثر پارچہ بافی کے تمام کارخانوں پڑتا تھا آٹھ سے تیرہ سال تک کی عمر کے بچے صرف اڑتالیس گھنٹے فی ہفتہ اور زیادہ سے زیادہ ۹ گھنٹے فی یوم کر سکتے تھے۔ بارہ گھنٹے یومیہ کے بیش ترین کام کی دفعہ اٹھارہ سال کی عمر کے "نوجوانوں" پر بھی عاید کر دی گئی تھی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ انسپکٹروں کا تقرر کر دیا گیا تھا اور ان کو وسیع اختیارات سپرد کر دیے گئے تھے۔ یہ خاص حالات میں قواعد وضوابط بنا سکتے تھے اور سزاؤں کو نافذ کر سکتے تھے۔ ان کا تقرر چونکہ مرکزی حکام کرتے تھے اس لئے وہ مجسٹریٹوں اور آجروں کے اثر سے آزاد ہوتے تھے۔

پارچہ بافی کی تمام صنعتوں، سرمایہ دارانہ طریقوں کے پھیل جانے کی وجہ سے اس قانون کی حدود کو زیادہ وسیع کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ مغربی رائڈنگ تک میں، اون کی قدامت پرست صنعت کے اندر، پرانے حالات تقریباً غائب ہو گئے تھے روئی کی نئی صنعت نے چونکہ پرانی بندشوں کو توڑ ڈالا تھا اس لئے وہ شروع ہی سے توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی اور جب اسنادی ماہرین معاشیات کی تمام تنبیہوں کے باوجود، سب سے زیادہ ترقی پسند صنعت کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئی تھیں اور اس کا بہ ظاہر کوئی خراب اثر نہیں نکلا تھا تو پھر ظاہر ہے کام کو اور زیادہ وسیع کرنے کا وقت آ ہی گیا تھا۔ عدم مداخلت کا جذبہ اگرچہ بڑھ رہا تھا لیکن پھر بھی اس سمت میں عوام کو، اپنے طبقۂ متوسط کے حریفوں پر، فتح حاصل ہو گئی تھی۔ غیر ملکی مقابلہ زوروں پر تھا لیکن اس کے باوجود، کام سے گھنٹے کم کر دیے گئے تھے اور اس کمی نے انگلستان کے صناعوں کو تباہ نہیں کیا۔

مزید مداخلت کی تائید میں بے شمار دلیلیں موجود تھیں۔ ۱۸۳۳ء کی

رپورٹ نے جس صورتِ حال کا انکشاف کیا تھا وہ نہایت خوفناک تھی۔ آبادی کے بدترین عناصر کو ملک کے تمام حصوں سے جمع کر کے، شمالی علاقے کے شہروں میں جمع کر دیا گیا تھا۔ فیکٹری سسٹم نے مزدوروں کے جس نمونے کو پیدا کیا تھا وہ جسمانی لحاظ سے کمزور بلکہ بدقوارہ، بیشتر موروثی امراض میں مبتلا، دماغی لحاظ سے ناقص اور اخلاقی اعتبار سے مشتبہ ہوتا تھا۔ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں کسی کو کارخانے کا مزدور کہنا گویا گالی دینے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

کمیشن کے اراکین نے اس بات کی طرف متوجہ کیا تھا کہ ہماری مزدور پیشہ آبادی کی تعمیر میں اس قسم کے مال مسالے کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ انگلستان کا دار و مدار، اب آزاد کسانوں پر نہیں بلکہ نادار مزدوروں پر ہو گیا تھا۔ آجروں کے لئے اس کا فوری نتیجہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ رہا ہو، لیکن ایک تندرست قوم کے لئے تندرست اور کارگذار مزدوروں کی ضرورت تھی اور اس مقصد کو ہر قیمت حاصل کرنا چاہئے تھا۔ بہت سا نقصان جو ہو چکا تھا، ایسا تھا، جس کی تلافی ناممکن تھی اور پرانے حالات نے نتائج کو پیدا کیا ان کے اثرات کو سب سے بڑے شہروں میں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن آئندہ کے انحطاط و زوال کو روکا جا سکتا تھا۔

۱۰۔ دس گھنٹے کا دن

آئندہ کے دس سالوں میں صرف اس بات کے لئے شورش کی جاتی رہی کہ یومیہ کام کے انتہائی گھنٹے دس مقرر کر دئے جائیں۔ کان کنی کے بارے میں قانون سازی کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو پھر قابلِ توجہ چیز، کمیشنوں کا وہ سلسلہ نظر آتا ہے جنھیں صفائی کی تحقیقات کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ان کے بعد کارخانوں پر ایک حد تک اسی نقطۂ نگاہ سے توجہ کی جاتی رہی۔ سنہ ۱۸۴۴ء میں بارہ گھنٹے کا دن عورتوں کے لئے بھی مقرر کر دیا گیا اور بچوں کے لئے نصف اوقات کا نظام جاری کر دیا گیا۔ اسی سال انسپکٹروں کے وسیع اختیارات کو ایک حد تک کم کر دیا گیا۔

سنہ ۱۸۴۷ء میں ایک طویل کشمکش کے بعد، دس گھنٹوں کا مسودہ منظور کیا گیا۔ اس اصول کی صناعوں نے برابر سنہ ۱۸۴۴ء سے نہایت سخت مخالفت

کی تھی اور ان کی دلیل یہ تھی کہ ملک ان آخری دو گھنٹوں کے نقصانات کو کسی طرح برداشت نہ کر سکے گا۔ ۴۷-۱۸۴۴ء کے قوانین کارخانہ کی طرف آزاد تجارت کے لبرل خیال حامیوں کا جو رویہ تھا وہ دراصل اس وسیع تر کشمکش کا ایک ضمنی پہلو تھا، جو زراعت پیشہ زمینداروں اور صناعوں کے درمیان، غلے کے قوانین کو منسوخ کرانے کے سلسلے میں جاری تھی۔ ٹوری، صناعوں کو ملامت کرتے تھے کہ دیکھو تمہارے مزدوروں کی حالات کتنی خراب ہے۔ صناع اس کے جواب میں یہ کہتے تھے کہ تم بھی اپنے زراعتی مزدوروں کی حالت کو دیکھو کہ کتنی بگڑی ہے اور ٹوریوں کو مشورہ دیتے تھے کہ اگر وہ کارخانے کے مزدوروں کی حالت کو واقعی بہتر کرنا چاہتے ہیں تو انھیں غلے کے قوانین کو منسوخ کر دینا چاہیئے تاکہ اس کی وجہ سے روٹی کی قیمت کم ہو جائے۔ دس گھنٹے کے دن کے خلاف آزاد تجارت کے حامیوں کی دلیل یہ تھی کہ کام کے اوقات کی کمی کی وجہ سے چیزوں کی اور ضمناً غذا کی لاگت بڑھ جائے گی۔ دوسری طرف کام کے گھنٹوں کے مختصر ہو جانے سے اجرت میں جو ساتھ ہی ساتھ کمی واقع ہو گی اس سے مزدور کی قوت خرید بھی کم ہو جائے گی۔ ٹوری اس دلیل کا جواب یہ دیتے تھے کہ مشین کے استعمال کے اضافے نے یومیہ کام کے گھنٹوں کو کم کرنا لازمی قرار دے دیا ہے تاکہ اشیا کے وہ انبار جو بازار میں مدتی طور پر اکٹھے ہوتے رہتے ہیں، نہ ہوں۔ اس کے علاوہ، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ کام کے گھنٹوں کی کمی سے، مزدور کی کارکردگی میں اضافہ ہو گا اور اگر طویل مدت کے مفاد کو سامنے رکھا جائے تو اس کا اثر نہ پیدائش دولت پر خراب پڑے گا اور نہ اجرت پر۔ مسودۂ قانون ۱۸۴۷ء میں منظور کر لیا گیا۔ اس لئے نہیں کہ اس تحریک کو پامرسٹن اور لارڈ جان رسل جیسے با اثر وہگوں کی حمایت حاصل ہو گئی بلکہ اس لئے کہ سخت کساد بازاری کی وجہ سے مالکوں کے لئے اپنی فیکٹریوں کو دس گھنٹے یومیہ تک چلاتے رہنا دشوار ہو گیا تھا۔

یہ مسودہ صرف عورتوں اور نوجوان شخصوں کے لئے تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ اس کے حامیوں نے پہلے ہی سمجھ رکھا تھا کہ کارخانے کے کام کے حالات کی بہتری کا اثر رفتہ رفتہ مردوں پر بھی پڑا۔ لیکن اس کے فوری اثرات ان طبقوں کے لئے جن کی قانون حفاظت کرنا چاہتا تھا اچھے ثابت نہیں ہوئے کیونکہ مالکوں نے تبدیلی طریق[1] جاری کر دیا تاکہ ملوں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کو کم کئے بغیر، نئے قانون کے دفعات کی لفظی تعمیل کی جا سکے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۰ء اور ۱۸۵۳ء کے قوانین کارخانہ بنائے گئے جنھوں نے عورتوں، نوجوان شخصوں اور بچوں کے لئے، قانونی طریقہ پر ایک معیاری دن مقرر کر دیا۔ عام طور پر مشین کو صرف مقررہ اوقات میں یعنی ۶ یا ۷ بجے صبح سے ۶ یا ۷ بجے شام تک چلانے کی اجازت تھی۔ جب اس طرح کام کے قانونی دن اور محنت کی قانونی مدت کو تقریباً یکساں بنایا گیا تب کہیں دس گھنٹے کا دن سب کے لئے حقیقت کا جامہ پہن سکا۔

۱۱۔ مشین کی احاطہ بندی

عورتیں اور نوجوان لڑکیاں اپنے رواجی لباس کی وجہ سے مشین کے جن خطرات کا شکار بنی ہوئی تھیں ان کے بارے میں انسپکٹروں نے ۱۸۴۲ء ہی میں رپورٹ پیش کر دی تھی۔ ان کی شورش کے نتیجے کے طور پر ۱۸۴۴ء میں ایک قانون منظور کیا گیا جس میں عورتوں اور بچوں کے لئے بے احاطہ انجنوں، فلائی دھیلوں اور مشینوں کے قریب سے گذرنا یا ان کے قریب کام کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ ۱۸۵۶ء میں اس قانون کو وسیع کر کے، افقی دھروں پر بھی عائد کر دیا گیا لیکن مالکوں کی مخالفت کی وجہ سے اس کو مِل کے صرف اس حصے تک محدود رکھا گیا جہاں عورتیں، نوجوان اشخاص یا بچے کام کرتے تھے۔

۱۲۔ متحدہ صنعتوں میں قوانین کارخانہ کی توسیع

کارخانے کے لئے قانون سازی، اپنے نتائج کے لحاظ سے جائز ثابت ہوئی۔ طویل مدت کے دوران میں، کام کے دن میں ہر تخفیف کا نتیجہ، پیدائش کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوا۔

۱۔ Relay System

اس لئے صناعوں کی اس فریاد کے باوجود کہ یا تو اس نظام میں ترمیم کی جائے نہیں تو انگلستان کی صنعتوں کا زوال شروع ہو جائے گا، ان قوانین کی، ۱۸۶۰ء تا ۱۸۶۷ء کے زمانے میں، پہلے تو ان صنعتوں میں جو پارچہ بافی سے متحد تھیں اور بعد میں غیر پارچہ بافی کی صنعتوں میں برابر توسیع ہوتی رہی۔

پارچہ بافی کے مزدوروں کو جو ناقابل انکار فوائد حاصل ہوئے ان کی روشنی میں اسی نوع کے دوسرے پیشوں میں جو نہایت افسوس ناک حالات پائے جاتے تھے مثلاً لیس، چھپائی دھلائی اور رنگائی کے کارخانوں میں، وہ سب نمایاں نظر آنے لگے۔ جو عورتیں اور بچے ان صنعتوں میں کام کرتے تھے ان کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی جو پارچہ بافی کے کارخانوں میں نگرانی سے پہلے پائی جاتی تھی۔ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ دونوں ملکوں میں، چھپائی کے کام میں زائد کام کی نہایت خراب مثالیں موجود تھیں اور ہزاروں نوجوان لڑکیاں غیر صحت بخش فضا میں جو عدم صفائی کی وجہ سے تھا بعض اوقات سولہ سے اٹھارہ گھنٹے یومیہ تک کام کیا کرتی تھیں۔

جب لارڈ ایشلے نے پارلیمنٹ کو مطلع کیا کہ وہ محض پارچہ بافی کی صنعت میں فیکٹری کے قوانین کے نفاذ سے مطمئن نہیں ہے تو اس کی گرہیم اور کابڈن دونوں نے سخت مخالفت کی اور دونوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ایسی صنعتوں کے لئے قانون بنانا جن میں مزدور ایک مرکز پر مجتمع نہیں ہیں بے کار ثابت ہوگا۔ ۱۸۵۷ء میں، ایوان عام کی ایک سلیکٹ کمیٹی نے اس قانون سازی کے خلاف رپورٹ پیش کی لیکن اس کے تین سال بعد، براڈہم نے دارالامرا میں اس معاملے کو پھر اٹھایا۔ اس دوران میں سر جیمس گرہم اور روبک بھی کارخانے کے لئے قانون سازی کو اصولاً تسلیم کرنے لگے تھے اور ان کی حمایت سے ان قوانین کو کچھ پابندیوں کے ساتھ ۱۸۶۲ء میں، لیس کے کارخانوں پر بھی عائد کر دیا گیا اور ۱۸۶۳ء سے پہلے دھلائی رنگائی اور چھینٹ کی چھپائی پر بھی انھیں عائد کر دیا گیا۔

۱۳۔ غیر پارچہ بافی کی صنعتوں میں قانون کی توسیع	پارچہ بافی سے جو صنعتیں متحد تھیں، ابھی ان کو شامل کرنے کی تحریک پوری طرح بار آور بھی نہ ہونے پائی،

تھی کہ لارڈ ایشلے (شیفٹس بری) کو غیر پارچہ بافی کی صنعتوں میں نوجوان اشخاص اور بچوں کے حالات کے بارے میں تحقیقاتی کمیشن کے تقرر کرانے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ یہ زمانہ وہ تھا جب لوگ اس بات کو دیکھ چکے تھے کہ کام کے اوقات کے کم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیداوار بھی کم ہو جائے نیز مشین کے طریقوں کی پیچیدگی کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ جو لوگ مشین کی نگرانی کریں وہ مستعد اور تازہ دم ہوں ورنہ خراب کام کا تناسب بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے مخالفت میں پہلی جیسی شدت باقی نہیں رہی تھی۔ جو آجر بہتر قسم کے تھے وہ حکومت کی ان کوششوں کو جو وہ زیادہ تندرست نظام کے قائم کرنے کے سلسلے میں کر رہی تھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔

کمیشن کی پہلی رپورٹ نے جو ۱۸۶۳ء میں شایع ہوئی، ان ہولناک حالات کو بے پردہ کر دیا جو مٹی کے برتن اور دیاسلائی کی صنعتوں میں پائے جاتے تھے مٹی کے برتن کی صنعت میں جو لوگ پوتنے[1] کا کام کرتے تھے وہ دمہ اور نرخرے کی نالیوں کے ورم میں مبتلا تھے۔ یہ بیماریاں سیل اور بھاپ کی وجہ سے پیدا ہوتی تھیں اور شکنجے میں چپٹا[3] کرنے والے، چرخی گھمانے[2] والے اور سانچے میں ڈھالنے[4] والے لوگ تپ دق اور سینے کے دوسرے امراض میں مبتلا تھے جو گرمی اور خاک کے اڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے۔ دیاسلائی کی صنعت میں حالات اور بھی زیادہ خراب تھے کیونکہ ایسے کمروں میں کام کرنے کے علاوہ جن میں ہوا کا مناسب گذر نہیں ہوتا تھا، دیاسلائی بنانے والے اس بیماری میں مبتلا ہو جاتے تھے جسے جبڑے کے انحطاط استخواں (نکروسس) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ برمنگھم کی جن صنعتوں میں دھات کا سامان تیار کیا جاتا تھا، ان کے مزدوروں میں، اس برادے کی وجہ سے جو ان صنعتوں کے مختلف کاموں میں اُڑتا رہتا تھا سینے کی بیماریاں پیدا ہوتی تھیں۔ سلے ہوئے کپڑے تیار کرنے والی صنعتوں میں، مزدوروں کا مجمع کام کے

۱۔ Slip-Makers

۲۔ Giggers-Turners

۳۔ Flat-Pressers

۴۔ Mould Runners

کمروں میں جتنی گنجایش ہوتی تھی اس سے زیادہ اکٹھا کر دیا جاتا تھا۔ ان میں ہوا کے گذر اور صفائی کا انتظام خراب ہوتا تھا اور اکثر صورتوں میں کام کے گھنٹے بہت زیادہ ہوتے تھے۔

اس کے دوسرے سال، رپورٹ کے نتیجے کے طور پر مٹی کے برتن کی صنعت، دیا سلائی کی صنعت، کارتوس کی صنعت، کاغذ کو رنگ برنگ بنانے[۱] والی صنعت اور فستین[۲] (بٹے ہوئے تاگے کے بنے ہوئے گہرے رنگ کے کپڑے) کو کاٹنے والی صنعت قوانین کارخانہ کی حدود میں شامل کر لی گئی۔ ۱۸۶۴ء کے قانون کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے ایک گھریلو صنعت یعنی فستین کو کاٹنے والی صنعت بھی حکومت کی نگرانی کے احاطے میں شامل ہو گئی۔ ۱۸۶۶ء میں قانون صفائی کے ذریعے بہت سی ان صنعتوں پر نگرانی قائم کی گئی جو اب تک قوانین کارخانہ کے اثر سے باہر رہی تھیں۔ ۱۸۶۷ء میں قانون توسیع کارخانہ نے پون بھٹیوں، تانبے کی گرنیوں، لوہے اور فولاد کی گرنیوں، لوہارخانوں اور ڈھلائی گھروں، دھات، مشین، شیشہ، کاغذ، تمباکو، چھاپہ اور جلد سازی کے کارخانوں کو بھی اپنے حلقے میں شامل کر لیا۔ خطرناک صنعتوں کے لئے مخصوص دفعہ کو جسے پہلی مرتبہ ۱۸۶۴ء میں بنایا گیا تھا، شیشہ اور دھات کی صنعتوں میں بھی رائج کر دیا گیا۔ کوئی عورت یا نوعمر بچہ پگھلانے یا تاؤ دینے کے کام پر ملازم نہیں رکھا جاتا تھا۔ شیشے کے کارخانے کے کسی حصے میں، کسی عورت، نوجوان شخص یا بچے کو کھانا کھانے کی اجازت نہیں تھی اور گیارہ سال سے کم عمر کا کوئی بچہ دھات کی صنعتوں میں سان رکھنے کے کام پر ملازم نہ رکھا جا سکتا تھا۔ "کارخانہ" کے مفہوم کی یہ توسیع بھی کم اہمیت نہیں رکھتی تھی کہ اس کے اندر ہر ایسی عمارت شامل کر لی گئی تھی جس میں نفع کمانے کے لئے پچاس سے زیادہ کام کرنے والوں کو ملازم رکھا جائے۔

۱؎ Paper-Staining

۲؎ Fustian-Cutting

۱۴۔ کارخانے اور کارگاہیں

اسی سال کارگاہوں کی نگرانی کا قانون منظور کیا گیا اور کارخانوں اور کارگاہوں میں وہ تفریق رونما ہوئی جو آج تک موجود ہے۔ یہ قانون ہر اس کارخانے پر عائد کیا جا سکتا تھا جس میں پچاس سے کم مزدور کام کرتے تھے اور خاصہ ہمہ گیر تھا۔ اس میں کارگاہ سے باہر کام کرنے والوں کے علاوہ تمام گھریلو صنعتیں شامل ہوگئی تھیں۔ کوئی بچہ جس کی عمر ۸ سال سے کم ہو ملازم نہیں رکھا جا سکتا تھا اور تیرہ سال سے کم عمر کے بچے صرف نصف وقت کے لئے ملازم رکھے جا سکتے تھے۔ عورتوں اور نوجوانوں کو کام کے دنوں میں صرف ساڑھے دس گھنٹے یومیہ کام کرنے کی اجازت تھی لیکن قانونی دن کا تعین ۵ بجے صبح سے ۹ بجے شام تک کے درمیان کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے نگرانی کا کام بہت زیادہ دشوار ہوگیا تھا۔ اس قانون کا انتظام صفائی کے مقامی حکاموں کے سپرد کیا گیا تھا لیکن یہ تدبیر ناکام ثابت ہوئی کیونکہ مقامی حکام قانون کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہے۔ ۱۸۷۱ء میں کارگاہوں کی عام نگرانی اور ۱۸۷۸ء میں ان کی صفائی نگرانی فیکٹری کے انسپکٹروں کے سپرد کردی گئی۔ اور اگرچہ جونیئر انسپکٹروں کا ایک نیا طبقہ زائد کام کے بے انتہا مقدار کو نپٹانے کے لئے ملازم رکھا گیا لیکن یہ عملہ بہت سالوں تک نئے مسائل کے حل کرنے سے قاصر رہا۔ ۱۸۷۴ء میں کام کے اوقات ۶۰ سے ۵۶ فی ہفتہ کر دیے گئے اور کارخانے میں کام کرنے والوں کی کمترین عمر دس سال مقرر کر دی گئی۔ دوسرے سال ایک کمیشن کا تقرر کیا گیا جس کی بنا پر قانون کارخانہ و کارگاہ ۱۸۷۸ء منظور ہوا۔

۱۸۷۸ء کے قانون کارخانہ اور کارگاہ کے اس من مانے امتیاز کو جو پچاس سے کم یا زیادہ آدمیوں کے ملازم رکھنے پر مبنی تھا ختم کر دیا۔ اس نے کارخانے کی تعریف چند شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ کی کہ یہ ایک ایسی عمارت ہے جس میں مشین کی قوت کا استعمال ان چیزوں کے بنانے کے لئے کیا جائے جنھیں نفع کمانے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ کارگاہوں کی تعریف یہ کی گئی کہ یہ صنعت کی وہ جگہیں ہیں جن میں مشین کی قوت کا استعمال نہیں کیا جاتا اور ان کی مزید

تقسیم دوسرے عنوانوں کے ماتحت کی گئی تھی اور قانون کا برتاؤ ان کے ساتھ مختلف ہوتا تھا۔ لیکن بعض باتوں میں اس قانون کے اندر رجعت پسند رجحانات پائے جاتے تھے جس کا سبب بلا شبہ کساد بازاری کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ عورتوں اور خانگی کارگاہوں کے کام کے اوقات کی کوئی نگرانی نہیں کی گئی۔ دوسری طرف سفید سیسے کی خطرناک شاخوں اور دوسری صنعتوں میں، بچوں اور نوجوانوں کو ملازم رکھنا ممنوع قرار دیا گیا اور ایک یہ دفعہ بھی رکھی گئی کہ مشین کے گرد احاطہ کھینچنے میں غفلت کرنے کی بنا پر جو جرمانے کئے جائیں گے وہ زخمی لوگوں یا ان کے خاندان کو دئیے جا سکتے ہیں۔

اس کے بعد ترمیمی قوانین منظور کئے گئے اور ان کے کارگاہ و کارخانے کا الحاقی قانون بابت سنہ ۱۸۹۱ء منظور ہوا۔ اس کی بنیاد میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ صفائی کے حالات کی طرف اس میں زیادہ توجہ کی گئی اور حادثات کے تدارک کی دفعات کو زیادہ موثر بنا دیا گیا۔ بارہ سال سے کم عمر کے بچوں کو تمام کارخانوں یا کارگاہوں میں کام کرنے سے منع کیا گیا۔ کم ترین عمر میں یہ تبدیلی، دولت کے اضافے اور والدین کے اندر بہتر جذبے کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے کی جا سکی اور اس کو پوری طرح نافذ کر دیا گیا۔ کارگاہوں کی صفائی کے حالات کی نگرانی حفظان صحت کے قانون کی حدود میں شامل کر دی گئی اور اس طرح انتظامی نگرانی کے دوگونہ نظام کو پھر جاری کر دیا گیا۔

۱۵۔ آجر کی ذمہ داری کا قانون سنہ ۱۸۸۰ء

فیکٹری کے نظام کی خرابیوں نے ایک اور تحریک کو پیدا کیا یعنی اس مطالبے کو کہ کام کے دوران میں جو نقصان پہنچے اس کی تلافی آجر کو کرنا چاہیے۔ ابتدائی منزلوں میں، مشین کی صنعت کی وجہ سے، مزدوروں کو بے انتہا تکلیف و مصیبت جھیلنا پڑی جیسا کہ سنہ ۱۸۳۲ء کے فیکٹری کمیشن کے اراکین کے سامنے شہادت میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا تھا۔ اس کی رپورٹ میں یہ بتلایا گیا تھا کہ جب کوئی حادثہ واقع ہوتا تھا تو مزدوروں کو فوراً برطرف کر کے ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ان کی اجرتیں بند کر دی جاتی تھیں۔ کسی طبی امداد کا انتظام نہیں کیا جاتا تھا اور زخمی چاہے کسی نوعیت کے کیوں نہ ہوں کوئی ہرجانہ نہیں دیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۸۳۷ء میں مزدوری

حالت اس عدالتی فیصلے کی وجہ سے اور بھی زیادہ خراب ہوگئی جس میں آجر کو اس نقصان سے بری الذمہ قرار دیا گیا تھا جو مالک کے ایک ملازم کو دوسرے ملازموں کی غفلت کی وجہ سے پہنچا ہو۔ اس فیصلے سے پہلے، عام قانون کے ماتحت، مالک کے خلاف زخم خوردہ مزدور دعویٰ کر سکتا تھا اگرچہ عملی طور پر، محض مالی وجوہ کی بنا پر ایسا کبھی کیا نہیں گیا تھا۔

جب مالی ذمہ داری سے آزاد ہوگئے تو مالکوں کو حادثوں کے تدارک کرنے کے لئے حفاظتی تدبیریں اختیار کرنے کا بھی کوئی محرک باقی نہیں رہا۔ حادثوں کی کثرت کا اندازہ، انسپکٹروں کی رپورٹوں سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ پہلے دیکھا جا چکا ہے کہ ۱۸۴۴ء اور ۱۸۷۸ء کے درمیان خطرناک مشینوں کی احاطہ بندی کرانے کے لئے مختلف قانون بنائے گئے۔ لیکن حادثات پھر بھی اکثر واقع ہوتے رہے اور ان طبقوں تک میں ہوتے رہے جن کا جزئی طور پر تحفظ کر دیا گیا تھا یعنی عورتوں، نوجوانوں اور بچوں میں۔ بالغ مردوں کی حالت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۶ء کے درمیان ۸۵ مزدور صرف بائلر کے پھٹ جانے کی وجہ سے مرے یا زخمی ہوئے۔

یہ حالات تھے جن کی ۱۸۸۰ء کا آجر کی ذمہ داری کا قانون، ملازمت کے دوران میں جو چوٹ آئے اس کے لئے مزدوروں کے ہرجانے کے حق کو قائم کر کے، اصلاح کرنا چاہتا تھا۔ اس کے منظور ہو جانے کی وجہ سے مالکوں کو اس بات کی ترغیب ہوئی کہ وہ حادثات کا تدارک کرنے والی تدبیروں کو ایجاد کریں نیز کام کے کمروں اور فیکٹریوں میں زیادہ احتیاط اور توجہ سے کام لیں۔ ۱۸۹۷ء میں اس قانون کو اور زیادہ سخت کر دیا گیا اور ۱۹۰۰ء میں اسے زرعی مزدوروں پر بھی عائد کر دیا گیا۔ ۱۹۰۶ء کے مزدوروں کے ہرجانہ قانون کے ذریعے یہ تحریک عملاً مکمل ہوگئی اور اس نے آجر کی ذمہ داری کے اصول کو مزدور پیشہ آبادی کے ہر طبقے پر جس میں گھروں کے اندر کام کرنے والے ملازم بھی شامل تھے عائد کر دیا گیا۔

۱۶۔ نیم بیگاری نظام	انیسویں صدی کے نصف اول میں کارخانے کے قوانین

بنانے میں زیادہ تر انسانی ہمدردی کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ ۱۸۸۰ء کے بعد اس تحریک کی نوعیت میں ایک حد تک فرق پیدا ہو گیا۔ اس کی وجہ بلاشبہ یہ تھی کہ معاشرے کی عضوی وحدت کے احساس کو ترقی ہو رہی تھی اور اس کے مقابلے میں انفرادیت کا زوال ہو رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صنعتی تندرستی اور حفاظت کے مسئلے پر اب معاشرے کی اجتماعی بہبود کے مسئلے کے ساتھ غور کیا جانے لگا۔ ۱۸۹۱ء کے قانون کارخانہ نے نیم بیگاری نظام پر سب سے پہلا حملہ کیا اور ہر کارخانے اور کارگاہ کو پابند کر دیا کہ وہ اپنے ان مزدوروں کی جو کارخانے سے باہر کام کرتے ہیں ایک فہرست ان کی ملازمت کی جگہ اور ان کی شرح اجرت کے ساتھ پیش کرے۔ ۱۸۷۸ء کے قانون نے عورتوں کی کارگاہوں کو جو معافیاں دی تھیں وہ منسوخ کر دی گئیں اور انسپکٹروں کو داخلے کا زیادہ مکمل حق دیا گیا۔ ۱۸۹۳ء میں مجلس تجارت کو اگر وہ دیکھے کہ ریلوں میں کام کے اوقات غیر معقول حد تک طویل ہیں، مداخلت کرنے کا اختیار دیا گیا اور محکمۂ داخلہ نے مضر صحت اور خطرناک صنعتوں کے بارے میں اپنے قواعد و ضوابط کو اور زیادہ سخت کر دیا۔ ان انتظامی تدابیر نے ۱۸۹۵ء کے قانون کارخانہ کے لئے زمین تیار کر دی۔ اس نے بچوں کے لئے تیس گھنٹے فی ہفتہ اور نوجوانوں اور عورتوں کے لئے ۶۰ گھنٹے فی ہفتہ کا کام مقرر کیا۔ رات کے کام کے لئے عمر کی حد کو بڑھا کر چودہ سال کر دیا اور کپڑا دھونے کے کارخانوں کو بھی معائنے میں شامل کر لیا۔ وزیر داخلہ کو خطرناک صنعتوں میں ملازمت کی نگرانی اور ان کارگاہوں میں جہاں صرف مرد ملازم ہوں قواعد و ضوابط بنانے کی اجازت دی گئی۔

لیکن نیم بیگاری نظام پر اجرت کے لحاظ سے حملہ ۱۸۹۰ء میں دارالامرا کی کمیٹی کی رپورٹ ہی نے شروع کیا اور اس نے گذارے کے لائق قانونی اجرت کی تحریک کی رہنمائی کی۔ بہت زمانے تک یہ نصب العین، اشتراکی شورش پسندوں تک ہی محدود رہا لیکن جب عورتوں کی صنعتی کونسل اور نیم بیگاری مخالف لیگ بنیں تو آخر کار اس کو پارلیمنٹ کی بھی حمایت حاصل ہو گئی ۱۹۰۰ء میں مسٹر جارج ٹول مین نے ایک مسودہ پیش کیا جس میں اجرت کے

ایسے مجالس کے قیام کی تجویز کی گئی جنھیں اس بات کا اختیار ہو کہ وہ بعض صنعتوں میں کمترین اجرت کا اعلان کر سکیں اور اس کے دوسرے سال ونسٹن چرچل نے حکومت کے ایک قانون کو جو غیر معمولی صنعتوں پر عاید ہوتا تھا منظور کرا لیا۔ ۱۹۰۹ء کے قانون مجلس تجارت نے مجلس تجارت کو اختیار دیا کہ وہ جس صنعت میں دیکھے کہ اجرتیں اسی قسم کے دوسرے پیشوں کے مقابلے میں غیر معمولی طور پر کم ہیں، کمترین اجرت بحساب وقت اور بحساب کام کو مقرر کرنے کے لئے آجروں اور مزدوروں کا ایک بورڈ، قائم کر سکتا ہے اور ان اجرتوں کو مجلس تجارت کے حکم سے لازمی بنایا جا سکتا ہے۔ جنگ کے بعد ان مجالس کی جو تاریخ رہی اس کو بعد کے ابواب میں بیان کیا جائے گا۔

۱۷۔ دوکان کے مددگار دکانوں کے اندر، روپیہ گننے کی میز کے پیچھے، زیادہ گھنٹوں تک برابر کھڑے رہنے کی وجہ سے جو تکلیف ہوتی تھی اس پر ۱۸۶۶ء میں ایک سلیکٹ کمیٹی نے غور کیا اور ایک بعد کے قانون نے نوجوان کے لئے ۷۴ گھنٹے فی ہفتہ کی حد مقرر کر دی لیکن اس قانون کا نفاذ شاذ ہی ہوا اور ۱۸۹۲ء میں ایک ترمیمی قانون منظور کیا گیا۔ دکان کے اوقات کے قانون کی دفعات میں، پہلے، عورتوں کو شامل نہیں کیا گیا تھا لیکن ۱۸۹۲ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان نہ صرف یہ اس کے حدود میں آگئیں بلکہ ان کے لئے دکانوں میں بیٹھنے کی جگہ کا انتظام کرنا بھی ضروری قرار دے دیا گیا۔ مقامی حکام کو اس کا بھی اختیار دیا گیا کہ وہ دکانوں کو جلد بند کرائیں۔ ۱۹۱۱ء کی انقلابی قانون سازی کے بعد، دکان کے تقریباً تمام مددگاروں کو نصف دن کی لازمی چھٹی ملنے لگی۔

۱۸۔ کپڑا دھونے کے کارخانے اور بچے قومی صحت کو قائم رکھنے والا وہ اصول جو زاید کام کی مخالفت میں، نیم بیگاری نظام کے خلاف اور دکانوں کے اوقات کی موافقت میں کام کر رہا تھا، بیسویں صدی کے شروع میں کپڑا دھونے کی صنعت اور اسکول کے بچوں پر بھی عاید کر دیا گیا۔ ۱۹۰۷ء میں کپڑا دھونے کے کارخانے کے قانون نے

زائد کام کی جتنی اجازت تھی اس کو بڑی حد تک محدود کر دیا اور کپڑا دھونے کے کارخانوں پر وہ قانون عاید کر دیا جو غیر پارچہ بافی کی صنعتوں اور کارگاہوں میں جاری تھا۔ ۱۹۰۳ء میں بچوں کی ملازمت کے قانون نے اسکول کے بچوں اور ایسے دوسرے بچوں کا تحفظ کر دیا جو کارخانے اور کارگاہ کے قانون کی حدود سے باہر تھے۔ بچوں کو ایسے کاموں میں ملازم رکھنے سے منع کیا گیا جن کے اندر یہ امکان ہو کہ وہ ان کی تندرستی یا تعلیم کے لئے مضرت رساں ثابت ہوں گے اور مقامی حکام کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے اضلاع میں بچوں کی محنت پر نگرانی رکھنے کے لئے ضمنی قوانین بنا سکتے ہیں۔

۱۹۔ کان کنی کی قانون سازی

کان کنی کی قانون سازی ایک جداگانہ نوع سے تعلق رکھتی ہے۔ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں کانوں کے اندر زندگی کے حالات پائے جاتے تھے وہ نہایت ناگفتہ بہ تھے۔ مزدور پیشہ طبقوں کا کوئی دوسرا گروہ ان کے برابر پست حال نہیں تھا کانیں چونکہ اس زمانے میں دور افتادہ علاقوں میں واقع تھیں اور شہروں سے دور تھیں، اس لئے کوئلے کے کان کنوں کی ایک جداگانہ صنعتی جماعت بن گئی تھی۔ کانوں کے مالک جو اکثر صورتوں میں دولتمند زمیندار ہوتے تھے حق یافتہ حیثیت رکھتے تھے اور اپنے مزدوروں کا نہایت شرمناک طور پر استحصال کرتے تھے۔

اسکاٹ لینڈ کے کان کنوں کی حالت بیگاری مزدوروں سے کچھ زیادہ بہتر نہیں تھی اور انگلستان کے پورے علاقے میں سالانہ ملازمت کے لئے دستاویز لکھا کر پابند کرنے کا طریقہ عام طور پر رائج تھا۔ آج کان کنی کرنے والے والدین کے قوی ترین بچے ہی زمین دوز سرنگوں میں کام کر سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت عورتیں، بچے اور لڑکیاں، قابل نفرت حالات میں ان زمین دوز قید خانوں میں تیرہ گھنٹے سخت کام کیا کرتی تھیں بعض وقت انھیں

Overtime

زنجیر سے ایک ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔ غالباً یہ کام پارچہ بافی کے کارخانوں کے برابر صحت سوز نہ تھا لیکن اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ کم سے کم جسمانی طور پر یہ کام نسبتہً زیادہ سخت تھا۔ کام کی خطرناک نوعیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں، کانوں کے حادثات میں تقریباً ایک ہزار آدمی سالانہ جان سے مرتے اور سات آٹھ ہزار زخمی ہوتے رہتے تھے۔

۴۔ قانون معدنیات ۱۸۴۲ء جب تک کارخانے کا قانون تجربی دور سے نہیں گذر گیا، اس وقت تک کوئلے کی کانوں میں مزدوروں کے حالات کی نگرانی کرنے کی کوئی تحریک شروع نہیں ہوئی۔ ۱۸۴۲ء میں پہلا قانون منظور ہوا۔ لڑکیوں اور عورتوں کو زمین کے نیچے کام کرنے کی اجازت نہیں تھی اور لڑکوں کے لئے دس سال کی عمر کی حد مقرر کر دی گئی تھی۔ ۱۸۵۰ء میں ہوا کے گزر اور روشنی کے انتظام کا سرکاری معائنہ جاری کر دیا گیا اور ۱۸۵۵ء میں صحت کے مسائل کی طرف بھی توجہ کی جانے لگی۔ ۱۸۶۰ء میں ان قوانین میں ترمیم کی گئی اور قانونی تحفظات کو زیادہ با اثر بنا دیا گیا۔ پہلا مکمل قانون ۱۸۷۲ء میں منظور کیا گیا۔ کمترین عمر مقرر کی گئی اور ایک دن کا بیش ترین کام دس گھنٹے کا رکھا گیا۔ ہر کان میں ایک ایسا سند یافتہ منیجر رکھنا ضروری قرار دیا گیا جس نے کان کنی کے نظریے کا امتحان، خصوصاً تندرستی اور تحفظ کے متعلقہ حصوں کا، گورنمنٹ کے زیر انتظام پاس کیا ہو۔ غرض، اس طرح آجروں کی طمع اور کان کنوں کی غفلت دونوں پر نگرانی قائم کر دی گئی۔

کوئلے کی کانوں کی نگرانی کا قانون ۱۸۸۷ء میں منظور ہوا۔ اس کے بعد تحفظ کی ضمانت کرنے والے دوسرے قوانین ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۶ء میں منظور کئے گئے۔ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں آٹھ گھنٹے کے دن کے مطالبے کے لئے ایک مخصوص تحریک شروع ہوئی۔ اس مطالبے کو ۱۹۰۸ء کے کوئلے کی کانوں کے قانون نے قانونی شکل دے دی۔ اس کی اہمیت اس لئے سب سے زیادہ ہے کہ قانون نے سب سے پہلی مرتبہ اس کے ذریعے، بلاواسطہ طریقے پر بالغ مردوں کے اوقات کار کا تعین کیا۔ پرانے زمانے کے معیاروں کی

روشنی میں جب اس قانون سازی پر غور کیا جاتا ہے تو مزدوروں کے حالاتِ ملازمت میں اس طرح کی مداخلت کو انقلابی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد جمعیتِ اقوام کی بین الاقوامی مزدور کانفرنس منعقدہ واشنگٹن نے بھی قانونی طریقے پر مقرر کئے ہوئے آٹھ گھنٹے کے دن کو منظور کر لیا ہے۔ لیکن ابھی یہ عام طور پر ہر جگہ نہیں پھیلا ہے۔ جنگ کے بعد، کان کنوں کو سات گھنٹے کے دن کا حق بھی مل گیا تھا لیکن یہ ۱۹۲۶ء میں چھن گیا۔

۲۱۔ کمترین اجرت کان کنی کمترین اجرت کے معاملے میں بھی جو آج ایک وقتی مسئلہ بنی ہوئی ہے، ایک مخصوص حیثیت کے مالک ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں کا کنون کے وفاق نے کمترین اجرت کے اصول کو تسلیم کرانے کے لئے ایک قومی ہڑتال کا اعلان کیا باہمی گفت و شنید سے جب سمجھوتہ ناممکن ثابت ہوا تو ۱۹۱۲ء کے کوئلے کی کان کنی کے قانون کے ذریعے ثالثی بورڈ (ضلع کے مشترکہ بورڈ) مقرر کئے گئے جن میں کانوں کے مالکوں اور کان کنوں دونوں کے نمائندے موجود تھے تاکہ وہ کمترین اجرت کو طے کر لیں۔ ان کے فیصلے کو کمترین اجرت کے قانون (۱۹۱۳ء) کے ذریعے نافذ کیا گیا۔

مجالس کو یہ بھی اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بوڑھے اور معذور مزدوروں کے لئے مخصوص انتظامات کریں اور ایسے حالات مقرر کر دیں، جن کی عدم تعمیل، کان کنوں کو کمترین اجرت کے تمام مطالبوں سے محروم کر سکے۔

۲۲۔ کارخانے کی قانون سازی کے نتایج کارخانے کے لئے قانون سازی کے نتائج بہت اطمینان بخش ثابت ہوئے ہیں۔ ایک صدی پہلے کے مقابلے میں آج مزدوروں کی جماعت کی حالت جسمانی دماغی اور اخلاقی لحاظ سے بہت ترقی یافتہ ہے اور اس تبدیلی کے کچھ حصے کو یقیناً اس قانون سازی ہی کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے، اگرچہ مختلف سیاسی اصلاح کے قوانین کے منظور ہو جانے سے، جواب دہی میں اضافہ ہو گیا ہے اس کا بھی بہت اثر پڑا ہے۔ کام کے حالات میں تدریجی ترقی رونما ہوئی ہے اور اس نے لوگوں کی زندگیوں پر زبردست اثر ڈالا ہے۔ حقیقتہً قانون سازی کی تہ میں جو

اصل جز یہ کام کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ مزدوروں کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ انھیں فرصت کے مواقع مہیا کئے جائیں اور جب اس فرصت کا استعمال بھی معقول طریقے پر کیا جاتا ہے تو اس کے اثرات صنعت اور آیندہ نسل کے لئے نہایت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اوقات کار کے کم ہونے کا ہر مرتبہ یہ مفہوم نکلا ہے کہ مشین کی رفتار تیز ہوگئی ہے جس کی وجہ سے مزدور پر کام کا بار بڑھ گیا ہے۔

قانون سازی ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے اور یہ ممکن ہے کہ چھوٹے علاقوں میں حالات ابھی تک بالکل ویسے ہی خراب ہوں جیسے ہمیشہ سے تھے۔ نیم بیگاری صنعتیں جو اپنی خراب شکل میں اس خانگی نظام کی یاد تازہ کرتی ہیں جس میں فروخت کا انتظام ایک درمیانی شخص کیا کرتا تھا، ابھی تک بہت عام ہیں۔ ان کے مسئلے کو ابھی حل نہیں کیا جاسکا ہے۔ گو اس سلسلے میں ۱۹۰۹ء کے قانون مجلس تجارت جس کی رو سے اضلاع کے مجالس کچھ صنعتوں میں کمترین اجرت کا تعین کر سکتے ہیں، بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ بیسویں صدی سے یہ مسئلہ نہایت فوری طور پر حل طلب بن گیا ہے۔ قوانین کارخانہ اس سلسلۂ خیال کی نمایندگی کرتے ہیں جو الزبتھ کے زمانے مسلسل جاری ہے یہ صحیح ہے کہ ہے کہ مزدور کی نگہداشت کا کام، قدامت پسند منزل سے گزر کر اب ترقی پسند منزل پر پہنچ گیا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ آج تمام جماعتیں اس بات کی قائل ہوگئی ہیں کہ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے۔ گزشتہ پچاس سال کے دوران میں عدم مداخلت کے نظریے کے خلاف ایک ردعمل شروع ہوگیا ہے اور یہ ابھی تک جاری ہے گو بہت سے مفکر یہ عقیدہ بھی رکھنے لگے ہیں کہ انفرادیت کے اصول کو جو اہمیت حاصل ہے اسے لوگ نظر انداز کرتے جا رہے ہیں۔ اس کے پیدا کرنے میں قوانین کارخانہ کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ بالغ مزدور، چاہے وہ کتنے ہی بالواسطہ طریقے پر کیوں نہ ہو (مداخلت سے) متاثر ہوئے لیکن معاشیات کے ماہروں نے جس عظیم مصیبت کی پیشین گوئی کی تھی وہ رونما نہیں ہوئی۔ پرانے نظام کے جب سب سے

زیادہ کمزور حصے میں یہ رخنہ پڑ گیا تو پھر عدم مداخلت کے اصول پر عام حملہ شروع ہو گیا۔

۳۴۔ آدم اسمتھ کا اثر معاشیین

جس طرح آدم اسمتھ نے عین اس وقت جب کہ صنعتی انقلاب شروع ہونے والا تھا، اپنے زمانے کی پابندیوں پر ایک زبردست ضرب لگائی تھی (اور اس کا اثر اس وقت بھی چلتا رہا تھا جب وہ برائیاں جن کی اس نے مذمت کی تھی باقی نہیں رہی تھیں)' اسی طرح کارلائل اور ڈکنس نے جو سخت حملے اپنے زمانے کی بے درد خود غرض انفرادیت پر کیے تھے اس نے حکومت کی مداخلت کی موافقت میں رائے عامہ کی ایسی رہنمائی کی جس کے اثرات آج تک جاری ہیں حالانکہ آج اپنی مدد آپ کے اصول نے ہمارے لئے ایک گم شدہ نیکی کی صورت اختیار کر لی ہے۔ نئی پابندیوں کے مفید اثرات، کہیں انیسویں صدی کے آخری زمانے میں، معاشی رائے عامہ پر، ظاہر ہوئے۔ اس وقت الزبتھ کے زمانے کے ان پرانے اصولوں کا فائدہ جن کے ذریعے پدرانہ شفقت سے کام لے کر قانون بنائے جاتے تھے اور جو انیسویں صدی کے شروع زمانے میں، صرف نہایت محدود معاملات میں باقی رہ گئے تھے دوبارہ محسوس کیا جانے لگا اور انھیں اتنی ترقی ہوئی کہ انھوں نے ایک مکمل نظام کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں دوبارہ یہ منظر نظر آنے لگا کہ حکومت سے قوم نہ صرف خرابیوں کی اصلاح کے لئے بلکہ ان مداخلتوں کے لئے بھی اپیل کرنے لگی جن میں اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ وہ قوم کی فلاح و بہبود میں معاون ہو سکیں گی۔ کان کنوں نے یہ ثابت کر کے کہ ان کا کام بہت سخت ہے پبلک کی ہمدردی سے اپیل کی۔ لیکن کمترین اجرت اور آٹھ گھنٹے کے دن کے جو مطالبے انھوں نے جبراً مجلس قانون ساز سے منوائے ہیں وہ غالباً دوسرے طبقوں پر بھی اس وقت عاید کیے جائیں گے جب رائے عامہ اس راستے پر کافی بڑھ چکی ہوگی جس پر کہ وہ اب چل رہی ہے۔

فیکٹری کی قانون سازی پر جو سخت اور غیر مصالحت پسندانہ حملے معاشیین نے کیے ہیں اس کے لئے انھیں الزام نہ دینا چاہیے۔ ان کا یہ پختہ خیال تھا کہ کام کے گھنٹوں کی کمی سے نفع کم ہو جائے گا، روزگار گھٹ جائے گا اور اس طرح عوام کو نقصان پہنچے گا اور وہ ایمانداری سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اس بات پر ہار مان لینا اصول کی قربانی کرنے کے مترادف ہوگا۔ ان سے غلطی ضرور ہوئی لیکن وہ مزدور پیشہ طبقوں کے دشمن نہیں تھے۔

باب (۱۳)

انفرادیت: آزاد تجارت محصول بندی

۱۔ آزادی کی نئی روح

صنعتی انقلاب کے محرک کی حیثیت سے انفرادیت کا مشاہدہ کیا جا چکا ہے[1]۔ اس نظام کے نتائج میں نظریہ آزاد تجارت کا انیسویں صدی کے نصف اول میں، تدریجی ارتقا کوئی کم اہمیت نہیں رکھتا۔ آئندہ صفحات میں اس اصول کی فتح کا اور انیسویں صدی کے اختتام کے قریب اس کے خلاف جو ردعمل ہوا اس کا مطالعہ کیا جائے گا۔

ہر زمانے میں، جب حکمراں طاقت، مستعد اور کارگزار ہوتی ہے تو وہ اپنی رعایا کے اعمال پر کچھ نہ کچھ نگرانی ضرور رکھتی ہے۔ شروع میں معاشی زندگی پر جو اثر بلاواسطہ طریقے پر ڈالا جاتا تھا وہ زیادہ تر جابرانہ اور نقصان رساں نوعیت رکھتا تھا۔ لیکن الزبتھ کا ایک ایسا

[1] باب اول۔

نظام تھا جس کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نے صنعت کی رہنمائی کی کوشش کی ٹیوڈر حکمرانوں کی ذاتی مقبولیت، اس زمانے کا غالب رجحان خیال، نیز اس نظام کی ذاتی خوبیاں ان سب نے لوگوں کے لئے، صنعت پر حکومت کی نگرانی کو قابل قبول بنا دیا۔ اس کے علاوہ انگلستان کے تاجروں اور دستکاروں کے اقدام سے بادشاہ کو فائدہ ہی فائدہ تھا اور بے شمار عارضی قوانین کا مقصد اتنا نگرانی کے مستقل وسائل کو مہیا کرنا نہیں تھا جتنا عارضی ضرورتوں کو پورا کرنا تھا۔ چنانچہ ترقی کے لئے راستہ کھلا رہا۔

حکومت کی رہنمائی کی کامیابی نے جو ایک حد تک مستعد اور کارگزار انتظام کا نتیجہ تھی نہ صرف لوگوں کو موجودہ حالات کی طرف سے مطمئن کر دیا بلکہ ان کے اندر یہ عقیدہ بھی پیدا کر دیا کہ یہ رہنمائی بطور ایک کلیے کے ہمیشہ موثر ثابت ہوتی ہے۔ اسٹوارٹ خاندان کے ابتدائی حکمرانوں نے مطلق العنان طریقے پر حکومت کرنی چاہی حالانکہ ان کے مشیر بڑی شخصیت کے مالک نہیں تھے۔ جب ان کے زعم باطل کی قلعی کھلی تو لوگوں میں ہر طرف ایک شبہہ اور سوال کی روح کارفرما ہو گئی۔

عود شاہی کے بعد ٹوری مصنفوں کے ایک گروہ نے جن کے رہنما نارتھ اور ڈیوینانٹ تھے، غیر پابند تجارت کے منافع کو ثابت کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ گزشتہ زمانے میں پیدائش دولت کی طرف ضرورت سے زیادہ توجہ کی گئی۔ تاجروں کو ان اونچی قیمتوں کی وجہ سے نفع ہوا جو وہ صارفوں سے وصول کر سکتے تھے نیت کے اعتبار سے الزبتھ کا نظام چاہے کتنا ہی متوازن کیوں نہ رہا ہو لیکن جب رشوت ستانی اور بددیانتی کا ذرا سا بھی شائبہ پیدا ہوا تو دولتمند تاجروں کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ پارلیمنٹ کے اثر و رسوخ سے کام لے کر اپنے حسب منشا کام کرا لیں۔

۲۔ حق ایجاد اور اجاروں کی مخالفت

صنعتی میدان میں نئی روح کی ابتدا، محسوس طریقے پر اس وقت ہوئی جب حق ایجاد اور اجاروں کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ یہ الزبتھ کے نظام کا کمزور ترین حصہ تھے اور ابتدائی اسٹوارٹ حکمرانوں کے زمانے میں یہ ناقابل برداشت بن گئے تھے۔ ان کا

ے حصہ اول، باب چہارم۔

اثر نہ صرف صارفوں پر پڑتا تھا بلکہ ان کی وجہ سے آبادی کے سب سے زیادہ کاروباری لوگوں میں نئے تاجروں کے لئے بھی نہایت نفع بخش کاروبار میں داخل ہونا ممنوع تھا۔ نئی صنعت کے معاملے میں تو اس بات کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ تھی۔ حق ایجاد کو ملکی خدمت کا ایک منصفانہ انعام سمجھا جا سکتا تھا۔ لیکن حریف صناعوں اور تاجروں کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہ آتی تھی کہ اس مراعات کو مستقل حیثیت کیوں دے دی جائے۔

عملی آدمی اور مفکر دونوں یہ محسوس کرنے لگے کہ اگر ان موانع کو توڑ ڈالا جائے تو یہ چیز ہر لحاظ سے مفید ثابت ہوگی۔ ایک طرف بہت سی اہلیت بے کار ضائع ہو رہی تھی دوسری طرف صنعتیں، مستعد اور کارگزار انتظام کی کمی کی وجہ سے مضمحل ہوتی جا رہی تھیں۔ اگر پرانے تاجروں کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا جائے تو وہ ترقی یافتہ طریقے اختیار کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کو یا تو بڑھتی ہوئی تجارت سے نفع ہوگا یا ان کی جگہ دوسرے لوگ کام کرنا شروع کر دیں گے۔

اس سلسلے میں دو طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ ایک کا تعلق تو اس جھنجھلاہٹ سے تھا جو تجارت کا ارادہ رکھنے والے لوگ، اجارے کو عدل وانصاف کے خلاف سمجھ کر محسوس کرتے تھے۔ دوسری طرف اور لوگوں نے بھی یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ اس عدم انصاف کی وجہ سے ملک کا معاشی نقصان ہو رہا تھا۔ کاروبار کرنے والے لوگوں نے تو اپنی توجہ کو پہلی شکایت تک محدود رکھا اور نظری بحث کرنے والے مصنفوں نے دوسری شکایت تک۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں اصولوں کو ترقی ہوتی رہی گو ان کا باہمی تعلق لوگوں کے ذہن میں ہمیشہ وضاحت کے ساتھ نہ آسکا۔ بہرحال ان دونوں کو ملا کر ایک بڑا علمی نظریہ بنا دیا گیا۔

پھر اس نظریے نے عمل کی طرف رہنمائی کی۔ بے صبر تاجروں نے قانونی پابندیوں کا پاس ولحاظ نہ کرتے ہوئے ایک غیر قانونی لیکن نفع بخش تجارت کو شروع کر دیا۔ ہمیشہ جب کسی لمبے اجارے پر حملہ کیا جاتا ہے۔ جو پبلک کے لئے نقصان کا موجب ہوتا ہے تو اس کی یورش کو دبانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں وہ موثر ثابت نہیں ہوتے۔ صنعتی مال کو چوری چھپے درآمد و برآمد کیا جانے لگا اور یہ چیز اجارہ داروں کی جان کے لئے ایک عذاب بن گئی اور ان کے لئے اس کو نظرانداز کرنا ممکن نہ رہا۔

دوسری طرف پارلیمنٹ میں ایسے لوگ موجود تھے جو اس کی حمایت کرتے تھے اور جو بدلتے ہوئے حالات کو اس بات کی شہادت کے طور پر پیش کرتے تھے کہ پرانا نظام واقعی انصاف پر مبنی نہیں ہے۔ اس وقت بھی جب بدترین قسم کے حقوق ایجاد اور اجارے غائب ہو گئے تھے ڈیویننٹ کو موانع کے ایک زبردست نظام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن ابھی تک کسی عام اصول کا کوئی واضح تصور اس کے سامنے نہیں تھا۔ خانہ جنگی سے پہلے تاجر صرف ان مخصوص برائیوں کی مخالفت کرتے تھے جن کا ان کے ذاتی مفاد پر اثر پڑتا تھا۔ بعد کے زمانے میں، ٹوریوں نے خاص خاص قانونی پابندیوں پر حملہ کیا۔

۳۔ معاشیین اس مخالفت کا ایک نظری پیش منظر بھی تھا۔ پیوریٹن اور اینگلیکن چرچ کے مذہبی جھگڑوں نے معاشرے کی ماہیت اور سول حکومت کے فرائض کے بارے میں ایک خاص تصور پیدا کر دیا تھا۔ یہی تصور تجارتی موانع کی مخالفت میں بھی کام کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ مذہبی معاملات میں رومی کلیسا کے روایتی اقتدار کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے جو خلا پیدا ہوا تھا، اسے خود مختار فرد نے پُر کیا تھا۔ آزاد کلیساؤں کے اراکین کے جملہ تعلقات، باہمی معاہدے کے ذریعے قائم ہوئے تھے اس لئے حکومت اور رعایا کے باہمی تعلقات کی توجیہ بھی اسی اصول پر کی جانے لگی۔ پیوریٹن فرقے کا یہ نظریہ جب روک اور اٹھارویں صدی کے فلسفیوں کے ہاتھ میں پہنچا تو اس کی مزید تائید میں فطری قانون اور اس سے اخذ کئے ہوئے فطری حقوق کو بھی پیش کیا جانے لگا اور اس نئے فلسفیانہ عقیدے کو جو پہلے زیادہ تر سیاسی تھا، فطر آئینوں نے معاشیات کے حلقۂ اثر میں بھی منتقل کر دیا۔

فطر آئینوں کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کو دیکھا جا چکا ہے۔ ان کا مرکزی خیال یہ تھا کہ تمام معاشری مظاہر، انسانی ارادے سے آزاد ہیں اور ان پر فطری قوانین کی حکومت ہے نیز یہ کہ روشن خیال خود غرضی اور مفاد عامہ کے درمیان ایک پہلے سے مقرر کی ہوئی ہم آہنگی موجود ہے اور یہ کہ سب آدمی فطری طور پر ذی عقل اور معقولیت پسند ہوتے ہیں۔

[1] نیز ملاحظہ ہو کتاب اول، باب پنجم۔

فطری حقوق کے دوسرے نظری حامیوں کی طرح، فطرآئین بھی معاشرے کی ماہیت کے بارے میں ایک میکانکی تصور رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اکائی اس شخص کو قرار دیتے تھے جو معاشرے کے وجود سے پہلے فطری حالت میں خود مختارانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر ان کی نگاہ میں فطری قانون کا مرتبہ قانون الٰہی سے کم درجے کا نہیں تھا۔ موجودہ دنیا میں جب لوگوں کو فطری طریقے پر کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو یہ دنیا ان تمام امکانی دنیاؤں سے جن کا تصور کیا جا سکتا ہے بہتر جگہ بن جاتی ہے۔ ان خیالات کا جیسا کہ باب اول میں بتلایا جا چکا ہے، صنعتی انقلاب پر نہایت اہم اثر پڑا۔

تجارتین اور فطرآئین کے نظریے کے درمیان بعد المشرقین پایا جاتا تھا۔ تجاریت کے نظریے کی مرکزی خصوصیات، حکومت کے عضویاتی تصور پر مبنی تھیں کیونکہ عہد وسطیٰ کے پورے زمانے میں لوگ فرد کے کسی ایسے تصور سے برابر ناواقف رہے جس میں اُسے کسی گروہ سے جدا کر کے دیکھا گیا ہو۔ لیکن اٹھارویں صدی کے زمانے تک تجاریت کا جو عملی پہلو تھا اس کے اندر، اس کے نظری مقاصد کے مقابلے میں بہت زیادہ کوتاہیاں نظر آنے لگیں۔ ان خرابیوں نے سیاسی اور معاشی دونوں نظاموں کی ترقی میں مزاحمت پیدا کرنا شروع کر دی۔ پھر بات صرف یہیں تک نہیں رہی بلکہ وہ نصب العین جس میں معاشرے کو قایم و دایم، منظم اور منضبط مانا جاتا تھا، وہ اُس ذہنی بے قراری کی روح سے سراسر غیر ہم آہنگ نظر آتا تھا جسے طبعی علوم کی ان نمایاں ترقیوں نے پیدا کیا تھا جو اُسی زمانے میں ہو رہی تھیں۔ دنیا آگے بڑھنے کے لئے بالکل تیار ہو چکی تھی۔ اس لئے فطرآئینوں کے نظریے میں انفرادی اقدام اور آزادی کے لئے ترقی کے جو امکانات نظر آئے۔ انھوں نے معاشی خیالات کے رہنماؤں کی توجہ کو اپنی طرف جذب کر لیا۔ جہاں تک انگلستان کا تعلق ہے، آدم اسمتھ کی تحریروں کے ذریعے ان خیالات کی اشاعت عام ہو گئی۔

آدم اسمتھ نے پورے میدان علم کا جایزہ لیا اور اس کی کتاب دولت اقوام کا مطالعہ آج بھی فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ عملی زندگی میں، آدم اسمتھ کو اہمیت

اس لئے حاصل ہوئی کہ اس نے پابندی کے نظام کی خرابیوں کو اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا۔ اور ان کے اصلاح کے طریقوں کو، نظری اور عملی قوت سے کام لے کر بے شمار مثالوں اور مختلف طریقوں کو استعمال کر کے اپنے زمانے کے لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ ایک عملی آدمی جب اس کی کتاب کا مطالعہ کرتا تھا تو اُسے نہ صرف واقعات مرتب صورت میں یکجا ملتے تھے بلکہ اُسے ان پر ایک ایسے آدمی کا تبصرہ بھی ملتا تھا جو دنیا سے واقف معلوم ہوتا تھا۔ جب ایک طالب علم اس کی کتاب کا مطالعہ کرتا تھا تو اُسے اس کے اندر غیر معمولی قوت استدلال نظر آتی تھی جس کے نتائج کو تاریخی اور موجودہ واقعات کی کسوٹی پر جانچا جا چکا تھا۔ اس کتاب میں ایسا توازن پایا جاتا ہے کہ تمام ماہرین معاشیات آج تک برابر اس کو اپنا استاد مان کر اس کی سند پیش کرتے رہتے ہیں۔

لیکن اس کتاب کا عملی نتیجہ فوراً نہیں نکلا۔ اس کا پہلا اثر لوگوں کی رائے پر ظاہر ہوا۔ جدوجہد کرنے والے تاجروں نے، اس کے اندر اپنے آزاد مقابلے کے خیالات کی تائید دیکھی، عملی آدمی کو اس بات سے خوشی ہوئی کہ جب عام طور پر سب لوگ اپنے ذاتی مفاد کے لئے کام کرتے ہیں تو اس سے قوم کو بھی فایدہ پہنچتا ہے۔ لیکن اس کتاب کے طرز تحریر اور استدلال کی صفائی اور قوت ترغیب نے بھی بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا اور ایسے لوگوں کی تعداد میں مصنف کے مرنے کے بہت عرصے بعد تک اضافہ ہوتا رہا۔

دولت اقوام کا جو نظری نقطۂ نظر ہے اس سے ترقی کی ایک خاص منزل کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اسمتھ کا، اپنے فرانسیسی پیش رؤں کی طرح یہ دعویٰ تھا کہ نہ صرف مقابلہ، اجارے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور نہ صرف اجارے کی تنسیخ سے معاشی فائدہ رونما ہوتا ہے بلکہ یہ کہ وہ خود غرضی جسے عہد وسطیٰ کے جتھے سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، قوم کے لئے صحیح طور پر فایدے کا موجب ہے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر ہر شخص کو اپنے مفاد ذاتی کی تکمیل کی آزادی دے دی جائے تو ہر شخص اپنے موزوں مقام پر پہنچ جائے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس عقیدے کی تائید میں جو دلیل اس نے خود پیش کی وہ اس قدر اطمینان بخش نہیں تھی جیسی کہ بعض وہ دلیلیں جو بعد میں

پیش کی گئیں اور غالباً اس نے اپنے زمانے کی موجودہ خرابیوں کی بنیاد پر ضرورت سے زیادہ مکمل بنا ڈالے لیکن پھر بھی ذہنی اعتبار سے وہ اپنے بہت سے ہم عصروں کے مقابلے میں بہت زیادہ بلند تھا۔

۴۔ آدم اسمتھ کی انفرادیت

یہ سب نقطہ ہائے نگاہ ایک ہی بڑے اصول کے مختلف پہلو تھے۔ اسمتھ نے فطر آئینوں کے فلسفے کو قبول کرلیا اور ذاتی مفاد اور مفاد عامہ کو ایک سمجھ کر اس نے اعلان کردیا کہ ذاتی مفاد اور مقابلہ کا اشتراک نہ صرف فرد کے لئے مفید ہے بلکہ ملک کے لئے بھی بحیثیت مجموعی مفید ہے۔ یہاں ضمناً اس بات کی طرف بھی توجہ دلادی جائے تو مناسب ہوگا کہ اس نظریے کی مہلک خامی یہ تھی کہ یہ انسانی فطرت کو ایک بہت سادہ چیز سمجھتا تھا۔ حالانکہ حقیقتاً یہ ایک بہت پیچیدہ چیز ہے اور یہ کہنا تجربے کے بالکل خلاف ہے کہ اس کا محرک کسی ایک اصول مثلاً مفاد ذاتی کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک دوسرا غلط مفروضہ جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے اس سے کم نہیں ہے یہ تھا کہ آدمی سب سے اول ایک معقول پسند ہستی ہے۔ اگر وہ ایسا ہوتا اور ہمیشہ عقل صحیح کی پیروی کرتا تو بلاشبہ خانگی مفاد اور مفاد عامہ کا تضاد غائب ہوجاتا۔ گوشہ نشین فلسفیوں سے اگر قطع نظر کرلیا جائے تو بدقسمتی سے آدمی جذبات اور اضطراری افعال کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ اس کے روزمرہ کے معمولی معاملات میں عقل کا حصہ بہت کم ہوتا ہے اور اس کے ذاتی مفاد میں روشن خیالی کی ان صفات کی کمی نظر آتی ہے۔ جن کو اسمتھ، بنتھم، اور رکارڈو نے بلاثبوت کے فرض کررکھا تھا۔

اسمتھ نے جہازرانی کے قوانین کی حمایت تو غیر معاشی وجوہ سے کی تھی ان کے علاوہ اس نے تجارت کی تقریباً تمام پابندیوں پر حملہ کیا چاہے ان کا مقصد کسی فرد یا کمپنی کے ساتھ رعایت کرنا رہا ہو چاہے قوم کے مفاد کو ترقی دینا۔ انفرادی اقدام اور آزادی کے نام پر اس نے پالیسی اور عقیدہ دونوں لحاظ سے، تجاریت کی مخالفت کی۔ اس کے زمانے میں الزبتھ کے نظام کی خرابیاں، تجارت اور صنعت دونوں میں رکاوٹ ڈال رہی تھیں۔ اس چیز نے انفرادیت کی ترقی کے لئے ایسا موقع فراہم کردیا جو شاذونادر ہی کبھی ملتا ہے۔ اس تحریک کو بعد کے معاشیین نے جاری رکھا۔ مالتھس

کے ساتھ اس کے پیروؤں کی ایک جماعت تھی اور رکارڈو ایک نہایت بلند پایہ شخص تھا۔ ان دونوں نے آسمتھ کے نظام کو ایک زیادہ مکمل صورت دی جس کی وجہ سے پہلے تو علم المعیشت کو ترقی ہوئی اور بعد میں انفرادیت کے نظام کو قانون سازوں نے قبول کرلیا۔

اس کام کی جسے اسمتھ نے انجام دیا اس خاص موقع پر جتنی ضرورت تھی اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک عام اصول کی حیثیت سے، انفرادیت کے عقیدے کو حتمی طور پر تسلیم کرالینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن جب مقابلہ پابندی کے ایسے نظاموں کے ساتھ ہو جو فرسودہ ہو چکے ہوں تو پھر البتہ انفرادیت سے ایک کارگزار حربے کا کام لیا جاسکتا ہے۔ غالباً آسمتھ کے احساس میں اتنی شدت نہیں تھی جتنا اس کی تحریر کے زور سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات کا قائل تھا کہ جب ایک قائم نظام میں انقلاب پیدا کرنا منظور ہو تو انتہا پسند اصلاحوں کا اختیار کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

البتہ ایک چیز کے متعلق وہ پیشین گوئی نہ کرسکا اور وہ صنعتی انقلاب تھا اس لئے ایک ترقی پذیر زمانے میں، ذہین لوگوں کے لئے تصنیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ انگلستان کی صنعت خاصی محفوظ سمتوں میں ترقی کر رہی ہے اور نظام میں اگر تبدیلی پیدا کر دی گئی تو اس کی وجہ سے ایسی قوتیں برسرکار آجائیں گی جو زوال کو روک دے گی۔ ۱۷۶۰ء کے بعد کی تیز رفتار تبدیلیوں کو بھی اگر اس نے دیکھا ہوتا تو اس کی کتاب کی نوعیت کیا ہوتی اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس بات کو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس نے ملک کی اس حالت کو دیکھا ہوتا جس میں ایک طرف امیر اور برسر اقتدار لوگ دولت اکھٹا کر رہے تھے اور دوسری طرف عوام فلاکت ونکبت کا شکار ہو رہے تھے تو اس نے انفرادیت کے ہمہ گیر فوائد کے بارے میں اتنے یقین سے کام نہ لیا ہوتا۔

دولت اقوام اگرچہ ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی لیکن اس تصنیف کو چند سال پہلے مکمل کیا جاچکا تھا۔ بہرحال جارج سوم کے زمانے میں جو زبردست تبدیلیاں ہوئیں ان کا اثر فوراً ہی ظاہر نہیں ہوا۔

لہ معاشی اور معاشرتی فلسفیوں کی رایوں کو، خاص خاص موضوع کے سلسلے میں، اس کتاب میں

۵۔ پٹ

آزاد تجارت کے ابتدائی حامیوں نے اپنے نظریوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور ان کو قانون سازی میں کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ لیکن ملک ان کے منصوبوں کے لئے تیار نہیں تھا۔ چنانچہ پابندی کی پالیسی فتح یاب ہوئی۔ ۱۷۱۳ء میں یوٹریخٹ کی صلح کے موقع پر فرانس کے ساتھ تجارتی معاہدہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن پارلیمنٹ نے تجارتی دفعات کو منظور کرنے سے انکار کر دیا۔

دولت اقوام کا فوری اثر اتنا ہی کم ہوا جتنا پہلی کوششوں کا ہوا تھا۔ لیکن اس کی وجہ سے تجارت کی پالیسی ممکن العمل سمجھی جانے لگی اور اب اسے کوئی شخص تحقیر کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پٹ ان نئے اصولوں کا شیدائی بن گیا اور ان کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اپنے خیالات کے لحاظ سے پارلیمنٹ کے مقابلے میں بہت زیادہ آگے بڑھا ہوا تھا۔ امریکا کی جنگ نے اُسے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ ہماری حکمت عملی غلط ہے۔ بدقسمتی سے اس کے مخالفوں نے اس کے مقاصد کو حب الوطنی کے خلاف سمجھا اور اس کے مقابلے میں، جیت فاکس ہی کی رہی۔

پٹ کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ ساری سلطنت کی حالت کو بہتر بنایا جائے اور تجارت کے معاملے میں وہ نوآبادیوں کو وہی حیثیت دینا چاہتا تھا جو خود انگلستان کی تھی۔ لیکن آئرلینڈ تک کے ساتھ جب معقول برتاؤ کرانے کی کوشش کی گئی تو وہ بھی ناکام رہی۔

۱۷۸۶ء میں پٹ نے فرانس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور آزاد تجارت کو عملی طور پر قایم کر دیا۔ دوسرے سال اس نے کروڑگیری کے محاصل کو متحد کر کے محصول بندی میں سادگی پیدا کر دی۔ انقلاب نے اس معاہدے کو توڑ دیا۔ امینس کی صلح (۱۸۰۲ء) کے بعد پٹ نے جہازرانی کی پابندیوں کو دور کرنا چاہا لیکن جہازوں کے مالک اتنے مضبوط تھے کہ وہ نہ کر سکا۔ انگلستان کی پالیسی نے امریکا کے لوگوں کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جگہ بہ جگہ زیر صنعتی انقلاب کے تمہیدی جائزے میں درج کیا جا چکا ہے۔ تکرار کے اندیشے کے باوجود ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے کی معاشی اور معاشرتی تاریخ کا کوئی پہلو ان خیالات کے حلقۂ اثر سے باہر نہیں ہے۔

بھی اسی راستے کے اختیار کرنے کے لئے مجبور کیا انقلاب فرانس کی انتہاپسندیوں نے اور ان کا انگلستان کی رائے عامہ کا جو اثر ہوا اس نے پٹ کو اس بات کا یقین دلادیا تھا کہ ظلم و جبر ناگزیر ہے چنانچہ جنگ کے زمانے میں اس کی تعمیری اسکیمیں تقریباً بالکل بند ہوگئیں۔

اس کو صناعوں نے بھی شکست دی۔ ان لوگوں کو چونکہ مراعات بلاشرکت غیرے حاصل تھیں اس لئے انھیں آزاد تجارت سے بہت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے پارلیمنٹ کے اختیارات سے کام لینے میں اخلاقی بندشوں کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس کی نظری دلیلوں کے مقابلے میں عام فہم استدلال اور خودغرضی کی ایک بڑی فوج کھڑی نظر آتی تھی۔

۶۔ فرانس سے جنگ عظیم کے زمانے میں ردعمل۔

پٹ کا کوئی فوری جانشین اس پائے کا نہیں ہوا جیساکہ وہ خود تھا اور جنگ عظیم کے جاری رہنے کی وجہ سے آزاد تجارت ناممکن ہوگئی۔ ایک زبردست کشمکش کے درمیان قوم کے پاس نظری بحثوں میں اُلجھنے کے لئے فرصت نہیں تھی محصول عائد کرتے وقت، بس سہولت کو پیش نظر رکھا جاتا تھا اور کسی عام اصول کی پیروی نہیں کی جاتی تھی۔ دوسری طرف کروڑگیری کی پالیسی زیادہ تر سیاسی مصالح کی پابند رہتی تھی۔ انگلستان اور فرانس دونوں نے آزاد سلسلۂ نقل وحل اور مراسلت کو بند کرنے کی کوشش کی۔ جب مال کو چوری چھپے درآمد و برآمد کیا جارہا ہو تو اس وقت تجارت کا ایک صحیح نظام ناممکن ہو جاتا ہے۔

جب امن کا اعلان ہوا تو سب لوگوں نے جنگ کی برائیوں کو پہچانا حتیٰ کہ زمینداروں نے بھی محسوس کیا کہ ان کو جو منافع حاصل ہوئے وہ غیر معمولی حالات کی وجہ سے تھے لیکن جب ان کی اصلاح کی گئی تو اس سے عوام میں پریشان حالی پیدا ہوگئی۔ پرانا نظام مقصد کے لحاظ سے کافی کامیاب تھا: حریفوں کو تباہ کرنے کے مقصد کو سامنے رکھ کر محصول بندی میں حسب ضرورت ترمیم کی جاتی تھی۔ لیکن فرانس کی شکست کے بعد انگلستان میں بے انتہا فلاکت پھیل گئی۔ الزبتھ کے نظام کے جو اجزا باقی رہ گئے تھے ان کی حیثیت آثار کی سی رہ گئی تھی اور ان کی وجہ سے تجارت میں غیر ضروری رکاوٹ واقع ہوتی تھی۔ وقتی مصالح

کے پیش نظر جو محصول عائد کئے گئے تھے وہ اب بہت بے تکے اور پُر مصارف نظر آنے لگے تھے تاہم ان کو جتنی آسانی سے شروع کیا گیا تھا اتنی آسانی سے ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ترقی کا راستہ صرف ایک آدمی کو دکھائی دیا۔

۷۔ ولیم ہسکسن

ولیم ہسکسن (۱۷۷۰ء تا ۱۸۳۰ء) وارک شائر میں پیدا ہوا۔ اس کی پالیسی، پٹ سے مختلف تھی۔ اس نے الزبتھ کے زمانے کے نظریوں کو قبول کیا لیکن اس نے جنگی محاصل پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت اور پرانے قوانین کے جو آثار باقی تھے ان کی جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت محسوس کی تاکہ پابندی کے ایک ایسے نئے نظام کے لئے راستہ ہموار کیا جا سکے جو قوم کی ضرورتوں کے حسب حال ہو۔ وہ خود کاروبار میں کامیاب رہ چکا تھا اور ایک ایسا عملی آدمی تھا جسے واقعات کے بارے میں خوب اچھی واقفیت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ صناع لوگ کیا چاہتے ہیں چنانچہ اس کی بیشتر قانون سازی ان کے لئے قابل قبول تھی۔

زمینداروں کی اہمیت نسبتًہ کم ہو گئی تھی۔ جب تک قانون سازی کا کوئی نامواقف اثر براہ راست ان پر نہیں پڑتا تھا وہ قوم کے بدلے ہوئے مزاج کے ساتھ مطابقت پیدا کرلینے کے لئے اکثر تیار نظر آتے تھے۔ صناعوں کے ساتھ جو ان کی رقابت تھی وہ صرف ایسے موقعوں پر ظاہر ہوتی تھی جب اہم اصول خطرے میں پڑ جاتے تھے یا جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ انھیں اپنے رقیبوں کو ان کے منافع سے محروم کرنے کا موقع حاصل ہے مثلاً فیکٹری کے قوانین کے ذریعے سے۔ چنانچہ ہسکسن کی مخالفت کی جتنی توقع تھی اس سے نسبتہً کم ہوئی۔

انگلستان کو جنگ میں اس لئے کامیابی ہوئی کہ اسے جتنی دولت کی ضرورت تھی وہ اس کی تجارت نے مہیا کردی تھی۔ ہسکسن کی پالیسی یہ تھی کہ ان موانع کو دور کیا جائے جن کی دولت اس وقت پابند بنی ہوئی تھی۔ ٹامس ٹک نے ۱۸۲۰ء میں تاجروں کی درخواست کی رہنمائی کی۔ اس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ انگلستان کو نئی مشین کا اجارہ حاصل ہے اس لئے تامین جس کا اثر قیمتوں پر پڑتا تھا، غیر ضروری تھی۔

ہسکسن۔ سلجھے ہوئے دماغ کا شخص تھا وہ انتہا پسند مطالبوں کا کبھی گرویدہ نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ کون سی چیز قابل عمل ہے۔ وہ کسی ایسی تبدیلی کو جس سے حکومت کی نگرانی صنعت پر کم ہو، گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں تھا اگرچہ جب وہ اس کی ضرورت

دیکھتا تھا تو موجودہ حقوق و مفادات پر حملہ کرنے میں اُسے کوئی تامل نہ ہوتا تھا۔

مجلس تجارت کے صدر کی حیثیت سے اس نے جہاز رانی کے محاصل کو کم کرنے کی حمایت کی۔ جہاں کہیں ممکن ہوا انھیں گھٹا دیا گیا۔ لیکن شرط یہ تھی کہ جو ملک اس سے متاثر ہو اُسے بھی اپنے یہاں جوابی کارروائی کرنا چاہیے۔ جو ملک اپنے بلند محاصل کو قائم رکھتا تھا اس کو سزا دی جاتی تھی۔ دوسری قوموں میں بھی اپنے جیسے قوانین رائج کرانے کے لئے، ترجیح کے طریقے کی حمایت کی جاتی تھی۔ وہ امریکا سے تجارت بڑھانا چاہتا تھا اور انیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں کچھ سالوں تک تمام اہم ملک اس کی اسکیموں کے پیرو بن گئے تھے۔ ان کے لئے نوآبادیوں کی تجارت کا دروازہ کھول دیا گیا تھا اور صرف ساحلی آمد و رفت کو (جس میں انگلستان اور نوآبادیوں کے درمیان تجارت بھی شامل تھی) ممنوع قرار دیا گیا تھا۔

جہاز رانی کے قوانین پر ہسکسن نے نظر ثانی کی اور یورپی اقوام کو جوابی معاہدوں کے لئے دعوت دی۔ اس سلسلے میں شاہی ترجیح کے بارے میں جو اس کے خیالات تھے ان پر بھی نگاہ ڈال لینا چاہیے۔ ہسکسن کا یہ حق ہے کہ اُسے آزاد خیال شہنشاہیت پسندوں کی صف میں شامل کیا جائے، کیونکہ اس نے اپنے زمانے کے اس رائج خیال سے اختلاف کیا تھا کہ نوآبادیاں، مادری ملک کے لئے ایک بار ثابت ہوتی ہیں۔ اس نے ترجیح کے نظام کو اس طرح وسیع کر دیا تھا کہ تفریقی محاصل کے ذریعے، جنھیں "تفریقات" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، نوآبادیاں، مادری ملک کے ساتھ ترجیحی سلوک کریں اور مادری ملک، نوآبادیوں کے ساتھ یہی سلوک کریں۔ نوآبادیوں کے ساتھ ترجیحی سلوک ۱۸۱۵ء اور ۱۸۲۵ء کے غلے کے قوانین کے ذریعے کیا گیا اور ۱۸۲۵ء کے سر کینے والی شرح محصول کے قانون کے ذریعے نوآبادی کے غلہ پیدا کرنے والوں کو غیر ملکی حریفوں کے مقابلے میں ایک واضح سہولت دے دی گئی تھی۔ ہندوستان کو بھی ریشم کے سلسلے میں ترجیحات دی گئی تھیں اور اسٹریلیا کے اُون پر صرف برائے نام محصول لگایا جاتا تھا۔

۸۔ کروڑ گیری میں سہولت

آدم اسمتھ نے اپنے محاصل بندی کے مشہور و معروف اصولوں میں سہولت اور کفایت کو بھی شامل کیا تھا۔ ان دونوں اصولوں کی طرف سے غفلت برتی گئی تھی۔ بہت سے محاصل صنعتوں کا گلا گھونٹ

رہے تھے۔ دوسرے ایسے تھے جو خزانۂ عامرہ کے فائدے کے مقابلے میں رعایا کو بہت زیادہ کوفت اور جھلاہٹ میں مبتلا کرتے تھے۔ ہسکسن نے باقاعدہ طور پر تمام غیر ضروری محاصل کو یا تو منسوخ کر دیا یا کم کر دیا۔ سب سے صاف معاملہ کچے مال کا تھا۔ جب محصول کی معافی کی وجہ سے ان کی قیمت گری تو صناع کی تیاری کے مصارف کم ہو گئے۔

۱۸۲۴ء اور ۱۸۲۵ء میں بڑی سہولت پیدا کی گئی۔ لائق محصول اشیا کی تعداد میں بہت کمی کی گئی۔ اس کی وجہ سے محصول وصول کرنے کے مصارف کم ہو گئے کیونکہ ایک واحد شے پر محصول کرنے، بہت سی اشیا پر کم کم محصول وصول کرنے کے مقابلے میں بہت زیادہ آسان تھا۔ صنعتوں پر جو غیر اہم محاصل لگے ہوئے تھے ان میں کمی کی گئی۔

سب سے اہم تبدیلی یہ تھی کہ خاص اور اہم ملکی مصنوعات پر محاصل کو کم کیا گیا۔ سب سے پہلے ریشم کی طرف توجہ کی گئی اور اسپیٹل فیلڈ کے پارچہ بافوں پر جو پابندیاں لگی ہوئی تھیں انھیں ختم کیا گیا۔ دوسری صنعتوں پر بھی مثلاً اون اور لوہے کی صنعت پر اسی قسم کا اثر پڑا۔ ہسکسن کی صدارت ۱۸۲۷ء میں ختم ہو گئی۔

ملک پر ان قوانین کا اثر فوری طور پر ظاہر ہوا۔ تجارت کو ترقی کے لئے ایسی تحریک ملی کہ اس کے نتیجے کے طور پر تخمین اور بعد میں آشوب رونما ہوا۔ اس کا مستقل اثر بہت مفید رہا اور جن طریقوں کو اس وقت اختیار کیا گیا تھا ان کی بعد میں پیروی کی گئی۔

۱۸۳۷ء میں ایک بحران واقع ہوا جس کے نتیجے کے طور پر سرکاری آمدنی کو نقصان پہنچا۔ ۱۸۴۲ء تک جب پیل نے اپنا بجٹ پیش کیا برابر خسارے ہوتے رہے۔

۹ پیل

سر رابرٹ پیل (۱۷۸۸ء–۱۸۵۰ء) انگلستان کے مالیاتی مدبروں میں ایک سب سے بڑا شخص تھا۔ وہ لنکاشائر میں بری کے قریب پیدا ہوا۔ ابتدائی زندگی میں وہ پرانے مسلک کا ٹوری تھا۔ ۱۸۲۰ء کے قریب اس کی رائے بدلنا شروع ہوئی اور اس نے محسوس کیا کہ اب عوام کے لئے بصورت مجموعی قانون سازی کی ضرورت ہے اس نے دیکھا کہ اگر ملک کی حالت کو بہتر کرنا ہے تو مزدور پیشہ طبقوں کی حالت پر سب سے پہلے توجہ کرنا چاہیے کیونکہ اس زمانے میں وہ لوگ ان قوانین کی وجہ سے جنھیں صناعوں اور زمینداروں دونوں نے منظور کیا تھا، سخت فلاکت میں مبتلا تھے۔

وہ ہمیشہ ٹوری ہی رہا اگرچہ اس کا نقطۂ نظر رفتہ رفتہ بہت بدل گیا۔ وہ ایسی تبدیلیوں کا مخالف تھا جن کے بارے میں اچھی طرح غور و فکر نہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس کی جماعت کو اس کے ساتھ اظہار رائے کے معاملات میں کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ جتنی اس کی عمر زیادہ ہوتی گئی اتنی ہی اس میں اور اس کی جماعت میں مخالفت زیادہ نمایاں ہوتی چلی گئی۔

پیل کی ذاتی سیرت میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں تھی۔ واقعات پر اس کی گرفت، اس کی فہم عام اور انتہا پسندی سے بیزاری، اس کی قطعی بے خوفی اور خلوص۔ یہ چیزیں ایسی تھیں جس کی وجہ سے تمام جماعتیں اس وقت بھی اس پر اعتماد کرتی تھیں جب کہ اس کے قوانین کو ان میں سے ہر ایک ناپسند کرتا تھا۔ وہ ہسکسن کی طرح عمل آدمی تھا لیکن اُسے ایک معنی میں تصوراتی بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی تائید میں صحیح معاشی اصولوں کو پیش کیا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی اصلاحیں اس کے پیش رو، ہسکسن کے مقابلے میں زیادہ انقلاب آفریں ثابت ہوئیں اگرچہ ابتدا میں ان کے لئے ویسے ہی طریقوں کو جاری رکھا گیا۔

قوم آہستہ آہستہ مصیبت کے دنوں کو پیچھے چھوڑتی جا رہی تھی۔ یہ دیکھا جا چکا ہے کہ تجارت کی ترقی سے انگلستان کی خوشحالی میں کیسے اضافہ ہوا۔ پھر دولت مند صناعوں نے دولت اور تعداد دونوں لحاظ سے زمینداروں پر غلبہ حاصل کر لیا تھا پرانی ٹوری جماعت جو زمینداروں پر مشتمل تھی اور غلے کی قطعی تامین پر سخت اعتقاد رکھتی تھی اس کی اہمیت نسبتہً کم ہو گئی تھی۔ آدم اسمتھ کے خیالات متوسط طبقوں میں اس قدر پھیل گئے تھے کہ صناع تامین کے مقابلے میں تجارت کے اضافے پر زیادہ بھروسہ کرنے لگے تھے۔ صنعتی انقلاب سے پہلے دست کار غیر ملکی مقابلے سے ڈرتے تھے۔ اب قانون تکثیر حاصل کے عمل سے غیر ملکی بازاروں میں تجارت شروع کرنا ضروری ہو گیا۔

پیل کے خیالات پٹ کے مقابلے میں کچھ ذرا آگے تھے اور وہ نسبتہً زیادہ محتاط مدبر تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اپنے پیش روؤں کے مقابلے میں قوم کے ساتھ بحیثیت مجموعی زیادہ ہمدردی رکھتا تھا۔ پھر پٹ کے زمانے میں، ترقی یافتہ صناع، اپنے مال کے علاوہ باقی اور سب چیزوں میں آزاد تجارت کے حامی تھے لیکن اب اس زمانے میں انھوں نے ہمہ گیر آزادی کے فوائد کو محسوس کر لیا تھا۔

پیل کو اپنے مقاصد میں اس لیے کامیابی ہو سکی کہ اس کے ساتھ صناعوں نے اشتراکِ عمل کیا، اور اپنے ٹوری پیرووں پر اس کا اثر تھا۔ لیکن اس نے کبھی کسی جماعت کو نہیں بلکہ ہمیشہ پورے ملک کو اپنے سامنے رکھا۔ اس کا مقصد نہ صرف یہ تھا کہ تجارت کو ترقی دی جائے اور نئے بازار تلاش کئے جائیں بلکہ وہ صارفوں کو بھی نفع پہنچانا چاہتا تھا۔ اس لئے مزدوروں کو بھی کم قیمتوں اور منصفانہ محصول کی وجہ سے نفع پہنچا۔ وہ اپنی مجلس قانون ساز کے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں زیادہ گہرائی کے ساتھ سوچتا تھا اور اس میں پیش بینی بھی زیادہ پائی جاتی تھی۔ اس کی نگاہ ہمیشہ اپنے قوانین کے آخری نتائج کی طرف رہتی تھی۔ اس نے غلطیاں کیں۔ بنک کے لئے جو ایکٹ اس نے منظور کرایا اس کے ذریعے اس کی توقعات پوری نہیں ہوئیں لیکن پھر بھی اس کا ایجابی کام بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

۱۸۴۲ء سے پہلے، سالانہ خسارے کا اوسط پندرہ لاکھ پونڈ رہتا تھا۔ غیر ملکی تجارت کم ہو رہی تھی۔ دوسری طرف بے روزگاری کا زور تھا۔ اس کا بدیہی علاج یہ تھا کہ تجارت کو کچھ امداد دی جاتی۔ پیل کا اعتقاد غلے کے قوانین پر ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا اور اس معاملے میں وہ اپنی جماعت کا ہم خیال تھا۔

ایک دلیرانہ اقدام کی ضرورت تھی۔ ہسکسن کے تجربے نے پیل کو محاصل میں اضافہ کرنے سے باز رکھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر محاصل کروڑگیری کو کم کیا گیا اور ان میں سہولت پیدا کی گئی تو محاصل جمع کرنے کے خرچ میں بہت کفایت ہو جائے گی۔ ہسکسن کے مقابلے میں اس کی برتری کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ اگر وہ محاصل دور کر دیے گئے جو تجارت و صنعت کے لئے مضر ہیں تو پیدائش دولت اور تجارت میں اتنا اضافہ ہوگا اور بقیہ محاصل سے اتنی زیادہ آمدنی حاصل ہو گی کہ اس سے (منسوخ شدہ محاصل کے) نقصان کی کافی سے زیادہ تلافی ہو جائے گی۔

صناعوں کا مطالبہ اگرچہ آزاد تجارت کے لئے تھا کیونکہ اس سے تجارت کو مدد ملتی تھی لیکن ان کی رسمی، نیم تمام، آمدنی بڑھانے کے اس عجیب طریقے کی مخالف رہی۔ پیل نے بذاتِ خود ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی پیش بینی سے کام لے کر یہ سمجھ لیا کہ زیادہ آمدنی کچھ عرصے کے بعد ہی حاصل ہو سکے گی۔ لیکن اس اثنا میں پیل جیسے محتاط ماہر مالیات

کی نگاہ میں یہ چیز قطعی طور پر ضروری تھی کہ خساروں کا سلسلہ ختم ہو جائے۔

غرض، اس نے اپنا اصول یہ بنایا کہ مالیات کو ہسکسن کا طریقہ اختیار کر کے بہتر بنایا جائے اور اس کی وجہ سے عارضی طور پر جو نقصان ہو اس کی تلافی ایک بلاواسطہ محصول یعنی انکم ٹیکس لگا کر کی جائے۔ دوسرے بلاواسطہ محاصل کی طرح یہ محصول بھی بہت زیادہ غیر مقبول ثابت ہوا۔ کوئی دوسرا کمزور تر وزیر ہوتا تو وہ اپنے مقصد میں ناکام رہتا۔ پیل کو کامیابی اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے یہ امید دلائی کہ جب مالیات کی حالت بہتر ہو جائے گی تو اس کو ختم کر دیا جائے گا۔

یہ پالیسی چند وجوہ کی بنا پر امید افزا تھی۔ اولاً صنعت کی بلاواسطہ تامین اب مفید ثابت نہ ہو سکتی تھی کیونکہ انگلستان کو تجارت کی اکثر شاخوں میں اب تقریباً اجارہ حاصل تھا دوسرے تکثیر حاصل کے اصول نے پیدائش دولت کی ترقی میں تیزی پیدا کر دی تھی دوسری طرف نقل و حمل کی اہم ترقیوں نے تمام دنیا کے بازار کا دروازہ صنعتی اضلاع کے لئے کھول دیا تھا۔ عہد وسطیٰ میں جب پیدائش دولت کا کام، محدود مقدار میں، ایک مقررہ اور معلوم منڈی کے لئے کیا جاتا تھا، توسیع کا کام مشکل تھا موجودہ زمانے کی طرح، قدرتی عوامل پر انسان کی حکومت نہیں تھی بلکہ دست کار کی محض ذاتی قابلیت (تجارت کی توسیع کی) حد بندی کیا کرتی تھی۔

۱۰۔ پیل کے زبردست بجٹ

۱۸۴۲ء میں، ابتداءً پانچ سال کے لئے انکم ٹیکس مقرر کیا گیا۔ تقریباً آٹھ سو محصول یا تو منسوخ کر دیے گئے یا کم کر دیے گئے۔ برآمد کے اکثر محاصل غائب ہو گئے اور درآمد کے محاصل میں عام طور پر معقولیت پیدا کر دی گئی۔ کچے مالوں کو اور اس سے کم درجے پر صنعتوں کو محصول سے بری کر دیا گیا۔ آئندہ کے دو سالوں میں (۱۸۴۳ء اور ۱۸۴۴ء) اسی کام کو جاری رکھا گیا۔ مشین کی برآمد پر جملہ پابندیوں کو منسوخ کر دیا گیا۔ یہ ایک بڑی اصولی تبدیلی تھی کیونکہ اس کے معنی یہ تھے کہ دوسرے ملک اب ہمارے ساتھ زیادہ آسانی سے مقابلہ کر سکتے تھے۔

دوسرا اہم بجٹ ۱۸۴۵ء کا تھا۔ تین اچھی فصلیں ہو چکی تھیں اور تجارت میں ترقی ہو گئی تھی۔ محاصل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا اور پیل کی پہلی پالیسی کے صحیح ہونے کا ثبوت

پوری طرح مل گیا تھا۔ اب اس نے بہادری کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے انکم ٹیکس کی تجدید کی اور اپنی پہلی پالیسی کو اور زیادہ شدید صورت میں جاری رکھا۔ سوائے غلے کے باقی ہر شے کو محصول سے بری کر دیا گیا۔ پانچ سو سے زیادہ چیزوں کے محاصل منسوخ کیے گئے۔ ۱۸۴۱ء سے ۱۸۴۶ء تک چھ سو سے زیادہ ٹیکس منسوخ کیے گئے اور ایکسائز سے زیادہ کم کیے گئے۔ کوئلے کے سوا باقی اور جتنے محصول برآمد تھے سب غائب ہو گئے اور کچے مالوں پر اکثر محصول ختم کر دیے گئے۔

پیل عدم مداخلت کی حامی جماعت کی تسکین نہیں کر سکا تھا۔ اس کا نصب العین نتائج سے بے پروا ہو کر، آزادی کو بجائے خود حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ سہولت پیدا کرنا تھا۔ اس کو قدامت پرست جماعت کی رہنمائی کرنا تھی اور حسب سابق غیر ضروری یک بارگی تبدیلیوں کے مقابلے میں وہ ایک سنگین دیوار ثابت ہوا۔ ترجیح کا اصول باقی رکھا گیا گو اس کی اہمیت کم ہو گئی۔ پالیسی کی کوئی ایک مسلسل راہ اس کے سامنے نہیں تھی جس میں صرف ایک بڑے اصول کی رہنمائی کے مطابق سب کاموں کو کیا جا رہا ہو بلکہ جیسے جیسے اس کے کاموں میں ترقی ہوتی گئی اور اس نے انتہا پسندوں کی دلیلوں کو سنا، ویسے ویسے اس کی راہیں بھی بدلتی رہیں ۱۸۴۶ء میں غلے کے قوانین منسوخ کر دیے گئے اور ۱۸۴۹ء میں لارڈ جان رسل کی ماتحتی میں جہاز رانی کے قوانین بھی آخری طور پر غائب ہو گئے۔

پیل کے کام کرنے کے جو اصول تھے ان کا خلاصہ حسب ذیل طریقے پر کیا جا سکتا ہے۔ اولاً ہسکسن کی طرح اس کا مقصد یہ تھا کہ ہر طرح کی ممنوعات کو منسوخ کیا جائے دوسرے وہ کچے مالوں پر تمام محاصل کو اتنا کم کرنا چاہتا تھا کہ وہ محض برائے نام باقی رہ جائیں۔ آخر میں وہ محاصل کو کم کر کے مصنوعات پر صرف بیس فی صدی کا اوسط محصول رکھنا چاہتا تھا۔ جس طرح ہسکسن نے پیل کے لئے راستہ تیار کیا، اسی طرح پیل نے گلیڈاسٹن کی آزاد تجارت کی تکمیل کے لیے زمین ہموار کر دی۔

۱۱۔ غلے کے قوانین

زمین پر حق ملکیت رکھنے والے لوگ اگرچہ اس سیلاب کو نہ روک سکے لیکن پھر بھی جب غلے کا مسئلہ اٹھا تو انھوں نے اپنی قوت مدافعت سے پوری طرح کام لیا۔ اس طبقے نے ۱۸۱۵ء میں غلے کا

سخت قانون محض اپنے مفاد میں بنوا لیا تھا۔ اس قانون کی مدافعت، نظری طور پر صرف یہی دلیل پیش کرکے کی جا سکتی تھی کہ اس طبقے کے لوگ تباہی سے دوچار ہیں۔ لیکن زمینداروں نے اب اس قانون کو اپنا ایک حق سمجھنا شروع کر دیا تھا اور یہی ایک ایسا سوال تھا جو پرانے ٹوریوں کو ایک پارٹی کی صورت میں باہم متحد رکھے ہوئے تھا ان لوگوں کی اہمیت برابر کم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ سنہ ۱۸۴۶ء میں ان کو شکست ہو گئی۔

سنہ ۱۶۸۹ء کے غلے کے امدادی قانون نے قیمتوں کو قایم رکھنے کی کوشش کی تھی اور غالباً اسے خاصی کامیابی بھی ہوئی تھی۔ سنہ ۱۷۷۳ء میں گورنر پاونال کی اسکیم کے ذریعے جس کے ایک حصے کو پارلیمنٹ نے دوسرے سال منظور کر لیا تھا، اس بات کی کوشش کی گئی کہ پیچیدہ قسم کی پابندیاں لگا کر غلے کی قیمت کو تقریباً ۴۸ شلنگ فی کوارٹر پر قایم رکھا جائے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے غیر ملکی غلے پر بھروسہ کیا گیا۔ جب غلے کی قیمت اس مقررہ قیمت سے زیادہ ہو جاتی تھی تو غلے کو باہر سے آنے دیا جاتا تھا۔ یہ اسکیم کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے رائج ہونے کے بعد فصلیں اچھی نہیں ہوئیں۔ امداد دینا ضروری ہوا اور سنہ ۱۷۹۱ء میں ایک نیا قانون بنایا گیا جس نے قیمت کو حدود کے اندر رکھنے کی کوشش کی۔ جب قیمت ۴۴ شلنگ سے کم ہوتی تھی تو برآمد کے لیے امداد دی جاتی تھی۔ جب یہ پچاس شلنگ سے کم ہوتی تھی تو درآمد ممنوع تھی۔ دوسری طرف جب قیمت ۵۴ شلنگ سے اوپر ہوتی تھی جو انتہائی اونچی حد رکھی گئی تھی تو درآمد پر ایک برائے نام محصول (۶ پنس) لگا دیا جاتا تھا۔

جنگ کے زمانے میں کھیتی کا کام بہت نفع بخش ہو سکتا تھا لیکن اس میں تخمین کا عنصر بہت زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ کیونکہ جب تک جنگ جاری رہتی تھی اور (غیر ملکی) غلہ (مقابلے سے) خارج رہتا تھا اسی وقت تک اچھا نفع کمایا جا سکتا تھا۔

سنہ ۱۸۱۵ء کا قانون چاہے وہ کتنا ہی ضروری کیوں نہ رہا ہو، طبقہ وارانہ قانون سازی کا ایک نہایت کھلا ہوا مظہر تھا۔ اس کی عاید کردہ پابندی، اگرچہ تجارت کے نظام کی عام پابندیوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ نہیں تھی لیکن موخرالذکر کا مقصد عام فلاح و بہبود ہوتا تھا۔ کم سے کم مقننوں کی نیت یہی ہوتی تھی۔ (اس قانون میں عام

بہبود کا) مقصد یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ انگلستان کو غیر ملکی غلے کا پابند نہ رکھا جائے اور دعویٰ یہ کیا جاتا تھا کہ جب قیمت ۸۰ شلنگ فی کوارٹر سے کم ہو اس وقت زراعت کو کافی ترقی دینے کے لئے ضروری ہے کہ درآمد کو منسوخ کر دیا جائے۔

یہ ایک خراب تجارت کا زمانہ تھا۔ چنانچہ (اس قانون کا) نتیجہ یہ ہوا کہ بے انتہا پریشاں حالی پیدا ہوئی اور قانون کا منشا بھی پورا نہ ہوا۔ کسانوں کو زیادہ لگان ادا کرنا پڑا۔ کسانوں کی کوشش سے زمین کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا تھا لیکن پٹے کے خاتمے پر انھیں اس کی سزا (زیادہ لگان کی صورت میں) بھگتنا پڑتی تھی۔ زمینداروں نے خوب نفع کمایا لیکن انھیں یہ نفع اس لیے ہوا کہ پیدائش کو ترقی کی کافی تحریک نہیں مل سکی تھی۔ سترھویں صدی میں گریگری کنگ نے ایک قاعدۂ کلیہ یہ بنایا تھا کہ جب کبھی غلے کی رسد گھٹتی ہے تو اس کی قیمت میں اس تخفیف کی نسبت سے زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ زراعت پیشہ لوگوں کے نقطۂ نگاہ سے پیدائش میں اضافہ کرنا ایک غلطی تھی کیونکہ جنگ کے زمانے میں رسد کو یکبارگی بڑھانا ممکن نہیں تھا۔ ۱۸۲۳ء کے قحط سالی کے زمانے میں کچھ تبدیلی کرنا پڑی۔ لیکن اس سے اس نظام پر کوئی مستقل اثر نہیں پڑا۔ یہاں تک کہ ۱۸۲۸ء کے سرکنے والی شرح محصول کے قانون کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس قانون کی رو سے، بیش ترین قیمت کے زیر اثر درآمد کو قطعاً ممنوع قرار نہیں دیا گیا بلکہ جتنی قیمت بڑھتی تھی اتنا ہی محصول تدریجی طور پر کم ہوتا جاتا تھا۔ عملی طور پر، خراب سالوں میں، غیر ملکی تاجر، اپنے غلے کی رسد کو اس وقت تک فراہم نہ کرتے تھے جب تک کہ قیمت کمترین محصول کی حد تک نہ پہنچ جاتی تھی عملاً اب بھی ممنوعات باقی تھے۔ پیل نے ۱۸۴۲ء میں ایک نسبتاً زیادہ ترقی پسند قانون اس وقت منظور کرایا تھا جب اس کے عقیدے میں تبدیلی ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

۱۲۔ جریمی بنتھم

قانون سازی کا پرانا طریق جس کا مقصد طاقت میں اضافہ کرنا تھا، صاف طور پر ناکام رہ چکا تھا۔ اس کے مقابلے میں دوسرا طریقہ یہ تھا کہ بہبات کو ترقی دی جائے۔ یہ ان فلسفیوں کا جو افادیت کے حامی تھے نصب العین تھا۔ ان میں سب سے پہلا شخص بنتھم تھا۔ جریمی بنتھم (۱۷۴۸ء تا ۱۸۳۲ء) نے آدم اسمتھ کی طرح اپنے اصولوں کی تبلیغ، اس زمانے میں شروع کی جب کہ پرانا نظام ابھی موجود تھا۔ اس کی اہمیت اپنے ذاتی کام کی بنا پر اتنی نہیں ہے جتنی کہ اس اثر کی

وجہ سے ہے جو اس نے ایک معلم کی حیثیت سے ڈالا۔ چنانچہ اس کے شاگردوں نے اس کی ان رایوں کی حمایت کرنا جو پابندی کے نظام میں کافی معقول نظر آتی تھیں، اس زمانے میں بھی جاری رکھی جب کہ آزاد تجارت حقیقت کا جامہ پہن چکی تھی۔

یہ فلسفی، زیادہ سے زیادہ تعداد کی زیادہ سے زیادہ مسرت کے اصول کے حامی تھے اور معاشیین مثلاً مالتھس اور ریکارڈو نے ان کا بہت زبردست اثر قبول کیا۔ استادی معاشیین نے، جن کا انتہا پرست نمایندہ میک کلاک ہے تمام قانون سازی کو اسی معیار پر منطبق کیا۔ یہ لوگ ترقی پسند خیالات رکھتے تھے اور پرانے عقیدوں اور نظاموں کی طرف سے بہت بدظن تھے۔ منطقی طور پر اس کا نتیجہ انتہاپسندی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کے باوجود یہ لوگ صرف اپنے زمانے کی قانونی پابندیوں ہی کے حق میں انقلابیوں کا درجہ رکھتے تھے۔ بالعموم چونکہ یہ ثابت کرچکا تھا کہ ترقی میں فرسودہ نظاموں کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کے پیرو وہی طریقے اختیار کرنا چاہتے تھے جو ایک قدامت پسند نظام میں کارگر ثابت ہوسکتے تھے۔

کم سے کم انتہاپسند لوگ صرف ایک خیال کے حامی تھے یعنی انفرادیت کے۔ انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر مقابلے پر سے پابندیوں کو ہٹا دیا گیا تو آبادی کا بیش تر حصہ زیادہ دولت مند اور غالباً زیادہ مسرور ہو جائے گا۔ اپنے اس عقیدے کی بنا پر وہ عوام کی بہبود کے (کم سے کم نظری طور پر) بہت پُرجوش حامی بن گئے۔ اس کے باوجود انھوں نے قوانین کارخانہ کی یہ سمجھ کر مخالفت کی کہ اِن سے اُن کے اصولوں کی تنسیخ ہوتی ہے حالانکہ ان قوانین کے ذریعے بالغ مزدوروں کی نگرانی صرف اس لیے کی جاتی تھی تاکہ عام مسرت میں اضافہ کیا جاسکے۔ یہ لوگ مخلص لیکن تنگ نظر تھے ذہنی لحاظ سے قابل تھے لیکن ان کے اندر انسانی ہمدردی کچھ کم پائی جاتی تھی۔

ریکارڈو اور مالتھس بلاشبہ مزدوروں کی فلاح چاہتے تھے لیکن ان کے نتائج مزدوروں کو ناپسند تھے۔ ان کے پیروؤں اور عوام میں ہمدردی کا کوئی زندہ جذبہ موجود نہیں تھا۔ اس لیے اس بڑے طبقے میں جس کو نمایندگی ملی ہوئی نہیں تھی ان کا نظریہ بحیثیت مجموعی زیادہ مقبول نہیں تھا۔ یہ طبقہ عوام کی بعض تحریکوں مثلاً منشوریت کی

تحریک میں تو شامل ہوا لیکن معاشیین اس سے دور دور ہی رہے

۱۳۔ افادیت کی ترقی۔

قوانین غلہ کی وجہ سے ظلم و زیادتی ہو رہی تھی۔ افادیت ُ بہتات کی حامی تھی۔ اس لئے افادیت کا اصول پھیل رہا تھا اور معاشیین نے پرانے نظام کے سب حصوں پر برابر کا حملہ شروع کر دیا تھا۔ قابل نفرت قوانین' اس پوری عمارت کا جس پر اہل علم نے حملہ کر رکھا تھا، صرف ایک حصہ تھے۔ کم سے کم یہ ایک جگہ ضرور ایسی تھی جہاں صناع (جسے امید تھی کہ سستے غلے کا نتیجہ سستی محنت کی صورت میں ظاہر ہوگا)۔ طالب علم اور مزدور اپنے مقاصد میں متحد ہو گئے تھے۔ عوام کو رائے کا حق نہیں تھا۔ (۱۸۳۲ء تک صرف متوسط طبقے کو حق رائے ملا ہوا تھا) یہ لوگ شورش کر سکتے تھے' اور حکومت کو خوف زدہ کر سکتے تھے۔ ۱۸۳۲ء سے پہلے، ایسے حلقہ ہائے انتخاب نے جن میں رائے دہندوں کی تعداد بہت مختصر تھی، سیاسی طاقت کو صرف چند ہاتھوں میں مجتمع کر دیا تھا۔ لیکن محض خوف کی وجہ سے حکومت، عوام کی تحریکوں کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ، عموماً ظلم و جبر کی صورت میں کرتی رہتی تھی۔

گو اس بیان سے انسانی فطرت کے بارے میں سوء ظنی کا اظہار ہوتا ہے لیکن یہ ہے امر واقعہ کہ مزدوروں کی امیدیں اس رشک و حسد کے ساتھ وابستہ تھیں جو صناعوں میں، زمینداروں کے خلاف پایا جاتا تھا۔ زمینداروں کو ابھی تک جماعت میں برتری حاصل تھی۔ اس کے مقابلے میں صناع اپنی دولت اور طاقت کو ایک ناکافی بدل سمجھتے تھے۔ اُمرا کے اندر بھی اسی قسم کا رشک و حسد موجود تھا۔ غرض، قوانین کارخانہ کی منظوری اور قوانین غلہ کی منسوخی کی زیادہ توجیہ اسی بنیاد پر کی جا سکتی ہے۔ فلسفیانہ انتہاپسندی نے مالکوں کے لئے ایک عذر فراہم کر دیا اور وہ جب موقع دیکھتے تھے اس کو استعمال کیا کرتے تھے۔ عوام' اس مقصد کو کہ وہ اپنی حالت بہتر کرنا چاہتے ہیں، علی الاعلان پیش کرتے تھے۔ لیکن وِگوں اور ٹوریوں کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ (طبقہ وارانہ مفاد کی نہیں بلکہ) حقیقی اصولوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اختلاف سیاسی تھا اور یہ بات کافی تھی کہ قوانین غلہ ٹوریوں کی خوش حالی کے ضامن تھے۔

انیسویں صدی کے نصف اول کے عملی مصلحین (اگر لارڈ شیفٹس بری اور اس کے پیرؤں کو مستثنےٰ کر دیا جائے)، بنتھم اور اسنادی معاشیین کے رنگ میں پوری طرح

رنگے ہوئے تھے۔ موخر الذکر جن اصلاحوں کا مشورہ دیتے تھے وہ انھیں عملی شکل دینے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی تحریک کا مرکز صنعتی اضلاع تھے اور مصلحوں کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ ان لوگوں کا تعلق مانچسٹر کے مسلک سے ہے۔ انھوں نے اپنی توجہ کو بد ترین خرابی یعنی قوانین غلہ کی طرف مرکوز کر رکھا تھا۔

۱۴۔ چارلس پلہم ولیرس

یہ بات عجیب ہے کہ قوانین پر سب سے پہلا حملہ طبقۂ امرا ہی کے ایک فرد نے کیا (جس سے اس بات کی ہرگز امید نہیں تھی بلکہ) اس سے تو یہ توقع تھی کہ وہ اس دلیل کی قوت کو کہ چونکہ زمینداروں کا تعلق قدرتی طور پر ایک حکمراں طبقے سے ہے اس لئے ان کو تحفظ ملنا ضروری ہے، خوب اچھی طرح سمجھ سکے گا۔ چارلس پلہم ولیرس (۱۸۰۲ء تا ۱۸۹۸ء) وولورہیمپٹن کے حلقے سے ۱۸۳۵ء میں منتخب ہوا اور آزاد تجارت کی حامی جماعت کا جس کا اثر کچھ زیادہ نہیں تھا رہنما بن گیا۔ ۱۸۳۸ء میں اس نے اپنی پہلی سالانہ تحریک پیش کی جس کے ذریعے پارلیمنٹ کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی۔ ابتدا میں اس کی بات کی طرف کسی نے سنجیدگی کے ساتھ توجہ نہ کی۔ ولیرس وطن سے محبت رکھتا تھا اور اس میں خود غرضی بالکل نہیں تھی لیکن وہ لوگوں کو اپنا طرفدار نہ بنا سکا۔ اس کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ وہ اس موضوع پر پارلیمنٹ میں برابر بحث و مباحثہ کراتا رہا۔

۱۸۳۸ء میں کساد بازاری رہی اور تجارت کی آزادی کو ترقی دے کر حالات کو بہتر بنانے کا مقصد سامنے رکھ کر انجمن مخالفت قانون غلہ بنائی گئی جو لنکاشائر تک محدود رہی۔ ولیرس کو اس جماعت کا پارلیمنٹری نمایندہ بنا دیا گیا۔ دوسرے سال اس انجمن نے جمعیت مخالفت قانون غلہ کی صورت اختیار کر لی جو خوب مشہور ہوئی۔ آخر کار تامین کے حامی لوگوں کو خطرے کا احساس ہوا۔ پارلیمنٹ نے ایک سلیکٹ کمیٹی کا تقرر کیا۔ لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج جمعیت کے اتنے موافق تھے کہ جمعیت ہی نے ان کو شائع کیا اور گشت کرایا۔

ولیرس اپنے لنکاشائر کے حامیوں کے ساتھ وفاداری سے کام کرتا رہا۔ لیکن جب کابڈن کو عروج ہوا تو اس کی اہمیت کم ہوگئی۔

۱۵۔ کابڈن اور برائٹ

رچرڈ کابڈن (۱۸۰۴ء تا ۱۸۶۵ء) سسکس کے

علاقے میں، مڈہرسٹ مقام میں پیدا ہوا۔ اس نے تحریک کے بارے میں علم و واقفیت پھیلانے میں بہت زبردست حصہ لیا۔ ۱۸۳۵ء میں اس نے آزاد تجارت اور سرکاری مداخلت پر رسالے شائع کیے اور جلد ہی فلسفیانہ انتہا پسندوں کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ ۱۸۳۸ء میں جب وہ مانچسٹر میں ایک صناع کی حیثیت سے کام کر رہا تھا، وہ ان سات تاجروں میں شامل ہو گیا تھا جن پر ان دنوں انجمن مشتمل تھی۔ ۱۸۴۱ء میں اسٹاک پورٹ کے رکن کی حیثیت سے اس نے اپنی پہلی تقریر پارلیمنٹ میں کی۔ اس کے چار سال بعد اس کی وہ معرکتہ الآرا تقریر ہوئی جس نے پیل کو اس کا ہم خیال بنانے میں مدد دی اور جس کی وجہ سے کابڈن کو غلے کے قوانین کو منسوخ کرانے کی پوری نیک نامی اور سہرا ملا اور یہ رائے ایسی تھی جس میں کل قوم شریک تھی۔

اس کا کام صرف قانون غلہ کی منسوخی تک ہی محدود نہیں رہا۔ ۱۸۵۹ء میں وہ ایک خانگی شخص کی حیثیت سے فرانس گیا اور فرانسیسیوں کی مخالفت کے باوجود اس نے نپولین سوم کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ کرایا۔

کابڈن کو پارلیمنٹ میں اتنی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی جتنی ملک میں ہوئی۔ یہ کامیابی اس کے خلوص اور متعلقہ اصولوں سے واقفیت کا نتیجہ تھی۔ وہ ایک مخلوط مجمع میں ایک طویل اور پیچ در پیچ دلیل کو واضح صورت میں پیش کر سکتا تھا اور اس کام کے لیے سادہ ترین الفاظ اور خیالات استعمال کرتا تھا۔ دارالعوام کے غور و فکر کرنے والے مجمع کے مقابلے میں، وہ ایک بڑے عام جلسے میں اپنی قابلیت کا اظہار زیادہ موزوں طریقے سے کر سکتا تھا۔ وہ پارلیمنٹ کے اندر اور باہر ان تھک کام کرتا رہتا تھا۔ اس کی جتنی شہرت ہوئی اگرچہ وہ تو اس کے استحقاق سے کم نہ تھی لیکن اس کو اپنے مادی مفاد کی ضرور قربانی کرنا پڑی۔

جان برائٹ (۱۸۱۱ء تا ۱۸۸۹ء) کابڈن کا بہت تیز اور ہوشیار مددگار تھا وہ راچ ڈیل میں پیدا ہوا تھا اور ایک گرنی کے مالک کا بیٹا تھا۔ کیکر (انجمن احباب) کے مدرسے میں تعلیم پانے کی وجہ سے اُسے فصیح و بلیغ انگریزی پر قدرت حاصل ہو گئی تھی۔ ۱۸۳۷ء میں اس کی ملاقات کابڈن سے ہوئی اور جمعیت کا ممبر بن گیا۔ ۱۸۴۳ء میں وہ ڈرہم کی طرف سے رکن منتخب ہوا اور پارلیمنٹ میں اس شہرت

کے ساتھ داخل ہوا کہ وہ ایک شورش پسند رہنما ہے اس نے کابڈن کے ساتھ اتنی وفاداری سے کام کیا کہ پارلیمنٹ کی پوری زندگی میں یہ دونوں، رائے شماری کے وقت صرف دو مرتبہ مخالف گروہوں میں نظر آئے۔

کابڈن سے تعلیم پانے کے بعد بھی۔ دارالعوام برائٹ کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ برائٹ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ایک مقرر تھا۔ اس کے خیالات میں صفائی پائی جاتی تھی۔ لیکن عام طور پر وہ اپنے سامعین کے جذبات سے اپیل کرتا تھا۔ وہ گزشتہ صدی کے نہایت موثر مقرروں میں سے تھا اور اس کا مقصد بھی ایسا ہی تھا جس میں جذبات پرستی کی گنجائش تھی۔ برائٹ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر رہا تھا اس لیے وہ عوام میں بہت زیادہ مقبول تھا۔ اخیر وقت تک وہ طبقۂ متوسط کے تعصبات پر غالب نہ آسکا۔ وہ اور کابڈن لازم و ملزم کی حیثیت رکھتے تھے۔

ان دونوں دوستوں میں وہ کمزوریاں تھیں جو مانچسٹر مسلک کے لوگوں میں جن کی وہ نمایندگی کرتے تھے پائی جاتی تھیں۔ صنعت کی سرکاری نگرانی کے یہ دونوں تقریباً ہر صورت میں مخالف تھے اور دونوں میں سے کوئی بھی قوانین کارخانہ کا حامی نہیں تھا۔ غالباً صناع کی حیثیت سے زمینداروں کے ساتھ جو طبعی تنفر ان کے دلوں میں پایا جاتا تھا اس کا اثر ان کی ذہنیت پر بھی پڑا تھا۔

یہ تینوں مصلح اور ان کے پیرو زیادہ سے زیادہ ترغیبی کام کر سکتے تھے زمیندار نرغے میں پھنسے ہوئے شخص کی طرح اپنے اثر سے پوری طرح کام لے رہے تھے لیکن واقعات غلے کی آزادی کی جانب مایل تھے اگرچہ کامیابی دور نظر آتی تھی۔ محتاجوں کے قانون کی اصلاح نے تحفظ کے عذر کو ختم کر دیا تھا کیونکہ اس کے بعد محاصل کم ہو گئے تھے، یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ قوانین غلے کی موجودگی میں کاشتکاری کو خطرہ زیادہ ہے۔ ۱۸۱۵ء میں تباہی کے یک بارگی نازل ہونے کا جو خوف پایا جاتا تھا وہ اب غائب ہو گیا تھا اور کسان آہستہ آہستہ کم تر قیمتوں سے مطابقت پیدا کرتے جا رہے تھے۔

ملک نے بحیثیت مجموعی یہ دیکھ لیا تھا کہ قوانین اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ عوام نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ٹوری اب ان کے دوست نہیں رہے ہیں۔

اس کے علاوہ محاصل کروڑگیری میں سہولت لانے جسے ہسکسن اور پیل نے انجام کو پہنچایا تھا، ہر سمت میں تخفیف کے لیے راستہ کھول دیا تھا۔ آخری بات یہ ہے کہ اب غلہ ہی صرف ایک ایسی چیز رہ گئی تھی جس کو بہت زیادہ تحفظ ملا ہوا تھا۔ اس کی حالت اب بہت خلاف معمول اور مضحک نظر آنے لگی تھی۔

۱۶۔ پیل کا کام، آلوؤں کو نقصان اڈنبرا کا خط، غلے کی آزاد تجارت

یہ واقعات پیل پر واضح ہو چکے تھے اور عملی طور پر منسوخی کا حقیقی ذمہ دار وہی ہے اور اسی کے سر اس کا سہرا ہے، عدم مداخلت کی پالیسی کے سلسلے میں جو لوگ نظریے وضع کر رہے تھے یا انتہا پسندی سے کام لے رہے تھے ان کا کام نسبتاً آسان تھا۔ وہ صرف مشورہ دیتے اور تنقید کرتے تھے۔ پیل نے ساری مخالفت جھیلی اس پر غالب آیا اور منسوخی کو ایک مکمل حقیقت کی شکل دی۔

اس کا کام اس وجہ سے اور بھی مشکل ہو گیا تھا کہ کابڈن اور برائٹ نے بھی اس کے اعتدال پسند قوانین کی مخالفت کی۔ یہ دونوں یا تو سب لینا چاہتے تھے یا کچھ بھی لینا نہ چاہتے تھے۔ پیل بھی اتنا ہی دور اندیش تھا جتنے وہ تھے لیکن اس کو ان سے زیادہ حقیقی مشکلات کا احساس تھا۔ اس کے علاوہ اس کا تعلق زمین اور صنعت دونوں سے تھا اس لیے اس کا مفاد بھی نسبتاً زیادہ وسیع تھا مصلحوں نے تو منسوخی کو اپنی زندگی کا واحد مقصد قرار دے رکھا تھا لیکن پیل کو ملک پر حکومت بھی کرنی تھی۔

سنہ ۱۸۴۴ء میں صورت حال کچھ امید افزا نظر نہ آتی تھی۔ تجارت کی حالت خاصی اچھی تھی اور پیل کے بجٹ نے معاملات کو بہتر کر دیا تھا۔ اس کے بعد تبدیلی رونما ہوئی اور یک بہ یک ہونے کی وجہ سے وحشت خیز معلوم ہوئی۔ سردی کی بارش نے فصل کی خرابی کو یقینی بنا دیا اور یہ بات غلے اور آلوؤں کی فصل پر خاص طور سے صادق ہوتی نظر آرہی تھی۔

قوانین غلے کی موجودگی میں، انگلستان کے خاندانوں کے لیے، گیہوں کی قیمت بہت اہمیت رکھتی تھی۔ آئرلینڈ میں لوگوں کا دارومدار پوری طرح آلوؤں پر تھا۔ وہ ملک غلے کی پیداوار کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کی غریبی کی وجہ سے سستی غذا کا استعمال کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ جب آلو کی رسد ضائع ہو جاتی تھی تو پھر کسی چیز کا سہارا باقی نہیں رہتا تھا۔ کسانوں پر کمر توڑ لگان لگے ہوئے تھے یعنی ان کو اتنے زیادہ لگان دینا

ہوتے تھے کہ ان کو ادا کرنے کے بعد وہ اپنے لیے محض کمترین سامان زندگی ہی فراہم کرسکتے تھے۔ ۱۸۴۵ء میں آلوؤں میں ایک تباہ کرنے والی بیماری لگ گئی۔ اس کے اثرات فوری طور پر ظاہر نہیں ہوئے کیونکہ غذا کا ذخیرہ پہلے سے موجود تھا۔ پیل نے محسوس کرلیا کہ ۱۸۴۶ء میں دوسری فصل کی تیاری سے پہلے، قحط سالی واقع ہوگی۔ کابڈن کی ۱۸۴۵ء والی زبردست تقریر نے اس پر اثر ڈالا تھا۔ اب واقعات نے یہ ثابت کردیا کہ کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ پیل جو ایک عملی آدمی تھا۔ اس موقع پر کسی شش و پنج میں مبتلا نہیں ہوا "۱۸۴۵ء کی بارش" قوانین غلہ کو سب اپنی رو میں بہالے گئی"۔

عارضی تدبیر کے طور پر، پیل نے مکئی کی ایک بڑی مقدار کو بعد میں استعمال کرنے کے لیے، امریکہ سے خرید لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب تک بحران ختم نہ ہو غلے کی آزاد درآمد کے لیے بندرگاہوں کو کھول دے لیکن سب جماعتوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ایسا کیا گیا تو متنازع فیہ اصول تسلیم کرلیا جائے گا اور پھر ان قوانین کو دوبارہ کبھی رائج نہ کیا جاسکے گا۔ تاہم کے حامیوں نے یہ کہہ کر کہ آئرلینڈ میں جو واقعی ہیبت ناک حالت پائی جاتی تھی اس کے بیان کرنے میں مبالغے سے کام لیا جارہا ہے اس کی طرف سے چشم پوشی اختیار کرلی۔

چنانچہ پیل کی تجویز کو، نومبر میں مجلس عاملہ نے مسترد کردیا پیل کے حریف، لارڈ جان رسل نے جس کا تعلق وہگ جماعت سے تھا اپنے اڈنبرا کے خط میں اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اپنی پہلی پالیسی کے خلاف جس میں وہ ایک معین محصول لگانا چاہتا تھا اب (غلے کی) آزاد تجارت کا ہم خیال ہوگیا ہے پیل اپنے حریف سے کیسے پیچھے رہ سکتا تھا اس نے منسوخ کا مسودہ پیش کرنا چاہا لیکن لارڈ اسٹینلے کی مخالفت کی وجہ سے اسکو اپنے عہدے سے مستعفی ہونا پڑا۔ لارڈ جان رسل سیاسی وجوہ سے وزارت نہ بنا سکا۔ اس لیے پیل کو دوبارہ وزارت بنانے کے لیے بلانا پڑا۔

ملک میں جذبہ بہت شدید ہوگیا تھا خصوصاً بڑے شہروں میں کیونکہ انگلستان تک میں غریبوں نے اس کے اثر کو محسوس کیا تھا حکومت پر، جماعت بندی سے آزاد ہوکر، دباؤ ڈالا گیا۔ اپنے مخالفوں کی ناکامی کے بعد پیل اپنے آپ کو بہت مضبوط محسوس کرتا تھا۔ اس کے عقیدے میں مکمل تبدیلی ہوگئی تھی۔ انجام دفعتہً رونما ہوا اور اس کی وجہ سے ہر شخص کو تعجب ہوا جنوری ۱۸۴۶ء میں پیل نے غلے کے قوانین کی فوری اور مستقل منسوخی کے لیے اپنی قرار دادوں کو پیش کیا۔

اس فیصلے کی محرک قحط سالی ہوئی تھی اور اسی کی وجہ سے، وہگ بھی اس کے

قبول کرنے کے لیے مجبور ہو گئے تھے۔ انھوں نے پیل کی حمایت کی۔ اب معرکے کا لمحہ آیا۔ ڈزریلی نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہ تامین کی پالیسی کا علمبردار بن گیا۔ اس کو پرانے ٹوریوں سے کوئی قرب نہیں تھا اور پیل نے اس کے ساتھ رفاقت بھی کی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے وزیر اعظم پر ایک نہایت سخت ذاتی حملہ کیا اور اس میں تامین کے تمام حامیوں نے بھی شرکت کی۔

غداری کا الزام لگانے سے کوئی فایدہ حاصل نہیں ہوا پیل اپنی جگہ پر جارہا۔ اس نے زبردست موانع کا مقابلہ کرتے ہوئے دارالعوام اور دارالامرا دونوں کو قایل کر دیا کہ اس کی یہ کارروائی نہایت ضروری تھی۔ منسوخی جون میں مکمل ہو گئی۔ ایک برائے نام محصول باقی رکھا گیا جو بعد میں غائب ہو گیا۔ تامین کے حامیوں نے اس کا انتقام اس طرح لیا کہ وہ آئرلینڈ کے استبدادی مسودۂ قانون پر پیل کو شکست دینے کے لیے متحد ہو گئے اور اس کے بعد پیل کبھی برسر اقتدار نہ آسکا۔

یہ انگلستان کی معاشی تاریخ کا نہایت عہد آفریں زمانہ ہے۔ اس کے بعد سے گیہوں کو عوام کے مصارف میں اولین اہمیت حاصل نہیں رہی اور انگلستان کی خوشحالی بہت بڑھ گئی۔ تجارت کو بہت ترقی ہوئی اور اجرتوں میں اضافہ ہوا۔ غذا کے خرچ میں تخفیف ہو جانے کی وجہ سے اجرت حقیقی میں اضافہ اور بھی زیادہ ہوا عوام کو آرام رساں چیزوں میں زیادہ حصہ ملنے لگا اور معاشرتی حیثیت سے وہ طبقۂ متوسط سے زیادہ نزدیک آگئے۔

۱۷۔ آزاد تجارت کا اثر اس تمام ترقی کو آزاد تجارت کی طرف منسوب کرنا غلطی ہوگا۔ اس میں کچھ حصہ قدرتی ترقی کا بھی تھا جو تامین کی صورت میں بھی ضرور واقع ہوتی۔ اس کے علاوہ، زر کی قدر میں جو تبدیلیاں واقع ہوئیں، ان کی روشنی میں بھی تجارت کا جایزہ لینا ضروری ہے۔ انیسویں صدی کے پانچویں عشرے میں قیمتیں بلند ہو رہی تھیں لیکن جب اشاری عدد کے ذریعے اصلاح کی جاتی ہے تو یہ ترقی نسبتہً کم نظر آتی ہے۔

اس بیان کو جاری رکھنے سے پہلے ہمیں پیل کی پالیسی کے ارتقا کو مکمل صورت میں دیکھ لینا چاہیے۔ غلے کے قوانین کی منسوخی، عدم مداخلت کی آخری زبردست فتح تھی۔ آزاد تجارت کے حامیوں کو یہ ہمہ گیر کامیابیاں محض اس لیے ہوئیں کہ خرابیاں موجود تھیں جب پرانی

پابندیاں غائب ہوگئیں تو معلوم ہوا کہ بہت سی خرابیاں ابھی باقی ہیں۔ جدید دستور العمل کی ضرورت بالکل واضح نظر آرہی تھی لیکن کسی نئے اہم قانون کو واقعتہً نہیں بنایا گیا چنانچہ سکون کا یہ وقفہ، سنہ ۱۸۷۰ء کے بعد تک، جب کہ اشتراکی رجحانات کا آغاز ہوا، جاری رہا اور یہ دور ایسا تھا جس میں منسوخی کے لیے بہت کم چیزیں باقی رہ گئی تھیں اور جدت پسندی کی روح بھی نسبتہً کم ہی نظر آتی تھی۔

اصلاحی روح اپنی طاقت دکھا چکی تھی۔ کابڈن کی کامیابی نے ایک نئی انتہاپسندی کی ابتدا کردی تھی۔ چنانچہ پرانے مکروہ نظام کے ہر ایک نشان کو مکمل طریقے پر مٹایا جاسکتا تھا۔ محصول عاید کرنے کا مقصد صرف آمدنی وصول کرنا رہ گیا؛ زمینداروں کی طاقت ٹوٹ گئی؛ جمہوریت ایک قوت بن گئی۔ کروڑگیری کے محاصل کی تبدیلیوں کو بھی آزاد تجارت کے مقرر کردہ راستوں ہی پر چلنا پڑا۔

۸ ۔ گلیڈاسٹن

ولیم ایورٹ گلیڈاسٹن (سنہ ۱۸۰۹ تا سنہ ۱۸۹۸ء) لورپول میں پیدا ہوا اس کے آباواجداد اسکاٹ لینڈ کے باشندے تھے۔ اس نے تخفیف کی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا۔ سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد، عدم مداخلت کی پالیسی کا اظہار اسی محدود شکل میں کیا جاتا تھا۔ گلیڈاسٹن، پیل کا پیرو تھا اور اپنے رہنما کی طرح اُس نے بھی تدریجی طور پر ٹوری اصولوں کو ترک کرکے آزاد تجارت کے اصولوں کو اختیار کرلیا تھا۔ سنہ ۱۸۴۳ء میں اس نے مشین برآمد کرنے کے مسودۂ قانون کو منظور کرایا اور مجلس تجارت کے صدر کی حیثیت سے پیل کے محاصل کروڑگیری کو تیار کیا۔ سنہ ۱۸۴۵ء میں اس نے آزاد تجارت پر ایک رسالہ شائع کیا۔ بعد میں اس نے مجلس عاملہ میں اسٹینلے کی جگہ قبول کرلی اور دوسرے سال پیل کے ساتھ مستعفی ہوگیا۔

گلیڈاسٹن وزیر مالیات بن گیا اور سنہ ۱۸۵۳ء میں اس نے اپنا پہلا زبردست موازنہ پیش کیا۔ اس کی پالیسی بالکل وہی تھی جو پیل کی تھی لیکن اس کی تقریر اس لیے یادگار بن گئی کہ اس نے اس کے ذریعے اپنی زبردست مالیاتی مہارت کا ثبوت دیا اور ایک غیر دلچسپ موضوع کو اپنی فصاحت و بلاغت سے دلکش بنادیا۔ وزیر مالیات کی شخصی مقبولیت، آزادیٔ تجارت کی بڑی حد تک ضامن بن گئی۔

انکم ٹیکس کو دوبارہ قایم رکھا گیا اور اس بات کا دوبارہ وعدہ کیا گیا کہ سنہ ۱۸۶۰ء

میں اسے ختم کر دیا جائے گا۔ لیکن کریمیا کی جنگ نے اس بات کو نا ممکن کر دیا۔ ترکے کے محصول جائداد غیر منقولہ پر بھی لگائے گئے۔ انکم ٹیکس آئرلینڈ میں بھی لگایا گیا۔ لیکن قحط سالی کے زمانے میں جو قرض لیا گیا تھا وہ معاف کر دیا گیا۔ صابن پر سے محصول اٹھا دیا گیا اور چائے کے محصول میں کمی کر دی گئی۔ اخباروں کے اشتہارات پر جو محصول، ان کی ارزانی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ تھا۔ اسے کم اور بعد میں منسوخ کر دیا گیا۔ سو سے زیادہ چیزوں پر اس بجٹ کا اثر پڑا۔

۱۸۵۹ء کے ابتدائی زمانے میں گلیڈاسٹن کو ایک جنگی موازنہ تیار کرنا پڑا جس کی وجہ سے آزاد تجارت کی ترقی کچھ سالوں کے لیے تاخیر میں پڑ گئی۔ وہ جنگی قرضے کا سخت مخالف تھا۔ انکم ٹیکس دگنا کر دیا گیا۔ مالٹ اور شراب پر بھی محاصل بڑھائے گئے۔ اس نے اپنا دوسرا زبردست موازنہ ۱۸۶۰ء میں نپولین سوم کے تجارتی معاہدے کے بعد پیش کیا۔ یہ تجارتی معاہدہ، خارجی تجارت کی بے انتہا ترقی سے پہلے کیا جا چکا تھا۔ پچاس لاکھ پاؤنڈ کا خسارہ تھا لیکن گلیڈاسٹن اپنی پالیسی کو جاری رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ غذا کے محاصل کم کیے گئے۔ ایک جداگانہ مسودۂ قانون کے ذریعے اس نے کاغذ کے محصول کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی۔ پریس کی آزادی میں بس یہی ایک رکاوٹ رہ گئی تھی۔

اس کی اس کوشش کی سخت مخالفت کی گئی اور گلیڈاسٹن۔ دارالعوام میں مشکل ہی سے اس قانون کو منظور کرا سکا۔ یہ ٹیکس خوب آمدنی کا ذریعہ تھا اور دوسرے ادا کنندگان ٹیکس اس کو باقی رکھنا چاہتے تھے۔ بہترین اخباروں کے مالکوں کو یہ ڈر تھا اور یہ بجا بھی تھا کہ اگر اخبار و رسائل سستے ہو گئے تو ان کا اجارہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ پیل کی طرح گلیڈاسٹن بھی، حقوق یافتہ لوگوں کے خلاف اور عوام کی حمایت میں جنگ کر رہا تھا۔

دارالامرا نے زیادہ جسارت سے کام لیا۔ اس نے موازنہ تو منظور کر دیا لیکن مسودۂ قانون کاغذ کو مسترد کر دیا۔ اس کے بعد شدید بحث و مباحثہ شروع ہوا اور گلیڈاسٹن نے یہ اصول پیش کیا کہ دارالامرا کو مالی قوانین میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس کا دعوے یہ تھا کہ محصول کی منسوخی کو منظور کرنے سے انکار کرنا اس

بات کا مترادف ہے کہ گویا دارالامرا نے اس محصول کو خود عاید کر دیا حالانکہ محصول عاید کرنے کا حق ایک طویل زمانے سے صرف دار العوام ہی کو حاصل ہے۔

گلیڈ اسٹن نے جواب علی الاعلان لبرل بن گیا تھا لارڈ پامرسٹن کی ماتحتی میں کام کر رہا تھا، اس کو ایک اصولی مسئلہ بنا لیا۔ ۱۸۶۱ء میں کاغذ کا قانون بجٹ موازنہ میں شامل کر لیا گیا۔ دارالامرا چونکہ موازنے کے اندر کوئی ترمیم نہیں کر سکتا تھا اس لیے اُسے مجموعی صورت میں موازنے کو منظور یا مسترد کرنا تھا۔ موازنہ اگرچہ بہت قلیل اکثریت سے منظور ہوا تھا لیکن دارالامرا نے ہار مان لی۔ جیسا کہ متوسط طبقے کے لوگوں کو خوف تھا، جمہوری رائے کو اظہار کا ایک نیا ذریعہ مل گیا اور اس سے انھوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ۱۸۶۳ء میں اور پھر ۱۸۶۴ء میں گلیڈ اسٹن نے انکم ٹیکس کو منسوخ کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے اسے ناقابل عمل پایا۔ غرض، اس طرح بلاواسطہ محصول آمدنی حاصل کرنے کا ایک اہم اور مستقل ذریعہ بن گیا۔

اگرچہ گلیڈ اسٹن نے کسی نئے طریقے کو جاری نہیں کیا اور اس کی سیاسی برتری میں بھی لوگوں نے شبہہ کا اظہار کیا ہے لیکن منتظم مالیات کی حیثیت سے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ وہ مالیات میں کفایت اور دیانت کا قایل تھا۔ نیز وہ اعداد و شمار پر پوری قدرت رکھتا تھا اور ان میں جان ڈال سکتا تھا۔ ۱۸۶۰ء کے بعد اس نے آزاد تجارت کے اس نصب العین کو کہ اشیا پر بالواسطہ محصول کم سے کم وصول کیے جائیں، پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا۔

۱۹۔ زراعت پر اثر۔ بعد کے واقعات

یہ نیا نظام اگرچہ بحیثیت مجموعی اچھا تھا لیکن زمینداروں کا اندیشہ بھی بالکل جایز تھا۔ لیکن اس کے بعد بہت سالوں تک خود زراعت میں بھی ترقی ہوتی رہی۔ غلے کی قیمت کی کمی کے خوف نے کسانوں کو بہترین طریقے اختیار کرنے کی طرف مایل کیا۔ بڑے بڑے زمیندار جو اپنی زمین کی نگرانی کرنے پر آمادہ تھے انھوں نے محسوس کیا کہ بہترین نتائج بڑی جایدادوں کے ذریعہ ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح وہ آخری منزل طے کی گئی جس نے انگلستان کی کاشت کی اکائی کو شاملات، وہ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی جگہ ایک بڑے فارم میں تبدیل کر دیا۔

زمین پر کاشت زیادہ عمیق طور پر کی جانے لگی۔ اور یہ محسوس کیا گیا کہ پرانے تامینی دور نے لوگوں کے اندر کاہلی پیدا کر دی تھی۔ کسانوں نے اپنی بہترین قوت کو مسئلے کے حل کرنے پر صرف کیا اور اس کے نتائج اچھے نکلے۔ بدقسمتی سے زراعت کے اندر چونکہ سب سے زیادہ قدامت پسندی پائی جاتی ہے اس لیے کسانوں نے پرانی فصلوں کی کاشت کو جاری رکھا اور ان فصلوں کی تیاری میں اپنا سرمایہ نہیں لگایا جن کے ذریعے خارجی مقابلے کا سامنا آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔

ایک عرصے تک واقعات کسانوں کے موافق رہے۔ قیمتوں کے عروج (یعنی سونے کی زوال قدر) کا مفہوم یہ نکلا کہ وہ لوگ جنھوں نے اپنی زمین کو رہن رکھا تھا ان کے قرضے، زر کے ارزاں ہونے کی وجہ سے کم ہو گئے۔ جس کسی کسان کے پاس لانبی مدت کا پٹہ تھا وہ زر کی صورت میں اگرچہ مقررہ لگان ادا کرتا تھا لیکن حقیقۃً وہ پہلے کے مقابلے میں کم ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ چھٹے عشرے کی ابتدا میں، کریمیا کی جنگ اور امریکہ کی خانہ جنگی کی وجہ سے بھی، غیر ملکی مقابلے میں، ایک مصنوعی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

لیکن یہ دونوں موافق حالات، غیر استوار بنیاد پر قایم تھے۔ اگر صنعت کے رہنماؤں کی طرح، کسانوں نے بھی تبدیل شدہ حالات کے ساتھ، آسانی سے مطابقت پیدا کر لی ہوتی تو انھوں نے کساد بازاری کے آنے سے پہلے ہی موقع کو غنیمت سمجھ کر ضروری تبدیلیاں کر لی ہوتیں۔ لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو غیر ملکی غلے کے لیے انگلستان کا دروازہ پھر کھل گیا اور ساتویں عشرہ میں قیمتوں کو جو زوال ہوا اس نے پہلے کے سارے فایدوں کو زائل کر دیا۔ تب کسانوں کو پرانے حالات کے ماتحت مقابلہ کرنا پڑا لیکن انھیں کوئی مصنوعی مدد نہیں ملی۔

مانچسٹر دبستان والے لوگ ضرورت سے زیادہ رجائی تھے۔ انھوں نے اس قسم کے خراب نتائج کو نظر انداز کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے یہ فرض کرنے میں بھی غلطی کی کہ یورپ کے وہ ملک جو پہلے، خانہ جنگی سے قبل کے امریکہ کی طرح، آزاد تجارت کی طرف مائل تھے، ان کی مثال کی پیروی کریں گے۔ ساتویں عشرے میں رد عمل رونما ہوا جس کی لسٹ جیسے ماہر معاشیات نے خوب تائید کی۔

لیکن انگلستان میں جو زراعتی کساد بازاری، تقریباً ۱۸۷۴ء سے پائی جاتی تھی

اس کا الزام آزاد تجارت پر نہیں رکھا جا سکتا۔ غلے کی آزاد درآمد اس کا صرف ایک جزوی سبب تھی اور یہ بھی اس لیے کہ پرانے نظام میں غلے کی کاشت کو ترقی، مصنوعی امداد پہنچا کر دی گئی تھی۔ ہر بڑی اصلاح کا اثر حقوق یافتہ لوگوں پر پڑتا ہے۔ تاہین کا مقصد یہ تھا کہ زراعت کو نفع پہنچے۔ جب تاہین ختم ہو گئی تو زراعت کو نقصان اٹھانا پڑا۔

اس الزام کو پرانے نظام اور زراعت پیشہ لوگوں کے درمیان تقسیم کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر زراعت، ۱۷۶۰ء سے برابر آزاد رہتی تو قدرتی طور پر ایسا نظام ترقی پا جاتا جو اضافہ پذیر آبادی کی ضرورتوں کے مناسب حال ہوتا۔ مقابلے نے کسانوں کو مجبور کر دیا ہوتا کہ وہ غلے کی کاشت کو کم کریں اور ترقی کے دوسرے راستوں پر چلیں یا پھر زراعت کے طریقے اور تنظیم میں ایسی تبدیلیاں پیدا کر دی ہوتیں کہ جس سے غیر ملکی مقابلے کا خوف باقی نہ رہتا۔ لیکن تاہین نے ایک ایسے فرسودہ نظام کو رسمی طریقے پر باقی رکھا جو انیسویں صدی کے آخری زمانے کے لیے بالکل ناموزوں تھا۔

تاہین کی منسوخی کے علاوہ اور دوسرے اسباب بھی برسر عمل رہے ہیں۔ گزشتہ چالیس سال میں، جرمنی اور دوسرے ملک بھی، کساد بازاری کے دور سے گزرتے رہے ہیں۔ لیکن وہاں اس مسئلے کو دوسری طرح حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان ملکوں میں بھی غیر ملکی مقابلے کا خوف پایا جاتا ہے۔ رقبہ زیر کاشت کی محض وسعت ہی خرابی کا موجب نہیں تھی کیونکہ نقصان سب طرح کے کسانوں کو پہنچ رہا تھا۔ نہ گراں شرح لگان صرف اس کا سبب تھی کیونکہ ان حالات میں بھی بعض اقدام پسند اشخاص کامیاب ہو رہے تھے۔ بلجیم اور ہالینڈ میں زمین نہایت بیش قدر ہے اور قدرتی طور پر پیدا آور بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی اعلیٰ درجے کی کاشت کا رواج عام ہے یعنی کم رقبے پر بہت محنت صرف کی جاتی ہے۔

ڈنمارک کا ملک جہاں ہالینڈ کی طرح آزاد تجارت کا رواج ہے، زراعت کی جدید ترقی کی بہترین مثال ہے۔ ایک ریتیلی غیر زرخیز زمین کو، کسانوں کی ایک ایسی آبادی جو خاص طور پر ذہین واقع ہوئی ہے نہایت خوبی کے ساتھ کاشت کرتی رہتی ہے۔ امداد باہمی کا عام رواج ہے اور جدید ترین سائنس کے طریقوں کو آزادی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ دار السلطنت میں کل آبادی کا ایک چوتھائی حصہ آباد ہے

لیکن پھر بھی شیر خانے کی پیداواروں کی بڑی مقدار کو انگلستان اور دوسری جگہوں میں بھیجا جاتا ہے یہ صحیح ہے کہ انگلستان میں لگان کی شرح اگر کم ہوتی تو ترقی کے لیے ایک عارضی محرک رونما ہو جاتا، اور غیر ملکی مقابلہ بھی نہایت شدید تھا، لیکن پھر بھی ناکامی کی توجیہ میں زیادہ تر انسانی عنصر ہی کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ سب سے زیادہ ذہین تھے وہ زراعت کی طرف مائل نہ ہوتے تھے اور یہ ایک سخت معاشی خرابی تھی۔ امداد باہمی کے لیے بھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی جرمنی اور دوسرے مقامات کے اعتباری بنکوں کی بھی بہت کم نقل کی گئی۔ آزاد کسان جب کبھی مشکل میں مبتلا ہوتا تھا تو اپنی زمین کو رہن رکھتا تھا اور یہ تدبیر ایسی تھی جو مہنگی بھی پڑتی تھی اور کسان کے بوجھ کو بھی بڑھاتی تھی۔

زمیندار کے مقابلے میں (جس کا کچھ لگان ختم ہو گیا ہے) اور پٹہ دار کے مقابلے میں (جو تخفیف شدہ لگان کو بھی مشکل سے ادا کر سکتا ہے)، زراعتی مزدور پر اس کا اثر نسبتاً کم پڑا ہے۔ جب ملک میں غلہ آزادی سے داخل ہونے لگا تو مزدور کی اجرتیں زیادہ نہیں گریں۔ دوسری طرف اس کی قوت خرید میں بہت ترقی ہو گئی۔ پھر بھی اس کے لیے صنعت جس میں اجرت متعارفہ زیادہ تھی۔ زیادہ دل کشی کا موجب تھی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخری ربع میں، شہر کی جانب منتقل ہونے کا رجحان بہت نمایاں رہا اور اب بھی اسے اہمیت حاصل ہے۔

اس کی وجہ سے کسانوں کی مشکلیں بہت بڑھ گئیں گو باقی ماندہ مزدوروں کی اجرتیں بلند ہو گئیں۔ اس کا معاشرتی اثر اور بھی زیادہ اہم ثابت ہوا۔ شہر کی زوال پذیر آبادی کی جگہ تندرست کسانوں نے لے لی۔ یہاں بھی پورا الزام آزاد تجارت پر نہیں لگایا جا سکتا۔ یہی اثر جرمنی میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ اثر ایک حد تک معاشی ہے اور ایک حد تک شخصی اور اس کا دارومدار خود مزدوروں کی پسند اور ناپسند پر ہے۔ حالیہ سالوں میں زمین کی طرف واپس جانے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ یورپ کے ملکوں کی مثال کو اگر نظر کے سامنے رکھا جائے تو چھوٹے زمینداروں کی ایک ایسی جماعت کا پیدا کرنا جو ذہین ہو اور کاشت کا کام خود کرے، بدیہی طور پر ممکن العمل نظر آتا ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی اسکیم جاری نہیں کی جا سکی ہے جسے ہر طرح قابل اطمینان کہا جا سکے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جب تک دیہات کی ذہنیت میں خود کوئی تبدیلی واقع نہ ہو اس وقت تک حکمت کی کوئی کارروائی چاہے

وہ تامینی ہو یا کسی دوسرے قسم کی موثر ثابت نہ ہوگی۔

۲۔ نئی تامین ۱۸۷۵ء کے بعد جو مسلسل کساد بازاری جاری رہی، اس نے آزاد تجارت کے اصول کی صداقت کے بارے میں کچھ شبہات پیدا کر دیے ہیں۔ ایک طرف تو زراعت کی وہ تصویر نظر آتی ہے جس میں انگلستان، امریکہ کے تباہ کن مقابلے کے رحم و کرم پر ہے دوسری طرف یورپ کی قوموں اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی وہ مثال ہے جس میں ان کی صنعتوں کا تحفظ، نئی اور شدید قسم کی تامینی پالیسی کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔ ۱۸۸۶ء جیسے خاصے ابتدائی زمانے میں بھی کساد بازاری کے اسباب کے بارے میں سالسبری کمیشن کی اقلیت نے جو رپورٹ پیش کی اس میں یہ سفارش کی گئی تھی کہ آزاد تجارت کی جگہ منصفانہ تجارت کی پالیسی کو اختیار کیا جائے۔ لیکن انیسویں صدی کے خاتمے تک، قدرت پسند جماعت میں ان محاصل کروڑ گیری کے خلاف جنھیں بعض ملکوں نے عاید کیا تھا، اگرچہ انتقامی قوانین بنانے کا جذبہ ترقی پا رہا تھا پھر بھی جب تک چیمبرلین نے جنوبی افریقہ کی جنگ کے بعد مقابلے کی نہیں ٹھانی، اس وقت تک اس "دیو" کو کسی نے دعوت جنگ نہیں دی۔

چیمبرلین نے اپنی تجاویز کا مرکز شاہی ترجیح کو قرار دیا اور ۱۹۰۳ء میں کئی ایسے حالات جمع ہو گئے جنھوں نے ان تجاویز کے لیے بہت موافق فضا تیار کر دی جنوبی افریقہ کی جنگ میں، بوئروں کی حمایت میں، جرمنی اور فرانس کی مداخلت کا جو امکان ایک زمانے میں پایا جاتا تھا اس نے ہماری بین الاقوامی تنہائی کے خطرے کو خوب نمایاں کر دیا تھا اور اس موقع پر یعنی ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۲ء کے درمیان، نوآبادیاں ہی ہماری حمایت کے لیے کھڑی ہو گئی تھیں۔ اس لیے ایک نئی اور وسیع تر شہنشاہیت کے لیے زمین تیار ہو چکی تھی اور نوآبادیوں میں چیمبرلین کو بڑی مقبولیت حاصل تھی ۱۸۹۵ء کے بعد جب وہ وزیر نوآبادیات کے عہدے پر کام کر رہا تھا اس نے ایسی انتظامی اصلاحیں کیں جن کے بارے میں امید تھی کہ ان کی سمندر پار کے نوآباد کار یقیناً بہت تعریف کریں گے۔ ۱۸۹۷ء میں اس نے برطانوی حکومت کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ کناڈا کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے۔

چیمبرلین کی ابتدائی تجویزوں میں غذا کے سامان پر محصول لگانا ضروری تھا

یعنی نو آبادیوں کے مال کی حمایت میں غیر ملکوں کے گیہوں اور آٹے پر دو شلنگ فی کوارٹر کا محصول اور غیر ملکوں کی شیر خانہ کی پیداوار کو در آمد کرنے پر ۵ فی صدی محصول ان تجاویز کی وجہ سے جو شدید اور تلخ بحث و مباحثہ شروع ہوا، اس نے چیمبرلین کو مجبور کر دیا کہ وشہنشاہی ترجیح کے مسئلے سے دست بردار ہو جائے اور ملکی صنعتوں کی تابین اور دوسرے ملکوں کے خلاف انتقامی قوانین کے زیادہ وسیع سوال کے طرف متوجہ ہو جائے۔

قدامت پسند جماعت میں جو زیادہ اعتدال پسند لوگ تھے اور جن کا رہنما آرتھر بالفور تھا وہ جوابی اسکیم کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم محصول کی بنیاد کو زیادہ وسیع کر دیں گے تو ہم اُن کو غیر ملکوں سے انتقام لینے کے لیے استعمال کر سکیں گے اور انھیں اپنے محاصل کروڑ گیری کو کم کرنے کے لیے مجبور کر سکیں گے۔

بالفور نے مصالحت کرانے کی بہت کوشش کی لیکن چیمبرلین کی اثر آفریں شخصیت کی وجہ سے قدامت پرست جماعت میں پھوٹ پڑ گئی اور اُس نے اور اس کے ساتھ آزاد تجارت کے حامیوں یعنی لارڈ جارج ہیملٹن، رچی، اور بالفور آف برلے نے حکومت کو درمیانی پالیسی پر چلنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ اس کے بعد چیمبرلین نے اپنے عہدے کی پروانہ کرتے ہوگے شمال کے صنعتی علاقے میں اپنی زبردست تحریک کو شروع کیا۔ زراعتی اضلاع میں نئے خیالات کو کامیابی ہوئی۔ لیکن سنہ ۱۹۰۶ء کے عام انتخاب میں قدامت پسندوں کو فیصلہ کن طریقے پر شکست ہو گئی۔

اس ناکامی سے مایوس نہ ہو کر، محاصل کروڑ گیری میں اصلاح کرنے والی جماعت نے اپنی فرصت سے خوب فائدہ اٹھایا لیکن شمال کے شہر پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔

نئی پالیسی ایک حد تک آمدنی کو بڑھانے کے لیے اختیار کی گئی تھی۔ مصارف میں تیزی کے ساتھ جو اضافہ ہو رہا تھا اس نے تبدیلی کو ضروری قرار دے دیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں، لبرلوں کی پالیسی یہ تھی کہ امیر لوگوں پر ٹیکس لگایا جائے خصوصاً جب ان کی دولت غیر اکتسابی ہو۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں مسٹر لائیڈ جارج نے اپنا مشہور و معروف موازنہ پیش کیا جسے دارالامرا نے مسترد کر دیا لیکن ایک عام انتخاب کے بعد یہ منظور ہو گیا۔ آزاد تجارت کو جاری رکھا گیا۔ بڑے دولت مند لوگوں پر ایک زائد محصول لگایا گیا "غیر اکتسابی اضافہ" یعنی زمین کی قدر کے اس اضافے پر بھی جو آبادی کے اضافے کی وجہ سے رونما ہو، محصول لگایا گیا، دوسری طرف غیر اکتسابی آمدنیوں پر انکم ٹیکس

کی شرح کو بڑھا دیا گیا۔ ۱۹۱۴ء کے موازنے میں غیر اکتسابی آمدنیوں پر محصول اور بھی زیادہ بڑھا دیا گیا۔

۱۲۔ آزاد تجارت اور تامین کا مقابلہ

جس تحریک کی بنیادی تفصیلات کا خاکا ابھی ابھی پیش کیا گیا ہے اس کو عمومی رنگ میں دوبارہ پیش کرنا، دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ آزاد تجارت اور تامین، جس طرح عملی پالیسیاں ہیں، اسی طرح فلسفیانہ مسلک بھی ہیں۔ فلسفیانہ اعتبار سے آزاد تجارت اور انفرادیت میں ایک قدرتی اور قریبی تعلق پایا جاتا ہے۔ ابتدائی انفرادیت پرستوں کی نگاہ میں، قانون قدرت اور قانون الٰہی میں کچھ زیادہ بعد نہیں تھا اس لیے قدرتی قوتوں کی آزاد کارفرمائیوں میں جب حقیقی مداخلت کی جاتی تھی تو انھیں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا خدا کی مقررکردہ اسکیم سے انحراف کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف تامین کے حامی، معاشرے کی نوعیت کے بارے میں ایک حد تک عضویاتی نظریے کو تسلیم کرتے ہیں گو وہ اس نظریے کو صرف ایک واحد قوم تک محدود رکھتے ہیں مثلاً سلطنت کے ارکان میں باہمی ترجیح کا دارومدار اس نظریے پر ہے کہ سلطنت میں جو مختلف قومیں شامل ہیں وہ خود مختار افراد کا مجموعہ نہیں ہیں بلکہ بنیادی طور پر ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ فلسفیانہ لحاظ سے تامین کے حامی، محض مادی مفاد کی سطحی دلیل پر قناعت نہیں کرتے بلکہ زیادہ گہرے جاتے ہیں۔ اپنے مقصد کے لحاظ سے تامین، ایک قوم کی مشترکہ معاشی اور معاشرتی زندگی میں بالکل ویسی ہی ہم آہنگ اور پابند آئین ترقی چاہتی ہے جیسی کہ ایک فرد کے قویٰ کی تربیت کے سلسلے میں ایک مثالی نظام تعلیم کی خواہش ہے۔ خالص نظری نقطۂ نگاہ سے، زیادہ فائدہ آئینی نگرانی ہی میں نظر آتا ہے بشرطیکہ وہ حالات موجود ہوں جو اس بیان کی صداقت کے لیے ضروری ہیں۔

اس شرط کو حذف نہیں کیا جاسکتا کیونکہ معاشی اور معاشرتی مسائل کبھی بھی زمان و مکان سے آزاد نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ ماحول کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں تجارتیت میں جب انحطاط ہوا تو اس نے تنگ حقوق اور ناجائز مفاد کے نظام کی صورت زیادہ تر اس لیے اختیار کرلی کہ سیاسی اقتدار ایک قلیل التعداد طبقے تک محدود تھا نیز یہ کہ انتظام سلطنت کے لیے ایک کارگزار تنظیم موجود نہیں تھی۔ برخلاف اس کے انفرادیت

کو جس زمانے نے پیدا کیا وہ اس کے لیے خاص طور پر موزوں تھی۔ بنتھم کے ہاتھ میں پہنچ کر اس نے سیاسی اور قانونی خرابیوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔ اسمتھ اور کارڈو کے ہاتھ میں جب پہنچی تو اس نے معاشیات میں بھی ویسا ہی انقلاب پیدا کر دیا۔ دوسرے الفاظ میں اس نے انسانیت کو رواج کی غلامی سے آزاد کرایا اور اس مادی ترقی کو جو انگلستان نے انیسویں صدی میں کی، ممکن بنا دیا۔

انیسویں صدی کے بیشتر حصے میں، انفرادیت نے کیا بہ لحاظ اپنی مجموعی خصوصیات کے اور کیا بہ لحاظ آزادی تجارت کی مخصوص صفت کے انگلستان کے لیے بڑا کام انجام دیا۔ اس کے وسیع تر پہلوؤں نے انفرادی اقدام اور خطر انگیزی کے لیے وہ ضروری میدان فراہم کر دیا جس نے انگلستان کو صنعتی اور تجارتی میدان میں بہت بلند مقام پر پہنچایا۔ غذا کے ضروری سامانوں میں آزاد تجارت کے رواج پا جانے کی وجہ سے مزدور پیشہ طبقے کو اتنا فائدہ پہنچا جس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ بدقسمتی سے انفرادیت نے ان طبعی اور قریبی رشتوں کو جو مختلف طبقوں کے درمیان پائے جاتے ہیں اور جن سے جماعت کا شیرازہ قایم رہتا ہے نظر انداز کر دیا اور اس کی وجہ سے جو فوائد حاصل ہوئے ان کی قیمت مزدور پیشہ آبادی کے بعض طبقوں کو سخت مصائب میں مبتلا ہو کر ادا کرنا پڑی۔

معاشرے کی فلسفیانہ بنیاد کی حیثیت سے، انفرادیت کا نظریہ ۱۸۷۰ء کے بعد سے کمزور ہونا شروع ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ معاشی اور معاشری تہذیب کو چونکہ ایک فرسودہ لیک سے نکال کر ہموار راستے پر پہنچا دیا گیا تھا اس لیے انفرادیت کی قوت محرکہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ انسانی دماغ جسے ایک صدی تک فطرت کی مادی تسخیر نے، عارضی طور پر اندھا بنائے رکھا تھا، وہ دولت کو بجائے خود ایک مقصد سمجھنے کے خیال سے منحرف ہونے لگا تھا اور اس کی جگہ دولت کے تصور کو عمرانی داخلاقی معنی میں انسانی مرفہ الحالی کے ساتھ وابستہ کرنے لگا تھا۔ معاشری زندگی توجیہ کے سلسلے میں میکانی اجتماع کے جس تصور کو پیش کیا گیا تھا اس کے ناکافی ہونے کا احساس لوگوں کو ہونے لگا تھا اور معاشرے کے مختلف طبقوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں زیادہ عضویاتی تصور سے کام لیا جانے لگا تھا۔ آزادی کے مفہوم اور مضمون نے ایک نئی شکل اختیار کر لی تھی۔ انگلستان میں لاک سے

لے کر مِل تک، آزادی کا جو یہ مفہوم رائج تھا کہ وہ حکومت کے کاموں سے متضاد ایک چیز ہے رفتہ رفتہ ترک کیا جا رہا تھا کیونکہ یہ دیکھا جا رہا تھا کہ نیم بیگاری مزدور اور موقع ملنے پر مزدوری کرنے والے ان پڑھ شخص کی آزادی کا اس وقت تک کوئی مفہوم ہی نہیں نکلتا جب تک حکومت کی مداخلت ان حالات کو پیدا نہیں کر دیتی جو اس کی حقیقی شخصیت اور اختیارات ترقی دینے کے لیے ضروری ہیں جب ایک دفعہ اس بات کو سمجھ لیا گیا کہ آزادی تک کے لیے معاشری زندگی پر آئینی پابندیوں کے لگانے کی ضرورت ہے تو اس مخالف انفرادیت نظریے نے حکومت کی مداخلت کو بالکل ہی نئی روشنی میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ ابتدا میں یہ خیالات سیاست میں ظاہر ہوئے لیکن انسانی مشاغل کے مختلف مظاہر ایک اکائی کی صورت رکھتے ہیں۔ چنانچہ غیر پابند مقابلہ اور آزاد تجارت کا نظریہ جس کا مفہوم یہ تھا کہ تجارت پر کسی آئینی پابندی لگانے کی ضرورت نہیں ہے، فلسفیانہ لحاظ سے ناقابل تسلیم ہو گیا۔

اب آئیے آزاد تجارت پر ایک عملی تجارتی پالیسی کی حیثیت سے غور کیا جائے۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں اس کے لیے حالات بہت سازگار تھے۔ اس کو اس زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، جب دنیا کی تمام قوموں میں صرف انگلستان ہی نے جدید صنعت کو خوب ترقی دی تھی اور جب اس کو، بڑی قوت محرکہ یعنی کوئلہ کا تقریباً اجارہ حاصل تھا۔ ریاست ہائے متحدۂ امریکا، اگر اس کے مشرقی ساحلی علاقے سے قطع نظر کر لیا جائے، ابھی تک ایک ناقابل گزر ویرانہ تھا۔ یورپ ان نسلی جنگوں کی ابتری کی وجہ سے جو سیاسی آزادی کے حصول کے لیے جا رہی تھیں، صنعتی و تجارتی مقابلے کے لائق نہ تھا۔ اس لیے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ انگلستان کے اقتدار کا کس قدر حصہ تجارتی پالیسی کا نتیجہ تھا اور کتنا محض ایسے حالات کا جو خالص اتفاقی نوعیت رکھتے تھے۔ اس بات کا ہمیں تجربہ ہو چکا ہے کہ آدم اسمتھ اور کابڈن نے عالمگیر معاشی اکائی کا جو خواب دیکھا تھا اس نے ابھی تک حقیقت کا جامہ نہیں پہنا ہے۔ جرمنی میں آزاد تجارت کے جوش کو لسٹ نے ان دلیلوں سے ٹھنڈا کر دیا جو اتنی خالص معاشی نہیں تھیں جتنی کہ معاشری اور تمدنی تھیں۔ یہ دعویٰ کر کے کہ ایک قوم کا نصب العین محض اپنی قوت مبادلہ کی ترقی نہ ہونا چاہیے بلکہ پیدائش دولت کی ایسی ترقی ہونا چاہیے جو سائنس کے اصول کے تحت کی گئی ہو، اس نے

انفرادیت کے فلسفے پر ایک سخت ضرب لگائی۔

انیسویں صدی کے خاتمہ پر جرمنی اور امریکا کے ساتھ جو نیا مقابلہ شروع ہوا اس نے اس حقیقت کو سب پر روشن کر دیا کہ انگلستان کو نسبتہً اب وہ سہولتیں حاصل نہیں رہیں جو ابتدا میں حاصل تھیں۔ دنیا میں اب نئے حالات رونما ہو گئے تھے۔ ان واقعات کے احساس ہی کی وجہ سے نوآبادیوں کی قدر و قیمت نئی صورت میں نظر آنے لگی اور ان ہی واقعات کی بنا پر چیمبرلین نے بھی شاہی اتحاد کی مہم کو شروع کیا۔

جنگ اور بعد جنگ کے سالوں میں نہ صرف قومیت کی تحریک کا ایک نیا سیلاب امنڈ پڑا بلکہ ایک دوسرا صنعتی انقلاب بھی رونما ہو گیا۔ اس صنعتی انقلاب کا مفہوم یہ ہے کہ سائنس کا استعمال زیادہ شدت کے ساتھ ان مسائل کے حل کرنے کے سلسلے میں کیا جانے لگا ہے جن کا تعلق مزدوروں کو برطرف کرنے والی مشینوں یا صنعتی تنظیم سے ہے۔ ان عوامل نے دنیا میں وہ حالات پیدا کر دیے ہیں جو ۱۸۵۰ء کے مقابلے میں بہت زیادہ مختلف ہیں۔ بین الاقوامی تجارت کی آزادی میں جنگ قومیت کی وجہ سے جو خود نتیجہ ہے مخصوص سیاسی اور معاشی حالات کا، جو مشکلیں بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور صنعت میں سائنس کے اصولوں کے شدت کے ساتھ رائج ہو جانے کی وجہ سے جو بے روزگاری پیدا ہو رہی ہے۔ ان دونوں چیزوں نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاشری اور معاشی زندگی میں ایسی تبدیلیوں کو ناگزیر بنا دیا ہے جو انیسویں صدی کی انفرادیت کے بالکل منافی ہیں۔

انفرادیت اور آئینی پابندی، آزاد تجارت اور تامین کی قدر و قیمت کا اندازہ مجرد طور پر یعنی انھیں زمانے کے عام حالات سے آزاد رکھ کر نہیں کیا جا سکتا۔ ہر اصول کے اندر، مخصوص فوائد، صرف مخصوص حالات ہی میں پائے جاتے ہیں۔ یہ آدم اسمتھ اور رکارڈو کی بنیادی غلطی تھی کہ انھوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ اصول جو صنعتی انقلاب کے زمانے میں انگلستان کے لیے ناقابل اشتباہ فائدہ رکھتے تھے وہ ہر جگہ اور ہر حالت میں مساوی فائدے کے موجب ہو سکیں گے۔

محصول بندی ۱۸۶۰ء تا ۱۹۱۴ء عام اصول

محصول بندی کے مسائل کے بارے میں اس باب کی کئی فصلوں میں اشارہ کیا جا چکا

عقیدے کی ترقی اور اس کے مابعد زوال کے نقطۂ نگاہ سے۔ اس لئے اب یہ ضروری ہے کہ زیادہ عمومی رنگ میں انیسویں صدی میں محصول بندی خصوصاً انکم ٹیکس کی جو تاریخ رہی ہے اس پر غور کیا جائے

۲۲۔ محصول بندی اٹھارویں صدی میں

اٹھارویں صدی کا مسلمہ اصول یہ تھا کہ محاصل کا بار صرف خرچ پڑنا چاہئے اور کسی ایک نقطے پر بھی ان کا دباؤ بہت زیادہ نہ ہونا چاہئے بلکہ بہت سے نقطوں پر ہلکا ہلکا دباؤ ہونا چاہئے۔ بلا واسطہ محاصل کو کسی جگہ بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انتظام مملکت کی تنظیم اتنی ناقص تھی کہ آمدنی پر عام محصول کو نافذ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دھوکہ بازی اور لیت ولعل کا تدارک، زمین کے محصول کے سوا اور کہیں نہیں کیا جا سکتا تھا اور پارلیمنٹ میں زمینداروں کے نمایندوں کو غلبہ حاصل تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ آمدنی کے بارے میں باضابطہ رپورٹ پیش کرنے کے لئے لوگوں کو مجبور کرنا، انگریزوں کی روایتی آزادی میں بے جا مداخلت کرنے کے مترادف ہے۔ عجیب بات یہ تھی کہ بالواسطہ محاصل کی حمایت عدل و انصاف کی دلیل پیش کر کے کی جاتی تھی۔ کہا یہ جاتا تھا کہ خرچ ایک اختیاری چیز ہے۔ آدمی اگر محصول سے بچنا چاہے تو وہ تعیشات پر خرچ کرنے سے احتراز کر کے بچ سکتا ہے۔ جب اعتراض یہ کیا جاتا تھا کہ یہ دلیل ضروریات پر صادق نہیں آتی تو جواب یہ دیا جاتا تھا کہ چونکہ مزدور کمتر ین ضروریات زندگی کے معاوضے میں پہلے ہی سے کام کر رہا ہے اس لئے جب ان ضروریات پر محصول لگتا ہے جو اس کی جسمانی زندگی کے لئے ضروری ہیں تو اجرتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے اور اس طرح یہ محصول آجروں پر یا مال کو استعمال کرنے والی پبلک پر منتقل ہو جاتا ہے۔

اسی بنا پر، عام طور پر یہ دلیل پیش کی جاتی تھی کہ صرف تعیشات پر محصول لگایا جائے لیکن عملاً تعیشات کی تعریف کرنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ثابت ہوا۔ اسی کے ساتھ ساتھ جوں جوں اٹھارویں صدی آگے بڑھی، ویسے ویسے حکومت کے مصارف بھی لاتناہی خارجی جنگوں کی وجہ سے بڑھتے چلے گئے اور اس کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ عملاً ہر شے، جو عام استعمال میں آتی تھی، محصول کی پابند ہو گئی۔

اس کے خلاف کئی سخت اعتراضات کئے گئے۔ اولاً تو اس نظریے کی کہ ضروریات پر جو محاصل عاید کیے جاتے ہیں، ان کے آخری بار سے، مزدوروں کا غریب ترین طبقہ آزاد رہتا ہے، تجربے سے کوئی حقیقی تائید نہیں ہوئی۔ دوسرے، جب محاصل تمام تر خرچ سے وصول کیے جاتے ہیں تو امرا کے طبقے پر ان کا دباؤ بہت کم ہوتا ہے اور ان لوگوں پر جن کی آمدنی متوسط یا مختصر ہوتی ہے ان کا دباؤ تناسب سے بہت زیادہ پڑتا ہے خزانۂ عامرہ کے نقطۂ نگاہ سے بھی جب بلا امتیاز ہر چیز پر محصول لگایا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے سخت عملی خرابیاں رونما ہو جاتی ہیں۔ بعض صورتوں میں محصول کے جمع کرنے کے مصارف کو منہا کرنے کے بعد برائے نام کچھ رقم باقی رہتی تھی اور اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ تھی کہ ایسی مثالیں جن میں وقت کی ضرورت کے ساتھ ساتھ آمدنی تغیر پذیر ثابت ہوئی ہو بہت ہی کم تھیں۔

۲۳۔ پٹ

جب ۱۷۸۳ء میں، پٹ، وزیر مالیات بنا، تو ملک کے مالیات کی حالت بہت ابتر تھی۔ سرکاری تمسکات کی قیمت ۵۶ پر پہنچ گئی تھی اور قومی قرضہ ایک ناقابل برداشت بوجھ نظر آتا تھا۔ اس کی ابتدائی اصلاحیں یہ تھیں کہ اس نے کروڑگیری کے محاصل کو سادہ اور آسان بنایا امیروں کی تعیشات پر کچھ خانگی محصول کی آمدنی بڑھانے کے لئے لگائے اور ایک متحدہ ذخیرۂ نقد قایم کیا۔ (اس کے دور سے پہلے، مصارف کی مختلف مدوں کا بار مختلف محاصل پر ڈالا جایا کرتا تھا۔)

ان اصلاحوں کے ذریعے پٹ کو یہ امید تھی کہ وہ کچھ بچت حاصل کر سکے گا اور اس بچت سے قومی قرضے کو کم کرنے کا کام لیا جا سکے گا۔ ڈاکٹر پرائس کے خیالات سے متاثر ہو کر اس نے ایک ذخیرۂ ادائی بھی قایم کیا۔ اس امکان کو دور کرنے کے لئے کہ ذخیرۂ نقد کو دوسرے کاموں پر صرف نہ کیا جائے، جیسا کہ وال پول کی اسکیم کے معاملے میں کیا گیا تھا، پٹ نے یہ تجویز کی کہ کمشنروں کو دس لاکھ پونڈ سالانہ کی رقم، سرکاری تمسکات خریدنے کے لئے دی جایا کرے اور ان تمسکوں کے سود کو مزید خریداریوں پر صرف کیا جائے۔ پرائس کا یہ دعویٰ تھا کہ اس طریقے پر سرکاری قرضہ آخر کار بالکل ختم ہو جائے گا اور ایسا ضرور ہوتا بشرطیکہ حکومت اپنے آیندہ کے مصارف کو سختی کے ساتھ محدود کر دیتی۔

۱۷۹۲ء تک مالیاتی صورت حال اتنی بہتر ہو گئی تھی کہ پٹ کو مال گاڑیوں، چھوٹے مکانوں اور موم بتیوں پر محصول کو کم کرنے کا موقع مل گیا لیکن بدقسمتی سے اسی وقت فرانس کی انقلابی جنگیں شروع ہو گئیں۔

۳۔ پٹ کی جنگی مالیات

پٹ نے جنگ کے زمانے میں جو تدبیریں اختیار کیں، ان پر سخت مخالفانہ تنقید کی جا سکتی ہے۔ شدید محاصل عاید کر کے اس نے خرچ کو فوراً کم نہیں کیا بلکہ اس نے ضروری رسد کا بیشتر حصہ، قرض کے ذریعے فراہم کرنے کی کوشش کی۔ جس حد تک اس نے محصول عاید کئے ان میں بھی اس نے اٹھارویں صدی کی روایات کی پیروی کی اور ہر اس چیز پر محصول لگا دیا جس کے استعمال کیے جانے کا امکان پایا جاتا تھا۔ لیکن آمدنی کی غیر تغیر پذیری نے اُسے زیادہ تر قرض پر بھروسہ کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔ ان قرضوں کو جس شکل میں لیا گیا، وہ بھی، جب طویل مدت کو نظر کے سامنے رکھا جاتا ہے، تو مفاد عامہ سے بہت دور نظر آتے ہیں۔ ۵ فی صدی شرح سود کے حساب سے انھیں مساوی قیمت پر فروخت نہیں کیا گیا۔ بلکہ انھیں تین فی صدی شرح سود کے حساب سے ۶۰ کی قیمت پر پبلک کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے پیش کیا گیا۔ چنانچہ جتنی رقم، قرض کی صورت میں، حقیقۃً وصول ہوئی اس کے مقابلے میں آئندہ کے لئے قوم پر، قرض کا بار زیادہ ڈال دیا گیا۔ لیکن پٹ کے ساتھ انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ اس بات کو یاد رکھا جائے کہ کم شرح سود اور تحت مساوات قیمت، قرض لینے والی پبلک کے لئے زیادہ جاذب نظر تھی کیونکہ اس کے ذریعے ایک حد تک اس بات کی ضمانت ہو جاتی تھی کہ تبدیل قرض[1] سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

اِسی کے ساتھ ساتھ، اُس زمانے میں بھی، جب کہ سرکاری مصارف میں نہایت تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا، پٹ نے ذخیرۂ ادائی قرض کو اپنی جگہ پر قایم رکھنے کی کوشش کی لیکن اس اسکیم کی تکمیل، بچت آمدنی پر موقوف تھی۔ اور جب سے جنگ شروع ہوئی تھی آمدنی، مصارف تک کے لئے ناکافی ہو گئی تھی۔ چنانچہ ذخیرۂ ادائی قرض کی اسکیم کو جاری

[1] Conversion

رکھنے کے لئے پٹ مجبور ہوا کہ ابتدا میں جس شرح پر قرض لیا گیا تھا اس سے بلند تر شرح پر قرض لے۔ سنہ ۱۷۹۷ء میں بنک آف انگلینڈ میں جو بحران رونما ہوا تھا، اس کا ذکر دوسری جگہ کیا جا چکا ہے۔ اس بحران کے پیدا کرنے میں بلاشبہہ ان قرضوں کا بھی حصہ تھا جنھیں پٹ نے قریب قریب جبریہ طریقے پر بنک سے حاصل کیا تھا۔

۲۵۔ انکم ٹیکس

حالات کے اقتضا نے آخر کار پٹ کو مجبور کیا کہ وہ اٹھارویں صدی کے روایتی طریقے کو ترک کردے۔ سنہ ۱۷۹۷ء کے بحران نے اس کے عقیدے کو بدل دیا اور اب وہ اس بات کا قایل ہو گیا کہ آیندہ آمدنی کو محصول کے ذریعے سے بہت زیادہ اور قرض کے ذریعے سے بہت کم وصول کیا جائے۔ سنہ ۱۷۹۹ء میں، انکم ٹیکس، ان تمام آمدنیوں پر جو دو سو پونڈ سے زیادہ تھیں، دو شلنگ فی پونڈ کی شرح سے لگا دیا گیا۔ ساٹھ اور دو سو پونڈ کے درمیان جو آمدنیاں تھیں ان پر محصول کی شرحیں مختلف رکھی گئیں اور ساٹھ پونڈ سے کم کی آمدنیاں محصول سے بری تھیں۔ یہ بات دیکھنے میں بڑی دلچسپ ہے کہ جب یہ محصول لگایا گیا تو حکومت نے معذرت کا ایک طومار باندھ دیا۔ پٹ نے صاف دلی کے ساتھ اس امر کا اقرار کیا کہ اس محصول کے خلاف جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کی قوت میں سرمو فرق نہیں آیا ہے اور ان محاصل کو محض عارضی اور دوران جنگ کی ایک تدبیر سمجھنا چاہیے۔

۲۶۔ جنگ کے بعد کا زمانہ۔

واٹرلو کے فوراً بعد، انکم ٹیکس کی مخالفت جو اندر ہی اندر دبی ہوئی تھی، پورے جوش کے ساتھ ابل پڑی اور سنہ ۱۸۱۶ء میں مخالفوں کو، جن کا رہنما، ہنری براوہم تھا اس کے منسوخ کرانے میں کامیابی ہوئی۔ آمدنی کے نقصان کی وجہ سے، حکومت، مالیاتی مشکلات میں مبتلا ہو گئی کیونکہ بجٹ میں توازن پیدا کرنے کا مسئلہ ناممکن العمل نظر آنے لگا اور کفایت کی صدا ہر طرف سے اٹھنا شروع ہو گئی۔ بحث و مباحثہ کا مرکزی موضوع، قومی قرضہ بنا ہوا تھا اور ریکارڈو تک نے سرمایے پر محصول لگانے کی تجویز پیش کی۔ ذخیرۂ ادائی قرضہ کے سلسلے میں کچھ ترمیمیں کی گئیں اور سنہ ۱۸۲۲ء میں اور دوبارہ سنہ ۱۸۲۴ء میں، چھوٹے پیمانے پر مبادلۂ قرض کا کام بھی کیا گیا۔ سنہ ۱۸۲۵ء تک حالت اتنی بہتر ہو گئی تھی کہ رابنسن کو غریب ترین طبقوں پر محصول کے بار کو کم کرنے کا موقع مل گیا اور اسی پالیسی کو ولنگٹن کی حکومت نے سنہ ۱۸۳۰ء

تک جاری رکھا۔ دونوں جماعتیں اس بات کا عہد کر چکی تھیں کہ محصول کو بتدریج مسلسل طریقے پر کم کرتی چلی جائیں گی۔ لیکن اب اُن مالیاتی مفکروں پر جو تیز فہم تھے مثلاً سر ہنری پارنیل پر یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ مزید اصلاح اس وقت تک ناممکن ہے جب تک محصول بندی کی پوری بنیاد پر نظر ثانی نہ کی جائے۔ چنانچہ، پارنل نے آمدنی پر محصول لگانے کی سفارش کی۔ اگرچہ وزیر مالیات، ایلتھراپ کا میلان اس کی ناموافقت میں نہیں تھا لیکن وِگوں کی غیر مصالحانہ مخالفت نے پالیسی کی بنیادی تبدیلی کو عملی سیاسیات کی حدود سے خارج کر دیا تھا۔

۲۷۔ پیل جب ۱۸۴۲ء میں پیل نے عہدۂ وزارت قبول کیا تو مالیات کی حالت دوبارہ ابتر تھی ۱۸۳۹ء کے بحران کے بعد برابر، سال بہ سال خسارہ ہو رہا تھا۔ حالات کے دباؤ نے، ایک محدود مدت کے لئے اسے انکم ٹیکس لگانے کے واسطے، ویسا ہی مجبور کیا جیسا ۱۷۹۹ء میں پٹ کو کیا تھا۔ شرح، ۷ پنس فی پونڈ رکھی گئی اور معافی کی حد ایک سو پچاس پونڈ قرار دی گئی۔ پارنل کی تصنیف، "مالیاتی اصلاح" کی وجہ سے پیل کے عقیدے میں یہ تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ اس کے اس فعل کی محرک محض عملی ضرورت تھی۔ ایک طرف موازنے میں توازن پیدا کرنا ضروری تھا اور دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ بعض ان ٹیکسوں کو جو تجارت کی تجدید میں دشواری پیدا کر رہے تھے منسوخ کیا جائے۔ اس کا عقیدہ آزاد تجارت کے نظری حامیوں سے بہت مختلف تھا۔ اس کا بنیادی دعویٰ یہ تھا کہ صرف تجارت کی تجدید ہی سے ملک کی مالیات میں دوبارہ نظم پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس نے انکم ٹیکس کو ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر عاید کیا اور اس بات کا برابر عقیدہ رکھا کہ اگر اس کی وجہ سے کچھ خراب اثرات رونما ہوں گے تو ان کی تلافی، خوش حالی کے عام اضافے کے ذریعے ہو جائے گی اور یہ چیز، اپنی جگہ پر، اُسے انکم ٹیکس کی منسوخی کا موقع فراہم کر دے گی۔

نیا ٹیکس اس قدر کامیاب ہوا کہ دو سال بعد، وزیر مالیات، گولبرن کو موقع مل گیا کہ وہ کشمشوں اور قہوے پر محصول کم کر دے اور اسی سال اس نے قومی قرضے کے اولین بڑے مبادلے؎ کو عملی جامہ پہنایا اور ۲۵ کروڑ پونڈ کے قرضے پر شرح سود $3\frac{1}{2}$

؎ Conversion

فی صدی سے گھٹا کر ۱۳ فی صدی اور بعد میں ۳ فی صدی کر دی گئی۔ انکم ٹیکس کی منسوخی گو اس کے بعد کے سال میں واجب تھی لیکن پیل نے اس کو جاری رکھنا ضروری سمجھا اور یہی لارڈ ڈربی اور ڈیزریلی کی حکومتوں نے بھی کیا۔ واقعہ یہ تھا کہ نہ تو گولبرن اس کے بغیر یا اس کے کسی بدل سے کام چلا سکتا تھا نہ ڈیزریلی اور سنہ ۱۸۵۲ء میں اسے ترکے کے طور پر مسٹر گلیڈ اسٹن کے حوالے کیا گیا۔

۲۸۔ گلیڈ اسٹن جب گلیڈ اسٹن پہلی بار وزیر مالیات بنا تو انکم ٹیکس کا قضیہ بہت نازک منزل پر پہنچ چکا تھا۔ ایک جماعت فوری منسوخی کا مطالبہ کر رہی تھی دوسری اس کو قایم رکھنا چاہتی تھی لیکن اس بات پر زور دیتی تھی کہ اکتسابی اور غیر اکتسابی آمدنیوں کے بارے میں، اصولی تفریق کی جائے۔ اصولی تفریق کا گلیڈ اسٹن سختی کے ساتھ مخالف تھا۔ اس کی دلیل یہ تھی، اگرچہ اس کے اعتراض کی اہمیت کو سمجھنا مشکل ہے کہ اس کی وجہ سے ٹیکس کی کارکردگی میں بہت فرق آجائے گا۔ اس نے پٹ کے اس اصول کے ساتھ کہ اس ٹیکس کو ایک ہنگامی اور عارضی تدبیر سمجھا جائے اپنا اتفاق خیال ظاہر کیا۔ چنانچہ اس نے ایسا انتظام کیا کہ یہ ٹیکس سنہ ۱۸۶۰ء میں آخری طور پر منسوخ ہو سکے۔ اس نے اس بنیاد پر کہ ادنی متوسط طبقوں کو بالواسطہ محاصل کی حالیہ تخفیف سے خاصا فایدہ پہنچا ہے، معافی کی حد کو کم کر کے سو پونڈ مقرر کر دیا۔ دوسری طرف اس نے اس رعایت کو جاری کیا کہ سالانہ آمدنی کے ساتویں حصے کی مجرائی اس صورت میں دی جائے جب پس انداز کی ہوئی رقموں کا شغل اصل زندگی کا بیمہ کرانے یا ملتوی شدہ سالیانہ[لہ] میں کیا جائے اس نے ترکے کے محصول میں بھی جسے پٹ نے سنہ ۱۷۹۶ء میں جاری کیا تھا، اصلاح کی۔

پیل کی طرح، گلیڈ اسٹن بھی یہ چاہتا تھا کہ انکم ٹیکس کی بچت کے ذریعے ان محاصل کو کم کرے جو تجارت کی توسیع میں حارج ہیں بدقسمتی سے اس کے منصوبے روسی جنگ اور ہندوستانی غدر کے شروع ہو جانے کی وجہ سے خاک میں مل گئے۔

اس نے محصول کے بوجھ کو کم نہیں کیا انکم ٹیکس کو جاری رکھا گیا۔ گلیڈ اسٹن نے اس کو سنہ ۱۸۶۰ء میں منسوخ کرنے کی جو اسکیم بنائی تھی، وہ قومی قرضے کی وجہ سے جو

لہ Deferred Annuities

جنگ کا نتیجہ تھا، ناکام رہی۔ لیکن ۱۸۶۱ء کے بعد ملک کی مالیاتی حالت، تجارت کی گرم بازاری کی وجہ سے جو کئی سال تک جاری رہی، بہتر ہوگئی اور ۱۸۶۰ء میں چائے پر محصول کم کرکے ۶ پنس اور انکم ٹیکس ۴ پنس فی پونڈ کردیا گیا۔[1]

۲۹۔ وکٹوریہ کے وسطی دور کی مالیات کا خلاصہ

جہاں تک مالیات کی داخلی پالیسی کا تعلق ہے، دوسرے عشرے میں کوئی حیرت انگیز تبدیلی نہیں ہوئی۔ محصول بندی کے مسئلے پر ڈزریلی اور گلیڈاسٹن میں کوئی اہم مخالفت نہیں تھی۔ اس لئے یہ ناموزوں نہ ہوگا کہ ایک لمحے کے لئے توقف کرکے وکٹوریہ کے وسطی دور کی مالیات کے نمایاں رجحانات کا خلاصہ پیش کردیا جائے۔ اس پالیسی کا نہایت باثر علم بردار، گلیڈاسٹن تھا اور اگر آزاد تجارت کے مسئلے سے قطع نظر کرلیا جائے جس سے ہمیں یہاں کوئی سروکار نہیں ہے تو ان سالوں کی بڑی خصوصیت مالیاتی انفرادیت قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ نظریہ ہر جگہ قبول کرلیا گیا تھا کہ روپے کو حکومت کی معرفت، خانگی افراد کے مفاد میں خرچ کرنے سے اتنا فایدہ حاصل نہیں ہوتا جتنا اُسے خود ان خانگی افراد کے ہاتھوں میں بارآور ہونے کے لئے چھوڑ دینے سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے بعض معاملات ایسے ضرور تسلیم کیے جاتے تھے، جیسا کہ آدم اسمتھ نے بھی بتلایا تھا، جو خانگی کوشش کے میدان عمل سے باہر تھے مثلاً دفاعی قوتیں۔ لیکن غلبہ اسی رائے کو حاصل تھا کہ حکومت کی مداخلت اور اس کے نتیجے کے طور پر حکومت کے اخراجات کو اس کمتر ین حد کے اندر رکھنا چاہیے جو ملک کے تحفظ کے لیے موزوں ہو اور اس کام میں قومی فلاح وبہبود کے مقصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس بیان سے قومی قرضہ، انکم ٹیکس اور بالواسطہ محصول کے بارے میں۔ گلیڈاسٹن کا جو رویہ تھا اور جس سے بصورت مجموعی ٹوری بھی متفق تھے سمجھا جاسکتا ہے۔ قومی بار کو کم کیا جائے۔ انکم ٹیکس کو ہنگامی تدبیر قرار دیا جائے۔ اسے صرف جنگ کے زمانوں میں مالیاتی اصلاح کے مقصد کے ماتحت عاید کیا جائے تاکہ جب ملک کی مرفہ الحالی میں اضافہ ہو تو نئے بالواسطہ محاصل کو زیادہ آسانی کے ساتھ برداشت کیا جاسکے۔

---

[1] جب سے اس محصول کو لگایا گیا تھا، اس سے کم یہ کبھی نہ ہوا تھا۔

۳۰۔ ایک نیا مالیاتی عہد

سنہ ۱۸۷۰ء کے بعد، نئے حالات نے اِن خیالات میں تدریجی اصلاح کے لئے مجبور کیا۔ مملکت کے نظریے کی حیثیت سے، انفرادیت کے زوال کا اجمالی بیان دوسرے سلسلے میں کیا جاچکا ہے۔ لیکن اس نظریے کے زوال نے، تبدیلی کے لئے صرف ایک فلسفیانہ وجہ جواز فراہم کی۔ اس کے لئے قوت محرکہ کا کام، ٹھوس واقعات ہی نے انجام دیا۔ ایک طرف تو سنہ ۱۸۶۷ء کے بعد، حق رائے دہی کی تدریجی توسیع کی وجہ سے، مزدور پیشہ طبقوں کے ہاتھ میں جب سیاسی اقتدار کا توازن پہنچ گیا تو حکومت مجبور ہوئی کہ معاشری خدمات، خصوصاً تعلیم اور صفائی کے کاموں پر، اپنے خرچ میں اضافہ کرے۔ دوسری طرف ڈزرئیلی کی قدامت پسند جماعت نے جو نئی خارجی پالیسی اختیار کی اس کی وجہ سے آئندہ کے لئے، آلات حرب کے گرانبار مصارف کی بنیاد رکھی گئی۔ مستقبل کا مسئلہ اب اخراجات کو کم کرنا نہیں رہا بلکہ ایک مسلسل اضافہ پذیر موازنے میں توازن پیدا کرنا ہوگیا۔

قومی قرضے کے ساتھ جو تعلق خاطر، پچھلے زمانے سے چلا آرہا تھا، وہ ظاہر ہے مشکل ہی سے فنا ہوا۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں نارتھ کوٹ نے ادائی قرض کا ایک نیا ذخیرہ قائم کیا اور دس سال بعد چائلڈرس نے ایک قبل از وقت کوشش ۳ فی صدی کے تمسکات کے مبادلہ کرنے کے لئے کی، جو ناکام ثابت ہوئی۔ گوشن کو جو لارڈ سالسبری کی حکومت میں وزیر مالیات تھا، سنہ ۱۸۸۸ء میں زیادہ کامیابی ہوئی جب اس نے ۳ فی صدی کے تمسکات کا مبادلہ پونے تین فی صدی کے تمسکات کے ساتھ اور آگے چل کر سنہ ۱۹۰۳ء میں ½۲ فی صدی کے تمسکات کے ساتھ کیا۔

سنہ ۱۸۷۰ء اور ہارکورٹ کے سنہ ۱۸۹۴ء کے موازنے کے درمیان، محصول بندی کے سلسلے میں دو حسب ذیل اہم ترین تبدیلیاں ہوئیں۔ ایک تو گلیڈاسٹن کے مالٹ کے ٹیکس کو بیئر شراب کے ٹیکس میں تبدیل کیا گیا (یہ ایک نہایت اہم نیا انحراف تھا) اور دوسرے گوشن نے ان آمدنیوں کو جو شراب خانوں کے اور بندوقوں، کتوں، کھیلوں کے اجازت ناموں سے ہوتی تھیں، اضلاع کی نئی کونسلوں کے سپرد کردیا تاکہ انھیں مقامی کاموں کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ لیکن یہ معاملات سنہ ۱۸۹۴ء کی بنیادی تبدیلیوں کے مقابلے میں غیر اہم تھے۔

۱۳۱۔ ہارکورٹ کے محاصل موت[1]

ہارکورٹ کے موازنے کے بارے میں ایک مختصر اشارہ تو اوپر کیا جا چکا ہے لیکن اس موضوع کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اس پر زیادہ تفصیل کے ساتھ توجہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ۱۸۹۴ء کے موازنے نے پرانے روایتی طریقے سے کئی باتوں میں انحراف کیا۔ اول تو اس میں صفائی کے ساتھ اس بات کا اقرار کیا گیا کہ نئے نظام معاشرے میں حکومت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بالواسطہ محصول ناکافی ثابت ہوئے۔ دوسرے اس کے اندر اسی قدر صفائی کے ساتھ اس بات کو بھی تسلیم کیا گیا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ معاشرے کے زیادہ دولت مند طبقے، قومی بوجھ کے حصے کو پہلے سے زیادہ بڑی نسبت کے ساتھ برداشت کریں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے، ہارکورٹ نے اس وقت کے موجودہ محاصل کی جگہ دو نئے قسم کے محصول لگائے۔ پہلا، اور یہی حقیقۃً زیادہ اہم تھا جایداد کا نیا محصول تھا جو غیر منقولہ اور شخصی ملکیت کی مجموعی قدر پر لگایا جاتا تھا اور اس محصول کو ایک فی صدی سے ۸ فی صدی تک متزائد رکھا گیا تھا۔ یہ چیز یعنی اصول درجہ بندی[2]، ایک بنیادی تبدیلی کو ظاہر کرتی تھی کیونکہ ہارکورٹ نے اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی اعلان کیا تھا کہ میں نے اس اصول کو محض انتظام کی دشواریوں کی وجہ سے انکم ٹیکس پر عاید نہیں کیا۔ ہارکورٹ نے محصول بندی کو انصاف کے ایک نئے اصول پر مبنی کر کے، نہ صرف مالیات کی اس مسلمہ پالیسی سے انحراف کیا جسے گلیڈ اسٹن نے قایم کیا تھا بلکہ اصول متناسب کی اس روایت سے بھی روگردانی کی جس کی حمایت ماہرین معاشیات، آدم اسمتھ سے لے کر مل تک کرتے چلے آ رہے تھے۔ مملکت کے ان تمام نظریوں کا جو جماعت کی بہبود کو بحیثیت مجموعی، اپنا مرکزی خیال قرار دیتے ہیں یہ ایک لازمی نتیجہ ہے کہ محصول بندی میں تدریجی ترقی پذیری پیدا کی جائے لیکن اس سے پہلے کی نسل کے لئے، جو انفرادیت پرست لبرلزم کی پیرو تھی اور گلیڈ اسٹن کے لئے یہ چیز جائداد کی ضبطی

---

[1] Death Duties

[2] Progression

سے ہرگز کم نہ تھی۔ جب ایک مرتبہ پرانی روایت میں رخنہ ڈال دیا گیا تو واقعات کی ترقی کی رفتار تیز ہوگئی۔

۳۲۔ ۱۹۰۶ء کے بعد آزاد پسندوں کی مالیات

جنوبی افریقہ کی جنگ نے جس کے ساتھ انیسویں صدی کا خاتمہ ہوا، کسی نئے مالیاتی اصول کی ابتدا نہیں کی بلکہ ۱۸۵۴ء کی ہنگامی تدبیروں کو، یعنی اضافہ شدہ انکم ٹیکس، جنگی قرضے اور ایسی اشیا پر بالواسطہ محاصل کو جن سے تغیر پذیر آمدنی حاصل ہوتی ہے، دوبارہ اختیار کیا گیا۔ لیکن جب آزاد پسندوں کو ۱۹۰۶ء میں کامیابی ہوئی تو اس کے جلو میں تیزی کے ساتھ اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کیمبل بینرمین کا انتخاب اس کے معاشری اصلاح کے پروگرام کی بنا پر ہوا تھا۔ پہلی تبدیلی تو یہ کی گئی کہ گلیڈاسٹن کی جو پالیسی انکم ٹیکس کے بارے میں تھی اس کے بالکل برعکس پالیسی کو اختیار کیا گیا۔ اس محصول کو چونکہ مسلمہ طور پر عارضی سمجھا جاتا تھا، اس لئے گلیڈاسٹن آمدنی کے مختلف ذرایع میں تفریق قایم کرنے کو ہمیشہ خلاف مصلحت سمجھتا رہا لیکن ۱۹۰۷ء میں ایسکوئتھ نے ایسی اکتسابی آمدنیوں پر جو دو ہزار پونڈ سالانہ سے کم ہوں، شرح کو ایک شلنگ سے گھٹا کر ۹ پنس کر دیا اور بہت بڑی جایدادوں کے محاصل ہوتے ہیں اصول متزائد کو رائج کرکے، جایداد کے مالک طبقوں پر اور بھی زیادہ بوجھ ڈال دیا

حقیقی بنیادی تبدیلیاں ۱۹۰۹ء میں واقع ہوئیں جب لائیڈ جارج نے اپنا "جنگی موازنہ" افلاس کے خلاف، آزادی پسندوں کی مہم کو شروع کرنے کے لئے پیش کیا۔ نئی مجوزہ معاشری اصلاحوں کے لئے مستقل طور پر روپیہ کا انتظام کرنے کے واسطے آمدنی کے نئے وسائل کی ضرورت تھی۔ اس لئے لائیڈ جارج نے انکم ٹیکس میں متزائد اصول کو ترمیم شدہ صورت میں اختیار کر لیا اور ان آمدنیوں پر جو پانچ ہزار پونڈ سے زیادہ تھیں ایک نیا زائد[1] محصول لگایا گیا۔ اور اس طرح کی آمدنیوں پر ۶ پنس فی پونڈ زائد محصول اس وقت لگایا جانے لگا جب ان میں تین ہزار پونڈ سے زیادہ کی

[1] Super Tax

افزونی ہوتی تھی۔ محاصل موت کو بھی زیادہ نمایاں طور پر متزائد اصول کے مطابق لگایا جانے لگا اور زمین کی قدر کے غیر اکتسابی اضافے پر انقلابی محاصل عاید کر دیے گئے۔ زمین پر چار نئے محصول قایم کئے گئے۔ محل وقوع کی قدر بڑھ جانے پر بیس فی صدی کا محصول اس وقت وصول کیا جاتا تھا جب زمین کو ایک مقررہ تاریخ کے بعد منتقل کیا جاتا تھا۔ جب پٹوں کی مدت ختم ہونے کے بعد وہ مالک کی طرف عود کرتے تھے تو پرانی قدر کے مقابلے میں، نئی قدر میں جو افزونی ہوتی تھی، اس پر دس فی صدی کا محصول لگایا جاتا تھا۔ غیر ترقی یافتہ زمینوں کے محل وقوع پر ½ پنس فی پونڈ سالانہ محصول اور معدنیات کے حقوق ملکیت پر ایک شلنگ فی پونڈ کا محصول لگایا جاتا تھا۔ اس موازنے کو دارالامرا نے نامنظور کیا لیکن چونکہ آزاد پسند جماعت دوبارہ منتخب ہوکر برسر اقتدار آئی اس لئے نظام نے قانونی شکل اختیار کر لی۔

۱۸۹۴ء اور ۱۹۰۶ء کے درمیان، انگلستان میں محصول بندی کے اصولوں میں ایک انقلابی تبدیلی واقع ہوئی۔ انکم ٹیکس کو نہ صرف نئے نظام کے ایک لازمی جزو کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا بلکہ بالواسطہ محصول کی جگہ، بلاواسطہ محصول کی حیثیت بھی زیادہ اہم ہوگئی دوسرے انفرادیت کے نقطۂ نگاہ کو علانیہ طور پر ترک کر دیا گیا۔ لائیڈ جارج نے ۱۹۰۹ء میں جن جدت پسندیوں سے کام لیا، ان کا باطنی مفہوم یہی تھا۔ اکتسابی اور غیر اکتسابی آمدنیوں میں تفریق (جس کی ابتدا سب سے پہلے ایسکوئتھ نے کی) زاید ٹیکس[1] اور نہایت نمایاں متزاید محاصل موت۔ یہ سب چیزیں اس مفروضے پر مبنی تھیں کہ معاشرے کی اکائی، فرد نہیں ہے بلکہ جماعت ہے اور جماعت بھی وہ جس کے حقوق فرد کے مقابلے میں زیادہ مقدم اور بالاتر ہیں، غیر اکتسابی اضافے پر جو محصول عاید کئے گئے ان سے خاص طور پر اور نہایت پُرزور طریقے پر، یہ تبدیل شدہ ذہنیت، نگاہ کے سامنے آجاتی ہے۔ ان محاصل کو ہنری جارج اور رکارڈو کے ہم خیال اشتراکیوں کے نظریے کی بنیاد پر منصفانہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ نظریہ یہ تھا کہ چونکہ زمین کی قدروں کو افراد نہیں بلکہ جماعت پیدا

[1] Super Tax

کرتی ہے اس لئے جماعت کو اس بات کا بجا طور پر حق حاصل ہے کہ وہ اس نفع زائد کے کم سے کم ایک حصے پر ضرور قبضہ قائم کرے۔ اس بیان سے یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے کہ سنہ ۱۹۰۹ء کے آزاد پسند، اشتراکی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سی باتوں میں، ان دونوں جماعتوں میں بنیادی اختلافات تھے اور اب بھی ہیں لیکن اس سے انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے کی انتہا پسند انفرادیت اور گلیڈ اسٹن کے زمانے کی انفرادیت پرست آزاد پسندی دونوں کی طرف سے ایک انقلاب انگیز انحراف اور روگردانی ضرور ظاہر ہوتی ہے۔

باب ۱۴

خارجی تجارت

۱۔ تمہید

انگلستان کی خارجی تجارت کی ایک طویل تاریخ ہے۔ لیکن چودھویں صدی تک یہ تجارت تقریباً تمام تر غیر ملکی تاجروں کے ہاتھ میں رہی[1]۔ چودھویں اور پندرھویں صدی میں، جب انگلستان نے اپنے کپڑے کی مصنوعات اور تجارتی بیڑے کو ترقی دی تو حالات میں پہلی مرتبہ تغیر کا سلسلہ شروع ہوا اور سولھویں صدی کے خاتمے تک مہم پسند تاجروں نے غیر ملکیوں کو سمندر پار تجارت سے بالکل خارج کر دیا۔

اس عہد کے آخری سالوں میں، دوسری منشور یافتہ کمپنیاں قایم کی گئیں جن میں لیوانٹ اور مشرقی ہندوستان کی کمپنیاں سب سے زیادہ اہم تھیں اور جیمس اول کی تخت نشینی کے بعد سے صنعتی انقلاب تک ہماری خارجی تجارت کی تاریخ دراصل انہی کمپنیوں

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جلد اول باب سوم۔

کی ترقی کی تاریخ ہے[1]

۲۔ منڈیاں حاصل کرنے کی کوششیں

حکومت کی پالیسی کا معاشی مقصد یہ تھا کہ انگلستان کی چیزوں کے لئے اجارہ حاصل کیا جائے۔ یہ پالیسی ایک حد تک تو ارادۃً اختیار کی گئی تھی لیکن زیادہ تر غیر ملکوں میں تاجروں کے جھگڑوں کی وجہ سے اس نے نشو ونما پائی تھی۔ مال کی نکاسی کے لئے بازاروں میں گنجائش نکالنے کے سلسلے میں جو خوفناک طریقے اختیار کئے گئے، ان کی طرف سے حکومت نے جس رواداری سے کام لیا اس کی وجہ جواز ہیں اگر نہیں تو توجیہ میں اسی بات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ بے رحمی ظلم اور ڈکیتی عام تھی۔ غلاموں کی تجارت نفع بخش تھی، تجارت کی آزادی حاصل کرنے کے لئے وحشیانہ قوت کو استعمال کیا جاتا تھا۔ پھر بھی یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ اگر بازاروں پر کسی طریقے سے دخل حاصل نہ کیا گیا تو ڈچ اور فرانسیسی ان میں داخل ہو جائیں گے اور انھیں نہ گھسنے دیں گے۔ تجارت کے نظریے کا غلبہ تھا۔

مصنوعات، خاص کر اُونی مصنوعات کی برآمد میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ مشرقی ملکوں کی پیداواروں کو ہندوستان سے حاصل کیا جاتا تھا اور اٹلی کے ساتھ تجارت کو اہمیت حاصل تھی۔ نوآبادیوں، خصوصاً شمالی افریقہ اور ویسٹ انڈیز شکر اور تمباکو روانہ کرتی تھیں اور ہماری چیزوں کے لئے ایک تیار بازار مہیا کرتی تھیں۔ چارلس دوم کی شادی کے نتیجے کے طور پر دوستانہ تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ بمبئی اور تنجیر جو جنگ کے نقطۂ نگاہ سے دو اہم مقامات تھے حاصل کیے گئے۔ چارلس کے اس دور حکومت میں ہماری تجارتی ترقی کا وہ سلسلہ جو میگنس انٹر کرسس کے بعد شروع ہوا تھا، وہ پھر سے جاری ہو گیا۔ ۱۷۰۳ء میں، میتھوین کے معاہدے کے ذریعے، فرانس کو نقصان پہنچا کر پرتگال کے

---

[1] جلد اول باب پنجم۔

ساتھ رعایت کی گئی اور ہمارے حریف (فرانس) کے ساتھ تجارتی مصالحت کا موقع ضائع کر دیا گیا۔

ساؤتھ سی کی تجارت نے اٹھارویں صدی کے شروع میں ترقی پائی اور اس کی وجہ سے ۱۷۲۰ء کا بحران رونما ہوا۔ نوآبادیوں کی تجارت بہت اہم ہوگئی اور چالیس سال بعد یہ کل تجارت کا ایک تہائی ہوگئی۔ ۱۷۶۰ء کے بعد، (پلاسی میں) کلایو اور (کیوبک میں) وُلف کی فتوحات سے اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہوگئی اور اس کی وجہ سے علی الترتیب ہندوستان اور کناڈا کے بہت بڑے حصے سے تجارت کرنے کا موقع مل گیا۔ ان کامیابیوں اور دوسری کامیابیوں کی وجہ سے انگلستان کی مصنوعات کے لئے بازار وسیع ہوگیا، نئے طریقوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور صنعتی انقلاب ممکن ہوگیا۔

باضابطہ کمپنیوں پر خوب دل کھول کر تنقید کی گئی۔ ان میں انفرادی تاجر کو خاصی آزادی ملی ہوئی تھی لیکن باہر کے لوگوں کے لئے داخلہ آسان نہیں تھا جب زیادہ سرمایے کی ضرورت ہوتی تھی تو مشترک سرمایہ دار کمپنیوں سے کام لیا جاتا تھا۔ جب تجارت زیادہ دور کے علاقوں سے کی جانے لگی تو موخرالذکر قسم کی تنظیم کو مثلاً ایسٹ انڈیا کمپنی کو غلبہ حاصل ہونا شروع ہوگیا صنعتی انقلاب کے بعد باضابطہ کمپنیوں میں کافی زوال ہوگیا۔

۲۔ اٹھارویں صدی میں تجارت کی پیچیدگی

اس کے بعد خارجی تجارت زیادہ پیچیدہ ہوگئی۔ نئی مصنوعات کو ترقی ہوئی برمنگھم شیفیلڈ میں آہنی ساز و سامان کی صنعت زیادہ اہم ہوگئی اور لنکاشائر میں روئی کی صنعت نے خوب ترقی کی پرانی صنعتوں مثلاً اُون کے کپڑے کی صنعت کی اہمیت بڑھ گئی۔ اضافہ شدہ مواقع اور ترقی یافتہ طریق عمل کے علاوہ، دوسرے فوائد بھی موجود تھے۔ پرانے جتھوں کے تعمیری کام کا اثر پوری طرح ضائع نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے کاریگری کے ایک اونچے معیار کو قائم کردیا تھا۔ صنعت کی تنظیم بھی موجود تھی۔ چنانچہ غیر ملکی طلب کے دفعتہً بڑھ جانے کی وجہ سے مصنوعات کے لئے ترقی کا جو محرک پیدا ہوا تھا، اس کو اپنا اثر دکھانے

کے لئے ایک خاصا تغیر پسند نظام میسر آگیا۔ ایک صدی پہلے کے مقابلے میں، پیدائش دولت میں بہت زیادہ ترقی ہوگئی۔ عہد وسطیٰ کی قدیم ایمانداری تو قایم نہیں رہی لیکن اچھی کاریگری کی روایت کو، اگرچہ وہ کمتر درجے کی ہوگئی تھی، جاری رکھا گیا۔

اس کے علاوہ، ۱۷۶۰ء میں، انگلستان کا کاریگر ضرور کارگزار تھا۔ اگرچہ طریق کار بہتر نہ تھا۔ یہاں کا کاریگر کم از کم اٹھارھویں صدی کے ابتدائی زمانے میں زمین کے ساتھ وابستہ تھا اور آبائی مہارت پرانے جتھے داروں سے منتقل ہو کر اسے پہنچی تھی۔ انگلستان، نسبتہً امن پسند ملک رہ چکا تھا اس لئے یہاں فنون امن کو ترقی پانے کا موقع تھا۔

اس کے علاوہ، جب طریق صنعت کو ترقی ہوئی تو انگلستان کے صناعوں کو معلوم ہوا کہ انھیں کامیابی کے تمام لوازمات حاصل ہیں۔ زمین کے طبقوں کی پیچیدہ ساخت کے معنی یہ تھے کہ ملک کے اندر بہت زیادہ اقسام کے معدنیات موجود ہیں ہمارے اکثر ساحلوں پر عمدہ بندرگاہیں واقع ہیں۔ جب یورپ کی تجارت پہلے کے مقابلے میں کم ہونے لگی تو لندن کو جو غیر معمولی حیثیت ملی ہوئی تھی وہ ضایع ہونے لگی۔ مرسی اور کلائیڈ کے دریاؤں نے، علی الترتیب وہ صنعتی ضلعوں کے لئے راستے کا کام انجام دیا اور ان دونوں پر ایک ایسی بڑی بندرگاہ کی جو امریکہ کی تجارت کے لئے موزوں تھی ترقی ہونے لگی اور اس تجارت کی اہمیت آزادی کے اعلان کے بعد بھی جاری رہی۔ ٹائن، ویر، ٹیز اور ہمبر کے دریاؤں کا محل وقوع بھی انھی دریاؤں جیسا تھا۔ اول الذکر تین دریاؤں کے نزدیک کوئلے کے میدان تھے اور مغربی رائیڈنگ کے صنعتی اضلاع تک آخرالذکر کے ذریعے آسانی کے ساتھ پہنچا جا سکتا تھا۔ براعظم کی تجارت جو مقدار میں بڑھ گئی تھی۔ آسانی کے ساتھ نئی بندرگاہوں کے ذریعے جاری رکھا جا سکتا تھا۔ غرض، شمال کا علاقہ، بندرگاہوں کے ان دو سلسلوں کی وجہ سے تمام دنیا کے ساتھ قریبی طور پر متعلق ہو گیا تھا۔

جس طرح نو آبادیوں کی طلب نے پیدائش دولت کی ترقی کے لئے محرک کا کام انجام دیا تھا، اسی طرح اس کے نتیجے کے طور پر، عام استعمال میں آنے والی چیزوں کے سستے ہو جانے کی وجہ سے، نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے ملکوں کی طلب بڑھ گئی۔ پہلے زمانے میں وینس اور ہالینڈ جن چیزوں کی تجارت کرتے تھے ان سے تجارت کی نئی اشیا

بنیادی طور پر مختلف تھیں۔ اٹلی والے، امیروں کے استعمال کے لیے تعیشات لایا کرتے تھے۔ گرم مسالوں پر ہالینڈ کے لوگوں کا بلا شرکت غیرے قبضہ تھا اور اس زمانے میں جب سردیوں کی غذا نمک لگا کر محفوظ کیا ہوا گوشت ہوا کرتی تھی، ان کی قدر و قیمت بہت تھی۔ لیکن ان کی گراں قیمت کی وجہ سے صرف اونچے طبقوں کے لوگ ان کو استعمال کر سکتے تھے۔

غرض، قدیم زمانے کی تجارت ہمیشہ محدود ہی رہی۔ تاجر کے پیش نظر یہ مقصد رہتا تھا کہ وہ تجارت کی مخصوص راہوں کو اپنے قابو میں رکھے تاکہ ایک مقررہ نفع کا بیش ترین امکانی حصہ اُسے ہی حاصل ہو۔ صنعتی انقلاب کے بعد وہی چیزیں جو صارفوں کے وسیع ترین حلقے کے لیے جاذب توجہ تھیں ارزاں ترین تیار کی جاتی تھیں۔ اب مقصد یہ ہو گیا تھا کہ تجارت کو خوب وسیع کیا جائے۔ اب ہمارے تاجر، محض مال کی خوبی کی بنیاد پر، مہذب آبادیوں کی توجہ کو اپنی طرف مائل نہیں کرتے تھے بلکہ اب مال کی ارزانی، دلکشی کا خاص سبب بن گئی تھی۔

سستی مصنوعات

ایک نیا انحراف بلا شبہ رونما ہو رہا تھا کیونکہ اب بعض صناع ایسے پیدا ہو گئے تھے جو ارزانی کا مقصد حاصل کرنے کے لیے، ہر طرح کی قربانی کرنے کے لیے تیار رہتے۔ اس ارزانی کو حاصل کرنے کے لیے ایک طرف تو بچوں کی محنت سے کام لیا گیا اور دوسری طرف مال کی خوبی کو نہایت کم درجے کا کر دیا گیا۔ لیکن دستی پارچہ بافوں اور قدامت پسند صناعوں کے ساتھ کچھ عرصے تک مقابلہ جاری رہا اور اس بات نے پرانے معیاروں کے قایم رکھنے میں مدد دی۔ بدترین زمانوں میں بھی ایسے اچھے آجر موجود رہے جو معقول قیمت پر اور بلا غیر واجب ظلم کیے ہوئے، قابل اطمینان مال تیار کرتے تھے۔ انگلستان کی مصنوعات جس اعلیٰ قدر کی مالک سمجھی جاتی تھیں، وہ ان لوگوں کی وجہ سے برقرار رہی۔

ارزاں ترین اشیا، نہایت آسانی کے ساتھ، ہندوستان، نیم مہذب ملک اور ایسے علاقوں میں جہاں موثر مقابلے کا وجود نہ تھا یعنی نو آبادیوں میں فروخت ہو جاتی تھیں۔ ان جگہوں میں سستے مال کی تجارت کرنے والے شخص کو کامیابی کا موقع

زیادہ تھا یا تو اس لیے کہ ضروری کپڑے کی طلب بہت زیادہ تھی یا اس لیے کہ قوت خرید بہت مختصر تھی۔ روئی کے سستے کپڑوں کا بازار اپنی انتہا کو نہیں پہنچا تھا۔ اونی صنعت میں جو قدامت پسندی پائی جاتی تھی اس کی مزید توجیہ میں بھی اسی بات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ روئی کی مصنوعات نے اونی مصنوعات کی جگہ لے لی تھی۔ اس لیے موخر الذکر کی طلب میں دفعۃً کوئی اضافہ نہ ہو سکتا تھا ترقی یافتہ طریقوں کی ضرورت بھی یہاں اتنی شدت سے محسوس نہیں کی جاتی تھی۔ آج بیش قیمت کپڑے، مغربی رائڈنگ کے باہر ہی نفع کے ساتھ تیار کیے جا سکتے ہیں لیکن ان کی منڈی محدود ہے اور ان کی تیاری میں محنت کو مشین سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

۵۔ زراعت پر اثر اس بڑی ترقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ محنت اور سرمائے نے زراعت سے منتقل ہونا شروع کر دیا۔ انگلستان نے مصنوعات اور اس کے ماتحت کاروبار میں تخصیص پیدا کرنا شروع کر دی۔ یہ ملک اتنا دولت مند ہو گیا کہ اس نے اپنی غذا کے بیشتر حصے کو باہر سے درآمد کرنا شروع کر دیا۔ انگلستان نے اون اور غلہ پیدا کرنے والے ملک کی حیثیت سے اپنی ترقی کے کام کو شروع کیا اور اس کام کو اس آخری منزل تک پہنچا دیا جہاں اس نے ان پیداواروں کو درآمد کرنا شروع کر دیا۔ اس میں شک نہیں روئی کو تو ہمیشہ ہی درآمد کیا گیا۔ پہلے مشرق سے اور بعد میں امریکا اور افریقہ سے۔ ۱۸۶۰ء کے بعد کچھ عرصے تک تو ملکی اون کی پیداوار تقریباً کافی ثابت ہوتی رہی۔ لیکن آج اس کا بیشتر حصہ آسٹریلیا سے درآمد کیا جاتا ہے۔ غلے کی صورت مختلف تھی۔ اس کی قلت کا اثر سب پر پڑتا تھا لیکن پھر بھی زراعت کو زوال ہوتا رہا۔ تا مین اور ۱۸۱۵ء کے بعد، شدید غلے کے قوانین کے باوجود، غیر ملکی غلے کی درآمد ہوتی رہی اور جب کبھی داخلہ رک گیا ملک کو تکلیف اٹھانا پڑی۔

بدقسمتی سے فرانس کی جنگوں نے ان آجروں کے لیے جن میں خطرہ لینے کا حوصلہ تھا اور جو اخلاقی قیود کے پابند نہ تھے، نفع کا خوب موقع فراہم کر دیا تھا۔ اسی زمانے میں، تجارت کے اس اُتار چڑھاؤ کا آغاز ہوا جس کا سلسلہ ابھی تک ختم ہونے میں نہیں آیا۔ اس کا بہت سا حصہ ناگزیر تھا۔ تاجروں کے پاس، مال کے

ایسے بڑے ذخیرے اکثر موجود رہتے تھے جنھیں وہ یورپ کے محاصرے کو زبردستی توڑ کر برآمد نہ کرسکتے تھے۔ جب ایک مختصر مدت کے لیے صلح ہوئی اور تجارت میں دوبارہ جان پڑی تو کارخانے کافی تیزی کے ساتھ مال مہیا نہ کرسکے۔ غلے کو خارج کرنے کی جو کوششیں کی گئیں ان کی بنا پر جنگ کا اثر بھی خارجی تجارت پر پڑا۔ اس لیے اس کے نتائج قوانین غلے کی منسوخی تک برقرار رہے۔ معمول کے مطابق ارتقا، کہیں ۱۸۱۵ء کی صلح کے بعد شروع ہوا۔ اس کے نتائج مستقل ثابت ہوئے کیونکہ اب ایک نئی روایت نے ترقی پالی تھی۔

۶۔ بیرونی تجارت اور صنعتی انقلاب۔

اٹھارھویں صدی کے نصف اول میں، بیرونی تجارت کی مجموعی مقدار زیادہ تر اس لیے بے انتہا بڑھ گئی کہ امریکا کی نوآبادیوں اور ویسٹ انڈیز کی پیداواروں کو انگلستان سے دوبارہ برآمد کیا جانے لگا۔ ۱۷۶۰ء اور ۱۷۸۵ء کے درمیان کئی وجوہ سے، جن میں ہندوستان اور امریکا کے فسادات اور فرانس کے سابقہ جنگوں کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے بیرونی تجارت کے اضافے کی شرح کم ہوگئی۔ انیسویں صدی کے خاتمے کے قریب، تجارت میں دوبارہ گرم بازاری رونما ہوئی اور ۱۸۰۰ء تک اس کی مقدار اس حد تک پہنچ گئی جس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ اس تجارت کا ایک حصہ ہندوستان اور امریکا کے تمباکو۔ ٹمبر۔ چاول۔ شکر اور کپڑوں کی دوبارہ برآمد پر مشتمل تھا۔ لیکن زیادہ حصہ ہماری ذاتی خانگی مصنوعات پر مشتمل تھا جن میں اُونی اشیا کی اہمیت سب سے زیادہ تھی۔

درآمد زیادہ تر مشرق بعید کی تعیشاتی مصنوعات اور امریکا کے کچے مال پر مشتمل ہوتی تھیں لیکن ہم سویڈن اور روس سے عمارتی لکڑی، لوہا، تانبا، بڑی کھالوں اور سمور کو، جرمنی سے ٹین کی چادروں اور چھوٹے چمڑوں کو، فرانس سے شراب اور برانڈی کو اور آئرلینڈ سے کتان کے کپڑے کو بھی درآمد کرتے تھے۔

۱۸۱۵ء کے بعد ابتدائی مسئلہ یہ تھا کہ صنعتی انقلاب کی میکانی ایجادوں کے پیدا کردہ مال کے لیے نئے بازاروں میں نکاسی کا موقع نکالا جائے ۱۸۱۵ء اور

سنہ ۱۸۵۰ء کے درمیان، عمومی قیمتوں کی سطح کے بلند ہو جانے کی وجہ سے، برآمد کی قدر و قیمت کے تخمینے کے کام میں پیچیدگی پیدا ہو گئی لیکن یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ اس زمانے میں برطانیہ کی برآمد میں، تین سو فی صدی اضافہ ہو گیا۔

ہماری برآمد کی تغیر پذیر نوعیت بھی اہمیت رکھتی ہے۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں ہماری بڑی برآمد اونی مال تھا۔ لیکن نپولین کی جنگوں کے خاتمے تک، اہمیت کے لحاظ سے، روئی کے مال نے اون کے مال کی جگہ لے لی تھی اور مٹی کے برتنوں کی برآمد تین گنا ہو گئی تھی۔ انیسویں صدی کے وسط تک، سوتی اور اونی کپڑے ہماری مجموعی برآمد کا دو تہائی ہو گئے تھے، دھاتوں کے مال کی تجارت ابھی تک برآمد کے نقطۂ نگاہ سے نسبتہً کم اہم تھی اگرچہ ان میں تیزی کے ساتھ ترقی ہو رہی تھی۔ روئی کی صنعت میں غیر معمولی ترقی کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر یورپی درآمد میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا۔ دوسری طرف، ہماری مصنوعات کے لیے یورپ کا بازار روز بروز اہم ہوتا جا رہا تھا۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں ہماری برآمد کا تقریباً ۴۵ فی صدی حصہ، یورپ کے ملکوں کو جاتا تھا اور اس کے مقابلے میں صرف ۵۵ فی صدی حصہ امریکا، ایشیا اور افریقہ کو۔

سنہ ۱۸۴۰ء کے قریب، افریقہ کے مغربی ساحل سے تجارت میں ترقی ہونے لگی دیسیوں میں سستے کپڑے اور آہنی سامان کے لیے ایک بڑا بازار موجود تھا اور یہ لوگ اس کے معاوضے میں اپنا سونا اور ہاتھی دانت بخوشی دینے کے لیے تیار تھے۔ تاڑ کا تیل اور نفیس عمارتی لکڑی اہم پیداواریں تھیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے چین کی تجارت کا اجارہ سنہ ۱۸۳۴ء میں چھین لیا گیا تھا لیکن انگلستان کی حکومت آمد و رفت کے موثر ذرایع کو کھولنے میں ناکام ثابت ہوئی۔ افیون کے جھگڑے کی وجہ سے سنہ ۱۸۴۰ء میں جنگ کرنا پڑی اور دو سال بعد بعض بندرگاہوں کا راستہ کھل گیا اس کی وجہ سے تجارت میں بہت اضافہ ہوا جو سنہ ۱۸۳۴ء اور سنہ ۱۸۵۰ء کے درمیان دگنی ہو گئی۔ سنہ ۱۸۴۴ء اور سنہ ۱۸۵۰ء کے درمیان، ہندوستان کے ساتھ تجارت میں بھی یک بہ یک اضافہ ہو گیا۔

اس موخر الذکر تاریخ میں، انگلستان نے یورپ، خصوصاً شمالی یورپ کو دو کروڑ پچاس لاکھ کا مال برآمد کیا۔ ایشیا کی برآمد بڑھ کر ایک کروڑ دس لاکھ ہو گئی تھی

اور ریاست ہائے متحدہ امریکا کی ایک کروڑ بیس لاکھ۔ امریکا کی نوآبادیوں کی برآمد میں ۱۸۳۰ء کے مقابلے میں تقریباً کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ افریقہ کی برآمد ۲۵ لاکھ ہوگئی تھی۔

۷۔ آزاد تجارت کا بیرونی تجارت پر اثر

۱۸۵۰ء جسے ہم نے من مانے طریقے پر ایک نشان منزل قرار دے لیا ہے۔ وہ سال ہے جس سے آزاد تجارت کے دور کا اثر نمایاں ہونا شروع ہوا۔ اس کے علاوہ گلیڈ اسٹن کی پالیسی بھی تجارت کو برابر آزاد کر رہی تھی۔ تجارت فوراً وسیع ہوگئی لیکن اسی نسبت سے زیادہ تغیر پذیر بھی ہوگئی۔ ۱۸۴۹ء میں مجموعی برآمد ۶ کروڑ چالیس لاکھ تھی۔ ۱۸۵۱ء ۷ کروڑ دس لاکھ۔ ۱۸۵۴ء میں ۹ کروڑ ۷۰ لاکھ۔ ۱۸۶۰ء میں ۱۳ کروڑ ۵۰ لاکھ اور ۱۸۷۰ء میں تقریباً بیس لاکھ۔

ایک حد تک اس کی ذمہ دار ترقی یافتہ پیداوار تھی۔ (یہاں قیمتوں کے اضافے کو بھی پیش نظر رکھئے) مشینوں اور تنظیم کی ترقی کی وجہ سے، اشیا کی ارزانی میں بیش از بیش اضافہ ہوتا رہا۔ اس کا زیادہ اثر، یورپ کی تجارت پر پڑا لیکن چین کے ساتھ بھی تجارت بڑھ گئی جب معاہدے میں درج کی ہوئی بندرگاہوں کا راستہ ۱۸۵۶ء اور ۱۸۶۰ء میں کھل گیا۔

انیسویں صدی کے تین نمایاں واقعات حسب ذیل ہیں:۔ آسٹریلیا کے ساتھ تجارت کا شروع ہونا، نہر سویز کی تکمیل (۱۸۶۹ء) اور امریکا کے آر پار جانے والی ریلوں کی تعمیر۔ ان واقعات۔ نے مل کر برطانیہ کی تجارت کو تمام دنیا میں پھیلا دیا جہاز رانی پر نہر سویز کا اثر بہت زبردست ثابت ہوا۔ اس لئے بادبانوں کی جگہ بھاپ کے استعمال کو خوب، تیزی کے ساتھ آگے بڑھایا کیونکہ بادبانی جہازوں کو نہر کے اندر، اسی سے باندھ کر کھینچنا پڑتا تھا اور آسٹریلیا کے سفر کے مختصر ہو جانے کی وجہ سے زیادہ وزن کے جہاز دوسرے کام کرنے کے لیے آزاد ہو گئے ۱۸۸۰ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان جو جہاز نہر سے گزرے ان کی تعداد دگنی ہوگئی اور جہازوں کا وزن جو جانچ کا زیادہ بہتر طریقہ ہے پانچ گنا ہوگیا۔

۱۸۵۰ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان، خارجی تجارت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ بجز ۱۸۵۷ء کی خلل اندازیوں اور امریکا کی خانہ جنگی کے جس کی وجہ سے

لنکا شائر کی تجارت عارضی طور پر برباد ہوگئی اور ۱۸۶۶ء کے مالیاتی بحران کے۔ ان تمام سالوں میں، برطانیہ کے پاس فاضل برآمد کی، بڑی مقدار موجود رہی جو سمندر پار کے ملکوں میں حکومتوں کے تمسکات خریدنے اور ریلوں کے بنانے میں مشغول کی گئی اس زمانے میں جہازرانی کے ذریعے جو خالص آمدنی برطانیہ کو ہوتی تھی وہ دُگنی ہوگئی اور ۱۸۷۰ء تک باہر کے ملکوں میں ہمارا شغل اصل تقریباً ۷ کروڑ سالانہ تک پہنچ گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ روئی کی مصنوعات کو ہماری برآمد کی تجارت میں اب بھی غلبہ حاصل رہا (کل برآمد کا تقریباً ایک تہائی روئی کا مال ہوتا تھا) اس کے بعد دوسرا نمبر اونی مال کا تھا۔ لوہے، فولاد اور مشین کی برآمد بھی نمایاں رفتار کے ساتھ بڑھتی رہی ۱۸۵۵ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان بلحاظ قیمت یہ دگنی ہوگئی اور ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۳ء کے درمیان پچاس فی صدی کا اور زاید اضافہ ہوا۔ برطانیہ کو وکٹوریہ کے وسطی زمانے میں، بجا طور پر "دنیا کی کارگاہ" کے نام سے موسوم کیا گیا اور یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ انیسویں صدی کے تیسرے ربع میں، ہم تمام دنیا کے لیے لباس فراہم کرتے تھے اور اس کے بدلے میں ہمیں روز بروز زیادہ بڑی مقداریں کچے مال اور غذا کے سامان، ہماری صنعتوں اور ہماری آبادی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ملا کرتے تھے۔ ہمارے خاص بازار ریاست ہائے متحدہ امریکا اور ہندوستان تھے۔ یورپ میں، ہمارے مال کی نکاسی زیادہ تر جرمنی میں ہوتی تھی یہاں تک کہ ۱۸۶۰ء میں کابڈن کا تجارتی معاہدہ ہوا اور اس کے بعد فرانسیسی تجارت میں تیزی سے اضافہ ہوگیا۔ آسٹریلیا، ۱۸۵۱ء کے بعد جب وہاں سونے کی کانیں دریافت کی گئیں تو یہ اور چین بھی اہم بازار بن گئے۔

برطانوی بیرونی تجارت کو جو یہ بے انتہا توسیع ہوئی، اس کے اسباب کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اُس زمانے کے عوام کی رائے یہ تھی کہ اسے ہماری آزاد تجارت کی پالیسی کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے (اور اس نظریے کے ماننے والے لوگ اب بھی موجود ہیں) لیکن یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان سالوں میں آزاد تجارت کی طرف ایک عام رجحان ہر جگہ پایا جاتا تھا۔ اس لیے محض آزاد تجارت سے اس منظر کی پوری توجیہ نہیں ہوتی اگرچہ اس کو ایک ٹھوس امدادی سبب ضرور قرار دیا جا سکتا

ہے۔ خشکی اور سمندر کے وسائل آمد و رفت میں جو بڑی ترقیاں ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ کیلیفورنیا اور اسٹریلیا سے سونے کی جو نئی رسد فراہم ہوئی، انھوں نے ایک زبردست تجارتی توسیع کو ممکن بنا دیا اور جزیرہ ہونے کی وجہ سے ہمیں بین الاقوامی جھگڑوں سے جو تحفظ ملا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ پیدا آور قوت اور ایندھن کے ذخائر میں جو ہمیں برتری حاصل تھی اس نے ہمیں اپنے مواقع سے فائدہ اٹھانے کا پورا موقع دیا۔

لیکن ۱۸۷۰ء میں بھی فساد کے وہ آثار جو آیندہ رونما ہونے والے تھے ظاہر ہونے لگے تھے۔ ۱۸۷۰ء کی فرانس اور جرمنی کی جنگ کا اثر وہی ہوا جو معمولاً جنگوں کا ہوا کرتا تھا۔ اس کے نتیجے کے طور پر، تجارت میں ابتری پیدا ہوگئی۔ تجارت کے بعض شعبوں کی ترقی کے لئے اس نے ایک محرک کا کام انجام دیا۔ لیکن اس کے بعد ناگزیر ردعمل رونما ہوا۔ کچھ صنعتوں پر جنگ کے زمانے میں خراب اثر پڑا۔ مجموعی خارجی برآمد بہت کم متاثر ہوئی۔ ۱۸۷۳ء سے قبل کے بیس سالوں میں یہ تین گنی ہوگئی تھی اور نوآبادیوں کی برآمد کی قدر دگنی سے کچھ کم ہوگئی تھی۔ لیکن یہ اثر مستقل نہیں تھا۔ سال مذکور میں، نوآبادیوں کی برآمد، غیر ملکی برآمد کا صرف چوتھائی حصہ تھی۔ بیسویں صدی میں یہ نصف ہوگئی یعنی وہی تناسب ہوگیا جو پچاس سال پہلے پایا جاتا تھا۔

۸۔ ترقی میں ظاہری رکاوٹ

ہماری برآمد کی قدر میں سنسنی خیز ترقی، انیسویں صدی کے ساتویں عشرے کی ابتدا میں ختم ہوگئی تقریباً ۱۸۸۰ء تک ظاہری ترقی بہت کم ہوئی۔ اس کے بعد برآمد کی قدر میں معتدل شرح کے ساتھ اضافہ ہوا اگرچہ معمول کے مطابق اُتار چڑھاؤ بھی ہوتے رہے۔ لیکن ترقی کی رفتار میں یہ تبدیلی نظر کا ایک دھوکا ہے۔ اگر ہم ۱۸۷۳ء کے بعد کی گرتی ہوئی قیمتوں کو یاد رکھیں تو ہمیں برآمد شدہ اشیا کی حقیقی قدر میں ایک مسلسل اضافہ نظر آئے گا۔ اس کے علاوہ جب پوری صدی پر بحیثیت مجموعی نگاہ ڈالی جاتی ہے تو ترقی خاصی مسلسل ہو جاتی ہے اور اس کے تسلسل میں تھوڑا سا رخنہ، ۱۸۷۳ء کے بحرانی سال ہی میں نظر آتا ہے۔ ہرچند تسلسل نہیں ٹوٹتا، پھر بھی قیمتوں کے اضافے

لئے، صنعت کے لیے ایک عارضی محرک فراہم کرکے، برآمد میں کچھ اضافہ پیدا کیا اور اس کی برعکس صورت میں نتیجہ برعکس نکلا (یعنی قیمتوں کے زوال کی وجہ سے برآمد کی ترقی کی رفتار سست ہوگئی۔)

بیرونی تجارت کی ترقی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آبادی کی ترقی اور کارکردگی کے اضافے پر منحصر تھی۔ لیکن پھر بھی اس ترقی کے تسلسل میں اہم رخنے پائے جاتے تھے۔ کناڈا اور آسٹریلیا نے ہماری مصنوعات پر ٹیکس لگاکر ہماری تجارت کو صدمہ پہنچایا۔ محاصل کروڑگیری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اشیا کا مبادلہ کم ہوجاتا ہے۔ جب نوآبادیاں ایک خاص منزل پر پہنچ جاتی ہیں تو وہ مادری ملک کی محتاج اور دست نگر نہیں رہتیں۔ اور اپنا مال خود بنانے لگتی ہیں۔ ابتداءً وہ اس کام کو زیادہ خوبی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتیں اور اپنی تعیشات کے لیے انھیں گراں قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ تاہم نظریہ یہ ہے کہ صنعتیں، محاصل کروڑگیری کی دیوار کے پیچھے، ترقی کرتی رہیں گی اور آخرکار ملک کو خوش حالی بخشنا شروع کردیں گی۔

انگلستان نے زیادہ اہم نوآبادیوں کو تقریباً آزاد کردیا تھا اسے پچھلے تجربے سے تنبیہ ہوگئی تھی کہ نوآبادیوں کے بازار پر مستقل طور پر اجارہ قایم رکھنا ناممکن ہے۔ غرض، مادری ملک کو نقصان اٹھانا پڑا۔ ۱۸۷۳ء کے بعد کساد بازاری شروع ہوئی اور اس وقت بہت سے دیوالے نکلے۔ انیسویں صدی کے آٹھویں عشرے میں ہمارے خلاف محاصل کروڑگیری میں اضافہ کیا گیا خصوصاً جرمنی اور روس میں اور ان کا اثر ہماری برآمد کی تجارت پر بہت شدت کے ساتھ پڑا۔

۹۔ برآمد کے مقابلے میں درآمد کی افزونی۔

اس دور میں ایک انوکھا اثر نمایاں ہوا۔ ۱۸۷۰ء میں، برآمد کے مقابلے میں درآمد کی افزونی ۶ کروڑ نوے لاکھ ہوئی، ۱۸۸۰ء میں بارہ کروڑ دس لاکھ اور ۱۸۸۵ء میں دس کروڑ۔ یہ محض اتفاقی بات نہیں تھی بلکہ مسلسل طور پر واقع ہورہی تھی، تجاریت کے دور میں اس چیز کو بہت خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ تاجر یہ خیال کرتے کہ ہم غیرملکیوں کے مقروض ہوتے جارہے ہیں اور ملک کی طلا کی نکاس شروع ہوجائے گی۔ استدلال کا یہ طریقہ آج بھی خاصہ عام ہے۔

اس دلیل کی کچھ خرابی تو ظاہر ہے۔ یہ بات کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ سال بسال ایک زبردست قرض برابر اکٹھا ہوتا چلا جائے گا۔ ایک طرف تو ہم یہ فرض نہیں کرسکتے کہ تاجر بصورت مجموعی، اس طریقے پر مقروض ہوتے چلے جائیں گے۔ دوسری طرف ملک سے اگر فلز کی نکاس ہو رہی ہوتی تو ہماری فلز کی رسد کبھی کی غائب ہوچکی ہوتی۔

اس میں شک نہیں کہ درآمد و برآمد کے تخمینوں کا پورے طور پر مساوی ہونا ناممکن ہے۔ تخمینے میں موٹی رقمیں درج کی جاتی ہیں اور ان میں غلطی کے چھپے ہوئے امکانات بے شمار ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دس کروڑ پونڈ کی کمی کے لیے کوئی ٹھوس بنیاد ضرور ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ یہ منظر ایسا ہے جو موجودہ زمانے تک برابر چلتا رہا ہے اور دوسرے صنعتی ملکوں میں بھی یہی کیفیت نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ زراعتی مملکتوں میں مثلاً ارجنٹائن میں بالکل برعکس رجحان نظر آتا ہے۔

معاشیین اس بات پر مصر تھے کہ درآمد کو (نظری طور پر) برآمد کے بالکل مساوی ہونا چاہیے۔ اس کی توجیہ "غیر مرئی برآمد" کے ذریعے کی گئی۔ انگلستان نے جب اپنے فرانسیسی اور ولندیزی حریفوں کو مغلوب کرلیا تو دنیا کے مال کو منتقل کرنے کا کام اس کو مل گیا۔ اس کی صنعتی ترقی، لندن، ہل اور لورپول کی ترقی کا موجب ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے غیر ملکی تاجر اس بات کو سب سے زیادہ سہل سمجھنے لگے کہ اپنے مال کو انگلستان کی کسی بندرگاہ کے ذریعے برآمد کریں۔ آج بھی فرانس کی بندرگاہ سے، ہالینڈ کو، لندن کی معرفت مال روانہ کرنا، اکثر ارزاں ثابت ہوتا ہے۔

۱۰۔ سامان منتقل کرنے کا کاروبار۔

جہاز سازی میں انگلستان کو جو سہولت حاصل تھی اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا تھا۔ طویل فاصلوں کے لیے ہمارے بحری جہازوں کے ذریعے مال کو منتقل کرنے میں سب سے زیادہ سہولت نظر آتی تھی۔ جب یورپ کے حریفوں کے ساتھ اس قسم کا معاملہ تھا تو پس ماندہ ملکوں کے لیے تو یہ بات اور بھی بہت زیادہ صحیح تھی۔ یہ کاروبار بہت نفع بخش تھا اور انگلستان کے تاجر بحیثیت ایک جماعت دوسرے ملکوں سے بڑی رقموں کے لین دار بن گئے تھے۔ ان کو ادائی ہنڈی کے ذریعے کی جاتی تھی۔ یہ

ہنڈیاں چونکہ انتقال پذیر ہوتی تھیں اس لئے انھیں زر کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا اس لیے متعلقہ ملک کے کچھ تاجر ہنڈی کی قدر کے مساوی اشیا برآمد کرتے تھے اور اس کا آخری نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ قرض کی ادائی اس وقت ہوتی تھی جب انگلستان میں مال درآمد کیا جاتا تھا۔ لیکن تاجروں کی خدمت کی برآمد کو سرکاری تخمینوں میں ظاہر نہیں کیا جاتا تھا اس لیے درآمد کی قدر زیادہ نظر آتی تھی۔

۱۱۔ بیرونی محاصل کروڑگیری۔

برآمد کی اس کمی کے منجملہ اور امکانی عوامل میں سے ایک کو یہاں منتخب کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ انگلینڈ کے پاس سرمایے کی بے شمار مقدار ایسی موجود تھی جس کو گراں شرح سود کی تلاش تھی۔ اس کو نئے ملک یا تو حاجتمند حکومتوں کے لیے یا زراعتی ترقی کے لیے یا پھر ریلوں کی ترقی کے لیے حاصل کرتے رہتے تھے۔ بہت سے نقصانات کے باوجود، شرح سود، اوسطاً بلند ہی رہتی تھی۔ یہ سود زر کی صورت میں ادا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ کسی نہ کسی تمسک کی صورت میں ادا ہوتا تھا۔ اور اس قرض کا بیش تر حصہ پہلے کی طرح، اس کے بعد اشیا کی صورت میں روانہ کیا جاتا تھا۔

سنہ ۱۸۸۰ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان، انگلستان کی بیرونی تجارت کو محاصل کروڑگیری اور جنگوں کی وجہ سے نقصان پہنچا۔ سنہ ۱۸۷۶ء کے بعد، قیمتوں کے زوال نے یورپ کے اندر، "تامینی محاصل کروڑگیری کو بلندی کی طرف مایل کر دیا۔ جرمنی نے سنہ ۱۸۸۰ء میں، تامینی محاصل کروڑگیری کو اختیار کر لیا اور فرانس نے بھی اسی جانب حرکت کرنا شروع کر دی۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں میک کنلے کے محاصل کروڑگیری نے، ہمارے خلاف، ریاست ہائے متحدہ کے محاصل کو بلند کر دیا اور ہماری تجارت کے اندر کچھ دنوں کے لیے ایک بے بسی کی کیفیت پیدا کر دی۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں ولسن کے محاصل کروڑگیری کی وجہ سے کچھ سکون ملا۔ لیکن اس کے تین سال بعد، ڈنگلے کے محاصل کروڑگیری کا اثر ہمارے خلاف رہا۔ لیکن سنہ ۱۸۹۸ء میں کناڈا نے ہمارے ساتھ ترجیحی سلوک منظور کر لیا۔

سنہ ۱۸۹۷ء میں ڈنگلے نے جو محاصل کروڑگیری عاید کیے ان کی بنا پر امریکا بلند تامین کی پالیسی کا قطعی طور پر پابند ہو گیا۔ سنہ ۱۹۰۲ء تک جرمنی کے محاصل

کروڑگیری پست رہے لیکن اس سال زراعتی اور صنعتی مفاد کے متحد ہو جانے کی وجہ سے سامان غذا اور مصنوعات دونوں کی درآمد پر محاصل میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا گیا۔ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۴ء تک انگلستان کے علاوہ ہر جگہ بلند تا بین کی پالیسی جاگزیں ہوتی چلی گئی اور ہماری بیرونی تجارت پر، اس پالیسی کے کچھ ناگزیر اثرات پڑے۔

۱۲۔ بیرونی تا بینی پالیسی کے اثرات

امریکا کو جو مال برآمد کیا جاتا تھا اس کے اضافے کی شرح کم ہونا شروع ہوگئی جرمنی کی مال تیار کرنے والی صنعتوں کے لیے ہمارے کوئلے کی برآمد خاصی بڑھ گئی۔ دوسری طرف جرمنی نے بہت سی ان چیزوں کو جنھیں پہلے وہ برطانیہ سے درآمد کیا کرتا تھا خود تیار کرنا شروع کر دیا۔ اس میں شک نہیں یہ بات دوسرے ملکوں پر بھی صادق آتی ہے لیکن یہ جرمنی اور امریکا ہی تھے جنھوں نے انگلستان کی صنعتی اور تجارتی برتری کو جنگ کی دعوت دی۔ ۱۸۹۰ء تک جتنا کوئلہ ساری دنیا میں نکالا جاتا تھا اس کا نصف حصہ برطانیہ نکالا کرتا تھا لیکن ۱۹۰۰ء تک امریکا کی سالانہ پیداوار ہم سے بڑھ گئی اور جرمنی ہمارے برابر آتا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ ۱۸۹۰ء تک، لوہے اور فولاد کی پیداوار میں انگلستان رہنمائی کرتا رہا لیکن ۱۹۱۰ء میں ہماری پیداوار امریکا سے بہت کم ہوگئی اور ۱۹۱۳ء تک جرمنی بھی ہم سے آگے نکل گیا۔ جہاں تک برآمد کا تعلق ہے، ہم نے ایک حد تک اپنی برتری کو زیادہ عرصے تک قایم رکھا کیونکہ ۱۹۰۰ء جیسے مابعد کے زمانے تک بھی، ہم اتنا ہی مال برآمد کرتے رہے جتنا امریکا، جرمنی اور فرانس متحدہ طور پر کر رہے تھے۔ ۱۹۰۰ء کے بعد جرمنی کی برآمد بہت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی اور ۱۹۱۳ء میں یہ ہماری برآمد سے زیادہ ہوگئی۔

پارچہ بافی کی صنعتوں میں، دوسرے ملک، اگرچہ اپنی پیداوار کو تیز رفتاری کے ساتھ بڑھا رہے تھے لیکن پھر بھی ہماری نمایاں حیثیت برقرار رہی۔ حتیٰ کہ ۱۹۱۴ء تک ان صنعتوں میں ہماری برتری کو کسی اندیشہ ناک خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ محاصل کروڑگیری کے حصار کے اندر خانگی بازار کے لئے، اب ملکوں کی ایک بڑھتی ہوئی تعداد نے مال کی فراہمی کی کوشش شروع کر دی۔

سنہ ۱۸۹۰ء اور سنہ ۱۹۰۰ء کے درمیانی عشرے میں، برطانیہ کے سرمایے کی برآمد قابل لحاظ حد تک کم ہوگئی. لیکن سنہ ۱۹۰۴ء کے بعد سے اس نے غیر معمولی ترقی کرنا شروع کردی اور سنہ ۱۹۱۳ء میں ہم نے اتنا سرمایہ برآمد کرنا شروع کردیا جتنا پہلے کسی سال میں نہیں کیا تھا۔

سنہ ۱۸۸۰ء تا سنہ ۱۹۱۴ء کے سالوں کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ یوں تو محاصل کروڑگیری کی بندشوں کے باوجود، برطانوی برآمد میں، مجموعی طور پر بازار میں اضافہ ہوتا رہا لیکن نسبتہً دوسرے ملکوں خصوصاً جرمنی اور امریکا کے مقابلے میں یہ برآمد برابر گھٹتی چلی گئی۔ ایسا کیوں ہوا، اس سوال کا آزاد تجارت اور تامین کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صنعتی تہذیب کی ترقی کا جو دوسرے ملکوں میں ہوئی ایک قدرتی اور ناگزیر نتیجہ تھا۔ اس نے انگلستان کو اُس کی اُس مخصوص حیثیت سے محروم کردیا جو سنہ ۱۸۶۰ء اور سنہ ۱۸۷۵ء کے درمیان زیادہ تر اتفاقی حالات کی بنا پر حاصل رہی۔

۱۳۱- بیرونی تجارت اور نوآبادیاں۔

لیکن زیادہ بنیادی تبدیلی یہ ہوئی کہ نوآبادیوں کو ایک نئی قدر و قیمت حاصل ہوگئی۔ امریکا کی جنگ آزادی کے بعد سے سنہ ۱۸۷۰ء تک، عام رائے نوآبادیوں کے غیر موافق رہی۔ سنہ ۱۸۰۷ء کے بعد غلاموں کی تجارت کی منسوخی اور سنہ ۱۸۳۳ء میں نوآبادیوں کی مروجہ غلامی کے استیصال نے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گرم نوآبادیوں کی قدر و قیمت کو کم کردیا ہے. کسی نہ کسی قسم کے ترجیحی محاصل کروڑگیری نوآبادیوں کے نظام کی روح و رواں نظر آتی تھی. لیکن یہ عالم ایسا تھا جس کی وجہ سے آزاد تجارت کے حامی، نوآبادیوں کو شبہہ کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ اس کے علاوہ، ترازو کے ایک پلڑے میں جب انتظام سلطنت اور بحری اور عسکری تحفظ کے مصارف اور بیرونی دول سے آویزش کے دائمی خطرات کو رکھا جاتا تھا اور دوسرے میں ان اغلب فواید کو جن کے حاصل ہونے کا امکان نوآبادیوں کے قبضے کی صورت میں نظر آتا تھا تو اول الذکر کا وزن بہت زیادہ نظر آتا تھا۔ اس کے سوا، جو تجربہ ہمیں امریکا میں ہوچکا تھا اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جہاں جہاں نئی زمینوں کو یورپ کے نوآبادکاروں نے بسایا ہے، وہاں، طویل مدت گزرنے پر، علیحدگی ناگزیر ہے۔

یہ سچ ہے کہ ایک مختصر اقلیت مثلاً ویک فیلڈ، بلر اور مولس ورتھ اس عام رائے سے اختلاف رکھتے تھے اور نوآبادیوں کے فواید کے قایل تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ ایسے بازار ہیں جن میں ترقی پانے کی قوت پوشیدہ ہے اور زیادہ آبادی کے نکاس کے لیے بھی ان میں گنجائش نکالی جا سکتی ہے لیکن ان کی آوازیں صدا بصحرا ثابت ہو رہی تھیں۔

۱۸۷۰ء کے بعد بدلتے ہوئے خیالات نے رائے عامہ میں تبدیلی پیدا کر دی امریکا اور یورپ کے نئے مقابلے نے اور بعض ملکوں کی بلند تامینی پالیسیوں نے نوآبادیوں کو نئی روشنی میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ فرانس اور جرمنی کی جنگ کے بعد، فرانس نے، شمالی افریقہ میں نوآبادیوں کو وسیع کر کے، جرمنی کے ساتھ ایک نئے توازن کو پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جرمنی بھی ۱۸۹۰ء کے بعد مجبور رہا کہ نئے بازار اور کچے مال کی رسد کو حاصل کرے۔ چنانچہ افریقہ اور مشرق بعید میں نوآبادیوں پر قبضہ جمانے کے لئے حریفانہ کشمکش شروع ہوئی۔

انگلستان اس رجحان کی طرف سے بے پروائی نہ برت سکا جسے اس بات کے امکان نے کہ محاصل کروڑگیری کا حصار کھڑا کر کے قیمتی علاقوں کے فایدے سے اُسے محروم کیا جا سکتا ہے، انگلستان کو عمل کے لیے اور اپنی عدم مداخلت کی پالیسی کو ترک کرنے کے لیے مجبور کر دیا۔

لیکن ان نیم سیاسی وجوہ کے علاوہ، کچھ معاشی حالات بھی ایسے تھے جنھوں نے نوآبادیوں کو ایک نئی قدر کا مالک بنا دیا۔ دخانی جہاز رانی اور ریلوں نے نہ صرف نسبتہً، بُعدِ مکانی کو فنا کر دیا (کلایو ہندوستان کا سفر گیارہ مہینوں میں کرتا تھا اور ہمارے زمانے میں اس سفر میں اکیس دن لگتے ہیں۔) بلکہ ریلوں نے نوآبادکاروں کو اس بات کا بھی موقع دیا کہ وہ ساحلی اور دریائی مضر صحت علاقوں کو چھوڑ کر اندرون ملک کے صحت بخش علاقوں میں منتقل ہو جائیں منطقۂ حارہ کی بیماریوں کے لیے دواؤں کے ایجاد ہو جانے سے اس سلسلے میں جو فایدہ پہنچا وہ بھی اندازے سے باہر ہے، سردی پہنچا کر ذخیرہ کرنے کی ایجاد نے بھی، نوآبادیوں کی ان بے شمار غذائی پیداواروں کی قدر کو جو پہلے ضایع جایا کرتی تھیں، بہت بلند کر دیا۔

۱۸۸۶ء میں کساد بازاری کی تحقیقات کے شاہی کمیشن کی اس رپورٹ نے جسے اقلیت نے تیار کیا تھا ان عام امور کو پہلے ہی کم وبیش بیان کر دیا تھا اور اس نے یہ تجویز کی تھی کہ یورپ اور امریکا کی بڑھتی ہوئی تامین کے جواب میں، کروڑ گیری کے شہنشاہی اتحاد کے لیے کارروائی شروع کر دینا چاہیے

۱۴ء۱۔ نئی منشور یافتہ کمپنیاں

لیکن حکومت کی مداخلت سے پہلے انفرادی طور پر کوششیں کی گئیں۔ لایق اور ہوشیار شہنشاہیت پرستوں کے ایک گروہ نے، افریقہ اور مشرق بعید میں نوآبادیاں حاصل کرنے کے لیے، نئی منشور یافتہ کمپنیاں قایم کیں۔ ۱۸۸۱ء میں ڈنٹ نے نارتھ بورنیو کمپنی ۱۸۸۲ء میں، گولڈی نے شاہی نائی جر کمپنی، ۱۸۸۸ء میں میکن نان نے برٹش ایسٹ افریکن کمپنی اور ۱۸۸۹ء میں سی سل روڈز نے برٹش ساؤتھ افریکن کمپنی قایم کیں۔ ان کمپنیوں نے اس زمانے میں جب کہ حکومت کی پالیسی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا، نئی سرزمینوں پر اپنا مطالبہ قایم کر لیا۔ اس لیے تاریخ میں ان کو اس واقعے کی بنا پر اہمیت حاصل ہے کہ انھوں نے خانگی اقدام کے ذریعے سلطنت کے لیے ان علاقوں کو حاصل کر لیا ورنہ انھیں، افریقہ پر قبضہ جمانے کی کشمکش کے نتیجے کے طور پر، جرمنی، فرانس، پرتگال یا بلجیم اپنی سلطنت میں شامل کر لیتے۔

یہ نئی کمپنیاں، سولھویں اور سترھویں صدی کے منشور یافتہ کمپنیوں سے کئی باتوں میں مختلف تھیں۔ اول تو انھیں تجارتی حقوق کا کوئی اجارہ حاصل نہ تھا ان کا اولیں مقصد یہ تھا کہ سلطنت کے لیے نئے بازار اور کچے مال کے لیے وسائل سے فایدہ اٹھانے کے مواقع حاصل کیے جائیں۔ ایک دوسرا اہم فرق یہ تھا کہ ان کے اثر کا حلقہ ملک کے اندرونی علاقے میں پایا جاتا تھا در آں حالیکہ ابتدائی کمپنیاں ساحل تک محدود رہتی تھیں یا اپنی تجارتی چوکیاں ایسے دریاؤں کے کنارے قایم کرتی تھیں جن میں جہاز رانی ممکن تھی۔ ایک اور فرق یہ تھا کہ ان کے ملک گیری کے حقوق کو ارادۃً محض عارضی رکھا گیا تھا جیسے ہی مناسب وقت آیا، برطانوی حکومت نے ان حقوق کو برائے نام قیمت ادا کر کے خرید لیا اور روڈیشیا، نائی جیریا اور برٹش ایسٹ افریقہ پر اس کا قبضہ قایم ہو گیا۔

۱۵۔ جوزف چیمبرلین

افریقہ میں تعمیر سلطنت کی جس غیر معمولی قابلیت کا ثبوت، سیسل روڈس نے دیا تھا، اس کی صدائے بازگشت مادری ملک کے دفتر نو آبادیات میں جوزف چیمبرلین کے کارناموں میں نظر آتی ہے۔ ۱۸۹۵ء میں دفتر نو آبادیات کو دوسرے درجے کا محکمہ سمجھا جاتا تھا لیکن ۱۹۰۳ء میں جب چیمبرلین نے اس کو چھوڑا تو وزیر نو آبادیات کا شمار کابینہ کے اہم ارکان میں کیا جانے لگا تھا۔

چیمبرلین غالباً مادری ملک کے چوٹی کے لوگوں میں پہلا شخص تھا جس نے دنیا کے نئے معاشی حالات میں آبادیوں کی اہمیت کو سمجھا اور دفتر نو آبادیات میں اس نے جو کچھ کام کیا وہ ہماری انتظام سلطنت کی تاریخ میں ایک نشان منزل کا مرتبہ رکھتا ہے۔

اس کی پالیسی کا تعمیری عنصر سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ پرانے دفتری طریقوں کی پابندی نہ کرتے ہوئے اس نے وائٹ ہال اور نو آبادیوں کی حکومتوں کے تعلقات کے اندر ایک نئی روح پھونک دی۔ منشور یافتہ کمپنیوں کے بانیوں کی طرح وہ اس بات کو محسوس کرتا تھا کہ ذرائع نقل و حمل، ریلوں، گودیوں اور سڑکوں کی تعمیر پر افریقہ اور دوسری جگہوں میں کثیر سرمایہ لگانے کی ضرورت ہے۔ ضروری سرمائے کو جمع کرنے کے لیے اس نے ۱۸۹۹ء میں، قانون قرضہ ہائے نو آبادی کو منظور کرانے کی تحریک کی جس کے ذریعے خزانہ عامرہ کو موقع ملا کہ وہ تاج برطانیہ کی بعض نو آبادیوں کو، پچاس سال کی ادائی کے وعدے پر روپیہ قرض دے۔ ۱۹۰۰ء میں تاج برطانیہ کی نو آبادیوں کو بھی اس بات کا موقع دلایا کہ وہ کھلے بازار میں قرض لے سکیں اور نو آبادیوں کے اندر جاری کیے ہوئے تمسکات کو ٹرسٹی کے تمسکات کے زمرے میں شامل کرا سکتی ہیں۔

منطقۂ حارہ کے امراض کے خلاف جو جنگ شروع کی گئی اس کے لیے بھی چیمبرلین ہی قوت محرکہ کا کام کرتا رہا اور یہ اُسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ لنڈن اور لورپول میں منطقۂ حارہ کی دوائیوں کے مدرسے قایم کیے گئے۔ بیس سال کے اندر، منطقۂ حارہ کی زندگی کے حالات میں انقلاب رونما ہو گیا اور

گولڈ کوسٹ جیسے اضلاع (جنھیں پہلے گورے لوگوں کا مدفن سمجھا جاتا تھا) اور جن کو دلدل کے بخاروں کی وجہ سے آباد کرنا ناممکن نظر آتا تھا، اب قہوہ اور دوسری پیداواروں کی زبردست مقداروں کو پیدا کرنے لگے ہیں۔

چیمبرلین نے مندرجۂ ذیل معاملات میں بھی اہم حصہ لیا۔ ایک پینی کی ڈاک کا مسئلہ، ۱۹۰۰ء میں کامن ویلتھ آف اسٹریلیا کے قانون کی منظوری اور ایسٹ انڈیز کی معاشی بحالی۔

۱۶۔ نوآبادیوں کی کانفرنسیں

نوآبادیوں کی کانفرنسیں ۱۸۸۷ء اور ۱۸۹۴ء میں منعقد ہوئیں۔ لیکن جب تک ۱۸۹۷ء کی کانفرنس منعقد نہیں ہوئی اس وقت تک معاشی مسئلے پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا گیا۔ اس سال البتہ، برطانیہ نے اپنے ایسے تجارتی معاہدوں کو منسوخ کر دیا جو ُ سے شاہی ترجیح کے عطا کرنے میں مزاحم تھے اور کناڈا نے محاصل کروڑگیری میں ترجیح کو بلا کسی شرط کے منظور کر لیا۔ ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۷ء کے درمیان، دوسری خود مختار نوآبادیوں نے بھی کناڈا کی پیروی کی اور شہنشاہیت کے بازاروں میں، انگلستان کی برآمد تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع ہوگئی۔ ۱۹۰۷ء کی کانفرنس میں ایک نہایت اہم تبدیلی رونما ہوئی۔ اس تاریخ تک کانفرنسیں، وزیر نوآبادیات اور نوآبادیوں کے وزیراعظموں کے درمیان ہوا کرتی تھیں۔ لیکن ۱۹۰۷ء میں وزیراعظم انگلستان اور اس کی پوری کابینہ بھی کانفرنس میں موجود تھی۔ ان کانفرنسوں کو مستقل بنا دیا گیا اور اس کا نام نوآبادیوں کی کانفرنس کی جگہ شہنشاہی کانفرنس رکھ دیا گیا۔ جو کانفرنس ۱۹۱۵ء میں ہونے والی تھی اُسے جنگ کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑا لیکن شہنشاہیت کی ایک جنگی کانفرنس کو ۱۹۱۷ء میں طلب کیا گیا اور اس میں ہندوستان کو بھی مدعو کیا گیا اور یہ قرارداد منظور ہوئی کہ شہنشاہیت کے ہر حصے کو دوسرے حصے کی پیداوار اور مصنوعات کے لیے خاص طور پر موافق شرائط عطا کرنا چاہییں۔

شہنشاہیت کے مختلف حصوں کو ایک قریبی رشتے میں منسلک کرنے میں یہ کانفرنسیں بہت زیادہ اہم ثابت ہوئی ہیں۔ ہر کانفرنس نے، تجارتی قانون، جہازرانی اور نقل وطن کے سلسلے میں، ایک مشترکہ معاشی پالیسی کو مقرر کرنے اور

ترقی دینے میں حصہ لیا اور اب ایک مستقل سکریٹریٹ کے قایم ہو جانے کی وجہ سے پالیسی میں تسلسل برقرار رہنے کی ضمانت ہو گئی ہے۔

۱۷۔ نوآبادیوں کی تجارت کو اور زیادہ ترقی دینے کے طریقے

سنہ ۱۸۹۷ء جیسے ابتدائی زمانہ ہی میں، مجلس تجارت کے قدامت پسند صدر نے ایک تحقیقاتی کمیٹی کا تقرر، یہ دریافت کرنے کے لئے کیا تھا کہ شہنشاہیت کے طول وعرض میں تجارتی معاملات کے بارے میں معلومات کی نشر و اشاعت کے مناسب بہترین ذرایع کیا ہو سکتے ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس تجارت کی تجارتی اطلاعات کی شاخ قایم کر دی گئی۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں کناڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ میں ٹریڈ کمشنروں کو بھی منسلک کر دیا گیا۔ ان کے ساتھ مقامی تجارتی نامہ نگار بھی شریک ہوتے تھے جن کا کام یہ ہوتا تھا کہ سرمایہ طلب کاموں کے سلسلے میں جو معاہدے رائج ہوں ان کے بارے میں مادری ملک کو رپورٹ دیں اور نئی تجارت کی ترقی میں امداد دیں۔ جنگ کے زمانے میں ہندوستان، ویسٹ انڈیز اور اسٹریس سٹیل منٹس کے لئے مزید ٹریڈ کمشنروں کا تقرر کیا گیا۔

سنہ ۱۹۰۴ء میں برطانوی شہنشاہیت کے اعداد و شمار کا پہلا خلاصہ مرتب کیا گیا اور سنہ ۱۹۱۸ء میں شہنشاہی معدنی ذرائع کا دفتر قایم کیا گیا تاکہ وہ شہنشاہیت کے معدنی ذرائع کے بارے میں معلومات شایع کرے۔ سنہ ۱۹۱۳ء اور سنہ ۱۹۲۸ء کے درمیان انٹامالوجیکل (حشریات کے) اور مائی کالوجیکل (فطریات کے) ادارے قایم ہوئے تاکہ نقصان رساں کیڑے مکوڑوں اور پھپوند کے قسم کی نقصان رساں نباتی روئید گی کا جن سے سلطنت کے مختلف حصوں میں فصل کو نقصان پہنچتا تھا تدارک کیا جا سکے۔ منطقہ حارہ کی زراعت کے شہنشاہی محکمہ نے، جسے سب سے پہلے سنہ ۱۸۹۸ء میں، چیمبرلین نے ایسٹ انڈیز میں قایم کیا تھا اور بعد میں شہنشاہیت کے دوسرے حصوں میں قایم کیا گیا، نوآبادیوں کی زراعت کو بہت مدد پہنچائی۔ اس محکمہ کی کامیابیوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ پیرولینا سے منتقل کر کے، سمندری جزیرے کی روئی کو ویسٹ انڈیز میں لگایا گیا اور نیشکر

اور روئی کی ایسی ترقی یافتہ قسموں کو جو امریکا کے ساتھ مخصوص تھیں، نائی جیریا اور یوگنڈا میں منتقل کیا گیا۔

مندرجہ بالا حالات میں یہ دیکھ کر ہرگز کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ ۱۸۹۶ء اور ۱۹۱۳ء کے درمیان، شہنشاہی تجارت کی نسبتی اہمیت قطعی طور پر بڑھ گئی ۱۸۹۶ء میں ہماری برآمد کا اوسط، شہنشاہیت اور بقیہ دنیا میں، علی الترتیب ۳۵ اور ۶۵ فی صد تھا۔ ۱۹۱۳ء میں یہ اوسط بدل کر ۳۷ اور ۶۳ فی صد ہو گیا۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۳۲ء کا زمانہ جس میں ایک عالمی جنگ اور ایک کساد بازاری کا زمانہ بھی شامل ہے جس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی، مقابلے کے لئے مناسب بنیاد کا کام نہیں دیتا۔ لیکن پھر بھی ۱۹۱۳ء کے اعداد کے مقابلے میں شہنشاہی تجارت کی حقیقی مقدار میں تھوڑا سا اضافہ نظر آتا ہے اور غیر ملکی برآمد کی حقیقی مقدار میں، قابل لحاظ کمی دکھائی دیتی ہے بحیثیت مجموعی نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کی برآمد اگر ایک طرف نائی جیریا، نیوزی لینڈ، اسٹریٹس سٹلمنٹس اور ویسٹ انڈیز بڑھائی ہے تو دوسری طرف، جرمنی، روس اور مشرق بعید میں تشویشناک حد تک گھٹ گئی ہے۔

۱۸۹۴ء جنگیں ۱۸۹۴ء تا ۱۹۱۴ء۔

آئیے اب دوبارہ برطانیہ کی تجارت کا مطالعہ بحیثیت مجموعی کریں۔ انگلستان کی خارجی تجارت پر ۱۸۹۴ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان جنگوں اور محاصل کروڑگیری کی پالیسیوں کا خراب اثر پڑا۔ ۱۸۹۴ء میں جاپان اور چین کی جو جنگ ہوئی اس سے ہماری مشرقی تجارت پر ایک کاری ضرب لگی۔ ۱۸۹۸ء میں ریاستہائے متحدہ امریکا اور اسپین کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور اس کے دوسرے سال بوئر کی جنگ شروع ہوئی۔ ۱۹۰۴ء میں مشرقی تجارت پر روس اور جاپان کی جنگ کا اثر پڑا۔ لیکن پھر بھی جاپان کے عروج کا خالص نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس ملک کے ساتھ ہماری تجارت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کم سے کم چالیس سالوں تک یہی صورت رہ چکی ہے۔

بوئر کی جنگ اس وقت شروع ہوئی جب تجارت کی حالت بہت اچھی

سختی۔ اس کا اثر تجارت کے لئے تباہ کن ثابت ہوا لیکن ۱۹۰۲ء کی صلح کے بعد بیرونی تجارت میں آہستہ آہستہ نئی زندگی پیدا ہوئی۔ باہمی اعتماد، آخر کار قایم ہو گیا لیکن نیو یارک کی تخمین نے ۱۹۰۷ء میں ایک زبردست مالیاتی بحران کو پیدا کر دیا اور اس کی وجہ سے تجارت ایک دفعہ پھر مفلوج ہو گئی۔ دوبارہ حالت درست ہونے کے بعد، تجارت نے پھر تیزی کے ساتھ ترقی کرنا شروع کی اگرچہ گرم بازاری کے اس دور میں خاتمے کے آثار ۱۹۱۴ء سے پہلے ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ موجودہ صدی میں چونکہ قیمتوں میں بہت زیادہ ترقی ہو گئی ہے اس لیے تجارت کی حقیقی ترقی، ظاہری ترقی کے مقابلے میں بہت کم رہی ہے۔

۱۹۔ گزشتہ نصف صدی کا جایزہ۔ اکثر ملکوں نے ہمارے ساتھ اپنی تجارت کو بڑھا لیا ہے لیکن مختلف ملکوں کی نسبتی حیثیت بدل گئی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کو ایک طویل زمانے تک اول حیثیت حاصل رہی لیکن ہندوستان نے آہستہ آہستہ امریکا کی جگہ لے لی اور ۱۹۱۴ء میں یورپ کی فہرست میں جرمنی کی برآمد کا نمبر اول تھا۔ درآمد اور برآمد کی نوعیت میں بھی بڑی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ انیسویں صدی میں، ان اشیا کی تعداد جن کا مبادلہ کیا جاتا تھا آہستہ آہستہ بڑھتی چلی گئی۔ تجارت کی سادگی ختم ہو گئی۔ اس کے باوجود تجارت کے خاص راستے وہی رہے جو پہلے تھے اور ان کی اہمیت بڑھ گئی۔

پرانے زمانے میں جن چیزوں کو خاص طور پر درآمد کیا جاتا تھا اب ان کی اہمیت نسبتہً کم ہو گئی ہے۔ اعلیٰ قسم کی شراب کی وہ حیثیت باقی نہیں رہی ہے جو پہلے تھی اور یہی صورت تمباکو اور ادنیٰ قسم کی شراب کی بھی ہے اور یہ بات اٹھارویں صدی کی تجارت کے بالکل برعکس ہے۔ انگلستان میں کتان کی صنعت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے سن کی درآمد پر اثر پڑا ہے۔ غذائی پیداواروں، خصوصاً گوشت نے، درآمد میں بہت اہمیت اختیار کر لی ہے۔ محاصل کروڑگیری کی کمی کا اثر، شکر اور چائے پر بھی بہت زیادہ پڑا ہے۔

جہاں تک خام اشیا کا تعلق ہے آسٹریلیا کی اُون، ایک اہم شے بن گئی ہے کیونکہ انگلستان کی رسد، اس کی طلب کے مقابلے میں بہت کم ہو گئی تھی۔ روئی کی

رسد میں بھی قابل لحاظ اضافہ ہوا۔ بعض چیزوں کی درآمد میں جو بے انتہا اضافہ ہوا ہے وہ نئے ملکوں کے ساتھ سلسلہ تجارت کے شروع ہو جانے کی وجہ سے ہوا ہے۔ مثلاً انیسویں صدی کے شروع میں آسٹریلیا اور آخر میں ارجنٹائن کے ساتھ سلسلۂ تجارت کا آغاز ہوا۔ روئی کی نئی رسدوں کو دریافت کیا گیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں روئی کی کاشت کی ترقی حیرت انگیز نظر آتی ہے اور دوسری طرف مصر اور ہندوستان بھی زبردست حریف بن گئے۔

گوشت کی صنعت کو کچھ تو اس وجہ سے ترقی ہوئی کہ تیز رفتار دخانی جہاز اس مال کو اب تیزی کے ساتھ کناڈا سے لاسکتے تھے۔ لیکن زیادہ تر اس کی وجہ یہ تھی کہ گوشت کو برف میں دبا کر روانہ کرنے کی وجہ سے، انگلستان کو، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ارجنٹائن سے درآمد کا موقع مل گیا۔ زندہ جانوروں کی تجارت بھی اب بہت اہم ہوگئی۔ کناڈا نے پنیر کو بھی اب اتنی بڑی مقدار میں بھیجنا شروع کر دیا کہ وہ خانگی پیداوار کا موثر طریقے پر مقابلہ کرنے لگا۔

پھلوں کو کلیفورنیا، ویسٹ انڈیز وغیرہ سے درآمد کیا جاتا تھا۔ ڈبے میں بند کی ہوئی غذائیں بھی اہم ہوگئی تھیں۔ امریکہ سے پھل، برٹش کولمبیا سے سامن مچھلی اور آسٹریلیا سے خرگوش تک درآمد کیے جانے لگے ہیں۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ، خالص زراعتی ملک کی جگہ آہستہ آہستہ صنعتی ملک بنتا گیا۔ شرقی ریاستوں میں زرعی خصوصیات فنا ہوگئیں اور نوآبادکاری اور زیادہ مغرب کی طرف بڑھ کر کی جانے لگی۔ دو مخالف رجحانات دکھائی دینے لگے۔ ایک طرف ترقی یافتہ طریقوں نے غلے کی پیداوار کو بڑھایا، دوسری طرف بڑھتی ہوئی آبادی نے اس فاضل مقدار کو جسے برآمد کرنا ممکن تھا گھٹانا شروع کر دیا۔ اس کا خالص نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان کو اپنی غذا کے ایک حصے کی رسد کو دوسری جگہوں میں تلاش کرنا پڑا۔ کناڈا کے ساتھ آہستہ آہستہ سلسلہ تجارت شروع ہوئی اور یہ کام ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے۔ لیکن کناڈا نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی پیروی کرنا شروع کر دی۔ ارجنٹائن کو ترقی ہوئی اور انیسویں صدی کے خاتمے پر سائبیریا نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ اس کے اندر گیہوں پیدا کرنے کے بڑے امکانات موجود ہیں۔

یورپ سے تجارت میں تبدیلیاں نسبتہً کم ہوئی ہیں۔ اوڈیسیا سے روسی گیہوں کا اور شمال سے سمور کی درآمد کی اہمیت برقرار رہی۔ البتہ، اسپین اور سویڈن سے گزشتہ نصف صدی میں لوہے کی جو درآمد کی گئی۔ اس سے خاص طور پر تجارت کے ایک نئے رُخ کا پتا چلتا ہے۔ ایلپس کے آر پار سرنگوں کے ذریعے جو راستہ نکالا گیا اُس کی وجہ سے بحر روم کے ملکوں کے ساتھ تجارت میں ترقی ہوگئی۔

ہماری اشیائے برآمد روز افزوں طریقے پر صرف مصنوعات ہی تک محدود ہوتی چلی گئیں انگلستان کے پاس چونکہ کوئلہ تھا اس لئے جتنا بھی خام مال آ سکتا تھا وہ سب اس کی ضرورت کو پورا کیا کرتا تھا۔ اہم خام مالوں میں صرف کوئلہ ہی ایک ایسی چیز تھی جسے انگلستان برآمد بھی کرتا تھا۔ اس سلسلے میں نہایت اہم سوالات اُٹھے۔ جیونس نے یہ پیشین گوئی کی کہ ہمارے کوئلے کے قدرتی ذخائر تیزی سے نکالے جانے کی وجہ سے جلد ہی ختم ہو جائیں گے۔ خوش قسمتی سے علم طبقات الارض کی تحقیقات نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ چٹانوں کے نیچے، کوئلے کی تہوں کے دریافت ہونے کی وجہ سے بیسویں صدی میں، کانوں کی گہری کھدائی کی جانے لگی ہے۔ برآمد کا محصول جو کبھی کبھی کوئلے پر لگا دیا جاتا تھا وہ اب غائب ہوگیا ہے۔ ہماری صنعتی برتری کے زائل ہو جانے کے بارے میں، اسی طرح کے اندیشہ کا اظہار اس وقت بھی کیا گیا تھا جب گلیڈاسٹن نے مشین کی برآمد پر سے محصول ہٹا لیے تھے۔ لیکن یہ اندیشہ بے بنیاد ثابت ہوا تھا۔

جہاز رانی

جہاز رانی کی ترقی میں، بیرونی تجارت کی ترقی کا بالکل صحیح عکس نظر آتا ہے۔ دُخانی جہاز کو، گزشتہ صدی میں صنعتی کاموں کو پورا کرنے میں کامیابی ہوئی تھی۔ لیکن مسافروں کی آمد و رفت کے مقابلے میں مال کے نقل و حمل کے کام میں زیادہ قدامت پسندی پائی جاتی تھی۔ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں صرف ایک دخانی جہاز اسکاٹ لینڈ میں تھا۔ لیکن اس کے مقابلے میں ۱۸۲۵ء میں برطانیہ عظمیٰ میں سو سے زائد دخانی جہاز ہوگئے تھے اور دس سال بعد ان کی تعداد چار سو ہوگئی تھی اور ۱۸۵۵ء میں تقریباً

ایک ہزار تھی۔

ہندوستان کے راستے کو تجارت کی ترقی کی ایک مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ ۱۸۲۶ء میں، کلکتے کو، راس امید کے راستے سے جہاز جایا کرتے تھے۔ ۱۸۳۷ء میں جلدی کا سفر کرنے کے لئے، بحر روم کا راستہ کھول دیا گیا تھا اور اس میں خاکنائے سوئز کو عبور کرنے کے بعد، بحر احمر سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ سلسلہ نہر سوئز کی تعمیر ۱۸۶۹ء تک چلتا رہا۔

گزشتہ صدی میں بیرونی تجارت کی ترقی کا اثر آبادی کی تقسیم پر وہ نہیں ہوا جو عہد وسطیٰ میں ہوا تھا یا جیسا کہ ۱۷۶۰ء کے بعد صنعتی ترقیوں کا ہوا تھا۔

بندرگاہیں۔ تجارتی آبادی چند مقامات پر مجتمع ہوگئی تھی اور ایسے شہروں نے جن کا ارد گرد کے علاقے سے کوئی فطری تعلق نہیں تھا مثلاً لورپول، ترقی پالی تھی۔ اس فرق کا اندازہ اس وقت کیا جاسکتا ہے جب اس حقیقت کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ لنکا شائر کے مشاغل اور رائے کا صحیح مرکز مانچسٹر تھا۔ اول الذکر کی نمایندگی، ایک زمانے میں "مانچسٹر اسکول" کے لوگ کیا کرتے تھے جس نے شمال کے صنعتی علاقوں میں خصوصیت کے ساتھ ترقی پائی تھی اور اس میں اور بیرونی بندرگاہوں میں، اشتراک کا کوئی پہلو نہیں نکلتا تھا۔

یہ منظر بلجیم اور ہالینڈ میں خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ یہاں اینٹ ورپ، ایمسٹرڈم، اور راٹرڈم تقریباً بالکل جرمن شہر معلوم ہوتے ہیں۔ یہی صورت لندن کی بھی ہے جس کا شمال کے شہروں پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ بھی لائق توجہ ہے کہ بڑی بندرگاہوں میں عام طور پر ملک کے دور کے حصوں سے لوگ کھینچ کر نہیں آتے تھے۔ ہل فطری طور پر لیڈس کے مقابلے میں، راٹرڈم کے ساتھ زیادہ قربت رکھتا ہے۔

نہر پناما نے جسے سرکاری طور پر ۱۹۱۴ء میں کھولا گیا، یورپ اور امریکا کے مغربی ساحل کے درمیان جو تجارت ہوتی تھی اس میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے اور مشرقی ایشیا سے جو تجارت کی جاتی ہے اس پر بھی اس کا اثر پڑا ہے۔

باب (۱۵)

لندن، اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ

لندن

لندن کو انگلستان کی تاریخ میں ایسی غالب حیثیت حاصل ہے کہ اگر اس کے ارتقا کا کھوج لگانے میں، ہم اس کتاب کی حدود سے متجاوز بھی ہو جائیں تو یہ بات ناموزوں نہ ہوگی۔

۱۔ لندن کا محل وقوع لندن کو قدرت نے جزائر برطانیہ کا نہایت اہم شہر بنانے کے لئے چن لیا ہے۔ اس کی سہولتوں نے اسے دنیا کا سب سے بڑا شہر بنا دیا ہے۔ آج کے مقابلے میں اس کو، ابتدائی زمانوں میں اور بھی نمایاں برتری حاصل تھی۔ اول بات تو یہ تھی کہ دریائے ٹیمس کا دہانہ چونکہ چوڑا تھا، اس لئے لندن، بیرونی اثرات کو قبول کرنے کے لئے سب سے زیادہ آمادہ رہتا تھا۔ اس کا رخ یورپ کے براعظم کی طرف ہے اور یہ ایسے دوسرے دریاؤں کے بالمقابل واقع ہے جن کے ذریعے یورپ کے ان علاقوں کی پیداوار کی نکاسی ہوتی

رہتی ہے جنہیں ہمیشہ سے خوش حال سمجھا گیا ہے۔ عہد وسطیٰ میں، سامنے کے ساحل پر ایک دولت مند نسل کے لوگ آباد تھے۔

دوسری بات یہ تھی کہ لندن کو، تجارت کی بہترین سہولتیں بھی حاصل تھیں۔ شمالی فرانس میں اور اس جگہ جسے آج جرمن ساحل کہتے ہیں ہمیشہ سے متفرق قومیں آباد رہی ہیں جن میں سیاسی اور معاشی اختلاف پائے جاتے رہے ہیں۔ فلانڈرس، جو لندن ٹیمس کے زیرین حصے ہے کے بالمقابل ہے ایک ایسا ملک تھا جو حد فاصل کا کام کیا کرتا تھا۔ اس لئے یورپ کی سیاسی اور معاشی تحریکوں نے کبھی لندن کی تجارت کو مکمل طور پر برباد نہیں کیا۔

شمال مغربی یورپ کے ملک ایک طرح کی کمان سی بناتے ہیں جس کے اندر لندن واقع ہے اس لئے وہ تمام حصوں کے لئے ایک موزوں مرکز تھا۔ اس لیے ٹیمس یورپ کی تجارت کے لئے نہایت اہم دریا بن گیا۔ لندن کے صحیح محل وقوع کا تعین اس واقعے کی بنا پر ہوا کہ لندن کی موجودہ جگہ کے فوراً آگے، دریا کے دونوں کناروں پر کوئی دوسری جگہ ایسی نہیں تھی جو ٹھوس ہو۔ چنانچہ جو زیرین ترین جگہ ایسی تھی جہاں پُل بنایا جاسکتا تھا۔ اسی پر شہر آباد ہونا شروع ہو گیا۔

لندن کی تمام تر اہمیت دریائے ٹیمس کی وجہ سے ہے۔ اس دریا میں کامل مد کے وقت بڑے سے بڑے جہاز ہمیشہ تیر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ خود اس دریا نے بھی جو جہاز رانی کے قابل تھا۔ ایک وسیع اور زرخیز وادی کی پیداوار کو تجارتی سلسلے میں منسلک کر دیا تھا اور یہاں سے ایسے آسان راستے بھی نکلتے تھے، جن کے ذریعے رود بار برسٹل تک پہنچا جاسکتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود، ٹیمس، آمد و رفت کے لئے ایک رکاوٹ بھی تھا۔ مشرقی اینگلیا ہمیشہ سے بہت زرخیز علاقہ تھا۔ غیر ملکیوں کے لئے ڈوور ایک قدرتی گودی تھا۔ زرخیز ترین اضلاع میں باہر کے ملکوں سے آنے والوں کے لئے براہ راست داخل ہونا ناممکن تھا۔ اس کے علاوہ، ابتدائی زمانے میں، جنوب مشرقی حصہ بذات خود، مہذب ترین علاقہ تھا اور مڈلینڈ اور شمالی علاقے تک پہنچنے کے لئے دریائے ٹیمس کو عبور کرنا ضروری تھا۔

مسافروں کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ زیرین ترین مقام پر اس دریا کو عبور کریں اور یہ لندن ہی تھا۔ اس لئے رومیوں کے زمانے میں تمام سڑکیں اسی نقطۂ نظر پر آکر

جمع ہوتی تھیں۔ بنی ہوئی شارع عاموں کی تعداد محدود تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ آمد ورفت اس وقت بھی لندن ہی کے ذریعے کی جاتی تھی جب وہ سیدھے راستے سے کچھ ہٹا ہوا ہوتا تھا اس شہر کو نہ صرف انگلستان کے جنوب سے شمال مشرق کی کل تجارت مل جاتی تھی بلکہ جنوب سے شمال تک کی زیادہ تر تجارت بھی اسی شہر میں کی جاتی تھی۔ یہ خشکی اور دریا کے راستوں کا ایک چوراہا تھا۔

لندن ایک خاصے زرخیز علاقے کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ چونے کے پتھر کی پہاڑیوں کی دو قطاروں کا اس کے گرد حاشیہ لگا ہوا ہے۔ یہ چیز اس زمانے میں جب کہ انگلستان کی خوش حالی کے لئے اُون کی خوب اچھی رسد نہایت ضروری تھی، بہت اہمیت رکھتی تھی۔ جنوب مشرق میں جو بھیڑوں کے اضلاع پائے جاتے ہیں ان کے لئے لندن ایک مرکزی مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ پہاڑیاں تجارت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھیں کیونکہ ان کے درمیان قدرتی وادیاں پائی جاتی تھیں۔ آمد ورفت سمندر کے شمال اور جنوب کی طرف آسان تھا۔

۲۔ لندن کی ابتدا

غرض، لندن حقیقی معنی میں ایک تجارتی شہر اور بیرونی اثر کا مرکز تھا۔ اس کی برطانوی اصل مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ نام کلٹی زبان کا ہے۔ لیکن ان کے قبضے کی شہادت غیر قطعی ہے۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ رومیوں سے پہلے یہاں کوئی بستی نہیں تھی جب کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ٹیسی ٹس نے اسے ۶۱ء جیسے ابتدائی زمانے میں اہم تجارتی مرکز قرار دیا تھا۔

اس کی قلعہ بندی رومیوں نے کی اور اسے بہت اہمیت حاصل ہوگئی۔ بوڈیشیا نے لندن اور سینٹ البانس میں ستر ہزار آدمیوں کو مروایا تھا۔ ۳۰۰ء کے قریب ہمیں اس کی دولت کی بلاواسطہ شہادت بھی ملتی ہے جب کہ ٹیمس پر بلاشبہ ایک پل بنا ہوا موجود تھا۔

چھٹی صدی کے سیکسنوں کے وقائع میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ غالباً یہ ویران ہوگیا تھا اور یہ بات تو یقینی ہے کہ اس کی اہمیت بہت گھٹ گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ انگریزوں کے تسلط سے پہلے ہی اسے چھوڑ دیا گیا ہو۔ دوسری طرف اس بات

کی بھی کچھ شہادت موجود ہے کہ لندن نے اپنی آزادی کو برقرار رکھا اگرچہ حملہ آور لوگ اس کے اندر آباد نہیں ہوئے۔

سنہ ۶۰۴ء میں اس کے موجود ہونے کا علم ہمیں حاصل ہے۔ اس صدی میں یہ دوبارہ خوش حال ہو گیا تھا اور غلاموں کی تجارت بڑے پیمانے پر کی جاتی تھی جنگ کرنے والی قوموں میں اس کی غیر جانب دارانہ حیثیت رہی۔ یہاں سب لوگ آزادی سے خرید و فروخت کر سکتے تھے۔ جب تک ڈنمارک کے لوگوں نے حملہ نہیں کیا اور اس کو ایک حد تک برابر نہیں کر ڈالا یہ زیادہ اہم ہوتا گیا۔ اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ وہ خود بھی یہاں بس گئے۔

شاہ آلفریڈ نے سب سے پہلے، انگلستان میں، لندن کو ممتاز بنایا۔ اس نے اس کی قلعہ بندی کو مضبوط کیا اور لندن کی ترقی تمام ملک کی ترقی کا ایک پیمانہ بن گئی۔ کینیوٹ کے مقابلے میں اس نے مضبوطی کے ساتھ حملے کی مدافعت کی اور اس نے اس کی اہمیت کو محسوس کر لیا جتھے، سب سے پہلے، اینگلو سیکسنوں کے زمانے میں نمودار ہوئے۔ امن قایم رکھنے کے لئے بھی انجمنیں (فرتھ جتھے) موجود تھے۔ گیارھویں صدی میں لندن ہی کو برتری ملی ہوئی تھی اگرچہ سب سے بڑے شہروں کو اس کے مقابلے میں کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ سنہ ۱۰۶۶ء میں ولیم نے اس کی فتح کو اپنا اولین مقصد قرار دیا۔ جب ایک دفعہ اس شہر پر اس کا قبضہ ہو گیا تو پھر وہ پورے ملک کا مالک بن گیا۔

۳۔ فتح کا اثر فتح کے بعد بھی، فتح سے پہلے کی طرح، کل قوم کی بحیثیت مجموعی ترقی کے مقابلے میں، زیادہ قریبی طور پر، بادشاہ کی شخصی سیرت کے ساتھ وابستہ رہی۔ جب حکمراں طاقتور ہوتا تھا تو تجارت کو ترقی ہوتی تھی اور تاجروں میں عزم و حوصلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ کمزور بادشاہ کے تحت تاجروں کو یہ خوف رہتا تھا کہ ان کا مال چھن جائے اور خطرے کا جذبہ سست ہو جاتا تھا۔ الفریڈ نے لندن کو ایک بڑا شہر بنا دیا۔ ولیم نے عقلمندی سے کام لے کر اسے ایسی آزادی دی کہ یہ ہر لحاظ سے حکومت کا مرکز بن گیا۔ اس کے علاوہ جاگیردارانہ نظام سے کوئی نئی صورت حال رونما نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد اس کی مرکزیت میں اور زیادہ

اضافہ ہوگیا اور لندن کا اقتدار بڑھ گیا۔

لندن کی آزادی، اضافی تھی۔ یہ انگریزوں کا سمجھا اس لئے اسے پابندیوں کو قبول کرنا پڑتا تھا۔ پہلا منشور، ہنری اول نے عطا کیا لیکن اس کو اکثر توڑا جاتا رہا۔ اس کی اہمیت صرف اس واقعے کی بنا پر ہے کہ شہر کے لوگ اسے اپنا ایک حق سمجھتے تھے اور جب ان پر ظلم ہوتا تھا تو اس کا نام لے کر فریاد کرسکتے تھے۔ شہر کی نوعیت مخلوط ہوتی جارہی تھی اور نارمنوں کے ایک بڑے عنصر کے موجودگی کی وجہ سے اس کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ بہت سے تاجر اور صناع، نارمنڈی سے ترک وطن کرکے نئے ملک میں چلے آئے تھے۔ اور فلانڈرس کے پارچہ باف بھی اس کے بعد ہی ہجرت کرکے چلے آئے۔

۴۔ پہلا منشور

ہنری اول نے غالباً موجودہ رسم ورواج کی توثیق کی۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔ انگلستان میں، تاجروں کے جتھوں کے (معمولی مفہوم کے مطابق) موجود ہونے کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ جتھے کا خاص فایدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے تجارت کی سہولتیں میسر آجاتی ہیں اور یہ بدیہی طور پر انگلستان کو ہمیشہ سے اُسی طرح حاصل تھیں جس طرح کہ غالباً جنوبی ساحل کی سنگت بندرگاہوں کو حاصل تھیں۔

ہنری اول نے لندن کو ایک کارپوریشن کی حیثیت سے تسلیم کرلیا اور مڈل سکس کا ضلع اس کے حوالے کردیا گیا۔ جب مے ٹلڈا نے اس شہر کے حقوق کو چھینا تو اس وقت اس کی طاقت کا مشاہدہ کیا گیا۔ اسٹیفن کی کامیابی کا ذریعہ بھی لندن والے ہی تھے۔ لیکن لندن کو اس کمزور بادشاہ کی حکومت میں نقصان اُٹھانا پڑا۔ کاریگروں کے جتھوں نے اہمیت اختیار کرنا شروع کردی۔ ہمیں اس بات کا علم حاصل ہے کہ یہ بارھویں صدی کی ابتدا میں موجود تھیں ۱۱۳۰ء سے پہلے ہی انھیں حسد کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا۔ اور بغیر کسی قانونی بنیاد کے "مخلوط" جتھوں کو قایم کرنا شروع کردیا گیا تھا۔

ہنری ثانی کے زمانے میں، فٹز اسٹیفن نے لندن کا جو حال بیان کیا تھا، اس میں ہمیں لندن کی اولین تصویر نظر آتی ہے۔ اس کی بے شمار دولت اور زبردست

تجارت کا نقشہ نہایت خوبی کے ساتھ کھینچا گیا ہے۔ لیکن مکانات لکڑی کے بنے ہوئے تھے اور اُن پر یا تو پھوس کا چھپر ہوتا تھا یا ان کی چھت مٹی کی بنی ہوئی ہوتی تھی اس لئے آتش زدگی کے واقعات عام تھے۔

جان کا دور حکومت تبدیلی کا زمانہ تھا۔ غیر ملکی تاجر یہاں آنے لگے اور انگریزوں کے ساتھ ان کے تعلقات، فساد کا موجب تھے۔ میگنا کارٹا (منشور اعظم) میں جان نے وعدہ کیا کہ وہ شہر کے لوگوں کو ان کے وہ قدیمی حقوق جن کو اس نے منسوخ کر دیا تھا واپس کر دے گا۔

۵۔ ایڈورڈ اول۔ ایڈورڈ سوم کی پالیسی۔

ہنری سوم کے زمانے میں بھی انگلستان کو نقصان اٹھانا پڑا۔ دیسی تاجروں کی مخالفت کے باوجود، جمعیت ہنسا کو حقوق دیے گئے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ خراب یہ حقیقت تھی کہ خانہ جنگی کی وجہ سے تجارت تقریباً مسدود ہو گئی۔ ایڈورڈ اول کے زمانۂ حکومت سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ امن بحال کیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہوں کی قومی پالیسی شروع ہوئی ورنہ اب تک شہر کے لوگوں کا نقطۂ نگاہ مقامی ہوا کرتا تھا۔

غیر ملکیوں کے خلاف جو جذبہ حسد پایا جاتا تھا، یہی ایک حد تک بالواسطہ طریقے پر بدامنی کے پیدا ہونے کا سبب تھا۔ لندن کے شہریوں کو ہنری اول کے زمانۂ حکومت میں یہ حق مل گیا تھا کہ وہ انگلستان میں ہر جگہ تجارت کر سکتے ہیں لیکن بیرونی مسابقت کی وجہ سے، ان کے لئے ملک کے اندر، اپنے مواقع سے فائدہ اٹھانے کا امکان محدود ہو گیا تھا۔ دوسری طرف، یورپ کی تجارت میں شریک ہونے کی انھیں اجازت نہیں تھی۔ غیر ملکیوں پر بہت کم پابندیاں تھیں اور محصول بھی ان پر نسبتاً ناکافی لگائے جاتے تھے۔

نفرت تمام تر یہودیوں کے خلاف ہو گئی تھی۔ رچرڈ اول اور جان نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے، ان کی حفاظت کی۔ ایڈورڈ اول نے انھیں نکال باہر کیا۔ لیکن دوسرے غیر ملکیوں کے خلاف، عوام کا جو شور و شغب تھا اس کو اس نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ گزشتہ زمانے میں غیر ملکیوں نے حقیقی خدمت انجام دی تھی

تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اسی دور حکومت میں، والٹر بارو ے نے جو صدر بلدیہ تھا اس بات کی کوشش کی کہ تمام کاریگروں کو جتھوں میں شریک کر لیا جائے۔ اس کی یہ کوشش اس وقت تو قبل از وقت ثابت ہوئی لیکن بعد میں اس کے ان خیالات کو قبول کیا گیا۔

ایڈورڈ ثانی کے زمانے میں شہر کو دوبارہ منشور ملا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے کے لئے حکومت تاجروں کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی لیکن بعد میں کمپنیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ لندن نے بادشاہ کو معزول کر کے اپنی طاقت کا دوبارہ اظہار کیا۔

ایڈورڈ سوم کا دور حکومت ایک دوسرا عہد آفریں واقعہ ہے۔ ایک طاقتور بادشاہ کے تحت، لندن کو ایک مرتبہ پھر خوش حالی نصیب ہوئی۔ شروع میں تو اس نے غیر ملکی تاجروں کی آزادی کو محدود کیا۔ ان کو صرف چالیس دن ٹھہرنے کی اجازت تھی اور انھیں میزبانوں کے ساتھ رہنا پڑتا تھا جو ان کے ذمہ دار ہوتے تھے لیکن بعد میں اسس لئے انھیں زیادہ حقوق عطا کئے۔ فلورنس کے باشندے ایک اہم جماعت تھے۔ باردی کی جماعت ساہوکارے کا کام کرتی تھی لیکن جب ایڈورڈ نے اپنے قرضوں کو ادا کرنے سے انکار کر دیا تو وہ برباد ہو گئے۔

۶۔ لندن کی کمپنیاں

لندن کے رہنے والے سب طبقوں کی ایک خاص حیثیت تھی۔ چودھویں صدی میں جو شخص کسی صنعت میں سات سال تک کار آموز رہ چکا ہو تو اسے یہ حق حاصل ہو جاتا تھا کہ وہ اس صنعت یا کسی دوسری صنعت کو اختیار کر لے۔ چنانچہ کاریگروں کے جتھوں کا ایک نظام وجود میں آگیا تھا۔ اگر تاجروں کے جتھے موجود تھے تو وہ ترقی کر کے ایک ایسی تنظیم کی صورت اختیار کر چکے تھے جو غالباً لندن ہی کے ساتھ مخصوص تھی چنانچہ تاجروں کے جتھوں اور لندن لیوری کمپنیوں (لندن کے وردی پوش پیشہ وروں کی جماعتوں) میں، کئی باتوں میں نہایت اہم اختلافات پائے جاتے تھے۔ مثلاً لیوری کمپنی کا اثر اپنے اراکین پر بہت زیادہ تھا اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مشاغل کو صرف ایک پیشے تک محدود رکھتی تھی۔ دوسری طرف سیوری کمپنی کاریگروں کے جتھے سے اس لحاظ سے مختلف تھی کہ اول الذکر اپنی پیدا وار یا کم از کم براہ راست

کوئی نگرانی نہ رکھتی تھی۔ اس کو مال کے فروخت کرنے کے کام سے خاص دلچسپی تھی اور پیشے پر کمپنی کو بصورت مجموعی جس درجے کا اقتدار حاصل تھا وہ پھر انفرادی معاملے میں خاصا مختلف نظر آتا تھا۔

ان موخر الذکر تاجروں کی کمپنیوں نے نظام کو مکمل کر دیا تھا۔ لندن میں تمام چیزوں کی فروخت اور خصوصاً غیر ملکی تجارت کا کام انھی کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط کے ماتحت کیا جاتا تھا۔ ان کمپنیوں میں سے بارہ بہت مالدار ہو گئی تھیں اور انھوں نے ایک ایسی تنظیم کو ترقی دی جس کا صدیوں تک شہر کی سیاسی اور شہری زندگی پر اثر غالب رہا۔ پنساریوں[1] کی کمپنیاں جن کا غلبہ پندرھویں صدی کے بعد ہوا ۱۳۴۵ء میں شروع ہوئیں اور ریشم فروشوں کی کمپنیاں جن کی ایک شاخ ہم جو تاجروں کو سمجھا جاتا ہے، اسی زمانے میں قایم کی گئیں۔ اس صدی کے خاتمے کے قریب پنساریوں نے دوا فروشوں کی ایک نئی کمپنی کو پیدا کیا اور ریشم فروشوں نے بساطیوں[2] کی۔

۱۳۶۴ء میں شراب فروشوں کی کمپنی بنائی گئی اور اس کے کچھ سال بعد درزیوں اور ماہی گیروں کی مشہور کمپنیاں، سناروں اور چرم فروشوں کی تھیں۔ ان سے کم تر درجے کی لیوری کمپنیوں نے بھی ترقی پائی لیکن خاص اہمیت بارہ بڑی کمپنیوں ہی کو حاصل تھی۔ ہر پیشے کی ایک مخصوص وردی ہوتی تھی۔ اور اسی بنا پر ان کا یہ نام بھی رکھا گیا۔

ہنری ہشتم کی ضبطیوں سے، جس کا یہ خیال تھا کہ خانقاہوں کی طرح ان کمپنیوں کے افادہ کا زمانہ بھی ختم ہو گیا ہے، ان کو ایک ضرب کاری لگی۔ جن کے پاس دولت بہت زیادہ تھی اس ضبطی کے بعد وہی سنبھل سکیں اور یہ موجودہ زمانے تک باقی ہیں اور ان کے سرمایے کے ایک حصے کو تعلیم اور اسی قسم کے دوسرے کاموں پر صرف کیا جاتا ہے۔

---

[1] Grocers' Company

[2] Haberdashers

طبقہ واری نظام شدت کے ساتھ نمایاں تھا۔ بڑے تاجر ایک خواصیہ بنا لیتے تھے۔ صدر بلدیہ کو اشرافیہ کا ہم رتبہ سمجھا جاتا تھا۔ پھر بھی "تاجر" کی اصطلاح بہت وسیع ہے اس میں ایسے غیر مجاز تاجر بھی شامل تھے جنھیں مشکل ہی سے روزی میسر ہوتی تھی۔ کمپنیوں کے کاموں کا انتظام، ایک طاقتور اقلیت کے ہاتھ میں رہتا تھا جو شہر کی حکمراں اور برسر اقتدار جماعت سے اکثر اختلاف رکھتی تھی۔ کاریگروں اور تاجروں میں بھی تصادم موجود تھا۔ دوسری طرف غیر ملکیوں کو اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاتا تھا جب تک وہ کچھ زمانے تک لندن میں نہ رہ لیتے تھے اور کسی جتھے میں نہ شریک ہو جاتے تھے۔ کسانوں کی بغاوت کے ساتھ لندن میں بہت ہمدردی کی گئی۔ اس سے اس رنجش کا پتا چلتا ہے جو جتھے کے ارکان اور ادنیٰ طبقوں کے درمیان پائی جاتی تھی۔ تقریباً چودہ سو نوکاروں نے، استاد کاریگروں کے خلاف متحد ہونا شروع کر دیا تھا۔

۷۔ پندرھویں صدی

رچرڈ ثانی کی کمزوری کی وجہ سے لندن کو نقصان اٹھانا پڑا۔ شہر کے لوگوں نے ہنری چہارم کی حمایت کی دوسری طرف، فرانس میں، اس کے بیٹے نے جو فتوحات حاصل کیں، اس سے انگلستان کی تجارت کو ترقی ہوئی۔ پندرھویں صدی میں، لندن کپڑے کی مصنوعات کا مرکز بن گیا۔ ابھی تک اس نے انگلستان کے کپڑے کی رسد کو باہر ہی سے فراہم کیا تھا۔ یہ ترقی غیر مستقل تھی۔ شہریوں پر اس کا ردعمل ہوا اور انھوں نے جلد ہی ہنری چہارم کو معزول کر دیا۔

ایڈورڈ چہارم اپنے تمام قصوروں کے باوجود ایک طاقتور حکمراں تھا اور تجارتی معاملات کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے نہ صرف تجارت کی حفاظت کی بلکہ نگرانی کے قوانین بنا کر اس کی رہنمائی کی۔ ایک مختصر وقفہ گزرنے کے بعد ہنری ہفتم تخت نشین ہوا۔ اس کی زاید ستانی کی وجہ سے لوگ اگرچہ اس سے نفرت کرتے تھے پھر بھی اس نے امن و امان قایم رکھا۔ لیکن اس کے لالچ نے کاروبار کا گلا گھونٹ دیا۔ جو تاجر دولتمند ہوتا اُسے بادشاہ نشانے کے لئے تاک لیتا تھا۔

۸۔ ٹیوڈر حکمراں

ہنری ہشتم، لندن کے عوام میں اس وقت تک مقبول رہا جب تک اس نے جتھوں کو برباد کرنے کی تجویز نہیں کی۔

خانقاہوں پر اس نے جو حملہ کیا اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ سکے میں اس نے جو کھوٹ ملایا اس سے صرافوں کا کاروبار نفع بخش ہوگیا۔ دوسروں پر اس کا نہایت برا اثر پڑا ہنری کے جانشین کے زمانے میں، پروٹسٹنٹ تارکان وطن یورپ سے آئے۔ ایک قانون بنایا گیا جس کے ذریعے انھیں اپنے پیشوں کو جاری رکھنے کی اجازت دی گئی۔ میری کے زمانے میں یہ تحریک جاری نہیں رہی لیکن اس کے بعد کے دور حکومت میں اس کو دوبارہ شروع کردیا گیا۔

ایلی زبیتھ کے زمانے میں جو عام مرفہ الحالی پائی جاتی تھی، اس میں لندن نے بھی شرکت کی۔ یورپ کے بازاروں پر لندن کو جو اقتدار کچھ تو قدرتی وجوہ کی بنا پر اور کچھ اجارے کی بنا پر حاصل تھا اور خام مال حاصل کرنے میں جو سہولتیں تھیں، ان کی موجودگی میں اس کا کوئی دوسرا حریف نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ یہاں پارچہ بافی کی زیادہ تخصیص ہوتی جارہی تھی جس کی کچھ وجہ تو یہ تھی کہ لندن کا محل وقوع دست کاری کی ترقی کے لئے براہ راست ایک محرک تھا اور کچھ اس لئے کہ لوگوں نے حقیقۃً دیہات کی سکونت کو ترک کرنا شروع کردیا تھا۔ جو صورت آج ہے اسی طرح اس زمانے میں بھی لندن اپنی بلندترین جگہ پر اس لئے قائم تھا کہ اس کے اندر دیہات کا بہترین خون برابر داخل ہوتا رہتا تھا۔ یہ اس وقت بھی خوش حال رہا جب کہ پندرھویں اور سولھویں صدی میں، دوسرے شہروں کو زوال ہورہا تھا۔

سولھویں اور سترھویں صدی میں اہم نتائج رونما ہوئے۔ آبادی تیزی کے ساتھ بڑھ گئی اور اس تبدیلی کو دیکھ کر حیرت بھی ہوتی تھی اور خوف بھی۔ تجارت کی نوعیت آہستہ آہستہ بدل رہی تھی اور نگرانی کے وہ پرانے طریقے جو کم تر آبادی کے لئے موزوں تھے اب بے کار ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ، لیوری کمپنیاں جو سترھویں صدی سے پہلے برسر حکومت تھیں اب کمزور ہوگئی تھیں۔ ایسے مضافات مثلاً ایسی ٹل فیلڈس پیدا ہوگئے جن پر شہر کے حاکموں کی کوئی نگرانی نہیں تھی۔ دوسری طرف، لندن اور ویسٹ منسٹر کے شہروں کے درمیان آبادیاں بسنا شروع ہوگئیں۔

آزادی کی ترقی اور آبادی کے اضافے نے کاروبار کی ترقی کے لئے ایک محرک کا کام انجام دیا اور لیوانٹ کمپنی (۱۵۸۱ء) نے، اٹلی کے تاجروں کے

ساتھ کامیاب طریقے پر مقابلہ کیا، ساؤتھ ایمپٹن کو سخت نقصان پہنچایا اور لندن کو اپنا مستقر بنا لیا۔ یہ کمپنی ہندوستان جیسے دور دراز ملک تک تجارت کرنے لگی۔ مسکووی کمپنی میں جلد ہی کچھ ایسے تاجر پیدا ہو گئے جنھیں روس کے ساتھ کاروبار کرنے کی وجہ سے دولت حاصل ہوئی تھی۔ اسٹیل یارڈ میں ہنسا کے تاجروں کی حیثیت آہستہ آہستہ بگڑتی چلی گئی اور ۱۵۷۸ء میں ان کے حقوق ختم ہو گئے۔ لندن کے تاجر، یورپ کی تجارت میں بھی، اپنے ان غیر ملکی حریفوں کے مقابلے میں کامیاب ہونے لگے۔ اس عام خوش حالی میں ادنیٰ تر طبقوں کے لوگوں نے بھی شرکت کی۔ دوسری طرف جب تجارت وسیع ہوئی تو دستکاروں کو بھی اپنے مال کے لیے ایک بڑھتا ہوا بازار مل گیا

یورپ کے پروٹسٹنٹ تارکان وطن کا ہمارے اپنے کاریگروں نے کچھ اچھا خیر مقدم نہیں کیا۔ ان کے ساتھ ہمدردی تو بہت تھی۔ لیکن یہ لوگ عام طور پر غریب ہوتے تھے اور جہاں بستے تھے وہاں کے حلقۂ کلیسا پر ان کا بار پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ دستکار بھی ان کے مقابلے کو ناپسند کرتے تھے یوری کمپنیاں جو آہستہ آہستہ زوال کی طرف مائل تھیں چونکہ غیر ملکیوں کی منظم مخالفت کی رہنمائی کرتی تھیں اس لیے انھیں عارضی نمود حاصل ہو گئی تھی۔

۹۔ مالیات وینس اور جے نوآ کے زوال کے ساتھ ساتھ، لندن نے گودام کی حیثیت سے ترقی کر کے ایک نئی اہمیت اختیار کر لی۔ بہت سے غیر ملکی تاجر اپنا مال لندن بھیجنے لگے تاکہ وہاں سے اُسے اس کی منزل مقصود تک روانہ کیا جا سکے۔ مصنوعات کو ان تارکان وطن کی وجہ سے جنھیں الوا نے نیدر لینڈس سے نکالا تھا ترقی ہوئی۔ الوا نے اینٹ ورپ کو جو اس وقت دنیا کے ساہوکارے کا مرکز تھا جلا ڈالا۔ زیادہ تر کاروبار ایمسٹرڈم چلا گیا۔ کچھ لندن میں ہونے لگا اور اب اس نے ایک نئی سمت میں ترقی کرنا شروع کر دی۔ ایڈورڈ سوم کے زمانے میں جو جگہ باردی کو ملی ہوئی تھی وہ ایڈورڈ ششم اور میری کے زمانے میں ہنسا نے لے لی ایلزبتھ اپنے لیے اینٹ ورپ سے قرض لیا کرتی تھی۔

سناروں کی کمپنی کی نمایندگی ابتدائی زمانے میں انفرادی دستکاروں کے

ذریعے ہوا کرتی تھی۔ ان کا کاروبار غالباً برتن بنانا تھا لیکن اب انھوں نے ہمارے بنک کاری کے نظام کو شروع کیا۔ لندن، انگلستان کے ساہوکارے کا مرکز بن گیا اور دوسری مملکتوں سے قرضوں کا انتظام کر سکتا تھا۔ جب چارلس اول نے ٹاور کی امانتوں کو ضبط کر لیا تو تاجروں کو بہت نقصان پہنچا۔ دوسری طرف چارلس دوم نے ۱۶۷۲ء میں خزانۂ عامرہ کو بند کر کے بہت سے ساہوکاروں کو برباد کر دیا بنک آف انگلینڈ کے قائم ہو جانے سے، لندن کی مخصوص حیثیت میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو گیا۔ سلطنت کا انتظام کرنے والے لوگوں میں مالیاتی قابلیت کی موجودگی کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ایلزبتھ کے زمانے میں دوبارہ سکہ سازی کا کام کامیابی کے ساتھ انجام دیا گیا۔

بنک نے ۱۷۶۸ء اور ۱۷۹۳ء میں بحرانوں کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا گو بعض وقت مثلاً ۱۷۹۲ء میں وہ بالکل بے بس ثابت ہوا مشترک سرمایہ دار بنک کاری کا جو اجارہ اُسے حاصل تھا اس کی وجہ سے اس کی حیثیت مصنوعی ہو گئی تھی۔ مثلاً یہ حیثیت اسکاٹ لینڈ کے کسی بنک کو حاصل نہیں تھی۔ جب اس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے کاروبار میں محتاط ہے تو اس کا اقتدار اس وقت بھی قائم رہا جب مقابلہ آزادی کے ساتھ ہونے لگا۔ چنانچہ انیسویں صدی میں جب لندن کی تجارت کی اہمیت نسبتاً گھٹتی جا رہی تھی یہ دنیا کا مالیاتی مرکز بن گیا اور اس حیثیت پر وہ اب بھی قایم ہے اگرچہ نیویارک اور برلن کے شہر جو اس کے حریف ہیں اس کے بہت قریب پہنچتے جا رہے ہیں۔

۱۰۔ لندن کی ترقی

لندن کی یک بارگی ترقی کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے جیمس اول کے زمانے میں ان کا حل کرنا نہایت ضروری ہو گیا لیکن اس کے اندر ان کے حل کرنے کی اہلیت نہیں تھی مفصلات کے ساتھ جو حسد پایا جاتا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں مکانوں کی تعمیر کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ انھیں سرکاری نگرانی میں لینا ناقابل عمل معلوم ہوا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں مکان بہت زیادہ گنجان نظر آنے لگے۔ صفائی کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ پانی کی فراہمی کا انتظام ناقص تھا۔ ایندھن مشکل سے ملتا تھا اگرچہ سمندر کے راستے سے لائے ہوئے کوئلے

کی تجارت بڑی مقدار میں، نیوکیسل کے ساتھ جاری تھی اور یہ ایڈورڈ اول کے زمانے سے یونہی چلی آرہی تھی غذا کی رسد، معمولی زمانوں میں بھی غیر یقینی رہتی تھی۔ آتش زدگی ابھی تک عام تھی۔ آبادی کا بہت بڑا حصہ افلاس کی زندگی بسر کرتا تھا۔

چارلس اول نے مکانوں کی تعمیر کے لیے نئے قانون منظور کیے۔ آیندہ سے پتھر کے مکان بنانا ضروری ہوگیا۔

ابتدائی اسٹوآرٹ حکمرانوں کے زمانے میں، غیر ملکی تاجر مخالفت کے باوجود دولت جمع کرتے رہے۔ کرام ویل چاہتا تھا کہ یہودی ترک وطن کریں تاکہ اس کے مالیاتی کاروبار کا انتظام ٹھیک طریقے پر چل سکے۔ پھر ویسے بھی پروٹسٹنٹ لوگوں کا میلان توریت کی طرف زیادہ تھا۔ بہت سے یہودی جو اسپین اور پرتگال کے رہنے والے تھے، ہالینڈ سے یہاں چلے آئے تھے۔ پندرھویں صدی کے خاتمے کے قریب، جب ان لوگوں کو تادیب کے ذریعے اسپین سے نکالا گیا تو یہ ہالینڈ میں آکر بس گئے تھے۔ ۱۶۸۵ء میں تنسیخ فرمان نانتیس کی وجہ سے بہت سے ہیوگونو (فرانسیسی پروٹسٹنٹ عیسائی) انگلستان آنے کے لیے مجبور ہوئے۔ اسپٹل فیلڈس میں انھوں نے ریشم کی جس صنعت کو شروع کیا وہ ابھی تک باقی ہے۔ ظاہر ہے کہ پرانے مرکزوں کے مقابلے میں، اس صنعت پر تحدیدی ضوابط کی پابندی نسبتاً کم تھی۔ جب سرمایہ داری نظام نمودار ہوا تو بہت سے تاجر اپنے کاروبار کے لیے میدان عمل نکالنے کے واسطے یہاں آگئے۔

۱۱۔ ہیوگونو ہیوگونوؤں کا خیر مقدم کیا گیا۔ یہ پروٹسٹنٹ عقیدے کے تھے۔ ان کے ساتھ بے رحمی کا سلوک ہوا تھا اور یہ اپنے ساتھ کارآمد فنون لائے تھے۔

دستکاروں میں جو پرانی سلیقہ دارانہ عصبیت پائی جاتی تھی وہ ختم ہو رہی تھی۔ صنعت کے منتظموں اور شہر کی حکومت کے درمیان پہلے جیسا قریبی تعلق باقی نہ رہا تھا۔ اس کے علاوہ ہیوگونوؤں کے ساتھ عوام کی ہمدردی تھی۔ ان سے پہلے فلانڈرس سے جو لوگ آئے تھے اُن کی طرح انھوں نے تمام ملک میں اپنی منتشر جماعتیں نہیں بنائیں (مثلاً ٹکنگ مل مقام پر جنوبی ویلز، کارنوال وغیرہ میں) بلکہ خاص لندن ہی میں اپنے آپ کو مجتمع رکھا۔ غالباً اس بات پر حکام ان سے ناراض بھی ہوئے۔ لندن کی تقریباً ہر صنعت کی اصلاح ہوگئی۔ نئے طریقے شروع کیے گئے اور زیادہ نفیس مال تیار

کیا جانے لگا گو یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ مضبوط بھی زیادہ ہو۔ ہیوگونوؤں کا اثر آہستہ آہستہ، پھیل گیا اور ان کا انگلستان کی صنعت پر ایسا اثر پڑا جو غالباً ابھی تک ختم نہیں ہوا ہے۔

۱۲۔ زبردست پلیگ اور زبردست آتش زدگی۔ اس سفید توطن داخلی سے پہلے دو زبردست مصیبتیں نازل ہو چکی تھیں۔ ۱۶۶۵ء کے زبردست پلیگ کی اصل و ابتدا غالباً مقامی ہی تھی۔ مضر صحت حالات اس کے تیزی سے پھیلنے میں معاون ثابت ہوئے۔ لندن کی آبادی کا ساتواں حصہ ختم ہو گیا۔ اس کے دوسرے سال زبردست آتش زدگی واقع ہوئی۔ چارلس اول کی اصلاحیں اتنی دیر میں ہوئیں کہ ان سے شہر کی حالت نہ سدھر سکی۔ لکڑی کے مکانات آسانی سے جل گئے۔

فوری اثر بہت ہولناک تھا پھر بھی لندن پاک ہو گیا۔ بدترین مکانات ختم ہو گئے۔ پتھر یا اینٹ سے مکانوں کو دوبارہ بنانا ضروری ہو گیا اور یہ کام حفظان صحت کے بہتر حالات میں انجام دیا گیا۔ شہر کی مستقل خوش حالی میں اس سے کوئی فرق نہیں ہوا لیکن اس کی اڈشہر نو تعمیر پرانے نقشوں کے مطابق ہی کی گئی اور رین کے مشوروں کے خلاف یہ کام کیا گیا۔ چارلس دوم اپنی شخصی مقبولیت کے باوجود لندن میں نہ صرف اپنی جبر ستانی کی وجہ سے بلکہ اس لیے بھی کہ اس نے شہر کے منشور کو منسوخ کر دیا تھا اور صدر بلدیہ کا خود ہی تقرر کرنے لگا تھا، ناپسند کیا جاتا تھا۔ جیمس ثانی نے بھی اسی پالیسی کو جاری رکھا۔ اس لیے ولیم سوم کا لندن والوں نے خیر مقدم کیا۔

بادشاہ کا دار و مدار چونکہ وھگ تاجروں پر تھا اس لیے اس نے اپنے آپ کو دار السلطنت سے قریبی طور پر وابستہ کر لیا۔ منشور کو بحال کیا گیا۔ جب بنک کی بنیاد رکھی گئی تو تعلق اور بھی زیادہ قریبی ہو گیا۔ ہینوور خاندان کے بادشاہوں کا سوا جارج سوم کے شہر پر بہت کم اثر پڑا۔ انیسویں صدی میں بادشاہ کا اثر تقریباً تمام تر معاشرتی ہو گیا تھا۔

۱۳۔ صنعتی انقلاب صنعتی انقلاب نے لندن پر مختلف طریقوں سے اثر ڈالا۔ بھاپ کی قوت کے رواج نے صنعت کو مڈلینڈس اور شمالی علاقے

کے کوئلے کے میدانوں میں مجتمع کر دیا۔ چنانچہ ان اضلاع کی اہمیت بڑھنے لگی اور جنوبی علاقے کی کم ہوگئی۔ لندن، ایسٹ اینگلیا اور ہوم کاؤنٹیز کی بندرگاہ تھا اور جتنے کچے مالوں کو یہ علاقے پیدا کر سکتے تھے ان سے زیادہ کی لندن کو ضرورت رہتی تھی۔ چنانچہ جب آبادی منتقل ہوئی تو اس کا اثر ابتدا میں لندن پر بحیثیت بندرگاہ خراب پڑا۔

انیسویں صدی کے دوران میں، جہاز سازی اور لوہے کی وزنی صنعتیں، دریائے ٹیمس سے منتقل ہو کر دریائے ٹائن اور کلائیڈ میں پہنچ گئیں گو ذرائع آمدورفت کے تدریجی ارتقا کی وجہ سے، سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد سے، توازن پھر کچھ بحال ہوگیا۔ دوسری طرف فرنیچر سازی اور تعیشات کی صنعتوں کی جن میں پیانو سے لے کر زیورات تک سب ہی شامل ہیں اہمیت بڑھ گئی ہے اور کم قیمت مزدوروں کی بہت زیادہ تعداد کی موجودگی کی وجہ سے، سستے قسم کے کپڑے نے، لندن میں اپنے لیے جگہ پیدا کرلی۔

لندن کی صنعتوں کے بارے میں غیر صحیح طریقے پر ایک عام بیان دینا اور صنعتی انقلاب کے نقصان رساں اثرات کے بارے میں مبالغے سے کام لینا آسان بات ہے لیکن لندن اب بھی شہنشاہیت کا سب سے بڑا شہر اور بندرگاہ ہے اگرچہ گنجائش کی کمی کی وجہ سے، زمین کے لگان میں جو زیادتی ہوگئی ہے اس کی وجہ سے صنعت، مجبوراً خاص شہر سے، باہر مضافات کی طرف، منتقل ہوگئی ہے۔ اس طرح کے تجارتی کاروبار کا جیسی کہ بنک کاری کی کوٹھیاں ہیں، رجحان یہ ہے کہ اپنے مستقر لندن میں قایم کریں اور آج اول درجے کے بہت کم ایسے فرم ہیں جن کا دفتر لندن شہر میں نہ ہو۔ اس لیے شہر کی آبادی صنعتی (تنگ مفہوم کے ساتھ) نہیں رہی ہے بلکہ کلرکوں اور انتظام حکومت کرنے والے لوگوں پر مشتمل ہوگئی ہے۔

۱۴۱۔ لندن کی ساخت

"لندن" کی اصطلاح غیر معمولی طور پر مبہم ہے۔ شہر اور اس سے ملحقہ ویسٹ منسٹر کا شہر، لندن کی کاونٹی میں غائب ہو جاتے ہیں اور مضافات ان سب سے باہر واقع ہیں۔ لندن کو صرف اس صورت میں ایک بڑی بندرگاہ قرار دیا جا سکتا ہے جب پورے دریا کو ٹیڈنگ ٹن سے ٹل بری تک پیش نظر رکھا جائے۔ انیسویں صدی میں جب جہازوں کی جسامت

بڑی ہونی شروع ہوئی تو وہ لندن تک نہ پہنچ سکتے تھے اس لیے گودیوں کو دریا کے زیادہ نچلے حصے میں بنایا گیا۔ وولچ اور گریوسینڈ جیسے ٹمس کے شہروں نے اپنی انفرادیت کو ضایع کرنا شروع کر دیا۔ زیرین تر بندرگاہوں کا کاروبار لندن شہر میں مجتمع ہو گیا۔ جب ٹل بری کو اس طرح لندن سے منسلک کر دیا گیا تو ساری دنیا کی چیزیں لندن کے شہر میں پہنچنے لگیں اور اس طرح وہ سارے ملک کے لیے مال کو تقسیم کرنے والا مرکز بن گیا، اگرچہ اس کا اثر شمال میں کم تھا۔ جن صنعتی علاقوں کے پاس بڑی مقداروں میں سامان موجود رہتا تھا وہ فروخت پر موثر نگرانی قائم رکھ سکتے تھے اس لیے لورپول اور شمالی سمندر کی بندرگاہوں سے روز بروز زیادہ بڑی مقداروں میں مال براہ راست جہازوں میں روانہ کیا جانے لگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ لندن کی درآمد تو تیزی سے بڑھتی رہی لیکن برآمد نہیں بڑھی۔ ۱۹۱۴ء میں درآمد، برآمد کے مقابلے میں دگنی تھی۔ لندن کی تجارت مجموعی طور پر اس کی آبادی کے اضافے کا پوری طرح ساتھ نہیں دے سکی۔

تاجر، اشرافیہ کے دولتمند لوگوں کے حریف بن گئے۔ آجروں نے بھی ان کی پیروی کی۔ آج لندن کے سب سے زیادہ دولتمند لوگ، ساہوکارے کا کام کرتے ہیں۔ بنک آف انگلینڈ کے پاس چونکہ انگلستان کا تقریباً تمام ذخیرہ محفوظ جمع رہتا ہے اس لیے شمالی علاقے اور دوسری جگہوں پر صنعت کی ترقی کی وجہ سے، بنک کاری اور بیمے کی جو بے انتہا ترقی ہوئی وہ لندن ہی میں مرکوز ہو گئی۔ تجارت میں مجرد طور پر بھی اضافہ ہوا اور اس کی وجہ سے بھی ان لوگوں کی طلب بڑھ گئی جو روپے کے لین دین کا انتظام کر سکتے تھے۔

جیسے جیسے لندن میں اضافہ ہوتا رہا، شہر کی وحدت ختم ہوتی چلی گئی اور یہ جگہ بجائے خود ایک دنیا بن گئی۔ ایک خاص قسم کی تخصیص پیدا ہوئی جو کل ملک کی اسی طرح کی تخصیص کے ساتھ مشابہت رکھتی تھی۔ صنعتوں نے شہر کے شمال اور مشرق میں ترقی پائی۔ بیاتی اور تجارتی کاروبار نے پرانے شہر میں پرانی گودیوں کے نزدیک ترقی کی۔ حکومت ایک مدت سے ویسٹ منسٹر میں رہی۔ سکونتی حصے شہر کے ہوائی رُخ پر تھے۔ غریب طبقے شمال اور مشرق میں مقید رہے۔ متوسط طبقوں نے، طبقۂ امرا کی پیروی اختیار کی

انھوں نے شہر کو چھوڑ دیا اور شہر کے گرد اگرد مضافات میں رہنا شروع کر دیا۔ پرانے زمانے کی مخصوص کمپنی کے نظام کا اثر، شہر کے رہنے والوں کی واضح اور معین درجہ بندی کی صورت میں باقی رہا۔ "باہر والے" ایسٹ اینڈ کے مزدور بن گئے۔ اور بلند حیثیت کے دستکاروں کی نمایندگی، آج کل کے کلرکوں کی فوج کرتی ہے۔ لندن کی زندگی کا پورا نظام، (اگر شہر کی ان گندی گلیوں کو جہاں مزدور رہتے ہیں مستثنیٰ کر دیا جائے) اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے خاص طور پر موزوں ہے۔ تجارت کے ایک طویل روایتی سلسلے نے، ایک ایسے طبقے کو پیدا کر دیا ہے جو کلرکی کے اس یکساں کام کے لیے موزوں ہے جس میں مستعدی کم اور فرض شناسی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ جس اہلیت کی تجارتی دفتروں میں ضرورت ہے اس کی مالیاتی دفتروں میں بھی ہے۔ دیہات کے نو واردوں کو بہت جلد اس نظام میں کھپایا جا سکتا ہے۔ لندن، اب ہر قسم کی مالیاتی طلب کا سامنا، سکون و طمینان کے ساتھ کر سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنی انگلستان کی مالیات کو آہستہ آہستہ ترقی ہوئی اسی نسبت سے ایک ایسا نظام جس کی نزاکت ناقابل یقین ہے، ترقی کرتا چلا گیا۔ ماضی کی غلطیوں کی بڑی حد تک اصلاح کر لی گئی ہے۔

۱۵۔ لندن کا تعلق ملک کے ساتھ۔

چارلس اول کے زمانے میں اس اندیشہ کا اظہار کیا گیا تھا کہ سر، جسم کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ گزشتہ صدی میں، لندن کی آبادی میں بہت زبردست اضافہ ہو گیا اگرچہ شہر کی آبادی بذات خود بہت گھٹ گئی طبعی اضافہ تو منفی رہا۔ خاندان جلد جلد مٹ گئے۔ ترقی جتنی ہوئی وہ سب کی سب دیہات خصوصاً جنوب کے زراعتی اضلاع سے تبدیل سکونت کرنے کی وجہ سے واقع ہوئی۔ پھر بھی انگلستان کی زندگی میں انتظام قائم رکھنے کا کام اتنا زبردست ثابت ہوا کہ لندن اسے انجام نہ دے سکا۔ شمال کے صنعتی اضلاع نے اسکاٹ لینڈ کی پیروی کرنا شروع کر دی اور ایسی تہذیب کو ترقی دی جو سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے لندن کے تمدن سے بہت مختلف تھی۔

لندن اب بھی اہمیت کے لحاظ سے برطانیہ کے ہر شہر کے مقابلے میں بہت آگے ہے۔ لیکن اس کی حالت انیسویں صدی کے مقابلے میں اب زیادہ غیر مستقل ہو گئی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اس کی صنعت زوال کی طرف مائل ہو جائے۔ رہا معاملہ تجارت کا تو دوسری بندرگاہیں اس پر تیزی سے سبقت لے جا رہی ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ لندن کی مالیاتی برتری کو باہر کے شہروں نے دعوت مقابلہ دینا شروع کر دی ہے اس کے مستقبل کا دارومدار، عالمی تحریکوں پر ہو گیا ہے۔

اسکاٹ لینڈ ۱۷۶۰ء کے بعد

۱۔ صنعتی انقلاب

انگلستان کی طرح، اسکاٹ لینڈ کی آبادی میں بھی صنعتی انقلاب نے جو حرکت اور اضافہ پیدا کیا وہ زیادہ تر کوئلے کی تقسیم پر منحصر تھا۔ کوئلے کے علاقے، آئر کے قریب، کلائیڈ کی وادی کے زیریں حصے میں لنارک شائر میں اڈنبرا کے قریب مڈلوتھین میں اور ساؤتھ فائف شائر میں واقع ہیں۔

کوئلے کے پہلے علاقے میں، کلمر ناک نے انیسویں صدی میں، مشین سازی کے مرکز کی حیثیت سے، نئی اہمیت اختیار کر لی تھی۔ کلائیڈ کی وادی نے اپنی پیداوار کو گلاسگو کے راستے سے برآمد کیا۔ یہ شہر چھٹی صدی سے چلا آ رہا تھا۔ اس کا راستہ نیچے کلائیڈ کے ڈھالنے سے لے کر، وادی کے اوپر ہوتا ہوا، اڈنبرا کے تنگ میدان کے آر پار اور لاک لیمانڈ سے گزر کر ہائی لینڈس تک نہایت اچھا تھا۔ چنانچہ لنارک شائر کی مصنوعات کو، برطانیہ کی مغربی بندرگاہوں یا مشرقی ساحل تک آسانی کے ساتھ، جہازوں پر لاد کر روانہ کیا جا سکتا تھا اس لیے اس کی ترقی بہت تیز رفتاری کے ساتھ ہوئی۔ پیسلے، رین فریو، اور ڈمبرٹن بھی اس کی خوش حالی میں شریک رہے۔

اتحاد کے بعد اڈنبرا، تباہی سے دوچار ہو گیا۔ ۱۷۶۰ء کے بعد اس کے زبردست حریف نے اسے بہت پیچھے چھوڑ دیا لیکن اس نے اپنی کچھ اہمیت کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ مڈلوتھین کے شفاف چشموں کو ۱۶۷۵ء سے برابر کاغذ سازی کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا اور کوئلے کے نزدیک موجود ہونے کی وجہ سے اس کی خوش حالی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ اڈنبرا کتابت و طباعت کا ایک اہم مرکز بن گیا تھا۔ اس کے حسن اور معاشری دلچسپیوں نے اس کو نہایت پاکیزہ رہائشی شہر بنا دیا تھا۔ لیکن ٹھوس ترقی کے نہ ہونے کا

یہ اثر ضرور تھا کہ آبادی کا ایک بڑا حصہ افلاس زدہ نظر آتا تھا۔

جنگی لحاظ سے جن مقامات کو پرانے زمانے میں اہمیت حاصل تھی مثلاً ڈمبرٹن، سٹرلنگ، پرتھ اور ابرڈین، اب وہ رہ گزر کے شہر بن گئے اور ریلوں کی ترقی کے زمانے میں ریلوں کے مرکز بن گئے۔ ہائی لینڈس اور شمالی مشرقی علاقے پر بہت کم اثر پڑا سوا اس کے کہ شہروں کی طرف آبادی کے منتقل ہونے، اول الذکر کی آبادی کی تخفیف کو ایک تشویش ناک مسئلہ بنا دیا۔ ماہی گیری کے شہر بانف اور وک نے اپنی مقامی اہمیت برقرار رکھی۔ ہائی لینڈس کے دارالسلطنت انورنس نے بھی، راستوں کے مرکز ہونے کی وجہ سے اپنی اہمیت کو جو اس کے رقیبے کے مقابلے میں بہت زیادہ معلوم ہوتی تھی برقرار رکھا۔ زراعت پر اس کا اچھا اثر پڑا۔ اسکاٹ لینڈ، لندن یا لورپول کے مقابلے میں، رسد کے غیر ملکی وسائل سے زیادہ دور تھا۔ اس کے علاوہ جئی کا دلیا اسکاٹ لینڈ کے لوگوں کی تمام غذا تھی اور جئی کے پیدا کرنے میں اسکاٹ لینڈ کو کمال حاصل تھا۔ لولینڈس میں کاشت عمیق کو شروع کیا گیا۔ ہائی لینڈس کے شکمی پٹے دار ہمیشہ سے جان بچاؤ روزی کی خاطر خوب محنت سے کام کرتے چلے آ رہے تھے اور اس کا کوئی امکان نہ تھا کہ وہ نئی طلب کو پورا کر سکیں گے۔ ٹے کے دہانے کے قریب اسٹراتھمور لولینڈس کا سب سے زرخیز حصہ تھا اور اس کی پیداوار ہی ایک حد تک ڈنڈی کی ترقی پذیر مصنوعات کے لیے بنیاد کا کام دیتی تھی۔

جب صنعت کو ترقی ہوئی تو گلاسگو نے امریکا اور دوسری جگھوں سے براہ راست سلسلہ آمد و رفت قائم کر لیا۔ قریب کے کوئلے کے علاقوں نے مشین سازی کی صنعت کو ممکن بنا دیا۔ دریائے کلائیڈ نے دریائے ٹائن کی ہمسری کرنا شروع کی اور آخر میں جہاز سازی کے مرکز کی حیثیت سے ٹیمس سے بھی بازی لے گیا۔ اٹھارویں صدی میں ہر قسم کی سوتی مصنوعات کو ترقی ہوئی۔ انگلستان کے ایک فرم نے سنہ ۱۷۷۹ء میں اس صنعت کو روتھ سے شروع کیا۔ اس کاروبار کو ڈیوڈ ڈیل نے خرید لیا اور بعد میں اس نے نیو لینارک کے کاروبار کو شروع کیا جس میں بعد میں اوون بھی شریک ہو گیا۔ لنارک شائر میں ترقی کی رفتار اگرچہ تیز رہی لیکن وہ ایسی غیر معمولی نہیں تھی جیسی کہ لنکاشائر میں ہوئی تھی۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں کیرن کا

لوہے کا کارخانہ کھلا۔ یہ اس ضلع کے لیے ایک مدت تک سامان فراہم کیا کرتا تھا۔ گزشتہ نصف صدی میں آئل شیل (رال) کی صنعت نے خصوصاً اڈنبرا کے گرد ترقی پائی

۲۔ کتان

کتان کی صنعت، ایک طویل زمانے سے خوب جمی ہوئی حالت میں تھی سنہ ۱۶۰۰ء تک انگلستان کو مال برآمد کیا جانے لگا تھا۔ سنہ ۱۶۸۳ء میں ایک درخواست پریوی کونسل میں پیش کی گئی تھی۔ جس میں پابندیوں کو دور کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اسکاٹ لینڈ میں بارہ ہزار کام کرنے والے ہیں۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور اس صنعت کو خوب فروغ ہوا۔ سنہ ۱۶۸۶ء میں اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا کہ غریب ترین لوگوں کے علاوہ باقی سب لوگوں کو گھر کے تیار کیے ہوئے کتان کا کفن دیا جائے۔ سات سال بعد یہ قانون منسوخ کر دیا گیا۔ کتان کے مال کی برآمد ممنوع قرار دی گئی اور کچے مال کی درآمد کی حمایت کی گئی۔

اتحاد کے بعد صنعتی فنون کو ترقی دینے کے لیے روپیہ منظور کیا گیا اور کتان کی صنعت کو خوب اچھی طرح امداد دی گئی السی کے درخت کی کاشت کی براہ راست حوصلہ افزائی کی گئی اور ان مدرسوں کو جو اس صنعتی فن کی تعلیم دیتے تھے، امداد دی گئی۔ سنہ ۱۷۲۷ء میں مجلس صنعت کی بنیاد رکھی گئی اور اس سے صنعت کو ڈنڈی، ڈن فرم لائن اور خود فائف شائر کے شہروں یا اس کے نزدیک کے شہروں میں ترقی ہوئی جب صناعیت (جدید صنعت کی تحریک) کو ترقی ہوئی تو ضروری کوئلہ نزدیک ہی موجود تھا۔ ڈنڈی نے کتان سے ملتی جلتی صنعت یعنی سن اور جوٹ کی صنعت کو ترقی دی۔ دوسری طرف موم جامے وغیرہ، اڈنبرا کے قریب فائف میں بنائے جانے لگے۔

اٹھارویں صدی کی ابتدا میں، فرانس کے کیمبرک (مہین سفید سوتی کپڑا) کے بننے والوں، پکارڈی سے کھنچ کر اڈنبرا آئے۔ دوسری طرف ہالینڈ کے دستکار گلاسگو آ گئے۔ صنعتیں دارالسلطنت سے پھیل کر مغرب اور شمال کی طرف پہنچ گئیں انگلستان کی طرح یہاں بھی ہیوگونوٹ بہت سے پیشوں میں کام کرتے تھے اور وہ آسانی سے ریشم صنعت کو چھوڑ کر کتان کی صنعت کو اختیار کر لیتے تھے برطانوی کتان کمپنی ابتدا میں صنعتی کام کیا کرتی تھی۔ اس صنعت کو سب سے زیادہ بینک کاری کی سہولتوں کی وجہ سے ترقی ہوئی۔ سنہ ۱۷۳۰ء سے سنہ ۱۷۵۰ء تک پیداوار دگنی ہو گئی۔ سنہ ۱۷۵۳ء کے

بعد ہائی لینڈس میں کتان کی مقامی پیداوار کو امداد دینے کے لیے ایک رقم منظور کی گئی جس میں بہت کامیابی ہوئی۔ لیکن کتان کی صنعت کو اتنی ترقی نہیں ہوئی جتنی دوسرے قسم کے کپڑوں کو ہوئی اگرچہ یہ یہاں، انگلستان کی طرح مکمل طریقے پر غائب نہیں ہوگئی۔

۳- اونی کپڑے

اونی کپڑا بننے والوں کی ایک کمپنی کو سنہ ۱۴۷۵ء جیسے ابتدائی زمانے ہی میں ایک منشور مل گیا تھا لیکن یہ کاروبار سنہ ۱۶۰۰ء تک غیر ملکیوں کے ہاتھ میں رہا۔ اسکاٹ لینڈ میں صرف موٹا کپڑا بنا اور استعمال کیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۶۰۱ء میں فلانڈرس کے سات آدمی اڈنبرا میں آکر بس گئے اور سنہ ۱۶۸۱ء میں انگلستان کی ایک کمپنی کو ہیڈنگٹن میں ایک منشور ملا۔ لیکن جب تک مشین استعمال نہیں کی گئی اس وقت تک بہت کم ترقی ہوئی اُون سے بلیوں کو چھڑانے کے لیے ولایتی گوکھرو کا استعمال کرنا تقریبًا لازمی تھا۔ ان کو زیادہ تر یارک شائر میں بویا جاتا تھا اور اسکاٹ لینڈ میں ان کی کاشت نہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ایلی زبتھ کے تاجروں نے جب شورش کی تو جیمس اول نے ایک فرمان جاری کیا کہ انگلستان سے اُون برآمد نہ کی جائے۔ پارلیمنٹ نے بحالی اور انقلاب کے موقعوں پر اپنی پالیسی ایک ہی رکھی۔ انگلستان کے جلاہوں کو اسکاٹ لینڈ کی مسابقت سے بس تامین دی گئی۔

اون کی صنعت کو جو ترقی بعد میں ہوئی اور پوری طرح صحیح اور تندرست تھی۔ جنوب کے سیدھی ڈھال والے پہاڑوں پر اگرچہ آبادی کا بسانا ممکن نہیں تھا لیکن ان سے مشہور و معروف شیوٹی اون کی ایک بڑی رسد حاصل کی جاتی تھی سمندر تک کی آمد و رفت کے لیے دریائے ٹویڈ تک نہایت اچھا ذریعہ تھا اور پھر سمندر سے انگلستان کا راستہ آسان تھا۔ اصلی وادی سے براہ راست اڈنبرا تک کا راستہ اور سرحد پار کا راستہ گرچہ دشوار گزار تھا لیکن ناممکن نہیں تھا۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا، خالص پانی مہیا کرتے تھے اور آبی طاقت کا ایک ذریعہ تھے۔ اس کے علاوہ ان کی محفوظ وادیوں میں آبادی کو بسایا جاسکتا تھا۔ تعمیری پتھر کی بہتات تھی۔ مرطوب وادیاں مویشی کی چراگاہوں کے لیے موزوں تھیں۔ اس کے علاوہ ان میں کاشت بھی ممکن تھی۔

یہاں کوئلہ اور لوہا موجود نہ تھا۔ ریلوں سے پہلے ان کی ضرورت بھی نہیں تھی

اس کے بعد ان کی جب ضرورت ہوتی تھی باہر سے منگایا جاسکتا تھا۔ برساتی مینڈ کو ان کی سی ترقی کے لیے حالات موجود نہ تھے لیکن ایک معقول گو سست رفتار ترقی ممکن تھی۔ مقامی بازار بہت محدود تھا۔ انگلستان میں بلکہ لنارک شائر میں بھی ویسٹ رائڈنگ کی مسابقت سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ ان حریف صناعوں کو شکست دینے کی کوشش میں کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آتی تھی۔ اس لیے ٹوئیڈ کی وادیوں کے آجروں نے اسی شمال کی پیروی کی جو ان کے نمایندے کاٹس وولڈ میں قایم کر چکے تھے۔ وہ قانون تکثیر حاصل کی بنا پر جو ان کے لیے غیر موافق تھا، مقابلے میں پیچھے رہنے کے لیے مجبور تھے ان کی بچت کی صورت صرف ایک ہی تھی یعنی کوئی ایسی چیز بنائیں جو اس قانون کی زد میں نہ آتی ہو۔

ویسٹ رائڈنگ کے آجر، کم سے کم اس وقت جب بھاپ کا استعمال عام ہوگیا، اپنی سہولتوں سے جب ہی فایدہ اٹھا سکتے تھے جب وہ اپنی فروخت کو وسیع کرتے تھے اور اسی طرح اپنے مال کی قیمت کو سستا کر سکتے تھے۔ بہترین مشینیں اعلیٰ ترین قسم کا اونی کپڑا تیار نہ کر سکتی تھیں۔ محنت اور مشین دونوں کا خیال رکھنا ضروری تھا۔ انگلستان میں اعلیٰ قسم کے اونی کپڑے کی ایک مختصر طلب چاہے اس کی قیمت کچھ ہی کیوں نہ ہو، موجود تھی۔ جنوبی اسکاٹ لینڈ میں محنت نسبتہً سستی تھی یا کم سے کم وہ بھاپ کی طاقت کی غیر موجودگی کی تلافی کر سکتی تھی۔ اس لیے اس ضلع نے کپڑے کی ایک خاص قسم یعنی ٹوئیڈ کی طلب کو جس میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا، پورا کرنا شروع کر دیا تھا۔ شیویٹ اون کے ضلع نے بھی اس طرح ترقی کی۔

ہاوک اور گالا شیلس گزشتہ صدی کی پیداوار ہیں اور ابھی تک چھوٹے مقامات ہیں۔ پھر بھی صنعتی شہروں کی حیثیت سے ان کی کارگزاری اچھی ہے اور یہ نہ صرف خانگی بازار کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں بلکہ برآمد کے لیے بھی پیدا کرتے ہیں۔ اس صنعت کے اندر یہ رجحان پایا جاتا تھا کہ ان سے بھی اور زیادہ چھوٹے مقامات پر ترقی کرے اور یہ رجحان اس وقت اور زیادہ خصوصیت کے ساتھ نظر آتا تھا جب بھاپ کی طاقت کا استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پیداوار میں اضافہ اس طریقے پر نہیں ہوا کہ کسی ایک تنہا شہر نے خوب ترقی کر لی ہو بلکہ اس طرح ہوا کہ صنعتی

مرکزوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مزدور کسی ایک جگہ پر بڑی تعداد میں جمع نہیں ہوئے اور اس طرح ایک قسم کی انفرادیت کو ترقی ہوئی۔ شہروں کے گرد، اب بھی چراگاہیں یا بنجر زمینیں پائی جاتی ہیں۔ کوئی ایسا مزدور پیشہ طبقہ پیدا نہیں ہوا ہے جو فطرت سے بالکل بیگانہ ہو گیا ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ کاٹس وولڈس کی طرح، یہاں بھی ایک قسم کی اٹھارویں صدی کی یادگار باقی ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ ترقی کے فواید کو کمترین خرابیوں کے ساتھ حاصل کیا جا سکا ہے۔

لیکن اسکاٹ لینڈ میں اونی صنعت ابھی تک چھوٹے پیمانہ پر ہے اور مجموعی پیداوار کے لحاظ سے، ہائی لینڈ کی پیداوار اور بھی کم ہے۔ اس میں اور صنعتی انقلاب سے پہلے کے انگلستان میں ایک مشابہت نظر آتی ہے۔ اور کنیس، شیٹ لینڈس، ہیبرئیڈیز اور اصل علاقے کے بعض حصوں کے لوگ ہمیشہ سے، ماہی گیری پر اور ان پیداواروں پر گزر کرتے چلے آئے ہیں جنھیں ایک بنجر زمین سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان سے محض جان بچاؤ روزی بھی مشکل ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس لیے فرصت کے اوقات میں، اعلیٰ قسم کا ایک موٹا اونی کپڑا تیار کیا جاتا ہے۔ گزشتہ صدی میں اس کا یہ اثر ہوا کہ ترک وطن کا جو سلسلہ بڑے پیمانے پر جاری تھا اس میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اس قسم کی صنعت، استحکام و پائداری کا موجب تھی، اجرت سستی تھی اور کچے مال کو گھر ہی پر کام میں لایا جا سکتا تھا۔

۴۔ ہائی لینڈ کے شکمی پٹے دار۔ جن مقامات پر قبائلی لوگوں کو اس قسم کے بہت سے کام کرنے کا موقع حاصل تھا وہ ناخوش نہ رہتے تھے۔ لیکن یہ لوگ اکثر لالچی زمینداروں کے چنگل میں پھنسے رہتے تھے۔ یہ لوگ ان اصلاحوں کی بنیاد پر جنھیں شکمی پٹے دار کرتے تھے اپنے لگانوں کو بڑھاتے رہتے تھے۔ اٹھارویں صدی میں نئی تحریک شروع ہوئی اور زمینداروں نے اپنی زمینوں کو بھیڑوں کی چراگاہوں میں تبدیل کرنا چاہا۔ مزدوروں کو بے رحمی کے ساتھ نکال دیا گیا اور جن جگہوں میں شکمی پٹے داروں کی کوئی اخلاقی حق حاصل تھا وہاں سے انھیں بعد میں بہ جبر بے دخل کر دیا گیا۔ مزدوری کے مصارف کو کم کیا گیا اور زمینداروں نے زمین کی جمع کی ہوئی دولت کو خرچ کرنا شروع کیا جس میں آہستہ آہستہ انحطاط

رونما ہونے لگا۔

زاید محنت کی کھپت، لولینڈس میں بھی آسانی سے ہوسکتی تھی اور نوآبادیاں بھی بسنے والوں کو اپنی طرف مائل کر رہی تھیں چنانچہ ہائی لینڈس کی آبادی میں کمی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دیہی علاقے کے بڑے بڑے قطعات، ہرن کے جنگلوں کے لیے وقف کردیے گئے۔ زمین اگرچہ غیر زرخیز تھی لیکن پھر بھی ایک غریب آبادی ایسی تھی جو اُسے چھوڑنے پر رضامند نہیں تھی اور اپنی قوتوں کو اس کی اصلاح پر صرف کرنے کے لیے تیار تھی لہٰذا ترک وطن کے ساتھ ساتھ مصائب رونما ہوئے۔ گزشتہ صدی کے پورے زمانے میں یہ تحریک چلتی رہی۔ ۱۸۸۶ء میں شکمی پٹے داروں کے قانون کے ذریعے کچھ سکون نصیب ہوا اور ایک کمیشن نے منصفانہ لگانوں کا تعین کردیا۔

انیسویں صدی کی ابتدا میں گلاسگو کے پارچہ بافوں کی حالت قابل اطمینان رہی۔ اجرتیں نسبتہً بلند اور تجارت کی حالت اچھی تھی۔ لیکن گلاسگو میں عوام کی بہت تباہ حالت تھی۔ عبوری دور میں ارتقا کی عام صورت وہی رہی جو انگلستان میں تھی اور اگرچہ صدی کے دوران میں ایک تدریجی ترقی ہوئی لیکن پھر بھی بڑے شہروں میں ابھی تک بہت افلاس پایا جاتا ہے۔

بیسویں صدی میں اسکاٹ لینڈ کے لوگوں کا خروج برابر جاری ہے لیکن اس میں ایک حد تک توازن اس وجہ سے پیدا ہوگیا ہے جنوب مغربی لولینڈس کے صنعتی اضلاع میں، آئرلینڈ سے مزدور امنڈ کر آتے رہے ہیں۔

لیکن ممکن ہے کہ آئندہ کسی زمانے میں، ہائی لینڈس میں آبی قوت اور جنگلات کی ترقی کے جو امکانات پائے جاتے ہیں ان کی وجہ سے یہ ضلع دوبارہ ایک حد تک آباد ہوجائے۔

آئرلینڈ

۱۔ تمہید ہنری ثانی کے حملے سے لے کر ۱۶۶۰ء میں عود شاہی تک آئرلینڈ میں انگلستان کی پالیسی کا خلاصہ ایک واحد لفظ "انگریزیانیت" کے ذریعے

کیا جاسکتا ہے۔ لیکن آئرلینڈ کے لوگوں کی طرف سے انگلستان کے اداروں کے جاری کیے جانے کے خلاف جو سخت مقاومت جاری رکھی گئی اس کی وجہ سے پالیسی کو تبدیل کرنا پڑا اور چارلس ثانی کی تخت نشینی سے لے کر ۱۸۰۱ء کے زمانے تک جب کہ دونوں پارلیمنٹوں کو متحد کیا گیا، انگلستان کے مدبروں کا اولین مقصد یہ رہا کہ آئرلینڈ کو معاشی لحاظ سے اتنا کمزور کر دیا جائے کہ وہ انگلستان کی صنعتوں سے مسابقت موثر طریقے پر نہ کر سکے۔ لیکن ۱۸۰۱ء کے قانون نے اس پالیسی کو جاری رکھنا ناممکن بنا دیا اور انیسویں صدی کے بیشتر حصے میں دونوں ملکوں کے درمیان کوئی خاص فرق و امتیاز نہیں کیا گیا۔

۲۔ زراعت

نپولین کی جنگوں کے زمانے میں، انگلستان کی طرح آئرلینڈ میں بھی، مصنوعی طریقے پر، غلے کی پیداوار میں ترقی ہوئی۔ جنگ کے بعد جزیرہ نمائے اسپین کا عارضی بازار جب ایک دم سے ختم ہوگیا تو آئرلینڈ کی زراعت کو ویسے ہی بحران کا سامنا کرنا پڑا جیسا کہ انگلستان کو کرنا پڑا تھا۔

انیسویں صدی کے نصف اول میں، انگلستان میں بڑے مزرعے کی جو تحریک چلی تھی وہ آئرلینڈ میں بھی رونما ہوئی۔ اس میں سہولت اس وجہ سے ہوگئی کہ اسی زمانے میں آئرلینڈ کی زمینوں کا ایک بڑا حصہ دیوالیے کی عدالتوں کے معرفت فروخت ہوا اور انتقال اراضی میں جو رکاوٹیں تھیں انھیں ۱۸۴۸ء کے قانون جائداد مکفولہ کے ذریعے دور کر دیا گیا۔

زمینداروں کو بڑے اختیارات حاصل تھے۔ وہ اپنے کسانوں کو بلا کسی سبب کے بے دخل کر سکتے تھے۔ وہ جب چاہتے لگانوں میں اضافہ کر سکتے تھے۔ اور جب پٹے موجود ہوتے تو وہ عام طور پر مختصر مدت کے لیے ہوتے تھے۔ جب کسان ان لگانوں کو جن کا مطالبہ کیا جاتا تھا ادا نہ کر سکتے تو ان کی چیزوں کی قرقی کرائی جاتی تھی۔ عُشر کی وجہ سے معاملات اور زیادہ پیچیدہ ہو گئے تھے بعض وقت تو زمیندار کمترین وسائل زندگی کے علاوہ باقی سب پر اپنا قبضہ جما لیتا تھا جب کبھی کوئی اور زیادہ نفع بخش پٹے دار مل جاتا تھا تو (پرانے پٹے دار) پر قطعاً کوئی رحم نہیں کیا جاتا تھا۔ زمیندار، کیتھولک ہوں یا پروٹسٹنٹ اکثر غائب باش تھے اور

ان کے اختیارات مختار عام کو سپرد کر دیے جاتے تھے جنھیں ملک سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

انیسویں صدی کا زیادہ تر حصہ، زمین کے مسلسل جھگڑوں ہی میں بسر ہوا۔ ویسٹ منسٹر میں آئرلینڈ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی اور دارالامرا میں جس پر زمینداروں کا قبضہ تھا، بالکل کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ لندن بہت دور تھا۔ فسادات کے بارے میں یہ خیال تھا کہ انھیں مبالغے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ جب آئرلینڈ والے شکایت کرتے تھے تو انھیں باغی قرار دے دیا جاتا تھا۔ پروٹسٹنٹ زمینداروں نے انگلستان کی پارلیمنٹ میں، اپنی قدیم طاقت کے بڑے حصے کو برقرار رکھا تھا۔ انھیں آئرلینڈ کے مسئلے سے براہ راست دلچسپی تھی۔ دوسری طرف ان کے مخالفوں کی پارلیمنٹ میں کوئی آواز نہیں تھی۔

۱۸۳۰ء کے قریب مسودہ قانون اصلاح اراضی کو منظور کرانے کی کچھ کوششیں کی گئیں لیکن وہ سب مسترد کر دی گئیں۔ استبدادی قوانین منظور کیے گئے۔ ان کی وجہ سے ہر چند امن ہو گیا، لیکن بنیادی مسئلے کا کوئی حل نہ نکل سکا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ خفیہ طور پر انجمنیں بنائی جانے لگیں۔ کسانوں کے پاس صرف ایک ہتیار باقی رہ گیا تھا یعنی قتل اور اس کو انھوں نے استعمال کیا۔ بغاوت کے ذریعے کامیابی کی کوئی امید نہ تھی۔ غیر مقبول زمینداروں کو (جب وہ حاضر باش ہوتے) یا ان کے گماشتوں کو سزا بھگتنی پڑتی تھی۔ ان انجمنوں سے لوگ ڈرتے تھے۔ جس شخص کے بارے میں یہ پتا چلتا تھا کہ وہ ان کا رکن ہے اس کو موت یا قید کی سزا دی جا سکتی تھی پھر بھی بغاوت برابر باقی رہی اور اس کا کام روپوش ہو کر کیا جانے لگا۔

آبادی کی مصیبت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ۱۸۴۱ء میں پچاس لاکھ خاندان مٹی کے ایسے گھروں میں رہتے تھے جن میں صرف ایک کمرہ پایا جاتا تھا۔

اس موضوع پر ۱۸۴۵ء میں ڈیون کمیشن نے جو رپورٹ شایع کی، اس میں کسانوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ خراب حالات پیدا ہونے والے تھے۔ کسی ملک میں سستی غذا کا عام غذا، ہو جانا ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ پھر کوئی ایسی محفوظ غذا باقی نہیں رہتی جس کو آڑے وقت میں استعمال کیا جا سکے

جب ریلیے نے آلو کو رواج دیا تو اس کو اپنی عدم مقبولیت پر فتح حاصل کرنے میں کچھ عرصہ صرف کرنا پڑا۔ لیکن اٹھارویں صدی کے خاتمے پر، آرتھر ینگ نے یہ دیکھا کہ آلو اور دودھ، آئرلینڈ کی عام غذا ہیں۔ ۱۷۴۰ء میں پالا کی وجہ سے اور ۱۸۲۱ء اور ۱۸۲۲ء میں سیلاب کی وجہ سے فصل برباد ہوگئی۔ لیکن آخر الذکر تاریخ میں انگلستان اور دوسری جگہوں سے امداد آنے لگی۔ صورت حال اور بھی نازک ہوگئی جب کہ آئرلینڈ میں آبادی یہاں تک بڑھ گئی کہ جان بچانے سے بڑھ کر غذا میسر نہیں آسکتی تھی۔

۳۔ آلو کا قحط

۱۸۴۵ء کے ستمبر میں وکسفورڈ میں، آلوؤں کے اندر کیڑا لگ گیا۔ یہ اس سے پہلے جرمنی اور کناڈا میں فصل کو خراب کر چکا تھا۔ آدھی فصل تباہ ہوگئی۔ دوسرے سال تقریباً پوری فصل برباد ہوگئی۔ آلوؤں میں جو بظاہر ٹھیک معلوم ہوتے تھے اور جنھیں چھانٹ کر دبا یا گیا تھا، بیماری کے جراثیم پائے گئے۔ نتیجہ بہت ہولناک نکلا۔ ہزاروں آدمی سڑکوں کے کنارے مرے ہوئے پائے گئے۔ پورے کے پورے ضلعے، بے آباد ہو گئے۔ انگلستان میں اس آفت کی وسعت اور اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں کیا گیا۔ امداد بہت بے دلی کے ساتھ اور بہت زیادہ وقت گزر جانے کے بعد دی گئی۔ البتہ خانگی ہمدردی اور خیرات بہت کی گئی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا نے جس کی آبادی میں اس وقت تک آئرلینڈ کے بہت سے لوگ شامل ہو گئے تھے، خوب امداد دی۔ مصیبت کے بعد، قدرتی طور پر ظلم و دست درازی کے واقعات رونما ہوئے۔

ترک وطن کی تحریک کو ۱۸۳۰ء سے اہمیت حاصل ہوگئی تھی اور اب اس میں یک بارگی اضافہ ہو گیا۔ ملک کو جو لوگ بھی چھوڑ سکتے تھے وہ چھوڑ کر چلے گئے۔ بدقسمتی سے وہی لوگ گئے جو جوان اور مضبوط تھے اور جو بالکل نادار نہیں تھے۔ بے دخلی کی وجہ سے بھی، عوام کی تعداد اور زیادہ کم ہو گئی۔ گماشتے بے رحم تھے۔ جب وہ دیکھتے تھے کہ زمین کو چراگاہ بنانے میں فائدہ زیادہ ہے تو کھیتی کی جگہ چراگاہ کا کام شروع کر دیا جاتا تھا اور کسان کو زمین چھوڑنا پڑتی تھی۔ اس کا مکان جلا دیا جاتا تھا اور اُسے خانماں برباد اِدھر اُدھر مارا مارا

بھرنے کے لیئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ۱۸۵۰ء تا ۱۸۸۰ء کے پورے زمانے میں آبادی کی کمی کے یہ دونوں اسباب برابر جاری رہے۔

اٹھارویں صدی کے ابتدائی ساتویں عشرے میں فی نینیت نے ترقی پائی۔ یہ تحریک انگریزوں کے خلاف تھی اور اس کے طریقے قابل اعتراض تھے گو یہ ان مصائب کا براہ راست نتیجہ تھی جن کا تدارک کیا جا سکتا تھا انگلستان نے اس کو دبانا ضروری سمجھا۔ یہ کام ۱۸۶۷ء تک نہیں کیا گیا۔ برائیٹ نے آئرلینڈ کی حمایت کی۔ جب فی نینیت کی تحریک کو دبا دیا گیا تب کہیں انگلستان کے لوگ اس بات کے سمجھنے کے لیئے تیار ہوئے کہ انھوں نے اس ملک کے ساتھ کتنی بے دردی کا سلوک کیا ہے۔ گلیڈاسٹن نے اصلاح کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اس نے اپنا پہلا قانون اراضی ۱۸۷۰ء میں منظور کیا۔ قانونی طور پر، صرف لگان کی عدم ادائی ہی کو، بے دخلی کا جائز سبب قرار دیا گیا۔ اس قانون کو حقیقی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

۴۔ ہوم رول

ہوم رول لیگ ۱۸۷۲ء میں شروع ہوئی لیکن گلیڈ آسٹن علٰحدگی کا مخالف تھا۔ ۱۸۷۷ء تا ۱۸۷۹ء میں خراب فصلوں کی وجہ سے بے دخلیاں زیادہ ہوئیں اور اس نئی بے چینی کا اظہار زمین کی لیگ بنا کر کیا گیا جس میں ۱۸۷۹ء کے بعد میکائیل ڈیوٹ اور پارنل نے مل کر کام کیا۔ انھوں نے آئرلینڈ کے کسانوں کو مشورہ دیا کہ وہ بہت زیادہ لگانوں کو ادا کرنے اور زمین سے بے دخل ہونے سے انکار کرنے کے لیئے متحد ہو جائیں۔ ان کا سب سے زبردست ہتھیار "بائی کاٹ" تھا۔ یہ لفظ ایک گماشتے کے نام سے ماخوذ ہے جس کا سختی کے ساتھ مقاطعہ کر دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ پارنل نے پارلیمنٹ میں بھی، رکاوٹ کے اس طریقے کو رائج کیا۔ ۱۸۸۰ء میں، آئرلینڈ میں جو کساد بازاری رونما ہوئی وہ زیادہ تر انگلستان کی آزاد تجارت کی پالیسی کا نتیجہ تھی۔ ۱۸۴۶ء یعنی اس سال سے پہلے جب انگلستان کے محاصل درآمد، غیر ملکی سامان غذا پر منسوخ کیے گئے آئرلینڈ ہی، انگلستان کو مویشی اور دودھ اور اس کی مختلف پیداواریں فراہم کیا کرتا تھا۔ لیکن ۱۸۴۶ء کے بعد

آئرلینڈ کے بہترین بازار میں، دنیا کے سب ملکوں کا مال آزادی کے ساتھ داخل ہونے لگا اور ۱۸۸۰ء تک ذرایع نقل وحمل کو اتنی ترقی ہوگئی کہ امریکا نے اپنے سستے سامان غذا سے برطانیہ کے بازار میں ایک طوفان بپا کردیا جس کی وجہ سے آئرلینڈ کی زراعت تباہ ہوگئی۔

۱۸۸۱ء میں گلیڈاسٹن کے نئے قانون اراضی نے کسانوں کو، مستقل پٹے، فروخت کی آزادی اور منصفانہ لگان عطا کیے۔ زمیندار یا کسان میں سے کسی کے مطالبے پر، زمین کے کمیشن کو اختیار تھا کہ وہ پندرہ سال کے لیے لگان کو مقرر کردے۔ یہ بات عدم مداخلت کے اصولوں سے ایک کھلا ہوا انحراف تھا۔ لیکن رکارڈو کا یہ نظریہ کہ ایک ترقی پسند تہذیب میں جان بچانے بھر سامان زندگی سے زاید جو بھی ہو اس کا زمیندار کو ملنا لازمی ہے، آئرلینڈ پر خاص طور پر عاید کیا جاسکتا تھا۔ انگلستان میں تو زمیندار کے اس حق پر کہ وہ اپنے کسانوں سے بہ جبر انتہائی سخت لگان وصول کرسکتا ہے اس وجہ سے ایک پابندی لگی ہوئی تھی کہ وہاں کسان کو زراعت کے بدلے میں بے شمار دوسری صنعتوں میں کام کرنے کا موقع حاصل تھا۔ لیکن آئرلینڈ میں دو ہی صورتیں تھیں۔ یا زراعت یا ترک وطن۔ اس لیے خودکاشت کسان خاص طور پر، حکومت کی امداد کے محتاج تھے۔

گلیڈاسٹن کے قانون کے بعد، تیس سال کے دوران میں، زمین کے کمیشن نے آئرلینڈ کے لگانوں میں خاصی کمی کردی۔ لیکن اس طریق کے تحت چونکہ انھی لوگوں کا لگان کم کیا جاتا تھا جن کی پیداوار کم ہوتی تھی، اس نتیجے اس کی وجہ سے خراب کاشت کی حوصلہ افزائی ہوئی اور ان دونوں مخالف فریقوں کے تعلقات میں خوشگواری پیدا نہ ہوسکی۔

۱۸۸۵ء میں اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش اس طرح کی گئی کہ زمیندار کو ختم کردیا جائے۔ ایش بورن کے قانون کے ذریعے پچاس لاکھ کی سرکاری رقم اس غرض کے لیے فراہم کی گئی تاکہ کسان اپنی زمینوں کو خود خرید سکیں۔ جو روپیہ قرض دیا گیا اس کی ادائی سالانہ اقساط کی صورت میں ۴۹ سال کی مدت پر پھیلادی گئی۔ اس سے دو سال پہلے، مزدوروں کے قانون نے اس بات کا امکان پیدا کردیا تھا

کہ غریب لوگوں کو رہنے کے لیے مکان اور ایک ایکڑ زمین مل سکے۔

گلیڈ اسٹن کو جو ۱۸۸۶ء میں ہوم رول کے مسلک کا ہم خیال ہو گیا تھا، پارلیمنٹ کی رکنیت کے انتخاب میں ناکامی ہوئی۔ تاہم قدامت پسندوں نے ۱۸۹۱ء میں اور خاص طور پر ۱۸۹۶ء میں مفید قوانین اراضی منظور کیے۔ بالفور نے زمین کی خریداری کے لیے اور بھی زیادہ وسیع پیمانہ پر روپیہ فراہم کیا لیکن ۱۹۰۰ء تک زمینداروں نے اس بنا پر اپنی زمینیں فروخت کرنے سے انکار کرنا شروع کر دیا کہ ان کے معاوضے میں قرضے کے جو تمسک انھیں دیے جاتے ہیں ان کی قدر گرتی جا رہی ہے۔ اس گتھی کو جس کے بارے میں اندیشہ تھا کہ یہ ناقابل حل بن جائے گی، اس طرح سلجھایا گیا کہ زمینداروں اور کسانوں کی ایک کانفرس منعقد کی گئی اور اس کے بعد وِنڈہم کا قانون خریداری اراضی ۱۹۰۳ء میں منظور کیا گیا۔ اس نئی اسکیم کے تحت زمیندار کو نقد قیمت ملنے لگی اور قیمت فروخت کے علاوہ ایک بڑھوتری بھی ملنے لگی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑی زمینداریاں پھر فروخت کی جانے لگیں اور انھیں ۱۹۰۳ء اور جنگ یورپ کے درمیانی سالوں میں، کسانوں کی اراضیات[۱] میں تقسیم کیا گیا۔

لیکن زمین کی خریداری کا کام چاہے وہ کتنا ہی ہمہ گیر کیوں نہ ہو بجائے خود اس مسئلے کو حل نہ کر سکتا تھا۔ چھوٹے کسانوں کو، اپنی مختصر اراضی کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے امداد کی ضرورت تھی۔ ۱۸۸۹ء میں آئرلینڈ کی امداد باہمی کی تحریک کی ابتدائی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۸۹۴ء میں ضلع کارک کے ڈونرئیل مقام پر ایک امید افزا ترقی کا آغاز ہوا۔ یہاں جرمن رَیفائسن بنکوں کے نمونے پر ایک انجمن امداد باہمی قرضہ قایم کی گئی۔ ۱۹۱۰ء میں آئرلینڈ میں اس طرح کے سو سے زیادہ دیہی بنک موجود تھے کسان اپنی پس انداز کی ہوئی رقموں کو یک جا کرتے تھے تاکہ روپیہ قرض دیا جا سکے لیکن یہ قرض پیدا آور اغراض کے لیے دیا جاتا تھا اور ذمہ داری غیر محدود ہوتی تھی۔ چنانچہ بنکوں کو مستحکم بنیاد پر قایم کیا گیا۔ ان کی وجہ سے پس اندازی کی تحریک کو ترقی ہوئی اور یہ بنک اب آئرلینڈ کی زراعت میں ایک انقلاب پیدا کر رہے ہیں۔ اس کا اخلاقی اثر مکمل طور پر فائدہ بخش ثابت ہوا ہے۔

۱۸۹۹ء میں، آئرلینڈ میں مجلس زراعت و تعلیم فنی قایم کی گئی جس کا مقصد صنعت کو، سائنس کے طریقوں کے مطابق ترقی دینا تھا۔

آئرلینڈ کے مفلوک الحال مغربی اضلاع کے خاص مسئلے کو سب سے پہلے ۱۸۹۱ء میں بالفور نے حل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے گنجان آباد اضلاع کا بورڈ قایم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ زراعتی طریقوں کو بہتر کیا جائے اور ذیلی صنعتوں مثلاً لیس اور قالین سازی کی صنعت کو ترقی دی جائے۔ ۱۹۰۳ء میں اس کے زراعتی کاموں کو مجلس زراعت کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے مغربی اضلاع کے کسانوں کی حالت کو بہتر کرنے کے لیے جو کوششیں کیں ان میں معلوم ہوتا ہے خوب کامیابی ہوئی۔

ہوم رول کے مسئلے نے ۱۹۱۴ء کی جنگ سے پہلے ہی دوبارہ اہمیت اختیار کر لی تھی۔ لیکن اس مرتبہ کی شورش میں خانہ جنگی کے زیادہ سخت طریقے سے کام لیا گیا۔ لیکن ہماری اس تصنیف کو ان واقعات سے جن کا انجام ۱۹۲۲ء کے قانون آزاد ریاست آئرستان کی صورت میں ہوا، کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ بات البتہ اب واضح ہو گئی ہے کہ آئرلینڈ کا دو مختلف حکومتوں یعنی السٹر اور آزاد ریاست میں تقسیم ہونا، اول الذکر کی صنعتوں کے لئے مضر ثابت ہوا ہے اور یہ کہ "نئے دو ڈومی نین" کو اپنی معاشی تعمیر نو کے کام میں کچھ کامیابی ضرور ہو رہی ہے۔ دوسری طرف ایسی اسکیموں سے جیسی کہ شینان کی بجلی کی قوت کو ترقی دینے والی اسکیم ہے، مستقبل کے بارے میں بہتر امیدیں قایم کی جا سکتی ہیں۔

باب (۱۶)

جنگ (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء) اور اس کے بعد

۱۔ جنگ کے اثرات جنگ کا ایک اثر یہ تھا کہ قوم کی معاشی زندگی پر حکومت کے اقتدار کی توسیع، بڑے پیمانے پر اور تیزی کے ساتھ ہو گئی۔ ۱۹۱۶ء میں وزارت مزدوران قایم کی گئی تاکہ جنگی صنعتوں کو اپنی نگرانی میں لے اور کام، اجرت، نفع اور پیداوار کے اندر، قومی مفاد کے پیش نظر، کمی بیشی پیدا کرے۔ حکومت نے ریلوں، جہازوں، کانوں، آلات جنگ کے کارخانوں کو اپنے مکمل انتظام میں لے لیا اور زراعت پر بھی ایک حد تک نگرانی قایم کر دی۔ ۱۹۱۷ء میں ایک کمتر ین زراعتی اجرت کا قانون منظور کیا گیا۔ مزدوروں کی طلب کو پورا کرنے کے لیے، حکومت نے مزدوروں کی انجمنوں کو راضی کر لیا کہ وہ اپنے قواعد وضوابط کو معطل کر دیں اور "میل ملانے" کی اجازت دے دیں یعنی غیر ماہر مزدوروں اور "باہر والوں" کو ان کاموں کے کرنے کی اجازت دے دیں جنھیں پہلے یونین کے ماہر آدمی کرتے تھے۔

آزاد مسابقت کی قوتوں پر مختلف طریقوں سے پابندی لگائی گئی۔ عوامل پیدایش کو جنگی کاموں کی طرف منعطف کرنے کے لیئے، کچھ صنعتوں کو ممنوع قرار دیا گیا اور دوسری صنعتوں کے لیئے کچے مال کی رسد بندی کر دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ تقریباً ہر صنعت حکومت کی نگرانی کے ماتحت ہوگئی۔ برآمد اور درآمد پر نگرانی قایم کی گئی اور سرمایے کی آزادانہ نقل و حرکت کو، سرمایے کی برآمد ممنوع قرار دے کر اور نئے اجرا پر محکمۂ مالیات کی نگرانی قایم کر کے، پابند کر دیا گیا۔ جہاں پیدایش دولت یا خدمت میں، حکومت کی نگرانی قایم ہو جانے کی وجہ سے نقصان ہوا، وہاں خسارے کی تلافی سرکاری امداد دے کر کی گئی اور جنگ کے حالات کی وجہ سے جو زیادہ منافع ہوئے، ان کو محصول منافع زاید لگا کر محدود کر دیا گیا۔

جنگی حالات کا اجرتوں پر بھی زبردست اثر پڑا۔ چونکہ مسابقت کی قوتوں کو زیادہ تر معطل کر دیا گیا تھا، اس لیئے مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کو، مصارف زندگی کی بنیاد پر اجرتیں ادا کی جانے لگی تھیں۔ اس کا ایک اہم نتیجہ یہ نکلا کہ غیر ماہر مزدوروں کی اجرتوں میں نسبتہً ماہر مزدوروں کی اجرتوں کے انتہاہی اضافہ ہوگیا۔ مالی حیثیت سے مزدوروں کا طبقہ ایسا خوش حال ہوگیا جیسا اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا کیونکہ عورتیں اور بچے آلات جنگ کے کارخانوں میں اب بڑی بڑی اجرتیں کما سکتے تھے۔

غذا کی رسد کو محفوظ کرنے کی کوشش شروع ہی سے کی گئی۔ تمام سامان غذا کی برآمد ممنوع قرار دی گئی اور حکومت نے بذات خود باہر کے ملکوں سے غذا کی بڑی رسد کو خریدا۔ پیدایش غذا اور غذا کی قیمتوں کی کمیٹیاں بنائی گئیں اور ۱۹۱۷ء میں ایک نگران غذا کا تقرر کیا گیا تاکہ وہ غذا کی رسد اور اس کے استعمال پر نگرانی قایم رکھے۔ اس کے بعد راتب بندی کا ایک حکم نافذ کیا گیا۔ تمام اہم غذاؤں کی راتب بندی کر دی گئی اور ایندھن کی کم یابی کی وجہ سے کوئلے اور روشنی کے خانگی خرچ کو سختی کے ساتھ محدود کر دیا گیا۔

جنگ کے خاتمے کے قریب یہ تعمیر نو کی ایک وزارت قایم کی گئی تاکہ وہ

ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے جن کے رونما ہونے کی توقع جنگ کے ختم ہونے پر کی جا رہی تھی اور ان ذریعوں اور طریقوں کو سوچے جن سے قوم کی معاشی زندگی کو اس کی معمولی راہوں پر دوبارہ لگایا جا سکے گا۔

۲۔ زر کی تبدیلیاں قیمتوں میں اضافہ۔ افراط زر۔

جنگ کے شروع میں، حکومت نے بنک آف انگلینڈ کے بٹے کی شرح کو بڑھا کر دس فی صدی کر دیا اور قرض کی بعض قسموں کے التوا کا باضابطہ اعلان کر دیا۔ قانون نے جو حد مقرر کر دی تھی اس سے زاید مقدار میں بنک آف انگلینڈ کے نوٹوں کو جاری کیا گیا لیکن پھر بھی ان کی تعداد نسبتاً کم ہی رہی۔ اس کام کے لیے سنہ ۱۸۴۴ء کے قانون بنک کو ستر سال کی مدت میں چوتھی مرتبہ ملتوی کیا گیا۔ زیادہ اہم خزانے کے نوٹوں کی اجرائی تھی جنھیں حکومت نے بذات خود جاری کیا۔ یہ نوٹ ایک پونڈ اور دس دس شلنگ کے تھے۔ انھوں نے آہستہ آہستہ ہمارے سونے کے سکوں کی جگہ لے لی اور یہ گردش سے غائب ہو گئے اس سونے کا زیادہ تر حصہ حکومت نے حاصل کر لیا گو اس کے ایک حصے کو اندوختے کی صورت میں دبا کر بھی رکھا گیا۔

باہر کے ملکوں میں جو خریداریاں کی جا رہی تھیں ان کی ادائی کے لیے اس سونے کی ضرورت تھی کیونکہ جتنا وقت گزرتا گیا، برطانیہ سے باہر، خزانے کے نوٹوں کی قیمت، سونے کے ساورن کے مقابلے میں گرتی چلی گئی۔ نظری طور پر تو خزانے کے نوٹوں کے بدلے میں نقد سونا حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن عملی طور پر لوگوں کو اس طریقے سے سونا حاصل کرنے اور پھر اُسے برآمد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اگر ان نوٹوں کی تعداد ملک میں وہی رہتی جو ان کی اجرائی سے پہلے ساورن کی تھی تو نوٹ کی قدر، اس کی قدر ظاہری کے برابر رہتی۔ لیکن چونکہ زاید جاری کیا گیا تھا اس لیے ناگزیر نتیجے کے طور پر کم قدری رونما ہو گئی تھی۔

سونے کا زر، دراصل، ایک قومی اندوختہ کی حیثیت رکھتا تھا اور اسے جنگی کاموں کے لیے بالکل ویسی ہی آسانی کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا تھا جیسے کہ پچھلے زمانوں میں جنگی خزانوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ جب یہ قومی اندوختہ استعمال میں آ کر ختم ہو گیا تو ہم اس کی وجہ سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ غریب

نہیں ہو گئے کیونکہ ہم نے تعیشات کو چھوڑ کر ایک ارزاں بدل سے کام لینا شروع کر دیا۔ لیکن جنگ کے مصارف اب بھی جاری تھے اور حکومت نے محض فوری محصول عائد کر کے کافی وسائل کو یا تو فراہم کرنا نہ چاہا یا فراہم نہ کر سکی۔ مجبوراً قرض کی طرف رجوع کرنا پڑا اور ہم ملک کے اندر اور باہر (خصوصاً ریاست ہائے متحدہ امریکا کے) مقروض ہو گئے۔ چنانچہ ضروری ادائیاں، خزانے کے نوٹوں کو اضافہ پذیر مقدار میں چھاپ کر اور بنک کے اعتباری کاروبار میں بے انتہا اضافہ کر کے، کی جانے لگیں یعنی ہمارے زر میں بلاواسطہ اور بالواسطہ دونوں طریقوں پر افراط پیدا ہوئی۔

افراط زر سب ہی متحارب ملکوں میں واقع ہوئی لیکن یورپ میں نئے نوٹوں کو چھاپنے کا کام یہاں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قیمتوں میں ایک عام اضافہ ہو گیا۔ ہر متحارب ملک میں، سونے کے سکوں کو آلات جنگ یا کچے مال کی قیمت ادا کرنے کے لیے برآمد کر دیا گیا کیونکہ غیر جانب دار ملک نوٹوں کو قبول کرنے کے لیے ایسی صورت میں آمادہ نہیں تھے جب کہ ان کی قدر میں افراط زر کی وجہ سے کمی پیدا ہونا یقینی تھی جن ملکوں میں افراط زر ہوا تھا ان کے مبادلات ناموافق ہو گئے۔

بایں ہمہ قیمتوں کا اضافہ عالمگیر تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مقروض حکومتوں نے غیر جانب دار ملکوں مثلاً ریاستہائے متحدہ امریکا کو اس کثرت سے سونا بھیجا کہ وہاں سونے کی قدر گر گئی اور جو قیمتیں سونے کے معیار سے ناپی جاتی تھیں وہ چڑھ گئیں جب ہم نے امریکا سے غلے کو خریدا تو مالکوں نے اس کے معاوضے میں سونے کی شکل میں زاید قیمت کا مطالبہ کیا۔ انگلستان میں اس کی ظاہری قیمت اس لیے اور بھی زیادہ بڑھ گئی کہ امریکا والوں نے ہمارے خزانے کے نوٹوں کو ان کی ظاہری قیمت پر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بنک کے نوٹوں کی قیمت بھی ان کی ہمدردی میں گر گئی۔ اگر ایک تاجر کو بغیر شک وشبہہ پیدا کیے ہوئے نوٹوں کے معاوضے میں، کبھی سونا مل بھی جاتا تھا تو وہ تجارت کے معمولی طریقے سے کام لے کر اس سونے کو برآمد نہ کر سکتا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حکومت نے گویا ان تمام لوگوں سے جن کے پاس ساورن تھے یا جن کا ساورن پر کوئی حق تھا ایک جبریہ

محصول وصول کرنا شروع کر دیا۔

جنگ کے پورے زمانے میں اور اس کے ایک یا دو سال بعد تک افراط زر جاری رہا۔ انگلستان میں سنہ۱۹۲۱ء کے قریب حالات نے رخ بدلنا شروع کیا۔ ایک عرصے تک تو یہ حقیقت کہ امریکا کے مبادلات ہمارے اس قدر غیر موافق تھے۔ مبادلات کی "قدر کو باندھ دینے" کی وجہ سے چھپی رہی لیکن جب لوگوں کو حقیقی حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا گیا تو سب پر ظاہر ہو گیا کہ ہمارا زر کس درجہ کم قدر ہو گیا تھا۔ بعد میں، اس ملک میں آہستہ آہستہ تفریط زر پیدا ہوئی خزانے کے نوٹوں کی تعداد کو آہستہ آہستہ کم کیا گیا۔ دوسری طرف اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کی ایک مصمم اور کامیاب کوشش کی گئی کہ ہمارے قرض کو سخت محاصل عاید کر کے کم کیا جائے۔ چنانچہ سنہ۱۹۲۱ء تا سنہ۱۹۲۶ء کے سالوں میں بحیثیت مجموعی تدریجی طور پر قیمتیں گر گئیں۔

یورپ میں افراط زر کو بہت زیادہ بڑھا دیا گیا تھا۔ جرمنی میں، جنگ کے بعد نوٹوں کو اتنی تیزی کے ساتھ چھاپا جاتا تھا کہ ان کی قدر ہر دن گھٹتی رہتی تھی یہاں تک کہ ان کی قدر اس کاغذ کے پرزے کے مساوی ہو گئی جس پر کہ انھیں چھاپا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت نے اپنے ملکی قرضوں کے ادا کرنے سے گویا انکار کر دیا۔ روس میں بھی کاغذی سکے کی کوئی قدر نہیں رہی۔ اس کے بعد، ان دونوں ملکوں میں، ایسے نئے مستحکم زر رائج کیے گئے جنھوں نے اپنی ظاہری قدر کو برقرار رکھا۔

۳۔ جنگی قرضے اور تاوان۔

جنگ کے دوران میں، انگلستان نے اپنے اتحادیوں کو بڑی رقمیں قرض دیں اور انگلستان اپنی جگہ پر ریاست ہائے متحدہ امریکا سے قرض لینے پر مجبور ہوا۔ ہمارا اعتبار، ہمارے یورپ کے اتحادیوں کے مقابلے میں اتنا زیادہ تھا کہ امریکا انھیں اس وقت تک روپیہ نہ دیتا تھا جب تک ہم ان کے ضامن نہ بنتے تھے۔ جنگ کے خاتمے پر، فاتح ملکوں نے یہ توقع قایم کی کہ وہ جنگ کے کل مصارف جرمنی اور اس کے حلیفوں سے وصول کر سکیں گے۔ لیکن یہ بات جلد ہی سب پر ظاہر ہو گئی کہ ایسا کرنا ناممکن ہے۔ انگلستان، جرمنی سے ایک معقول رقم وصول کرنے پر قناعت کرتا لیکن ہمارے بعض اتحادیوں نے دوسرے

طریقے کو ترجیح دی یعنی ایک غیر معین رقم کا مطالبہ کیا جائے اور سال بہ سال جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے وصول کیا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے روہر پر حملہ کیا گیا (جنوری ۱۹۲۳ء)۔ لیکن اس پر قبضہ کرنے سے فرانس کے محصول ادا کرنے والوں کی توقعات پوری نہ ہوئیں آخر میں اسے ختم کر دیا گیا (۱۹۲۴ء)۔

بے انتہا تاوانوں کو جب بہ جبر وصول نہ کیا جا سکا تو یہ بات سب پر روشن ہو گئی کہ اتحادیوں میں جو اختلاف خیال پایا جاتا ہے اس میں جلد ہی ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ فرانس اور بلجیم کا یہ دعوےٰ تھا کہ چونکہ ان کا ملک تاخت و تاراج کیا گیا تھا، اس لیے تاوان کے مطالبہ کرنے کا حق انھیں دوسروں سے زیادہ حاصل ہے۔ دوسری طرف انگلستان جس کے یہاں بے روزگاروں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، ایک قلیل لیکن یقینی ادائی کو اُس غارت گرانہ مطالبے کے مقابلے میں زیادہ قابل ترجیح سمجھتا تھا جس سے نفرت کے جذبے میں شدت پیدا ہونا یقینی تھی۔ اگر یہ مان بھی لیا جاتا کہ اس مطالبے کو ادا کرنا ممکن تھا تو بھی یہ ادائی غیر ملکی مال کی صورت ہی میں کی جا سکتی تھی جس سے بے روزگاری کی موجودہ تشویش ناک حالت میں اور زیادہ اضافہ ہونے کا اندیشہ تھا۔

اسپا کانفرنس (جولائی ۱۹۲۰ء) کے موقع پر ایک معاہدہ کیا گیا جس میں ہر فاتح سلطنت کے لیے خاص خاص فی صدی تناسب اُس تاوان میں جو کچھ بھی جرمنی سے وصول ہو۔ مقرر کر دیے گئے بلجیم اور اس کے بعد فرانس کے مطالبوں کو خاص طور پر مقدم رکھا گیا۔ ڈاز کی اسکیم کے مطابق (جسے اپریل ۱۹۲۴ء میں پیش کیا گیا) ایک معین اور معقول رقم اس طرح حاصل کرنے کی کوشش کی گئی کہ زیادہ سے زیادہ تاوان بھی وصول ہو جائے اور جرمنی کی معاشی زندگی بھی اس طرح برباد نہ ہو کہ مستقبل میں اس کی ادائی کی اہمیت کم ہو جائے۔

۱۹۲۹ء کے قریب جو عالمی کساد بازاری شروع ہوئی اس نے تاوان کے اور غالباً اتحادیوں کے باہمی قرضوں کے مسئلے کا تصفیہ کر دیا۔ جرمنی نے اپنی ادائیوں کو ۱۹۳۲ء میں بند کر دیا اور ان کو شاید اب دوبارہ شروع نہیں کیا جائے گا

انگلستان نے بھی امریکا کو اپنے جنگی قرضے کی ادائی بند کر دی جس کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ میں برطانیہ کے خلاف ایک جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔

۴۔ زر کی قدر میں کمی

جنگ کا ایک دوسرا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اکثر اہم ملکوں کا زر کم قدر ہو گیا ہے۔ مبادلات خارجہ کی شرحوں میں اتنا اتار چڑھاؤ ہوتا رہا ہے کہ بہت سے ملکوں کے لیے خارجی تجارت کا جاری رکھنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اس کا سبب کچھ تو یہ ہوا کہ بہت سے ملکوں نے اپنے زر رائج میں افراط پیدا کی اور کچھ وہ مسائل تھے جو جنگی قرضوں اور تاوان کی ادائی کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ مثلاً جرمنی کی مثال کو لیجیے۔ مارک کی گرتی ہوئی قدر، جرمنی کے اندر، جرمنی سے باہر کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ جرمنوں کے لیے داخلی ادائی کا صرف مارک ہی ایک واحد ذریعہ تھا جس کی وجہ سے اسے ایک طرح کی رسمی قدر مل گئی تھی۔ لیکن باہر کے لوگوں کے لیے مارک صرف ایک کاغذ کا ٹکڑا تھا۔ اس کی قدر فقط اتنی تھی کہ اس کے ذریعے سے جرمنی کے اندر چیزوں کو خریدا جا سکتا تھا۔ چنانچہ مارک کی خارجی قدر، داخلی قدر کے مقابلے میں گر گئی تھی اب اس کے نتائج ملاحظہ ہوں۔ جرمنی کی ان چیزوں کو جن کی ساخت میں محنت کی اہمیت زیادہ اور درآمد شدہ کچے مال کی اہمیت نسبتاً کم تھی، ایسے مزدور بناتے تھے جنھیں مارک کی شکل میں اجرتیں ادا کی جاتی تھیں۔ اس مارک میں ایک رسمی قدر پائی جاتی تھی (بالکل اس طرح کی رسمی قدر جیسی ہمارے تانبے کے سکوں میں پائی جاتی ہے جو خود تانبے کی ذاتی قدر سے زیادہ ہوتی ہے) دوسرے لفظوں میں، جب ادائی کی پیمائش ان مارکوں کی شکل میں کی جاتی تھی جن سے جرمنی کی بنی ہوئی چیزوں کو نسبتی نرخوں پر خریدا جا سکتا تھا تو مزدوروں کا معاوضہ خاصا اچھا نظر آ سکتا تھا لیکن یہی مارک درآمد شدہ مال کی مقابلۃً بہت کم مقدار کو خرید سکتے تھے کیونکہ برآمد کرنے والے (مثلاً انگلستان کے برآمد کرنے والے)، انگلستان کے زر میں ادائی چاہتے تھے اور ان کے نزدیک مارکوں کی قدر، جرمنوں کے مقابلے میں کم تھی۔ انگریز تاجر، جرمنی کا مال فایدے سے خرید سکتے تھے کیونکہ وہ ایک کاغذ کے پونڈ کے معاوضے میں بہت سے مارکوں کو خرید سکتے تھے اور اس طرح سے خریدے ہوئے مارکوں کی جرمنی میں خاصی قدر تھی۔ دوسری طرف

انگلستان کے برآمد کرنے والے کے لیے جرمنی کو مال بھیجنا مشکل تھا کیونکہ اس کو مارکوں کی شکل میں ادائی کی جاتی تھی جس کے لیے جرمنی کے خریدار کو بہت قربانی کرنا پڑتی تھی لیکن جب ان مارکوں کو کاغذ کے پونڈوں میں تبدیل کیا جاتا تھا تو ان کی قدر کم ہوتی تھی۔

اس طرح ان ملکوں کے بازار، جن کے زر کم قدر ہو رہے تھے، ہمارے مال کے لیے تقریباً مسدود ہو گئے تھے۔ دوسری طرف ان ملکوں کا مال خود ہمارے اپنے ملک میں بھی غیر مساوی شرائط (یعنی سستے داموں) کے ساتھ ہمارے زیادہ لاگت پر تیار کیے ہوئے مال سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ ہماری برآمد کی تجارت کو اس کی وجہ سے ایسا زبردست نقصان پہنچا جس سے وہ ابھی تک نہیں سنبھل سکی ہے۔

زر کی کم قدری مبادلات کے اتار چڑھاؤ نے ایک نئی قسم کی تخمین کی ابتدا کر دی جس سے لوگ، جنگ سے پہلے، ناواقف تھے یعنی مبادلات خارجہ کی تخمین۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے غیر ملکی زروں میں اس امید پر تخمین کرنا شروع کر دی کہ ان کی قدر کی تبدیلیوں سے فایدہ حاصل کیا جا سکے گا اور یہ ایک ایسا عامل تھا جس کا مبادلات خارجہ پر سخت اثر پڑا۔ پھر بعض ملکوں نے اپنے زر میں ارادتاً ایسی مصنوعی تبدیلیاں پیدا کیں جس کے ذریعے اس کی خارجی قدر کو ملکی قدر سے کم رکھا جا سکے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ برآمد کو ترقی ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ درآمد کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔ جنگ کے بعد جاپان کو ہمارے مشرقی بازار میں جو منافع حاصل ہوئے، ان میں جاپانی مزدوروں کی اجرتوں کی کمی نے اتنی زیادہ مدد نہیں دی جتنی زیادہ کہ زر کی کم قدری نے دی۔

جنگ کے بعد کے ابتدائی سالوں میں، زر کی ابتری کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے ان کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ مبادلات کی نگرانی کرنے کے لیے مکمل نظام بن گئے ہیں جن پر بہت سے ملکوں میں عمل کیا جا رہا ہے اور سنہ ۱۹۳۰ء کے بعد سے بین الاقوامی تجارت میں جو زوال ہوا اس کا الزام قابل اور مستند لوگ انھی نظاموں پر رکھتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر ملکوں میں زر کے نظام میں استحکام پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں انگلستان نے سونے کے معیار کی اس شکل کو اختیار کیا جسے سونے کے فلزاتی معیار کے نام سے

موسوم کیا جاتا ہے۔ اس وقت یہ امید قایم کی گئی تھی کہ اس طریقے سے ہماری خارجی تجارت اپنی پرانی قدر اور پائداری کو دوبارہ حاصل کرلے گی۔ لیکن بدقسمتی سے ہم نے سونے کے معیار کو دوبارہ بہت زیادہ اونچی مساوات پر قایم کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باہر کے ملکوں میں اسٹرلنگ بیش قدر ہوگیا اور یہ عامل ایسا تھا جس کے ہماری خارجی تجارت پر نہایت ناموافق اثرات پڑے۔ ملک کے اندر بھی سونے کا معیار تکلیف دہ ثابت ہوا کیونکہ ہماری معاشی ساخت نئے نظام میں بے لوچ اور غیر تغیر پذیر ہوگئی تھی۔ قیمتیں اور اجرتیں ان تبدیلیوں کی مزاحمت کرنے لگی تھیں جنھیں سونے کی نقل و حرکت کے نتیجے کے طور پر ضرور رونما ہونا چاہیے تھا کیونکہ سونے کا معیار اپنی موثر کارگزاری اسی طریقے پر دکھلا سکتا تھا۔ ۱۹۳۱ء کے بحران کے زمانے میں سونے کے معیار کے قانون کو غیر معین مدت کے لیے ملتوی کردیا گیا۔

۵۔ جنگ کے بعد کے سالوں میں مزدور پیشہ طبقے کی تحریک سہولت کے لیے، متعلقہ مباحث کے ایک سلسلے کو، اس عنوان کے تحت جمع کردیا گیا ہے۔ جنگ نے مزدور پیشہ طبقوں کی حیثیت اور ان کے نقطۂ نگاہ میں، بہت سی باتوں میں، ایک بنیادی تبدیلی پیدا کردی۔ سب سے پہلے، بے روزگاری ختم ہوگئی۔ دوسرے عورتوں کی محنت نے، روزگار کے میدان میں ایک نئی اہمیت حاصل کرلی۔ تیسرے، مزدور پیشہ طبقوں کا معیار زندگی بحیثیت مجموعی نمایاں طور پر بلند ہوگیا۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے زمانے میں حکومت نے مزدور پیشہ طبقوں کی زندگی پر ایسی نگرانی قایم کی جسے ۱۹۱۳ء میں خیالی قرار دیا جاتا۔ پرانے نظام کی طرف واپسی ناممکن ہوگئی تھی۔

۱۔ مجالس تجارت کا نظام یوں تو مجالس تجارت کا نظام ۱۹۰۹ء ہی میں شروع ہوگیا تھا لیکن حکومت کی طرف سے اجرتوں میں کمی بیشی کرنے کا اصول، جنگ کے خاتمے تک خوب اچھی طرح مسلم ہوگیا۔ قوانین سامان جنگ کے تحت ثالثی عدالتیں قایم کی گئیں جن کو اختیار تھا کہ وہ ایسے فیصلے کریں جن کی پابندی حکومت کی نگرانی میں کام کرنے والے کارخانوں کے مزدوروں کے لیے لازمی ہو۔ ۱۹۱۷ء میں قانون پیدائش غلے کے تحت مجلس اجرت ہائے زرعی

قایم کیا گیا۔ وزارت مزدوران نے، تعمیر نو کی پالیسی کے ایک جز کے طور پر، مختلف پیشوں میں متعدد مجالس تجارت قایم کیے۔ سنہ ۱۹۱۹ء اور سنہ ۱۹۲۲ء کے درمیان انیالیس صنعتوں میں مجالس تجارت قایم کیے گئے جو تیس لاکھ مزدوروں سے زاید کی اجرت میں کمی بیشی کرتے رہتے تھے۔ یہ تحریک پوری طرح کامیاب نہیں ہوئی کیونکہ اجرت کی کم ترین شرحوں کو بہت بلند مقرر کر دینے کی وجہ سے اکثر بیروزگاری پیدا ہوتی رہتی تھی۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں، کیو کمیٹی کی سفارشوں کی بنا پر، مجالس کے بہت سے اختیارات، مزدوروں کی وزارت کو منتقل کر دیے گئے اور نئے مجالس کا قیام صرف ان صنعتوں تک محدود کر دیا گیا جن میں اجرتوں کی شرحیں غیر مناسب حد تک پست تھیں۔

۲۔ وہٹلے کی کونسلیں تعمیر نو کا ایک دوسرا پہلو یہ تھا کہ مفاہمت کے اصول کو جسے وہٹلے کونسل کی تحریک کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، وسیع کر دیا گیا۔ وہٹلے کمیشن کی سفارشات کے تحت، قومی صنعتی کونسلوں کو ہر صنعت کے لیے تجویز کیا گیا تاکہ وہ آجروں اور مزدوروں کے اختلافات میں ہم آہنگی پیدا کر سکیں۔

جنگ کے بعد کے سالوں میں، وہٹلے کی تحریک تیزی سے پھیلی لیکن اس تحریک کو سب سے زیادہ کامیابی ان صنعتوں میں ہوئی جن میں تنظیم نسبتہً کم تھی۔ جہاں مزدوروں میں تنظیم خوب اچھی تھی وہاں مزدوروں کی انجمن کی طرف سے، اس تحریک کی مخالفت اور مزاحمت کی گئی۔ انھوں نے ان تنظیموں کو جنھیں وہ اپنا حریف خیال کرتی تھیں، شبہہ کی نگاہ سے دیکھا۔ وہٹلے کونسلوں کو اپنے کام میں سب سے زیادہ کامیابی حکومت کے سیول ملازمتوں میں ہوئی ہے۔ لیکن سرکاری محکموں میں، مشترکہ نگرانی کے لیے حالات خاص طور پر موافق تھے۔

۳۔ مزدور سبھا تحریک سنہ ۱۹۱۹ء تا سنہ ۱۹۲۷ء کے سالوں کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں مزدوروں کے جھگڑوں کا ایک سلسلہ چلتا رہا۔ جنگ کے سالوں میں مزدور سبھا کے قواعد و ضوابط، اگرچہ، عارضی طور پر ملتوی کر دیے گئے تھے۔ لیکن بلند اجرتوں اور مسلسل ملازمت کی وجہ سے مزدور سبھائی رکنیت

میں اضافہ ہوتا رہا۔ جنگ کے فوراً بعد مزدور سبھا نے اس بات کا تہیہ کر لیا کہ اپنے حاصل شدہ منافع کو قایم رکھا جائے اور اڑتالیس گھنٹے کے ہفتے کے لیے ایک عام جارحانہ تحریک شروع کر دی۔ ان کی ایک بڑی کامیابی 'سانکی کمیشن کی رپورٹ تھی جس نے سفارش کی کہ کوئلے کی کانوں پر قومی قبضہ اور جمہوری نگرانی قایم کی جائے اور ریلوے والوں کو ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء کی ہڑتال میں کامیابی ہوئی۔

مزدور سبھا کی جارحانہ تحریک میں عارضی رکاوٹ اس وقت پیدا ہوئی جب سنہ ۱۹۲۰ء کے خاتمے پر، مابعد جنگ کی تجارتی خوش حالی ختم ہو گئی۔ آجروں کے وفاق نے ایک جوابی حملہ اجرتوں میں کمی کرنے کے لیے شروع کیا۔ کوئلے کی کانوں کے مالکوں نے سنہ ۱۹۲۱ء میں، کان کنوں کے لیے دربندی کر دی اور ایک طویل کشمکش کے بعد جس میں، 'نقل و حمل کی انجمنوں سے امداد کے لیے، ایک ناکام اپیل 'کان کنوں نے کی، ان کی انجمن کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد کے سال میں، مشین سازوں کی انجمنوں کو بھی، جب آجروں کے وفاق نے ان کی دربندی کر دی شکست ہوئی۔

سارے ملک میں بے روزگاری کی جو عام وبا پھیلی اور جو کئی سال تک چلتی رہی، وہ مزدور سبھا کی جارحانہ تحریک کے لیے بہت ناسازگار ثابت ہوئی۔ لیکن سنہ ۱۹۲۳ء میں عمارت سازی کے کاروبار میں ایک ہڑتال ہوئی جس میں آجروں کی طرف سے جو کوشش اجرتوں کو کم اور کام کے اوقات کو زیادہ کرنے کے لیے کی گئی اس کی مزاحمت کی گئی۔ اسی مقصد کے لیے نارفوک کے زراعتی مزدوروں نے بھی ایک ہڑتال کی۔ سنہ ۱۹۲۴ء اور سنہ ۱۹۲۵ء میں فسادات کم سخت رہے۔ اگرچہ موخرالذکر سال میں، 'اونی پارچہ بافی کی صنعت میں، ایک ہڑتال ہوئی جو تین ہفتوں تک چلتی رہی۔

سنہ ۱۹۲۶ء تک، مزدوروں کے جھگڑوں کا طوفانی مرکز، 'کان کن اور ریلوں کے مزدور بنے رہے۔ ان دونوں صنعتوں کے مزدوروں نے، جنگ کے سالوں میں، 'قابل لحاظ کامیابیاں حاصل کیں تھیں جس کا سبب ایک حد تک یہ تھا کہ ان پیشوں کو حکومت کی امداد حاصل تھی۔ جب ریلوں اور کانوں کو دوبارہ خانگی ہاتھوں میں دیا گیا تو مشکل مسائل پیدا ہو گئے۔

پھر چونکہ کان کنوں اور نقل و حمل کی سبھائیں طاقتور تھیں، اس لیے صورت حال اور زیادہ نازک ہوگئی۔ آجروں کے قومی وفاقوں نے مزدور سبھاؤں کو قومی اصول پر منظم ہونے کے لیے مجبور کیا۔ سرکاری بیمے کے قوانین کے اثرات کی وجہ سے بھی اس رجحان میں تقویت پیدا ہوئی۔ کان کن، ریلوں کے مزدور اور نقل و حمل کے دوسرے مزدور، اپنا کام چلانے کے لیے ایک قریبی اتحاد میں شامل ہوگئے۔ جنگ اور روسی انقلاب نے معاشری بے چینی پیدا کردی تھی۔ ان سبھاؤں کے انتہا پسند طبقوں نے ایک عام ہڑتال کے سیاسی عقیدے کی تبلیغ شروع کی۔ اس ہڑتال کے بعد معاشرے کا ایک نیا نظام قائم ہوجائے گا اور ہر ایک مزدور سبھا، اپنے پیدایش دولت کے ذرایع پر قبضہ و تسلط قایم کرلے گی۔

حکومت کے اس فیصلے کے بعد کہ کان کنی کی صنعت کی نگرانی کو ختم کردیا جائے ۱۹۲۱ء میں، کان کنوں کی جو دربندی ہوئی، اس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ کان کن اس دور کی طرف دوبارہ واپس جانا نہیں چاہتے تھے جس میں مختلف ضلعوں کی کوئلے کی کانوں کے درمیان ایک غیر محدود مسابقت پائی جاتی تھی۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ اجرتوں میں ایک حد تک مساوات قایم رکھی جائے۔ کوئلے کی زیادہ زرخیز کانوں میں تو یہ آسانی کے ساتھ ممکن تھا کہ سب ملازم کان کنوں کو ایک تشفی بخش اجرت ادا کی جائے لیکن بہت سی کم زرخیز کانوں کا کھودنا اس وقت تک نفع بخش نہیں ہوتا تھا جب تک کہ ان مزدوروں کی اجرتیں جو ان کے اندر کام کرتے تھے بہت پست نہ رکھی جائیں۔ اگر تمام کانیں حکومت کی نگرانی میں ہوتیں تو زیادہ زرخیز کانوں کے زاید منافع سے، سب مزدوروں کو کافی اجرتیں ادا کی جاسکتی تھیں۔ کان کنوں کا یہ مطالبہ تھا کہ ایسا بہر حال کیا جائے۔ اگر اس کے لیے حکومت کی ملکیت قایم کرنا ضروری ہو تو اُسے قایم کیا جائے اگر ضروری نہ ہو نہ کیا جائے۔

یہ قضیہ اس لیے اہم تھا کہ ایک زمانے میں اس بات کا امکان پیدا ہوگیا تھا کہ سنڈیکلزم کا خواب پورا ہو سکے گا۔ اس بات کا واقعی خطرہ تھا کہ کان کن، نقل و حمل کا کام کرنے والے اور ریلوے کے مزدور۔ تینوں مل کر ہڑتال کریں گے۔

لیکن پندرہ اپریل (سیاہ جمعہ) کو دوسری سبھاؤں نے ہڑتال نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ البتہ کان کن جولائی تک ہڑتال کرتے رہے۔

سنہ ۱۹۲۱ء کی ہڑتال کے بعد اجرتوں کا جو معاہدہ ہوا تھا، سنہ ۱۹۲۴ء میں اس کی جگہ ایک دوسرا معاہدہ کیا گیا۔ جون سنہ ۱۹۲۵ء میں، کوئلے کی کانوں کے مالکوں نے ایک مہینے کا نوٹس، معاہدے کو ختم کرنے اور اجرتوں کو کم کرنے کے لیے دیا۔ کشمکش یقینی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن حکومت نے ایک امدادی رقم دے کر (سنہ ۱۹۲۶ء تک دو کروڑ چالیس لاکھ کی رقم) اس جھگڑے کو چکایا اور مزدوروں نے پرانی شرائط پر کام کو جاری رکھا۔ ایک شاہی کمیشن کا تقرر کیا گیا جس نے اپنی رپورٹ سنہ ۱۹۲۶ء کے شروع میں پیش کی۔ اس سے نہ تو مالکوں کی تشفی ہوئی نہ مزدوروں کی۔ اس مرتبہ تمام سبھاؤں نے کان کنوں کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک زبردست عام ہڑتال مئی میں شروع ہوئی۔ لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر جن میں سب سے اہم شاید یہ تھی کہ مزدور سبھا تحریک کے بااثر رہنماؤں کے دل میں، انقلاب پیدا کرنے کی کوئی حقیقی خواہش موجود نہیں تھی، دس دن کے بعد ہڑتال کو ختم کرا دیا گیا۔ کان کنوں نے اپنی ہڑتال کو چھ مہینے تک جاری رکھا لیکن انھیں شکست ہوئی۔

اس عام ہڑتال کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۹۲۷ء میں مزدور سبھا کا قانون منظور کیا گیا، جس نے سبھاؤں کو بعض ان سہولتوں سے محروم کر دیا جنھیں سنہ ۱۹۰۶ء میں حاصل کیا گیا تھا۔ اس قانون کے تحت، ہمدردی کی ہڑتال کے حق کو محدود کر دیا گیا ہے اور ہر ایسی ہڑتال کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے جس کا منشا یا تو حکومت پر ناجائز دباؤ ڈالنا ہو یا جماعت کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کرنا ہو یا جس کا مقصد اس صنعت کے جس میں مزدور کام کر رہے ہوں اندرونی جھگڑوں کے تصفیے کے علاوہ کوئی اور دوسرا ہو۔

سنہ ۱۹۲۷ء کے اس قانون کی شرائط کے تحت جس ہڑتال کو غیر قانونی قرار دے دیا جائے اس پر سنہ ۱۹۰۶ء کے صنعتی فسادات کے قانون کی دفعات کو عاید نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے الفاظ میں مزدور سبھا کے سرمایے کو غیر قانونی ہڑتال کے لیے صرف کرنا، خلاف قانون بن گیا ہے۔ پُرامن طریقے پر دھرنا دینے کا حق

جس کو سنہ ۱۹۰۶ء کے قانون نے جایز قرار دیا تھا، اب بہت محدود ہو گیا ہے اور جو اشخاص ایک غیر قانونی ہڑتال میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں اگر ان کی سبھائیں انھیں ہدف ملامت اور نشانہ ظلم بناتی ہیں تو ان کا تحفظ کیا جاتا ہے۔

۴۔ معاشرتی بیمہ بے روزگاری کے سرکاری بیمہ کے ذریعے شدید بے روزگاری کی سب سے بڑی شکلوں، فاقے کے خطروں اور اس کے نتیجے کے طور پر انقلابی مساوات کے خدشوں سے بچنے کی صورت نکال دی گئی تھی۔ جنگ سے پہلے ہی سرکاری بیمے کی اس اسکیم نے اپنے فائدے کو ثابت کر دیا تھا۔ بعض ایسی صنعتوں کے مزدوروں کو جن میں خاص طور پر بے روزگاری کا امکان پایا جاتا تھا ایک ہفتہ وار چندہ ادا کرنا پڑتا تھا اور اس میں آجروں اور حکومت کی امدادوں کو بھی شامل کر دیا جاتا تھا۔ جب سپاہیوں کو برطرف کیا گیا تو یہ محسوس کیا گیا کہ ان کو پیدائش کے کاموں سے دوبارہ لگانے میں شکلوں کا سامنا کرنا ہوگا اور ان کے لیے بھی بے روزگاری کا بیمہ اس وقت تک کے واسطے منظور کیا گیا جب تک کہ انھیں کوئی مناسب کام نہ ملے۔ اگر اس قسم کی کوئی اسکیم نہایت خوبی کے ساتھ نہ چل رہی ہوتی تو جب سنہ ۱۹۲۱ء میں کساد بازاری رونما ہوئی تو اس بات کا تصور کرنا مشکل ہے کہ سخت فسادات کا کس طرح تدارک کیا جا سکتا۔

سنہ ۱۹۲۱ء کے بعد سے بیمے کے ان قانونوں کے حلقۂ عمل کو، جو تندرستی اور بے روزگاری دونوں سے متعلق ہیں متزائد طریقے پر اسی طرح وسیع کیا جاتا رہا ہے کہ اب اس میں مزدوروں کے تقریباً سب طبقے شامل ہو گئے ہیں۔ مزدوروں کا نہ صرف بیماری اور بے روزگاری کے لیے بیمہ کیا جاتا ہے بلکہ انھیں ۶۵ سال کی عمر میں پنشن بھی دی جاتی ہے۔ پنشنوں کے ایسے قوانین بھی منظور کیے گئے ہیں جن کے ذریعے ان اشخاص کی بیواؤں کو پنشنیں اور بچوں کو بھتے فراہم کیے جاتے ہیں جو بیمہ کرا لیتے ہیں۔ ایسے اشخاص کو جن کا بیمہ نہیں ہوا ہے لیکن جن کی آمدنی چارسو پونڈ سالانہ سے کم ہے اب اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اختیاری طور پر چندہ داخل کرتے رہیں۔

۵۔ امداد عامہ حکومت کی طرف سے بیمے کے کام میں ترقی ہو جانے کی وجہ

سے مفلسوں کے قوانین کے انتظام میں کچھ تبدیلی پیدا کرنا ضروری ہوگیا۔ ۱۸۳۴ء کے بنیادی اصول میں ۱۹۲۹ء تک تقریباً کوئی اصلاح نہیں ہوئی اگرچہ ۱۹۰۹ء میں ایک شاہی کمیشن نے اور ۱۹۱۸ء میں تعمیر نو کی وزارت کی ایک کمیٹی نے انقلابی تبدیلیوں کی سفارش کی تھی۔ البتہ یہ سفارشیں ۱۹۲۹ء کے لوکل گورنمنٹ کے قانون میں داخل کردی گئیں اور ان کی وجہ سے سرپرستوں کے اس بورڈ کو جس کا انتخاب صرف مفلسوں کے قانون کے لیے کیا جاتا تھا منسوخ کردیا گیا۔ سرپرستوں کے اختیارات و فرائض اب کاؤنٹی اور کاؤنٹی بورو کی کونسلوں کو تفویض کیے گئے ہیں اور انھی میں سے سرکاری امداد کی کمیٹیاں، ناداروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بالکل اسی طرح بنائی جاتی ہیں جیسے تعلیم، شارع عامہ اور بجلی کی رسد وغیرہ کی فراہمی کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ اس سے افلاس کے مسئلہ میں رویے کی ایک بنیادی تبدیلی کا آغاز ہوتا ہے۔ ناداری کی امداد کو اب تعلیم اور صحت عامہ کی طرح ایک معاشری خدمت تصور کیا جانے لگا ہے۔

۶۔ تعلیم

قومی تعمیر نو کے اصولوں کو، تعلیم پر بھی منطبق کیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں فشر کا تعلیمی قانون منظور کیا گیا، جس میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ، ایسے سب نوجوانوں کے لیے جو ملازم تھے، ان کے تعلیمی سلسلے کو جاری رکھنے والے مدرسوں کا انتظام کیا گیا لیکن ۱۹۲۱ء کی کساد بازاری کے بعد تخفیف کی جو لہر اٹھی، اس میں قانون کے اس حصے کو عدم استعمال کی وجہ سے منسوخ ہونے دیا گیا۔ ۱۹۲۶ء میں ہیڈو کمیٹی نے ابتدائی تعلیم کی مکمل نئی تنظیم کے لئے سفارشیں کیں جنھیں حکومت نے قبول کرلیا۔ مدرسوں کی یہ تقسیم اب تقریباً مکمل ہوگئی ہے:۔ اول، ایسے ابتدائی مدرسے جو ۱۱ اور ۱۱ سال سے کم عمر کے بچوں کے لیے ہیں دوسرے، ابتدائی کے بعد کے مدرسے جو ۱۱ سال سے زاید عمر کے بچوں کے لیے ہیں۔ ایک قانون منظور کیا گیا ہے اور جو ۱۹۳۹ء میں عمل میں آئے گا جس میں مدرسہ چھوڑنے کی عمر کو بعض مستثنے صورتوں کے علاوہ، بڑھا کر پندرہ سال کردیا گیا ہے۔ ۱۹۱۸ء کے بعد سے، ثانوی تعلیم اور نئی تعلیم میں بھی بہت ترقیاں ہوئی ہیں اور حال کی ایک رپورٹ میں اور زیادہ اہم تبدیلیوں کی سفارش کی گئی ہے۔

۶۔ فراہمی مکان

رہائشی مکانوں کی تعمیر جنگ کے سالوں میں تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ ہنگامی صلح پر دستخط ہو جانے کے بعد، ان کی کمی کو محسوس کیا گیا، اور حکومت کو مداخلت کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ ۱۹۱۹ء میں ایڈیسن کی اسکیم نے مقامی حکومتوں کے ذمے یہ فرض عاید کیا کہ وہ اپنے علاقوں میں ضروری مکانوں کو مہیا کریں۔ فراہمی مکان کے لیے ایک پینی کی شرح محصول لگائی گئی اور بقیہ کی فراہمی کی ضمانت حکومت نے کر لی، بعد کے ایک قانون نے ان خانگی اشخاص کو ایک مقررہ زمانے کے اندر اندر ایسا مکان بنائیں جس کی لاگت ایک ہزار پونڈ سے زیادہ نہ ہو دو سو پچاس پونڈ تک کی امداد دینا منظور کیا۔

ایڈیسن کی اسکیم کو، اس کے گراں بار مصارف کی وجہ سے جیڈز کی کفایتی کمیٹی، "تخفیف" کی زد میں لے آئی اور حکومت نے ایک نئی پالیسی کو شروع کیا۔ چانڈ کی اسکیم کے تحت، حکومت نے بیس سال کی مدت کے لیے فی مکان، ایک مقررہ سالانہ رقم، ادا کرنے کا انتظام کیا۔ اس طرح بوجھ کا ایک بڑا حصہ مقامی حکومتوں پر ڈال دیا گیا۔ لیکن اس نئی پالیسی میں ۱۹۲۴ء کے وہیٹلے ایکٹ کے ذریعے ترمیم کی گئی جس کے تحت مقامی حکومتوں کے لیے حکومت کی امداد، مقدار اور مدت، دونوں لحاظ سے بڑھا دی گئی۔

۱۹۲۵ء کے فراہمی مکان کے قانون کے تحت، مقامی حکومتوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ مالکوں کو ایسے مکانات بنانے کے لیے مجبور کریں جو مقامی میڈیکل افسیر آف ہیلتھ کے مقرر کردہ معیاروں کے مطابق، رہایش کے لائق ہوں اور غیر صحت بخش اور رکاوٹ ڈالنے والے مکانوں کو بند کرنے اور گرانے کے لیے احکامات جاری کر دیں۔ ہر مقامی حکومت کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ غیر صحت بخش علاقوں کی تعمیر نو کے لیے اسکیمیں تیار رکھیں اور مزدور طبقے کے مکانات کے لیے جن کی وقتاً فوقتاً ضرورت ہوتی رہتی ہے، ضروری رقم مہیا کریں۔

۱۹۲۶ء میں، دیہی مزدوروں کے لیے فراہمی مکان کا قانون منظور

کیا گیا تاکہ ان جھونپڑوں کو جن میں زراعتی مزدور رہتے ہیں، آرام اور صفائی کے جدید معیار کے مطابق رکھا جاسکے اور اس کے بعد سنہ ۱۹۳۵ء میں فراہمی مکان کا ایک جامع قانون بنایا گیا تاکہ اول تو مکانوں کے زاید اجتماع کو ایک لایق سزا جرم بنایا جاسکے، دوسرے، فراہمی مکان کی تمام موجودہ امدادوں کو یکجا کیا جاسکے اور تیسرے اس بات کا انتظام کیا جاسکے کہ مزدوروں کے تنگ و تاریک محلوں کی صفائی کے مصارف کا ۲/۳ حصہ حکومت اور ۱/۳ حصہ مقامی حکومتیں ادا کریں۔

۴۔ نقل و حمل

جنگ کے دوران میں، حکومت نے ریلوں پر قبضہ کر لیا تھا اور حصے داروں کو ایک خاص شرح سے منافع ادا کرنے کی ضمانت کر لی تھی۔ جب حکومت نے اپنی نگرانی کو واپس لیا تو ریلوں کے سامنے منافع کی خوش آیند توقعات نہیں تھیں۔ جنگ کے بعد کے حالات میں یوں تو ویسے بھی لازمی طور پر مشکلیں رونما ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ریل کے ڈبے اور انجن اور بعض صورتوں میں ریل کے مستقل راستے خراب ہو گئے تھے۔ کچھ لائنیں اور اسٹیشن بند کر دیے گئے تھے اور ان کو دوبارہ کھولنے کے لئے کوئی ترغیب موجود نہیں تھی۔ حکومت کا خیال تھا کہ کمپنیوں کو متحد کر کے اور انھیں ازسرنو تنظیم دے کر، زبردست کفایتیں کی جاسکتی ہیں۔ جنگ سے پہلے بعض لائنوں مثلاً ایل اینڈ وائی۔ آر اور ایل اینڈ این۔ ڈبلیو۔ آر کے درمیان سمجھوتے پائے جاتے تھے۔ حکومت نے سنہ ۱۹۲۱ء میں ریلوے کا قانون منظور کیا جس نے انگلستان، ویلز اور اسکاٹ لینڈ کی ریلوں کو چند گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان گروہوں کو جولائی سنہ ۱۹۲۳ء تک چار بڑے اتحادوں میں شامل ہو جانا چاہئے تھا۔ یہ گروہ بندی زیادہ تر اختیاری طور پر مقررہ تاریخ سے پہلے ہی رونما ہو گئی مثلاً ایل۔ اینڈ ایس۔ ڈبلیو نے ایل۔ اینڈ وائی۔ آر۔ کو جذب کر لیا جس کے حصہ داروں نے ایل۔ اینڈ وائی کے حصوں کی جگہ اس متحدہ کمپنی کے حصے لے لئے۔ اس میں پھر مڈلینڈ ریلوے اور دوسری چھوٹی پٹریاں شامل ہو گئیں اور یہ مل کر لنڈن مڈلینڈ اینڈ اسکاٹش ریلوے بن گئیں۔ دوسرے بڑے گروہ لندن اینڈ نارتھ ویسٹرن اور گریٹ ویسٹرن ریلوے کے بنے اور چوتھا گروہ سدرن ریلوے کا بن گیا۔

سنہ ۱۹۲۱ء کے ایکٹ میں ایک دفعہ یہ رکھی گئی تھی کہ ریلوں کو اتنی معیاری آمدنی

ضرور ملنا چاہیئے جو جنگ سے قبل کے آخری سال کے برابر ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے، ریل کے کرایوں کو مقرر کرنے کی غرض سے، ریلوں کے شرح کرایہ کی ایک ثالثی عدالت قایم کی گئی۔ اس ثالثی عدالت کے فرایض حسب ذیل تھے۔ اول ریلوے اور نہر کے کمیشن کے کاموں کو اپنے ذمے لینا، دوسرے کمپنیوں کی طرف سے کرایے کے جو جدول پیش ہوں ان پر غور کرنا اور تیسرے نقل وحمل کے وزیر کے سامنے ایک سالانہ رپورٹ پیش کرنا۔

اجرتوں اور ملازمت کے حالات پر نگرانی رکھنے کے لیے ایک مرکزی مجلس اجرت قایم کی گئی۔ اور اختلافی معاملات کے لیے، قومی مجلس اجرت کے سامنے اپیل کا انتظام کیا گیا۔ اس مجلس میں کمپنیوں اور ریل کے ملازموں کی نمایندگی برابر برابر ہوتی تھی۔ علاقہ وار کونسلیں بھی قایم کی گئیں جن کے ذریعے ریل کے ملازم، ریل کے منتظموں پر اثر ڈال سکتے تھے۔

لیکن مابعد جنگ کی ریلوں کی تاریخ کا مرکز ومحور دراصل وہ مقابلہ ہے جو ریلوں اور سڑکوں پر موٹر کے ذریعے نقل وحمل کے درمیان ہوتا رہا۔ سنہ ۱۹۱۴ء تک سڑکوں پر موٹر کے ذریعے نقل وحمل کا جو کام کیا جاتا تھا اس پر دقیانوسی قواعد وضوابط کی پابندیاں لگی ہوئی تھیں۔ لیکن سنہ ۱۹۱۹ء میں نقل وحمل کی ایک وزارت، سڑکوں اور ان کے استعمالوں کو ترقی دینے کے لیے قایم کی گئی۔ مابعد جنگ ابتدائی سالوں میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ریل اور سڑک کے ذرایع نقل وحمل ایک دوسرے کی خدمات کی تکمیل کرتے ہیں۔ لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ سڑکیں، ریلوں کی باجگزار بن کر کام کریں گی اور ان کی یہ صلاحیت اس نقصان کی کافی سے زیادہ تلافی کر دے گی جو مختصر فاصلے کی آمد ورفت کے ریلوں سے منحرف ہوکر سڑکوں پر چلے جانے کی وجہ سے رونما ہوگا۔

لیکن سڑکوں پر موٹر کے ذریعے نقل وحمل کو جو تیزی کے ساتھ ترقی ہوئی اُس کے نتایج بہت مختلف برآمد ہوئے۔ یہ دونوں خدمتیں ایک دوسرے کی معاون نہیں بلکہ بہت زیادہ حریف ثابت ہوئیں۔ مسافروں اور مال کی ایک بہت زیادہ مقدار ریلوں کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور سنہ ۱۹۲۵ء سے ریلوں کا مستقبل قوم کے لیے ایک اہم مسئلہ بنا ہوا ہے۔ سڑکوں کے ذریعے نقل وحمل کرنے والی کمپنیوں پر پابندیاں

لگانے کے لیے نقل وحمل کے قوانین منظور کئے گئے ہیں اور ریلوں کی کمپنیوں کو اس بات کی اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ یا تو سڑکوں پر براہ راست نقل وحمل کا کام شروع کرسکتی ہیں یا بالواسطہ طریقے پر نقل وحمل کی کمپنیوں میں حصے خرید کر اس کام کو کرسکتی ہیں لیکن اس مسئلے کو ابھی تک حل نہیں کیا جاسکا ہے۔

غالباً اس مسئلے کا سب سے اہم عنصر یہ ہے کہ نہایت گراں بار بالائی اخراجات ریلوں کی کامیابی میں ایک سنگ راہ بنے ہوئے ہیں۔ ریلوے کمپنیوں کو اپنے مستقل راستے بنانا اور قایم رکھنا پڑتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں سڑکوں پر نقل وحمل کا کام کرنے والی کمپنیاں، ان سڑکوں سے کام لیتی ہیں جنھیں کل قوم تعمیر کرتی اور اچھی حالت میں رکھتی ہے۔ چنانچہ ریلوے کمپنیوں کے لیے، اپنے گراں بار بالائی اخراجات کی وجہ سے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ سڑک کے نقل وحمل کے ساتھ کامیاب مقابلہ کرسکیں۔

۸۔ زراعت، سنہ ۱۹۱۴ء سے عالمی کساد بازاری تک۔ جنگ سے قبل کے گزشتہ چالیس سالوں میں انگلستان کی زراعت، بہت پست حالت میں رہ چکی تھی انگلستان کے کسانوں کو زراعت کی عظیم کساد بازاری سے پنپنے کا موقع کبھی بھی نہیں ملا تھا اور محاصل موت نے بڑی جایدادوں کے اندر تقسیم کا رجحان پیدا کر دیا تھا۔ کیونکہ اکثر صورتوں میں، محاصل کو ادا کرنے کے لئے، زمین کو فروخت کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ بڑے زمینداروں کے لیے اب اس کا امکان کم ہو گیا تھا کہ اپنے زراعتی کام کو ایک قسم کا تفریحی شغلہ سمجھیں اور اپنے کسانوں کو اونی شرح سود پر سرمایہ قرض دیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہماری بہت سے قابل زراعت زمینوں سے اب مستقل طور پر گھاس اگانے ہی کا کام لیا جاتا رہے گا۔

جرمنی کے خطرے نے جنگ کے زمانے میں ان سب باتوں کو بدل دیا تھا۔ جنگ کے شروع ہی میں یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہوگی کہ اپنی سمندر پار کی فوجوں اور وطن کی آبادی کے لیے کس طرح غذا کو مہیا کیا جائے۔ جوں جوں جنگ آگے بڑھتی گئی، جرمنی کی غوطہ خور کشتیوں کا خطرہ روز بروز زیادہ خوفناک ہوتا چلا گیا اور تھوڑے عرصے کے لیے ہماری حالت بہت تشویش ناک

اور پر خطر ہوگئی۔ چنانچہ غلے کی وطنی پیداوار کو اس حد تک ترقی دینا ضروری ہوگیا جسے امن کے زمانے میں غیر معقول یا ناممکن سمجھا جاتا۔ اور اس بات کا امکان محض سرکاری امداد، ترغیب اور نگرانی کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ زراعتی کساد بازاری کی جگہ زبردست خوش حالی کا دور دورہ ہوگیا۔ قلت رسد عام تھی، قیمتیں گراں تھیں اور ملک کے اندر حقیقی احتیاج کے رونما ہونے کا خدشہ تھا۔ لیکن ہماری وسیع اور قریبی طور پر مجتمع آبادی کے لیے، غذا مہیا کرنے کے سلسلے میں، جس بنا پر ہمارے کسانوں کی انتہائی کوششیں ناکافی ثابت ہو رہی تھیں ٹھیک اسی بنا پر ہمارے کسانوں کو کافی نعم البدل اس کساد بازاری کا مل رہا تھا جس سے وہ خود گزر چکے تھے۔

لیکن کسانوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ یہ گرم بازاری اس وقت ختم ہوگئی جب غلے کی کثیر پیدائش کی ضرورت باقی نہ رہی اور غلہ آسانی سے درآمد کیا جانے لگا۔ کسانوں کی حالت بہت نازک تھی کیونکہ ان میں سے بہت سوں نے اپنے کھیتوں کو گرم بازاری کے دور میں بڑی قیمتیں ادا کر کے خریدا تھا اور اس وجہ سے ان پر گراں شرح سود کا بڑا بوجھ لدا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ پیدائش کے دوسرے مصارف خصوصاً اجرتیں قبل از جنگ کے سالوں کے مقابلے میں بہت بڑھ گئی تھیں اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۹۲۰ء اور سنہ ۱۹۳۰ء کے درمیان، زراعتی زمین کا ایک بہت بڑا رقبہ چراگاہ میں منتقل کر دیا گیا۔ اس زمانے میں حکومت نے کسانوں کو امداد دینے کی کم سے کم دو کوششیں کیں۔ ایک تو عشر کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے قدم اٹھایا گیا اور سنہ ۱۹۲۹ء کے مقامی حکومت کے قانون کے ذریعے، زراعتی زمین اور ان عمارتوں پر جو محض زراعتی مقاصد کے لیے استعمال ہوتی ہیں محاصل کی شرح اڑا دی گئی یعنی انھیں مقامی محاصل کی ادائی سے مستثنے کر دیا گیا۔ محاصل کی منسوخی نے بلاشبہہ ایک حد تک کسانوں کو امداد دی لیکن اس سے زراعت کے اصل مسئلے کا کوئی حل نہیں نکلا۔

۹۔ صنعت، سنہ ۱۹۱۴ء سے کساد بازاری تک۔

اب ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ جنگ اور اس کے بعد کے زمانے کے صنعتی اتار چڑھاؤ پر ایک مختصر تبصرہ کریں۔ جنگ کی ابتدا میں، بعض حلقوں میں یہ امید

قایم کی گئی تھی کہ "کاروبار حسب معمول" کی پالیسی پر عمل کیا جا سکے گا۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ بات ناگزیر نظر آنے لگی کہ جنگ کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے ایسی قربانیاں کرنا پڑیں گی جن کا کبھی خواب و خیال میں بھی تصور نہیں کیا گیا تھا۔ اس وقت حکومت کی طرف سے، صنعت پر ایک حد تک نگرانی قایم کرنا ناگزیر سمجھا گیا چنانچہ کچھ صنعتوں کی قصداً ہمت شکنی کی گئی اور کچھ کو کساد بازاری کے دور سے گزرنا پڑا۔ سرمایہ اور محنت پر روز افزوں طریقے پر اس طرح براہ راست قبضہ کیا جانے لگا کہ ان سے یا تو جنگی مقاصد کو پورا کرنے یا ضروریات کی پیدایش کا کام لیا جا سکے۔

حکومت نے ان رقموں کو جو اسے، یا تو غیر ملکوں کے ہاتھ، سونے کے زر کو فروخت کرنے یا محاصل عاید کرنے یا قرض لینے کی وجہ سے حاصل ہوئیں، سب سے اول نبرد آزما فوجوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے صرف کیا۔ انگلستان غذا کے معاملے میں خود مکتفی نہیں ہے۔ پھر ایک عرصے تک سپاہیوں کو اس پیمانے پر غذا دی جاتی رہی جو انھی آدمیوں کو امن کے زمانے میں کبھی نہیں ملتی۔ اعلیٰ قسم کے کپڑے کی بھی ضرورت تھی۔ ابھی تک کام صرف اس قدر کرنا تھا کہ زیادہ مقدار میں غذا اور کچے مال کو درآمد کیا جائے اور کپڑوں خصوصاً اونی کپڑوں کو زیادہ شدت کے ساتھ تیار کیا جائے۔ جنگ کے لیے جو اسلحہ ضروری تھے ان کے لیے بالکل ایک نئی صنعت کو نہایت حقیر ابتدائی منزل سے شروع کرنے کی ضرورت تھی۔ شورے کے ملکوں اور دوسرے کچے مالوں کو درآمد کرنا ضروری تھا۔ دوسری طرف اسلحہ سازی کے بڑے کارخانوں کی تعمیر اور ساز و سامان میں بہت روپیہ لگانے کی ضرورت تھی۔ ذمہ داری کے کاموں کے لیے ماہر کیمیا دانوں کی ضرورت تھی اور جوں جوں وقت گزرتا گیا، جنگی آلات اور جنگی رسدوں کو روز بروز زیادہ مقدار میں تیار کرنے کی ضرورت ہوئی۔ قومی وسائل کو اسلحہ سازی کے نئے کارخانوں میں مجتمع کر دیا گیا۔

ایک حد تک ان ضروری وسائل کو منتقلی کے ذریعے حاصل کیا گیا۔ جب بعض صنعتوں کی حوصلہ شکنی کی گئی تو ان میں جو سرمایہ اور محنت پہلے سے لگے ہوئے تھے وہ اسلحہ سازی کی طرف منتقل کر دیے گئے۔ لیکن نئے سرمائے اور محنت کی نئی مقدار سے بھی خاصا کام لیا گیا۔ حکومت کی طرف سے جنگ کو جاری رکھنے کے لیے قرض کی جو اپیلیں کی گئیں ان پر حب الوطنی کے جذبے کے ماتحت اور امن کے زمانے

کی آسائشوں کی قلت رسد سے مجبور ہو کر خوب صدائے لبیک کہی گئی۔ دوسری طرف محاصل کا بار بھی خوب بڑھایا گیا۔ بہت سے مرد اور خصوصیت کے ساتھ بہت سی عورتیں بھی جنھوں نے پہلے پیدایش دولت کے کام بہت کم کیے تھے یا ان کاموں کو کم رفتار کے ساتھ کیا تھا، ان کے کام کی رفتار یا تو حب الوطنی یا زیادہ اجرتوں کے لالچ کی وجہ سے تیز تر ہوگئی۔ جو لوگ میدان جنگ کی خدمات سے پنشن پاکر واپس ہوئے، انھوں نے اس جماعت کی خدمت دوبارہ شروع کردی جس نے اپنے سب سے زیادہ طاقتور عناصر کو ملک کے باہر روانہ کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ رضاکارانہ کاموں کی بھی ایک بڑی مقدار موجود تھی جس کی اہمیت بظاہر بہت کم معلوم ہوتی تھی لیکن اس کا مجموعی اثر یقیناً خاصا رہا ہوگا۔

اس ملک کی صنعت کی ساخت میں تیزی کے ساتھ اور قابل لحاظ حد تک تبدیلی واقع ہوئی۔ قومی دفاع کی زیادہ اہم ضرورت کے پیش نظر، بہت سی ان صنعتوں کو قربان کرنا پڑا جنھیں امن کے زمانے میں بیش بہا سمجھا جاتا ہے۔ جنگ کے جاری رکھنے کے لیے جو صنعتیں ضروری تھیں ان کی خوش حالی اس درجے پر پہنچی ہوئی تھی جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

جنگ کے بعد واپس شدہ سپاہیوں اور جہازرانوں کو دوبارہ اپنے اصلی مشغلوں سے لگانا ضروری تھا اور اکثر صورتوں میں اپنے پرانے روزگار کو دوبارہ اختیار کرنا انھیں بہت مشکل نظر آیا۔ وہ بالکل نئے حالات کی طرف واپس ہو رہے تھے۔ تھوڑے عرصے تک بہت ابتری رہی جس میں اس وجہ سے اور اضافہ ہوگیا کہ اسلحہ کے کارخانوں کی اہمیت زایل ہوگئی اور اکثر صورتوں میں ان کو قطعی طور پر بے کار کردینا پڑا۔ لیکن جلد ہی وہ صنعتیں جو کسی نہ کسی طرح جنگ کے زمانے میں اپنے وجود کو قایم رکھ سکی تھیں ترقی کرنے لگیں۔ دنیا کو جسے اس کے تعیشات سے، بہت سالوں تک محروم رکھا گیا تھا، اب اپنی طلب کو موثر بنانے کا زیادہ موقع ملا اور آہستہ آہستہ پیدایش دولت کے کام نے اپنی امن کے زمانے کی شکل کو دوبارہ اختیار کرنا شروع کردیا۔ یعنی اب خصوصیت کے ساتھ وہ چیزیں پیدا کی جانے لگیں جن کی تاجروں کو اپنے گودام بھرنے کے لیے

ضرورت تھی اور جن سے وہ اب تک جنگی مطالبوں کی وجہ سے دست کش رہے تھے۔ مصنوعات کی طلب بہت شدید ہوگئی اور صنعت میں ایسی گرم بازاری پیدا ہوئی جس کا مقابلہ جنگ سے پہلے کے نہایت ہنگامہ خیز پیدائش دولت کے سالوں سے کیا جا سکتا تھا۔ روئی اور موٹر کی صنعتوں میں، مثال کے طور پر، محنت اور سرمایہ، آسانی کے ساتھ، جذب کر لیے گئے اور پھر بھی دنیا برطانیہ کے موٹروں کو حاصل کرنے کے لیے چیختی چلاتی رہی۔ جرمنی کا مقابلہ عارضی طور پر، بلاشبہ بے دست و پا ہو گیا تھا۔ گھبرائے ہوئے خریداروں نے لنکا شائر کے سوتی کارخانوں کے لیے بہت زیادہ قیمتیں پیش کیں اور عاقبت اندیش مالکوں نے ان کو قبول کر لیا۔

اس بحرانی مصروفیت کا نتیجہ صرف ایک ہی نکل سکتا تھا جیسا کہ ایسی صورتوں میں اکثر ہوتا ہے، صنعتی فضا میں، بے انتہا رجائیت کا ایک ایسا جذبہ پیدا ہو گیا تھا جس کی کوئی وجہ جواز موجود نہیں تھی۔ مال کی بھوکی دنیا، مال کا مطالبہ کر رہی تھی لیکن اس کی اشتہا میں سیری پیدا ہونا شروع ہو گئی جاپان کے کچھ تاجروں نے برطانیہ کے مال کی فرمائشوں کو مسترد کر دیا اور اعتبار ختم ہو گیا۔ اس گرم بازاری کے لیے ایک حد تک ٹھوس بنیاد ضرور موجود تھی اور یہ بات ایسی جنگ کے بعد جس میں تجارت کی معمولی راہوں میں ابتری پیدا ہو گئی ہو، ناگزیر بھی تھی۔ لیکن صناعوں نے، جنھیں یک بارگی دولت مند بن جانے کے لالچ نے لبھایا تھا اور جن کی خوش حالی کا سبب ایک حد تک کم قدر کاغذی نوٹ اوروں کے نتیجے کے طور پر مائل بہ ترقی قیمتیں تھیں، یہ محسوس کیا کہ وہ ناقابل اعتبار زمین پر کھڑے ہوئے ہیں اور دیوالوں کی ایک وبا پھیل گئی

سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد جو سال آئے انھوں نے گرم بازاری کے حالات کا مشاہدہ دوبارہ نہیں کیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء تک کچھ سال، دوسرے سالوں سے نسبتہً بہتر رہے لیکن بے روزگاروں کی زبردست فوج کا بھوت برابر اپنا سایہ ڈالتا رہا۔

سنہ ۱۹۲۰ء اور سنہ ۱۹۳۰ء کے درمیان، برطانیہ کی حقیقی برآمد کی مقدار، خصوصاً روئی کی صنعت میں مسلسل گھٹتی رہی۔ دوسری طرف درآمد کی مقدار، خصوصاً سامان

غذا کی درآمد میں، اسی قدر نمایاں اضافہ ہوتا رہا۔

لیکن ان سالوں میں برطانیہ کی پیداوار کی مقدار میں کمی اس نسبت سے نہیں ہوئی جس نسبت سے کہ ہماری برآمدی تجارت میں کمی ہوئی تھی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۹ء کے بعد سے ہم نے پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ مال اپنے وطن کے لوگوں کے استعمال کے لیئے تیار کیا۔ درآمد کی مقدار میں جو اضافہ ہوا اس کی توجیہ اس واقعے کے ذریعے کی جاتی ہے کہ نوآبادیوں اور غیر ملکوں کے کچے مال کی قدر میں کمی ہو گئی تھی۔ اس لیے ان سالوں میں سنہ ۱۹۱۳ء کے مقابلے میں برآمد کی ایک مقررہ مقدار کے معاوضے میں، اٹھارہ فی صدی زاید، سامان درآمد کو خریدا جا سکا۔ اس کے علاوہ ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ معیار زندگی میں ایک عام بلندی رونما ہو گئی۔

سنہ ۱۹۲۸ء اور سنہ ۱۹۳۱ء کے درمیان، بے روزگاری کے اعداد میں جو مسلسل اضافہ نظر آتا ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہماری خاص خاص برآمد کرنے والی صنعتوں کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ ان کے مقابلے میں اس قسم کی صنعتوں کے تیزی سے ترقی پا جانے کی وجہ سے جیسی کہ مصنوعی ریشم، موٹر اور بجلی کی صنعتیں ہیں اور جو زیادہ تر وطن کے بازار کے لیے مال تیار کرتی ہیں، نقصان کی ایک حد تک تلافی ضرور ہوئی ہے۔ اسی طرح محنت کی اس نئی طلب کی وجہ سے بھی جو سڑکوں پر نقل و حمل کے کام کے ترقی پا جانے کی وجہ سے رونما ہوئی ہے صورت حال کچھ بہتر ہو گئی ہے۔

۱۰۔ تجارت

جنگ کے زمانے میں، جرمنی کی غوطہ خور کشتیوں کا بڑا غلبہ رہا ہمارے دشمنوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا کہ ہم چونکہ دور افتادہ جزیروں کا ایک مجموعہ ہیں، اس لیے اگر ہماری بحری برتری کو، ہماری تجارتی راہوں پر حملہ کر کے ختم کر دیا جائے گا تو ہمارے عالمی اقتدار کے باوجود، ہمیں آسانی سے شکست دی جا سکے گی۔ اس حملے کو اس قدر اہم اور ہماری بحری قوت کو برباد کرنے کے اثر کو اس قدر زبردست سمجھا گیا کہ اس کی خاطر امریکا کے جنگ میں شریک ہو جانے کے خطرے کو بھی ارادۃً جھیلا گیا۔ اس جوے میں جرمنی ہار گیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا جنگ میں شامل ہوا لیکن کشمکش سخت رہی اور بعض موقعوں پر ہماری حالت خطرناک ہو گئی۔ غرض، جنگ

کے زمانے میں، جس حد تک، جرمنی کی غوطہ خور کشتیوں کی مہارزت طلبی کو کامیابی کے ساتھ قبول کیا جا سکتا تھا، اس حد تک ہماری تجارت تقریباً بلا شرکت غیرے ضروریات اور سامان جنگ کے منتقل کرنے تک محدود رہی۔ انگلستان پر اس کا اثر یہ ہوا کہ ان چیزوں کی قیمتیں جو پوری طرح ضروریات میں داخل نہیں تھیں اور جنھیں باہر سے منگانا پڑتا تھا، بے انتہا ترقی کر گئیں اور ایسی چیزیں جیسے کہ ٹین کا بنا ہوا شیشہ یا بعض کیمیاوی آلات وسامان ہیں۔ یہ تو دستیاب ہی نہ ہو سکتی تھیں کیونکہ ان پر دشمن ملکوں کو تقریباً اجارہ حاصل تھا۔ اس کے علاوہ، ایسی چیزوں کی قیمت بھی جیسے کہ شکر ہے، بہت بڑھ گئی۔ جنگ سے پہلے ان کی رسد، زیادہ تر جرمنی سے یا فرانس کے ان صوبوں سے جو جنگ کی وجہ سے برباد ہو گئے تھے یا ویسٹ انڈیز سے، جہاں سے نقل وحمل کا کام دشوار اور خطرناک ہو گیا تھا، حاصل کی جاتی تھیں۔

جنگ کے فوراً بعد، ہماری تجارت کے لیے کچھ زیادہ امید افزا مواقع نظر نہ آتے تھے۔ ہمارے تجارتی بیڑے کے بہت بڑے حصے کو غوطہ خور کشتیوں نے ڈبو دیا تھا۔ اس لیے جہازوں کی بہت کمی ہو گئی تھی اور جہاز کے کرایوں کی شرح بہت بڑھی ہوئی تھی۔ لیکن جنگ کے زمانے میں بیمے کے جو بے انتہا مصارف برداشت کرنا پڑتے تھے ان کا سلسلہ اب ختم ہو گیا تھا۔ معیاری جہازوں کو کثیر تعداد میں بنانے کی جو اسکیمیں تیار کی گئیں، انھوں نے عملی جامہ نہ پہنا اور ہمارے تاجروں کو انھی نئے جہازوں پر قناعت کرنا پڑی جو پرانے جہازوں کی جگہ آہستہ آہستہ وجود میں آئے۔ مابعد جنگ کے سالوں میں، ہمارے نقائص کو آہستہ آہستہ دور کیا گیا اور کرایے کی شرحیں بھی آہستہ آہستہ کم کر دی گئیں۔

لیکن اس کے باوجود، برطانیہ کی جہازرانی کساد بازاری سے نہ نکل سکی جنگ کے بعد سے جہاز سازی کے تمام مرکز پست حالی میں مبتلا ہیں۔ اس کے مختلف وجوہ پیش کیے جاتے ہیں لیکن سب سے اہم یہ ہے کہ بین الاقوامی تجارت کی مقدار بصورت مجموعی گھٹ گئی ہے جس کی وجہ سے بحری نقل وحمل کی صنعت کو ایک سخت صدمہ پہنچا ہے۔

۱۱۔ عالمی کساد بازاری

عالمی کساد بازاری، ۱۹۲۹ء میں، امریکا کی تجارتی

گرم بازاری کے خاتمے پر شروع ہوئی۔ امریکا کے تمسکات کی قیمتوں میں ۱۹۳۰ء میں جو سنسنی خیز زوال رونما ہوا، اس نے اُن ملکوں میں جو کچا مال برآمد کرتے تھے، مصنوعہ اشیا کی طلب کو شدت کے ساتھ کم کر دیا اور کاروبار میں نئے سرمایے کا اضافہ جس رفتار کے ساتھ ہر جگہ ہو رہا تھا اس پر بھی اس کا بہت خراب اثر پڑا۔ کیونکہ قیمتوں کی سطح میں جس تیزی کے ساتھ زوال ہو رہا تھا اس نے نقد پذیر سرمایے کو صنعت سے نکال کر سود ادا کرنے والے تمسکات میں لگوا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ اور امریکا میں، بے روزگاری کی ترقی کی رفتار خطرناک ہو گئی۔ بے روزگاری کے اعداد و شمار برطانیہ عظمیٰ میں، ۱۹۳۰ء کے دوران میں، دُگنے ہو گئے اور جرمنی اور ریاستہائے متحدہ میں صورت حال اس سے بھی زیادہ خراب ہو گئی۔

اس غیر معمولی بے روزگاری کے بعد، منافعوں اور اجرتوں میں زوال ہوا۔ مصارف عامہ کا بوجھ ناقابل برداشت نظر آنے لگا اور جہاں موازنے میں توازن پیدا کیا گیا وہاں قوم کو بڑی زبردست قربانیاں کرنی پڑیں۔ اول آسٹریلیا پھر برازیل اور بعد میں برطانیہ عظمیٰ کو مجبوراً سونے کا معیار ترک کرنا پڑا اور چونکہ ان حالات میں بین الاقوامی جنگی قرضوں پر سود اور تاوان ادا کرنا ناممکن تھا اس لئے ریاست ہائے متحدہ کا صدر، جنگی قرضوں اور تاوان کے سلسلے میں ایک عام التوائے قرض کو شروع کرنے کیلئے مجبور ہو گیا۔

عالمی کساد بازاری کے بارے میں، جو انیسویں صدی کے خال خال وقتی بحرانوں سے بہت سی باتوں میں مختلف ہے، بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ ہی تنہا وہ ملک ہے جس میں اس کساد بازاری سے پہلے گرم بازاری کا دور دورہ رہ چکا تھا۔ چنانچہ اس کی جو توجیہیں کی گئی ہیں ان میں ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ اس ملک میں جو زاید تخمین کی گئی وہی اس کا سبب ہے۔ لیکن جو دلیلیں زیادہ عام ہیں وہ حسب ذیل عوامل کو اس کا سبب قرار دیتے ہیں:۔ بنک کاروں کی ضرورت سے زیادہ قدامت پسند پالیسی۔ سونے کے معیار کے بعض نقایص۔ بعض اشیا کی پیداوار میں غیر متناسب اضافہ۔ ضرورت سے کم صرف۔ ضرورت سے زاید پس اندازی۔ بنکوں کا یہ رجحان کہ انھوں نے قدرتی شرح سود سے جس کا تعین سرمایے کی طلب اور حقیقی پس اندازیوں کی رسد کے ذریعے ہوتا ہے، کم شرح پر روپیہ قرض دیا۔ دوسرا

دبستان خیال مندرجہ ذیل باتوں کو مورد الزام قرار دیتا ہے:۔ تجارت پر مصنوعی پابندیاں جنھیں معاشی قومیت کے ایک تنگ نظر جذبے نے پیدا کیا۔ صنعت میں مشین کا ضرورت سے زیادہ تیز رفتار کے ساتھ رواج جس کا سبب یہ تھا کہ حال میں، پیدائش کے طریقوں میں، سائنس کے اصولوں کو شدت کے ساتھ استعمال کیا جانے لگا تھا۔

ان دلیلوں کا سختی کے ساتھ تجربہ کرنا ہماری اس کتاب کے حدود سے باہر ہے۔ ہر دلیل کو مسلم اور مستند اشخاص کی حمایت حاصل ہے اور بلا شبہہ ان کے اندر حقیقت کا کچھ پہلو ضرور موجود ہے۔ غالباً کوئی ایک سبب پورے واقعات کی توجیہ نہ کر سکے گا۔ لیکن ایک بات یقینی ہے اور وہ یہ ہے کہ انیسویں صدی کے گرم بازاری اور کساد بازاری کے دور کے بجنسہ مشابہ نہ تو عالمی کساد بازاری کو قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ بعد جنگ کے ابتدائی سالوں کے آثار چڑھاؤ کو۔ بعد کی ایک فصل میں، تفصیل کے ساتھ، بعض ان عوامل کا جائزہ لیا جائے گا جنھوں نے انیسویں صدی کے خاتمے کے بعد سے معاشرے کی معاشی ساخت کو تبدیل کر دیا ہے اور جن سے مابعد جنگ کے معاشری جھگڑوں پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

۱۲۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں، انگلستان کے اندر بحران۔

بے روزگاری کے بیمے کے لیے روپے کی فراہمی کی روز افزوں مشکلات نے، برطانیہ کی حکومت کو، سنہ ۱۹۳۱ء کے آغاز کے قریب، خوفزدہ کرنا شروع کر دیا۔ اس سال مئی کے مہینے میں ایک کمیٹی کا تقرر کیا گیا جس کے سر جارج مے صدر تھے۔ اور اس کے ذمے دو کام سپرد کیے گئے۔ مصارف عامہ کی پوری موجودہ حالت پر غور کرے اور وزیر مالیات سے خرچ میں شدید کفایتیں کرانے کی سفارشیں کرے۔

رپورٹ جو جولائی میں شائع ہوئی اس میں دفاعی افواج اور معاشری خدمات کے ضمن میں ۹ کروڑ ۶۵ لاکھ پونڈ کی کفایتوں کی سفارشیں شامل تھیں جن خاص تبدیلیوں کی سفارش کی گئی وہ حسب ذیل تھیں:۔ بری بحری اور فضائی فوج کو نئی شرح سے تنخواہ ادا کی جائے۔ پولیس کی تنخواہ میں ساڑھے بارہ فی صدی تخفیف کی جائے۔ مدرسوں کی تنخواہ میں بیس فی صدی کمی کی جائے بے روزگاری کے بیمے کے

مصارف میں بیس فی صدی کمی کی بھی تجویز کی گئی۔ ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی سفارشیں تھیں لیکن خاص کفایت، تعلیم اور بے روزگاری کے بیمے کے خرچ میں تجویز کی گئی تھی۔

ابھی مے کمیٹی غور و خوض ہی کر رہی تھی کہ معاملات نے نازک صورت اختیار کرلی۔ موسم گرما کے شروع میں، جرمنی میں، ایک مکمل مالیاتی ابتری رونما ہوئی۔ اس کا کچھ سبب تو جنگی تاوانوں کی ادائی ہوئی اور کچھ یہ ہوا کہ جس سرمایے کو باہر کے ملکوں سے صنعتوں کی از سرِ نو تعمیر کے لیے قرض لیا گیا تھا، اس کا سود ادا کرنا ناممکن ہو گیا۔ دیوالہ اور غالباً انقلاب کا سدباب کرنے کے لیے، انگلستان کے بنک کاروں نے جرمنی کو بڑی رقمیں قرض دیں تاکہ وہ اپنی اس ہنگامی ضرورت کو پورا کر سکے۔ بدقسمتی سے یہ قرض ان رقموں میں سے دیے گئے جنھیں امریکا اور فرانس نے، لندن میں بدامانت جمع کیا تھا۔ جب امریکا کے بحران نے وہاں کے بنک کاروں کو اپنی ان امانتوں کو واپس لینے کے لئے مجبور کیا اور انگلستان کو جرمنی کی طرف سے کوئی ادائی نہ ہوئی تو اس کے سونے کے محفوظ ذخیرے امریکا کی طرف بہنا شروع ہو گئے اس نقصان کی تلافی کرنے کے لئے، انگلستان نے فرانس اور امریکا سے قرض کی درخواست کی لیکن امریکا نے اس وقت تک قرض دینے سے انکار کیا کر دیا جب تک اس بات کی ضمانت نہ کی جائے کہ ہمارے موازنے میں توازن پیدا ہو جائے گا اور مصارف رواں کو پورا کرنے کے لئے زائد قرض لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس نے اپنی جگہ پر ایک سیاسی بحران پیدا کر دیا مزدور حکومت کی جگہ قومی حکومت قایم ہوئی جس کا انتخاب خاص طور پر قومی دیوالے کا تدارک کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود کہ یہ نئی حکومت امریکا سے آٹھ کروڑ پونڈ کا قرض لینے میں کامیاب ہوئی، انگلستان، سونے کا معیار ترک کرنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن جب موازنے میں، مے کی سفارشوں کو کچھ ترمیم کے ساتھ عاید کرنے کی وجہ سے، توازن پیدا ہو گیا، تو حالت میں کچھ سکون رونما ہوا۔ اور غیر ملکوں کی مختلف قسم کی درآمدوں پر محاصل کروڑگیری لگا کر، مخالف توازن تجارت کو درست کیا گیا۔

مابعد جنگ کی معاشی تاریخ میں، ہماری مالیاتی پالیسی کی جو کایا پلٹ ہوئی وہ ایک نہایت نمایاں واقعہ ہے۔ حالات کی منطق نے وہ کام کیا جس کے انجام

دینے میں، چیمبرلین کی خطابت ناکام رہ چکی تھی۔
حالات، اس میں شک نہیں، خاص طور پر موافق تھے۔ اس تبدیلی کو ایک ہنگامی تدبیر سمجھ کر، ان ہزاروں آدمیوں نے قبول کیا جو اب بھی عام اصول کی حیثیت سے، آزاد تجارت ہی پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں کفایت شعاری کی ایک دوسری یعنی رے کمیٹی کی رپورٹ نے مقامی حکومتوں کے مصارف میں اور زیادہ تخفیف کرنے پر زور دیا اور مقامی حکومتوں کو سرکاری امداد دینے کا جو طریقہ رائج تھا اس پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا۔

سنہ ۱۹۳۲ء کے دوسرے نمایاں واقعات حسب ذیل تھے:۔ پانچ فی صدی کے جنگی قرضوں کے تمسکات کا، اتنے ہی رقم کے ۳½ فی صدی کے تمسکات میں مبادلہ اور اٹاوا کا شہنشاہی معاہدہ جس پر اگست سنہ ۱۹۳۲ء میں دستخط کیے گئے۔ اس معاہدے کی قدر و قیمت کا اندازہ، مختلف نقادوں نے مختلف طریقے پر کیا ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر باقی رہتی ہے کہ اس سے شہنشاہیت کے مختلف اجزائے ترکیبی کے تعلقات کی تاریخ میں، ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس معاہدے کے نتیجے کے طور پر، مملکتوں اور نوآبادیوں کے مال پیدا کرنے والوں کو، برطانیہ کے بازار میں، وہ زیادہ سے زیادہ سہولت حاصل ہو گئی ہے جو انگلستان اپنے وطن کے مال پیدا کرنے والوں کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے اور برطانیۂ عظمیٰ کے مصارف زندگی کو نمایاں طور پر بڑھائے بغیر، دے سکتا تھا۔ اس کے بدلے میں نوآبادیوں اور مملکتوں کے بازار میں برطانیہ کی مصنوعات کے ساتھ زیادہ منصفانہ سلوک کیا جانے لگا۔ بنیاد رکھ دی گئی ہے جس پر آیندہ معاشی اشتراک عمل کو ترقی دینا ممکن ہو سکے گا۔

۱۳۔ تامین کی جانب واپسی سنہ ۱۹۰۶ء کے عام انتخاب کے بعد، لبرل جماعت کی معاشرتی اصلاح کے پروگرام نے، محصول کروڑگیری کی اصلاح کے مسئلے کو بہت سالوں کے لئے عملی طور پر ملتوی کر دیا اور یہ ایک اہم متنازعہ فیہ مسئلے کی حیثیت سے اس وقت تک دوبارہ نمایاں نہیں ہوا جب تک کہ سنہ ۱۹۲۳ء کے خاتمے پر اسٹینلے بالڈون بھی تامین کے مقصد کا ہم خیال نہیں بن گیا۔

لیکن جنگ اور اس کے اثرات نے، ہماری محصول کروڑگیری کی پالیسی میں کچھ ترمیمیں کرائیں۔ ۱۹۱۵ء کے شروع میں یہ بات سب پر ظاہر ہوگئی تھی کہ پیدائش دولت کی بعض شکلوں کو بنیادی صنعتیں سمجھنا ضروری تھا یعنی یہ ایسی صنعتیں تھیں جو جنگ کے زمانے میں ہماری زندگی کے لئے قطعی ناگزیر تھیں اسی سال سینما کے فلموں، گھڑیوں اور گھنٹوں اور موٹر کاروں پر آمدنی کی خاطر، میک کینا کے محاصل کو لگایا گیا۔ ان محاصل کو آزاد تجارت کے حامیوں نے ایک خطرناک نظیر سمجھا اور ان کی مخالفت کی۔ لیکن ۱۹۲۴ء تک انھیں موازنے کی قراردادوں کے ذریعے ہر سال لگایا جاتا رہا۔ ۱۹۲۴ء میں انھیں عاید نہیں کیا گیا اور یہ اس وجہ سے خودبخود منسوخ ہوگئے۔

اس بات کا ثبوت کہ جنگ کے خاتمے پر بھی، اس ملک میں آزاد تجارت کے اصول کو تسلیم کیا جاتا تھا، ان سفارشوں سے ملتا ہے جو اس کمیٹی نے کی تھیں جس کا تقرر تجارتی اور صنعتی پالیسی کی تحقیقات کرنے کے لئے کیا گیا تھا اور جس نے اپنی رپورٹ کو ۱۹۱۸ء میں حکومت کے ساتھ پیش کیا۔ اس کمیٹی نے نہ صرف عام محاصل کروڑگیری کی پالیسی کی مخالفت کی بلکہ اس نے مصنوعہ اشیاء پر محصول لگا کر آمدنی حاصل کرنے کی پالیسی کو بھی مذموم قرار دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی سفارش کی کہ ایسی صنعتوں کو تامین دی جائے جنھیں ایسے مال کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے (جسے غیر ممالک لاگت سے کم قیمت پر فروخت کر رہے ہوں)۔ اس کمیٹی نے یہ بھی مشورہ دیا کہ "کلیدی" صنعتوں کو بھی تامین دی جائے۔ ان سفارشوں کو ۱۹۲۱ء کے تحفظ صنعت کے قانون میں قبول کرلیا گیا۔ محاصل درآمد، ان اشیاء پر لگا دیے گئے جنھیں یا تو موجودہ جنگ کے لئے یا ہماری خاص قومی صنعتوں کی ترقی کے لیے لازمی سمجھا جاتا تھا۔ وطن کی صنعتوں کو، غیر ملکی غیر منصفانہ سابقت سے تحفظ دینے کے لئے، مجلس تجارت کو، وسیع اختیارات دیے گئے۔ برطانیہ کی ہر وہ صنعت جو اپنے آپ کو اتنا اہم ثابت کرسکے کہ اس کا شمار "کلیدی" صنعت میں کیا جائے اس بات کا حق رکھتی تھی کہ وہ غیر ملکی سابقت سے مخصوص تامین دیے جانے کے لیے درخواست دے اور مجلس تجارت اس قسم کی تامین دینا بہت سی صورتوں میں منظور کرلیتی تھی۔

۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۸ء کے درمیان تامین کی تحریک پس پشت پڑ گئی لیکن اس تاریخ کے بعد ہماری خارجی تجارت میں جو سخت زوال ہوا اس کی وجہ سے، محاصل کروڑگیری میں اصلاح کا مسئلہ پھر منظر عام پر آ گیا۔ اور ۱۹۳۱ء کے بحران نے اس مسئلے کو نزاع کی منزل سے بلند کر دیا۔ پہلی مارچ ۱۹۳۲ء کو، محاصل درآمد کے قانون کا نفاذ کیا گیا اور اس کے ذریعے برطانیہ عظمیٰ میں، تامین کے عام نظام کو جائز قرار دیا گیا اس قانون میں یہ شرط رکھی گئی کہ تمام ایسے غیر ملکی مال پر، جس پر پہلے سے کوئی محصول لگا ہوا نہیں ہے، دس فی صدی محصول لگایا جائے۔ البتہ وقتی طور پر، اشیاء کی ایک مختصر تعداد کو اس قانون سے مستثنیٰ رکھا گیا اور انھیں آزاد تجارت کی فہرست ہی میں شامل رہنے دیا گیا۔ وزیر مالیات کے مشورے سے، محاصل کروڑگیری کی ایک مشاورتی کمیٹی کا تقرر کیا گیا اور اس قانون میں مزید شرط یہ رکھی گئی کہ اگر محاصل کروڑگیری کی مشاورتی کمیٹی، کسی مال پر، دس فی صدی کے محصول کو ناکافی سمجھے تو اس پر اور زائد محصول لگایا جائے۔

ہماری محاصل کروڑگیری کی پالیسی میں جو تبدیلی ہوئی ہے، اس کی وجہ سے برطانیہ کی صنعتوں کو فائدہ پہنچا ہے یا نقصان۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان ملک کی عام معاشی حالت میں بظاہر ترقی ہوئی لیکن اس ترقی کا کس قدر حصہ تامین کا نتیجہ ہے اور کس قدر اس سے آزاد دوسرے اسباب مثلاً ارزاں زر کی پالیسی، عمارت سازی کے پروگرام، فوج کے لیے نئے اسلحہ کی فراہمی اور بعض صنعتوں کی تعمیر نو۔ اس کے ذمہ دار ہیں۔ اس کا یہاں کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا۔

آزاد تجارت کے حامی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہماری محاصل کروڑگیری کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دوسرے ملکوں نے انتقامی کارروائی شروع کر دی ہے اور ان میں سے بہت سوں نے برطانیہ کے خلاف اپنی پابندیوں کو بڑھا دیا ہے۔ وہ اس بات کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں کہ بعض ملکوں مثلاً جرمنی، اٹلی، پولینڈ اور فرانس نے برطانیہ سے جو کوئلہ درآمد کرتے تھے اس کے حصے کو تقریباً فوراً کم کر دیا۔

تاہم اس کے حامی کہتے ہیں کہ ہماری پالیسی کی تبدیلی کی وجہ سے، انگلستان اور مختلف مملکتوں کے درمیان، بہت سے فریقینی معاہدات ممکن ہوگئے۔ لیکن آزاد تجارت کے حامی اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی معاہدے نے بھی حقیقی معنی میں محاصل کروڑگیری کو کمی کی طرف مائل کیا۔ اس کے علاوہ، وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ فریقینیت خود وہ ابتدائی سبب ہے جس کی وجہ سے ہماری عالمی تجارت کی مقدار میں حال کے سالوں میں اس قدر کمی واقع ہوئی ہے۔ فریقینی معاہدوں کا مقصد یہ ہوتا کہ فریقین معاہدہ کی مرئی درآمد و برآمد میں توازن پیدا کیا جائے۔ لیکن یہ توازن بین الاقوامی تجارت کے اولین اصولوں کے منافی ہے۔ طبعی حالات میں، دو ملکوں کی مرئی درآمد و برآمد میں توازن کا کم ترین امکان بھی نہیں پایا جاتا اور نہ اس کی کوئی وجہ موجود ہے کہ یہ توازن کیوں پایا جائے۔ فریقینی معاہدوں کے تحت، ایک ملک معاہدے کے دوسرے فریق سے وہ چیزیں درآمد کرنا شروع کر دیتا ہے جنھیں وہ کسی دوسری جگہ سے زیادہ ارزاں خرید سکتا۔ اس بات پر بھی یہاں توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ بعض مفکروں کا یہ خیال ہے کہ اگر انگلستان وفاداری کے ساتھ، آزاد تجارت کے اصولوں پر قائم رہا ہوتا تو سنہ ۱۹۲۳ء کی عالمی معاشی کانفرنس، جس میں ستاون قوموں کے نمائندے شریک تھے، شاید بارآور نتائج تک پہنچ سکتی۔

۱۴۔ اٹاوا کے معاہدات

سنہ ۱۹۳۲ء کی اٹاوا کانفرنس میں، مملکتوں اور انگلستان کے درمیان متعدد ایسے معاہدے ہوئے جنھیں محاصل درآمد کے قانون نے ممکن بنا دیا تھا۔ ان معاہدوں کا مقصد جیسا کہ مسٹر بالڈون اور دوسرے رہنماؤں نے بیان کیا یہ تھا کہ شہنشاہیت کے اندر باہمی تجارت کو بڑھایا جائے اور اس کام کو زیادہ آزادی کے ساتھ کیا جائے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ، شہنشاہیت کے درمیان آزاد تجارت کے اصول کو ناقابل عمل سمجھ کر ترک کر دیا گیا کیونکہ جنگ کا ایک اثر یہ ہوا تھا کہ

مملکتوں میں صنعتوں کی ترقی، تیزی کے ساتھ ہوگئی تھی اور نوآبادیوں کی "نوخیز" صنعتیں برطانوی مال کے مقابلے سے اتنی ہی خائف تھیں جتنی کہ وہ غیر ملکی مسابقت سے تھیں۔ دوسری طرف برطانیہ بھی، مختلف وجوہ سے، غیر ملکی سامان غذا اور کچے مالوں پر، اونچے محاصل لگانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

انفرادی معاہدوں میں جن عام اصولوں کا اظہار مادی صورت میں کیا گیا وہ مختصراً حسب ذیل تھے:۔ برطانیہ نے شہنشاہیت کے مال کو ۱۹۳۲ء کے محاصل درآمد کے قانون کے دائرۂ عمل سے مستثنیٰ کرنے اور بعض صراحت کردہ غیر ملکی اشیا پر کم سے کم دس فی صدی موجودہ محاصل کو قایم رکھنے کا معاہدہ کیا۔ برطانیہ نے بعض ان غیر ملکی غذاؤں اور کچے مالوں کی درآمد پر بھی جن سے مملکتوں کا مفاد خاص طور پر وابستہ تھا محاصل عاید کرنے یا بڑھانے کا معاہدہ کیا۔

مملکتوں نے اس کے جواب میں اس بات کا معاہدہ کیا کہ وہ برطانوی مال کے مقابلے میں اپنی صرف ان صنعتوں کو محاصل کروڑگیری کے ذریعے تامین دیں گی جن کے کامیاب ہونے کا کوئی معقول امکان موجود ہو۔ ہر اس صورت میں جہاں تامین دی جائے گی محاصل کروڑگیری ایسے ہوں گے جو برطانیہ کے صناعوں کو مسابقت کا معقول موقع دیں گے۔ تیسرا متفقہ اصول یہ تھا کہ برطانوی مال پر محاصل ہمیشہ غیر ملکی مال کے مقابلے میں کم رکھے جائیں گے۔

اٹاوہ کے معاہدوں کی مختلف جماعتوں نے تعریف بھی کی ہے اور مذمت بھی، لارڈ اسنوڈن نے پرزور طریقے پر ان کی مذمت کی۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ برطانیہ نے دیا بہت کچھ لیکن اسے ملا کچھ نہیں۔ مملکتوں کو برطانیہ عظمیٰ میں پابندیوں سے آزاد ایک بازار مل گیا لیکن انھوں نے برطانوی تجارت کے خلاف اپنے تامینی بلکہ بعض صورتوں میں امتناعی محاصل کو قایم رکھا۔

حکومت کی طرف سے معاشی زندگی کی جو نئی نگرانی شروع کی گئی، محاصل کروڑگیری کی پالیسی اس کا صرف ایک پہلو ہے۔ مابعد جنگ کے سالوں کی تاریخ کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انگلستان میں بھی، قوم کی معاشی زندگی پر بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طریقوں پر حکومت کی نگرانی میں بہت تیزی

کے ساتھ اضافہ ہوگیا ہے۔ ۱۹۱۴ء تک، انگلستان کی معاشی ساخت عدم مداخلت کے اصول پر قایم رہی۔ جنگ چھڑتے ہی کہا یہ جاتا ہے کہ یہ اصول ختم ہوگیا۔

۱۹۲۶ء سے، انگلستان، خانگی سرمایہ داری کی حدود کے اندر رہتے ہوئے منظم معیشت کی جانب حرکت کر رہا ہے۔ محاصل کروڑگیری کی پالیسی منصوبہ سازی کا صرف ایک پہلو ہے۔ جن طریقوں کی انیسویں صدی میں پیروی کی جاتی تھی ان سے بنیادی طور پر مختلف طریقوں پر، متعدد اہم صنعتوں کو ازسرِ نو تنظیم دی جا رہی ہے۔ منصوبہ سازی ایسا ہی اختلافی مسئلہ ہے جیسا کہ محاصل کروڑگیری ہیں۔ ایک طرف اس کی مذمت کی جاتی ہے کہ یہی عالمی کساد بازاری کا ابتدائی سبب ہے دوسری طرف اس کا خیر مقدم یہ کہکر کیا جاتا ہے کہ کساد بازاری کے بار بار واقع ہونے کا اگر کوئی علاج ہے تو وہ یہی ہے لیکن ایک نکتہ ایسا ہے جس پر سب اہل نظر متفق ہیں اور وہ یہ ہے کہ آزاد مقابلہ، جو انیسویں صدی کی زندگی کا اصل محرک تھا، تقریباً فنا ہوگیا ہے۔ لیکن قبل اس کے بعض صنعتوں پر ہم منصوبہ سازی کے اصول کو منطبق کریں، یہ ضروری ہے کہ مابعد جنگ کی معاشی زندگی کے بعض ایسے عوامل پر مختصراً غور کر لیا جائے جن کو انیسویں صدی میں، اگر کچھ تھی تو بہت کم قوت حاصل تھی اور جنھیں ۱۹۱۴ء کے بعد سے مقابلے کے زوال کی توجیہہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

۱۵۔ مابعد جنگ کی معاشی زندگی میں نئے معاشی عوامل

پہلا نمایاں فرق، مابعد جنگ اور انیسویں صدی کے معاشی معاشرے کے درمیان یہ ہے کہ اب آبادی میں اضافہ تیزی کے ساتھ نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس کے برعکس اب وہ تقریباً ایک جگہ پر قایم ہو گئی ہے اور اس میں رجحان قطعی زوال کی طرف پایا جاتا ہے اور حالیہ سالوں میں اس تبدیلی نے طلب کی نوعیت پر اثر ڈالنا شروع کر دیا ہے

جب آبادی نسبتہً قایم ہوتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ زندگی کی ابتدائی ضرورتوں یعنی غذا کے سامان، کپڑے اور طویل مدت کے دوران میں مکان کی طلب، پہلے کے مقابلے میں کم ہو جاتی ہے اور نام نہاد تعیشات کی طلب

بڑھ جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی معاشی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ ایک مقررہ آبادی کے لیے، ابتدائی ضروریات کی طلب میں، اتار چڑھاؤ کم ہو جاتے ہیں یعنی معاشیات کی زبان میں، طلب نسبتہً غیر تغیر پذیر ہو جاتی ہے۔

تعیشات کی طلب میں، اگر اُسے قیمتوں کی تبدیلی کے سوال سے علٰحدہ رکھا جائے مقابلتہً زیادہ وسیع اتار چڑھاؤ ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان پر ذوق اور وضع کے بدلنے کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ لیکن پیداآور صنعت کے لئے طلب کے یہ تغیرات بہت تشویش ناک ہوتے ہیں بجز اس صورت کے کہ معاشی تنظیم اس قدر سریع الحرکت ہو کہ آسانی کے ساتھ تبدیلیوں سے مطابقت پیدا کر سکے۔ لیکن جیسا کہ ابھی ثابت کیا جائے گا، یہ صورت آج باقی نہیں رہی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مابعد جنگ کے زمانے میں، آمدنی کی تقسیم میں بھی تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ اس بات سے اب ہر شخص واقف ہو گیا ہے کہ قبل جنگ کے مقابلے میں، مزدوروں کے طبقے کو، ان کی محنت کے پھل میں سے اب نسبتہً زیادہ حصہ ملنے لگا ہے۔ اس کے معنی خصوصاً اب کہ مزدوروں کے خاندان مختصر ہو گئے ہیں یہ ہیں کہ زندگی کے تعیشات کی طلب بہت بڑھ گئی ہے۔ غرض، یہ دونوں عوامل طلب پر ایک ہی طرح کا اثر ڈال رہے ہیں۔

فرق کا تیسرا سبب یہ ہے کہ اجرتوں کی شرح میں، ایک نئی غیر تغیر پذیری پیدا ہو گئی ہے۔ جنگ سے قبل کے زمانے میں اجرتیں سریع الحرکت ہوتی تھیں اور انھیں مقابلتہً زیادہ آسانی کے ساتھ، طلب و رسد کے عام حالات کے مطابق بنایا جاسکتا تھا۔ جنگ کے بعد سے دو عوامل نے مل کر، اجرتوں کو ان کی پہلی سریع الحرکتی سے محروم کر دیا ہے۔ ان عوامل سے پہلا تو یہ ہے کہ اجرتوں میں کمی بیشی یا تو براہ راست حکومت کی طرف سے یا اجتماعی سودوں کے ذریعے کی جانے لگی ہے اور دوسرا عامل بے روزگاری کا بیمہ ہے۔

آخر میں، خود صنعت کی ساخت کے اندر، وہ پرانی سریع الحرکتی باقی نہیں رہی ہے جو انیسویں صدی میں موجود تھی۔ وکٹوریا کے زمانے میں صنعتی کاروبار کا پیمانہ عام طور پر، نسبتہً چھوٹا ہوتا تھا جس پر تنہا ایک مالک یا دو تین شرکا کی نگرانی

ہوا کرتی تھی اور اصل قایم کا تناسب نسبتہً کم ہوتا تھا نتیجہ یہ تھا کہ کاروبار یا صنعت نسبتہً زیادہ آسانی کے ساتھ، نئے دور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کر سکتی تھی۔ انتظام کی شکل ایسی تھی جو اقدام کے لئے اور فوری فیصلوں کے لیے سازگار تھی۔ بالائی مصارف چونکہ نسبتہً کم تھے اس لیے جب ضرورت ہوتی تھی پیدائش کی رفتار کو گھٹایا بھی جا سکتا تھا۔

آج کل کے کاروبار کا نمونہ، مشترکہ سرمایہ دار کمپنی اور اتحاد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مابعد جنگ کی معاشی تاریخ کی ایک نمایاں خصوصیت، اتحاد کا یہی شدید رجحان ہے، خصوصاً ان صنعتوں میں، جن میں سرمایہ زیادہ لگایا جاتا ہے۔ دیو ہیکل کمپنی یا اتحاد کو مندرجۂ ذیل دو وجوہ کی بنا پر نسبتہً ایک غیر تغیر پذیر صنعتی اکائی قرار دیا جا سکتا ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تنظیم میں۔ اقدام کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یکساں قسم کے بار بار دہرائے جانے والے طریقے رائج ہو جاتے ہیں۔ دوسری یہ کہ بڑے پیمانے کی پیدائش کے طریقوں اور فنی ترقیوں کی وجہ سے بیش قیمت اصل قایم کا تناسب، پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ یہ واقعہ کہ اس قسم کا سرمایہ، صرف ایک ہی کام کے لیئے خاص طور پر موزوں ہوتا ہے، ایک کارخانے کی اہلیت مطابقت کو کم کر دیتا ہے۔ دوسرے اس واقعے کی وجہ سے بھی کہ بالائی مصارف کا تناسب، مجموعی لاگت میں زیادہ ہو گیا ہے، پیداوار کو اس موقع پر کم کرنا جب کہ طلب گر جاتی ہے، مشکل ہو گیا ہے۔

معاشرے کی معاشی ساخت میں، یہ نئی تغیر پذیری، قبل جنگ کے زمانے سے اس قدر نمایاں طور پر مختلف ہے کہ اس کی وجہ سے انگلستان اور دوسرے ملکوں میں، منصوبہ سازی کے تجربوں کو، متعدد صنعتوں میں شروع کر دیا گیا ہے۔ انگلستان میں منصوبہ سازی کا سب سے اہم تجربہ زراعت میں کیا گیا ہے، لیکن اس تحریک کا اثر، کوئلے کی اور دوسری صنعتوں پر بھی پڑا ہے۔

۱۶۔ خام مالوں پر نگرانی کی اسکیمیں۔

ابتدائی خام مالوں کی پیداوار پر نگرانی کی اسکیموں میں جو ترقی ہوئی ہے وہ بھی صنعتی منصوبہ سازی کے لئے ایک محرک ثابت ہوئی ہے۔ ابتدائی خام مالوں کی پیدائش میں ایک شدید انقلاب سنہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے رونما ہو گیا ہے اور تقریباً ہر ملک میں، گیہوں،

شکر، ٹین، روئی، قہوہ اور ربڑ کی پیداوار کو مصنوعی نگرانی کے ماتحت رکھا جاتا ہے۔

نگرانی کی یہ اسکیمیں، جنگ کا براہ راست ایک نتیجہ ہیں۔ جنگ نے نہ صرف متحارب سلطنتوں بلکہ دوسرے ملکوں کی پیدائش دولت میں بھی تبدیلیاں پیدا کیں فرانس اور بلجیم کے چقندر کے اضلاع کی تباہی نے ویسٹ انڈیز کی شکر کی پیداوار کو نفع بخش بنا دیا۔ اسی بنا پر کناڈا نے بھی جب سروس سے غلے کی برآمد بند ہو گئی، اپنے گیہوں کی پیداوار میں اضافہ کر دیا جب جنگ ختم ہوئی تو جن ملکوں نے اپنے خام مالوں کی پیداوار کو بہت وسیع کر لیا تھا، انھیں مال کی فروخت میں، غیر متوقع مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض صورتوں میں، ان ملکوں نے، جنھوں نے جنگ کے سالوں میں برآمد بند کر دی تھی، دوبارہ برآمد شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شدید مسابقت کی وجہ سے رسد کی قیمتیں گرنا شروع ہو گئیں۔ دوسرے، معاشی قومیت کی اس وبا کے زیر اثر جو ساری دنیا میں پھیل رہی تھی، ملکوں نے جہاں تک ممکن تھا، خود کفالتی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ، دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر یہ ہوا کہ بہت سے ابتدائی خام مالوں کی طلب میں بہت زیادہ اتار چڑھاؤ ہونے لگا اور پیدائش دولت میں ثبات و استحکام پیدا کرنے کے لئے تقریباً ہر خام مال کی پیدائش پر نگرانی قایم کرنے کی اسکیمیں ترقی پانے لگیں۔ معاشی نقطۂ نگاہ سے، نگرانی کی یہ اسکیمیں کس حد تک درست ہیں نیز دنیا کے لیے بحیثیت مجموعی آخر میں یہ کس حد تک فائدہ مند ہوں گی یہ اختلافی مسئلہ ہے البتہ یہ ضرور نظر آتا ہے کہ انھوں نے ان صنعتوں کو جنھوں نے ان کو اختیار کر لیا ہے، اس بیماری سے نجات دلا دی ہے جسے فاضل صلاحیت پیدائش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جس نے برطانیہ کی بہت سی خاص خاص صنعتوں کو سنہ ۱۹۲۵ء سے برابر مشکلات میں مبتلا رکھا ہے۔ ان اسکیموں کی بڑی خرابی یہ ہے کہ ان کے ماتحت زیادہ سے زیادہ مال پیدا کرنے کی جگہ، کم سے کم پیدا کرنے کی تحریص ہوتی ہے۔

۱۷۔ برطانیہ کی کوئلے کی صنعت

برطانیہ کی صنعتی اور تجارتی برتری کی بنیاد، انیسویں صدی میں کوئلے پر رکھی گئی تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد سے اس صنعت کی حالت کا شمار، مابعد جنگ کے دردناک سانحوں میں کیا جانے لگا ہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء

اور ۱۹۲۹ء کے درمیان، اکثر سالوں میں سالانہ پیداوار کا ایک بہت بڑا حصہ نقصان کے ساتھ حاصل کیا گیا۔

۱۹۱۹ء کے بعد سے، کوئلے کی صنعت کو، خصوصاً جہاں تک برآمد کی تجارت کا تعلق ہے، بہت سی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ اور معاشی قومیت کی وبا نے جو جنگ کے بعد رونما ہوئی، غیر ملکوں میں کوئلے اور اس کے بدل تیل اور برقی بجلی کی قوت کی پیدائش اور استعمال کو بہت وسعت دے دی۔ اس کے ساتھ ساتھ، فنی ترقی نے ایندھن کے صرف کی کارکردگی کو بہت بڑھا دیا۔ ان دونوں عوامل نے مل کر برطانیہ کے کوئلے کی غیر ملکی طلب کو اور اس سے کم درجے پر وطن کی صنعتی طلب کو بہت گھٹا دیا۔ یہ بھی دلیل پیش کی گئی ہے کہ تیسرا عامل، جس کی اہمیت کو برآمد کے زوال کے سلسلے میں کم نہیں سمجھا جا سکتا وہ مزدوروں کے وہ طویل اور سخت جھگڑے تھے جو کوئلے کی صنعت میں ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۶ء کے درمیان ہوتے رہے۔ یہ بات اکثر کہی گئی ہے کہ ۱۹۲۶ء کی زبردست ہڑتال کا خاص نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے سمندر پار کے بہت سے بازار مستقل طور پر ہمارے ہاتھ سے نکل گئے۔

اس صنعت کو تشویش ناک اندرونی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ بہت سی کانوں کا کام چھوٹے پیمانے پر چلایا جاتا تھا، اور ان میں دقیانوسی مشین اور سامان کی وجہ سے قدم قدم پر رکاوٹ ہوتی رہتی تھی۔ مالی حیثیت سے یہ کاروبار اتنے کمزور تھے کہ ترقی یافتہ طریقوں کو اختیار نہ کر سکتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی کوئلے کی کانوں میں فروخت کی کافی سہولتوں کی بھی کمی تھی۔

ان مشکلات کا خالص نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۲۹ء تک، کوئلے کی صنعت کی مکمل تباہی کا خطرہ نظر آنے لگا اور اس خطرے کا تدارک کرنے کے لیے پارلیمنٹ نے مداخلت کی اور ۱۹۳۰ء کے کوئلے کے کانوں کے قانون کو منظور کیا۔

اس قانون کے دو مقصد تھے اول یہ کہ مقابلے کو محدود کر کے اور پیداوار میں کمی بیشی کر کے، فروخت کی قیمتوں کو، قایم رکھے دوسرے یہ کہ اس صنعت میں مکمل فنی تنظیم نو پیدا کی جائے تاکہ لاگتیں کم ہوں اور صنعت سمندر پار کے بازاروں میں کامیابی کے ساتھ مسابقت کر سکے۔

اس کوئلے کے قانون کے تحت، سارے ملک کو اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک میں ایک انتظامی مجلس کا تقرر کیا گیا ہے تاکہ اس بات کا تعین کیا جا سکے کہ ضلع کے مقررہ حصہ رسد کے کسی قدر حصے کو، کوئلے کی ہر کان فراہم کرے اور کم ترین قیمتوں کو بھی مقرر کیا جا سکے۔ ایک جنرل کونسل، ان بورڈوں کی نگرانی کرتی اور انھیں مشورہ دیتی رہتی ہے۔ اس کا خاص کام یہ ہے کہ وہ ایک مقررہ مدت کے دوران میں، کل صنعت کے لیے کوئلے کی زیادہ سے زیادہ پیداوار کو اور ہر ضلع کے لیے اس پیداوار کے حصہ رسد کو مقرر کرتی رہتی ہے۔ اس ایکٹ نے کوئلے کی کانوں کی تنظیم نو کی ایک کمیٹی بھی بنائی جس کا کام یہ تھا کہ کوئلے کی پیدائش اور فروخت کے کام کو سہل بنایا جائے اور کاروبار کے ایسے انضماموں کو جو قومی مفاد کے لیے ضروری نظر آئیں امداد دے۔

کوئلے کی صنعت میں منصوبہ سازی کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی ہے جتنی سنہ ۱۹۳۰ء میں توقع تھی، اگرچہ اس قانون کو ابھی تک کان کنوں کے وفاق کی پسندیدگی حاصل ہے بہت سے نقادوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قیمتوں کے تعین اور پیداوار کی نگرانی کی وجہ سے کوئلے کی برآمد کی تجارت کو اور بھی زیادہ نقصان پہنچا ہے۔

ایک دوسری تنقید جو حصہ رسد کے نظام پر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کان کنی کے فنی ترقیوں کے لئے ہمت شکن ثابت ہو رہا ہے۔ جدید طریقوں کے اختیار کرنے کے لئے بالائی مصارف میں اضافہ ضروری ہے اور اس قسم کے طریقے صرف اس صورت میں نفع بخش نتائج پیدا کر دیتے ہیں جب بڑی پیداوار حاصل کرنا ممکن ہوتا ہے۔ دوسری جانب کوئلے کی کانوں کے قانون نے، کوئلے کی فروخت کی سہولتوں کو ترقی دے دی ہے۔

۱۸۔ زراعتی مال کی فروخت کے قوانین

اس سے بھی زیادہ اہم تبدیلی، برطانیہ کی زراعت کی نئی تنظیم کو قرار دیا جا سکتا ہے جو سنہ ۱۹۳۱ء اور سنہ ۱۹۳۳ء کے زرعی مال کے فروخت کے قوانین کے تحت ہو رہی ہے سنہ ۱۹۳۰ء کے خاتمے تک، برطانیہ کی زراعت کی حالت نہایت ناگفتہ بہ رہی، جس کا سبب کچھ تو گرتی ہوئی قیمتیں اور خارجی مقابلے کی اضافہ پذیر سختیاں تھیں اور کچھ یہ واقعہ تھا کہ

زرعی مصارف پیدائش کی اہم ترین مدوں مثلاً لگان، محاصل اور اجرتوں کو گھٹانا مشکل ہوتا ہے۔

انگلستان میں زراعت کا کام زیادہ تر چھوٹے پیمانے پر کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے کئی مشکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ اول، لاگتوں کو کم کرنے کے لئے محنت بچانے والی مشینوں کو استعمال کرنے کا موقع بہت کم ہوتا ہے۔ دوسرے، منفرد کسانوں کو خام مالوں کو خریدنے اور اپنی پیداوار کو فروخت کرنے کے ہر دو موقعوں پر سخت ناموافق حالات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ انیسویں صدی میں ان ملکوں میں جہاں چھوٹے پیمانے کی کاشت کا رواج تھا، ان مسئلوں کو، امداد باہمی کی مختلف شکلوں کو اختیار کرکے، عام طور پر حل کیا گیا تھا۔

انگلستان کی زراعت میں، قبل جنگ کے سالوں میں، امداد باہمی کے اصولوں کو بہت کم ترقی ہوئی اور اس کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ انگلستان کی زراعت کی نوعیت سب سے الگ ہے۔ انگلستان میں طویل مدت کے قرضوں کو زمیندار مہیا کیا کرتا تھا یعنی وہ پانی کے نکاس کے انتظام، فارم کی عمارتوں، جوہڑوں وغیرہ کے لئے ضروری سرمایہ فراہم کرتا تھا۔ اس کے علاوہ کساد بازاری کے زمانے میں وہ اکثر مختلف طریقوں پر کسان کی مدد کرتا رہتا تھا۔

موجودہ صدی کے آغاز کے وقت سے، انگلستان کا زمینداری نظام زوال کی طرف مائل ہے کچھ تو اس قانون کی وجہ سے جسے زمیندار کے اختیارات کو محدود کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ تر اونچے محاصل اور محاصل موت کی وجہ سے جن کا اثر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمینداری حقیت رکھنے والوں پر زیادہ سخت پڑا ہے۔

ان حالات میں حکومت کے لئے، مداخلت کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہ تھا۔ اس نے مداخلت کی کچھ تو اس لیے کہ اُسے کسانوں سے ہمدردی تھی لیکن کچھ اس لئے بھی کہ جنگ کے سالوں کے تجربے کے بعد یہ رائے عام طور پر قبول کرلی گئی تھی کہ ہماری غذا کے سامانوں کے زیادہ حصے کو وطن ہی کے اندر پیدا کرنا زیادہ پسندیدہ ہے۔

سنہ ۱۹۳۰ء اور سنہ ۱۹۳۰ء کے درمیان، حکومت نے کئی قانون منظور کیے جنھیں زراعت کو امداد دینے کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں زرعی زمین کے محاصل کی جو منسوخی ہوئی اس کا مختصر طور پر ذکر کیا جا چکا ہے۔ سنہ ۱۹۲۳ء اور سنہ ۱۹۲۹ء کے زرعی اعتبار کے قوانین کی اہمیت ان سے کچھ کم نہ تھی۔ لیکن ان تدبیروں سے زرعی مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ اس لیے حکومت نے اس رائے کو قبول کر لیا کہ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ تنظیم کا کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۳۱ء اور سنہ ۱۹۳۳ء میں زرعی مال کے فروخت کے قوانین منظور کیے گئے۔

ان قوانین کا بحیثیت مجموعی خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے مال فروخت کرنے کی مجالس کو قایم کرنے کا انتظام کیا ہے تاکہ فروخت کی قیمتوں پر نگرانی رکھی جا سکے اور مختلف زرعی مالوں کی تقسیم کی جا سکے۔ سنہ ۱۹۳۳ء کے قانون نے مجلس تجارت کو اختیار دیا ہے کہ وہ ہر ایسی زرعی پیداوار کی درآمد پر نگرانی قایم کر سکتا ہے جس کی نگرانی وطنی پیداوار کو ترقی دینے کے لئے ضروری معلوم ہو اور جب وطنی پیداوار کو مال کی فروخت کی نگرانی کی اسکیم کے ذریعے، نئی تنظیم دینے کے لئے کارروائی کی جا چکی ہو۔ اس قانون کے ذریعے زراعت کی وزارت کو بھی اختیار دیا گیا ہے کہ جب زرعی تنظیم نو اور ثبات و استحکام کے مصالح کا تقاضا یہ ہو کہ نگرانی ضرور قایم کی جائے تو وہ ہر ایسی زرعی پیداوار کی مقدار پر جو فروخت کی جائے نگرانی رکھ سکتی ہے۔ فروخت پیداوار کے ان قوانین برطانوی زراعت کے بنیادی اصولوں میں ایک انقلابی تبدیلی کر دی ہے۔ آزاد مقابلہ اور اس کے تمام متعلقات کو ملتوی کر دیا گیا ہے۔ درآمد کے حصہ رسد کے نظام کے تحت، اور بازار میں جتنی مقدار فروخت کرنے کی اجازت ہے اس کے ذریعے، اب حکومت خاص خاص زرعی پیداواروں کی رسد اور نتیجے کے طور پر ان کی قیمتوں پر نگرانی رکھ سکتی ہے۔

زراعت کی منصوبہ سازی پر بہت سے زاویوں سے تنقید کی گئی ہے اور ان لوگوں کی طرف سے جو اصولی طور پر منصوبہ سازی کے مخالف ہیں، یہ تنقید بہت مخالفانہ رہی ہے۔ مال فروخت کرنے والی اسکیموں نے، اس میں کوئی شک نہیں سنہ ۱۹۳۱ء کے بعد سے، زرعی پیداواروں کی قیمتوں کو بہت بڑھا دیا ہے۔ لیکن یہ

خطرہ ہر وقت موجود ہے کہ کہیں مجالس محض اجارہ داروں کا آلۂ کار بنکر قیمتوں کی نگرانی نہ کرنے لگیں۔ یہ بھی دلیل پیش کی گئی ہے کہ قیمتوں کے اس اضافے سے سب سے زیادہ نفع مال پیدا کرنے والوں نے نہیں اُٹھایا ہے تاہم ایک بات یقینی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ مال فروخت کرنے کی اسکیمیں کسی نہ کسی شکل میں ضرور باقی رہیں گی اور وقت گزرنے پر بلاشبہہ بہت سی انتظامی مشکلوں اور خامیوں کو دور کیا جا سکے گا۔

سیاسی وجوہ کا تقاضا ہے کہ مستقبل میں انگلستان زیادہ غذا پیدا کرے اور اس کام کے لئے حکومت کی نگرانی ناگزیر ہے۔

۱۹۔ دودھ کی اسکیم دودھ کی فروخت کی اسکیم کا حال مختصراً بیان کرنے سے یہ بات مثال کے طور پر ظاہر ہو جائے گی کہ زرعی مال کی فروخت کے اصول کیا ہیں (ان اصول کی تفصیلات میں اکثر ترمیمیں ہوتی رہتی ہیں)۔ دودھ کی اسکیم کے تحت جس کا نفاذ سنہ ۱۹۳۳ء میں ہوا، انگلستان اور ویلز کو علاقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جب قیمتیں مقرر کر دی جاتی ہیں تو ضلع کی تمام فروخت کے داموں کو ایک مشترکہ ذخیرہ نقد میں جمع کر دیا جاتا ہے اور دودھ کے ہر معاہدے کو مجلس فروخت کے رجسٹروں میں درج کرانا ضروری ہوتا ہے۔ تمام ادائیاں مجلس کی معرفت کی جاتی ہیں۔

دودھ کی قیمتیں، دودھ کے استعمال کے مقصد کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں گھریلو استعمال کے لئے جب دودھ لیا جاتا ہے یعنی سیال دودھ، تو اس کے دام اسی دودھ کے مقابلے میں جسے کسی اور چیز کے بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے زیادہ ہوتے ہیں، ان دو قسموں کے دودھ کا تناسب، ہر علاقے میں مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے قیمتوں کے علاقہ وار فرق کا تدارک کرنے کے لیے اور صنعتی کاموں کیلئے دودھ کی پیدائش کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے، وہ علاقے جو سیال دودھ کے زیادہ تناسب کو پیدا کرتے ہیں ان اضلاع کے ذخیرے کو حصہ رسد فراہم کرتے رہتے ہیں جن میں صنعتی استعمال کے دودھ کا تناسب زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جو دودھ پیدا بھی کرتے ہیں

اور اس کی خردہ فروشی بھی خود ہی کرتے ہیں، صرف لائسنس کے تحت دودھ کی خودہ فروشی کر سکتے ہیں اور یہ لائسنس انھیں دودھ کو اس نرخ سے کم پر فروخت کرنے سے منع کرتا ہے جو ضلع کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ دودھ کے پیدا کرنے والوں اور صرف کرنے والوں کے نقطۂ نگاہ سے، اس اسکیم میں بہت سی خرابیاں ہوں لیکن ایک مخصوص تنظیم نے ان حالات پر جن کے درمیان دودھ پیدا کیا جاتا ہے، ایک زیادہ قریبی نگرانی کو ممکن کر دیا ہے اور اس کی وجہ سے بلا شبہہ دودھ کی رسد کی خوبی کے معیار میں بہت بلندی پیدا ہوگئی ہے۔

۲۰۔ برطانوی گیہوں کا قانون

سنہ ۱۹۲۶ء اور سنہ ۱۹۳۱ء کے درمیان، برطانوی گیہوں کے کاشت کاروں کی حالت، اضطراری طریقے پر، تشویش ناک ہوتی چلی گئی۔ گیہوں کی قیمتیں برابر، انگلستان کے مصارف پیدائش سے کم ہوتی چلی گئیں اور اس کے مختلف وجوہ تھے جن میں سے یہاں بہت زیادہ ترقی یافتہ مشینوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جنھیں کناڈا اور دوسرے گیہوں پیدا کرنے والے علاقوں میں عام طور پر استعمال کیا جانے لگا تھا۔

سنہ ۱۹۳۰ء تک یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ حکومت کی طرف سے اب تک جو امداد گیہوں پیدا کرنے والے کسانوں کو دی گئی تھی وہ نئی صورت حال سے مقابلے کی اہلیت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں تھی۔ بہت سے حلقوں میں، گیہوں کے محاصل درآمد کی وکالت کی گئی لیکن حکومت نے محاصل تامین کو کچھ تو شہنشاہیت میں پیدا کئے جانے والے گیہوں کی وجہ سے لیکن زیادہ تر اس لیے کہ رائے عامہ غذا کے محصول کے خلاف تھی، مسترد کر دیا۔

تامین کے بدل کے طور پر سنہ ۱۹۳۲ء میں، گیہوں کے حصۂ رسد کا قانون منظور کیا گیا۔ اس قانون کی شرائط کے مطابق، جن کا انتظام، گیہوں کا ایک کمیشن کرتا ہے برطانوی گیہوں کی رسد کے ایک مقررہ حصے کے لیے ایک خاص قیمت ادا کرنے کی ضمانت لے لی جاتی ہے اور اس امداد کے لیے، رقم، اس طرح فراہم کی جاتی ہے کہ آٹے کی ہر بوری پر جب وہ چکی سے پس کر نکلتی ہے، کمیشن کو، ایک حصہ رسد ادا کرنا

پڑتا ہے۔ برطانوی گیہوں کا قانون ایک محدود درجے کی تامین کے منافع، برطانوی گیہوں پیدا کرنے والوں کو عطا کرتا ہے۔ لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ، انھیں اس بات کی طرف راغب نہیں کرتا کہ وہ ایسی زمینوں پر گیہوں بوئیں جو آزاد مسابقت کی صورت میں گیہوں بونے کے لیے استعمال نہ کی جائیں۔

۲۱۔ دوسری بڑی صنعتیں

غالباً برطانیہ کی کسی دوسری صنعت کو مابعد جنگ کے نئے حالات کی وجہ سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا کہ لنکاشائر کی پارچہ بافی کی صنعت کو ۱۹۱۳ء کے بعد سے، برآمد میں متواتر زوال ہوتا رہا اور ۱۹۳۱ء میں یہ قبل جنگ کے آخری سال کی مقدار کے مقابلے میں گر کر صرف ایک چوتھائی رہ گئی تھی۔

۱۹۳۱ء تک یہ بات سب پر عیاں ہو گئی تھی کہ صنعت کی تنظیم جس پیمانے پر کی گئی ہے، وہ اس پیداوار کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑا ہے، جس کی آئندہ ضرورت ہونے کا امکان ہے۔ اس لیے لنکاشائر کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ اپنی خاص صنعت کی زاید صلاحیت پیداوار کو کس طرح دور کرے۔ یہ بھی دلیل پیش کی جاتی تھی کہ اس صنعت میں دقیانوسی مشینیں بہت رکاوٹ ڈال رہی ہیں نیز یہ کہ صرف کل صنعت کی ایک مرکزی تنظیم نو کے ذریعے ہی سے اس کے اوسط مصارف پیدایش کو گھٹایا جا سکے گا اور اس کو اس قابل بنایا جا سکے گا کہ وہ سمندر پار کے نئے مقابلے کا کامیابی کے ساتھ سامنا کر سکے۔

ایک بڑی مشکل جو زاید صلاحیت، پیدائش اور دقیانوسی مشینوں کو ختم کرنے کی راہ میں حایل ہے وہ یہ ہے کہ اس صنعت کی تنظیم زیادہ تر چھوٹے چھوٹے فرموں کی ایک بڑی تعداد کی بنیاد پر کی گئی ہے حالانکہ ایک چھوٹی آزاد اکائی کے اندر اتنی تخصیص نہیں ہوتی کہ وہ ان جدید مشینوں کو اختیار کر سکے جو مال کو بڑی مقدار میں پیدا کرنے اور ادنیٰ اوسط لاگتوں کے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

لنکاشائر کو مابعد جنگ کی مصیبتوں سے نجات دلانے کے لیے اتحاد کی طرف پہلا بڑا قدم، کتائی کی صنعتوں میں، لنکاشائر کاٹن کارپوریشن کو قائم کر کے، اٹھایا گیا۔ اس کارپوریشن کا مقصد یہ تھا کہ کتائی کی بہت سی گرنیوں کا ایک افقی اتحاد قائم

کیا جائے تاکہ جتنے تکلوں کو استعمال کیا جارہا تھا ان کی تعداد کو بھی گھٹایا جا سکے اور کتائی کی صنعت میں بلندتر درجے کی تخصیص کو بھی پیدا کیا جائے۔ لیکن یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ محض افقی اتحاد سے مسئلے کی تہ تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ ضرورت جس چیز کی ہے وہ ایسی صنعت ہے جس میں عمودی اتحاد موجود ہو۔ ۱۹۳۶ء میں روئی کی صنعت کی تنظیم نو کا مسودہ قانون منظور کیا گیا۔ اس قانون نے تین ارکان کی ایک مجلس کو قایم کیا جن کا تقرر مجلس تجارت کرتا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ صنعت میں جتنے تکلے استعمال کیے جارہے تھے ان کی تعداد کو کم کر دے۔

روئی کی صنعت کی دوسری شاخوں میں بھی اسی طرح کی ایک تحریک جاری ہے جس میں قیمتوں کو معیاری بنا کر، پیدایش کے حصہ رسد کو مقرر کر کے اور اسی طرح کے دوسرے کاموں کے ذریعے، مسابقت کو کم کیا جاتا ہے۔

مرکزی نگرانی نے لوہے اور فولاد کی صنعتوں میں بھی خوب ترقی کی ہے۔ ان صنعتوں میں اتحاد کی تحریک قبل جنگ کے زمانہ سے جاری ہے لیکن ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیانی سالوں میں اس نے فی الواقع بہت تیزی سے ترقی کی ہے۔ اس قسم کی ترقیوں کے علاوہ جیسا کہ عمودی اتحاد ہے، مختلف تجربے، پیداوار اور قیمتوں پر نگرانی رکھنے اور مسابقت کو محدود کرنے کے لیے کیے گئے لیکن ۱۹۳۱ء تک ان صنعتوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ ان کے لیے ایک زیادہ شدید قسم کی نئی تنظیم ازبس ضروری ہو گئی تھی۔ ۱۹۳۲ء میں ان صنعتوں کو محاصل درآمد کے ذریعے تامین دی گئی۔ لیکن حکومت نے یہ تامین اس شرط پر دی کہ یہ صنعتیں، نئی تنظیم کر کے اپنی اہلیت کارکردگی میں اضافہ کریں اور اس نے ایک کمیٹی کا تقرر کیا کہ وہ ضروری اسکیموں کو تیار کرکے، محاصل کروڑگیری کا مشورہ دینے والی کمیٹی کے روبرو پیش کرے۔ ۱۹۳۴ء میں ان صنعتوں نے، تنظیم نو کی ایک اسکیم کو قبول کر لیا اور محاصل کروڑگیری کی مشاورتی کمیٹی نے بھی اسے پسند کیا۔ لوہے اور فولاد کی صنعتوں کا انتظام اب ایک قومی وفاق کے ہاتھ میں ہے جو اپنے اراکین کی مختلف طریقوں پر خدمت کرتا رہتا ہے۔ مثلاً برآمد کے لیے ترقی کے محرک فراہم کرتا ہے، درآمد کو محدود کرتا ہے۔ قیمتوں اور پیداوار کو مقرر کرتا ہے وغیرہ۔

گنجائش کی کمی کی وجہ سے جایزے کو اتنا وسیع نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں دوسری بنیادی صنعتوں کا بھی ذکر آ جائے۔ لیکن اوپر کی مثالیں اس واقعے کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ انیسویں صدی کے آزاد مسابقت کی جگہ اب تقریباً ہر صنعت میں، قیمت اور پیداوار کے مقرر کرنے کے سلسلے میں، کسی نہ کسی قسم کی مرکزی نگرانی قایم کر دی گئی ہے۔

۲۲۔ پبلک کارپوریشن

مابعد جنگ کی معاشی تاریخ نامکمل رہے گی اگر ایسی پبلک کارپوریشنوں کی ترقی کا ذکر نہیں کیا جائے جن کا نمونہ بجلی کا مرکزی بورڈ، بی۔ بی۔ سی اور لندن پاسنجر ٹرانسپورٹ بورڈ ہیں۔ ایک مفہوم کے لحاظ سے پبلک کارپوریشن کو مابعد جنگ کی ایجاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ منو سپلٹیوں کے ایسے اقدامات سے جیسے گیس، پانی، ٹرام وے وغیرہ ہیں، لوگ، انیسویں صدی میں اچھی طرح مانوس ہو گئے تھے۔ لیکن مابعد جنگ کے پبلک کارپوریشن خصوصاً اس نمونے کے جیسے کہ بجلی کا مرکزی بورڈ اور بی۔ بی۔ سی۔ ہیں، منو سپلٹیوں کے ان اقدامات سے جو مفاد عامہ سے تعلق رکھتے تھے، بہت زیادہ مختلف ہیں پہلا فرق تو یہ ہے کہ ان کا حلقہ خدمت، مقامی رقبے کی جگہ قومی رقبہ ہوتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ان پر حکومت کی براہ راست نگرانی نہیں ہوتی۔ یہ تجارتی کاروبار ہیں۔ نیم خود مختار ہیں اور ان کا انتظام ان بورڈوں کے ہاتھ میں ہے جن کا حکومت بلا واسطہ یا بالواسطہ تقرر کرتی ہے۔ لیکن انھیں اس بات کی اجازت نہیں ہوتی کہ یہ اپنی خدمات کو نفع کمانے کے لیے استعمال کر سکیں۔

بجلی کے مرکزی بورڈ کا تقرر، جیسے سنہ ۱۹۲۶ء کے ایکٹ کے ماتحت قایم کیا گیا، نقل و حمل کا وزیر کرتا ہے اور وہ بجلی کی رسد پر نگرانی رکھنے اور اس میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے سلسلے میں، ملک کی مقتدر ترین جماعت ہے۔ جب سے یہ قایم ہوئی ہے، یہ کہا جا سکتا ہے، کہ سارے ملک کے لیے بجلی کے پیدا کرنے اور منتقل کرنے کے خاص قومی مسئلوں کو اس نے حل کر دیا ہے۔

لندن پاسنجر ٹرانسپورٹ بورڈ کی صورت، بجلی کے بورڈ اور بی۔ بی۔ سی۔ سے مختلف ہے کیونکہ یہ صرف ایک محدود رقبے میں کام کرتا ہے۔ اس کا تقرر

سنہ ۱۹۳۱ء میں کیا گیا تھا تاکہ لندن کے رقبے میں مسافروں کو منتقل کرنے کے جو مختلف وسائل ہیں ان کے اندر ایک جہتی پیدا کرے اور لندن کے نقل و حمل کے مسائل کو حل کرے۔ پھر بھی دونوں صورتوں میں، آخری مقصد ایک ہی تھا یعنی ایک صنعت کی مرکزی تنظیم تاکہ اس کے وسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔ یہ تجربے اس لیے دلچسپ ہیں کہ یہ آیندہ کی ترقی کی اغلب راہوں کا پتا دیتے ہیں۔ ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکومت کی ملکیت اور انتظام قائم کیے بغیر بھی، قومی ملک بنانے کے اصل مطمح نظر کو حاصل کرنا ممکن ہے نیز یہ کہ مشترک سرمایہ دار شراکت کے ساتھ حکومت کی نگرانی کی ایک معینہ مقدار کو بھی ملایا جاسکتا ہے۔

۴۲۔ صنعت کی تحصیر میں تبدیلیاں

سنہ ۱۹۲۰ء سے آبادی، شمال کی خاص خاص صنعتوں کے علاقے سے منتقل ہو کر انگلستان کے جنوب کی طرف خصوصاً دریائے ٹیمس کی وادی میں منتقل ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لندن کلاں کی غیر معمولی ترقی، سیاسی اور دوسرے وجوہ کی بنا پر، ایک نہایت اہم مسئلہ بن گئی ہے۔

جنوب کی جانب آبادی کی اس منتقلی پر، مختلف عوامل کا اثر پڑا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں جو صنعتی تبدیلیاں ہوئیں، انھوں نے لوہے اور فولاد، مشین سازی، جہاز سازی اور پارچہ بافی کی صنعتوں کو، انگلستان کے کوئلے کے میدانوں میں مجتمع کر دیا۔ لیکن یہی وہ صنعتیں ہیں جن پر خصوصیت کے ساتھ، مابعد جنگ کی عالمی تبدیلیوں کا سب سے زیادہ اثر پڑا ہے۔ اب انگلستان کے صناعوں کا، ان پر، وسیع معنی میں، اجارہ، باقی نہیں رہا ہے۔ سنہ ۱۹۱۴ء تک یہ ہماری برآمد کی تجارت میں اولین جگہ رکھتی تھیں۔

سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد سے بہت سی نئی صنعتوں کو ترقی ہوئی ہے جو ہمارے وطنی بازار کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ ان میں، مصنوعی ریشم اور موٹر اور بجلی کی مشینوں کی صنعتیں، نمونے کی مثالیں ہیں۔ مختلف وجوہ کی بنا پر، جن میں خاص طور پر لائق توجہ، ایک تو طلب کی نوعیت میں وہ تبدیلی ہے جو زندگی کے معیار کے بلند ہو جانے کی وجہ سے رونما ہوئی ہے اور دوسرے صنعتی طریقہ ہائے کار ہیں،

کفایتوں کا پیدا ہونا ہے، پیدائش کے کام میں جس قدر محنت استعمال کی جاتی تھی، اس کا تناسب گھٹ گیا ہے اور تقسیم اور دوسری خدمتی صنعتوں میں جو محنت استعمال کی جاتی تھی اس کا تناسب بڑھ گیا ہے۔ لندن کلاں میں جو حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے اس کا سبب بھی تنہا اسی واقعے کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ آبادی کے ایک بہت بڑے مرکز کے لیے، اس طرح کی خدمات کے ایسے اضافہ پذیر تناسب کی ضرورت ہوتی ہے جس میں افزائش پر افزائش ہوتی چلی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جنگ کے بعد سے، لندن، محنت کو اپنی طرف اس طرح کھینچ رہا ہے، جیسے مقناطیس لوہے کے ریزوں کو کھینچتا ہے۔

قبل جنگ کے سالوں کے مقابلے میں، صنعت کا مدار، کوئلہ پر، کم ہو گیا ہے یا کم سے کم یوں کہیے کہ براہ راست مدار کم ہو گیا ہے۔ اس لیے صنعت کو، کوئلے کے میدانوں میں، مجتمع کرنے کی ضرورت بھی نسبتاً کم ہو گئی ہے۔ پرانے صنعتی مرکزوں پر بہت اونچی شرح سے محاصل لگے ہوئے تھے اور ان محاصل کا بار ان علاقوں کی کساد بازاری کی حالت کی وجہ سے، زیادہ تشویش ناک ہو گیا ہے اس لیے نئی صنعتوں کو ترقی، دوسری جگہوں پر دی جا رہی ہے۔

بہت حالیہ سالوں میں، نئے اسلحہ کی فراہمی نے، محنت کی طلب پر بہت اثر ڈالا ہے اور یورپ کی امکانی جنگ کے نتائج کا خیال کر کے، صنعتوں کو ایسی جگہوں پر قایم کیا جا رہا ہے، جن کے محل وقوع کا تعین ہوائی حملوں سے محفوظ ہونے کی بنیاد پر کیا جاتا ہے یعنی انگلستان کے مغرب اور جنوب مغرب کے زیادہ بعید اضلاع میں۔ لیکن جیسے ہی نئے اسلحہ تیار کرنے والے مزدور بڑی تعداد میں اکٹھے کر لیے جاتے ہیں، فوراً ان کی مختلف ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اور زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور قرب و جوار میں نئی صنعتیں نمودار ہو جاتی ہیں۔

۲۴۔ سنہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ

نسبتاً پائدار یا آہستہ آہستہ تبدیل ہونے والی قیمتیں، سونے کے سادرن کے استعمال کی طرح، موجودہ نسل کے لیے، ماضی کی تاریخ بن چکی ہے۔ کچھ تو اشیا کی قلت رسد کی وجہ سے، لیکن زیادہ تر مقدار زر میں بہت زیادہ اضافہ ہو جانے

کی وجہ سے اور ایک حد تک غیر ماہر مزدور پیشہ طبقوں کی اجرت بصورت زر کے بڑھ جانے کی وجہ سے، قیمتیں ۱۹۱۵ء کی ابتدا ہی میں تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع ہوگئی تھیں۔ جنگ کے خاتمے پر، قیمتوں کی عام سطح، ۱۹۱۳ء کی سطح کے مقابلے میں، جسے عام طور پر مقابلے کے لئے ایک بنیادی سال قرار دیا جاتا ہے، ۱۲۵ فی صدی زیادہ ہوگئی تھی۔

عارضی التوائے جنگ کی وجہ سے قیمتوں کے اضافے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی۔ یہ تحریک ۱۹۲۰ء کے موسم بہار تک چلتی رہی اور اس تاریخ کو، قیمتیں، قبل جنگ کے آخری سال کے مقابلے میں تقریباً دگنی ہوگئی تھیں ۱۹۲۰ء کے موسم خزاں میں سلسلہ ٹوٹا اور قیمتیں تقریباً بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد کے سال میں اُتار چڑھاؤ ہوتے رہے اور بعض مہینوں میں قیمتوں میں خفیف اضافہ ہوا لیکن ستمبر ۱۹۲۱ء کے بعد سے کمی کی طرف مسلسل رجحان رہا اور ۱۹۲۲ء کے وسطی مہینوں میں قیمتوں کی عام سطح ۱۹۱۳ء کے اوسط کے مقابلے میں گر کر تقریباً پچاس فی صدی رہ گئی۔

۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۹ء کے درمیان قیمتیں نسبتہً زیادہ قایم رہیں۔ بحیثیت مجموعی تھوک قیمتوں میں ایک تدریجی کمی ہوتی رہی جس کی ایک حد تک وجہ یہ تھی کہ ۱۹۲۵ء کے بعد سے سونے کے معیار کو دوبارہ اختیار کر لیا گیا تھا لیکن جب اس کا مقابلہ ۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۲ء کی شدید تبدیلیوں سے کیا جاتا ہے تو قیمتوں کو نسبتہً قایم قرار دیا جاسکتا ہے ۱۹۲۹ء میں، تھوک قیمتوں میں دوبارہ پستی کی طرف رجحان بہت نمایاں ہوگیا۔ ایک کساد بازاری شروع ہوئی جس نے دنیا کو گھیر لیا اور تھوک قیمتیں ہر جگہ بیٹھ گئیں ۱۹۳۲ء کے قریب، قیمتیں، پستی کی انتہائی حد تک پہنچ گئیں۔ اس کے بعد صنعت میں تدریجی طریقہ پر بہتری پیدا ہوئی اور ۱۹۳۶ء کے خاتمے تک، قیمتیں برابر بڑھتی رہیں۔ ۱۹۳۷ء کے موسم بہار میں، عروج کی طرف میلان ختم ہوگیا اور اس اندیشے کا اظہار آزادی کے ساتھ کیا جانے لگا کہ اب کساد بازاری دوبارہ رونما ہونے والی ہے لیکن اس قسم کا جو رجحان بھی تھا، اس کو نئے اسلحہ کی فراہمی اور مدافعت کے زبردست پروگرام نے روک دیا ہے۔ لیکن جب یہ پروگرام مکمل ہوجائے گا تو پھر کیا ہوگا اس کے بارے میں اس وقت کچھ کہنا ناممکن ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے، قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کے وجوہ بہت سے رہے ہیں جن میں سے بعض پر دوسرے مباحث کے سلسلے میں بحث کی جا چکی ہے۔ جنگ کے دوران میں اور بعد جنگ کے ابتدائی سالوں میں، قیمتوں میں اضافہ زیادہ تر اس لیے ہوا تھا کہ زرِ رواں کی مقدار بہت بڑھ گئی تھی۔ سنہ ۱۹۱۴ء اور سنہ ۱۹۲۰ء کے درمیان، زرِ رواں کی مقدار تقریباً ۲۳۰ فی صدی بڑھ گئی تھی۔ سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد قیمتوں کا جو زوال ہوا، اس کے بھی کئی سبب تھے۔ ایک حد تک اس کا سبب یہ تھا کہ وطن میں زر کی مقدار میں تفریط کی گئی تھی اور باہر کے ملکوں میں زر کو ازسرِ نو تنظیم دی گئی تھی لیکن زوال کے ابتدائی حصہ کا سبب، ایسا معلوم ہوتا ہے، زر کی گردش کی رفتار میں کمی کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ سنہ ۱۹۲۲ء کے بعد سے، تھوک قیمتوں کی تبدیلیاں، اُتار چڑھاؤ دونوں جانب، گوناگوں حالات کا نتیجہ رہی ہیں مثلاً مختلف حکومتوں کے زر کی پالیسی، محاصل کروڑگیری، تجارتی معاہدات اور معاشی قومیت کے مختلف پہلو، کچے مال کی پیدائش میں خفی ترقی، پیداوار اور قیمتوں کی نگرانی کیلیے اسکیمیں وغیرہ وغیرہ۔

۲۵۔ سنہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے اجرتیں اور بے روزگاری

سنہ ۱۹۱۵ء میں، اجرتوں کی شرح اور مصارفِ زندگی دونوں بڑھنا شروع ہوئے لیکن جنگ کے سال چونکہ غیر معمولی ہوتے ہیں اور اس لیے کوئی صحیح مقابلہ کرنا پیچیدہ اور مشکل کام ہے۔ جب غذا کی قیمتیں تیزی سے بلند ہوتی ہیں تو بدل کا استعمال شروع ہو جاتا ہے اور تمام پیشوں میں اجرتوں کی شرح، مساوی طور پر نہیں بڑھتی۔ سنہ ۱۹۱۵ء اور سنہ ۱۹۱۸ء کے درمیان، اجرتوں میں سب سے زیادہ فائدہ ان غیر ماہر یا نسبتۃً غیر ماہر مزدوروں کو ہوا جو اسلحہ سازی کے کارخانوں میں کام کر رہے تھے۔ لیکن بحیثیت مجموعی، سنہ ۱۹۱۹ء تک، اجرتوں کی شرح میں اضافے کا رجحان، مصارفِ زندگی کے اضافے کے مقابلے میں کم ہی رہا۔ البتہ اس تاریخ کے بعد، اجرتوں میں، مصارفِ زندگی کے مقابلے میں سنہ ۱۹۲۱ء کے ابتدائی مہینوں تک، زیادہ تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا۔ ان سالوں میں، اجرتوں پر، حالات کے مطابق گھٹنے بڑھنے والی اس شرحِ اجرت کے حساب سے جو مصارفِ زندگی کے اشاریہ پر مبنی تھی، وسیع پیمانے پر نگرانی کی گئی۔

چنانچہ مندرجۂ بالا وجہ کی بنا پر، سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد کی کساد بازاری میں اجرتوں کی شرح میں جو زوال ہوا، وہ مصارف زندگی کی تخفیف کے ساتھ تقریباً ایک جوابی نسبت رکھتا تھا۔ لیکن اس صنعتی کساد بازاری نے ایسی زبردست بے روزگاری کو پیدا کیا جس سے قبل جنگ کے سالوں میں لوگ ناواقف تھے اور سنہ ۱۹۲۱ء کے وسط تک، بے روزگاری کی جملہ تعداد، بیس لاکھ اشخاص تک پہنچ چکی تھی۔ سنہ ۱۹۲۲ء اور سنہ ۱۹۲۴ء کے درمیان، حالات واضح طور پر، بہتر ہو گئے۔ حالات کے مطابق گھٹنے بڑھنے والی اجرت کی شرحیں، اجتماعی سودے، اور بے روزگاری کے بیمے کی توسیع- ان سب نے اجرتوں کی شرح میں کمی کو روک دیا، اور بے روزگاروں کا ایک بڑا حصہ، صنعت میں دوبارہ جذب کر لیا گیا۔

سنہ ۱۹۲۲ء اور سنہ ۱۹۲۴ء کے درمیان، بے روزگاری کے اعداد ۲۰ لاکھ سے گر کر دس لاکھ سے بس کچھ تھوڑے ہی زیادہ رہ گئے۔

سنہ ۱۹۲۴ء اور سنہ ۱۹۲۶ء کے درمیان، بے روزگاری کی مقدار میں خاصا اتار چڑھاؤ ہوتا رہا۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں، کوئلے کی زبردست ہڑتال نے کان کنوں کو تو بے روزگار کیا ہی تھا لیکن ان کے علاوہ بہت سے اور دوسرے مزدوروں کو بھی کوئلے کی کمی کی بنا پر بے روزگار کر دیا۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں بے روزگاری کے اعداد کم ہو گئے لیکن سنہ ۱۹۲۸ء میں پھر دوبارہ بڑھ گئے۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں زبردست عالمی کساد بازاری کی گھٹائیں چھانا شروع ہوئیں اور بے روزگاری کی ایک ایسی وبا ساری دنیا پر مسلط ہو گئی جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

سنہ ۱۹۲۹ء تا سنہ ۱۹۳۲ء کے زمانے میں، اجرتوں میں اوسطاً چار اور پانچ فی صدی کی کمی ہوئی لیکن اس سے ان لوگوں کے معیار زندگی میں جو کام سے لگے رہے کوئی کمی نہیں ہوئی۔ کیونکہ مصارف زندگی کے اندر کمی، اجرت کی کمی کے مقابلے میں تین گنا زیادہ تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۲۲ء اور سنہ ۱۹۳۱ء کے درمیان، اجرتوں کی شرح میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان پر غور کرتے وقت ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ برآمد کرنے والی شریک مسابقت صنعتوں میں اجرتوں کا زوال، نام نہاد محفوظ صنعتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوا۔ محفوظ صنعتوں میں سرکاری اور میونسپلٹی کی خدمات فراہم کرنے والی اور وطنی استعمال کے لیے

مال پیدا کرنے والی صنعتیں شامل ہیں۔ ان محفوظ صنعتوں کو مصارف زندگی کی کمی سے ان سالوں میں بہت فائدہ پہنچا۔

اگست سنہ ۱۹۳۲ء تک بے روزگاری اپنے انتہائی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی اس کے بعد سنہ ۱۹۳۷ء کے خاتمے تک یہ برابر گرتی رہی۔ اس وقت ہم اس عدد تک پہنچ گئے تھے جو سنہ ۱۹۲۹ء کے عدد کے تقریباً برابر تھا۔ سنہ ۱۹۳۸ء کے دوران میں بے روزگاری کے اس عدد میں، محنت کی اس طلب کے باوجود جو نئی اسلحہ سازی کی وجہ سے پیدا ہوئی، پھر اضافہ ہو گیا۔

سنہ ۱۹۲۳ء سے سنہ ۱۹۳۵ء کے خاتمے تک اجرتوں کی شرح میں بہت خفیف اُتار چڑھاؤ ہوئے اور مصارف زندگی میں بصورت مجموعی پستی کی طرف رجحان رہا۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں اجرتیں پھر بلند ہونا شروع ہوئیں لیکن اسی کے ساتھ مصارف زندگی بھی بلند ہونے لگے۔ مندرجۂ بالا تجزیے میں صرف عام رجحانات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان میں ان نمایاں تبدیلیوں کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا ہے جو ایک منفرد سال میں اکثر واقع ہوتی رہیں۔

اجرت متعارفہ سے ممیز کر کے جب اجرت حقیقی اور مصارف زندگی کے بارے میں بیانات دیے جاتے ہیں تو ان کے مفہوم کے سمجھنے میں بہت حزم و احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس بیان کا مفہوم کہ سنہ ۱۹۳۹ء میں مصارف زندگی سنہ ۱۹۱۳ء کے مقابلے میں ۵۶ فی صدی زیادہ ہیں، صرف یہ ہے کہ اگر ایک مزدور پیشہ خاندان، بالکل ویسی ہی چیزوں کو، نوعیت اور مقدار دونوں اعتبار سے استعمال کرے، جیسی کہ سنہ ۱۹۱۳ء میں کرتا تھا تو اس خاندان کے لیے ابتدائی ضرورتیں فراہم کرنے کے مصارف سنہ ۱۹۳۹ء میں ۵۶ فی صدی زیادہ ہوں گے۔

۲۶۔ بعض تشریحی اعداد و شمار۔ اس باب میں جن موضوعوں سے بحث کی گئی ہے ان میں سے کچھ کی تشریح مندرجۂ ذیل جدولوں کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ اکثر صورتوں میں مختلف مستند ماخذ متفاوت تخمینے دیتے ہیں، اس لیے ان اعداد کو محض تشریحی اور قریب قریب سمجھنا چاہیے۔

جنگ اور مابعد جنگ کے ابتدائی سالوں کی آمدنی اور اخراجات

	آمدنی	اخراجات
سنہ ۱۹۱۳ء - سنہ ۱۹۱۴ء	۱۹۸ ملین پونڈ	۱۹۷ ملین پونڈ
سنہ ۱۹۱۶ء - سنہ ۱۹۱۷ء	۵۷۳ "	۲،۱۹۸ "
سنہ ۱۹۱۹ء - سنہ ۱۹۲۰ء	۱،۳۴۰ "	۱،۶۶۶ "
سنہ ۱۹۲۰ء - سنہ ۱۹۲۱ء	۱،۴۲۶ "	۱،۱۹۵ "
سنہ ۱۹۲۲ء - سنہ ۱۹۲۳ء	۹۱۴ "	۸۱۲ "
سنہ ۱۹۲۴ء - سنہ ۱۹۲۵ء	۷۹۹ "	۷۹۶ "

جنگ اور قومی قرضہ

سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۲۰ء	سنہ ۱۹۲۳ء	سنہ ۱۹۲۵ء	سنہ ۱۹۳۸ء[1]
۷۱۱ ملین پونڈ	۷،۸۷۹ ملین پونڈ	۷،۸۰۸ ملین پونڈ	۷،۶۶۲ ملین پونڈ	۷،۸۰۵ ملین پونڈ

[1] نئی اسلحہ سازی کے پروگرام کے اثرات۔

جنگ اور مابعد جنگ کے ابتدائی سالوں میں ہڑتالوں کی وجہ سے کتنے دن ضائع ہوئے

۱۹۱۷	۱۹۱۸	۱۹۱۹	۱۹۲۰	۱۹۲۱	۱۹۲۲	۱۹۲۳	۱۹۲۴	۱۹۲۵
۵۰ لاکھ	۶۰ لاکھ	۳ کروڑ ۴۰ لاکھ	۲ کروڑ ۷۰ لاکھ	۸ کروڑ ۶۰ لاکھ	۲ کروڑ	ایک کروڑ ۶ لاکھ	۸۳ لاکھ	۸۰ لاکھ

برطانیہ میں کوئلے، لوہے اور فولاد کی پیداوار ۱۹۱۴ء تا ۱۹۳۶ء

(اعداد صرف قریب قریب صحیح ہیں)

سال	کوئلہ	لوہا	فولاد
۱۹۱۴	۲۷ کروڑ ٹن	۹۵ لاکھ ٹن	۷۰ لاکھ ٹن
۱۹۱۹	۲۴ کروڑ ۴۰ لاکھ ٹن	۸۷ لاکھ ٹن	۸۹ "
۱۹۲۴	۲۴ کروڑ ۵۰ لاکھ ٹن	۶۳ لاکھ ٹن	۷۳ "
۱۹۲۹	۲۲ کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن	۶۰ لاکھ ٹن	۷۷ "
۱۹۳۴	۲۲ کروڑ ٹن	۴۷ لاکھ ٹن	۹۷ "
۱۹۳۶	۲۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ٹن	۷۰ لاکھ ٹن	ا کروڑ ۸ لاکھ ٹن

بیمہ شدہ اشخاص کی بے روزگاری کے اعداد ۱۹۲۲ء تا ۱۹۳۷ء

۱۹۲۲	۱۴٫۵ فی صد	۱۹۲۶	۱۲٫۵ فی صد	۱۹۳۰	۱۶ فی صد	۱۹۳۴	۱۶٫۵ فی صد
۱۹۲۳	۱۱٫۷ "	۱۹۲۷	۹٫۷ "	۱۹۳۱	۲۱ "	۱۹۳۵	۱۵٫۵ "
۱۹۲۴	۱۰٫۴ "	۱۹۲۸	۱۰٫۸ "	۱۹۳۲	۲۲ "	۱۹۳۶	۱۳٫۰ "
۱۹۲۵	۱۱٫۳ "	۱۹۲۹	۱۰٫۴ "	۱۹۳۳	۱۹٫۹ "	۱۹۳۷	۱۰٫۸ "

بیمہ شدہ اشخاص کی تعداد سے آبادی کی تبدیلیوں کی وضاحت

انتظامی حلقہ	۱۹۲۳	۱۹۳۸
لندن	۱۰۰	۱۴۳ء۷
جنوب مشرقی	۱۰۰	۱۵۹ء۶
جنوب مغربی	۱۰۰	۱۴۰ء۳
مڈلینڈ	۱۰۰	۱۲۷ء۳
شمال مشرقی	۱۰۰	۱۱۱
شمال مغربی	۱۰۰	۱۰۳
شمالی	۱۰۰	۱۰۱
ویلز	۱۰۰	۸۰

ذیل کی جدول سے برطانیہ کی درآمد و برآمد پر عالمی کساد بازاری کے اثرات کی وضاحت ہوتی ہے۔

	درآمد			برآمد		
	سلطنت کے ملکوں سے	باہر کے ملکوں سے	میزان درآمد	سلطنت کے ملکوں سے	باہر کے ملکوں سے	میزان برآمد
سنہ ۱۹۱۳ء	ایک کروڑ ۹۲ لاکھ پونڈ	۵ کروڑ ۷۷ لاکھ پونڈ	۷ کروڑ ۶۹ لاکھ پونڈ	ایک کروڑ ۹۵ لاکھ پونڈ	۳ کروڑ ۳۰ لاکھ پونڈ	۵ کروڑ ۲۰ لاکھ پونڈ
۱۹۲۹	۳ ،، ۱۴ ،،	۸ ،، ۶۲ ،،	۱۱ ،، ۷۶ ،،	۲ ،، ۸۸ ،،	۴ ،، ۵ ،،	۶ ،، ۹۳ ،،
۱۹۳۳	۲ ،، ۳۱ ،،	۴ ،، ۲۶ ،،	۶ ،، ۵۷ ،،	۱ ،، ۴۴ ،،	۲ ،، ۴ ،،	۳ ،، ۴۸ ،،
۱۹۳۴	۲ ،، ۵۴ ،،	۴ ،، ۶۱ ،،	۷ ،، ۱۵ ،،	۱ ،، ۶۶ ،،	۲ ،، ۱۰ ،،	۳ ،، ۷۶ ،،
۱۹۳۵	۲ ،، ۶۶ ،،	۴ ،، ۷۲ ،،	۷ ،، ۳۸ ،،	۱ ،، ۸۴ ،،	۲ ،، ۲۲ ،،	۴ ،، ۶ ،،

تھوک قیمتوں کی عام سطح سنہ ۱۹۱۳ء تا سنہ ۱۹۳۹ء

۱۹۱۳	۱۰۰	۱۹۲۱	۱۶۹	۱۹۳۱	۸۹
۱۹۱۵	۱۳۰	۱۹۲۳	۱۴۷	۱۹۳۳	۸۶
۱۹۱۶	۱۵۶	۱۹۲۵	۱۵۴	۱۹۳۵	۹۵
۱۹۱۹	۲۲۶	۱۹۲۷	۱۳۹	۱۹۳۷	۱۱۳٫۵
۱۹۲۰	۲۷۳	۱۹۲۹	۱۲۷	۱۹۳۸	۹۹

اجرتیں اور مصارف زندگی سنہ ۱۹۲۰ء تا سنہ ۱۹۳۷ء

	مصارف زندگی	اجرتیں	.	مصارف زندگی	اجرتیں
۱۹۱۴	۱۰۰	۱۰۰	۱۹۲۹	۱۶۷	۱۹۳
۱۹۲۰	۲۴۷	۲۶۰	۱۹۳۱	۱۵۱	۱۸۹
۱۹۲۱	۲۳۲	۲۵۴	۱۹۳۳	۱۴۳	۱۸۵
۱۹۲۳	۱۷۸	۱۹۳	۱۹۳۵	۱۴۵	۱۸۶
۱۹۲۵	۱۷۹	۱۹۶	۱۹۳۷	۱۵۵	۱۹۶
۱۹۲۷	۱۷۲	۱۹۶	۱۹۳۹	۱۵۶	

باب (۱۷)

خاتمہ

۱۔ فطرت پر اقتدار انگلستان کی معاشی تاریخ کے بارے میں ہماری واقفیت اگرچہ مکمل نہیں ہے لیکن پھر بھی اتنی کافی ضرور ہے کہ اس سے واقعات کے عام رجحان کو دکھلایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اب ہم اس قابل ہیں کہ جزئیات کے اختلافات سے آزاد ہو کر ایک عام تبصرہ کریں۔ شاید سب سے اہم نتیجہ جس پر ہم پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان نے تدریجی طور پر فطرت کو مسخر کر لیا ہے اور اپنے فایدے کے لیے اس کی قوت سے کام لینا شروع کر دیا ہے، اس کے مقابلے میں وحشی لوگ اپنی ضروریات کی معمولی رسد کے لیے اپنے خارجی حالات کے اور ان عوامل کے جو اس رسد کو محدود یا موقوف کرتے ہیں، پوری طرح پابند ہوتے ہیں۔

لیکن "فطرت کی تسخیر" انسانیت کا ایک ہمہ گیر قانون نہیں ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن میں اس کے بالکل برعکس رجحان نظر آتا ہے بعض قومیں اس اعتبار سے طویل زمانوں تک ایک ہی جگہ پر قایم نظر آتی ہیں اور بعض جماعتیں ایسی ہیں

جنھوں نے بہت آہستہ آہستہ ترقی کی ہے لیکن یورپ کے زیادہ مہذب ملکوں میں اور اس سے بھی زیادہ امریکہ جیسی ترقی پذیر نئی ریاستوں میں یہ اثر بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

ہم یہ تو فرض نہیں کرسکتے کہ رجحانِ انسانی مشاغل کی ہر صنعت میں نظر آتا ہے۔ غالباً دوسری چیزوں کے مقابلے میں، معاشی معاملات میں، کم سے کم ظاہری طور پر، یہ زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ احتیاج نے، تحقیقات کے لیے مجبور کیا اور مفادِ ذاتی، ایجاد و اختراع کی قوتوں کو ظہور میں لایا سب سے زیادہ ان معاملات میں، جن کا تعلق، بنیادی ضرورتوں کی تسکین، نیز ملکیت سے تھا۔

فطرت پر انسان کا اقتدار غیر محدود نہیں ہے۔ فطرت کے قوانین کی پابندی اب بھی کرنا پڑتی ہے۔ کچھ حدود ایسے ہیں جن سے باہر جانے کی، نظری طور پر بھی، سائنس توقع نہیں کرسکتا۔ مکمل ترین مشین بھی، اگر طاقت کی ایک معینہ مقدار فراہم کردی جائے، کام کی ایک خاص مقدار ہی کو انجام دے سکتی ہے۔ اس کے علاوہ، دنیا میں طاقت کی صرف ایک خاص مقدار موجود ہے اور موجودہ زمانے میں ہم نظری طور پر بھی، اس سے، کام کی صرف ایک محدود مقدار حاصل کرسکتے ہیں، اگرچہ ریڈیم کی حالیہ ایجاد سے ہوسکتا ہے کہ یہ حد کچھ اور زیادہ وسیع ہوجائے۔

لیکن فطرت پر قابو حاصل کرنے کا کام ابھی تک جاری ہے۔ اس کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ ہم اپنے وسائل کی انتہا تک پہنچ گئے ہیں۔ بلکہ حقیقتاً ہم جتنا آگے بڑھتے جاتے ہیں اتنے ہی ہمارے ترقی کے امکانات زیادہ وسیع ہوتے جارہے ہیں۔ لکڑی کی جگہ ہوا اور پانی کی طاقت نے لی اور ان کی جگہ کوئلے نے۔ انیسویں صدی کا یہ اندیشہ کہ ایندھن کے ذخائر ختم ہورہے ہیں، انگلستان اور دوسرے باہر کے ملکوں میں جو نئی دریافتیں ہوئی ہیں ان کی وجہ سے دور ہوگیا ہے۔ معدنی تیل اور فطری گیس نے، کوئلے کے زیادہ کفایتی استعمال کے ساتھ مل کر جو بجلی کی صورت میں کیا جاتا ہے، نہایت حیرت انگیز کارنامے انجام دیے ہیں۔ ایسے ہی کام، آبی طاقت کے جدید استعمال نے بھی بعض ان ملکوں میں جن کو یہ عطیہ میسر ہے، انجام دیے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زمین کی داخلی

گرمی یا سورج کی شعاعوں کی گرمی سے استفادہ کرنے کا کام بھی ہمیشہ محض نظری منزل پر رہا ہے۔

فطرت پر قابو حاصل کرنے کے سلسلے میں ایک دوسری رکاوٹ جو انسان کی راہ میں حایل ہے، وہ انسانی روایات ہیں۔ ایک قوم کے اندر، نئے خیالات آہستہ آہستہ سرایت کرتے ہیں۔ اس لیے نئی ایجادوں کو آہستہ آہستہ استعمال میں لایا جاتا ہے۔ تاریخ میں یہ بات مسلسل طور پر نظر آتی ہے کہ کس طرح انسان اپنے پچھلے دور کے سماجی، مذہبی اور سیاسی تعصبات پر غالب آنے کی جد وجہد برابر کرتا رہا ہے، نظری واقفیت، عملی مصلحت اندیشی سے، عموماً بہت آگے رہتی ہے اور جہاں ایک معاشی نظام، رسمی ضرورتوں کی کافی اچھی طرح تسکین کر سکتا ہے، وہاں، یہ پس ماندگی اور بھی زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔

۲۔ معاشی تاریخ یعنی کمیابی کے خلاف جنگ

فطرت پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے انسان کی طرف سے جو ایک اضافہ پذیر جد وجہد جاری ہے، وہ اس سے کچھ زیادہ وسیع کشمکش کا ایک خاص رخ ہے یعنی اس کی اس طویل اور پیہم جد وجہد کا جو اس نے انسانی ضرورتوں کی تسکین کے وسائل کی کمیابی کو دور کرنے کے سلسلے میں جاری رکھی ہے۔ تسلسل کا یہ رشتہ پوری معاشی تاریخ میں، ابتدائی زمانے سے اب تک کارفرما نظر آتا ہے۔ اغراض کے مقابلے میں، تسکین کے ذرایع کی کمیابی۔ یہی وہ چیز ہے جس نے تمام عہدوں میں تمام تبدیلیوں کے لیے قوت محرکہ فراہم کی ہے۔

سال کے کچھ مہینوں میں، طبعی زندگی کی ابتدائی ضروریات کی کمیابی نے ابتدائی انسان کو تہذیب کی جانب، پہلا قدم اٹھانے کے لئے اکسایا اور اس نے موجودہ بخشش کو آیندہ کے استعمال کے لیے محفوظ رکھنا شروع کر دیا۔ چودھویں اور پندرھویں صدی کی معاشی اور سماجی تبدیلیوں کے پیچھے بھی، کمیابی کا بنیادی نظریہ ہی کارفرما نظر آتا ہے کیونکہ محنت اور ذرایع ادائی کی کمیابی نے جاگیردارانہ نظام کے شیرازے کو، جو کالی دبا کے بعد منتشر کر دیا اور پندرھویں اور سولھویں صدی کی زرعی تبدیلیوں کا خلاصہ بھی اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ یہ بھی اولاً اس اصول کے ایک پہلو پر

اور بعد میں دوسرے پہلو پر غالب آنے کی کوششیں تھیں۔ مصر اور شام کو جب ترکی نے فتح کر لیا تو مشرق بعید کی بہت زیادہ مطلوب پیداوارں، یورپ میں کمیاب ہوگئیں اس کمیابی کو دور کرنے کے لیے کولمبس اور اس کے جانشین نئے راستوں کو ڈھونڈھنے کے لیے نکلے اور ضمناً انھوں نے نئے ملکوں کو دریافت کر لیا۔ اس کے بعد، ان نئے بازاروں کے لیے جو اس طرح پیدا ہو گئے تھے، جب موجودہ وسائل پیدائش، کافی مال فراہم نہیں کر سکے، تو اٹھارویں صدی کی پارچہ بافی کی اور دوسری ایجادیں وجود میں آئیں۔

سترھویں صدی میں، اعتبار کے نظام کی ابتدائی ترقی بھی، جس پر موجودہ معاشی دنیا کا دارومدار ہے، فلزی ذرائع ادائی کی قدرتی کمیابی کو دور کرنے ہی کی ایک تدبیر تھی۔ غرض، ان مثالوں کو غیر محدود تعداد میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ بیسویں صدی میں، صنعتی طریقۂ کار کی غیر معمولی ترقی کے نتیجے کے طور پر، کمیابی کا اصول اب دوسرے طریقے پر کام کرنے لگا ہے لیکن اب بھی یہ ایک حقیقی وجود رکھتا ہے۔ اغراض کے مقابلے میں، تسکین کے ذرائع اب بھی محدود ہیں، لیکن اب یہ کمیابی، پیدائش دولت کی جگہ تقسیم دولت کے ساتھ متعلق ہو گئی ہے اور کمیابی کے اس نئے پہلو پر غالب آنے کی یہ ناگزیر کوشش ہو سکتا ہے، کہ اُن سے بھی زیادہ اہم کلی تغیرات کو پیدا کرے جیسے کہ پندرھویں صدی کے خاتمے پر، عہد وسطیٰ کے نظام کے انتشار کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے

۳۔ سیاسی تاریخ کے ساتھ معاشی تاریخ کا تعلق

معاشی تاریخ، ایک مکمل طور پر علحدہ اور خود مختار چیز نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے حدود کو ٹھیک ٹھیک متعین کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور اس کی رفتار کے رخ پر ہمیشہ سیاسی اور معاشی اداروں اور خیالوں کا اثر پڑتا رہا ہے۔ عہد وسطیٰ کی معاشی تاریخ ایک خاص راستے پر چلتی رہی جسے اس دور کے سیاسی، سماجی اور درحقیقت مذہبی خیالات نے متعین کیا تھا۔ سولھویں صدی میں جب ایک طاقتور مرکزیت پسند ٹیوڈر خاندان کی بادشاہت برسر اقتدار آئی اور سترھویں صدی کے خاتمے پر، سیاسی اقتدار کا مرکز کشش بادشاہ کی جگہ پارلیمنٹ ہو گئی اور انیسویں صدی میں، حق رائے دہی میں تدریجی توسیع ہوئی تو ان سب نے

معاشی تاریخ کی روش پر اثر ڈالا اٹھارھویں صدی کے آخری زمانے کی انفرادیت کی وجہ سے، معاشی نقطۂ نگاہ میں جو ایک عجیب بل پڑ گیا، اس کا عکس انسانی مشاغل کے نظم و انتظام میں کم سے کم دو نسلوں تک چلتا رہا اور سنہ ۱۸۶۰ء کے بعد سے مملکت کے جدید نظریے میں جو ترقیاں ہوئیں، ان کے نتایج بھی اس سے کچھ کم اہم ثابت نہیں ہوئے ہیں۔

معاشی تاریخ کا سیاسی اور سماجی اداروں پر اس طرح منحصر ہونا، دو طریقوں پر اہمیت رکھتا ہے۔ اول تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخی مظاہر کی سلسلہ وار منازل کے درمیان، علت و معلول کا جو تعلق پایا جاتا ہے، یہ ممکن ہے، کہ اس کا اندازہ اصلیت سے زیادہ کیا جائے۔ معاشی جبریت ایک ایسا نظریہ ہے جو بہت سے ذہنوں کے لیے ہمیشہ سے بہت جاذب نظر رہا ہے۔ قدیم مصنفوں مثلاً بقراط کے یہاں اس کے آثار ملتے ہیں اور زیادہ جدید زمانے میں بوڈن اور مانٹسکو کے یہاں لیکن اس کی مستند تشریح کارل مارکس کی تصانیف میں ملتی ہے۔ اسے انسانی تاریخ کی قوت محرکہ کے ایک نظریے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اور اس حیثیت سے اس نے انسانی فکر کی بعض اصناف میں ایک کھلبلی مچا دی ہے، یہ بات کہ ترقی میں تسلسل پایا جاتا ہے، جیسا کہ راڈبرٹس اور کارل مارکس کا عقیدہ تھا، بلاشبہ صحیح ہے۔ اسی طرح معاشی مظاہر کے ایک پہلو کی تبدیلیوں کا، دوسرے پہلوؤں کی تبدیلیوں کے ساتھ قطعی باہمی تعلق قایم کرنا بھی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ معاشی تاریخ کا، کم سے کم جزئی طور پر، سماجی اور سیاسی خیالات پر انحصار ہے اور یہ خیالات اپنی جگہ پر خود ایسی قوتوں کا نتیجہ ہیں جو پورے طور پر مادیت سے تعلق نہیں رکھتیں۔ تو یہ باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اپنی انتہا پسندانہ شکل میں، معاشی جبریت، ایک کمزور نظریہ بن جاتی ہے۔

معاشی تاریخ کے سیاسی اور سماجی اداروں پر منحصر ہونے کی اہمیت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سے اس بات کی بھی کچھ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ معاشی ترقی کیوں سیدھے راستے پر نہیں چلتی بلکہ اس کے اندر لہروں کی طرح اُتار چڑھاؤ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

۴۔ ترقی

سماجی ترقی کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے حقیقت یہ ہے کہ سترھویں صدی تک، کلاسیکی روایات کا اثر اتنا قوی رہا کہ ترقی کے حقیقی وجود ہی سے قطعی انکار کیا جاتا رہا۔ اٹھارھویں صدی میں بھی، مانٹسکو جیسا مصنف جو اپنے خیالات کے لحاظ سے لبرل تھا۔ ترقی کے تصور کے لیے اپنی تصانیف میں کوئی جگہ نہیں نکال سکا اور روسو کے نزدیک، تہذیب، اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ ایک قطعی رجعت تھی۔

اب اگرچہ یہ صحیح ہے کہ معاشی معاملات میں ایسی ترقی کی جاسکتی ہے جس کا کوئی جوابی عکس، اخلاق اور سماجی بہبود کی ترقی میں نظر نہ آئے لیکن اس امر واقعہ کے بارے میں کہ انگلستان کی معاشی تاریخ، مادی ترقی کی ایک روداد ہے رد و قدح کرنا، مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اٹھارھویں صدی جیسے زمانے میں بھی جو خاصا بعد کا زمانہ ہے، معاشیین کو اس طرح کے تصورات میں، جیسے کہ تعیشات اور ضروریات کے ہیں، ایک قطعی خط فاصل کھینچنے میں بہت کم دشواری ہوتی تھی لیکن آج اس قسم کی تفریق روز بروز مشکل ہوتی جارہی ہے کیونکہ جن چیزوں اور سہولتوں کا شمار، دو صدی پہلے، بادشاہوں کے تعیشات میں کیا جاتا تھا وہ اب ہر ایک دیہات کے مکان کی ضروریات میں داخل ہوگئی ہیں۔ آج جن آراموں سے مزدور لطف اندوز ہوتے ہیں ان کا مقابلہ جب جاگیردارانہ نظام کے غیر آزاد کسان بلکہ اٹھارھویں صدی کے آزاد کسان کی کمترین خورد و نوش کی زندگی سے کیا جاتا ہے تو اس قدر نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے کہ اول نظر میں یہ سمجھنا مشکل ہے کہ مادی ترقی کے بارے میں کیسے کبھی شبہہ کا اظہار کیا جاسکا۔

اس کی وجہ بلاشبہہ یہ ہے کہ تمام دوسرے سماجی تصورات کی طرح ترقی کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک اس کا قطعی پہلو ہے اور دوسرا اضافی۔ اور جب یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ مزدوروں کے طبقے کو صنعتی انقلاب سے بہت کم فایدہ پہنچا ہے تو اس وقت اس دعوے میں صداقت کا پہلو زیادہ تر اس کے اضافی مفہوم ہی کی بنیاد پر نکالا جاسکتا ہے۔

اب یہ تو مانا جاسکتا ہے کہ جتھے کے نظام اور خانگی نظام کو ترک کرکے

جب میکانکی، تخصیص یافتہ اور بڑے پیمانے کی صنعت کو اختیار کیا گیا تو اس کام کو ثبات و استحکام کی قربانی کے بغیر انجام تک نہیں پہنچایا جا سکا۔ سنہ ۱۷۶۰ء کے بعد سے، صنعتی نظام میں جو اضافہ پذیر متزائد پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے، اس کے ساتھ ساتھ توازن کی ایک ایسی نزاکت بھی نمودار ہو گئی ہے جس سے پہلے زمانوں کے لوگ ناواقف تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں بے روزگاری اور ناداری صنعتی انقلاب کے ساتھ ساتھ داخل ہوئیں کیونکہ سولھویں صدی کے زری اور محتاجوں کے قوانین کی تاریخ سے، اس کے بالکل برعکس بات ثابت ہوتی ہے۔ لیکن صنعتی انقلاب نے ان مسائل کو، نئے نظام کے ماتحت زیادہ سخت بنا دیا۔ مزدور کا دار و مدار، صنعت کی صرف ایک شاخ پر ہو گیا جس کے اندر بین الاقوامی بازار کے تلون کی وجہ سے ابتری کی طرف میلان، مستقل طور پر پایا جانے لگا، اور اس کے ساتھ وسائل پیدائش کی ملکیت پر سے مزدور کا اقتدار پوری طرح زائل ہو گیا۔

تخصیص کار نے روزگار کو ناپائیدار بنا دیا کیونکہ جب ایک کڑی کارکردگی دکھانے میں ناکام رہتی ہے تو یہ بات پوری صنعتی زنجیر کو معطل کر دینے کے لیے کافی ہوتی ہے اور تخصیص یافتہ مشینوں کی ترقی کی وجہ سے، مصارف پیدائش میں جو کمی واقع ہوتی ہے، اس کا نتیجہ، قلیل مدت کے دوران میں، ہمیشہ یہ نہیں نکلتا کہ محنت کی طلب میں اضافہ رونما ہو جائے۔ اٹھارھویں صدی کے خاتمے پر جو نیا صنعتی اور سماجی مسئلہ اس طرح پیدا ہوا ہے اس کو ابھی تک حل نہیں کیا جا سکا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے لکھتے وقت (مئی سنہ ۱۹۲۳ء) ہم اس معاملے میں ترقی کی جگہ رجعت کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں۔

لیکن ایک مفہوم کے لحاظ سے بلاشبہ سنہ ۱۸۳۰ء کے بعد سے ناقابل انکار ترقی کی گئی ہے۔ اب اگر مزدور کی جگہ مشین لیتی ہے یا وہ تجارتی کساد بازاری کی وجہ سے بے روزگار ہو جاتا ہے تو اُسے محتاجوں کے اس قانون کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دیا جاتا جو سنہ ۱۸۳۴ء کے نظریات کی روشنی میں وضع کیا گیا تھا۔ اس وقت کی طرح، اب سرکاری امداد اس طرح نہیں دی جاتی کہ وہ سماج کی نگاہ میں ذلیل ہو جائے۔ پبلک کے ضمیر نے اب اس بات کو محسوس کرنا شروع کر دیا ہے

کہ ایک ایسا سماجی مسئلہ موجود ہے، جس کے حدود کے اندر، صنعت کی جدید تحریک کی قوتوں کے سامنے، فرد بالکل بے بس نظر آتا ہے۔ اس لیے مختلف طریقوں پر مزدور کو تحفظ دیا گیا ہے اور اس کی سختیوں کو اس درجے کم کیا گیا ہے کہ جس سے آج کی صورت حال، ۱۸۹۰ء کے مقابلے میں بھی، نمایاں طور پر علٰحدہ نظر آتی ہے۔

بدقسمتی سے تخفیف میں سکون پیدا کر دینے سے، مرض دور نہیں ہو جاتا چنانچہ انیسویں صدی کے شروع سے اشتراکی برابر یہ دعوی کر رہے ہیں کہ صنعتی ترقی کے اصلی ماحصل پر صرف چند منتخب لوگوں نے قبضہ جما رکھا ہے نیز یہ کہ ایجاد واختراع کی غیر معمولی صلاحیت اور امداد باہمی سے جو زاید دولت پیدا ہوئی اس کو زمین یا آلات پیدائش کے مالکوں نے ہتیا لیا ہے۔

یہ دلیل اگرچہ بالکل بے بنیاد تو نہیں ہے لیکن پھر بھی اس میں صاف طور پر مبالغہ نظر آتا ہے۔ ایک صدی پہلے کے مقابلے میں اب یہ دلیل بہت کم صحیح رہ گئی ہے۔ سنہ ۱۸۸۰ء کے بعد سے واقعات کی جو رفتار رہی ہے اس کی وجہ سے زمین کے مالک، زاید دولت کے پورے حصے پر قبضہ قایم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں، جیسی کہ ریکارڈو اور بعد میں اس کی بنیاد پر ہنری جارج نے اٹل قوانین کے نتیجے کے طور پر پیشین گوئی کی تھی۔ مزدوروں کی آبادی جسمانی ضروریات کی مختصر حد تک پہنچنے کے لیے مجبور نہیں ہوئی جس کا کہ مالتھس کو اندیشہ تھا اور سرمایہ بہت کم ہاتھوں میں مجتمع نہیں ہو گیا جس طرح کہ کارل مارکس نے پیشین گوئی کی تھی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ بڑے پیمانے کی میکانکی صنعت کی بعض داخلی برائیوں کی ایک حد تک ان تریاقی قوتوں نے اصلاح کر دی ہے جن کے اندر حرکت سیاسی جمہوریت کی ترقی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ صنعتی انقلاب کی بدترین خرابیاں زیادہ تر معاشرت کے اس انفرادیت پرست نظریے کا نتیجہ تھیں جس پر غیر پابند مسابقت کا عقیدہ مبنی تھا۔ جب انیسویں صدی کے آخری زمانے میں، معاشرہ کے ایک زیادہ عضویاتی تصور کے مقابلے میں، انفرادیت کے نظریے کی اہمیت رفتہ رفتہ کم ہونا شروع ہوئی تو فطری قوتوں کو بلا روک ٹوک اپنی من مانی کارروائی کرنے کی

اجازت نہیں دی گئی۔ پیدائش دولت کو بجائے خود ایک مقصد سمجھنا، کم سے کم ساجی نظریے کے طور پر ترک کر دیا گیا۔ روشن خیال مفکروں کی نگاہ میں، دولت کے اندر ایک مستقل بالذات شے کی حیثیت سے کوئی دلکشی نہیں رہی ہے بلکہ اس کے ساتھ دلچسپی کا اظہار صرف اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ انسانی بہبود کی ترقی کا ایک ذریعہ ہے۔ رائے عامہ کے رہنماؤں میں جو یہ محاذ کی تبدیلی رونما ہوئی ہے، اس کے معاشی اور سماجی اثرات اس قدر واضح اور معین ہیں کہ ان پر محض سرسری بحث کرنا کافی نہیں ہے۔ آمدنی اور ترکے کے ان محاصل نے، جن کے اندر متزائد اصول عمودی شکل میں کام کرتا نظر آتا ہے، دولت کی انتہا پسندانہ غیر مساواتوں کو ہلکا کرنے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ پھر بھی بنیادی مسئلہ ابھی تک حل کا منتظر ہے۔

۵۔ تاریخ اور معاصرانہ مسائل سوال یہ ہے کہ اگر معاشی تاریخ کو معاشی تجزیے سے علحدہ رکھا جائے تو کیا وہ روشنی، بے قاعدگی کے ساتھ گھٹنے بڑھنے والے روزگار اور اضافی ناداری کے مسئلے پر ڈالتی ہے؟

ہم اس بات پر بار بار زور دے چکے ہیں کہ سیاسی اور قانونی اداروں کی طرح، معاشی اداروں کا افادہ بھی ایسا نہیں ہوتا جو زمان و مکان سے آزاد ہو اور ایک مجرد اور مطلق حیثیت رکھتا ہو بلکہ ان کا افادہ اضافی ہوتا ہے۔ ایک معاشی ادارہ جو معاشرے کی ایک منزل میں درست ہوتا ہے، وہ دوسری منزل کے حالات میں بے جوڑ نظر آنے لگتا ہے۔ اس کی تائید میں، انگلستان کی معاشی تاریخ سے، مثالوں کو منتخب کرنا کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ انفرادی اقدام اور آزادی کے لیے میدان عمل جس کی ۱۷۶۰ء تا ۱۸۶۰ء کے زمانے میں انتہائی ضرورت تھی، وہ عہد وسطی کی جاگیروں کے یکساں کاموں کے لیے، جو اپنی جگہ پر مساوی طور پر ضروری تھے، بالکل ناموزوں معلوم ہوتا تھا۔ انفرادی آزادی اور مفاد ذاتی کی قوت محرکہ ان حالات کے ساتھ بھی ہم آہنگ نہیں تھی جس نے ٹیوڈر اور اسٹوارٹ حکمرانوں کی تجاریت کو پیدا کیا تھا۔ دوسری طرف اگر انفرادی اقدام کی آزادی نہ ہوتی اور فطری قوتوں کو آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہ حاصل ہوتا، تو اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں، صنعت کے اندر مشین کے استعمال کا رواج

اور ایک عالمی بازار کا پیدا ہونا کم سے کم مشتبہ نظر آتا ہے۔

چنانچہ تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی تائید ہوتی ہے جس کی تعلیم سیاسیات کے بارے میں مانٹسکو نے دی تھی یعنی معاشی اداروں کا افادہ محض اضافی ہوتا ہے اور یہ افادہ ایسا ہوتا ہے جو زمان و مکان کے حالات پر منحصر ہوتا ہے اور جب دوسرے باہم وگر پابند اداروں میں ترقی رونما ہو جاتی ہے تو اس کے اندر بھی اسی قسم کی تبدیلی کا پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی اہمیت سے خالی نہیں ہے کہ، حالیہ سالوں میں کئی موجودہ معاشی اداروں پر، اسی بنیاد پر حملہ کیا گیا ہے۔ صنعت کی عقلی تنظیم کے مطالبے کی تہ میں جو بنیادی اصول کام کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ آزاد مقابلہ جو انیسویں صدی کے حالات میں ایک قابل تعریف قوت محرکہ کا کام انجام دے رہا تھا اب اس لئے دنیا کے ان نئے حالات میں جن کو ۱۹۱۴ء کے بعد سے ترقی ہوئی ہے، قوم کو فائدہ پہنچانے کا کام ترک کر دیا ہے۔

صنعت کی عام تنظیم کے علاوہ، دوسرے اداروں مثلاً اعتبار اور بنک اور سونے کے معیار پر بھی اسی بنیاد پر حالیہ سالوں میں اعتراض کیے گئے ہیں۔ ان اعتراضوں کے پیچھے جنھیں مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے کیا جاتا ہے، یہ عقیدہ کارفرما نظر آتا ہے کہ یہ ادارے جو ایک ابتدائی زمانہ اور مختلف حالات کے لیے قائم کیے گئے تھے اور انھیں ترقی دی گئی تھی، موجودہ زندگی کے زیادہ پیچیدہ حالات میں بغیر ترمیم و اصلاح کے، اپنی کارگزاری کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔

۶۔ مشین لیکن آج جو چیز دلچسپی کا مرکز بنی ہوئی ہے وہ، وہ غیر معمولی ترقیاں ہیں جو حال کے زمانے میں خود بخود چلنے والی مشینوں میں ہوئی ہیں۔ اس مرتبہ پھر، مشینوں اور ایجادوں کو بے روزگاری کا ذمہ دار، نہ صرف انگلستان بلکہ امریکا میں بھی ٹھیرایا گیا ہے اور امریکا میں یہ تجویز سنجیدگی کے ساتھ پیش کی گئی ہے کہ کچھ سالوں کے لیے مزید ترقیوں کو ممنوع قرار دے دیا جائے۔[۱]

---

[۱] دوسری طرف ایک رسالہ بھی جو حال ہی میں مشین سازی کی صنعت کی طرف سے شائع کیا گیا ہے

میکانی وسائل پیدائش کی مخالفت اس بنیاد پر کہ ان کے رواج سے مزدور پیشہ طبقے، اپنے وسائل معاش سے محروم ہو جاتے ہیں کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ یہ مخالفت اس زمانے میں بھی جب لڈائیوں نے جرابوں کے فریموں کو، لیسیسٹر اور ناٹنگ ہم میں، گزشتہ صدی کے ابتدائی سالوں میں توڑ ڈالا تھا، ایک پرانی بات بن چکی تھی۔ دستی محنت کے بدل کو پلانٹے جینٹ اور ٹیوڈر دونوں خاندانوں کے حکمران ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور فرانس میں، اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں اس سوال پر خوب گرماگرم بحث جاری رہی اور یہاں روشن خیال مانٹسکو تک نے مشین کے فواید کی مخالفت کی۔

صنعتی انقلاب کے زمانے میں، مشین کے دو مختلف اثرات ظاہر ہوئے ابتدائی منزلوں میں اس نے نہ صرف انسانی محنت کی جگہ لے لی بلکہ بالغ مردوں کی جگہ عورتوں اور بچوں کی محنت کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ۱۸۳۰ء کے بعد، تیزی کے ساتھ وسیع ہونے والے بازار نے، مشین سے بنے ہوئے مال کی طلب میں شدت پیدا کر کے صورت حال میں، ایک مکمل تبدیلی پیدا کر دی اور اس چیز نے ان نئی صنعتوں کے ساتھ مل کر جن کا وجود مشین کی ترقی کی وجہ سے ممکن ہو سکا تھا برطرف شدہ محنت اور سرمایے کو پہلے سے زیادہ اپنے اندر جذب کر لیا۔

یہ نئے حالات، انیسویں صدی کے بقیہ حصے میں بھی کارفرما رہے اور معاشیات کی درسی کتابوں کی مانوس دلیلیں اسی تجربے پر مبنی تھیں اور جن حالات میں انھیں ترقی ہوئی ان کے لحاظ سے یہ درست بھی تھیں کیونکہ یہ فوری اور آخری نتائج کے درمیان ایک واضح تفریق کیا کرتی تھیں۔

سنہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے صورت حال پھر بدل گئی ہے۔ بے روزگاری ایسے پیمانے پر جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہر جگہ ترقی پر ہے اور اگرچہ اس مظہر کی بے شمار توجیہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ یہ کہا گیا ہے کہ دھات کی صنعتوں کی بہت سی شاخوں میں، روزگار پر مشین کے جن خراب اثرات کو بیان کیا جاتا ہے، ان میں بہت زیادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔

کی گئی ہیں لیکن یہ پرانا عقیدہ برابر پھیلتا چلا جارہا ہے کہ مشین کی مسلسل توسیع کا انجام ضرور مستقل بے روزگاری کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

جب اس مسئلے پر محض ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے تو دل یہ چاہتا ہے کہ فوری اور آخری نتائج کی پرانی تفریق کو دوبارہ قایم کیا جائے اور صنعتی انقلاب کے تجربے کو اس دعوے کی تائید میں پیش کیا جائے کہ موجودہ مصائب محض ایک دوسرے عبوری دور کے حالات کا قدرتی نتیجہ ہیں اور یہ کہ جب ضروری مطابقتیں پیدا کرلی جائیں گی تو آخر میں انیسویں صدی کے تجربے کا دوبارہ اعادہ ہوگا۔

اس مسئلے کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا خطرے سے خالی نہیں ہے لیکن یہ رائے ایک حد تک اس لیے غلط معلوم ہوتی ہے کہ اس میں رجائیت کو زیادہ دخل ہے۔ بدقسمتی سے تاریخی واقعات کا اعادہ کبھی بھی بالکل یکساں طریقے پر نہیں ہوتا۔ انیسویں صدی کے بیشتر حصے میں، انگلستان کو، مصنوعات کے کاروبار کا تقریباً اجارہ حاصل رہا۔ اب یہ صورت نہیں ہے۔ گزشتہ چالیس سال کے عرصے میں، ان قوموں میں، جو پہلے، مصنوعہ مالوں کی رسد حاصل کرنے کے لیے، انگلستان پر بھروسہ کیا کرتی تھیں، خودکفیل بننے کا ایک صاف رجحان پیدا ہوگیا ہے۔ اس بات کو، پورے طور پر، معاشی قومیت کے نئے جذبے کا نتیجہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کا سبب، کم سے کم، جزئی طور پر، یہ امر واقعہ ہے کہ ۱۷۶۰ء تا ۱۸۸۰ء میں انگلستان کو جو تفوق حاصل رہا، وہ محض اتفاقی حالات پر مبنی تھا۔ اس عارضی فوقیت کو، ہم کھو چکے ہیں۔ صنعتی طریقۂ کار اور فطری طاقت کے وسائل پر اب انگلستان کا اجارہ باقی نہیں رہا ہے۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ جب موجودہ کساد بازاری کے کالے بادل چھٹ جائیں گے، اس وقت بھی، چاہے مجرد طور پر ہماری تجارت کی مقدار میں اضافہ ہوجائے لیکن دنیا کی تجارت میں ہمارا نسبتی حصہ زوال ہی کی طرف مائل رہے گا۔

اس حادثے کے ممکن الوقوع ہونے کی وجہ سے، مزدوروں کے ان مسائل میں جو خودبخود چلنے والی مشینوں کی توسیع کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اور بھی زیادہ شدت پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ صنعتی طریقۂ کار میں سائنس

کے استعمال کا کام ابھی تک محض ابتدائی منزل پر ہے۔ اس کا پورا امکان ہے کہ پیدائش دولت کے طریقۂ کار میں جس طرح ماضی میں ترقی ہوتی رہی ہے مستقبل میں اس کے مقابلے میں زیادہ تیزی کے ساتھ ہو کیونکہ فنی ترقی جب ایک خاص نقطے پر پہنچ جاتی ہے تو پھر اس میں بہت تیزی سے اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اس لیے اگر یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ کچھ سالوں کے لیے فنی ترقی کو روک دیا جائے تو اس پر کوئی تعجب نہ کرنا چاہیے۔

لیکن فنی ترقی کے راستے میں، من مانے طریقے پر، ایک دیوار کھڑی کردینا کئی وجوہ سے ناقابل عمل معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اشتراکیوں کا یہ دعوے ہے کہ وہ وقت نزدیک آگیا ہے جس کی مارکس نے پیشین گوئی کی تھی نیز یہ کہ معاشرے کو جو خانگی سرمایہ داری پر مبنی ہے، اب ایسی راہوں پر تنظیم دینے کی ضرورت ہے جو پیدائش دولت کے ان امکانات سے فائدہ اٹھانے کے لیے موزوں ہوں جنھیں عملی سائنس کی ترقیوں نے پیدا کردیا ہے۔ یہ بھی دعوے کیا جاتا ہے کہ اشتراکیت کے تحت خود بخود چلنے والی مشینوں کی ترقی کوئی خراب نتیجہ پیدا نہ کرسکے گی بلکہ کام کے دن کی لمبائی کو آہستہ آہستہ گھٹا کر دو یا تین گھنٹے تک لایا جاسکے گا اور اس کی وجہ سے مزدور کی اجرت صحیحہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

یہ چیز، اس میں شک نہیں، ایسے ملک کے لیے تو نظری طور پر ممکن مانی جاسکتی ہے جو اپنے ضروری کچے مالوں کے لیے قطعی طور پر خود کفیل ہو۔ لیکن بہت کم ملک اس مثال کی حیثیت کے مالک ہیں۔ انگلستان کے بارے میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ ایسا نہیں ہے۔ کچے مالوں کو خریدنے کے لیے یا تو مصنوعہ اشیا برآمد کرنا ہوں گی یا خدمتیں۔ لہذا اشتراکیت کی صورت میں بھی انگلستان، مقابلہ کرنے والی بین الاقوامی تجارت کے حلقے سے باہر نہ نکل سکے گا۔

لیکن عملی سائنس کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں انھیں آسانی سے طاق پر رکھ کر بھلایا نہیں جاسکتا۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ جب دنیا دوبارہ معمولی طور پر کام کرنے لگے گی تو فنی ترقی کا نتیجہ ایک مرتبہ پھر یہی نکلے گا کہ دنیا میں بصورت مجموعی، محنت کی طلب بڑھ جائے گی، پھر بھی اس سے یہ نتیجہ

کسی طرح نہیں نکالا جاسکتا کہ انگلستان میں بھی یہی صورت رونما ہوگی۔ ۱۷۶۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان جو تبدیلیاں ہوئیں، جس طرح ان کے خاص ماحصل سے انگلستان نے فائدہ اٹھایا۔ اسی طرح موجودہ ترقیوں کے فواید سے ہو سکتا ہے کہ دوسرے وہ ملک نفع اٹھائیں، جن کے پاس ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے بہتر قدرتی وسائل موجود ہیں۔

یہ بات، بلاشبہہ قیاسی ہے۔ جو چیز یقینی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ جب تک بین الاقوامی تجارت کو یا تو قدرتی طاقتوں کی غیر پابند کارفرمائی یا قومیت کے اندھے تعصبات کے رحم و کرم پر رہنے دیا جائے گا۔ اس وقت تک معاشی مشین کو، معیاری طور پر معطل ہونا پڑے گا اور ایسی عالمی کساد بازاری جو کم و بیش شدید ہوگی رونما ہوتی رہے گی۔

اسمتھ، رکارڈو اور ریاستیات کا یہ عقیدہ تھا کہ جب معاملات پر طلب و رسد کی قوتوں کا عمل بے روک ٹوک ہونے دیا جاتا ہے تو معاشی مشاغل کے اندر وہ ہم آہنگی اور ربط جس سے توازن کی حالت رونما ہو، بہترین طریقے پر پیدا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن آج کل کی دنیا، کلاسیکی معاشیین کی دنیا سے بہت مختلف ہے۔ اس دنیا کے مقابلے میں یہ بہت زیادہ متحرک ہے اس میں واقعات بہت زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔ آج کل کی دنیا پر سائنس کی حکومت ہے اور اس کے صنعتی طبقوں میں اس قدر تخصیص پیدا ہوگئی ہے کہ جس کا انیسویں صدی کی ابتدا میں تصور کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ یہ دنیا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتی اور ان ہم آہنگیوں کے رونما ہونے کا انتظار نہیں کرسکتی جو قدرتی قوتوں کی سست رفتار کارفرمائیوں سے برآمد ہوں گی۔ نہ یہ ہٹ اور ضد سے کام لے کر، اقوام کی بڑی اکثریت کے درمیان اضافہ پذیر باہمی انحصار کو تسلیم کرنے سے انکار کرسکتی ہے جیسا کہ معاشی قومیت کوشش کر رہی ہے۔ موجودہ حالات کا مطالبہ ہے کہ ہم آہنگیوں کو زیادہ تیز رفتار اور زیادہ شعوری مقصد اور سوچ بچار کے ساتھ پیدا کیا جائے اور اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دنیا کے بیش تر حصے کو ایک معاشی وحدت تسلیم کیا جائے۔

عبرت و بصیرت کی یہ روشنی ہے جو معاشی تاریخ ہمارے زمانے کے

مسائل پر ڈال رہی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا، حالات کی منطق سے مجبور ہو کر اپنے معاشی اداروں کے لیے، ایک زیادہ عقلی اور علمی بنیاد کی تلاش میں لگی ہوئی ہے۔ اس بنیاد کی ٹھیک ٹھیک نوعیت کیا ہوگی اس کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ لیکن ایک عام اصول کی حیثیت سے یہ چیز ان جماعتوں میں بھی پھیلتی جا رہی ہے جو اشتراکیت سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتیں۔

لیکن اس بات کا کہ دنیا بدل رہی ہے سب سے اہم اعتراف اس عظیم الشان معاشی کانفرنس کی صورت میں کیا گیا جو لندن میں ۱۹۳۳ء میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کا فوری عملی نتیجہ چاہے جس قدر خفیف رہا ہو لیکن یہ کانفرنس معاشی تاریخ میں ایک عہد آفریں واقعہ ثابت ہوگی۔ کیونکہ تمام قوموں نے اس میں اپنے نمایندوں کو بھیج کر اپنے باہمی انحصار کا۔ نیز اس بات کا اعتراف کیا کہ معاشی مسائل قومی حدود کے پابند نہیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، بیسویں صدی کی دنیا میں یعنی ایسی دنیا میں جسے کیمیا اور انجینیرنگ کے علم نے پیدا کیا ہے، معاشی استحکام کی اول شرط یہ ہے کہ بین الاقوامی امداد باہمی اور نگرانی کے اصول کو تسلیم کیا جائے۔

لیکن معاشی تاریخ کے درس عبرت کو موجودہ مسائل پر منطبق کرتے وقت ایک احتیاط ضروری ہے۔ ہمیں ان تبدیلیوں سے جو آج کل واقع ہو رہی ہیں، عام کلیے اخذ کرنے میں، بہت ہوشیاری سے کام لینا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تبدیلیاں غیر معمولی اور استثنائی حیثیت رکھتی ہوں محض یہ واقعہ کہ بعض مظاہر، ماضی میں ایک سے زیادہ مرتبہ باہم مربوط نظر آئے ہیں، اس بات کو لازمی طور پر ثابت نہیں کرتا کہ ان کے اندر علت و معلول کا بھی رشتہ پایا جاتا ہے۔ ایک معاملے میں جتنے عوامل شامل ہوں، ہوسکتا ہے کہ دوسرے معاملے میں ان کا اعادہ بجنسہٖ نہ ہو محض اس بنیاد پر بھی معاشیات کے علم کی ضرورت مسلم ہو جاتی ہے چاہے اس کا کام صرف اسی قدر کیوں نہ ہو کہ وہ عقلی تجزیے کے ذریعے علت و معلول کے اس رشتے کو ڈھونڈھے جس کی طرف تاریخ کا تجربہ، اشارہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

۷۔ معاشی تاریخ اور معاشیات

معاشی تاریخ اور معاشیات میں جو لازمی تعلق ہے وہ پچھلے پیراگراف کے ذریعے واضح ہوگیا ہے

تاریخی مطالعے کے ہر شعبے کی، اصل غرض و غایت، اس بات کی تحقیقات کرتا ہے کہ انسانی واقعات کو، جب ایک خاص پہلو سے ان پر غور کیا جائے، عام قوانین کے دائرے میں داخل کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ تاریخ مطالع فلسفے کی ایک نئی شاخ ہے کیونکہ سترھویں صدی تک، واقعات کے بارے میں چاہے وہ انسانی ہوں یا طبعی، یہی سمجھا جاتا رہا کہ یہ خدا کی مرضی سے صادر ہوتے ہیں۔ ایسے منکرین مذہب جو مذہبی توجیہ کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، وہ اس کی جگہ یہ کہنے کے لیے مجبور ہوتے تھے کہ واقعات محض اتفاقی طور پر رونما ہوتے ہیں۔ اور یہ نظریہ وہ تھا جس کی ابتدا، بہت سے دوسرے نظریوں کی طرح، یونانی مفکروں نے کی تھی سترھویں صدی کی ابتدا میں، ڈیکارٹ کے فلسفے کے ساتھ، یہ نظریہ یورپ کی جدید فکر میں داخل ہوا کہ مظاہر پر نہ تو مشیت ایزدی، مطلق العنان طریقے پر حکومت کرتی ہے اور نہ اتفاق، اندھا دھند طریقے پر۔ بلکہ یہ مقررہ قوانین کے پابند ہیں، یعنی ان قوانین کے جو ان کے وجود میں خلقی طور پر موجود ہیں۔ اس کے تقریباً ایک صدی بعد، مانٹسکو نے اسی خیال کو طبعی علوم سے منتقل کرکے، سماجی اور سیاسی واقعات پر نیز معاشیات پر جس کا تصور سیاسیات کے ایک ضمنی علم کی حیثیت سے کیا جاتا تھا، منطبق کیا۔

لیکن معاشی تاریخ کا سنجیدہ مطالعہ، اس وقت تک شروع نہیں کیا گیا جب تک کہ ریکارڈو کی معاشیات، جو انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں پیدا ہوئی تھی، حقیقی تجربے کے واقعات سے ہم آہنگ ہونے میں ناکام ثابت نہ ہوئی مثلاً روشر اور کنیز نے جو جرمنی کے مورخ تھے یہ ثابت کیا کہ مانٹسکو کے اس نظریے کو کہ سیاسیات کی نوعیت اضافی ہے، معاشیات پر بھی مساوی طور پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اس بات کو دکھلا دیا کہ ریکارڈو کے نظریے، صرف انھی چند قوموں کے لیے صحت سے نزدیک تر تھے جو معاشی تمدن کی ایک خاص منزل پر تھیں۔ اس لیے انھوں نے علم المعیشت کے اس دعوے کی کہ وہ ایسے مجرد نظریوں کے مجموعے پر مشتمل ہے جن کی صداقت ہمہ گیر ہے مخالفت کی اور اپنے جوش میں انھوں نے یہ دعوے کیا کہ انسانی ذہن کبھی ان استقرائی نتائج سے،

جو معاشی اداروں، کے جداگانہ مطالعہ سے حاصل کیے جا سکتے ہیں، آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اس دعوے میں بلاشبہ مبالغہ پایا جاتا تھا۔ معاشیات کے ان نظریوں نے جو قیاسی تجزیے پر مبنی تھے، بعد کے مصنفوں کے لیے، علم کا ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ تاہم معاشی تاریخ، معاشی نظریوں کے ساتھ، لازمی اور ضروری طور پر متعلق ہے کیونکہ یہ ان نقطہ ہائے آغاز کو مہیا کرتی ہے جو حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں اور جن سے صحیح قیاس و استنباط کیا جا سکتا ہے اور خالص معاشیات کے نظریوں کو جب عملی مسائل پر منطبق کیا جاتا ہے تو معاشی تاریخ کے ذریعے ان نظریوں کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

لیکن اسنادی علم المعیشت کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اس میں بھی وہی بنیادی عیب پایا جاتا تھا جو قدیم یونانیوں کے زمانے سے لے کر موجودہ زمانے تک کے تمام فلسفیانہ طریق میں پایا جاتا رہا ہے یعنی یہ ضرورت سے زیادہ سہل اور سادہ تھی۔ اب ہم اس بات کو جان گئے ہیں کہ وہ مسائل جو منتھم، رکارڈو اور ان کے حلقے کے لوگوں کو غیر معمولی طور پر سادہ نظر آتے تھے وہ حقیقۃً بہت زیادہ پیچیدہ ہیں۔ نیز یہ کہ قدرتی علم کے برخلاف جب، معاشی اور سماجی مسائل پر غور کیا جاتا ہے تو روایات اور انسانی تعصبات اور معاشری تمدن کے عام حالات سے الگ نہیں رہا جا سکتا۔ معاشی تاریخ، یعنی معاشی اداروں کے اس ارتقا کے مطالعے کا جو وہ اپنے قدرتی ماحول کے درمیان کرتے ہیں، فایدہ یہ ہے کہ یہ خالص نظریے کو دنیا کے متحرک حقایق کے ساتھ مربوط کر دیتی ہے۔

جو نظریے طویل مدت سے رایج ہیں، ان میں بہت کم ایسے ہیں جو ان حالات کے مقامی رنگ سے جن میں ان کو نشوونما ہوئی اپنے آپ کو آزاد رکھ سکے ہوں۔ معاشی تاریخ ان کی ابتدا کے بارے میں روشنی ڈال کر نہ صرف ان کی توجیہ کرتی ہے۔ بلکہ اس بات کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ وہ نظریے جو آج حقیقت کے بالکل خلاف نظر آتے ہیں، ان کی بنیاد ابتداءً کافی معقول وجوہ پر قایم تھی۔

ایک ایسی نسل کے لیے، جس میں سرمایے کو کوشش اور قربانی ہی سے

جمع کیا جا سکتا تھا، سود کی قدرتی توجیہ، یہی کی جا سکتی تھی کہ یہ اجتناب کا معاوضہ ہے۔ اسی طرح رکارڈو کے لیے جو ایسے زمانے میں اپنی کتاب کو تصنیف کر رہا تھا جس میں مشین کا تعمیر کرنا، اُسے حاصل کرنا اور اس کی جگہ دوسری مشین لگانا، ایک مشکل کام تھا اور جب لاگتوں کو نسبتہً آہستہ آہستہ ہی گھٹایا جا سکتا تھا، یہ ایک قدرتی بات تھی کہ پیدایش کے مصارف کو، ایک ایسے قایم انداز میں پیش کرے جس سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے طلب، ایک تغیر پذیر عنصر کی حیثیت سے، مجبور نظر آئے۔ اسی طرح امریکا میں جو ایک ایسے ملک کی بہترین مثال ہے جس میں مشین کو بے کار سمجھ کر روی کے ڈھیر پر جلد جلد پھینک دیا جاتا ہے، بعد کے زمانے میں نظریہ مختتم کا جو عام رواج ہوا، اس کی توجیہ کرنا بھی آسان ہے کیونکہ جب مشین سازی کے علم میں اضافہ پذیر ترقی ہوتی رہی تو مصارف پیدایش اور طلب کی نسبتی اہمیت، قدرتی طور پر، تبدیل ہوکر، معکوس ہوگئی۔[۱]

اسی طرح ایسے نظریے جیسے کہ ذخیرۂ اجرت کا نظریہ اور پیدا آور اور غیر پیدا آور محنت کے درمیان فرق کے نظریے ہیں، اُسی وقت سمجھ میں آسکتے ہیں جب انھیں تاریخی پس منظر میں دیکھا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے کی صنعتی سماج سے انھیں کوئی علاقہ نہیں ہے۔ لیکن جب انھیں زیادہ ابتدائی حالات پر منطبق کیا جاتا ہے تو یہ صداقت سے خالی نظر آتے ہیں۔ انھیں ایسے لوگوں نے بنایا تھا جو ایک عبوری دور میں زندگی گزار رہے تھے اور جو معاشرے کے ان تصورات کی وجہ سے جو اس زمانے میں بھی دقیانوسی بن چکے تھے مستقل طور پر حیران اور سرگزشتہ رہتے تھے۔ لیکن صنعتی معاشرے میں ارتقا کا ایک عمل برابر جاری ہے۔ ہمارے زمانے کے نظریے بھی، جہاں تک ان کا ماخذ ہمارے زمانے کے حالات ہیں، مستقبل کی کسی تاریخ میں، حقیقت سے ایسے ہی دور نظر آئیں گے جیسے کہ بہت سے ابتدائی زمانے کے نظریے آج کل کے حالات میں نظر آتے ہیں۔ معاشی تجزیہ ان کی غلطیوں کی گرفت تو کرے گا لیکن جب تک اس فضا کو جس میں انھیں سوچ کر نکالا اور قبول کیا گیا تھا، از سر نو تعمیر نہیں کیا جائے گا اس وقت تک حقیقت نے جو بعد ان کے اندر رونما ہوا، اس کی توجیہ نامکمل رہے گی۔

تمت

---

[۱] منطقی تجزیے کے سوال سے اگر قطع نظر کر لی جائے۔

صحت نامہ

معاشی تاریخ انگلستان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۶	۲۳	انجنو	انجن	۴۰۴	۱۳	بازری	بازاری
۴۸	۱۳	تابروں	تاجروں	۱۱۱	۳	بچتاتا	پچتاتا
۵۳	۱۱	منتجہ	نتیجہ	۱۲۲	۲۴	پھاپ	بھاپ
۵۴	۴	قابل	قایل	۱۲۴	۱۴	〃	〃
〃	۲۵	اند	اندر	۱۳۰	۷	اجتنا	جتنا
۶۱	۱۹	فریب	قریب	۱۳۶	۱	قوامین	قوانین
۶۳	۱۰	ہوئے	ہوے	۱۶۳	۱۱	بروزمین	جزوزمین
۷۶	۱۵	روج	رواج	〃	۱۳	رہ	زیادہ
۸۳	۵	دھوگے	دھوکا	۱۸۵	۱۷	معائے	معاملے
۸۶	۱۸	سیے	سینے	〃	حاشیہ ۲۷	ے۲	Stringency ے۲
〃	۱۹	دباتے	دبانے	۲۲۵	۱۸	مخفالفوں	مخالفوں
۸۸	۱	پر	پر	۲۳۶	۱۷	وجود	وجوہ
۱۰۲	۱۸	پُر پڑپیچ	پر پُر پیچ	۲۴۷	۱۴	تن دیہی	تن دہی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۴۸	۵	نصب العیتوں	نصب العینوں	۴۰۱	۷ و ۸	لوگوںسے بیش ان کے	لوگوں یا ان کے
۲۵۲	۱۶	چاری	جاری			خاندان اوہ	خاندان
۲۵۵	۹	منشویت	منشوریت	"	۱۶	سی طرح جو ترنامی	اور اس طرح انتظامی
۲۹۲	۱۴	دشنمام	دشنام	۴۲۱	۲۵	برقی	برقی
۳۰۳	۱۳	مطالبایات	مطالبات	۴۲۵	۷	یاامید	یہ امید
۳۳۶	۵	لداد	مداد	۵۵۴	۵	صفرح بچے جب	نے بھی جب
۳۵۵	۷	پتنی	ملتی			[illegible]	روس سے
۳۷۰	۲۴	فواری	فوری	۵۸۱	۲۳	مشابقت	مسابقت
۳۷۴	۲۱	افنی	اتنی				